فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ

سرائی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۳، ۴، ۵

﴿تالیف﴾

الامام العالم الفاضل الشیخ

حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی البروسوی قدس سرہ العالی
المتوفی ۱۱۳۷ھ

﴿ترجمہ﴾

عمدۃ المفسرین شیخ القرآن فیض ملت

حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

باہتمام: عطاء الرسول اویسی

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ (سیرانی مسجد روڈ بہاول پور پاکستان)

نام کتاب	فیوض الرحمان اردو ترجمہ روح البیان
نام پارہ	۳،۴،۵
مصنف	حضرت علامہ الشیخ اسماعیل حقی حنفی قدس سرہ،
مترجم	شیخ القرآن فیض ملت حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ،
مصحح	چوہدری مشتاق احمد خان لاہور
سن طباعت	۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۳ء
باہتمام	عطاء الرسول اویسی
ناشر	مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور پاکستان

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ
الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَ لَوْ شَآءَ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ع

ترجمہ : یہ پیغمبر ہیں جنھیں ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ان میں بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالٰے نے (بلاواسطہ) گفتگو فرمائی اور بعض وہ ہیں جن کے درجات بلند فرمائے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسٰی (علیہ السلام) کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد فرمائی اور اگر اللہ تعالٰے چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے ہاں کھلی نشانیاں آچکیں لیکن انھوں نے اختلاف کیا ان کے بعض تو ایمان پر رہے اور بعض کافر ہوگئے اور اگر اللہ تعالٰے چاہتا تو وہ نہ لڑتے لیکن اللہ تعالٰے جو چاہے کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ تِلْكَ الرُّسُلُ ، اس جماعت کی طرف اشارہ ہے جس میں منجملہ ان کے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ پس لام الرسل میں استغراق کی ہوگی۔ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ بایں طور کہ اس کے بعض کو ایک ایسی منقبت کے ساتھ مخصوص کیا کہ اس کے غیر میں نہیں ہے۔ (سوائے ہمارے نبی علیہ السلام کے)

عقیدہ : تمام انبیاء علیہم السلام نبوت میں برابر ہیں کیونکہ وہ ایک شے ہے اس میں کسی قسم کی فضیلت نہیں ہے البتہ باعتبار درجات

ایک دوسرے سے افضل ہیں کہ اس درجہ کو دوسرا نبی علیہ السلام نہیں پہنچا مثلاً خلت جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصیب ہوئی وہ کسی دوسرے کو میسر نہ ہوئی اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو ملک اور نبوت اور خوش الحانی عطا ہوئی وہ کسی دوسرے کو نہ ملی اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع جن و انس اور پرندے چرندے حتیٰ کہ ہوا بھی زیر فرمان ہوئی۔ جو ان کے والد کو یہ مرتبہ نہ ملا۔ اسی طرح ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث الی الجن والانس ہیں اور ان کی شریعت تمام ادیان کی ناسخ ہے لیکن یہ درجہ کسی کو حاصل نہ ہوا[1]

ف : بعض ان میں سے ایسے (نبی) ہوئے کہ جنھوں نے اپنی امت کو توحید الافعال کی طرف بالفعل بلایا اور توحید الصفات و الذات کی طرف بالقوہ۔ بعض ان میں سے ایسے تھے کہ جنھوں نے توحید الصفات کی طرف بھی بالفعل بلایا اور توحید الذات کی طرف بالقوۃ۔ اور بعض ان میں سے ایسے بھی تھے کہ جنھوں نے توحید الذات کی طرف بھی بالفعل بلایا، یہ ابراہیم علیہ السلام تھے اس لیے کہ یہ توحید کے قطب تھے۔ کیونکہ دیگر انبیاء علیہم السلام مبداء و معاد اور ذات احدیہ (جو کہ بعض صفات کے ساتھ موصوف ہے) کی طرف بلاتے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام ذاتِ الٰہیہ احدیہ کی طرف بلاتے تھے اسی لیے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی تابعداری کا حکم ہوا جیسا کہ فرمایا :

واوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔

لیکن یہ تابعداری باعتبار اجمال کے ہے نہ کہ باعتبار تفصیل کے۔ کیونکہ تفصیل کے ساتھ صفات کی تفاصیل کے متمم صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس لیے خاتم الانبیاء سوائے آپ کے اور کوئی نہیں ہے۔

مسئلہ : انبیاء علیہم السلام اگرچہ درجاتِ دعوت میں باعتبار امتوں کے مشارب کے متفاوت ہیں لیکن وہ سب کے سب واصل اور فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں کیونکہ ولایت نبوت سے پہلے ہے کیونکہ جہاں ولایت کے درجات کا انتہا ہوتا ہے وہاں سے نبوت کی ابتداء ہوتی ہے۔ گویا نبوت کی بناء ولایت پر ہے اور ولایت فنا فی اللہ و بقا باللہ کا نام ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر نبی علیہ السلام واصل الی اللہ جمیع مراتبِ توحید فی الافعال والصفات والذات کا جامع ہوتا ہے۔

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ یعنی اس پر اللہ تعالےٰ کا فضل ہوا بایں طور کہ اس نے بلاواسطہ کلام کیا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کے کلیم (کلام کرنے والے) ہیں۔ علماء کا اختلاف ہے کہ جس کلام کو موسیٰ علیہ السلام نے سنا کیا واقعی یہ وہی کلام قدیم ازلی ہے جو جنس حروف و اصوات سے نہیں۔ (یا کچھ اور)

ف : امام اشعری اور ان کے اتباع تو فرماتے ہیں کہ یہ وہی کلام قدیم ازلی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح اس کی رویت (جو کہ

---

[1] : ہاں یہ عقیدہ ضروری ہے کہ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے جملہ خصائص ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔ " آنچہ ہمہ دارند تو تنہا داری " بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (اویسی)

کیفیت سے پاک ہے) ممتنع نہیں تو اس کا کلام بھی ہو کہ کیفیت سے پاک ہے ممتنع نہیں۔

ف: بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کلام قدیم ازلی کا سننا محال ہے اور یہ کلام جو سنا گیا یہ حروف و اصوات ہیں۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ اور ان کے بعض کو درجات پر فائز المرام فرمایا۔ درجات کی نصب علی نزع الخافض ہے یعنی ان کے ایسے درجات بلند فرمائے کہ ان کے غیر میں نہ پائے جاتے اور اسے چند وجوہ اور بڑے بڑے مراتب کی وجہ سے فضیلت بخشی۔ اس سے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ آپ کو جو آیات کثیرہ (کہ جن کی تعداد تین ہزار یا اس سے بھی زائد ہے) عطا ہوئے اور کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہ ہوئے بلکہ اگر کوئی اور آیت بھی آپ کو نہ ملتی تو صرف قرآن پاک ہی تمام انبیاء پر فضیلت کے لیے کافی تھا۔ کیونکہ یہ ایسا معجزہ ہے کہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا بخلاف باقی معجزات کے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں تمام انبیاء علیہم السلام سے چھ چیزوں کی وجہ سے افضل ہوں:

① میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں۔
② رعب سے مجھے نوازا گیا۔
③ میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں۔
④ میرے لیے زمین کو مسجد و طہور قرار دیا گیا۔
⑤ تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔
⑥ مجھے ختم الانبیاء بنایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر صاحب فضیلت کی فضیلت اس کے نور کی ضیا کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لیے کہ رفعت فی الدرجات بقدر رفعت کے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا:

والذین اوتوا العلم درجات۔

نور واحدانیت کے ظل کی روشنی ہے جس قدر علم میں اضافہ ہوگا اسی قدر درجات بلند ہوں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا میں اور یحیٰی و عیسٰی علیہما السلام کو دوسرے اور یوسف علیہ السلام کو چوتھے اور ہارون علیہ السلام کو پانچویں پر اور موسٰی علیہ السلام کو چھٹے پر ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا پھر آپ سدرہ المنتہیٰ تک پہنچے"

کما قال تعالیٰ:

کان قاب قوسین او ادنیٰ۔

اس رفعۃ فی الدرجہ کو قرب حضرت الٰہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ قرب اس نور علمی کی قوت کی مقدار پر نصیب ہوتا ہے اور

ظلمات الوجود پر انبیاء علیہم السلام کی توحید کے انوار کے غلبات ہوتے ہیں - چنانچہ جب ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وحدانیت کا نور ظلمتِ انسانیہ پر غالب ہوا تو ظلمت انسانیہ بالکل مضمحل ہو کر لاشے بلکہ انسانیت کے وجود کی ظلمت فنا ہو گئی کیونکہ آپ پر صفات جمال وجلال کا غلبہ ہو گیا تھا اسی لیے ہر نبی کے اندر جتنی مقدار اس ظلمت انسانیہ سے کچھ بقایا تھی اتنی مقدار وہ آسمان در آسمان کی پرواز سے رہ گیا اور ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم ہر مکان اور امکان کو طے کر کے آگے چلے گئے۔ اس لیے کہ آپ ظلمتِ وجود سے فانی اور اپنے وجود کے نور سے باقی ہو گئے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالٰی نے آپ کو نور کے سے موسوم فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے :

قد جاءکم من اللہ نور ....الخ

اس نور سے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اور کتاب سے قرآن مجید - ناظرین اس تحقیق کو غنیمت سمجھئے۔ انشاءاللہ یہ تحقیق اور ایسے معانی صرف یہاں پڑھیں گے (اسی وجہ سے تفسیر روح البیان دوسری تفاسیر سے فائق ہے)

تفسیر عالمانہ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ، اور ہم نے عیسٰی بن مریم کو بینات یعنے آیاتِ باہرہ و معجزاتِ ظاہرہ مثلاً احیاء الموتی و شفائے مریضاں اور ابراء اکمہ و ابرص گارے سے پرندے بنانا اور غیبی خبریں اور انجیل عطا فرمائی۔

سوال : حضرت عیسٰی علیہ السلام کی افضیلت کا سبب ان معجزات کو بتانا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ معجزات صرف انہیں سے مخصوص نہیں تھے بلکہ اور انبیاء علیہم السلام کو بھی معجزات عطا ہوئے پھر ان کی تخصیص کیسی ؟

جواب (۱) تخصیص کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ آیات واضحہ اور معجزات عظیمہ صرف عیسٰی علیہ السلام کو مجموعی طور پر حاصل ہوئے۔ اگرچہ فرداً فرداً بعض دیگر انبیاء کرام میں بھی پائے گئے۔

(۲) تخصیص کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ معجزات اگرچہ عیسٰی علیہ السلام سے مختص نہیں لیکن اس میں یہودیوں کی تحقیر مطلوب ہے کہ وہ سرے سے عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے۔ اللہ تعالٰی نے یہاں پر نہ صرف ان کی نبوت کا اثبات فرمایا بلکہ بہت بڑے معجزات کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ وہ یقیناً نبی تھے اور ان سے فلاں فلاں معجزات بھی ظاہر ہوئے جو ان کی نبوت پر قطعی دلالت کرتے ہیں اور اس میں نصارٰی کی بھی تردید ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کی شان میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ انہیں منصب رسالت سے نکال کر الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

وَاَيَّدْنٰهُ ، اور ہم نے ان کو تقویت پہنچائی۔ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط روح القدس سے۔ یعنی وہ روح جو پاکیزہ تھی کہ اللہ تعالٰی نے روح عیسٰی علیہ السلام میں پھونکی تو انہیں اس روح کی بدولت غیروں سے ممتاز فرمایا کہ دیگر مخلوق کی پیدائش نر و مادہ کے دو نطفوں کے اجتماع سے ہوتی ہے لیکن عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش اس طرح نہیں ہوئی اس لیے کہ نہ وہ مردوں کی اصلاب میں ٹھہرے، اور نہ ہی عورتوں کی ارحام میں۔

(فائدہ) اس تقریر پر یہ اضافت تشریفیہ ہو گی۔

اب معنی یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی اول و اوسط اور آخر عمر میں جبریل علیہ السلام کے ذریعے مدد فرمائی اول عمر میں مدد فرمائی اور اس کا بیان یوں فرمایا: فنفخنا فیہ من روحنا۔ اور اوسط میں یوں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت سے علوم سکھائے اور بہت بڑے دشمنوں سے آپ کی حفاظت فرمائی اور آخر میں یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو جبریل علیہ السلام نے آپ کی مدد کی اور آسمان پر اٹھا کے لے گئے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لڑائی نہ کرتے وہ جو ان کے بعد ہوئے یعنی رسولوں کے بعد اور لڑائی کرنے والوں سے مختلف امتیں مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اگر ان کے عدم قتال کا ارادہ فرماتا تو وہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرتے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بیان کردہ حق پر تمام متفق ہو جاتے۔ من کا تعلق اقتتل سے ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ، بعد اس کے کہ لائے ان کے پاس رسل کرام علیہم السلام معجزات واضحہ اور آیات ظاہرہ جو حقیقت حال پر دال اور ان کی تابعداری کے موجب اور ان کے طریقہ سے روگردانی سے روکنے والے اور حق کی طرف پہنچانے والے ہیں۔ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا، اور لیکن وہ مختلف ہوئے یعنی وہ اللہ تعالیٰ ان کا لڑنا نہیں چاہتا اس لیے کہ ان کا آپس میں اختلاف بڑھ جائے گا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ، پس بعض ان میں وہ ہیں جو رسل کرام کے آیات بینات پر ایمان لائے اور ان پر عمل بھی کیا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ، اور ان میں سے بعض نے ان بینات سے کفر کیا اور کفر میں ایسے پھنسے کہ اس سے ان کا رجوع ناممکن ہوا۔ اس کی حکمت کا تقاضا یونہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اس میں مشیت نہیں کہ وہ آپس میں لڑیں لیکن وہ اپنے مقتضائے احوال کے مطابق لڑے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ، اور اگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نہ چاہے ان کے لڑنے کو جو ان کی عادت بن چکی ہے کہ وہ اختلاف و انشقاق کی وجہ سے لڑائی کے درپئے رہتے ہیں۔ مَا اقْتَتَلُوْا، تو ان کی تطاول و تعاون کی رگ نہ پھڑکتی اس لیے کہ یہ سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۝ لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے وہ جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ امور وجودیہ اور عدمیہ سے منجملہ ان کے یہی ہے کہ اس کا ان کے متعلق لڑائی کا ارادہ نہیں۔ ترکِ قتال بھی منجملہ ان کے افعال سے ہے یعنی کرتا ہے وہ جو اس کا ارادہ ہوتا ہے نہ کوئی موجب اس کے ارادے کو مجبور کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مانع اسے روک سکتا ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ تمام حوادث اسی کی مشیت کے تابع ہیں خیر ہو یا شر، ایمان ہو یا کفر۔

مسئلہ: اس سے معتزلہ کے غلط عقیدہ کی بھی تردید ہو گئی کہ وہ ارادہ و مشیت متعلق بہ شر کے قائل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام غزالی قدس سرہ ضار و نافع کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ضار و نافع وہ ہے کہ اس سے خیر و شر اور نفع و ضرر صادر ہو اور ہر شے اس کی طرف منسوب ہو خواہ کسی واسطہ سے ہو خواہ ملائکہ اور انس و جمادات

جواب: صرف خرچ کرنے کی ترغیب وتحریص کی بنا پر ہے۔
ف: اس خرچ کرنے پر زکوٰۃ واجبہ مراد ہے جیسا کہ مابعد کی وعید دلالت کرتی ہے۔
قاعدہ: عموماً امر وجوب ومندوب کو شامل ہوتا ہے۔ من ابتدائے غایت کے لیے ہے۔
مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ، اس سے پہلے کہ حساب اور اجزا کا دن آئے۔ وَلَا بَیْعٌ فِیْہِ۔ اور اس دن نہ بیع ہوگی کہ جس سے کمی کرنے والا اپنی کوتاہی کا جبر نقصان کر سکے۔ یہ دراصل ایک سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے پوچھا کہ قیامت میں بیع ہوگی، اس لیے اسے مرفوع پڑھا گیا۔ البیع بمعنے استبدال المال بالثمن، مال کو ثمن کے عوض دینا۔ وَلَا خُلَّۃٌ اور نہ ہی کوئی دوستی ہوگی کہ جس سے تمھارے کردار پر تمھارے دوست درگزر کر اسکیں اس لیے کہ قیامت میں تمام دوستیاں منقطع ہو جائیں گی۔ ہاں اولیاء اللہ کی دوستیاں ختم نہیں ہوں گی۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے:

"الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین"

الخلۃ بمعنے المودۃ (محبت ودوستی اور صداقت اور "خلۃ" کو اس لیے خلت کہتے ہیں کہ گویا وہ اعضار میں گھس جاتی ہے یعنے اعضار کے اندر ان کے وسط میں داخل ہو جاتی ہے اور سچے دوست کو خلیل اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی محبت دوست کے دل پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔

وَلَا شَفَاعَۃٌ اور نہ ہی کسی کی سفارش کام آئے گی کہ سفارشی پر بھروسہ کر کے یہ سمجھو کہ اس دن وہ لوگ ہماری سفارش کر کے ہمیں چھڑا لیں گے۔

ازالۂ وہم: جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے یہ وہ شفاعت ہے کہ جس کی اجازت منجانب اللہ نہ ہو۔ ورنہ قیامت میں مومنین کو شفاعت کا حق حاصل ہوگا جو اپنے مقام پر دلائل سے ثابت ہے کہ انھیں شفاعت کی اجازت ہوگی۔

وَالْکٰفِرُوْنَ اور کافرین یعنی زکوٰۃ کے تارکین (منکرین) یہاں پر تارکین کے بجائے کافرین کے لفظ میں یہی نکتہ ہے کہ انھیں تنبیہ اور تہدید ہو جیسا کہ آیت حج کے آخر میں فرمایا: ومن کفر۔ حالانکہ یہاں کہنا تھا: ومن لم یحج۔ اس میں دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ ترک زکوٰۃ کفار کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ۔

ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وہی ظالم ہیں یعنے یہ وہی ہیں جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ زکوٰۃ کے ترک سے اپنے نفسوں کو عذاب کے دہانے پر کھڑا کر کے اور مال کو بے جا خرچ کر کے مال کو ضائع کر دیا۔

ے

زکوٰۃ اگر ندہی از رت زداوۃ دے
علاج کے کمنت کانرا وار اکی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوتے مال سے اگر زکوٰۃ نہ دو گے۔ اس کا علاج کیا کروں جب کہ ایسی بیماری کا علاج آگ سے داغنے کے سوا اور کوئی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی دی ہوئی نعمتوں سے خرچ کرنے کا حکم دیا۔ خواہ وہ نعمتیں نفسیہ ہوں یا بدنیہ جو اعضاء سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگرچہ بظاہر اور عرفاً یہ حکم مال خرچ کرنے کے لیے ہے لیکن اس سے نفس و بدن کو خرچ کرنا بھی مراد ہوتا ہے جو کہ انھیں اعدائے دین اور خواہشات نفسانیہ ودیگر عبادات پر خرچ کیا جاتا ہے اور چونکہ دنیا کمائی اور آزمائش کا گھر ہے اور آخرت ثواب و جزا کا گھر ہے اور آخرت میں انسان کو ایسی باتوں سے نفع حاصل کرنے کا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ اس لیے ان تینوں کا ذکر کر کے اس کی آزمائش کی گئی ہے۔ اس لیے کہ انہی تینوں سے انسان اپنے منافع کما کر بہرہ مند ہوتا ہے مثلاً:

① معاوضہ کے طور پر فائدہ پانا۔ یہ بیع سے ہوتا ہے۔

② یاری دوستی سے شئے حاصل کرنا اور وہ یاری و دوستی ایک دوسرے کو ہدایا و تحائف کے ذریعہ قایم کی جاسکتی ہے۔

③ غیر کی معاونت سے مقصد کو پایا جاسکتا ہے جسے سفارش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح عدالت کے مجمل طور پر تین مراتب ہیں:

① عدالت انسان کے اپنے نفس کے مابین۔

② عدالت عام لوگوں کے مابین۔

③ عدالت انسان اور اللہ تعالیٰ کے مابین۔

اسی طرح ظلم کا بہت بڑا مرتبہ کفر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والکٰفرون ھم الظّٰلمون یعنے ظالم وہ ہیں جو عذاب کے مستحق ہیں۔ اس لیے جب یہ صفت علی الاطلاق ہو تو اس سے کفار ہی مراد ہوتے ہیں کسی دوسرے کے مراد لینے کا وہم تک بھی نہیں ہوتا۔

سبق: انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے انفاق و احسان میں پوری جد وجہد کرے۔

حکایت: زمانۂ سابق میں ایک عابد تھا شیطان نے اسے گمراہ کرنے کا بڑا زور لگایا لیکن ناکام رہا۔ ایک دن شیطان نے انھیں کہا کہ آپ کو پتہ ہے کہ میں بنو آدم کو کس طرح گمراہ کرتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، لیکن وہ عمل بھی بتایئے کہ جس کے ذریعے تو انھیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ شیطان نے کہا: وہ یہ باتیں ہیں:

① حدۃ ② سکر

چونکہ انسان فطرۃً بخیل واقع ہوا ہے اس لیے میں سب سے پہلے اس کی نظروں میں اسے اس کا مال قلیل دکھاتا ہوں۔ پھر اسے لوگوں کے مال میں رغبت دلاتا ہوں۔ اگرچہ وہ لوہے سے بھی زیادہ سخت ہو تب بھی میں اسے نرم کرکے ایسے نچاتا ہوں جیسے بچے گیند کو۔ وہ اتنا بڑا کامل کیوں نہ ہو کہ اس کی دعا سے مردے بھی زندہ ہو جاتے ہوں تب بھی اس کے گمراہ کرنے میں ہم نا امید نہیں ہوتے۔ پھر جب وہ دنیا کے نشہ میں پھنس جاتا ہے پھر ہم اسے ہر شہوت کی طرف کھینچ کرلے جاتے ہیں۔ جیسے بکری کو کانوں سے پکڑ کر مرضی کے مطابق ہر جگہ لے جایا جاسکتا ہے۔ (کذافی آکام المرجان)

حکایت: امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر میں تمہیں دنیا میں اہل دنیا بنا کر بھیجتا تو تو کونسی اطاعت بجالاتا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی، یا اللہ! تو ہی خوب جانتا ہے۔ لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر تو مجھے دنیا میں اہل دنیا بنا کر بھیجتا تو میں یہ عمل کرتا:

(۱) خرچ و اخراج میں عیالدار کی مدد

(۲) مخلوق کے عیوب و ذنوب کی پردہ داری۔ یہاں تک کہ ان کے عیوب و ذنوب کو تیرے سوائے اور کوئی نہ جانتا۔

(۳) پیاسے کو سیر کرکے پانی پلاتا۔ (کذافی روضۃ العلماء)

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱۔ چوں خود را قوی حال بینی و خوش
بشکرانہ بار ضعیفاں بکش

۲۔ اگر خود ہمیں صورتی چوں طلسم
بمیری و اسمت بمیرد چو جسم!

۳۔ اگر پرورانی درخت کرم
بر نیک نامی خوری لا جرم

ترجمہ: (۱) جب تم اپنے آپ کو قوی اور خوشحال پاؤ تو شکرانہ کے طور پر ضعیفوں کا بوجھ اٹھاؤ۔

(۲) اگر تم اسی طریقے پر استقامت کروگے تو مرنے کے بعد تیرا نام زندہ رہے گا۔

(۳) اگر تم کرم کے درخت کی پرورش کروگے تو اس سے نیک نامی کا پھل کھاؤگے۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰہُ، اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں۔ ان میں یہی اسم اعظم ہے اس لیے کہ یہ اسم ذات جامع الصفات الالٰہیہ پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی صفت بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہوتی۔ اس کے سوا باقی اسماء ہر ایک اپنے انہی معنوں پر دلالت کریں گے جن کے لیے انہیں وضع کیا گیا ہے مثلاً علیم علم پر قادر قدیر قدرت

یا فعل پر وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں یہ اسم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کہ سوائے اسی کے کسی اور پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا حقیقۃً نہ مجازاً بخلاف باقی اسمار کے کہ ان پر غیر کا بھی اطلاق ہوتا ہے مثلاً قادر، علیم اور رحیم جیسے اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔ اس کی مخلوق میں بہتوں پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔

سبق سالک کو چاہئے کہ اسے اسی اسم کی طرف خصوصی شغف ہو یعنے اس میں محو ہو کہ اس کے دل میں صرف یہی اسم ہو اور اس کے دل کی توجہ بھی اسی اسم کی طرف اتنی ہو کہ ماسوا کی طرف اس کا دھیان بھی نہ جائے۔ اور نہ ہی اس کے غیر کی طرف التفات ہو اور نہ ہی اس کے ماسوا سے کوئی امید اور خوف و خطر ہو اگر ڈر ہو تو صرف اسی سے۔ اور یہ کیوں نہ ہو جب کہ اس اسم سے سمجھا جاتا ہے کہ صرف وہی ذات موجود حقیقی اور حق ہے۔ اس کا ماسوا رفانی و ہالک و باطل ہے۔ ہاں اگر کسی کو کچھ حاصل ہے تو اس سے۔ سالک سب سے پہلے اپنے آپ کو فانی و ہالک اور مٹا ہوا سمجھے جیسے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ عرب میں جتنے شعرار نے اشعار کہے ہیں سب سے زیادہ بہتر و اعلیٰ وہ شعر ہے جو لبید نے کہا۔

ع الا کل شی ما خلا الله باطل

(خبردار! اللہ تعالیٰ کے ماسوی باقی ہر چیز 'لاشیٔ' ہے۔)

اعجوبہ در اسم اللہ اسم اللہ میں بہت بڑے ایسے فوائد ہیں جو اس کے سوا دوسرے اسمار الٰہیہ میں نہیں مثلاً اس اسم میں کسی حرف کو گرا دو تو معنے میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا۔ (بخلاف دوسروں کے کہ ان میں کسی حرف کے گرنے سے معنے بگڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اگر لفظ "اللہ" سے الف گرایا جائے تو "للہ" بچتا ہے۔ اسی طرح سے معنیٰ نہ بگڑا جب کہ قرآن مجید میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"للہ ما فی السمٰوات وما فی الارض"

اسی طرح پھر پہلی لام گرانے سے بھی معنے نہیں تبدیل ہوتا کیونکہ اس کے بعد "لہٗ" بچ جاتا ہے اور "لہٗ" کا اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لہٗ ملک السمٰوات وما فی الارض"

اسی طرح اگر دوسری لام محذوف ہو تو بھی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ "ہٗ" بھی اللہ تعالیٰ کے لیے مستعمل ہے کیونکہ وہ ضمیر ہے اور اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ آیات قرآنی میں ہے:

"ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو" وغیرہ وغیرہ۔

ف: اسمار الٰہیہ میں بہت بڑی تاثیر ہے خصوصاً لفظ "اللہ" میں تو بہت بڑی زیادہ تاثیرات منقول ہیں۔

حکایت: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب حضرت مولانا علار الدین خلوتی رحمہ اللہ تعالیٰ بروسہ میں تشریف لائے تو جامع مسجد کبیر میں ممبر پر وعظ کے لیے بیٹھے تو آپ کا وعظ سننے کے لیے ایک جم غفیر حاضر ہوا اور منتظر تھے کہ آپ

کا وعظ مبارک ہوا در ہم سنیں۔ آپ نے وہاں صرف ایک بار کہا: "اللہ" لوگوں پر وجد طاری ہوگیا اور رقص کرنے لگے اور دھاڑیں مار کر رونے لگے یہاں تک کہ آہ و بکا کا تانتا بندھ گیا [1]

حکایت زمانہ کا بادشاہ فوت ہوا تو لوگوں کو خیال گذرا کہ اس کے وزیر کو قتل کر دیا جائے۔ وزیر کو معلوم ہوا تو وہ قسطنطنیہ کے شیخ وفا کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے آپ مجھے پناہ دیجئے۔ شیخ نے وزیر کو اپنے گھر ٹھہرا لیا۔ لیکن وزیر کے دشمن نے شیخ کے گھر پہنچتے ہی محاصرہ کر لیا اور عزم کیا کہ جب تک وزیر کو قتل نہ کیا جائے گا ہم واپس نہیں ہٹیں گے۔ شیخ صاحب مذکور گھر سے باہر نکلے اور صرف ایک بار کہا: "اللہ" لوگوں پر اس کی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ یہ اسم سن کر سب کے سب بھاگ گئے۔

سبق سالک کو غور کرنا چاہئے کہ اگر اولیاء اللہ اس ذات کا نام لیں تو کیسے ہی عجیب و غریب آثار نمودار ہوتے ہیں اور اگر ہم اسے یاد کریں تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انھوں نے تزکیہ نفس کیا اور اپنے اخلاق سنوارے اور یہ بات ہم میں نہیں اور نہ ہی اس کی قابلیت رکھتے ہیں۔ حالانکہ تمام فیوض و برکات ذات اللہ تعالٰی ہی سے نصیب ہوتے ہیں [2]

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

فیض روح القدس از باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

ترجمہ: فیض روح القدس اب بھی مدد کرنے کو تیار ہے دوسرے بھی اسی طرح کر سکتے ہیں جیسے مسیح علیہ السلام کرتے تھے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یہ جملہ خبریہ ہے۔ لفظ "اللہ" مبتدا ہے۔ معنے یہ ہے کہ اللہ تعالٰی ہی عبادت کا مستحق ہے نہ کہ کوئی اور۔

ف: منقول ہے کہ قطب الاقطاب کی تسبیح یہ ہے:

"یاھو ویامن ھوھو ویامن لاالٰہ الاھو"

اور جب قطب ان کلمات کو بطریق حال کہتا ہے تو تصرفات پر قدرت پا لیتا ہے۔

---

[1]: ایسے ہی حضرت مولانا محمد یار (گڑھی اختیار) رحمہ اللہ تعالٰی کا چپ کا وعظ مشہور ہے۔ ۱۲۔

[2]: جیسا کہ بابا فرید گنجشکر قدس سرہٗ کی کرامت مشہور ہے کہ آپ نے اخلاص پڑھ کر مٹی کے ڈھیلے کو سونا کر دیا اور آپ کے مرید نے سارا دن سورہ اخلاص پڑھی لیکن کچھ نہ ہوا۔ آپ نے مرید سے فرمایا "زبان فرید دا آکھی تیار" کر پھر مٹی کا ڈھیلا سونا بن جائے گا۔

(اویسی غفرلہٗ)

ف : توحید کے تین مراتب ہیں :

(۱) ——— مبتدیوں کی توحید : " لا الٰہ الا اللہ "

(۲) ——— متوسطین کی توحید : " لا الٰہ الا انت "

اس لیے کہ وہ مقام شہود میں ہوتے ہیں اسی لیے ان کے لیے صیغۂ خطاب مناسب ہے ۔

(۳) ——— کاملین کی توحید وہ ہے کہ وہ توحید کو موحد سے سن کر کہتے ہیں : لا الٰہ الا انا ۔ اس لیے کہ وہ مقام فنا میں ہوتے ہیں ۔ ان سے کچھ بھی صادر نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے اسی ذات سے ہوتا ہے ۔

ف : حضرت ابن الشیخ سورہ اخلاص کے حواشی میں لکھتے ہیں کہ لفظ ھو مقربین کے مقام کی طرف اشارہ کرتا ہے اور مقربین وہ ہیں جنھوں نے اشیاء کی ماہیات اور حقائق کو من حیث ہی دیکھا ہے پھر جب دیکھا تو وہاں صرف اللہ تعالےٰ کو موجود پایا اور بس ۔ اس لیے کہ ذاتِ حق وہ ہے کہ ذاتی طور پر صرف وہی واجب الوجود ہے اس کا ماسوا ممکن الوجود اور ممکن کی حیثیت یہ ہے کہ وہ سراسر معدوم ہی معدوم ہے اسی لیے انھوں نے صرف حق ہی کو موجود مانا اور کلمہ ھو اگرچہ اس کی وضع مطلق اشارہ کے لیے ہے اور اسے محتاجی ہوتی ہے کہ اس کی مراد اس وقت متعین ہو جب کہ وجوہِ ثلاثہ میں سے کسی ایک کا ذکر پہلے ہو چکا ہو یا اس کے بعد کوئی ایسا لفظ واقع ہو جو اس کی تفسیر کر دے کہ اس کا مرجع فلاں شے ہے لیکن صوفیاء کرام کے نزدیک اس کا اشارہ صرف ذاتِ حق کی طرف ہوتا ہے وہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے کہ اس میں کوئی ایسا قرینہ ہو کہ جس سے اس کا غیر مراد نہ لیا جا سکے ۔ اس لیے کہ امتیاز کرنے کی تو اسے ضرورت ہے جس کی نظروں میں ابہام کا شائبہ ہو کہ اس کے سامنے ایسی متعدد اشیاء ہوں جو اس اشارہ کی صلاحیت رکھتی ہوں ۔ جب ثابت ہو چکا کہ یہ حضرات وہ ہیں کہ وہ اپنی اپنی عقول کی آنکھوں سے صرف اسی ایک کا ہی مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے ان کے حصولِ عرفان تام میں لفظ ھو کافی ہوگا ۔

غلطی کا ازالہ و تردید منکرین صوفیہ اس بحث کو ہم نے اس لیے طویل کیا تاکہ رد ہو جائے ان لوگوں کا جو صوفیہ کرام کی تعلیمات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ھو تو ضمیر غائب کا ہے ۔ اور پھر اُسے اللہ تعالےٰ کے لیے لانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس ضمیر سے اس کا ذکر مفید ہے ۔

[ہم نے پارہ دوم میں آیت والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو کے تحت اس کی تفصیل عرض کر دی ہے ۔ یہاں پر اس کا اعادہ مناسب نہیں ۔

مسئلہ شیخی وسندی (جو کہ میرے نزدیک جسم میں بمنزلہ روح کے ہیں) فرماتے ہیں کہ علماء عارفین باللہ کے نزدیک لا الٰہ الا اللہ کا ذکر صرف اللہ اللہ کے ذکر سے افضل ہے اس لیے کہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر نفی و اثبات اور علم و عرفان کو جامع ہے جس نے لَا اِلٰہ سے تمام مخلوق کی حکماً لا علماً نفی کی تو اس نے ذاتِ حق کا علماً و حکماً اثبات کیا ۔ نیز انھوں نے یہ بھی فرمایا : جب لا الٰہ الا اللہ کہو تو شہود حقانی سے خلق کے افعال و صفات بلکہ ان کی ذوات کا حق کے افعال و صفات

ذات میں فنا کا مشاہدہ کرو۔ مقام الجمع والاحدیت کا یہی تقاضا ہے اور یہ کلمہ دراصل اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور جب کہو؛ "محمد رسول اللہ" تو شہود حقانی سے خلق کے افعال وصفات اور ان کی ذوات کا بقا ذات حق کے افعال وصفات اور اس کی ذات کے بقا سے مشاہدہ کرے۔ مقام الفرق والواحدیۃ کا یہی تقاضا ہے اور یہی کلمہ اسی مرتبہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جب کسی کی توحید اسی مرتبہ سے ہو تو سمجھ لو کہ اسے حقیقی اور حقانی توحید نصیب ہوئی نہ کہ رسمی اور نفسانی۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ گرچہ لاداشت تیرگیٔ عدم
دارد الّا فروغ نور قدم

۲۔ گرچہ لابود کان کفر و جحود
ہست الا کلید گنج شہود

۳۔ چون کند لا بساط کثرت طے
دہد الّا ز جام وحدت مے

۴۔ آں رہاند ز نقش بیش و کمت
ویں رساند بوحدت قدمت

۵۔ تا نسازی حجاب کثرت دُور
نہ دہد آفتاب وحدت نور

۶۔ دائم آں آفتاب تابانست
از حجاب تو از تو پنہاں است

۷۔ گر بروں آئی از حجاب توئی
مرتفع گردد از میانہ دوئی

۸۔ در زمین و زماں و کون و مکاں
ہمہ رو بینی آشکار رونہاں

ترجمہ: (۱) اگرچہ لا عدم کی تیرگی رکھتی ہے لیکن 'الا قدم' کے نور کی روشنی ہے۔

(۲) اگرچہ 'لا' کفر وجحود کی کان ہے لیکن 'الا' گنج شہود کی کنجی ہے۔

(۳) جب 'لا' کثرت کا دسترخوان بچھاتا ہے تو الا مے وحدت پلاتا ہے۔

(۴) "لا" کمی وبیشی کے نقش سے نجات دلاتا ہے "الا" وحدت میں قدم پہنچاتا ہے۔

⑤ جب تک کثرت کے حجابات دور نہ کرو گے وحدت کا سورج نور نہ بخشے گا۔

⑥ وہ سورج ہمیشہ تاباں ہے وہ صرف تیرے حجاب سے محجوب ہے۔

⑦ جب تم اپنے حجاب سے باہر آؤ گے تو درمیان سے دوئی کے تمام پردے اٹھ جائیں گے۔

⑧ زمین زماں اور کون ومکان ہر جگہ اسے آشکارا دیکھو گے۔

اے اللہ! ہمیں "الجمع والعین والیقین" کے مراتب نصیب فرما۔ (آمین)

اَلْحَیُّ۔ یہ مبتدا کی دوسری خبر ہے اور الحی لغت میں وہ ہے جس میں حیات ہو۔ یہ موت وجمادیۃ کی صفت کی نقیض ہے اور یہ صفت حس اور حرکت ارادیہ کو تقاضا کرتی ہے اس میں زیادہ برگزیدہ وہ ہے جس سے انسان موصوف ہوتا ہے حیات ابدیہ سے دار کرامت میں اور جب اس صفت سے اللہ تعالےٰ کو موصوف کیا جائے اور کہا جائے کہ وہ حَیٌّ ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ دائم اور باقی ہے اور اس پر موت وفنا کا شائبہ تک بھی نہیں اس لیے کہ وہ حیات ازلیہ وابدیہ سے موصوف ہے۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہٗ شرح اسماء الحسنیٰ میں فرماتے ہیں کہ حَیٌّ فعال و دراک کو کہتے ہیں اور فرمایا کہ جس میں نہ کوئی فعل ہو اور نہ ادراک تو وہ میت ہے اور ادراک کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ کم ازکم اپنے آپ کو تو جانتا ہو اور جسے اپنی بھی خبر نہ ہو تو وہ جماد (ڈھیلا) اور مردہ ہے۔ کامل اور مطلق حی وہ ہے کہ تمام مدرکات اس کے ادراک اور تمام موجودات اس کے فعل کے تحت ہوں یہاں تک کہ نہ کوئی مدرک اس کے ادراک سے خارج اور نہ کوئی فعل اس کے فعل سے باہر ہو۔ وہ حق تعالیٰ حیِّ مطلق ہے۔ اور اس کا ماسوا صرف حی ہے، اس کی حیات اس کے ادراک اور فعل کی مقدار پر ہے اور سب کے سب اسی کے قول کے تابع ومسور ہیں۔

اَلْقَیُّوْمُؕ قیوم وہ ہے کہ اس سے امر کو قیام حاصل ہو جب کہ وہ اس امر کی تدبیر کرے۔ یہ قائم کا مبالغہ ہے وہ ذات ہر شے پر دائم القیام ہے۔ امور کی تدبیر میں تخلیق وترزیق میں اور شے کو اس کے لائق مقام تک پہنچانے اور اس کی محافظت میں۔

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کل اشیاء چار قسم کی ہیں:

① وہ جو کہ کسی محل کی محتاج ہوں جیسے اعراض واوصاف انھیں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ وہ اشیاء ہیں کہ وہ قائم بنفسہا نہیں ہیں۔

② وہ اشیاء جو کسی محل کی محتاج نہ ہوں انھیں کو کہا جاتا ہے کہ وہ قائم بنفسہا ہیں جیسے جواہر۔

ف: جوہر اگرچہ قائم بنفسہ اور اس محل سے بھی لاپرواہ ہے کہ جس سے وہ قایم ہے لیکن پھر بھی اسے چند ایسے امور کی محتاجی ہے جو کہ وہ اس کے لیے نہایت ضروری ہیں بلکہ وہ امور اس کے وجود کے لیے شرط ہیں۔ اس لحاظ سے وہ قائم بنفسہ نہ ہوگا کیونکہ وہ اپنے قوام میں غیر کے وجود کا محتاج ہوگا۔ اگرچہ وہ محل کا محتاج نہیں اگرچہ وہ اپنے وجود میں موجود ہے اور اپنی ذات میں وہ کافی ہے اور اسے اپنے قیام میں کسی محل کی ضرورت نہیں۔

③ اگر وہ اپنے وجود سے خود موجود ہو اور اس کی ذات خود ذاتی طور پر کافی ہے کسی غیر سے اس کا قوام نہیں اور

اسے اپنے وجود کے دوام کے لیے کسی غیر کے وجود کی حاجت نہیں پس وہ مطلق قائم بنفسہٖ ہے۔

(۴) مذکورہ صورت ثالثہ کے اوصاف کے علاوہ ہر شے اسی سے قائم ہے یہاں تک کہ بغیر اس کے اشیاء کے وجود کو دوام اسی سے ہی نصیب ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے قیوم ہے۔ اس لیے کہ اس کا قوام ذاتی طور پر ہے اور باقی اشیاء کا قوام اسی پر ہے اور یہ صرف ذاتِ حق ہے اور بس۔ اور بندہ اس وصف میں اس وقت داخل ہو سکتا ہے جب کہ ماسویٰ اللہ سے مستغنی ہوتا ہے۔

ف: بعض حضرات کہتے ہیں کہ الحی القیوم اسم اعظم ہے۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مردوں کو زندہ کرنے کا جب ارادہ فرماتے تو یاحی یاقیوم کا وسیلہ دے کر دعا مانگتے۔ مشہور ہے کہ اہل بحر کی بھی یہی دعا (یاحی یاقیوم) ہے کہ جب وہ دریا میں ڈوبنے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں تو یہی دعا (یاحیّ یاقیوم) مانگتے ہیں۔

حکایت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں جنگ روزوں پر تھی تو مجھے خیال گذرا کہ دیکھوں حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت کیا کر رہے ہیں۔ میں نے جاکر دیکھا تو آپ سربسجود ہو کر یہی پڑھ رہے ہیں: یاحی یاقیوم۔ آپ اس حالت میں اس کو پڑھتے رہے یہاں تک کہ غزوۂ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی۔

سبق: اس سے اس اسم "الحی القیوم" کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہی دو اسموں میں اسم اعظم کے معنے کا اشارہ کیا گیا ہے اس لیے کہ الحی اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر مشتمل ہے۔ اس لیے کہ حی کے لوازمات سے ہے کہ وہ قادر، عالم، سمیع، بصیر، متکلم، مرید، باقی ہو۔ اور القیوم مشتمل ہے اس بات پر کہ جمیع کائنات اسی کی محتاج ہے پس جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر انہی دو اسموں سے تجلی فرماتا ہے تو بندہ پر الحی کی صفت کی تجلی سے اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء و صفات منکشف ہو جاتے ہیں اور القیوم کی صفت کی تجلی سے جمیع مخلوقات کی فناء کا مشاہدہ کرتا ہے اس لیے کہ جمیع مخلوقات کا قیام تو قیومیتِ حق سے ہے ان کا بذاتِ خود تو قیام ہے نہیں پھر جب حق آتا ہے تو باطل مٹ کر رہ جاتا ہے پھر وہ بندہ صرف "الحی القیوم" کو ہی دیکھتا ہے۔ جب الحی کے جلوہ سے جمیع اسماء کا حصول اور "القیوم" سے جمیع مخلوق کی نفی نصیب ہوئی تو دوئی اٹھ گئی اور دوئی کے اٹھنے سے وحدت نصیب ہوئی۔ اس طرح سے بندہ متجلیٰ لہٗ کو دونوں اسم اعظم نصیب ہوتے تو پھر وہ انھیں عظمت الوحدانیۃ کے شہود کے وقت عیان الفردانیہ کی زبان سے یاد کرتا ہے نہ کہ لسان بیان الانسانیہ کی زبان سے۔ اس طریق سے بندہ جب اسے اسم اعظم سے یاد کیا کرے اور اس ذات کو اسم اعظم سے پکارا جائے تو فوراً جواب دیتا ہے اور اس سے اس اسم سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے۔

ف: یاد کرنے والا اگر اس ذات سے بحالت غیب اسے یاد کرے تو وہ جس اسم کا بھی ذکر کرتا جائے تو وہ تو وہ اسم اعظم

نہ بنے گا جب تک کہ درمیان سے عبوبت کو نہ ہٹائے۔ ہاں بحالت حضوری جس اسم کو بھی یاد کرے وہی اسم اعظم بن جائے گا۔

حکایت سیدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہ السامی سے اسم اعظم کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ ہاں یوں ہوسکتا ہے کہ اپنے قلب کو وحدانیت کے لیے فارغ کر لیا جائے۔ پھر جس اسم کو یاد کرو گے وہی اسم اعظم ہوگا۔

شانِ مصطفٰے واختیارِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم [صاحب روح البیان اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالٰی فیصلہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں]:

اسم اعظم عبارت ہے حقیقت محمدیہ سے۔ جسے حقیقتِ محمدیہ کی معرفت نصیب ہوئی اسے علم اسم اعظم حاصل ہوگیا اور در اصل یہی اسم جامع الٰہی کی صورت ہے اس لیے کہ وہ اس کا رب ہے اور اسی سے ہی تمام مخلوق کو فیض نصیب ہوتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کی خیر خواہانہ نصیحت: اے بھائی! اس تقریر کو خوب یاد رکھنے کامیابی پائے گا بلکہ اس تقریر کے سمجھنے سے حظِ روحانی سے مالا مال ہو جائے گا۔

تفسیر عالمانہ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ، اور نہ اسے اونگھ پکڑتی ہے نہ نیند۔

حل لغات: السنۃ کا دہ ثقل وفتور جو مزاج کو نیند سے پہلے عارض ہوتا ہے اور یہ حالت نوم کی حد میں داخل نہیں۔ النعاس نیند کا پہلا حصہ۔ النوم وہ ایک حالت ہے جو حیوان کو عارض ہوتی ہے بوجہ ڈھیلے ہو جانے اعصاب دماغ کے ان بخاروں سے جو بحالت نیند چڑھتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ حواس ظاہرہ مستقل طور پر احساس سے ٹھہر جاتے ہیں۔

سوال: اونگھ کو نیند سے پہلے ذکر کرتے ہیں کیا حکمت ہے حالانکہ قیاس کا تقاضا ہے کہ اعلٰی کا ذکر پہلے ہو اور ادنٰی کا بعد کو؟

جواب: یہ وجود خارجی کی وجہ سے ہے کہ نیند سے پہلے اونگھ آتی ہے پھر نیند۔

سوال: نفی کے تکرار کی کیا وجہ؟

جواب: تاکہ نص ہو جائے کہ اللہ تعالٰی ہر دونوں حالتوں سے منزہ اور پاک ہے۔

عقیدہ: دونوں حالتوں سے اللہ تعالٰی کو اس لیے منزہ ماننا ضروری ہے کہ یہ حالتیں اس کریم کی شان کے لائق نہیں۔

سوال: جب یہ حالتیں اس کی شان کے لائق نہیں تو پھر اس کے لیے عدم اعتراء وعدم عروض کی بجائے عدم اخذ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب نمبر ۱: واقع کو بیان کرنے کی رعایت کی گئی ہے کہ یہ دونوں حالتیں جب بھی کسی کو عارض ہوتی ہیں تو بطریق اخذ واستیلاء کے عارض ہوتی ہے۔

جواب نمبر ۲: اس طرح تشبیہ کے بغیر پورے طور پر نفی ہوتی ہے۔

جواب نمبر ۳: مزید تاکید ہوگئی کہ وہ معبود حق وقیوم ہے اس لیے کہ جب یہ عارضے لاحق ہوتے ہیں تو اس کی حیات ماؤف (بیمار)

سمجھی جاتی ہے کہ یہ عارضے لاحق ہو رہے ہیں فلہذا حفظ و تدبیر سے قاصر ہے۔

عجیب تقریر معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالٰی منزہ ہے ان عوارض سے جو اس کی مخلوق کو عارض ہوتے ہیں یعنے وہ سہو اور غفلت اور ملال اور فترت (سستی) سے پاک ہے اور وہ جن اشیاء کی حفاظت پر قائم ہے وہ سستی کی وجہ سے نہ کمزور ہے اور نہ ہی اسے تھکاوٹ کے عوارض لاحق ہوتے ہیں اور ایسے عوارض پر وہ تھکان اتارنے اور استراحت پر نہ مجبور ہوتا ہے نہ تھکاوٹ کو نیند اور اونگھ سے دور کرتا ہے۔ اس لیے کہ نیند موت کی مانند ہے اور موت حیات کی نقیض ہے۔

عقیدہ: اس تقریر سے ثابت ہوا کہ جیسے اسے موصوف بصفات الکمال ماننا ضروری ہے اسی طرح اسے ہر نقصان کی صفات سے منزہ ماننا لازم ہے۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خواب کی حالت میں ملائکہ سے پوچھا کہ کیا ہمارا رب سوتا بھی ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ موسٰے علیہ السلام کو جگاؤ۔ ایسے ہی تین بار فرمایا۔ پھر کہا کہ اسے مت سونے دو۔ جب موسٰے علیہ السلام جاگے تو اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ پانی کی بھری ہوئی دو بوتلیں دونوں ہاتھوں میں تھامئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان بوتلوں کو ہاتھ میں لے لیا تو آپ کو نیند کا غلبہ ہوا جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں سے دونوں بوتلیں گر کر ٹوٹ گئیں۔ اور آپ کی آنکھ کھل گئی۔ اللہ تعالٰی نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے اپنی قدرت سے آسمانوں اور زمینوں کو تھاما ہوا ہے۔ اگر مجھے بھی نیند آجائے تو پھر تیری بوتلوں کی طرح تمام آسمان و زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ (کذا فی الکشاف)

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالٰی نیند نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی شان کے لائق ہے کہ وہ نیند کرے۔

شرح حدیث: حضرت ابن الملک رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بیان ہے کہ اللہ تعالٰی پر نیند کا وقوع محال ہے اس لیے کہ نیند ایک عجز ہے اور اللہ تعالٰی عجز سے پاک ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ نیند کی عادت کا ترک کرے۔ اگرچہ اللہ تعالٰی نے بندوں کو نیند کی اجازت بخشی ہے بلکہ نیند اس کا فضل ہے۔ لیکن کثرت النوم بطالت ہے اور اللہ تعالٰی بطال کو محبوب نہیں بناتا۔

نسخہ کیمیا: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھ پر واردات ولایت اس وقت نصیب ہوئے جب کہ رات کو میں نے دن بنا دیا یعنی بکثرت بیداری کی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سر آنکہ ببالیں نہد ہوشمند
کہ خوابش بقہر آورد در کمند

ترجمہ: جو بھی سرہانہ سر کے نیچے رکھے گا اس پر لازماً نیند کا حملہ ہوگا۔

دو شاگردوں کا مناظرہ ایک شخص کے دو شاگرد تھے۔ ان دونوں کا اس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ نیند افضل ہے یا بیداری ایک کہتا کہ نیند افضل ہے کیونکہ اس حالت میں بندہ گناہ سے بچ جاتا ہے۔ دوسرا کہتا کہ بیداری افضل ہے اس لیے کہ اس حالت میں بندہ اپنے رب کی یاد میں وقت گزار کر اس کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ یہ دونوں اپنی داستان اپنے استاد صاحب کے ہاں لے گئے۔ استاد صاحب نے دونوں کی بات سن کر فیصلہ فرمایا کہ جس نے کہا ہے کہ بیداری افضل ہے اس کی زندگی پُر بہار بسر ہوگی۔

حکایت ایک شخص نے لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی تو لونڈی سے کہا کہ میرا بستر بچھا دے۔ لونڈی نے پوچھا جناب! آپ کا بھی کوئی مولیٰ ہے۔ اس نے کہا، ہاں۔ لونڈی نے عرض کی، کیا وہ سوتا بھی ہے۔ اس نے کہا، نہیں۔ لونڈی نے کہا تجھے شرم نہیں آتی جب کہ تو سو جاتا ہے اور تیرا مولیٰ بیدار ہوتا ہے [1]

مؤذنِ رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے چند ناصحانہ اشعار: حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سحر کو اٹھ کر مندرجہ ذیل اشعار پڑھتے تھے:

؎

یا ذا الذی استغرق فی نومہ

ما نوم عبد ربہ لا ینام

اھل نقول انسنی مذنب

مشتغل اللیل بطیب المنام

ترجمہ: اے وہ شخص جو سراسر نیند میں ڈوبا رہتا ہے اس عبد کی کیا نیند ہے جس کا آقا بیدار رہتا ہے۔

کیا صرف یہی عذر کافی ہو جائے گا جب کہ تو کہتا ہے کہ میں تو گنہگار ہوں۔ حالانکہ ساری رات میٹھی نیند کے مزے لوٹتا ہے۔

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

ربط: یہ مضمون اللہ تعالیٰ کی قیومیت کی دلیل ہے اور حجت ہے اس پر کہ الوہیت صرف اسی ذات حق کی ہے۔ کیونکہ اس نے ہی پیدا فرمایا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور ان میں کسی کی مشارکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح کوئی بھی ایسا نہیں جو ان میں ملکیت کا دعویٰ رکھتا ہو۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ماننا محال ہے اور آسمان و زمین کا کوئی اس کے سوا مالک نہیں

---

[1] حضرت بابا فرید رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

اٹھ فریدا ستیا توں جھاڑو دے مسیت

توں ستا رب جاگدا تیری ڈاہڈے نال پریت

(اویسی غفرلہ)

اور نہ ان کی کوئی شے اس کے سوا کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے۔ نہ اس کے ساتھ کسی کی شرکت ہے اور نہ ہی کسی کو اس پر غلبہ ہے اس لیے کہ اس کے ماسویٰ کی عبادت نہ کی جائے جیسے کسی کا عبد مالک کی اجازت کے بغیر کسی کی خدمت نہیں کر سکتا ایسے ہی عبادت کا معاملہ سمجھو۔ اور مافیہا یعنے آسمان و زمین سے ان کے وہ اجزاء مراد ہیں جو ان میں داخل ہیں ایسے ہی ان کے وہ امور خارجیہ مراد ہیں جو ان میں قدرت رکھتے ہیں جیسے عقلاء وغیرہ اور یہ زیادہ بلیغ ہے اس سے کہ کہا جاتا: لہ السموات والارض ومافیہن اس لیے کہ مافیہن کا ذکر السموٰت والارض کے بعد دلالت کرتا ہے کہ اس سے صرف وہ امور خارجیہ مراد ہو سکتے ہیں جو متمکن ہیں یعنے عقلاء۔ اس لیے کہ اگر اس میں امور داخلہ و خارجہ دونوں مراد ہو سکتے ہیں تو پھر ان کے ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط یہ من مبتدا ہے اور ذا اس کی خبر ہے اور الذی، ذا کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے اور مَن اگرچہ استفہامیہ ہے لیکن اس سے مراد نفی ہے اسی لیے باذنہ پر الا داخل ہوا۔

ف: عندہٗ میں دو ترکیبیں ہیں:

① یشفعُ سے متعلق ہے۔

② محذوف سے متعلق ہے۔

جو کہ حال کے محل میں واقع ہے جس کا ذوالحال ضمیر ہے جو یشفع میں ہے۔ ای لا احد یشفع مستقرا عندہ الا باذنہ یہی وجہ زیادہ قوی ہے اس لیے کہ جب اس کے ہاں وہ شفاعت نہیں کر سکتا جو اس کے ہاں اور اس کے قریب ہے پھر وہ جو بہت زیادہ بعید ہے وہ کیسے شفاعت کر سکتا ہے اور "اِلَّا بِاِذْنِہٖ" محذوف سے متعلق ہے کیونکہ یہ حال ہے یشفع کے فاعل سے اور استثنا مفرغ ہے اور الباء مصاحبت کی ہے۔

اب معنے یوں ہوا:

لا احد یشفع عندہ فی حال من الاحوال الا فی حال کونہ ماذونا لہ۔ اس کے ہاں کوئی بھی کسی حال میں کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا ہاں اس حال میں سفارش کر سکتا ہے جب کہ اسے اس سے اجازت حاصل ہو۔

یا اس کا معنے یوں ہوگا:

ولا احد یشفع عندہ بامر من الامور الا باذنہ، کوئی بھی کسی امر کی شفاعت نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بغیر۔ اب یہ باء استعانت کی ہوگی جیسے ضرب بسیفہ میں باء استعانت کی ہے اس کا جار مجرور مفعول بہ کے محل میں واقع ہے۔

ف: مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ یہ بت اللہ تعالےٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے کیونکہ یہ اس کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے اپنی توحید کا ذکر فرمایا اور غیر کی نفی فرمائی تاکہ یہ مضمون ثبوت (التوحید ونفی الشرک) کے لیے

جامع ہو یعنی کوئی ایک بھی اس کے ہاں ایسا نہیں جو اس کے ہاں سفارش کرے، ہاں وہ سفارش کر سکتا ہے جسے اس نے اجازت بخشی ہے (یعنی انبیاء و اولیاء)

مسئلہ: اس میں رد ہے معتزلہ کا جو کہ علی الاطلاق شفاعت کے منکر ہیں[1] حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات یعنے انبیاء و اولیاء کے لیے الا باذنہ سے اس کا اثبات فرمایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ استثنا حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقامِ محمود کا وعدہ دیا ہے اور مقامِ محمود سے مراد شفاعت ہے۔

اب معنے یوں ہوا کہ قیامت کے دن کون ہوگا جو کسی کی شفاعت کرے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے پیارے اور مقدس عبد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسے ہیں جو سب کی شفاعت فرمائیں گے اس لیے کہ انھیں شفاعت کا اذن حاصل ہے اور تمام انبیاء کرام آپ ہی کی شفاعت کے منتظر ہوں گے ؎

۱۔ غم مخور و آنکہ شفیعش توئی
پایہ دہ قدر رفیعش توئی

۲۔ حاصلی از نیست ز طاعت مرا
ہست امیدے بشفاعت مرا

ترجمہ: (۱) جس کے آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) شفیع ہوں پھر اسے کیا غم جب کہ آپ اسے بلند مرتبہ عطا فرمائیں گے۔

(۲) مجھے اگرچہ طاعت کا موقعہ نصیب نہ ہوا لیکن مجھے آپ کی شفاعت کی امید کافی ہے۔

احادیث شفاعت (۱) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آنے والا تشریف لایا اور کہا کہ یا تو آدھی امت بہشت میں جانے کا مان لو یا شفاعت اختیار کرو۔ میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔

(۲) مروی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام قیامت کے دن ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت چاہیں گے اس لیے کہ آپ کے پاس تمام لوگ شفاعت کے لیے حاضر ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس وقت کہوں گا کہ آؤ! میں اس کے لیے تیار ہوں۔ یہی مقامِ محمود ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے (آپ کو) قیامت کے دن کا وعدہ

---

[1] : میں دیوبندیوں، وہابیوں کو معتزلہ کی شاخ اس لیے کہتا ہوں کہ یہ بھی حقیقت میں شفاعت کے منکر ہیں۔
تفصیل فقیر کی کتاب ابلیس تا دیوبند میں ہے۔ (مترجم، اویسی غفرلہ)

فرمایا ہے۔ آپ اٹھ کر اللہ تعالےٰ کے ہاں حاضر ہوں گے اور اس کی تعریف کریں گے ایسے محامد سے کہ جن کے لیے اللہ تعالےٰ خود آپ کے قلب اطہر پر اسی وقت القا فرمائے گا، جو اس سے قبل آپ ان کلمات سے بے خبر غیر ملتفت تھے۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کا عرض کریں گے کہ وہ کریم مخلوق کے لیے شفاعت کا دروازہ کھول دے۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ ملائکہ و دیگر انبیاء، و مومنین (اولیاء اللہ) کو شفاعت کی اجازت عام فرمائے گا۔

اس لحاظ سے آپ ہی قیامت کے دن تمام لوگوں کے سردار ہوں گے کہ آپ کے ہی کہنے سے ملائکہ اور انبیاء کو شفاعت کی اجازت ملے گی باوجودیکہ حضور علیہ السلام تمام مخلوق کے قیامت میں سردار ہوں گے۔ لیکن تواضعاً و تادباً آپ نے فرمایا: انا سید الناس اور سید الخلائق نہ فرمایا تاکہ فرشتے بھی آپ کی سیادت کے تحت نہ آجائیں۔ لیکن تواضعاً صرف الناس فرمایا۔ باوجودیکہ اس وقت آپ کی سیادت اور سلطنت سب پر ہوگی ملائکہ ہوں یا انسان وغیرہ وغیرہ۔

نکتہ: یہ اپنے مقام پر ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے مقامات کے جامع ہیں۔

؎

آنچہ ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کے تمام مقامات عالم دنیا میں ظہور پذیر ہوئے، صرف ایک مقام رہ گیا وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کے علم کے سامنے ملائکہ کو سر جھکانے کا حکم ہوا۔ ایسے دنیا میں حضور علیہ السلام کے لیے موقعہ نہیں بنا۔ لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو وہاں نہ صرف ملائکہ بلکہ جن کے سامنے ملائکہ نے سر جھکایا وہ بھی اس بارگاہ کے ریزہ خوار نظر آئیں گے۔ اسی بنا پر اللہ تعالےٰ نے کل قیامت میں سب کو حضور نبی علیہ السلام کی شفاعت کا محتاج بنایا تاکہ ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ جب کہ قہر و جلال میں ہے کسی کو فرصت نہیں کہ آنجا دم زند۔ لیکن ایک ایسی شخصیت بھی ہے کہ اس وقت بھی سب کو چھڑا لیتی ہے۔ اس سے حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت اور وقار بلند کرنا مطلوب ہے کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اس ذات کے سامنے ان کی کتنی بڑی اجابت ہے۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ لمولانا الغفاری رحمہ اللہ الباری)

ف: سب سے پہلے شفاعت کا دروازہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کھولیں گے۔ پھر انبیاء و اولیاء اور ملائکہ اللہ تعالےٰ کی مخلوق کی شفاعت کریں گے۔ سب سے آخر میں اللہ تعالےٰ ارحم الراحمین ہی نظارہ شفاعت دکھائے گا اور وہ ارحم الراحمین سب سے آخر میں اس لیے کہ جب وہ شفاعت کرنے والے اپنی من مانی منوا کر فارغ ہوں گے پھر وہ شانِ کریمی کا مظاہرہ فرمائے گا۔

لہ: حضرت مولانا مولوی غلام رسول کوٹلہ عالپوری فرماتے ہیں ؎

نبی صفی دا سید سرور تے کوثر دا ساقی

ہیں حق خاص شفاعت کبریٰ ختم رسل اتفاقی

اور اللہ تعالیٰ کے لیے شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ حضرات ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لیں گے جو شرعی مومن تھے اب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جہنم سے نکالے گا کہ جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو عقلیات سے جانتے تھے کہ ان کے پاس عقلی دلائل تھے انہی کی وجہ سے توحید کا علم رکھتے تھے اس وجہ سے نہ وہ شرک میں مبتلا ہوئے اور نہ شرعی ایمان لا سکے اور نہ ہی ان سے نیکی ہو سکی کہ وہ کسی وقت کے نبی کی اتباع میں زندگی گذار کر مرے گویا ان کے پاس ایمان کی رتی تک بھی نہ ہوگی۔ انھیں ارحم الراحمین جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

تنبیہ : اس تقریر کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بھی منجملہ عجائبات سے ہے جسے مجھے میرے شیخ علامہ نے افادہ کے طور پر بنایا اور یہ افادہ بھی کشفیہ تھا لیکن تفسیر الفاتحہ للمولی الفناری کے مطابق ہے۔

اے اللہ! ہمیں بخش اور رحم فرما تو ارحم الراحمین ہے۔

تفسیر عالمانہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

یہ جملہ مستانفہ دوسرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے محیط ہونے کا بیان ہے کہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے کہ ان میں شفاعت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں، یعنی جانتا ہے ان کے امورِ دنیا کو جو ان سے پہلے ہوئے اور ان کی امورِ آخرت کو جو انھیں آگے آنے والے ہیں۔ ما بین ایدیھم سے آخرت مراد ہے کہ وہاں پر انھوں نے اپنے لیے اعمال بھیجے اور وما خلفھم سے دنیا مراد ہے کہ وہ اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے چھوڑ آئے یا ما بین ایدیھم آسمان سے زمین تک اور وما خلفھم سے جو کچھ آسمانوں میں ہے مراد ہے یا ما بین ایدیھم ان کی زندگی کے لمحات ختم ہونے کے بعد وما خلفھم سے وہ امور جو ان کی پیدائش سے پہلے تھے مراد ہیں یا پہلے سے ان کے وہ اعمال جو وہ کرتے ہیں اچھے یا برے اور دوسرے سے وہ جو اس کے بعد کریں گے مراد ہیں۔ اس عبارت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے اور جس کی سفارش کی جائے گی کے احوال مثلاً اس کے لیے کیا ثواب ہے اور کیا سزا۔ ضمیر ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ ان میں عقلاٗ بھی ہیں۔ اس بنا پر کہ عقلاء کو غیر عقلاء پر تغلیب ہے یا یہ کہ اس پر 'فار' دلالت کرتا ہے کہ اس سے انبیاء و ملائکہ مراد ہیں۔ اس اعتبار سے صرف عقلاٗ ہی مراد ہوں گے۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ اور نہیں ادراک کر سکتے یعنی ملائکہ و انبیاء وغیرہ میں سے بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اس کے علم یعنی معلومات میں سے کسی شئے کو اِلَّا بِمَا شَآءَ

علم عطائی کا ثبوت اور اس کے دلائل[1] : ہاں جو کچھ وہ چاہے تو اسے وہ جانتے ہیں یعنی جس پر وہ انھیں مطلع کرتا ہے

---

[1] : وہابی دیوبندی عطائی علم غیب کے منکر ہیں ۱۲۔ دیکھئے تقویۃ الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (بقیہ بر صفحہ نمبر ۲۶)

جیسے رسل کرام کی خبریں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا:

"عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا الا من ارتضی من رسول"

سوال: من علمہٖ میں تم نے علم بمعنے معلومات کیوں کہا ہے؟

جواب: اس لیے کہ علم اللہ تعالٰے کی صفت ہے اور اسی سے قائم ہے اور وہ اجزاء ہونے سے پاک ہے ہم نے علم بمعنے معلوم کہا ہے تاکہ استثناء اس پر تبعیض کا مفہوم صادق آسکے جو ہمارا مطلوب ہے۔

ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے علوم کا کیا کہنا

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے:

"یعلم محمد علیہ السلام ما بین ایدیھم من الامور الاولیات قبل خلق اللہ الخلائق ....الخ

حضور محمد کریم صلے اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں جو کچھ ان سے پہلے ہوا یعنے وہ امور جو پہلے گزرے جب کہ اللہ تعالٰے نے ابھی مخلوق کو پیدا بھی نہیں فرمایا تھا۔

خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اول ما خلق اللہ نوری (سب سے پہلے اللہ تعالٰے نے میرے نور کو پیدا فرمایا)

وما خلفھم اور جو ان کے بعد کو ہوگا جیسے قیامت کے خطرناک معاملات اور مخلوق کی گھبراہٹ اور اللہ تعالٰے کا غضب میں ہونا انبیاء علیہم السلام کا شفاعت کرنا اور ان کا نفسی نفسی پکارنا پھر مخلوق کو ایک دوسرے کے حوالے کرنا یہاں تک کہ سخت پریشانی کے عالم میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہونا۔ کیونکہ شفاعت کبریٰ صرف آپ سے ہی مخصوص ہے۔

ولا یحیطون بشیء من علمہ کی ضمیر کے متعلق احتمال ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی طرف راجع ہو یعنے حضور علیہ السلام شاہد ہیں ان کے احوال پر یعنی جانتے ہیں جو ان کے آگے ہے یعنی ان کی سیرت اور ان کے معاملات کو اور ان کے قصے جانتے ہیں۔

وما خلفھم سے مراد آخرت کے امور اور اہل جنت اور اہل نار کے احوال ہیں اور آپ کی معلومات میں سے کچھ نہیں جانتے ہاں جن کے لیے وہ چاہیں یا انھیں وہ خبر دیں۔"

علمِ نبوی و علمِ الٰہی کے متعلق عقیدہ

ہمارے شیخ علامہ (ابقاہ اللہ بالسلامۃ) نے رسالہ رحمانیہ میں جو انھوں نے کلمہ عرفانیہ کے بیان میں تحریر فرمایا ہے کہ علم اولیاء

(بقیہ حاشیہ) میری کتاب "دیوبندی بریلوی فرق" (اویسی)

کے علوم انبیاء کے علوم سے وہ نسبت رکھتے ہیں جو قطرے کو سات دریاؤں سے اور انبیاء کے علوم کو ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے وہی نسبت ہے جو مذکور ہوئی اور ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے علوم کو اللہ تعالٰے کے علم سے بھی وہی نسبت ہے۔"

قصیدہ بردہ شریف میں ہے ؎

۱۔ وکلھم من رسول اللہ ملتمس
غرفا من البحر او رشفا من الدیم

۲۔ وواقفون لدیہ عند حدھم
من نقطۃ العلم او من شکلۃ الحکم

ترجمہ: (۱) اور تمام پیغمبران عظام علی نبینا وعلیہم السلام حضور علیہ السلام کے دریائے معرفت اور باران رحمت سے پانی کے چلو یا قطرہ آپ کی درخواست کرتے ہیں۔

(۲) تمام رسل کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں اپنی اپنی حد پر اس طرح کھڑے ہیں جیسے نقطہ اور اعراب اپنی جگہ پر متمکن ہوتے ہیں اور حد سے متجاوز نہیں ہوتے۔

شرح اشعار مذکورہ: کائنات کے علوم اگرچہ کثیر ہیں لیکن اللہ تعالٰے کے علم کے سامنے بمنزلہ ایک قطرہ کے ہیں اور اللہ تعالٰی کے علوم سے حصول کا مرکز حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے ہر نبی و ولی اپنی قابلیت و استعداد کے مطابق حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے علم حاصل کر رہا ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ وہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھے یا اُن سے پہلے کچھ حاصل کر سکے۔

ف: النقطۃ بوزن فعلۃ نقطت الکتاب نقطا سے ماخوذ ہے اور الشکلۃ بالفتح بروزن فعلۃ، شکلت الکتاب ای قیدتہ بالاعراب سے ماخوذ ہے یعنی میں نے اسے اعراب سے مقید کیا۔

تفسیر عالمانہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین سے فراخ ہے۔ الکرسی وہ جس پر بیٹھا جاتے یعنی ایسی شے جو لکڑی سے تیار کی گئی ہو کہ اس کی لکڑیاں بعض کی بعض پر رکھی جائیں اور بیٹھنے والے کی مقعد سے متصل ہو گویا وہ الکرس کی طرف منسوب ہے اور الکرس وہ کہ جس میں اُون کو تہ بہ تہ رکھا جاتے یعنے اس کی کرسی آسمان و زمین سے تنگ نہیں بلکہ بسیط و وسیع ہے۔ اس میں صرف اس کی عظمت کا اظہار اور مثال دینا مطلوب ہے ورنہ حقیقتہً نہ کوئی کرسی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی بیٹھنے والا ہے۔

توضیح: اس کی تقریر یوں ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنی مخلوق کے ساتھ اپنی ذات وصفات کی تعریف میں وہ طرز رکھی ہے جو ان کی عادت بادشاہوں اور رؤساء کے ساتھ ہوتی ہے مثلاً کعبہ کو اپنا گھر کہا اور حکم دیا کہ اس کے ارد گرد طواف کریں جیسے بادشاہوں کے

گھروں کا طواف کرتے ہیں۔ پھر کعبہ کی زیارت کا حکم دیا جیسے لوگ بادشاہوں کے گھروں کی زیارت کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ حجراسود زمین پر اللہ تعالٰی کا دایاں ہاتھ ہے پھر اس کے اندر بوسہ دینے کی جگہ متعین فرمائی جیسے لوگ بادشاہوں کے ہاتھ چومتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن بندوں سے حساب لینے کے لیے ملائکہ اور انبیاء اور شہداء جمع ہوں گے اور ان کے حساب کے لیے ترازو رکھے گا۔ اس قیاس پر اللہ تعالٰی نے اپنی ذات کے لیے عرش معین فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

"الرحمٰن علی العرش استوی"

پھر اپنے لیے کرسی کا تعین فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض۔

خلاصہ: وہ تمام الفاظ جن میں تشبیہ کا شائبہ ہے مثلاً عرش، کرسی یہ سب صرف مثال کے طور پر ہیں سب سے زیادہ قوی اس میں کعبہ، طواف اور تقبیل الحجر کا معاملہ ہے اور اس میں امت کا اتفاق ہے کہ ان تمام اشیاء کے ذکر سے اللہ تعالٰی کی عظمت اور اس کی کبریائی مطلوب ہے ورنہ وہ ایسی بات سے منزہ ہے کہ کہا جائے کہ وہ کعبہ میں ہے یا اس طرح کہ وہ الفاظ کہ جن میں اللہ تعالٰی کو انسانوں سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسے اس کے لیے عرش و کرسی وغیرہ ثابت کیے جاتے ہیں۔ بہترین قول وہ ہے جو امام نے فرمایا کہ کرسی ایک جسم ہے جو عرش کے آگے ہے جو ساتوں آسمانوں کو محیط ہے اس لیے کہ زمین ایک کرہ ہے اور آسمان دنیا اس زمین کو ایسے محیط ہے جیسے چھلکا انڈے کو جمیع اطراف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اسی طرح پھر دوسرا آسمان آسمان دنیا کو گھیرے ہوتے ہے اسی طرح ہر آسمان یہاں تک کہ عرش الٰہی ہر شئے کو محیط ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے ایک حلقہ جنگل میں پڑا ہو۔ پھر عرش الٰہی کو کرسی پر وہی فضیلت ہے جیسے حلقہ پر اس جنگل کو۔"

ف: غالباً آٹھواں فلک وہی فلک البروج ہے۔

کرسی کا طول وعرض و دیگر معلومات

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ کرسی کے ہر پایہ کا طول ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے اور وہ عرش الٰہی کے سامنے ہے۔ کرسی کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور ہر فرشتے کے چار چہرے ہیں اور ان کے قدم ساتویں زمین کے نیچے مقام صخرا پر ہیں جن کی مسافت پانچ سو سال ہے اور ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ سید البشر حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر ہے وہ ایک سال سے دوسرے سال تک اللہ تعالٰی سے آدمیوں کے لیے رزق اور بارش کا سوال کرتا رہتا ہے دوسرے کی صورت پر اور سید الانعام یعنے جانوروں کا سردار بیل ہے وہ بھی ایک سال سے دوسرے سال تک جانوروں کے رزق کا سوال کرتا رہتا ہے۔

ف: اس فرشتے کے چہرے پر اس روز سے جب سے بچھڑے کی پرستش کی گئی ہے نقص اور کمی چھا گئی ہے۔

تیسرے فرشتے کی صورت سید السباع یعنے شیر کی صورت پر ہے وہ بھی ایک سال سے دوسرے سال تک درندوں کے رزق کا سوال کرتا رہتا ہے۔ چوتھے فرشتے کی صورت سید الطیر یعنی نسر (گدھ) کی صورت پر ہے وہ بھی ایک سال سے دوسرے سال تک پرندوں کے لیے رزق کا سوال کرتا رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کرسی کی تحقیق میں جاننا چاہیئے کہ دین و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ جو ارشادِ باری اور احادیث کا حکم ہے ان میں تاویل نہ کرے۔ ان کو ویسے ہی رہنے دے جیسے مذکور ہوا یا جیسے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تفسیر فرمائی ہے اسی طرح مانا جائے۔ ہاں کوئی ایسا محقق ہو جسے اللہ تعالے نے کشف حقائق و معانی و اسرار و ارشادات التنزیل وتحقیق التاویل سے نوازا ہے۔ اس کا علیحدہ مقام ہے کہ اسے جب اللہ تعالےٰ کوئی خاص معنے یا اشارہ یا تحقیق منکشف فرما دے کہ وہ معنے ایسا مناسب ہو کہ صورت اعیان کے معنے میں ابطال لازم آئے جیسے جنت، نار، میزان صراط اور جو کچھ بہشت میں ہے حور، قصور، انہار، اشجار اور ثمار وغیرہ جیسے عرش، کرسی، شمس، قمر، لیل، نہار ان میں کسی قسم کی تاویل نہ کی جائے کہ جس معنے سے ان کی صورتوں میں تغائر پیدا ہو جائے بلکہ انھیں انہی اعیان میں برقرار رکھا جائے۔ جیسے ان کا مفہوم ہے اور ان کے معانی کے حقائق سمجھے جاتے ہیں اللہ تعالےٰ نے جو شے بھی عالم صورت میں بنائی اس کی صورت عالم معنےٰ میں بنائی ہے اور جو شے بھی عالم معنےٰ میں ہے اس کی حقیقت عالم حق میں موجود ہے یعنے غیب الغیب میں۔ اس کی تفسیر کو اچھی طرح سمجھ لو۔

ف: تمام عالمین میں جو کچھ بھی پیدا فرمایا اس کی مثال اور نمونہ انسان میں ضرور بنایا ہے۔

جب یہ تقریر سمجھ میں آگئی تو اب جان لو کہ عرش کی مثال عالم انسان میں اس کا قلب ہے کیونکہ یہی ہے محل استوا الروح کا اور کرسی کی مثال سر الانسان ہے بہت بڑی تعجب خیز بات یہ ہے کہ وہ عرش الٰہی جسے استوائے الٰہی کی نسبت کا شرف ہے وہ مومن (کامل) کے قلب کی وسعت کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے ساتوں آسمان و زمین کے مقابلہ میں ایک حلقہ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است
من نگنجم ہیچ در بالا و پست

۲۔ در زمین و آسمان و عرش نیز
من نگنجم ایں یقین داں اے عزیز

۳۔ در دلِ مومن بگنجم اے عجب!
گر مرا جوئی دراں دلہا طلب

۴ - خود بزرگی عرش باشد بس پدید
لیک صورت کیست چوں معنے رسید

ترجمہ: (۱) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اوپر نیچے کہیں نہیں سماتا۔

(۲) فرماتا ہے کہ میں زمین و آسمان اور عرش پر بھی نہیں سماتا۔ اے عزیز! اسے یقین سے مان۔

(۳) ہاں میں مومن کے دل میں سماتا ہوں اگر مجھے تلاش کرنا ہے تو اہل ایمان کے دلوں میں تلاش کرو۔

(۴) عرش کی بزرگی قابل ستائش ہے لیکن ظاہری صورت ہے اور معنوی لحاظ سے کسی اور کو بزرگی اور شرافت حاصل ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا یَئُودُہٗ:

حل لغات: کہا جاتا ہے: ادہ الشیٔ یاودہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ وہ شے اسے بوجھ ڈالے اور اس سے اُسے مشقت پہنچے۔ الاود (بفتح الواو) بمعنے ٹیڑھا پن سے مشتق ہے اور یہ بوجھ کے وقت لاحق ہوتا ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بوجھ نہیں ڈالتا اور نہ ہی وہ اسے مشقت میں ڈالتا ہے۔

حِفْظُهُمَا: آسمانوں اور زمینوں کی نگرانی۔ اس لیے کہ اس کے لیے قریب و بعید سب برابر ہے۔ اسی طرح قلیل و کثیر بھی۔ اسے کیا تھکان ہو جب کہ اس کے لیے ذرہ اور تمام کائنات کا تھامنا برابر ہو نہ اُسے تھوڑے سے آسانی ہے اور نہ کثیر سے دکھ۔ بس اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے: ہو جا۔ وہ ہو جاتی ہے۔

سوال: صرف آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے ان کے اندر کی حفاظت بھی تو وہی کرتا ہے پھر ان کا ذکر کیوں نہیں؟

جواب: اس لیے کہ ان کے اندر کی اشیاء ان کے تابع ہیں۔ جب ان کی حفاظت ہو گئی تو ان کے اندر والی اشیاء کی حفاظت بھی ہو گئی۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ، اور وہ اللہ تعالیٰ بلند ہے اس کی ذات میں نہ اس کا کوئی شبیہ ہے اور نہ ہی کوئی شریک۔ **الْعَظِيْمُ ۝** اتنا عظمت والا ہے کہ اس کے ماسوا اس کی شان کے آگے تمام اشیاء حقیر ہیں۔

آیت میں علو سے علو قدر و منزلت مراد ہے نہ کہ علو مکان۔ کیونکہ وہ ذات تحیز سے منزہ ہے اسی طرح اس کی صفات کا حال ہے کہ وہ کریم ہے اور قہر و کبریا اس کی شان ہے۔ اس سے مقدار و حجم کا گمان نہ کرنا کیونکہ اس کی ذات توہمات سے پاک ہے اور اس کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ اسے جواہر و اجسام کی جنس سے سمجھا جائے۔ غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے بندے انبیاء و اولیاء اور علماء کی کتنی بڑی ہیبت ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی سمجھدار آدمی ان حضرات کی شان سے خبر پاتا ہے اور ان کے اوصاف کریمہ سنتا ہے تو ان کی ہیبت سے اس کا سینہ بھر جاتا ہے۔ اور ان کی ایسی ہیبت کے باوجود اس کا قلب ان کی محبت میں شوق میں رہ کر غیر کو اپنے قلب میں جگہ نہیں دیتا۔ نبی علیہ السلام اپنی امت کے حق میں ایک بڑی شخصیت سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح شیخ اپنے

مرید کے حق میں۔ اللہ تعالٰی کی صفات کی کنہ تک پہنچنے سے ادراک عاجز ہے۔ اگر کوئی کسی ایک صفت میں اللہ تعالٰی کے برابر یا اس سے تجاوز کرنے کا دعوٰی رکھتا یا مانتا ہے تو پھر اسے عظیم کیسے مان سکتا ہے۔

خلاصہ التفسیر علم کلام کے بہت بڑے اور اصولی مسائل اس آیت میں آ گئے ہیں جن مسائل کو ذات حق اور اس کی بڑی صفات سے تعلق ہے وہ سب اس آیت میں بیان ہو گئے ہیں مثلاً اس آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالٰی موجود ہے اور معبودیت صرف اسی کے لیے ہے اور وہ حیات سے موصوف ہے اور واجب الوجود لذاتہ اور موجد لغیرہ ہے اس لیے کہ قیوم وہ ہے جو قایم بذاتہ اور مقیم لغیرہ ہے وہ تحیز و حلول سے منزہ اور تغیر و فتور سے مبرا ہے۔ اشباح کو اس سے کسی طرح بھی مناسبت نہیں اور نہ ہی اسے وہ امر عارض ہوتا ہے جو نفوس و ارواح کو عارض ہوتا ہے وہ مالک و الملک و الملکوت ہے مبدع الاصول و الفروع ہے ذو البطش الشدید ہے۔ اس کی شفاعت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ جمیع اشیاء کا صرف وہی عالم ہے وہ بڑی ہوں یا چھوٹی، کلی ہوں یا جزی واسع الملک و القدرت ہے ہر شے اسی کے قبضہ میں ہے کوئی شے بھی اس کی ملک سے باہر نہیں۔ وہ ہر ایک پر قدرت رکھتا ہے۔ ہمارے ہر وہم و گمان سے بلند و بالا ہے۔ ایسا عظیم ہے کہ اس کی عظمت تک ہمارے افہام پہنچ نہیں سکتے۔

فضائل آیۃ الکرسی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پاک میں سب سے بڑی آیت آیۃ الکرسی ہے جو اسے پڑھتا ہے اللہ تعالٰی اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس وقت سے کل تک اس کی نیکیاں لکھتا اور برائیاں مٹاتا رہتا ہے۔

شرح حدیث: آیۃ الکرسی تمام آیات سے اپنے مقتضا کی وجہ سے عظمت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ شے کو شرافت یا ذاتی طور پر حاصل ہوتی ہے یا مقتضٰی کی وجہ سے یا متعلقات کی وجہ سے۔

ف: امام سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے اتقان میں فرمایا کہ جس قدر آیۃ الکرسی میں اللہ تعالٰی کے اسماء گرامی مذکور ہوئے ہیں اس قدر کسی دیگر آیت میں مذکور نہیں ہوتے آیۃ الکرسی میں سترہ مقام پر اللہ تعالٰی کے اسماء گرامی مذکور ہوئے ہیں۔ بعض ان سے ظاہر ہیں اور بعض اشارہ و کنایہ کے طور پر۔ اور وہ سترہ اسماء یہ ہیں۔

۱ - اللہ　　۲ - ھو　　۳ - الحی

۴ - القیوم　　۵ - لا تاخذہ کی ضمیر　　۶ - لہ کی ضمیر

۷ - عندہ کی ضمیر　　۸ - باذنہ کی ضمیر　　۹ - یعلم کی ضمیر

۱۰ - علمہ کی ضمیر　　۱۱ - شاء کی ضمیر　　۱۲ - کرسیہ کی ضمیر

۱۳ - یودہ کی ضمیر　　۱۴ - حفظھما کی ضمیر مستتر جو کہ مصدر (الحفظ) کی فاعل ہے۔

۱۵ - ھو　　۱۶ - العلی　　۱۷ - العظیم۔

اس آیت کی سیادت کی دلیل اتنی کافی ہے کہ اس میں الحی القیوم اسم اعظم موجود ہے۔ جیسا کہ اس کے لیے حدیث شریف میں وارد ہے۔

اسم اعظم کی دلیل از حدیث شریف

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ذکر کر رہے تھے کہ قرآن پاک میں کونسی آیت افضل ہے اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ افضل آیات القرآن آیۃ الکرسی ہے۔ یہ سن کر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! سید البشر آدم علیہ السلام ہیں اور سید العرب (حضرت) محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں! اور سید الفرس (فارس) سلمان فارسی اور سید الروم صہیب اور سید الحبشہ بلال اور سید الجبال طور اور سید الایام یوم الجمعہ اور سید الکلام قرآن مجید اور سید القرآن بقرۃ اور سید البقرۃ آیۃ الکرسی ہے۔

آیۃ الکرسی کے اوراد و وظائف

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں آیۃ الکرسی پڑھی جاتی ہے تو تیس یوم تک اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں بھٹکتے اور نہ ہی اس گھر میں چالیس یوم تک جادوگر مرد یا عورت داخل ہو سکتے ہیں۔ اے علی! یہ آیت اپنے بچوں اور اہل وعیال اور ہمسائیگاں کو یاد کراؤ۔ اس آیت سے بڑھ کر اور کوئی آیت قرآن مجید میں نازل نہیں ہوئی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تمھارے نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا، آپ نے ممبر پر دورانِ وعظ فرمایا: جو شخص اپنی ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے تو اسے بہشت سے موت رکاوٹ ہے اور اس پر وہ مواظبت کرتا ہے جو صدیق ہوگا یا عابد۔ جو شخص اسے بستر پر لیٹتے وقت پڑھ لیتا ہے تو وہ خود اور اس کا ہمسایہ اور اس کے علاوہ چند اور گھر اللہ تعالےٰ کی امان میں آجاتے ہیں۔

حکایت

حضرت محمد بن ابی بن کعب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھیں ان کے باپ نے خبر دی کہ ان کی گدڑی تھی اس میں اس کی سبزی رکھتے تھے۔ اس کی وہ خود نگرانی کرتے تھے۔ چند روز کے بعد محسوس کیا کہ اس میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ اس پر انھوں نے اپنی نگرانی اور تیز کر دی۔ ایک رات ایک سواری کو دیکھا جو کہ ایک نوجوان لڑکے کے ہم شکل ہے۔ فرماتے ہیں میں اس کے قریب گیا اور السلام علیکم کہا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے اسے کہا کہ تم کون ہو، انسان ہو یا جن؟ اس نے کہا کہ میں جن ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ۔ چنانچہ اس نے مجھے اپنا ہاتھ دکھایا تو اس کا ہاتھ اور اس کے بال کتے کی طرح تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا جن ایسے ہوتے ہیں۔ اس نے کہا: یہ تم نے کیا دیکھا۔ جنات اس سے بھی اور زیادہ سخت ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا حرکت کی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ تم صدقہ دینے کو بہت پسند کرتے ہو۔ ہماری بھی خواہش ہوئی کہ ہم تمھارے مال سے کچھ کھائیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تمھاری شرارت سے کیا شے بچاتی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ آیت جو کہ سورہ بقرہ میں ہے جس کی ابتدا یہ ہے: اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم...الخ

آیت میں ہوا ہے۔ اس وقت درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کے میوہ جات توڑے اور اپنے ساتھ انجیر اور انگور لیا۔ کچھ ان میں سے انگوروں کا رس پیا اور کچھ بچ رہا۔ پھر اس درخت کے نیچے سو گئے۔ اس نیند میں ہی ان پر اللہ تعالٰے نے موت طاری فرما دی۔ اس وقت آپ نوجوان تھے۔ ابھی مذکور ہوا کہ آپ کے پاس انجیر، انگور اور انگور کا رس تھا۔

تنبیہ: یاد رہے کہ ان کی یہ موت، عبرت کی موت تھی۔ انقضاء الاجل کی موت نہ تھی جیسے ان لوگوں پر عبرت کی موت تھی جو اپنے گھروں سے طاعون کے خطرے سے نکل پڑے تھے۔ (ان کا واقعہ دوسرے پارہ میں گذرا ہے۔)

(بقایا قصہ) حضرت عزیر علیہ السلام کے بعد ان کے گدھے پر بھی موت طاری کر دی لیکن ان کو ایسا پوشیدہ رکھا کہ آپ کو اور آپ کے گدھے کو کوئی نہ دیکھ سکا، نہ انس و جن اور نہ پرند و درند۔ جب آپ کی موت کو ستر سال گزرے تو اللہ تعالٰے نے فارس کے ایک بہت بڑے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیت المقدس کی تعمیر کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام یوشک تھا۔ اس کے ساتھ بیت المقدس کی تعمیر کے لیے ہزار مستری اور ہر مستری کے ساتھ تین لاکھ مزدور تھے، وہ آتے ہی بیت المقدس کی تعمیر میں لگ گئے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالٰے نے بخت نصر کو ایک مچھر سے مروا دیا جو کہ وہ مچھر اس کے دماغ میں گھس گیا۔ بخت نصر کے مرنے کے بعد بقایا بنی اسرائیل کو نجات ملی تو اس فارس کے بادشاہ نے انھیں بیت المقدس میں بسر کرنے کی اجازت بخشی۔ بچھر جہاں جہاں پر بنی اسرائیل بکھرے ہوئے تھے تمام وہاں جمع ہو گئے۔ تیس سال تک مکمل طور پر بیت المقدس کو آباد کر لیا جیسے بیت المقدس پہلے آباد تھا اس سے بڑھ کر اور کہیں زائد آباد ہوا۔ جب عزیر علیہ السلام کی موت کو پوری صدی گزری تو اللہ تعالٰے نے انھیں زندہ فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

ثُمَّ بَعَثَهٗ پھر انھیں (مبعوث) فرمایا یعنے زندہ کیا۔

حل لغات: یہ بعثت سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب تم نے کسی کو اس کی اپنی جگہ سے اٹھایا اور یوم قیامت کو بھی اس لیے یوم البعث کہتے ہیں کہ اس روز لوگ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

سوال: ثم احیاہ کی بجائے ثم بعثہ کیوں فرمایا؟

جواب: اس لیے کہ ثم بعثہ دلالت کرتا ہے کہ وہ جیسے پہلے تھے ویسے ہی زندہ اور عاقل اور فاہم اور نظر و استدلال فی المعارف الالٰہیہ کے مستعد ہو کر اٹھے۔ اگر احیا کہا جاتا تو مذکورہ بالا فوائد مرتب نہ ہوتے۔

قَالَ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے کہا کہ عزیر علیہ السلام کے اٹھنے کے بعد کیا ہوا جواب میں اللہ تعالٰے نے فرمایا یا اس فرشتے نے کہا جو اللہ تعالٰے کی طرف سے مامور تھا۔ **كَمْ** کتنے یوم یا کتنا وقت **لَبِثْتَ** تم ٹھہرے ہو اے عزیر علیہ السلام! تاکہ وہ اللہ تعالٰے کے شیون کے احاطہ سے اپنے عجز کا اظہار کر سکیں اور انھیں معلوم ہو کہ وہ تھوڑی مدت کے بعد زندہ نہیں ہوئے اور اس وہم کا ازالہ بھی ہو سکے کہ یہ کوئی معمولی عرصہ نہیں تھا بلکہ ان کا وہاں ٹھہرنا ایک بڑے عرصہ تک تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ امر کوئی بعید نہیں کہ وہ قادر اتنی قدرت رکھتا ہے کہ عرصہ کے مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور یقین ہو جائے کہ اس کی قدرت میں اس

سے بھی بڑھ کر اور عجائبات کے اظہار کی طاقت ہے وہ یہ کہ جو غذا طبعاً جلد خراب ہو جاتی ہے وہ اسے دیر تک صحیح و سالم رکھ سکتا ہے جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل بھی نہیں آسکتا۔ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فرمایا عزیر علیہ السلام نے میں نے ایک دن یا دن کا بعض حصہ ٹھہرا ہوں۔ عزیر علیہ السلام کا یہ قول اس گمان کرنے والے کی طرح ہے جو تقریب و تخمین کے طور پر یا ٹھہرنے کی مدت کو اپنے طور پر تھوڑا سمجھ کر کہتا ہے۔ قَالَ، فرمایا اللہ نے تم یہ مقدار نہیں ٹھہرے ہو۔ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ، بلکہ تم تو پوری صدی یہاں ٹھہرے ہو یعنے تم ایک مدت تک میت رہے ہو۔ فَانْظُرْ پس دیکھیے تاکہ تمھیں ہماری قدرت کا معائنہ ہو۔ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ اپنے طعام اور پینے کی شے کو دیکھیے۔ کہ وہ بگڑے تو نہیں ہیں یعنے باوجودیکہ ان کا طبعی تقاضا تھا کہ وہ اتنی بڑی مدت تک خراب ہو جاتے۔ لیکن ان میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہوئی۔

(بقایا واقعہ): مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے ساتھ لیے ہوئے انجیر اور انگور کو ویسے ہی پایا جیسے تازہ توڑ کر ساتھ لائے تھے اور انگور کا نچوڑ بھی جوں کا توں پڑا تھا۔

ف: یہ جملہ منفیہ حال ہے اگرچہ اس پر واؤ داخل نہیں ہوئی اس کا ذوالحال طعامك و شرابك ہے۔

قاعدہ: نحو کا مسلم قاعدہ ہے کہ جب مضارع حال واقع ہو تو اس پر واؤ ہو یا نہ ہو ہر طرح جائز ہے۔

سوال: لم یتسنه کے بجائے لم یتسنها یا لم یتسنیا ہونا چاہیے اس لیے کہ اس سے قبل طعام و شراب دو چیزوں کا ذکر ہے فلہٰذا قاعدہ نحویہ کے مطابق یہ بھی تثنیہ ہو کر آتا؟

جواب: ان دونوں کو ایک شے مثلاً غذا قرار دے کر واحد کے احکام جاری کئے گئے ہیں۔

ف: یہ اس وقت ہے جب کہ لم یتسنه کی ھا کو اصلی مانا جائے کہ یہ السنه سے مشتق ہو جو السنهة تھا۔ اور اگر اس کی ھا سکتہ کی مانی جائے تو یہ السنة سے مشتق ہے کہ جس کا اصل السنو تھا۔

سوال: لم یتسنه کا معنے لم یتغیر کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: اس کے لازمی معنے کے اعتبار سے۔ اس لیے کہ تسنه و تسنی کا اصلی معنے یہ ہے کہ وہ شے کہ جس پر کئی سال گزر جائیں اور یہ ضروری امر ہے کہ جس پر عرصہ گزرے تو لازماً وہ چیز متغیر ہو جاتی ہے۔ بنا بریں اسے لم یتغیر کے معنے میں استعمال کرنا جائز ہوا۔

وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ، اور اپنے گدھے کو دیکھیے کہ اس کی ہڈیاں کیسے چورہ چورہ ہو گئی ہیں اور اس کے جوڑ کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرے پڑے ہیں تاکہ تمھیں یقین ہو جائے کہ تم یہاں پر ایک بڑی مدت ٹھہرے ہو اور اس سے تمھارے دل کو اطمینان حاصل ہو۔ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً۔ اور تاکہ ہم تمھیں بنائیں آیت جو ہونے والی ہے۔ لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے۔ یہ واؤ استیافیہ ہے اور لام کا متعلق محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: فعلنا ذالك ... الخ یعنے ہم نے تمھارے

اور تمھارے گدھے کو زندہ کرنے اور ساتھ ہی تمھارے ساتھ والے طعام و شراب کی حفاظت لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی دلیل بنایا ہے۔ لِلنَّاسِ۔ الناس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس وقت موجود تھے کہ عزیر علیہ السلام کے واقعہ کو دیکھیں اور انھیں تمھاری بدولت تورات کا بھولا سبق حاصل ہو سکے ورنہ تم تو اے عزیر! وہ ہو جو ہر امر پر یقین رکھتے ہو۔ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ۔ اور ان ہڈیوں کو دیکھیے۔

سوال: اس جملہ کو مکرر کیوں لایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ہڈیاں تو وہی گدھا تھا۔ اب اسے دوبارہ لانے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: پہلی بار جب انھیں دیکھنے کا حکم ہوا تھا وہ اس لحاظ سے تھا کہ عزیر علیہ السلام کا یہاں ٹھہرنا ایک بہت بڑی مدت تک تھا۔ اب یہ حکم ہوا کہ معلوم ہو کہ ہڈیاں کو حیات کس طرح ملتی ہے گویا پہلے حکم میں مبادی کا ذکر تھا۔ اب اصل مقصد کی طرف اشارہ ہے یعنی اے عزیر علیہ السلام! گدھے کی ہڈیوں کو بھی دیکھیے کہ انھیں کیسے زندہ کیا جارہا ہے جب کہ پہلے تم اپنے متعلق اشیا کا مشاہدہ کر چکے ہو۔ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ہم انھیں کیسے اٹھاتے ہیں۔

حلِ لغات نشور کا مادہ انشزتہ فنشز ای رفعتہ فارتفع ہے یعنی میں نے اسے اٹھایا پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یعنے ہڈیوں کے بعض کو زمین سے اٹھا کر بعض کو بعض سے ایسے ملا کر جسم میں جہاں جہاں پر تھیں وہ آپس میں مل جائیں گی۔ یہ جملہ العظام سے حال ہے اور اس کا عامل انظر ہے یعنے دیکھیے ان ہڈیوں کو درانحالیکہ وہ زندہ کر دی گئی ہیں یا یہ جملہ العظام سے بدل ہے۔ اس کے مضاف کو حذف کر گیا۔ اصل عبارت یوں تھی "انظر الی حال العظام" یعنے ہڈیوں کے حال کو دیکھیے۔

ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا۔ پھر ہم ان کو گوشت کا لباس پہناتے ہیں یعنے ہم انھیں گوشت سے چھپاتے ہیں، جیسے جسم کو لباس سے چھپایا جاتا ہے۔

سوال: گوشت کو واحد لایا گیا ہے کیوں؟ حالانکہ جمع لانا چاہیئے تھا کہ العظام جمع ہے اور لحم بھی اس کے مطابق واحد ہونا لازمی تھا؟

جواب: ہڈیاں متفرق اور صورت متعدد ہوتی ہیں۔ اور لحم متصل اور متحد ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ اسی لیے عظام کو جمع اور لحم کو واحد لایا گیا۔

سوال: اس میں ان ہڈیوں کے اندر روح پھونکنے کی کیفیت کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: حکمت کا تقاضا یونہی تھا کہ اس کا ذکر نہ کیا جائے۔

(بقایا قصہ) مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے آسمان سے آواز سنی کہ ایتھا العظام البالیۃ .... الخ اے پرانی ہڈیو! جو منتشر پرانی ہوئی پڑی ہو تمھیں اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ تم آپس میں مل جاؤ جیسے تم پہلے تھیں اسی طرح ہو جاؤ اور گوشت پوست کا لباس پہن لو۔ چنانچہ یہ آواز سنتے ہی ہر ہڈی اس طریق سے آپس میں ملنے لگی جیسے پہلے تھی ہر جوڑ اپنے مقام پر

اور رگیں اپنے مقام پر جڑ گئیں۔ پھران پر گوشت چڑھنے لگا۔ اس کے بعدان پر چمڑا آگیا پھر بال اگنے لگے۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔ جونہی گدھے میں روح پہنچی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہینگنے لگا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ پس جب کہ انھیں یعنے عزیر علیہ السلام کو احیاء الموتٰی کا مشاہدہ ہوا تو قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ کہا مجھے یقین تھا کہ بے شک اللہ تعالےٰ ہر شے پر قادر ہے۔ منجملہ ان اشیائ کے ایک یہ بھی ہے جو انھوں نے اپنے اور غیر میں قدرت کے عجائبات کا مشاہدہ فرمایا۔ حضرت عزیر علیہ السلام یہ مشاہدہ دیکھ کر اپنے گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلہ میں تشریف لائے۔ لیکن نہ انھیں لوگ پہچانتے ہیں اور نہ وہ لوگوں کو، بلکہ مکانات کی ہیبت بھی تبدیل تھی۔ اپنے گمان پر ہی چلتے چلتے اپنے گھر پہنچے، وہاں ایک بڑھیا نابینا اور بالکل اٹھنے بیٹھنے سے عاجز موجود پائی۔ اسی بڑھیا نے عزیر علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا۔ عزیر علیہ السلام گھر میں داخل ہوتے ہی فرمانے لگے یہ گھر تو عزیر کا ہے۔

بڑھیا بولی؛ ہاں! ہے تو انھیں کا۔ لیکن عزیر علیہ السلام کے ذکر سے تمھیں کیا غرض! انھیں تو اس وقت پوری صدی گزر گئی اب ان کا نشان تک باقی نہیں رہا۔ اور یہ کہہ کر خوب روئی۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا؛ بی بی! عزیز (علیہ السلام) میں ہی ہوں بڑھیا بولی؛ سبحان اللہ! یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کہاں عزیز علیہ السلام اور کہاں تم۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا؛ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے ایک صدی تک موت دے دی تھی۔ اب اس نے مجھے پھر زندہ فرمایا ہے۔ بڑھیا بولی؛ اگر ایسی بات ہے اور واقعی تم عزیر (علیہ السلام) ہو تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ مستجاب الدعوات تھے۔ اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو میرے لیے دعا مانگئے تاکہ اللہ تعالےٰ میری بینائی واپس لوٹا دے۔ اس پر مجھے یقین ہو گا کہ واقعی تم عزیر علیہ السلام ہو۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے اس بڑھیا کے لیے دعا مانگی اور اپنا ہاتھ اس کی آنکھوں پر پھیرا تو وہ بڑھیا بینا ہو گئی۔ آپ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور فرمایا؛ قومی باذن اللّٰہ (اللہ تعالےٰ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو)۔

چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بالکل صحیح وسالم اور تندرست تھی گویا کہ اس کے پاؤں میں رسی تھی اور اس نے اس سے نجات پائی ہے۔ بڑھیا نے غور سے دیکھا تو واقعی وہی حضرت عزیر علیہ السلام تھے تو فوراً کہا، اشھد انک عزیر (میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ واقعی عزیز علیہ السلام ہیں) وہ بڑھیا بنی اسرائیل کے محلوں میں چل پڑی۔ بنی اسرائیل اپنی مجلسوں کے مختلف مشاغل میں مصروف تھے ان میں عزیر علیہ السلام کے صاحبزادہ بھی تھے جو اس وقت ایک سو اٹھارہ سال کے تھے بلکہ ان کے پوتے پڑپوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھیا نے زور سے پکارا؛ بھاگ کے آجاؤ! عزیر علیہ السلام تمھارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ لوگوں نے بڑھیا کی ایک نہ سنی۔ بڑھیا نے کہا؛ ذرا غور تو کرو۔ یہ انہی کی دعا تو ہے کہ میں اس حالت میں ہوں یعنے بینائی مل گئی اور تندرست ہو گئی ہوں وغیرہ وغیرہ۔ لوگوں نے یقین کر لیا اور عزیر علیہ السلام کی طرف ٹوٹ پڑے۔ عزیر علیہ السلام کے صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ میرے باپ کے دو بازوؤں کے درمیان ہلال کی طرح ایک سیاہ تل تھا۔ اگر وہ ہے تو سمجھوں گا کہ واقعی آپ میرے باپ (عزیر علیہ السلام) ہیں۔ چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام نے دونوں بازو کھولے تو واقعی وہ تل موجود تھا۔

بخت نصر (بدبخت) نے اپنے دور میں چالیس ہزار توارات کے حفاظ کو قتل کرا دیا تھا۔ اس کے بعد ان کے پاس تورات کا ایک نسخہ بھی ان کے پاس نہ رہا اور نہ ہی کسی کو تورات زبانی یاد تھی۔ لیکن حضرت عزیر علیہ السلام نے تمام تورات ان سب کو سنا دی، اور ایسی صحیح کہ زیر و زبر اور نقطے کا بھی فرق نہ آنے دیا۔ جن لوگوں کو بخت نصر نے قیدی بنایا تھا۔ ان کی اولاد میں سے ایک وہاں موجود تھا جو کہ بخت نصر کے مرنے کے بعد بیت المقدس میں آ کر مقیم ہوا، کہنے لگا کہ میرے باپ نے مجھے دادا کی بات سنائی کہ ہم نے بخت نصر کی قید کے دوران میں تورات کو انگور کے باغ میں دفن کر دیا تھا۔ اگر مجھے اپنے دادا کے باغ کی نشاندہی کراؤ تو میں تمہیں وہ تورات نکال دوں گا۔ چنانچہ وہ سب لوگ اس باغ میں پہنچے تو وہاں سے تورات نکال کر عزیر علیہ السلام کی قرأت کا مقابلہ کیا تو حرف بحرف صحیح نکلا۔ تب انہیں یقین ہوا کہ یہ واقعی وہی عزیر علیہ السلام ہیں۔ لیکن بدقسمتوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عزیر ابن اللہ ہیں۔ اللہ تعالٰے اس نسبت سے پاک اور منزہ ہے۔

سبق اس قصہ میں سبق ہے کہ جو شخص دعا کے آداب بجا لائے تو اس کی دعا ضرور جلد قبول ہوتی ہے جس میں اسے کوئی مشقت بھی نہ ہو گی۔ جب دعا کے آداب بجا لائے تو پھر اسے ضرور مشقت ہوتی ہے اور قبولیت میں بھی دیر ہوتی ہے دیکھیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

رب ارنی کیف تحیی الموتٰی (یا اللہ مجھے دکھائیے تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا)

اس میں ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالٰے کی حمد و ثنا کی پھر عرض کی "مجھے دکھائیے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ پس اللہ تعالٰے نے انہیں پرندوں کو زندہ کر کے ان کے سوال کو فوراً پورا کر دیا۔ اور چونکہ عزیر علیہ السلام نے آداب بجا نہ لائے اس لیے ان کے سوال کو سو سال کے بعد پورا فرمایا۔

ف: یہ اللہ تعالٰے کی حکمتیں ہیں جو اپنے پیاروں کے ذریعے ہمارے لیے ظاہر فرماتا ہے (مترجم)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

نباید سخن گفت نا ساختہ
نشاید بریدن نا ساختہ

ترجمہ: نامکمل سخن نہیں کہنا چاہیئے ایسے ہی کچا پھل بھی نہ کاٹنا چاہیئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ قوم نے جب انکار کیا کہ ان کے اجسام کو قیامت میں نہیں اٹھایا جائے گا باوجودیکہ ان کا اعتقاد تھا کہ ارواح کو قیامت میں جمع کیا جائے گا۔ اور کہتے تھے کہ ارواح کا تعلق اجسام سے عالم محسوس میں صرف تکمیل کے لیے ہے جیسے بچے کی کیفیت ہے کہ اسے مدرسہ میں اس لیے بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ آداب سیکھے جب اس کی تکمیل ہو جاتی ہے تو وہ مدرسہ سے نکل کر محفلوں کی زینت بنتا ہے اور لوگوں کی محفلوں میں عرصہ دراز تک مختلف علوم سیکھتا رہتا ہے اور یہ علوم اسے مدرسہ سے حاصل نہ ہو سکتے تھے اگرچہ جتنے علوم اہل فضل سے حاصل کر رہا ہے یہ

اس مکتب میں رہنے کی برکت سے ہے۔ جب یہ لڑکا علوم میں یکتا ہوگیا اب اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ پھر مکتب میں جاکر وقت گزارے جیسے وہ بچپن میں گزارتا تھا۔

یہی مثال ارواح کی ہے کہ وہ جب اجسام سے نکل کر ارواح مقدسہ میں جائیں اور ان سے فیوض و برکات حاصل کریں اگرچہ یہ فیوض بھی اسی کی برکت سے حاصل ہوں گے جو اس نے عالم محسوسات سے حاصل کئے۔ اب اس نے عالم ارواح میں علوم کلیات حاصل کیے۔ اب اس نے عالم ارواح میں علوم کلیات حاصل کیے اور یہ وہ علوم ہیں جو اسے عالم محسوسات سے حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ جب یہ عالم ارواح میں تکمیل پا چکا ہے تو اب اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ پھر عالم اجساد کی قید میں پھنسے۔ اس قوم کو یہی فریب اور دھوکے نفوس نے دیئے۔ اور شیطان نے وسوسے ڈال کر انہی شبہات کا شکار بنایا۔ تو کہتے تھے کہ قیامت میں صرف ارواح اٹھیں گے اجسام کے اٹھنے کا صرف وہم وخیال ہے۔ اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں پر فضل وکرم کرتے ہوئے عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت دے دی اور ساتھ ہی ان کے گدھے کو بھی مار دیا تو پھر انہیں سو سال کے بعد زندہ فرمایا تاکہ دانشمند اس سے استدلال حاصل کریں کہ اللہ تعالٰے نے جب عزیر علیہ السلام کی روح کو زندہ کرے گا تو اس کے ساتھ اس کا حمار جسد کو بھی زندہ فرمائے گا۔ دانا شیطان کے دھوکے اور فلسفی کے شبہات سے حشر الاجساد کے بارے میں نہیں پھسلتا پھر جب بہشت کے بلند مقام پر جگہ دے گا تو حمار جسد بھی اس کے ساتھ بہشت میں ہوگا۔ پس عزیر روح کو صفات جمال و جلال کے پیالے نصیب ہوں گے۔ جیسے وہ انہار الجنۃ اور باغات کے حوضوں سے پانی کے گھاٹ اترے گا۔ تو حمار جسد بھی ساتھ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا، تمھارے لیے وہی ہوگا جو تمھارے نفوس چاہیں گے اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اور ہر ایک کو اپنا اپنا گھاٹ معلوم ہوگا۔

شاعر کہتا ہے ؎

شربنا واهرقنا على الارض جرعة

وللارض من كاس الكرام نصيب

ترجمہ: ہم نے پیا اور بچا ہوا زمین پر گرا دیا۔ کریم لوگوں کے پیالوں سے زمین کو بھی حصہ نصیب ہوتا ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ، اور یاد کیجئے جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا طریق برہانی سے ثابت ہے کہ وقت کا ذکر واجب کرتا ہے اس ذکر کو جو واقعات اس میں واقع ہوئے۔ رَبِّ، اے میرے رب! یہ جملہ استعطاب کا ہے۔ دعا کی قبولیت میں دعا سے پہلے مبالغہ کے طور پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط مجھے دکھائیے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے یعنی مجھے احیاء الموتٰی کا مشاہدہ کرائیے۔ اور میں اسے آنکھوں سے دیکھوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال اس لیے کیا تاکہ ان کو علم عین الیقین بلکہ حق الیقین جو تمام مراتب سے اونچا مرتبہ ہے کا عہدہ حاصل ہو۔ علم الیقین اور عین الیقین میں فرق یہ ہے کہ علم الیقین اخبار سے حاصل ہوتا ہے اور عین الیقین معائنہ سے کہ اس میں کسی قسم کا شک بھی نہیں ہوتا اور اللہ تعالےٰ نے کفار کے حق میں فرمایا :

ثم لترونها عين اليقين۔

جب جہنم میں داخل ہوئے اور انہیں عذاب پہنچا تو فرمایا :

فيه من حميم تصلية جحيم ان هذا لهو حق اليقين۔

قَالَ ، فرمایا۔ اس کے رب نے ، اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ، کیا تم ایمان نہیں رکھتے ہو یعنے تم اس پر یقین نہیں رکھتے ہو اور تمھیں ایمان نہیں کہ میں اعادۂ حیات و ترکیب پر قادر نہیں ہوں۔

سوال : جب اللہ تعالےٰ کے علم تھا کہ ایسی باتوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ عرفان رکھتے ہیں پھر ان سے کیوں پوچھا ؟

جواب : تاکہ آپ کے ایمان کی باتیں دوسروں کو معلوم ہوں جب کہ وہ " بلیٰ " کہہ کر اپنا ایمان ظاہر کریں گے۔ اس پر سامعین کو معلوم ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام کا سوال اس پر مبنی ہے کہ احیاء الموتٰی کی کیفیت کا آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔

قَالَ ، ابراہیم علیہ السلام نے کہا : بَلٰی ، ہاں ! مجھے علم ہے اور اس پر میرا ایمان ہے۔ وَلٰكِنْ ، اور لیکن سوال کرلیا ہے صرف اس لیے لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ، تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل یعنے تاکہ قلب سکون پائے اور وہ اطمینان معائنہ سے ہی حاصل ہوگا اس لیے کہ عین الیقین ہی اطمینان قلبی کا موجب ہے نہ صرف علم الیقین۔

سوال : اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے پردے اٹھ جائیں تب بھی مجھے عین الیقین نہ ہوگا (اس قول اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں کیسے تطبیق ہوگی) ؟

جواب : حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یقین کے بڑھنے سے میرا ایمان ویسے ہی رہے گا اور جب آخرت میں وہ دیکھی جائیں گی ان کی کیفیت کچھ اور ہوگی جن فضائل و ہئیات کو انھوں نے ابھی نہیں دیکھا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب احیاء الموتٰی کی کیفیت کا معائنہ کیا تو انھیں اس وقت جو کیفیت حاصل ہوئی وہ اس سے قبل حاصل نہیں ہوئی تھی۔

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ، پس تو چار پرندے پکڑ لے :

① مور ② کوا ③ مرغا

④ کبوتر۔

ف : بعض نے کبوتر کے بجائے گدھ لکھا ہے۔

سوال: احیاء الموتیٰ کے لیے پرندوں کا ذکر کیوں، کسی اور حیوان کا تعین کیوں نہ کیا؟

جواب: پرندہ ایک تو انسان کو زیادہ قریب ہے۔ دوسرا حیوان کی وصف سے زیادہ جامع ہے۔

فَصُرْهُنَّ - یہ صارہ یصورہ سے ماخوذ ہے اور بکسر الصاد سے بھی آیا ہے۔ دونوں کا معنے ایک ہی ہے یعنے انھیں آپس میں ملا دو اور جمع کر دو۔ **اِلَیْكَ** اپنی طرف تاکہ ان میں تامل کر سکو۔ اور ان کی شکلوں کو تفصیل وار پہچان سکو تاکہ جب یہ زندہ ہو جائیں تو تمھیں معلوم ہو کہ یہ جز فلاں پرندے کا ہے اور یہ جُز فلاں کا ہو کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے اپنی اصلی حالت سے نہیں بدلا۔

واقعہ مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انھیں ان کے ذبح کرنے اور ان کے بال اکھیڑنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ انھیں ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور پھر ان کے اجزاء اور گوشت کو علیحدہ متفرق مقامات پر رکھ چھوڑو۔ لیکن ان کے سر اپنے پاس رکھو متفرق شدہ گوشت پہاڑ پر رکھ دو۔ چنانچہ فرمایا:

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ پھر وہ پہاڑ جو تمھارے سامنے ہو۔ وہ سات تھے یا چار۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے گوشت کے چار حصے کیے۔ اور حکم ہوا کہ ان کے ہر ایک حصہ کو علیحدہ علیحدہ پہاڑ پر رکھو۔ **مِّنْهُنَّ** ان ہر ایک پرندوں میں سے **جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ** جز جز کر کے پھر انھیں اپنی طرف بلاؤ اور انھیں کہو: تعالین باذن اللّٰہ (اللہ کے حکم سے آؤ)۔ **يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا** آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے یعنے وہ نہایت ہی تیزی سے دوڑتے ہوئے اڑ کر یا پیادہ تمھارے پاس ضرور حاضر ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ویسے سے کیا جیسے انھیں حکم ہوا تو پھر یوں کہ ہر پرندہ کا جز اڑ کر اپنے دیگر اجزاء سے مل کر پورا پرندہ بن کر اپنی اصلی صورت میں ہو کر سب کے سب جسم اپنے سروں کی طرف متوجہ ہوئے اور سروں سے مل کر ویسے ہو گئے جیسے کہ اپنی اصلی صورت میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں دیکھتے ہی جا رہے اور تعجب بھی کرتے جا رہے ہیں۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالےٰ غالب ہے اپنے امور پر۔ اسے اس کے ارادہ سے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی۔ **حَكِيْمٌ** ۝ صاحب حکمت ہے اپنے تمام معاملات میں بڑی حکمت رکھتا ہے اور اس کے افعال کی بناء اسباب عادیہ پر نہیں تاکہ وہ ان اسباب کے بغیر اشیاء کے ایجاد میں عاجز ہو۔ وہ قادر ہے عادت کے خلاف دوسرے طریق سے بھی شے کی ایجاد کر سکتا ہے۔ بلکہ ایسے طریق سے کے پیدا کرنے میں کئی حکمتیں اور مضمر ہوتی ہیں۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اپنے دل کا زندہ ہونا طلب کیا تو اللہ تعالےٰ نے پرندوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔

اربعة من الطیر کا عجیب و غریب معنیٰ: چار پرندوں کے متعلق چار معانی ہیں، دراصل یہ چار باتیں نفس کشی کے متعلق تھیں۔ مثلاً:

① مور کی زینت
② کوے کی آواز
③ مرغے میں شہوت
④ بطخ میں حرص

ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جب تک کہ نفس کی مجاہدہ سے سرکوبی نہ ہوگی دل زندہ نہیں ہوسکے گا۔ اور نہ ہی مشاہدۂ حق نصیب ہوگا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ حرص بط یکتاست ایں پنجاہ تاست — حرص شہوت مار و منصب اژدہا ست
۲۔ حرص بط از شہوت خلقت و فرج — در ریاست بیست چند ایں ست درج
۳۔ صد خورندہ گنجد اندر گرد خواں — در ریاست دو نگنجد در جہاں
۴۔ کاغ کاغ و نعرۂ زاغ سیاہ — دائماً باشد بدن را عمر خواہ
۵۔ ہمچو ابلیس از خدا و پاک فرد — تا قیامت عمر تن درخواست کرد
۶۔ عمر و مرگ ایں دو باحق خوش بود — بے خدا آب حیات آتش بود
۷۔ عمر خوش در قرب جان پروردنست
عمر زاغ از بہتر سرگیں خوردنست

ترجمہ: ① حرص میں بطخ یکتا اور یہ پنجاتا ہے۔ حرص سانپ کی شہوت اور اژدہا کی منصب ہے۔

② حرص سے بطخ اور فرج شہوت سے ہے اور بہتر بھی ریا سے ہے کئی گنا بڑھا ہوا۔

③ دستر خوان پر سینکڑوں کا گذارہ ہو سکتا ہے لیکن جو حرص و ہوس میں ہے وہ جہاں سے سیر نہ ہوگا۔

④ کالا کوا کائیں کائیں کرتا رہے گا حرص سے وہ بھی طویل عمر کا خواہاں ہے۔

⑤ ابلیس لعین کی طرح کہ اس نے بھی اللہ تعالےٰ سے لمبی چاہی۔

⑥ عمر و موت دونوں اللہ تعالےٰ کے نزدیک اچھے ہیں وہ آب حیات جو اللہ تعالےٰ کی رضا کے خلاف ہو وہ آگ ہے۔

⑦ عمر خوش قرب الٰہی میں جان کو پالنے والی ہے کوے کی عمر پالنے سے گوبر کھانا بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: "چار پرندے دراصل یہ چار صفات ہیں جو اربعہ عناصر سے پیدا ہوتی ہیں جب کہ انسان کو ان چاروں سے مرکب کیا گیا:

① مٹی ② پانی

③ آگ ④ ہوا

ان چاروں میں سے جب دو آپس میں جمع ہوں گے تو ان میں دو صفتیں پیدا ہوں گی مثلاً، مٹی اسے پانی سے ہی ملایا جائے تو ان کے ملنے سے حرص و بخل پیدا ہوں گے اور یہ دونوں آپس میں ہم مثل ہیں۔ جب ایک پایا جائے گا تو دوسرے کا پایا جانا لازمی ہوگا۔ اسی طرح آگ اس کا قرین ہوا ہے۔ ان دونوں کے آپس میں ملنے سے غضب اور شہوت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں آپس میں قرین ہیں کیونکہ یہ دونوں یکجا پائی جاتی ہیں۔ پھر ان ہر ایک کی صفات کے لیے دوسرا ساتھی ضروری ہے تاکہ وہ اپنے ساتھی کے ذریعے سے سکون پا سکے۔ ان کا رشتہ وہی ہے جو حضرت آدم اور بی بی حوا علی نبینا و علیہما السلام کا تھا۔ پھر ان سے دیگر بے شمار صفات ذمیمہ پیدا ہوتی ہیں مثلاً، حرص، اس کا ساتھ حسد ہے اور بخل، اس کا ساتھی کینہ ہے اور غضب، اس کا ساتھی تکبر ہے اور شہوت کا خصوصی ساتھی کوئی نہیں۔ بلکہ اس کی مثال ایک کنجری کی ہے کہ ہر صفت مذمومہ اس کی ساتھی ہو جاتی ہے۔ اس کی داستان طویل ہے جہنم کے طبقات کی طرح۔ ان صفات کے سات طبقات ہیں۔ جس پر وہ صفت غالب ہوگی وہ اسی کی وجہ سے جہنم میں اسی دروازے سے داخل ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے اپنے خلیل کو فرمایا کہ وہ ان صفات کو ذبح کر ڈالیں۔ اور وہ یہی چار صفات مذمومہ تھیں:

① بخل کا مور۔ اگر بخیل کی نظر میں مال مزین نہ ہوتا (جیسے مور کو اپنے پروں کی زینت پر ناز ہے) تو بخیل کبھی بخل نہ کرتا۔

② حرص کا کوا۔ اس میں حرص زیادہ ہوتی ہے۔

③ شہوت کا مُرغا۔ اور مرغا تو شہوت کے معاملہ میں مشہور زمن ہے۔

④ غضب کا گدھ۔ غضب کی صفت بہ نسبت دوسرے پرندوں کے اس میں زیادہ ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اڑنے میں سب سے اوپر اڑتی ہے۔ اور غضب والے کی ایک نشانی یہی ہے کہ وہ:

"ہمچوں من دیگرے نیست"

کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے انہی پرندوں کو صدق کی چھری سے ذبح کیا اور ان سے ان جمیع صفات مذمومہ کی تمام جڑیں کٹ گئیں۔ جب انھیں نمرود نے فوراً فلاخن کے ذریعے آگ میں ڈالا تو آپ پر آگ کا اثر نہ ہوا بلکہ ان کے لیے وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن گئی۔

ان پرندوں کو ریزہ ریزہ کرنے اور ان کے بالوں کو اکھاڑنے اور پھر ان کے اجزا متفرق کرنے اور ان کے پر و بال اور خون کو آپس میں ملانے اور ان کے گوشت کے ٹکڑوں کو آپس میں ملانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے اوصاف مذمومہ کے تمام نشانات مٹا دیئے۔ بلکہ امر شرع اور نائب حق یعنے شیخ کامل کے حکم سے ابراہیم (روح) نے ان مذموم صفات کے تمام اجزا کی بیخ کنی کر دی۔ شیخ کامل کا امر یہی ہے کہ اس کے اجزا کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے اور پھر انھیں پہاڑوں پر علیحدہ علیحدہ رکھ دیا جائے۔ ان چار وں پہاڑوں سے یہ چار طرح کے نفس مراد ہیں کہ جن پر انسان کو جبلۃً بنایا گیا ہے :

(۱) نفس نامیہ جس کا دوسرا نام نفس نباتیہ ہے ۔

(۲) نفس امارہ جس کا دوسرا نام روح حیوانی ہے ۔

(۳) قوۃ شیطنۃ جسے روح طبعی کہتے ہیں۔

(۴) قوۃ ملکیہ جسے روح انسانی بھی کہا جاتا ہے ۔

جب صفات کے پرندے مذبوح ہو کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے اجزا کو آپس میں ملا دیا گیا اور پھر انھیں پہاڑوں (روح، نفس و قوۃ) پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا گیا جو شرعی حکم تھا تو ان کی مثال ان درختوں اور کھیتوں کی ہے کہ جن پر سمجھ دار کسان (جو کہ کھیتی باڑی کے معاملہ میں بہت زیادہ سمجھ رکھتا ہے) کے حکم سے وہ مٹی ڈالی جاتی ہے جس میں کھاد وغیرہ ملی ہوتی ہے (مقدار معلوم اور مدت معلوم پر) پھر انھیں پانی سے سرسبز بنایا جاتا ہے تاکہ کھاد والی مٹی سے قوت پکڑے اور زیادہ سے زیادہ پھل دے اس طرح نفس نامیہ نباتیہ کھاد والی مردہ مٹی پر تصرف کرتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اللہ تعالٰے کے حکم سے اسے آباد کرتا ہے جیسے اللہ تعالٰے نے فرمایا :

فانظر الی اثار رحمۃ اللہ کیف یحیی الارض بعد موتھا ۔

اسی طرح انہی چار صفات کی کیفیت ہے :

۱ - حرص ۲ - بخل ۳ - شہوت ۴ - غضب ، جب یہ اپنے حال پر رہتی ہیں تو انھیں جوہر روحانی پر غلبہ رہتا ہے۔ بلکہ یہ جوہر روحانی کو بیکار بنا ڈالتی ہیں کہ جوہر روحانی کو اپنے مقام اصلی کی طرف رجوع تک بھی نہیں رہتا۔ اور وطن حقیقی کو بالکل نسیاً منسیا بنا دیتا ہے۔ ہاں جب ان صفات مذمومہ کا جوش مٹایا جائے اور ان کی قوت کو نیست و نابود کر دیا جائے اور ان کے شعلے بجھائے جائیں اور ان کی طبیعتوں کے نشانات بحکم شرع ختم کر دیئے جائیں اور ان کے مختلف اجزا کو متفرق کر کے بعض کو بعض میں مخلوط کیا جائے پھر انھیں چار اجزاء پر تقسیم کر دیا، پھر انھیں قوت یا نفس یا روح کے پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو ہر ایک انہی کی تربیت و قوت سے طاقت پا لیں گی کہ ان میں روح انسانی وملکی تصرف کرے گا۔ ان کی وہ صفات جو سراسر ظلمانی ہے نور سے بدلے گا جو کہ روح انسانی وملکی کے خصائص سے ہے

(بقیہ صفحہ نمبر ۶۰)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ
فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ
لَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَا
لَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ
عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ
مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ
فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ۝ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ
فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ع

ترجمہ: وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی کہاوت اس دانہ جیسی ہے جس نے سات بالیں اگائیں ہر بالی میں سو دانہ ہو اور اللہ تعالے جس کے لیے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ بڑھاتا ہے اور اللہ تعالے وسعت والا علم والا ہے اور وہ لوگ جو اپنے مال اللہ تعالے کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کر کے احسان جتلانے اور ایذا دینے والے نہیں ہوتے ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ہے اور انھیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم۔ نرم بات اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس میں کسی کو کچھ دے کر ستایا جائے اور اللہ تعالے بے نیاز اور حلم والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتلا کر اور ایذا دے کر ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھاوے کے لیے مال خرچ کرتا ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالے اور قیامت پر وہ ایمان لاتا ہے، سو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ جس پر مٹی پڑی ہو پھر اس پر زوردار بارش پڑے تو اسے صرف پتھر کر چھوڑے ایسے لوگ اپنے ان اعمال پر ذرہ بھی قدرت نہ پائیں گے اور ان لوگوں کی کہاوت جو محض رضائے الٰہی اور اپنے دل مضبوط رکھنے پر خرچ کرتے ہیں

ایسی ہے جیسے ایک باغ کی بھوڑ پر ہو اس پر زوردار بارش پڑے تو وہ دو ہرے میوہ جات لایا ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ بھلا تم سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اس کے ہاں کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اس کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اسے بڑھاپا آگیا ہو اور اس کی کمزور اولاد ہو سو اس پر ایک بگولا (آتشی) آیا تو وہ جل گیا ایسے ہی تمہیں اپنی آیات بیان کرتا ہے کہ کہیں سوچو۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۹)

اس طرح سے وہ صفات ظلمانی بالکل مٹ جائیں گے اور ان کے عوض روحانی اخلاق پیدا ہو جائیں گے جن کی وجہ سے وہ انہی صفات پر زندہ رہیں گی۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ

مَثَلُ، نفقات کی مثال۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، ان لوگوں کی جو اللہ تعالےٰ کی راہ پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں یعنے خیرات کے وجوہ میں خرچ کرتے ہیں۔ واجبات میں سے جیسے زکوٰۃ اور نوافل میں سے۔ یہاں پر نفقات مقدر ہے کیونکہ وہ جو خرچ کرتے ہیں وہ دانہ سے مشابہت نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ حیوان کو جہاد سے تشبیہ نہیں دی جاتی بلکہ ان کے نفقات کو دانہ سے مشابہت ہے۔ کَمَثَلِ حَبَّةٍ، مثل دانہ کے یعنے کسان جو کہ آباد زمین میں دانہ ڈالتا ہے۔

ف: الحبہ الحب کا واحد ہے الحبہ وہ ہے جو کھیتی کے حصول کے لیے زمین میں ڈالا جائے۔ اور اس کا اکثر اطلاق گندم پر ہوتا ہے۔

اَنْۢبَتَتْ، اگائے یعنے نکالے۔ انبات کا اسناد الحبہ کی طرف مجازی ہے۔ سَبْعَ سَنَابِلَ، سات بالیاں یعنے سات تنے جس سے سات شاخیں پھیلتی ہیں جو ہر ایک شاخ کا علیحدہ خوشہ ہوتا ہے۔ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ، جس کے ہر خوشہ میں ایک سو دانہ ہوتا ہے جیسا کہ عام طور پر کھیتی اور کھلیوں میں جو کھیتی باڑی کی زمینوں سے مشاہدہ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زائد ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ، اور اللہ دو ہرا کرتا ہے جتنا وہ چاہتا ہے۔ لِمَنْ یَّشَآءُ، جس کے لیے اپنے فضل سے چاہتا ہے۔ اور کسان کے خلوص اور محنت کے مطابق بڑھتا ہے یہی وجہ ہے کہ معاد پر ثواب میں اعمال کے مراتب مختلف ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ اور اللہ تعالےٰ وسیع فضل والا ہے۔ اس پر تنگی نہیں کرتا جو اس سے زائد کا مستحق ہوتا ہے۔ عَلِیْمٌ کسان کی نیت کو جانتا ہے اور اس کے بیج ڈالنے کو بھی

جانتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے کتنا بیج ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والے کی یہی مثال ہے بودی گئی ہے۔ جب کہ وہ اپنے عمل میں اچھا ہو۔ اور اس کا بیج بھی درست ہے اور زمین بھی اعلیٰ ہو تو کھیتی بہت ہوتی ہے۔ اسی طرح صدقہ دینے والے کا حال ہے۔ وہ نیک بھی ہو اور مال بھی حلال کا خرچ کرے اور اسے صحیح مصرف میں صرف کرے تو ثواب بہت زیادہ عطا ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی خیرات کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال مال کو قبول کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے دائیں ہاتھ سے قبول کرکے اس صدقہ کو اس کے مالک کے لیے بڑھاتا رہتا ہے۔ جیسے تم میں سے کوئی گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدقہ میں تربیت کا اس لیے ذکر فرمایا کہ (اگرچہ یہ زیادتی دوسرے اعمال صالحہ میں بھی ہوتی ہے) صدقہ واجبہ ہو یا نافلہ وہ تربیتِ حق کا بہت زیادہ محتاج ہے اس لیے کہ اس میں کمی واقع ہونے کا بہت خطرہ ہے کیونکہ اس میں حبِ مال (جو فطرتی امر ہے) کو زیادہ دخل ہے۔

حدیث شریف: (حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ مومن کا صدقہ اپنے صاحب کو آفاتِ دنیا اور فتنۂ قبر اور یوم قیامت کے عذاب سے بچاتا ہے۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا): کہ سخاوت ایک ایسا درخت ہے کہ جس کی جڑیں بہشت میں ہیں اور اس کی ٹہنیاں دارِ دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو اس کی کسی ایک ٹہنی کو پکڑے گا تو وہ ٹہنی اسے بہشت میں لے جائے گی اور بخل ایک ایسا درخت ہے کہ اس کی جڑیں جہنم میں ہیں اور اس کی ٹہنیاں بھی دارِ دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جو بخل کی کسی ایک ٹہنی کو پکڑتا ہے تو وہ ٹہنی اسے جہنم میں لے جاتی ہے۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا): جو بیوہ اور مسکینوں کی خبرگیری کرتا ہے۔ وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے یعنے اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ ان کی ہر تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسے مجاہد جہاد میں تکلیف اٹھاتا ہے اس لیے کہ ان کی خبرگیری میں جگر کو آگ پر رکھنا ہے اور بہت بڑے صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نفس اس سے کتراتا ہے۔ اس لیے کہ وہ طبعی طور پر لئیم ہے اس وجہ سے ایسے شخص کو بہت ثواب ملتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ بوستان میں لکھتے ہیں ؎

یکے از بزرگان اہل تمیز حکایت کند ز ابن عبدالعزیز
کہ بودش نگینی در انگشتری فرو ماندہ از قیمتش مشتری
بشب گفت آن جرم گیتی فروز دری بود در روشنائی چو روز

۱- قضا را درآمد یکے خشک سال　　　کہ شد بدر سیمائے مردم ہلال

۲- چو در مردم آرام و قوت ندید　　　خود آسودہ بودن مروت ندید

۳- چو بیند کسے زہر در کام خلق　　　کیش بگذرد آب شیریں بحلق

۴- بفرمود بفروختندش بسیم !　　　کہ رحم آمدش بر فقیر و یتیم

۵- بیک ہفتہ نقدش بتاراج داد　　　بدرویش و مسکین و محتاج داد

۶- فتادند در وے ملامت کناں　　　کہ دیگر بدستت نیاید چناں

۷- شنیدم کہ می گفت و باراں دمع　　　فرو میدویدش بعارض چوں شمع

۸- کہ زشت است پیرایہ بر شہریار　　　دل شہری از ناتوانی فگار

۹- مرا شاید انگشتری بے نگین　　　نشاید دل خلق اندوہگین !

۱۰- خنک آں کہ آسایش مرد و زن　　　گزیند بر آسایش خویشتن

۱۱- نکردند رغبت ہنر پروراں　　　بشادیٔ خویش از غم دیگراں

ترجمہ : (۱) اتفاقاً قحط سالی آئی کہ چودھویں رات کے چاند جیسی پیشانیاں پہلی رات کے چاند جیسی ہوگئیں۔

(۲) جب لوگوں میں آرام نہ دیکھا تو پھر اپنی آسودگی اپنے لیے مروت نہ دیکھی۔

(۳) جب کوئی کسی کے حلق میں زہر دیکھے پھر اس کے حلق سے کب میٹھا پانی گذر سکتا ہے۔

(۴) فرمایا کہ اس کی انگشتری کا نگینہ بیچ دیا جائے اس لیے کہ اسے فقیر و یتیم پر رحم آگیا۔

(۵) ایک ہی ہفتہ میں تمام کو ختم کر ڈالا کہ فقرا و مساکین اور محتاج لے گئے۔

(۶) ملامت کرتے ہوئے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے کہ تجھے اس جیسی انگشتری نہیں ملے گی۔

(۷) میں نے سنا ہے کہ وہ لوگوں کی بات سن کر آنسو بہاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

(۸) وہ زیور بادشاہ کو اچھا نہیں لگتا کہ جس کی رعایا پریشانی میں ہو۔

(۹) میری انگشتری نگینہ کے بغیر اچھی ہے لیکن خلق خدا کا دل غمگین نہ ہو۔

(۱۰) خوش قسمت ہے وہ جو اپنی آسودگی کی بجائے اپنے بال بچوں اور گھر والوں کا آرام چاہتا ہے۔

(۱۱) ہنرمندوں نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ وہ دوسروں کو غم میں ڈال کر اپنا آرام چاہیں۔

خلاصہ حکایت مذکور ایک سال قحط پڑا حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قیمتی انگشتری تھی۔ آپ نے بیچ کر لوگوں کو خیرات کردی لوگوں نے ملامت کی کہ ایسی نایاب انگشتری پھر کہاں سے ملے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اس بادشاہ کے لیے زیور بیکار ہے جس کی رعایا بھوکی مرے۔

مسئلہ : اعمال کا دارومدار نیات پر ہے۔

سوال : حضور علیہ السلام نے فرمایا : نیۃ المومن خیر من عملہ (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) اس حدیث شریف سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ صرف نیت ہی کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں ؟

جواب (۱) : حدیث شریف کی شان ورود سے اس کا جواب واضح ہوگا :

واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ پیاسوں کے لیے کنواں کھدوا کر وقف کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ یہ ارشاد کسی کافر نے بھی سن لیا تو اس نے حضرت عثمان غنیؓ سے سبقت کر کے کنواں کھدوا دیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا : نیۃ المومن ..... الخ گویا اس مومن سے خاص عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور کافر سے وہی مخصوص کافر مراد ہے لیکن حکم میں حدیث اپنے عموم پر رہے گی۔

(۲) یا یہ مراد ہے کہ مومن کی نیت اس عمل سے بہتر ہے جس عمل میں اس کی نیت نہ ہو اس لیے کہ جو نیکی کا کام نیت سے کرے گا وہ اس عمل سے بہتر ہوگا جو بلا قصد کرے گا۔

ف : بعض نے کہا ہے کہ بعض اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو نیت کے بغیر ہوتے ہی نہیں مثلاً نماز نیت کے بغیر جائز نہیں۔ اور بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جنھیں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً تلاوتِ قرآن مجید اور ذکرِ خیر کے جمیع اقسام وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ

انفاق کے چند مراتب یہ ہیں :

① انفاق العوام

② انفاق الخواص

انفاق العوام —— یہ مال خرچ کرتے ہیں جس کا اجر بہشت ہے۔

انفاق الخواص —— یہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے اپنا حال درست فرماتے ہیں، جس کا اجر قیامت میں اللہ تعالٰے کا دیدار ہے۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ حب مال سے نفس کا تزکیہ کرے اور قلب کا تصفیہ کرنے کہ مال کو اللہ تعالٰے ملک متعال کی راہ پر خرچ کر ڈالے تاکہ اسے بہشت میں بزرگی نصیب ہو اور بخل سے بچے تاکہ اسے اللہ تعالٰے خاسرین کی جماعت سے نہ اٹھائے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ وہ لوگ جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنے اموال کو جائز مصارف میں صرف کرتے ہیں۔ ثُمَّ۔ یہ عطف معطوف کی

شان کی رفعت کے اظہار کے لیے ہے۔ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا، نہیں پیچھے لگتے اس کے جو وہ خرچ کرنے میں یہاں پر ضمیر عائد محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی: ما انفقوا مَنًّا۔ ، احسان جتلا کر وہ یہ کہ جس پر احسان کیا اس کے سامنے اپنے احسانات گننے لگ جاتے اور اسے کہے کہ میرا تیرے اوپر حق واجب ہے یعنی کسی پر صدقہ کرکے اس پر منت نہیں لگاتے مثلاً، صدقہ دینے والا احسان جتلا کر کہے کہ میں نے تیرے ساتھ فلاں وقت یہ کیا وہ کیا اور میں نے تیرے ساتھ اتنے اتنے احسانات کئے۔ وَ لَآ اَذًی" اور نہ ہی اسے دکھ پہنچائے مثلاً اپنے احسان کی وجہ سے اس پر فخر و ناز کرے اور اسے یاد دلائے یعنی اسے ایذا نہ دے مثلاً، صدقہ دینے والا ایذا دیتے ہوئے کہے کہ میں نے تجھے فلاں فلاں شے دی لیکن تو نے میرا شکریہ تک نہیں کیا یا میرا عطا کردہ مال کب دے گا اور مجھے کتنی دیر ستاتا رہے گا یا مجھ سے کب تک سوال کرتا رہے گا یا کہے تجھے مجھ سے مانگتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی یا کہے کہ ہمیشہ تک میرے پاس اسی طرح آتا رہے گا یا کہے کہ کبھی اللہ تعالٰے مجھے تجھ سے نجات بھی دے گا یا کبھی میرے اور تیرے درمیان جدائی بھی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ" ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

سوال: اس پر فاء کیوں نہیں داخل ہوئی باوجودیکہ قانون کا تقاضا ہے کہ اس پر فاء داخل ہو۔ کیونکہ لهم اجرهم اپنے ماقبل یعنے الذین ینفقون کے لیے سبب ہے اور سبب پر فاء داخل ہوا کرتی ہیں؟

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ وہ انفاق جو صرف اللہ تعالٰے کو راضی کرنے کے لیے کیا جائے کہ اس میں منت و اذی نہ ہو تو اسے سببیت کی محتاجی بھی نہیں اس لیے کہ فاء کے دخول کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، اور انہیں آنیوالے عذاب کا کوئی خوف نہیں۔ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اور نہ وہ غمگین ہوں گے اس سے جو دنیوی امور چھوڑ کے گئے۔

شان نزول (۱) مروی ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو طعام کی خواہش ہوئی تو انھوں نے اپنی امی جان (بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰے عنہا) کا قمیص مبارک چھ درہم میں بیچ ڈالا۔ آپ طعام لے کر آ رہے تھے کہ کسی سائل نے آپ سے طعام مانگا۔ آپ نے اسے دے دیا۔ اس کے بعد ایک اونٹنی بیچنے والے نے اونٹنی بیچنے کا اعلان کیا۔ آپ نے اس سے اونٹنی ادھار خرید لی پھر کسی دوسرے شخص کو منافع پر نقد بیچ ڈالی۔ آپ کا ارادہ ہوا کہ پہلے بائع کو اونٹنی کی رقم ادا کریں۔ ہر چند تلاش کیا مگر وہ شخص نہ ملا۔ آپ نے یہ سارا واقعہ اپنے نانا جان (حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم) کو سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سائل رضوان جنت تھا اور اونٹنی کے بائع میکائیل علیہ السلام تھے پھر اس کے خریدار حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالٰے عنہ کے اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت سابقہ اور یہ آیت حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہما کے

حق میں نازل ہوئی ۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کا واقعہ یوں ہے کہ آپ نے غزوہ تبوک کے موقع پر ہزار اونٹ سامان سمیت اور ہزار دینا نقد سامان جنگ کی امداد میں پیش کیے ۔ حضور علیہ السلام نے ان کی اس قربانی پر دعا کے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ حق میں عرض کی کہ اے اللہ! میں عثمان (رضی اللہ عنہ) سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ یوں ہوا کہ انھوں نے چار ہزار دینار نقد بارگاہِ رسالت میں پیش کر کے عرض کی کہ میری کل جائیداد آٹھ ہزار دینار تھی میں نے آدھی راہِ خدا میں پیش کی ہے اور آدھی اپنے اہل و عیال کے لیے رکھ چھوڑی ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے تجھے اس مال میں برکت دے جو تو نے راہ حق میں پیش کیا اور اس میں بھی جو تو نے اپنے اہل و عیال کے لیے چھوڑا ہے ۔

اس آیت میں ان دونوں کے حال کی ترجمانی کی گئی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کیا۔ اور دل میں خیال تک نہ تھا کہ وہ کسی پر منت یا احسان یا کسی کو ایذاء دینے کی غرض پر خرچ کر رہے ہیں۔

مسئلہ : بعض نے کہا کہ منت لگا کر خرچ کرنا منافقت کے اور ایذا دے کر خرچ کرنا ریا کے مشابہ ہے ۔

مسئلہ : جو خرچ منت و ایذاً کے طور پر ہو اس میں کسی قسم کا اجر و ثواب نہیں بلکہ الٹا گناہ ہے کہ اس نے محتاج کو مال دیا لیکن احسان کے طور پر یا ایذاء دے کر ۔

مسئلہ : حضرت فرماتے ہیں کہ ایسے خرچ سے نہ ثواب ہے نہ گناہ ۔

مسئلہ : بعض نے فرمایا کہ اسے صدقہ کا ثواب تو ملے گا لیکن جو اس پر دوہرا ثواب ملتا ہے وہ نہیں ملے گا۔ البتہ احسان جتلانے سے گناہ ضرور ہوگا۔

سوال : لوگوں کو اللہ تعالٰے نے احسان جتلانے سے روکا لیکن خود احسان جتلاتا ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا : بل اللہ یمن علیکم ؟

جواب : اسے احسان جتلانے کا حق ہے کہ اس کا ہر شے پر ملک تام ہے ۔ اس کی قدرت اور ملکیت ہے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے ۔

مسئلہ : جس بندے کو دیکھو کہ اس میں خیر اور بھلائی کی عادت ہے تو سمجھو کہ اسے اللہ تعالٰے کے صفات سے حصہ نصیب ہے اور یہ اسے اپنی قدرت سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰے کے فضل و کرم سے نصیب ہوا۔ اس لیے کہ عبد تو ناقص ہے اور ناقص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی پر احسان جتلائے ۔ اور اپنی تعریف کرے ۔

مسئلہ : احسان جتلانا نعمت کی قدر و منزلت گھٹاتا ہے اور اس کی نورانیت کو ظلمات سے بدل دیتا ہے اس لیے کہ فقیر و محتاج منکسر القلب ہوتا ہے ۔ کیونکہ وہ حاجت مند ہے اور اسے غیر کے صدقہ کی ضرورت ہے اور اسے خود بھی اعتراف ہے کہ

دینے والا بہت اونچا ہے لیکن جب دینے والے نے اس کا اظہار کر دیا تو اس نے فقیر و محتاج کے دل کو مجروح کیا۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کسی کو نفع پہنچا کر پھر اسے دکھ میں ڈال دے یا اس احسان کرنے والے کی طرح ہے کہ پہلے تو اس پر احسان کرتا ہے پھر اس کے ساتھ برائی سے پیش آتا ہے۔

حضرت حسین کاشفیؒ فرماتے ہیں ؎

آنچہ کہ بدھی چو دہندہ خداست
منت بے ہودہ نہادن خطاست
ہر چہ دہی می دہ و منت منہ
و آنچہ پشیمان سوی آن ہم مدہ

ترجمہ: ۱۔ جب سب کچھ اللہ تعالٰے دینے والا ہے تو پھر تم خیرات دے کر کسی پر احسان نہ جتلاکہ یہ خطا ہے۔

۲۔ جو کچھ دینا ہے دے لیکن کسی پر احسان نہ جتلاؤ بلکہ کسی پریشانی کو بھی اس کے سر نہ تھوپیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱۔ چون انعام کردی مشو خود پرست ... کہ من سروم دیگران زیر دست
۲۔ چوں بینی دعا گوی ھزار ... خداوند را شکر نعمت گذار
۳۔ کہ چشم از تو دارند مردم بسے
نہ تو چشم داری بدست کسے

ترجمہ: ۱۔ جب کسی پر انعام کرو تو خود پرستی میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ میں سردار ہوں اور دوسرے میرے زیر قبضہ ہیں۔

۲۔ جب اپنے ہزاروں دعا گو دیکھو! تو اللہ تعالٰے کا شکر کیجئے۔

۳۔ تجھ سے اور لوگ امید وابستہ رکھتے ہیں لیکن تو کسی سے امیدوار نہیں ہے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پانچ ہزار بکریوں کا ریوڑ تھا۔ اور اس کے نگراں کتوں کے گلوں میں سونے کے طوق ڈالے ہوتے تھے۔ آپ کے سامنے فرشتہ انسانی بھیس بدل کر حاضر ہوا اور آپ کی بکریوں اور کتوں کو گھور گھور کر دیکھتا ہے۔ فرشتے نے اس شان و شوکت کو دیکھ کر کہا: سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جان من! اس مقدس کلمہ کو دوبارہ کہہ۔ اور اس کے انعام میں بکریوں کے ریوڑ سے آدھا تیرا ہے۔ اس فرشتے نے دوبارہ وہی کلمہ دہرایا۔ اس پر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے پکار کر فرمایا کہ اس کلمہ کو بار بار کہو، بکریوں کا تمام ریوڑ تجھے دیتا ہوں۔ اس سے فرشتہ متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ واقعی یہی خلیل ہے اور وہ اس شان کے لائق ہیں کہ اللہ تعالٰے نے انھیں اپنا خلیل بنایا ہے۔ اور وہ اس شان کے لائق ہیں کہ ان کا ذکر ہر زمانہ اور ہر ملت میں

ہوتا رہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ قرض دہ زیں دولت اندر اقرضوا

تا کہ صد دولت ببینی پیش رو

۲۔ اندکے زیں شرب کم کن بہر خویش

تا کہ حوض کوثرے یابی بہ پیش

ترجمہ: ۱۔ اقرضوا کا حکم سن کر تم اپنی دولت سے قرض دو تاکہ آیندہ چل کر تم اس کا بہتر صلہ حاصل کرو۔

۲۔ یہاں کی دولت سے تھوڑا خرچ کر تاکہ تجھے حوض کوثر نصیب ہو۔

نوابغ الکلم میں ہے ؎

صنوان من منح سائلہ و من

و من منع نائلہ وضن

ترجمہ: اللہ تعالٰے کے بندے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالٰے کے نام پر دے کر منت لگاتے ہیں دوسرے دیتے نہیں اور بخل کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

انسان تین طبقات پر مشتمل ہیں:

(۱) بہت زیادہ قوی۔ (۲) متوسط (۳) ضعفاء

(۱) بہت زیادہ قوی —— یہ وہ ہیں جو اپنی تمام جائیداد اللہ تعالٰے کی راہ پر لٹا دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالٰے کے وعدہ کا ایفا کیا جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔

(۲) متوسط —— یہ وہ ہیں کہ اپنے ہاتھ کو مال سے خالی نہیں چھوڑتے تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئے اور پھر عبادت میں بھی کمی واقع نہ ہو۔

(۳) ضعفاء —— یہ وہ ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا دے جو تیرے غیر سے فارغ ہو کر زندگی گزارتے ہیں اور تیرے ماسوائی سے ہٹ کر صرف تیرے ساتھ رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ، اچھا جواب دینا۔ قول معروف یہ ہے کہ سائل کو احسن طریق سے جواب دے

جس سے اس کا دل خوش ہو جاتے ۔ وَّ مَغْفِرَةٌ اور مغفرت یعنے جو غلطی سائل سے ہوا سے چھپانا مثلاً" وہ سوال کے وقت بہت زیادہ الحاح وزاری کرتا ہے یا ایسی باتیں کرتا ہے جو سننے والے کے دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس سے درگذر کرے۔ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ط

سوال: اگر کوئی سوال کرے کہ وہ کونسا صدقہ ہے جو ایذار کے صدقہ سے بہتر ہے کہ جس کے لیے کہا جا سکے کہ یہ اس سے بہتر ہے؟

جواب: وہ صدقہ بہتر ہے جس سے تمھیں اطمینان ہو کہ واقعی اس صدقہ کو اللہ تعالٰے نے قبول کر لیا ہوگا۔ اس کی مثال وہ ہے جو اللہ تعالٰے نے فرمائی ہے:

قل ما عند الله خير من اللهو ومن التجارة - (لہو وتجارت کے ماسوا ان کی نیکی ہوگی وہ اللہ تعالٰے کے ہاں بہتر ہے)۔

معنٰی یہ ہے کہ تمھیں معلوم ہے کہ جو نیکی اللہ تعالٰے قبول کرے وہ دنیا وآخرت کی ہر بھلائی سے بہتر ہے۔

وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ اور اللہ تعالٰے غنی ہے اس سے جو تمھارے پاس ہے۔ فقرار کو تمھارے احسان اور ایذار کا محتاج نہیں بنانا چاہتا۔ اگر وہ چاہے تو وہ دوسرے طریقے سے بھی انھیں رزق پہنچا سکتا ہے۔ حَلِيْمٌ ○ حلیم ہے کہ اصحاب المن و الاذیٰ کو جلد تر عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ دونوں انہی دونوں سببوں سے عذاب کے مستحق ہی نہیں۔

مسئلہ: اس آیت سے من واذی کی وعید ثابت ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ

منت لگانے والے اور ایذار دینے والے کے صدقہ سے سائل کو اچھی بات کہہ دینا اس لیے بہتر ہے (حالانکہ قول حسن سے فقیر کو محروم کرنا ہوتا ہے) کہ قولِ حسن سے سائل کا قلب خوش ہوتا ہے اور اس کے روح کو فرحت ملتی ہے اور صدقہ کا نفع صرف جسد تک اثر انداز ہوگا۔ اگرچہ قلب اور روح کو اس سے سرور و فرحت ملے گی لیکن تبعًا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شے جسم کو تو فائدہ پہنچائے لیکن روح اور قلب اس سے پریشان ہو تو وہ جسمانی نفع بھی کڑوا لگتا ہے۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جو شے روح کو فرحت اور تازگی بخشے وہ جسم کی راحت اور خوشی بخشنے والی شے سے بہتر ہوتی ہے اس لیے روحانیت کے امور نفوس میں زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور زیادہ با شرافت۔

ف: اسلاف رحمہ اللہ تعالٰے صدقہ دینے اور پھر اس میں ریار سے بچنے میں بہت کوشاں رہتے۔ اس لیئے کہ ریار نفس پر ہمیشہ غالب رہتا ہے اور پھر یہ مہلک بھی ہے۔

ف: امام شعبی رحمہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں کہ جو شخص ثواب کے لحاظ سے اپنے آپ کو فقیر سے زیادہ محتاج نہیں سمجھتا وہ اپنے صدقے کو باطل کر رہا ہے۔

ف: جس وقت کو قبر میں اتارا جائے گا تو ریا قلب کو ایسے ایذار دے گا جیسے سانپ جسم کو ایذار دیتا ہے۔ اسی طرح بخل بچھو کی شکل میں آکر ایذا دے گا۔

ف: اصلی مقصود صدقہ سے یہ ہے کہ بندہ بخل کی خرابی سے بچ جائے۔ جب اس بخل میں ریا مل جائے تو یوں سمجھئے کہ میں نے سانپ کو بچھو کی غذا دے دی ہے۔ پھر وہ صدقہ ریا سے دے کر اگرچہ بچھو سے بچ گیا لیکن سانپ کی قوت میں اضافہ کر دیا۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ صفت جو قلب میں ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتی ہے۔ اس کی قوت و غذا یہی ہے کہ اس کے اسباب پر عمل کرے۔

مسئلہ: صدقہ صرف مال میں نہیں ہوتا بلکہ ہر نیکی صدقہ ہے یہاں تک کہ کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) اچھی شفاعت ہے۔ کسی کی ضرورت کے کام آنا، بیمار پرسی کرنا، جنازہ کے لیے حاضری اور دفن و کفن میں شریک رہنا اور مسلمان کا دل خوش کرنا۔ یہ سب صدقہ کے اقسام ہیں۔

گر خیر کنی خیر یابی در ہر دو جہاں کشا دیابی
احسان کن بہر توشۂ خویش زادے بفرست تو ازیں پیش

ترجمہ: اگر بھلائی کرو گے تو بھلائی پاؤ گے دونوں جہانوں میں کشادگی پاؤ گے۔
آخرت کے توشہ کے لیے احسان کرو۔ یہاں سے آخرت کا سامان بھیجئے۔

تنبیہ: دنیا اور دنیا کے تمام اسباب سب کے سب کا کوئی اعتبار نہیں۔

حکایت ایک بادشاہ کا واقعہ مشہور ہے کہ اس کی ریح پیٹ میں رک گئی یہاں تک کہ قریب المرگ ہوگیا۔ اس پر اس نے اعلان کیا کہ جو شخص میری ریح خارج کر دے گا، اُسے اپنی شاہی بخش دوں گا۔ ایک اہل اللہ نے سنا اور بادشاہ کے ہاں تشریف لائے اور برکت کا ہاتھ اس بادشاہ کے پیٹ پر پھیرا تو اس کے پیٹ سے ریح خارج ہوگئی اور بادشاہ کو آرام آگیا۔ بادشاہ نے عرض کی کہ یا حضرت! یہ میرا تخت حاضر ہے آپ قبول فرمائیے۔ اور میں آپ کا ادنیٰ رعایا ہو کر زندگی بسر کروں گا۔ اللہ والے نے کہا: میں اس بادشاہی پر تھوکتا بھی نہیں کہ جس کی قیمت گندی اور بدبودار ہوا ہے بلکہ تو اس سے نصیحت لے کہ جس پر تو نازاں ہے اس کی قیمت کیا ہے!

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: کوئی تم میں ایسا ہے جو چاہے کہ میری بینائی تو صحیح وسالم رہے لیکن دل اندھا ہو جائے۔

ف: یہ اس وقت ہے کہ اسے دنیا کی رغبت ہو اور آرزوؤں کی بھرمار۔ اس طرح اس کا دل اندھا ہو جائے گا۔ یاد رکھو! جو شخص دنیا کو تین طلاق دے کر نفس کی خواہشات کو ملیا میٹ بنا دیتا ہے تو اسے اللہ تعالٰے بغیر پڑھنے کے علم عطا فرمائیگا۔

اور کسی کی رہبری کے بغیر ہدایت دے گا۔ خبردار! ایک زمانہ آنے والا ہے کہ جس میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جیسے اپنی شاہی (صدارت) کی سلامتی لوگوں کے قتل میں سمجھیں گے اور اپنی سیاست اور مال و دولت پر ناز کریں گے اور بخل میں یکتا ہوں گے، اور اگر کسی سے محبت کریں گے تو اس میں اتباعِ نفس کارفرما ہوگی۔ یاد رکھو! تم میں سے جو اس زمانہ کو پائے تو بھوک و افلاس پر صبر کرے۔ اگرچہ تونگری کے اسباب پر قدرت رکھتا ہو اور ان لوگوں کے بغض و عداوت کو ترجیح دے اگرچہ انہیں اپنی محبت میں پھنسا سکتا ہے اور ذلت و رسوائی کو سر پر رکھ لے اگرچہ ان کے ہاں معزز و مکرم بن سکتا ہے۔ یہ سب کچھ صرف اللہ تبارک و تعالےٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرے۔ اللہ تعالےٰ ایسے امور کے عامل کو پچاس صدیقوں کا ثواب بخشے گا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

کاسۂ چشمِ حریصاں پر نشد
تا صدف قانع نہ شد پردُر نشد

ترجمہ: حریص کی آنکھیں کبھی پُر نہیں ہوتیں۔ صدف بھی جب تک قانع نہ ہوئی موتیوں سے پر نہ ہوئی۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى لا اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر ضائع نہ کرو۔ اس لیے کہ جو شخص 'من و اذیٰ' کا ارتکاب کرتا ہے اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ اس پر محتاج و فقیر کے رنج کرنے اور اس کے ایذا دینے کا گناہ لکھا جائے گا۔ من و اذیٰ کا معنے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ابطال الصدقہ کا معنے ہے ثواب ضائع کرنا۔ اس لیے کہ جب صدقہ دیا جا چکا تو نفس صدقے کا ابطال کا کوئی معنے نہیں۔ البتہ اس کے اجر و ثواب کے ضائع ہونے کا معنے ہو سکتا ہے اس لیے کہ منّ و اذیٰ کے ارتکاب سے کوئی ثواب نہیں ملتا۔ لہٰذا یہی معنٰے صحیح ہوا کہ مَن و اذیٰ سے اَجر و ثواب ضائع جاتا ہے۔

كَالَّذِیْ مثل اس شخص کے۔ اس سے مراد منافق ہے اس لیے کہ کافر تو اپنے کفر میں کھلم کھلا ہے اس لیے ریا کے معنے کا احتمال تک بھی نہیں اور یہ کاف محلاً منصوب ہے اس لیئے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنے ان صدقات کو اس منافق کی طرف ضائع نہ کرو جو کہ **یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ** خرچ کرتا ہے ان کے دکھاوے کی نیت پر تاکہ مشہور ہو کر وہ بڑا سخی ہے۔ **وَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ** اور وہ اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ ہی یوم آخرت پر۔ اسے اللہ تعالےٰ کی رضا مطلوب نہیں اور نہ ہی آخرت کا ثواب درکار ہے بلکہ وہ ریا کے طور پر خرچ کرتا ہے۔ رِیا مفاعلہ کا قتالا قاتل قتالا کی طرح مصدر ہے اور مفاعلہ کا معنے یہاں پر اپنی حقیقت پر ہے وہ اس لیے کہ ایسا شخص عمل اس لیے دکھا کر کرتا ہے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کی تعریف کریں۔

فَمَثَلُهٗ پس اس کی حالت عجیبہ۔ **كَمَثَلِ صَفْوَانٍ** اس پتھر جیسی ہے جو بالکل صاف ستھرا ہو۔ صفوان

واحد بھی ہے جمع بھی۔ جس نے اسے جمع سمجھا تو اس کا واحد صفوانۃ مانا ہے اور جو اسے واحد سمجھتا ہے۔ تو اس کی جمع صفی کہتا ہے۔ عَلَيْهِ تُرَابٌ، اس پر تھوڑی سی مٹی ہو۔ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ، تو اسے تیز بارش پہنچے یعنے موسلا دھار بارش کہ جس میں ژالہ باری بھی ہو۔ فَتَرَكَهُ صَلْدًا، پس اسے صاف ستھرا کر دے یہاں تک کہ اس پر گرد و غبار کا نشان تک نہ رہے۔

لَا يَقْدِرُونَ، وہ قدرت نہیں رکھتے۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے کہا کہ پھر ان کا کیا حال ہے جو ریار کے طور پر خرچ کرتے ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا: لایقدرون۔ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا، نہیں قدرت پائیں گے اس پر جو انھوں نے عمل کیا یعنے جو عمل ریار کے طور پر کریں گے اس سے کسی قسم کا نفع نہیں پائیں گے بلکہ ان کو اس کا ہرگز ہرگز ثواب نہیں ملے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فجعلنٰہ ھباءً منثورا"

یہ اس محاورہ سے ہے جو کہا جاتا ہے:

فلان لایقدر علی درھم

یہ محاورہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ اس کے پاس کوئی درہم نہ ہو اور نہ ہی اس کا وہ مالک ہو۔

سوال: لایقدرون کے بعد کالذی ینفق مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ لا یقدرون جمع ہے اور الذی ینفق واحد ہے، کیوں؟

جواب (۱): الذی ینفق سے مقصود خرچ کرنے کی جنس یا اس کے دوسرے ہمجولی مراد ہیں۔

جواب (۲): الذی اور من ہم مطلب ہیں گویا کہا گیا ہے کمن ینفق اسی لیے لایقدرون۔ جمع الذی کے معنے کے اعتبار سے ہے اور ینفق مفرد بوجہ لفظ کے ہے۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے من و اذیٰ کے صدقہ کا بطلاق بیان فرمایا ہے اب ان کے اجر و ثواب کے ابطال کی کیفیت مثال دے کر بیان فرماتا ہے پس اولاً اس کی مثال اس سے دی جو ریار کے طور پر خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت سے کفر کرنے والا ہو اس لیے کہ کافر کے خرچ کا بطلان زیادہ ظاہر ہے۔ اس سے من و اذیٰ کے طور پر خرچ کرتا ہے پھر اسے (صفوان) پتھر سے مثال دی کہ جس پر مٹی اور غبار پڑی ہو اور اس پر بارش پہنچے تو وہ بارش اس پتھر سے مٹی اور غبار دور کر دے پھر وہ پتھر ایسا ہو جائے گویا اس پر گرد و غبار تھی ہی نہیں۔ پس کافر (صفوان) پتھر کی مانند ہے اور مٹی کے ساتھ مثال ہے اس کے خرچ کرنے کی اور بارش کی مثال کفر جیسی ہے کہ کفر کافر کے تمام اعمال مٹا دیتا ہے اور من و اذیٰ کی مثال بھی ایسی ہے کہ وہ بھی ایسے خرچ کرنے والے کے اعمال کو مٹا دیتے ہیں۔ پس جیسے بارش اس پتھر سے مٹی کو اڑا دیتی ہے ایسے ہی من و اذیٰ بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ وہ خرچ کرنے والے کے اجر و ثواب کو ختم کر دے جب کہ اسے خرچ کرنے کا ثواب حاصل ہو

چکا تھا، لیکن من و اذیٰ سے نیست و نابود ہوگیا۔

ف: یہ آیت صریح ہے اس میں کہ من و اذیٰ سے اعمال حبط اور کفر لازم ہوجاتا ہے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اعمال صالحہ سے اجر و ثواب واجب ہے اور کبائر سے وہ اعمال حبط ہوجاتے ہیں۔

مسئلہ: ہمارے اصحاب یعنے اہل سنت فرماتے ہیں کہ اعمال صالحہ پر ثواب عنایت کرنا محض فضل الٰہی ہے۔ وہ اس آیت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ لا تبطلوا کی نہی سے مراد یہ نہیں کہ اجر عنایت کے بعد مَن و اذیٰ سے پھر ثواب بالکل ختم ہوجاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بندوں کو روکا ہے کہ ایسے بُرے اعمال کا ارتکاب کرکے اپنے عمل باطل نہ کرو۔

مزید توضیح: من و اذیٰ بندے کو اس اجر سے دور کردیتا ہے جو اس کے عمل پر مرتب ہونا تھا اور اسے وعدہ دیا گیا کہ تمھیں اس عمل پر یہ ثواب ملے گا۔ اس لیے کہ اجر موعود اس وقت نصیب ہوتا ہے جب کہ محض عبادت و اطاعت کے طور پر اور جو کچھ اللہ کے ہاں اس کے لیے تیار ہے۔ اس کی طلب میں بندہ اس عمل کو کر گزرتا ہے اور عمل کرتے وقت اس کی اس آیت پر نگاہ ہوتی ہے وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا و اعظم اجرا، اور اس ارشاد باری تعالےٰ پر کہ " ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ "جس شخص کو عمل پر صرف یہی بات ابھارے کہ وہ اجر جو اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے اسے نصیب ہوگا جو اس نے مخلصین کے لیے تیار کر رکھا ہے تو وہ اس طریقہ پر چل گیا۔ جو بطور تبادلہ اجر و ثواب عمل کے بدلہ میں ملتے ہیں جو اللہ تعالےٰ نے مخلصین کو وعدہ دیا ہے لیکن جس کا صرف اللہ تعالیٰ سے معاملہ ہو تو وہ کسی لالچ و طمع پر نہیں بلکہ صرف اللہ تعالےٰ کو راضی کرنے کے لیے عبادت کرتا ہے اور نہ ہی وہ خرچ کرتے وقت کسی فقیر کو احسان جتلاتا ہے اور نہ ہی وہ اسے ایذاء دیتا ہے مثلاً اسے یوں بھی نہیں کہے گا: خذ بارک اللہ فیہ، لے تجھے اللہ تعالےٰ اس میں برکت دے۔

مسئلہ جس نے مبادلہ مع اللہ کے طریق سے منہ موڑا اور صرف اس لیے خرچ کیا کہ وہ فقیر پر احسان کرتا ہے اور اسے اللہ تعالےٰ کی رضا بالکل مطلوب نہیں اور ابتداءً ہی اپنے اعمال کی بنیاد بطلان پر رکھی ہے تو وہ اس بدل سے محروم رہا جو اللہ تعالےٰ نے قرض حسن دینے والوں کے لیے وعدہ فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اس کا خرچ علیٰ طریق القرض واقع نہیں ہوا ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور اللہ تعالےٰ کافروں کو خیر و ارشاد کی طرف راہ نہیں دکھاتا۔

نکتہ: اس میں اشارہ ہے کہ ریا اور مَن و اذیٰ کفار کی عادات سے ہے مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان امور سے اجتناب کرے۔

تمثیل: بعض علماء سے مروی ہے کہ انھوں نے ایسے شخص کی مثال محض ریاء اور شہرت کے طور پر عبادت کرتا ہے، اس

شخص سے دی جو بازار میں اپنی جیب پتھریوں سے بھر کر جاتے ۔لوگ اسے دیکھ کر کہیں کہ اس جوان کی جیب مال و دولت سے پُر ہے اسے ان باتوں سے کسی قسم کا نفع نہیں ،سوائے لوگوں کی گفت وشنید کے ۔ اگر وہ کوئی شے بازار سے خریدنا چاہیے تو اسے کچھ حاصل نہ ہوگا ۔ اسلاف رحمہم اللہ تعالےٰ نے صدقہ کو لوگوں کی آنکھوں سے چھپا کر دینے میں بڑا مبالغہ فرمایا ہے یہاں تک کہ بعض کی عادت بن گئی کہ وہ ایسا فقیر تلاش کرتے جو نابینا ہو تا کہ صدقہ لینے والے کو بھی معلوم نہ ہو کہ دینے والا کون ہے ۔ اور بعض نے نیند میں سونے والے فقیر کے کپڑے میں دراہم و دنانیر باندھ دیئے اور بعض نے صدقہ فقیر کے راستہ میں ڈال دیا تا کہ اس کا صدقہ لے لے ۔ ایسے حیلے کر کے ریاء سے بچنے کی کوشش کرتے ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ گفت پیغمبر بیک صاحب ریاءً صل انک لم تصل یا فتیٰ

۲۔ از برائے چارۂ ایں خوفہا آمد اندر ہر نمازی اِھدنا

۳۔ کیں نمازم را میامیز اے خدا!

با نماز ضالین و اہل ریاءً

ترجمہ: ① حضور علیہ السلام نے ایک صاحب ریاء سے فرمایا! اے جوان! تو نے نماز نہیں پڑھی فلہٰذا اسے دوبارہ پڑھ۔

② ایسے خوف وخطر کی وجہ سے نمازیں (اھدنا) کا عرض کیا جاتا ہے۔

③ اے اللہ! ہماری نمازوں کو اہل ریاء اور گمراہوں کی نمازوں کے ساتھ نہ ملا۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"زیادہ خوف مجھے تم پر ہے اے میرے امتیو! وہ شرک اصغر ہے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) شرک اصغر کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا: شرک اصغر ریاء ہے ۔ اس دن کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کی جزاء دے گا ۔ تو اللہ تعالےٰ نے ریاء کار لوگوں سے فرمائے گا تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو تم دکھا دکھا کر اعمال کرتے تھے ۔ اب تم بتاؤ کیا تم ان لوگوں کے پاس کچھ پاسکو گے"۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی طرف نزول اجلال فرمائے گا تا کہ ان کے مابین فیصلہ فرمائیے ۔ وہ وقت بہت سخت ہوگا کہ ہر امت گھٹنوں کے بل پڑی ہوگی ۔ سب سے پہلے وہ بلایا جائے گا جس نے قرآن جمع کیا ہوگا (یعنی قرآن مجید بہت پڑھا ہوگا) ، اور پھر وہ جو اللہ تعالےٰ کے راستے پر شہید کیا گیا ہوگا اور پھر اسے جو کثیر المال تھا اور اس نے اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کیا ہوگا ۔ اللہ تعالےٰ قاری کو فرمائے گا کہ کیا میں نے تجھے وہ کلام نہیں سکھایا تھا جو میں نے اپنے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا! تو نے اس پر کیا عمل کیا ۔ عرض کرے گا: اے الٰہ العالمین!

میں نے تیرے قرآن کو رات کی تاریکیوں میں پڑھا۔ اور فرشتے کہیں گے کہ اے قاری! تو جھوٹ بول رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرا اس سے صرف یہی ارادہ تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں، سو وہ تجھے کہا گیا۔ اس کے بعد مال دار کو لایا جائے گا اسے بھی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تجھے مال میں وسعت دی اور میں نے تجھے ایسا کثیر المال بنایا کہ تجھے مالی لحاظ سے کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مالدار کہے گا کہ بیشک ایسے ہی یا رب العٰلمین۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بتا تو نے میرے لیے کونسا عمل کیا۔ مالدار عرض کرے گا: میں اسی مال کے ذریعے صلہ رحمی کرتا اور تیرے راہ پر مال خرچ کرتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے اس ارادہ پر عمل کیا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا سخی ہے، سو تجھے ویسا ہی کہا گیا۔

اس کے بعد شہید فی سبیل اللہ کو لایا جائے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بتا! تو کس راہ پر قتل کیا گیا۔ عرض کرے گا: اے رب کریم! تو نے ہمیں جہاد کا حکم فرمایا تھا، سو میں نے تیری فرمانبرداری کرتے ہوئے جہاد کیا اور اس میں مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹ بولتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تیرا اس سے یہ ارادہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں بہت بہادر ہے، سو تیرے لیے ایسے ہی کیا گیا۔ پھر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا یہی تینوں وہی ہیں جن کے لیے قیامت میں سب سے پہلے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی۔"

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱۔ طریقت ہمینست کامل یقین نکوکار بودند و تقصیر بین

۲۔ بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت گرش با خدا در توانی فروخت

۳۔ ہماں بہ گر آبستن جوہری کہ ہمچو صدف سر بخود در بری

۴۔ ور آوازہ خواہی در اقلیم فاش برون حلہ کن گو درون حشو باش

۵۔ اگر مشک خالص نداری مگو وگر ہست خود فاش گردد ببوی

۶۔ چہ زنار مغ درمیانت چہ دلق
کہ درپوشی از بہر پندار خلق

ترجمہ: (۱) طریقت یہی ہے کہ یقین کامل ہو اور نیک عملی اور اپنی کوتاہ بینی نصیب ہو۔

(۲) ریا کے طور پر گدڑی پہننا آسان ہے تمہیں چاہیے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچ ڈال۔

(۳) اگر تم جوہر جننا چاہتے ہو تو تمہیں چاہیے کہ صدف کی طرح سر کو نیچے رکھ۔

(۴) اگر تم چاہتے ہو کہ ملک میں اچھی شہرت ہو اچھے لباس چھوڑ کر سادگی اختیار کرو۔

(۵) اگر مشک خالص نہیں ہے تو خواہ مخواہ یہ نہ کہہ کہ میرے پاس خوشبو ہے کیونکہ خود بخود مہکتی ہے۔

(۶) کمر میں زنار ہو یا گدڑی کوئی فرق نہیں اگر اسے تم ریا کے طور پر پہنتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ معاملات میں جب اغراض دنیوی کی ملاوٹ ہو جائے تو اس میں اغراض من اللہ کی بات بن جاتی ہے اور جو شخص اللہ تعالے سے اعراض کرتا ہے تو وہ باطل پر جری ہو جاتا ہے اور جو باطل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس نے اپنے حقوق باطل کر دیئے پھر باطل کے بعد حق کہاں؟ اور ہمیں روکا گیا کہ ہم طلب حق سے اعراض کر کے اپنے نیک اعمال ضائع نہ کریں۔ اسی طرح باطل سے بھی پورے طور پر منہ موڑیں۔ اللہ تعالے نے فرمایا: لا تبطلوا صدقٰتکم۔ اور یہی وہ ہے کہ فقیر کو منت کے اظہار سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں گویا اس منت لگانے سے ہم نے طلب حق سے منہ موڑا۔ اس لیے کہ اگر صدقہ دینے سے اللہ تعالے کو راضی کرنا مطلوب تھا تو پھر فقیر پر کوئی منت نہ لگائی جاتی بلکہ الٹا تم فقیر کے مرہون منت ہوتے کہ وہی تمہارا صدقہ دینے کا سبب ہوا جس سے تم اللہ کے ہاں پہنچنے کے لائق ہو گئے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر فقراء نہ ہوتے تو دولت مند ہلاک ہو جاتے۔ اس کا معنٰے یہ ہے کہ فقراء حق تک پہنچانے کے وسیلہ ہیں۔

بعض حضرات نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "العبد العلیا خیر من الید السفلی" کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

ید علیا دراصل فقراء کا ہاتھ اور ید السفلیٰ دولت مندوں کا ہاتھ ہے۔ اس لیے کہ دولت مند دیتا ہے اور فقیر لیتا ہے۔ اذیٰ بمعنے باطل کی طرف متوجہ ہونا اس لیے کہ ہر وہ شئے جو غیر حق ہے وہی باطل ہے۔ بہرحال جو شخص عمل تو خالص اللہ ہی کے لیے کرے لیکن پھر اس میں دنیا و آخرت کی کوئی بات ملا دے تو وہ اس کا عمل باطل ہو جائے گا۔ وہ اس لائق نہیں رہتا کہ وہ اسے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کہا جائے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ عاشقاں را شادمانی و غم اوست — دست مزدور اجرت خدمت ہم اوست

۲۔ غیر معشوق ار تماشائی بود — عشق نبود ہرزہ سرائی بود

۳۔ عشق آں شعلہ است کہ چوں بر وخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ترجمہ: ۱۔ عشاق کو خوشی اور غم اسی کا ہے اجر اور مزدوری اسی کی خدمت ہے۔

۲۔ معشوق کے سوا اگر کوئی اور تماشا کا خواہاں ہے تو وہ عشق نہیں بلکہ مذاق ہے۔

۳۔ عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا سب کچھ جلا دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عشق الٰہی و حب رحمانی جب کسی بندۂ خدا پر غلبہ پاتی ہے تو پھر اس میں سے مال و اولاد اور دوستوں

کی محبت کی شرکت بالکل منقطع ہو جاتی ہے۔ ویسے اجرت لے کر خدمت کرنا جواں مردوں کا کام نہیں۔ اس لیے کہ جسے یقین ہے کہ میرا آقا بڑا کریم ہے تو پھر اس کے دل سے اجرت کا تصور بھی مٹ جاتا ہے۔ پھر اعلیٰ درجہ کا انعام اس کے مالک سے اسے نصیب ہوتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن

کہ دوست خود روش بندہ پروری داند

ترجمہ: گداؤں کی طرح اجرو مزدوری سے مشروط عبادت نہ کیجئے اس لیے کہ مالک پرورش کا طریقہ خوب جانتا ہے۔

اے اللہ! ہماری امیدیں غیروں سے منقطع کر دے اور ہمیں ان لوگوں سے بنا تو تجھ سے صرف تجھی کو مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا اور وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کے راہ میں صرف اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر اپنے نفسوں کو ثابت رکھنے کے لیے یعنی نفسوں کو ایمان و طاعت پر ثابت رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ ان کے قلوب سے بخل کی رذالت اور مال کی محبت اور اسے بلاوجہ بند رکھنے اور خرچ نہ کرنے کا خیال دور ہو جائے۔

نسخہ روحانی: نفس اگرچہ حب مال اور طاعات بدنیہ سے کترانے کا خوگر ہے لیکن جب اسے کسی بات کا عادی بنایا جائے تو اسی عادت کی طرف جھک جاتا ہے۔

قصیدہ بردہ شریف کے مصنف رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؎

والنفس کالطفل ان تهمله شب على

حب الرضاع و ان تفطمه ينفطم

ترجمہ: نفس چھوٹے بچے کی طرح ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے تو جوانی تک رضاع کی محبت میں پھنسا رہے گا۔ اور اگر اس کا دودھ وقت پر چھڑوا دو تو وہ دودھ چھوڑ دے گا۔

شرح شعر مذکور فَمَتٰى اَهْمَلْتَهَا فَقَدْ تَمَرَّنَتْ وَ اعْتَادَتِ الْكَسَلَ وَالبِطَالَةَ وَالْبُخْلَ یعنے جب نفس کو اس کی عادات پر چھوڑ دو تو وہ انہی عادات میں پھنس جائے گا۔ اور سستی و بطالت اور وجود طاعات میں مال خرچ نہ کرنے کی طرف جھک جائے گا۔ اور مقتضیات ایمان سے منہ موڑ لے گا اور اگر اسے عباداتِ بدنیہ اور مالیہ کی بڑی بڑی تکلیفوں کا عادی بنا دو تو وہ تمہارے حکم کا پابند رہے گا۔

فٓ: آیت میں من تبعیضیہ ہے جیسے اہل عرب کے اس مقولے میں ہے:

"هز من عطفه وحرك من نشاطه"

سوال : مال نفس کے بعض سے کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے خرچ کرنے سے بعض نفس طاعات سمجھے گئے اور ثمرۂ ایمانیہ پر ثابت قدمی کا موجب بنے ؟

جواب : مال کو نفس سے اتنا شدید تعلق ہے کہ گویا وہ اس کا جز ہے۔ یوں سمجھئے کہ مال روح کا اخ یعنی ہے۔ پس جو شخص مال کو صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے پر خرچ کرتا ہے تو اس کے نفس کا بعض ثابت ہوا اور جو اپنے مال اور روح کو خرچ کرتا ہے تو اس کا تمام نفس ثابت ہوا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ دادن نان مرسخی را لائق است — دادن جان خود سخائے عاشق است

۲۔ جان دہی چوں بہر حق جانب دہند — ناں دہی چوں بہر حق نانت دہند

۳۔ آں فتوت بخش ہر بے علت است — پاکبازی خارج از ہر ملت است

۴۔ در شریعت مال ہر کس مال اوست
در طریقت ملک ما مملوک دوست

ترجمہ : ۱۔ روٹی دینا سخی کے لائق ہے جان دینا عاشق کی سخاوت ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر اگر جان دوگے تو جان ملے گی اگر روٹی دوگے تو روٹی۔

۳۔ ہر بے علت کو لطف بخشتا ہے پاکبازی ہر بیماری سے خارج ہے۔

۴۔ شریعت میں ہر شخص مال اس کی ملکیت ہے طریقت میں ہم سب اپنے محبوب کی مملوک ہیں۔

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ :

ف : یہ بھی جائز ہے کہ تثبیت بمعنی جعل الشیٔ صادقا محققا ثابتا یعنی کسی شے کو صادق محقق اور ثابت بنانا۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ ساتھ اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ اسلام کی تصدیق کریں، اور وہ اپنے اصل نفوس سے نکالنے والے ہیں تاکہ جزا کے مستحق ہو جائیں۔

مسئلہ : خرچ کرنا اسلام کی نشانی ہے لیکن وہ خرچ اصل نفوس اور صمیم قلب سے ہو۔

یہ من ابتدائیہ کے لیے ہے۔ ہاں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ تحقیق الجزاء بمعنے الایقان ہے۔ بایں طور کہ یہ اس عمل صالح سے ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ بہتر جزاء عطا فرمائے گا۔

كَمَثَلِ جَنَّةٍ مثل باغ کے جو واقع ہو۔ بِرَبْوَةٍ ۔ اونچے مقام پر جو سردی کے نقصان سے محفوظ ہو، اس کی لطافت کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے نقصان نہ پہنچائیں، ایسے باغ کا منظر اچھا ہوتا ہے اور اس کے پھل بہترین ہوتے ہیں۔ وہ زمین جو نیچے واقع ہو وہ سردی کے نقصان سے نہیں بچ سکتی اس لیے کہ ٹھنڈی ہوا کے سخت

جھونکے تباہ کر ڈالتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو باغ اونچے مقام پر واقع ہو اسے نہری پانی فائدہ نہیں پہنچا سکتا بلکہ اسے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نقصان پہنچاتے ہیں اس لیے اس کے پھل اچھے نہیں ہوتے بخلاف اس مقام کے کہ وہ درمیانی جگہ پر واقع ہو کہ وہ نہ اتنا اونچا ہو اور نہ نیچا۔ پس یہاں پر ربوۃ سے مراد وہ زمین ہے جو نرم اور اچھی ہو کہ اس پر بارش پہنچے تو بارش کا اثر قبول کر کے پھلے پھولے اور سرسبز ہو جائے۔ اس لیے جو زمین ایسی ہو تو وہ بہت پھولتی پھلتی ہے اور اس کے میوے اچھے ہوتے ہیں۔ اس تاویل کی تصدیق یہ آیت ہے:

"وترى الارض هامدة فاذا انزلنا عليها الماء اهتزت وربت"

اس لیے 'ربوہ' سے وہی مراد ہے جو ہم نے بیان کی۔

اَصَابَهَا، اسے بہت بڑے قطروں والی بارش پہنچے کہ اس کا اوپر سے نیچے گرنا سخت ہو۔ **وَابِلٌ فَاٰتَتْ**، تو عطا کرے اپنے مالک اور اس کے اہل کو **اُكُلَهَا** اس کے ثمرات اور اناج۔ اسے بضمتین (دو پیش) کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس شے کو کہا جاتا ہے جو کھائی جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ اتت بمعنے اخرجت ہو اس وقت مفعول واحد کی طرف متعدی اور اکلھا کا مفعول ہے۔ **ضِعْفَيْنِ** دوہرے یعنے باقی اوقات کے بہ نسبت دوسروں کے دوہرے ثمرات و اناج دے اور بسبب اس کے کہ اس پر زوردار بارش پہنچی ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا ثمر جو دو سالوں میں حاصل ہوتا تھا اب وہ چار سالوں کا اناج اور ثمرات دے۔ اور ضعف سے مراد یہاں پر مثل ہے جیسے آیت "من كل زوجين اثنين" زوج سے واحد مراد ہے۔ اور جس نے اس سے اس کی چار مثلیں مراد لی ہیں تو اس نے ضعف کو اصلی معنے پر محمول کیا ہے یعنے شے کی دو مثلیں۔ اب آیت میں چار مثلیں مراد ہوں گی۔

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ پس اگر اسے زوردار بارش نہ پہنچے تو اسے معمولی بارش کافی ہے۔ طل اس بارش کو کہتے ہیں جس کے قطرات چھوٹے اور معمولی ہوں یعنے بوندا باندی بھی اسے کافی ہے کیونکہ وہ زمین اچھی ہے اور اس میں بیج اچھا اثر کرتا ہے اور اس کی ہوا خوشگوار ہے لیکن یاد رہے کہ یہی بوندا باندی دیر تک برستی رہے تو وہ بھی تیز بارش کا اثر رکھتی ہے۔

سوال: نکرہ مبتدا واقع نہیں ہو سکتا اور یہاں نکرہ مبتدا واقع ہوا ہے؟

جواب: یہاں پر مبتدا شرط کے جواب میں واقع ہوا ہے۔ اس لیے اس کا نکرہ ہونا جائز ہے اور مبتدا کے لیے ایسے وقت نکرہ ہونا جائز ہوتا ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

ان ذهب العير فعير في الرباء۔

یہاں پر فعیر مبتدا نکرہ ہے لیکن چونکہ شرط کے جواب میں واقع ہوا ہے اس لیے جائز ہے۔

اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ ایسے لوگ جو اللہ تعالے کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جنھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے اور اس خرچ میں اپنے ایمان کی ثابت قدمی سمجھتے ہیں اور وہ نفقات متفاوت ہیں بوجہ اس کے جو اسباب متفاوت ہیں اپنے ان احوال کے جو انھیں متعلق ہوئے ہیں۔ ابتغاء و تثبیت کے سبب سے جو کہ وہ ابتغاً و تثبیت صدق و اخلاص کے چشموں سے پیدا ہوتے ان کے ان نفقات کو تشبیہہ دی گئی ہے۔ ایسے باغ سے جو کہ پاکیزہ اور بہترین پھل پھول دینے والا ہے جب کہ اس کا محل وقوع بہتر اور اسے تیز بارش یا بوندا باندی پہنچتی ہو اور اس تروتازگی کا جامع اور نشوونما کے لحاظ سے بہتر و اعلیٰ ہو ممکن ہے کہ یہ تشبیہہ المفرق کے قبیل سے ہو کہ ان کے قرب الٰہی اور اللہ تعالے کے ہاں ان کے بڑے درجات کو ثمرۂ جنت سے تشبیہہ دی گئی ہے اور وجہ تشبیہہ زیادتی ہے اور ان کے نفقات کثیر قلیل کو تیز اور معمولی بارش سے تشبیہہ دی گئی ہے کہ ہر دونوں زیادتی کے سبب ہیں۔ اس لیے کہ ان کے نفقات ان کے حسن مال میں اضافہ کرتے ہیں کثیر ہوں گے تو مراتب عُلیا نصیب ہوں گے۔ اگر قلیل ہوں گے تو مراتب میں کمی واقع ہوگی، جیسے دونوں قسم کی بارش باغ کے ثمرات میں اضافہ کرتی ہے۔ کثیر بارش ہوگی تو پھل کثیر حاصل ہوں گے اگر تھوڑی ہوگی تو پھلوں میں کمی واقع ہوگی۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اور اللہ تعالے تمھارے اعمال دیکھتا ہے یعنے اسے معلوم ہے کہ تمھارے اعمال میں اخلاص ہے یا ریاً۔ اس پر کوئی شے مخفی نہیں۔ اس میں اخلاص کی ترغیب ہے اور ریاء وغیرہ سے ڈرانا مقصود ہے۔

مومن کو چاہیئے کہ وہ مخلص ہو کر اللہ تعالے کی عبادت کرے اور ہمیشہ طاغوت خفی یعنے شرک خفی سے نجات پانے کی امید میں رہے۔ اس لیے کہ نجات کا دار و مدار اخلاص پر ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؂

ہمینت پندت اگر بشنوی
کہ گر خار کاری سمن ندروی

ترجمہ: یہ نصیحت تمھیں کافی ہے اگر تم نے اس پر عمل کیا تو فائدہ پاؤ گے وہ یہ کہ جو کچھ بوؤ گے وہی اٹھاؤ گے (یعنے جو شخص کانٹے بوتا ہے اس کے باغ میں پھل اور پھول نہیں آتے۔ اور نہ ہی اس کا درخت ثمر لائے گا۔ اور جس پیالہ سے پانی پینا چاہو وہی نصیب ہوگا۔)

اللہ رب العزت ہم اور تم سب کو ضیاع عمل اور اس کے خسارے اور اعتقاد کے خلل اور اس کے فساد سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

علامت عمل خالص: خالص عمل کی نشانی یہ ہے کہ تم جس عمل کو کرو اس سے تمھیں یہ خیال نہ گزرے کہ اس پر میری

تعریف ہو جس عمل میں خلوص ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے تانبے میں اکسیر ملایا جائے کہ وہ تانبا بھی سونا بن جاتا ہے۔ ایسے ہی عمل خالص جیسے جسم بے جان میں روح پھونکی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو عمل خلوص سے کیا جائے اس کا اجر دوہرا ہوتا ہے۔

حدیث شریف

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب صدقہ دینے والے کے ہاتھ سے صدقہ نکلتا ہے تو قبل اس کے کہ وہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچے، وہ صدقہ یہ پانچ کلمات کہتا ہے :

(۱) میں تھوڑا تھا تو نے مجھے کثیر بنا دیا۔
(۲) میں چھوٹا تھا تو نے مجھے بڑا بنا دیا۔
(۳) میں تیرا دشمن تھا تو نے مجھے اپنا محبوب بنا لیا۔
(۴) میں فانی تھا تو نے مجھے بقار کی دولت بخشی۔
(۵) پہلے تو میری نگرانی کرتا تھا اب میں تیری نگرانی کروں گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ

حضرت مکحول شامی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ جب مومن بندہ صدقہ و خیرات دیتا ہے (اور اللہ تعالےٰ اس کے اس صدقہ و خیرات سے خوش ہو جاتا ہے) تو دوزخ پکار کر کہتی ہے کہ اے مولیٰ کریم! مجھے سجدۂ شکرانہ کی اجازت دے کہ میں نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کو اپنے عذاب سے آزاد کیا، اس لیے کہ مجھے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حیا آتی ہے کہ میں ان کے کسی امتی کو عذاب دوں اور تیرا حکم بھی ماننا پڑتا ہے۔

ف: لفظ صدقہ کے چار حروف ہیں۔ جس کا ہر حرف کسی معنے پر دلالت کرتا ہے مثلاً :

(۱) صاد - صد پر دلالت کرتی ہے (بمعنے روکنا)۔ اس لیے صدقہ دینے والے کو صدقہ دنیوی و اخروی تکالیف سے بچاتا ہے۔

(۲) دال - دلیل پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ صدقہ صدقہ دینے والے کو بہشت کی طرف دلالت کرتا ہے۔

(۳) قاف - قرب، کی نشانی ہے کہ اس سے بندے کو اللہ تعالےٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

(۴) ہا - ہدایت کی ہے یعنے صدقہ کی وجہ سے ہدایت حق حاصل ہوتی ہے۔

بعض شعرا نے لکھا ہے :

۱۔ زاں پیش کہ دست ساقئ دہر — در جام مرارت افگند زہر

۲۔ از سر بنہ ایں کلاہ و دستار — جہدے بکن و دلے بدست آر

لیکن سر ہمہ سال با کلہ نیست

ویں روی ہمیشہ ہمچو مہ نیست

ترجمہ: (۱) قبل اس کے کہ ساقی دہر تیرے پیالے میں زہر ملائے۔

(۲) اپنے سر سے کلاہ و دستار اتار کر کسی دل خوش کرنے کی کوشش کر۔ نہ ہمیشہ کلاہ و پگڑی سر پر رہے گی نہ ہی یہ حسن و جمال دائمی ہے۔

پس جسے مال حاصل ہو اسے چاہیئے کہ اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کرے اور اپنی اس دولت مندی اور اس کی مدد پہ شکر کرے اور کسی حاجتمند کو رد نہ کرے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جو شخص کسی حاجت مند کی حاجت پوری نہیں کرتا اللہ تعالٰے اس کی حاجت پوری نہیں کرے گا"۔

حکایت ایک عالم دین کا واقعہ ہے کہ جب اس نے یہی حدیث پڑھی تو خوب رویا اور اس حدیث کے سمجھنے کے لیے متحیر ہوا اور ارادہ کیا کہ فلاں بزرگ کے پاس جاؤں اور ان سے اس کا حل پوچھوں۔ جب ان کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کتے کو کھلا رہے تھے۔ ان کے قریب جا کر "السلام علیکم" عرض کی، انھوں نے سلام کا جواب دیا لیکن پہلے کی طرح اعزاز و اکرام سے پیش نہ آئے۔ جب کتے کی خدمت سے فارغ ہوتے تو اٹھ کر معذرت کی اور فرمایا کہ آپ ناراض نہ ہوں میں آپ کے اعزاز میں اٹھ کر سلام کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی پہلے کی طرح اعزاز تکریم سے پیش آیا۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی "من قطع رجا.... الخ کہ جو کسی کی حاجت پوری نہیں کرتا اللہ تعالٰے اس کی حاجت پوری نہیں کرتا"، پر عمل کرتے ہوئے (چونکہ یہ کتا مجھ سے روٹی کی طلب میں تھا)۔ اگر میں تمھارے اعزاز میں کھڑا ہوتا تو یہ نا امید ہو جاتا۔ جب اس عالم دین نے اس مرد صالح کی بات سنی تو اس کی حیرانی دفع ہو گئی اور حدیث شریف کا مطلب حل ہو گیا۔ اسی لیے سوال کیے بغیر واپس لوٹے اور اس مرد صالح کی کرامت اس کے دل میں گھر کر گئی۔

تفسیر صوفیانہ طلب حق اور اس کی رضا کے حصول میں اخلاص کے ثمرات دوہرے ہوتے ہیں۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ جو مال بھی خرچ کرتا ہے اور خیرات و طاعات بھی کرتا ہے لیکن اخروی ثواب اور رفع الدرجات فی الجنان کی نیت پر اسے صرف جنت کی نعمتیں نصیب ہوں گی اور وہ جو مخلص فی طلب الحق ہے اسے قربت اور دولتِ وصال سے وافر حصہ نصیب ہوگا۔ اور وہ مشاہدہ نصیب ہوگا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے سنا

ہوگا اور نہ ہی کسی قلب انسانی پر کھٹکا ہوگا اور بہ نسبت طالب جنت اسے جنت کی نعمتوں سے بھی وافر نصیب ہوگا۔ (اے اللہ! ہمیں اپنی طرف راہ دکھا)۔

تفسیر عالمانہ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ۔ اس آیت میں اَاضوب ابی کی طرح ہمزہ انکار الوقوع کے لیے ہے۔ اتضوب ایاك کی طرح انکار الواقع کے لیے نہیں یعنی تمھارے کسی ایک کے لائق نہیں کہ وہ دوست رکھتے۔ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ یہ کہ ہو اس باغ میں۔ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ کھجور اور انگور۔ الجنۃ ان درختوں کو کہتے ہیں جو کثیر اور گھنے ہوں۔ یہی معنٰے زیادہ مناسب ہے۔ اس قول باری تعالٰے "تجری من تحتھا الانھار" (ان کے نیچے نہریں جاری ہوں) سے اور اگر الجنۃ اس زمین کو کہا جائے کہ جس پر کثیر اور گھنے درخت ہوں تو وہاں تحت اشجارھا ہوگا یعنے مضاف مقدر ماننا پڑتا ہے۔ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ" اس کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں۔

ترکیب: لہ خبر اور فیھا حال ہے اور من کل الثمرات آیت وما منا الا لہ مقام معلوم کی طرح مبتدا کی صفت کے قائم مقام ہے۔

اصل عبارت یوں تھی :

وما منا احد الا لہ ..... الخ

اور الثمرات میں بھی عموم نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے جیسے اللہ تعالٰے کے اس ارشاد میں عموم نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے: واوتیت من کل شیءٍ۔

سوال: الجنۃ (باغات) میں ہر قسم کے درخت ہوتے ہیں۔ یہاں پر صرف کھجور اور انگور کی تخصیص کیوں؟

جواب: چونکہ یہ دونوں باغات کے تمام درختوں سے مکرم سمجھے جاتے ہیں اور نفع بھی انہی میں زیادہ ہوتا ہے۔ بنا بریں ان کی تخصیص فرمائی۔ اگرچہ باغ میں ہر قسم کے درخت ہوتے ہیں لیکن ان کے ذکر کے بعد من کل الثمرات فرمایا تاکہ خصوص کے بعد عموم ہو۔

وَ، یہ واؤ حالیہ ہے۔ اَصَابَهُ الْكِبَرُ، اور اس مرد کا حال یہ ہو کہ اسے بڑھاپا گھیر لے۔ بڑھاپے کی تخصیص اس لیے کہ اس زمانہ میں ضروریات کثیرہ گھیر لیتی ہیں اور ادھر وہ اسباب معاش کے حصول سے عاجز ہوجاتا ہے۔ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ اور اس کی اولاد بھی چھوٹی کہ وہ معاش اور اس کے اسباب سے بھی عاجز ہوں فَاَصَابَهَآ پھر اس وقت اس کے باغ کو اِعْصَارٌ سخت آندھی اچک لے یعنے ایسی آندھی کہ زمین سے جڑیں اکھاڑ ڈالے اور اس کی مٹی کو آسمان تک اڑا لے جائے اسے محسوس ہو کر زمین کے بڑے ستون آسمان پر لٹکا دیئے گئے ہیں۔ فِيْهِ نَارٌ، اس آندھی میں سخت آگ ہو۔ فَاحْتَرَقَتْ ؕ پس وہ باغ کو جلا کر راکھ کر دے

جس سے نہ صرف باغ کے تمام میوہ جات اور درخت مٹ جائیں بلکہ وہ تمام تباہ و برباد ہو جائے جس سے وہ مرد حیران و پریشان ہو۔ اس کے پاس کوئی سبیل نہ ہو کہ اس سے باغ کو پہلی حالت میں لا سکے اور نہ ہی اس کے پاس وہ طاقت ہو کہ جس سے اس باغ کو از سرِ نو تیار کر سکے اور نہ ہی اس کے بچوں میں اہلیت ہو کہ وہ اس کی مدد کر سکیں کہ جس سے وہ باغ بوئے۔

عالمانہ تمثیل یہ تمثیل ہر اس شخص کے لیے دی گئی ہے جو کہ بہترین نیک عمل کرتا ہے لیکن اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے کہ اس کے تمام نیک عمل برباد جاتے ہیں جیسے ریا اور صدقہ دے کر ایذا پہنچانا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی اسے قیامت میں حسرت و ندامت ہو گی۔ جب کہ اسے اس وقت نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت ہو گی نیکیاں برباد ہو چکی ہوں گی۔

صوفیانہ تمثیل یہ کیفیت ہر اس سالک کی ہے جو اسرار و رموز کے ذریعے عالم ملکوت کی سیر کو پہنچا۔ پھر وہ فکر سے ترقی کرتا ہوا جنات الجبروت تک پہنچ گیا لیکن شومئ قسمت سے الٹے پاؤں پھرتا ہوا جھوٹے عالم میں لوٹا اور ماسوائے اللہ کی طرف ملتفت ہوا تو اس کی تمام کوششیں ہباً منثوراً (رائیگاں) گئی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زاہد ایمن از بازی غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیرِ مغاں ایں ہمہ نیست

ترجمہ: اے سالک! غیرت زمانہ سے غافل نہ ہو صومعہ اور پیر مغان کا آستانہ اس کے نزدیک برابر ہے۔

کَذٰلِكَ ، اسی طرح یعنے اس بیان کی مانند جو کہ بیان کیا گیا ہے جہاد کے بارہ میں اور انفاق فی سبیل اللہ کا مسئلہ اور حضرت عزیر علی نبینا و علیہ السلام کا قصہ وغیرہ وغیرہ۔ **يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ** ، اے لوگو! اللہ تعالےٰ تمہارے لیے بیان کرتا ہے آیات یعنے تحقیق التوحید و تصدیق الدین کے متعلق واضح دلائل بیان فرماتا ہے۔ **لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝** تاکہ تم ان میں فکر کرو اور ان کے اندر جو نصیحتیں ہیں ان سے عبرت کر کے ان پر عمل کرو۔

مومن و منافق کے درمیان موازنہ

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ان آیات کو مومن مخلص اور منافق کے درمیان فرق بتانے کے لیے تمثیلاً بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالےٰ نے حق و باطل کے راستہ پر خرچ کرنے والوں کی مثال دیتا ہے۔

مؤمن	منافق
مومن کو بہتر بدل اور بزرگی نصیب ہو گی۔	منافق کو تباہی و بربادی نصیب ہو گی

منافق کی کوشش رائیگاں جائے گی۔	مومن کی سعی رنگ لائے گی۔
منافق کے اعمال اکارت اور ضائع ہوئے اور اس کے اموال گھاٹے اور خسارے میں پڑے اور اس کا خاتمہ برباد ہوا اور ان پر وبالِ آخرت بڑھا اور سخت ہوا۔	مومن نے اپنے اعمال کو جلا اور رونق بخشی۔

مومن کا حال : مومن کا حال ایسا ہے جیسے ایک کھیتی اُگے پھر اس کی جڑ بھی مضبوط اور پھل بھی اور شاخیں بھی خوشنما۔ اور منافع بھی بے شمار۔

منافق کا حال : منافق کا حال ایسا ہے جیسے کسی کی تجارت گھاٹے میں اور سامان چوری ہو جائے اور بڑھاپا گھیرا کرے۔ جس سے حال تباہ ہو پھر ہر طرف سے دکھ اور رنج کے سامان بہم پہنچیں۔

بتائیے! کیا یہ دونوں برابر یا کسی بات میں ایک دوسرے سے مشابہ ہو سکتے ہیں۔

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعمال میں خلوص پیدا کرے اس لیے کہ ثمرات کا دارومدار جڑ پہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف : جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم یمن کی طرف بھیجنے لگے تو انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:

أخلص دينكَ يكفكَ العمل القليل۔ اپنے دین میں خلوص پیدا کر پھر تجھے تھوڑا عمل بھی کفایت کرے گا۔

ریار کا علاج : ریار کا علاج دو طرح سے ہے:

(۱) ریار کو جڑوں سے اکھیڑ کر پھینکا جائے کہ اس کا نام و نشان تک نہ رہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے اسباب کو مٹا دیا جائے اور اس کی ضد یعنی خلوص پیدا کیا جائے اور ریار کا اصلی سبب حُبِ دنیا اور لذتِ عاجلہ اور دنیوی اسباب کو آخرت پر ترجیح دینا ہے۔

(۲) جونہی دل میں ریار کھٹکے فوراً دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح جب عبادت کے درمیان میں ریا کا خیال آئے تو فوراً اس کا خیال دل سے ہٹا دیا جائے۔

سبق اے سالک! عبادت شروع کرنے سے پہلے اپنے قلب کی خوب تفتیش کرلے جتنا ہی دل پہ ریا کے تاثرات اثر انداز ہوں، دل سے باہر نکال کر پھینکئے پھر اخلاص کا دامن مضبوط پکڑ لیجئے اور اسی پہ دوام کیجئے یہاں تک کہ عبادت سے فراغت ہو جائے۔ لیکن یاد رہے کہ شیطان تیرا پیچھا نہیں چھوڑے گا بلکہ وہ ہر قدم پہ ریار کاری کا جال بچھائے گا۔

ریار کے جال : ریار کے جال بچھانے کے بھی تین طریقے ہیں :

(۱) عبادت کے وقت خیال ڈالے گا کہ کاش ! اس عبادت کے دوران خلق خدا مطلع ہو جائے یا کم از کم اس کا خیال دل میں رہے کہ امید ہے کہ خلق خدا کو معلوم ہو جائے گا۔

(۲) خلق خدا عبادت پر مطلع ہو کر مدح وثنائ کرے گی۔ اس سے ان کی نگاہ میں میرا مرتبہ بڑھ جائے گا۔

(۳) انھیں خیالات کو نفس سے منوائے گا اور کوشش کرے گا کہ کہیں تیرا دل اس طرف متوجہ ہو جائے بلکہ اس پر تیرا دل مضبوط اور پختہ ہو جائے۔

اے سالک ! تم ان ہر تینوں کے دفعیہ کے درپئے رہنا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱۔ قیامت کسے بینی اندر بہشت
کہ معنے طلب کرد و دعوی بہشت

۲۔ گنہگار اندیشناک از خدا
بسے بہتر از عابد خود نما

ترجمہ : (۱) قیامت میں اسے بہشت نصیب ہوگی جس نے بہشت کی بجائے حقیقت طلب کی۔

(۲) گنہگار جو ہر وقت اللہ تعالےٰ سے ڈرتا رہتا ہے اس عابد سے بہتر ہے جو ریار کار اور خود نما ہے۔

مسئلہ تاتارخانیہ میں ہے کہ جو کوئی نماز خالص اللہ تعالےٰ کے لیے ادا کر رہا ہے لیکن دل میں ریار گھس گیا تو اس کی عبادت رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ جس طرح خلوص سے شروع کی تھی۔ اسے اسی افتتاح پر ثواب ملے گا۔

مسئلہ ریار یہ ہے کہ جب لوگوں سے علیحدہ ہو تو وہ اس طرح سے عبادت نہیں کرتا۔ جس طرح لوگوں کے سامنے کرتا ہے اور اگر لوگوں کے سامنے ہو تو پھر نماز (عبادت وغیرہ) پڑھے یا ان کے ہوتے ہوئے بہتر سے بہتر نماز (عبادت وغیرہ) پڑھتا ہے تو اتنی بہتر نہیں پڑھتا۔

مسئلہ : اسے اصل نماز کا ثواب ملے گا۔ لیکن اس پر جو مراتب مرتب ہوتے ہیں ان سے محروم رہ جائے گا۔

مسئلہ : روزہ میں ریار کا کسی قسم کا دخل نہیں۔

حدیث شریف حضرت ابو ذر غفاری رحمہ اللہ البادی سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ذر ! اپنی کشتی کو خوب مضبوط اور درست کرلے۔ اس لیے کہ دریا بڑا گہرا ہے اور سامان بکثرت ساتھ کرلے اس لیے کہ سفر بڑا لمبا ہے اور اپنا بوجھ ہلکا کرلے۔ اس لیے کہ راستہ خطرناک ہے اور عمل میں خلوص پیدا کرلے اس لیے کہ

نقاد خوب جانچ پڑتال کرتا ہے۔

شرح الحدیث: کشتی کو درست اور مضبوط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان پختہ اور توحید مضبوط ہو اور دریا سے مُراد جہنم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا۔

اور سفر سے آخرت اور قیامت کا سفر مراد ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون۔

بہشت کا زادِ راہ نیکیاں ہیں اور جہنم کا زادِ راہ برائیاں اور بوجھ سے ذنوب و خطایا مراد ہیں اور بوجھ ہلکا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کو بالکل ختم کیا جائے۔ اور آخرت کا راستہ اس لیے خطرناک ہے کہ جہنم کے سپاہی بھاری بوجھ والے کو ہی گرفتار کر کے لائیں گے۔ پھر وہاں کوئی ایسا نہیں ہوگا کہ بوجھ اٹھائے یا اس کے لیے کوئی مدد کرے۔ اگرچہ اس کے رشتہ دار بھی کیوں نہ ہوں سب چھوڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان تدع مثقلۃ الی حملھا لایحمل منہ شیء ولو کان ذاقربیٰ۔

ناقد سے مراد اللہ تعالیٰ ہے وہ خود پاک ہے اور صرف اس عمل کو ہی قبول کرتا ہے جو شرک اور ریا سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا (یعنے وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیے جائیں)۔ ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا۔

قدسی حدیث شریف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں شریک سے بے پرواہ ہوں پس جو شخص عبادت تو میرے لیے کرے لیکن میں میرے ساتھ میرے غیر کو شریک ٹھہرائے تو میں اس سے بالکل بَری ہوں۔

حکایت حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس (شیطان) کو حکم فرمایا کہ میرے حبیب حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو۔ اور وہ جو سوال فرمائیں تو اس کا احسن طریق سے جواب دے۔ بحکم ایزدی شیطان حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ لیکن شکل و صورت میں بوڑھا اور ہاتھ میں عصا۔ جب حاضر ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کی: میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس کیوں آیا ہے؟ عرض کی: مجھے رب العالمین نے بھیجا ہے تاکہ میں آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کے ہر سوال کا جواب عرض کروں اور جو کچھ آپ پوچھیں بتاؤں۔ آپ نے فرمایا: بتاؤ! میری امت میں تیرے کتنے دشمن ہیں؟ عرض کی: پندرہ[1]۔ آپ نے فرمایا: کون کون؟ عرض کی: وہ یہ ہیں: (۱) آپ ہیں۔ (۲) امام عادل

---

[1] بعض روایات میں بیس آیا ہے۔ (۱۶) نماز کا حریص (۱۷) جو ہر وقت نماز کے لیے تیار رہے (۱۸) وہ نوجوان جو اللہ کی اطاعت میں جوانی بسر کرے (۱۹) جو بیوگان کی بھلائی کرے۔ (۲۰) بغیر لالچ کے عوام کی بھلائی کرے۔

۳ - دولت مند منکسر المزاج

۴ - سچا تاجر

۵ - وہ عالم دین جو خدا سے ڈرنے والا ہو

۶ - وہ مومن جو مسلم بھائیوں کا خیر خواہ ہو

۷ - مومن رحیم القلب

۸ - توبہ کر کے اس پر مضبوط رہنے والا

۹ - حرام سے بچنے والا

۱۰ - ہر وقت با وضو رہنے والا مومن

۱۱ - مومن کثیر الصدقہ

۱۲ - وہ مومن جو لوگوں سے خلق حسن کے ساتھ پیش آئے۔

۱۳ - وہ مومن جو لوگوں کو نفع پہنچائے

۱۴ - وہ قرآن کا حافظ جو اسے خوب یاد رکھے

۱۵ - وہ شب خیز جب لوگ میٹھی نیند میں سوتے ہیں۔

شیطان کے دوست : حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے ابلیس! بتا میری امت میں تیرے دوست کون ہیں اور کتنے؟ عرض کی: آپ کی امت میں میرے دس دوست ہیں:

۱ - ظالم بادشاہ

۲ - دولت مند متکبر

۳ - خیانتی تاجر

۴ - شرابی

۵ - چغل خور

۶ - ریا کار

۷ - سود خوار

۸ - یتیم کا حق کھانے والا

۹ - مانع الزکوٰۃ

۱۰ - وہ جس کی آرزو بڑھتی چلی جائے۔

حدیث شریف (حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا):

"اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ہر ایک سے بلا حجاب کلام کرے گا۔ کسی قسم کے ترجمان کا واسطہ بھی نہیں ہوگا۔ پھر بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا۔ اس پر اس کے اپنے عمل نظر آئیں گے۔ پھر وہ اپنی بائیں جانب دیکھے گا اس پر اسے وہ اپنے کئے ہوئے عمل نظر آئیں گے۔ پھر وہ اپنے آگے دیکھے گا تو اسے آگ ہی آگ نظر آئے گی۔ اے اللہ کے بندو! اللہ تعالےٰ سے ڈرو اگرچہ کھجور کے چھلکے کے برابر صدقہ دے کر۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر میرے شیخ علامہ (ابقاہ اللہ بالسلامہ) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے دل میں منجانب اللہ القا ہوا ہے کہ اپنے معاملات میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ احسن الاخلاق وہ بندہ ہوتا ہے جو تسلیم کی تصویر بن جائے اور احسن الاخلاق وہ شخص ہے جو عفو و سخا سے پیش آئے۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ؎

۱۔ غم و شادماں نماند و لیک ۔ جزائے عمل ماند و نام نیک

۲۔ کرم پائے دارد نہ دیہیم وتخت بدہ کز تو ایں ماند اے نیکبخت

۳۔ مکن تکیہ بر ملک و جاہ وحشم
کہ پیش از تو بود ست و بعد از تو ہم

ترجمہ : (۱) غم اور خوشی نہ رہے گی صرف عمل کی جزا اور نیک نام رہے گا۔

(۲) سخاوت ہمیشہ رہے گی نہ کہ تاج وتخت فلہٰذا راہ خدا میں دنیا دے تاکہ تیرا فائدہ ہو۔

(۳) جاہ وحشم اور ملک کا سہارا مت کیجئے کیونکہ تیرے سے پہلے بھی بہت سے لوگ گذر گئے اور بعد کو بھی آئیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی امر المومنین بالانفاق سیزکی بہ نفوسھم عن سفسات الاخلاق وھدی العارفین الی بذل المال والروح لیفتح لھم ابواب الفتوح ۔ والصلوٰۃ والسلام علی المتخلق باخلاق مولاہ سیدنا محمد الذی جآء بالشفاعۃ لمن یھواہ وعلی اٰلہٖ واصحابہ ممن اٰثرہ علی ما سواہ ووثق فی اجر الانفاق بربہ الذی اعطاہ۔

امّا بعد :

عبد علیل ہم نام حضرت اسماعیل الواعظ البروسی ثم الاسکوبی (اوصلہ اللہ الی غایۃ المقام الحسبی) رحمہ اللہ تعالٰے کہتا ہے (فرماتے ہیں) جب کہ میں وعظ کے منصب پر مبتلا کیا گیا تو پھر میں اپنے مواعظ میں اس بات پر التزام کیا کہ ان کے مضامین تفاسیر سے حاصل کر کے انھیں تحریر کے دھاگے میں پرو دوں کہ جس سے آیات قرآنیہ وبیّنات فرقانیہ کے کئی عقدے حل ہو جائیں اس کے در پئے نہ ہوا کہ آیات کے معانی کے وجوہ کیا ہیں۔ اور پھر ان میں کون کون سے مقاصد کا احتمال ہے۔ صرف اس نیت پر کہ لوگوں کے عقول کے مطابق کلام کرنا اچھا ہوتا ہے پھر اس میں اختصار بھی مطلوب تھا تاکہ لوگ اس سے مانوس ہوں۔ پھر ہر آیت کے موافق میں نے ترغیب وترہیب کے مضامین کا اضافہ کیا اور کچھ تاویلیں بھی بیان کیں جیسا کہ مطالعے پر صاحب دانش سے مخفی نہیں رہے گا۔ یہاں تک کہ میں سورہ بقرہ کی انھی آیات (جو انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق ہیں) تک اللہ تعالٰے کے فضل وکرم سے پہنچا تو اس آیت کو ہی عنوان بنایا تاکہ اس کی برکت سے میری یہ تحریر پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے۔ اگرچہ پچھلے مضامین اس مضمون سے علٰحدہ ہیں لیکن ہیں ان ہی سے منسلک جن میں بہترین مواعظ بھی ہیں۔ اللہ تعالٰے سے امداد کی طلب ہے کہ مجھے اتنی مہلت بخشے کہ میں قرآن مجید کے اس

(بقیہ صفحہ نمبر ۹۱ پر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ط
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ط
وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ
مَنْ يَّشَآءُ ج وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ج
وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ط
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ
التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ ع

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی نیک کمائیوں میں سے خرچ کرو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے
لیے زمین سے نکالا۔ اور خاص ردی چیز کا ارادہ نہ کرو کہ خرچ کرو تو اسی میں اور خود تم اسے لینے کو تیار نہیں
ہاں بچشم پوشی کر جاؤ (تو وہ علحدہ بات ہے) اور یقین کرو کہ اللہ تعالے بے نیاز اور تعریف کیا ہوا ہے۔
شیطان تمھیں تنگ دستی سے خوف دلاتا ہے اور تمھیں بے حیائی کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالے
تمھارے ساتھ اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ تعالے وسعت والا اور خوب جاننے
والا ہے اللہ تعالے جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جسے حکمت عطا ہوتی ہے تو سمجھو اسے بہت
بڑی بھلائی عطا ہوئی اور عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں اور تم جو خرچ کرو یا نذر مانو تو اسے اللہ
تعالے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں اگر تم ظاہر کر کے خیرات دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے،
اور وہ تم فقیروں کو چھپا کر دو تو وہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے اور اس میں تمھارے کچھ گناہ معاف کردیں گے
اور اللہ تعالے تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔ انھیں راہ راست پہ لانا تمھارے ذمہ لازم نہیں، ہاں!
اللہ تعالے جس کو چاہتا ہے راہِ راست پہ لاتا ہے اور جو کچھ تم اچھی چیز خرچ کرو گے تو وہ تمھارا اپنا

فائدہ ہے اور تم خرچ نہیں کرتے مگر اللہ تعالٰی کی رضاجوئی کے لیے اور جو مال تم خرچ کر رہے ہو تم کو اس کا پورا اجر دیا جائے گا اور تم ذرا برابر بھی کمی نہیں کیے جاؤ گے ان فقراء کے لیے جو راہ خدا میں رُکے گئے ہیں زمین میں نہیں چل پھر سکتے اور ناواقف لوگ انھیں ان کے بھیک نہ مانگنے کی وجہ سے دولت مند سمجھتے ہیں تو انھیں ان کی شکل سے پہچان لے گا وہ گڑگڑا کر لوگوں سے نہیں مانگتے اور جو خیرات تم کرو گے اللہ تعالٰی اسے خوب جانتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۸۹)

طریق کار کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں اور جس بڑے کام کو ہاتھ لگایا ہے اسے پورا کر سکوں تو نہایت عجز و انکساری سے التجا کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰی اسے نافع اور میرے لیے دنیا و آخرت کا بہترین سرمایہ بنائے۔ (آمین)

(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ. اے ایمان والو! تم اس پاکیزہ مال سے خرچ کرو جو تم نے حاصل کیا یعنے حلال اور کھرا مال۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالٰی نے دوسری جگہ فرمایا:

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

ف: صاحب کشاف نے اس کی تفسیر میں لکھا کہ الطیبات بمعنے الجیاد یعنے کھرا مال ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ من طیبات ما کسبتم ای من جیاد من مکسوباتکم۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ طیبات کی تفسیر حلال کے بجائے جیّد اس لیے موزوں ہے کہ حلال کا حکم تو انفقوا سے ثابت ہوا، کیونکہ حرام مال خرچ کرنے کا حکم تو نہیں دیا جاتا۔ اور پھر اس کے بعد فرمایا: ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون۔ اور الخبیث وہ ردی مال کہ جس کا خبث واضح ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! خرچ کرو ان پاک اموال سے جو تمھاری کمائی سے ہیں۔

وَمِمَّا، اور ان پاکیزہ اناج سے جو کہ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ، ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا اناج، پھل اور دفن شدہ خزینے وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ، اور ارادہ نہ کرو خبیث کا یعنے ردی اور خسیس کا۔ اور الخبیث، الطیب کی نقیض ہے اور ان ہر دونوں کے تین معانی ہیں:

(۱) طیب بمعنے حلال اور خبیث بمعنے حرام۔

(۲) طیب بمعنے طاہر اور خبیث بمعنے نجس ۔

(۳) طیب ہر وہ شے کہ جس سے طبیعت خوش ہو جائے اور خبیث ہر وہ شے جس سے طبیعت کو نفرت ہو۔

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ جس سے تم خرچ کرتے ہو۔ منہ جار مجرور تنفقون سے متعلق ہے اور ضمیر الخبیث کی طرف لوٹتی ہے اور تقدیم تخصیص کے لیے ہے اور جملہ حال ہے۔ تیمموا کے فاعل سے، یعنے خبیث کا ارادہ مت کرو، درآں حالیکہ تم اس خرچ کرنے پر کوتاہی کرنے والے ہو۔ اور تخصیص صرف زجر و توبیخ کے لیے ہے تاکہ انھیں تنبیہ ہو جائے کہ جو خبیث کے خرچ کرنے میں ارادہ کرتے تھے اور خبیث کا طیب سے مقابلہ کیا۔

شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ صدقہ میں خراب کھجوریں خرچ کرتے اس سے انھیں روکا گیا۔

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اور خود تم اسے نہیں لیتے۔ یہ تنفقون کی واؤ سے حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:

تنفقون و الحال انکم لا تاخذون الخبیث.... الخ

یعنے تم خرچ کرتے ہو تو تمھارا حال یہ ہوتا ہے کہ تم اپنے معاملات میں ردی کھجوریں ہر وجہ سے اور کسی وقت بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہو۔

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ہاں، اگر چشم پوشی کر جاؤ تو علحدہ بات ہے یعنے اس میں تمھاری چشم پوشی ہو یعنے اگر تمھارا کسی پر حق ہو اور وہ تمھارے پاس اچھی کھجوروں کی بجائے ردی کھجوریں لے آئے تو تم انھیں لینے کے لیے تیار نہیں ہو مگر بوقت چشم پوشی یا تساہل کر کے صرف اس خوف سے کہ کہیں تمھارا حق مارا نہ جائے یا تمھیں اس کی محتاجی ہے۔ یہ محاورہ اس سے ہے جو کہا جاتا ہے:

اغمض فلان عن بعض حقہ (فلاں شخص نے اپنے حقوق میں سے بعض کے متعلق چشم پوشی کی ہے)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی اپنے حقوق سے آنکھ بند کر لے۔ اور بائع کو کہا جاتا ہے: اغمض یعنے اس نے اس طرف توجہ نہ دی گویا وہ اسے دیکھ بھی نہیں رہا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اور جان لو بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے خرچ کرنے سے بے پرواہ ہے اور بے شک تمھیں حکم دینا کہ تمھارے نفع کے لیے اور انھیں علم کی امر کرنا باوجودیکہ وہ جانتے ہیں کہ معاملہ بڑا ہے صرف انھیں زجر و توبیخ کی بنا پر کہ تم جو کچھ کر رہے ہو کہ دوسروں کو گندا مال دیتے ہو اور خود اچھا لیتے ہو۔ اور یہ خیال رکھتے ہو کہ ہمارے رب کو ایسے مال لینے کی ضرورت ہے۔ ان کی جہالت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے حمید وہ جو حمد کا مستحق ہو کہ اس کی بڑی بڑی نعمتوں کی حمد کی جائے۔

جان لو کہ صدقہ دینے والے کی مثال اس کسان کی طرح ہے کہ جس کا اعتقاد ہو کہ مجھے میری محنت کا پھل ملے گا اسی لیے وہ اپنی محنت میں جان کی بازی لڑاتا ہے اور بیج بھی بہتر سے بہتر ڈالتا ہے جب اسے یقین ہے کہ اچھا بیج ہوگا تو اچھا پھل حاصل ہوگا کیونکہ بیج کے مطابق ہی پھل حاصل ہوتا ہے بلکہ اچھا بیج ہو تو ثمرہ میں بھی کثرت ہوتی ہے۔ اسی طرح صدقہ دینے والا کا حال ہے کہ اسے اللہ تعالٰے اور یوم آخرت اور ثواب و عتاب پورا یقین ہو تو صدقہ میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور بہتر سے بہتر صدقہ دیتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ اللہ تعالٰے ذرہ برابر بھی کمی نہیں کرتا۔ اگر نیکی ہو تو الٹا اسے دوگنا عطا فرماتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بہت بڑا اجر عنایت فرماتا ہے۔ اور اصولی بات ہے کہ جب بندہ اپنی طرف سے سب سے زیادہ محبوب شئے دیتا ہے پھر اللہ تعالٰے جو بھی اس کے پاس زیادہ محبوب اجر ہوتا ہے اسے عطا فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

"ھل جزاء الاحسان الا الاحسان" (احسان کا بدلہ احسان ہے)

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ کسب حلال جائز ہے اور زندگی کا بہترین عیش و عشرت کا سامان تجارت اور کھیتی باڑی ہے۔

حدیث شریف: ہر انسان کی بہترین کھانے کی چیزیں وہ ہیں جو کسب حلال سے ہوں اور اس کی اولاد بھی کسب حلال میں داخل ہے اور اسی طرح بہترین صدقات میں سے شمار ہوتا ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہو۔ اس صدقہ سے افضل ہے جو زیادہ خرچ کرے لیکن اپنی کمائی سے نہ ہو۔

زر بخش کردن ز گنج — نباشد چو قیراط از دست رنج

ترجمہ: سارا خزانہ لٹا دینا اس کے برابر نہیں ہوسکتا جو اپنی کمائی سے ٹیڈی پیسہ خرچ کیا جائے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص حرام کا مال کما کر صدقہ دیتا ہے اور پھر امید رکھے کہ قبول ہو جائے اور سمجھے کہ اس میں برکت ہوگی اور جو کچھ اس حرام مال سے چھوڑ کر مرتا ہے تو یقین کر لے کہ وہ جہنم کے عذاب میں سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ بے شک اللہ تعالٰے برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا، بلکہ برائی کو نیکی سے مٹاتا ہے کیونکہ خبیث شئے خبیث سے نہیں مٹتی۔

صدقات کے طریقے خرچ اور صدقے کے کئی طریقے ہیں:

(۱) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی تم میں کوئی باغ لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے تو اس سے جتنا انسان یا پرندے یا جانور کھاتے ہیں۔ تو سب کا سب اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔

(۲) مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو صدقہ دینے کی ترغیب دلائی تو آپ کے صحابہ کرام صدقہ دینے میں بہت مصروف ہوگئے۔ ایک دن حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ ان کے ہونٹ ہل رہے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اپنے ہونٹ کیوں ہلا رہے ہو، اور کیا پڑھ رہے ہو۔ انھوں نے عرض کی: حضور! میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ صدقات وخیرات میں مصروف ہیں اور میں غریب ہوں، میرے پاس کچھ نہیں کہ جس سے میں بھی صدقہ وخیرات کروں۔ صدقہ کے بجائے میں پڑھ رہا ہوں: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ اللہ واکبر۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: یہ کلمات تیرے لیے سونے کا مُد (چار سیر) سے بہتر ہیں۔ اس سے کہ تم اسے مساکین پر خرچ کرو۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ رات و دن ذکر الٰہی میں مصروف رہے اور فقراء و مساکین کو خلوص نیت اور یقین سے ہر وقت صدقہ وخیرات سے نوازے ؎

کرامت جواں مردی و نان دہیست
مقالات بیہودہ طبل تہیست

ترجمہ: جوانمردی اور غریبوں کو کھانا کھلانے کا نام کرامت ہے۔ خالی باتیں طبل خالی کی طرح ہے۔

حکایت ایک دن سکندر اپنے عام اجلاس میں تشریف فرما تھے لیکن اس دن ان سے کسی نے کوئی سوال نہ کیا۔ تو فرمایا: آج کا دن میری شاہی میں کسی کام کا نہیں۔ عرض کی گئی، کیوں جناب! انھوں نے فرمایا کہ مجھے شاہی کے تمام امور میں سے زیادہ دلچسپی اس میں ہے کہ میرے ہاں راغبین کا ہجوم ہو اور فریادیوں کا جمگھٹا ہو اور نیکوں کا مجمع ہو۔ اور میں ان کی خدمات میں مصروف رہوں۔

ف: حضرت سقطی رحمہ اللہ تعالےٰ نے صوفیا کے وصف میں فرمایا کہ ان کا کھانا صرف رضا الٰہی کے لیے ہوتا ہے اور ان کی نیند عارضی ہوتی ہے اور وہ ملک و مال سے دور رہتے ہیں اور لوگوں سے جدا۔ اس لئے ان کا نام فقراء ہوا۔ پس صوفی جب تک کہ اپنا مال اور روح اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ نہ کرے وہ دنیا دار کہلاتا ہے اور دنیا وصول الی اللہ سے مانع ہوتی ہے اے سالک! ایثار اور بکمال محتاجی کی عادت بناؤ۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ:

حل لغات: الوعد بمعنے آنے والی بات کی خبر دینا۔ وہ خبر دینے والا اپنی جانب سے خبر دے جو کسی زمانہ یا کسی شے پر مرتب ہو، یہ جیسے شر میں مستعمل ہے خیر میں بھی ویسے ہی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

النار وعدھا اللہ الذین کفروا۔

اب آیت کا معنٰے یہ ہوا، بے شک تمھیں فقر سے ڈراتا ہے اور انسان کو کہتا ہے کہ اپنا مال روک لے اس لیے کہ جب تو اسے خیرات دے گا تو تو فقیر ہو جائے گا۔

وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ اور تمھیں بُری خصلت کا حکم دیتا اور بخل پر انگیختہ کرتا ہے اور صدقات سے روکتا ہے جیسے آمر مامور کو مامور بہٖ پورا کرنے پر ابھارتا ہے۔

ف : اہل عرب بخیل کو فاحش کہتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ ۔ اور اللہ تعالےٰ تمھیں خرچ کرنے پر وعدہ دیتا ہے۔ مَّغْفِرَةً ، تمھارے گناہوں کو بخش دینے کا، وہ بخشش جو ہونے والی ہو۔ مِّنْهُ اس سے یعنے اللہ عزوجل سے۔ وَفَضْلًا ۚ اور فضل کا جو ہونے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے یعنے تمھیں اللہ تعالےٰ بہترین ذخیرہ عطا فرمائے گا۔ جو دنیوی امور سے بہتر ہو گا اور آخرت میں ثواب کے وعدہ کے علاوہ اس میں شیطان کو جھٹلانا مطلوب ہے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ ، اور اللہ قدرت والا ہے اور وہ وعدہ پورا کر کے دکھلائے گا۔ عَلِيْمٌ ۝ بہت بڑے علم والا ہے اسے خرچ کرنے کا علم ہے وہ تمھارے اجر کو ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ ۔ حکمت عطا فرماتا ہے یعنے قرآن کے مواعظ۔ یہاں پر ایتاء بمعنے بیان کرنا اور مواعظ کا علم اور ان پر عمل کرنے کی توفیق مراد ہے یعنے مواعظ قرآن بیان کرتا ہے اور ان پر عمل کی توفیق بخشتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ ۚ یا اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے یعنے اپنے فضل اور علم محیط کی وجہ سے اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے جیسے تمھیں توفیق عطا ہے۔ وہ آیات کہ جن میں عجیب وغریب حکمتیں ہیں کہ ان پر تمھارے منافع کا دار و مدار ہے۔ پس انھیں تم غنیمت سمجھو اور ان پر عمل کرنے میں عجلت کرو۔ اور اسم موصول یوتی کا مفعول اول ہے لیکن اس پر مفعول ثانی مقدم کیا گیا ہے صرف اس کی اہمیت کی وجہ سے۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ ، اور جو شخص حکمت یعنے علم وعمل کی دولت سے نوازا جاتا ہے۔ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ پس وہ بڑی بھلائی سے نوازا گیا۔ اس لیے کہ ایسے شخص کے لیے دارین کی بھلائی تیار کی گئی ہے۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اور اس سے نصیحت صرف وہ لوگ پاتے ہیں جو عقل والے ہیں یعنے وہ لوگ کہ جن کی عقول خالص ہیں جو وہم اور خواہشات نفسانی کی طرف جھکاؤ سے محفوظ ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حکمائے و علماء با عمل ہیں، ہر مکلف مراد نہیں۔ اگرچہ وہ صاحب عقل ہو۔ اس لیے کہ جس کی عقل خواہشات نفسانی پر غلبہ نہ پا سکے تو وہ اس قرآن سے نفع نہیں پا سکتا بلکہ اس لیے تو یوں سمجھو کہ اسے عقل ہے ہی نہیں۔

سبق جسے قرآن پاک کا علم نصیب ہو جاتے اسے چاہئے کہ وہ دنیا داروں کی چاپلوسیوں سے اجتناب کرے یہ جو دنیا کی خاطر ان کی چاپلوسی کرے اس لیے جو کچھ اسے قرآن پاک کا علم نصیب ہوا وہ بہت بڑی خیر کا حامل ہوا اس لیے کہ مقابلہ میں باقی بھلائیاں ہیچ ہیں ویسے دنیا تو ایک معمولی اور قلیل متاع ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا : قرآن مجید غنی ہے اس سے بڑا اور کوئی غنی نہیں ہے ۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ شیطان خود فقیر ہے اس لیے کہ وہ ظاہری فقر سے لوگوں کو ڈراتا ہے بلکہ حقیقی برائیوں کا حکم دیتا ہے ۔ اور الفحشاء ہر برائی کا جامع نام ہے اس لیے کہ شیطان کا فقر سے ڈرانا فحشاء ہے کہ جمیع معانی کو متضمن ہے اور فحشاء کے چند معانی یہ ہیں :

① بخل ② حرص

③ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امیدی ④ رزق کی جن باتوں کا اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے ان میں شک کرنا ۔

⑤ اس میں شک کرنا کہ نا معلوم کو وہ وعدہ جو اللہ تعالےٰ نے دیا ہے کہ خرچ کرنے والے کو بہتر جزا دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس کی نیکیوں میں بھی برکت ہوگی وہ پورا ہوگا ۔

⑥ اللہ تعالےٰ سے بدگمان رہنا ۔

⑦ اللہ تعالےٰ پر سے توکل چھوڑ دینا ۔

⑧ اللہ تعالےٰ کے ارشادات کو جھٹلانا ۔

⑨ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم کو بھول جانا ۔

⑩ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنا ۔

⑪ حق سے منہ موڑنا ۔

⑫ مخلوق کی طرف دھیان رکھنا

⑬ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے امید منقطع کر دینا ۔

⑭ قلب کو غیر اللہ سے متعلق رکھنا ۔

⑮ شہوات کے پیچھے لگا رہنا ۔

⑯ حظِ دنیا کو پسند کرنا ۔

⑰ پاکدامنی اور قناعت کو چھوڑنا ۔

⑱ حُبِ دنیا کا دامن پکڑنا اور حبِ دنیا ہر خطیہ کا سر ہے بلکہ ہر بلا کا بیج یہی حبِ دنیا ہے ۔

پس جو شخص شیطان کے وسوسہ کا دروازہ کھولتا ہے تو وہ ان تمام برائیوں کا شکار ہو جائے گا۔ اور جو شخص وسوسہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ طرح طرح کی کرامات سے نوازتا ہے۔ اور وہ اللہ واسع اور علیم ہے۔ جو شخص شیطان کے وسوسہ سے بچتا ہے اسے اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماتا ہے اور یہ وہ عنایات ہیں جو انبیاء و اولیاء کے قلوب پر وارد ہوتی ہیں جب کہ ان پر صفات جلال و جمال منتقل ہوتے ہیں اور ان کے وہ عادات فانی ہو جاتے ہیں، جو پیدائشی طور پر انھیں حاصل ہیں لیکن ان صفات کے غلبہ سے جو ان کے خالق سے صفات کے شواہد نصیب ہوتے ہیں۔ ان سے ان حضرات کو حقائق معانی کے اسرار کا مکاشفہ ہوتا ہے وہ حقائق جو انھیں سینہ بہ سینہ راز کے طور پر عطا ہوتے ہیں یعنے انھیں پوشیدہ طور پر یہ اسرار نصیب ہوتے۔

خلاصہ یہ کہ حکمت کی حقیقت صفات حق کے انوار سے ایک نور ہے۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کو عقل کی مدد دینا چاہتا ہے اس کے ذریعے مدد کرتا ہے اور یہ وہ راز ہے جسے نہ تو عقول سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہاں دلائل عقلیہ کام کر سکتے ہیں اور نہ ہی دلائل نقلیہ۔ دلائل عقلیہ تو اس لیے کہ یہ دلائل اہل ایمان و اہل کفر کے درمیان مشترک ہیں اور عقلی دلیل وہی ہوتی ہے کہ جس پر عقل حکم دے برہان عقلی سے اور یہ تو ہر عاقل کو حاصل ہے۔ خواہ وہ دانش مندی سے حاصل کرے یا قرآن کے علم سے۔ جو اپنے عقل کو وہم و خیال کی میل کچیل سے صاف کرتا ہے تو وہ اپنے عقل سے برہان عقلی کو پا لیتا ہے۔ عقل طاقتوں کی امداد سے اور جو اپنی عقل کو ان آفات سے پاک و صاف نہ کر سکا تو وہ بھی عقلی دلائل اس ظاہری قرأت سے لیکن استاد و مرشد کامل کی رہبری سے۔ لیکن حکمت کے اسرار ان ہر دونوں باتوں سے علیحدہ ہیں اور انھیں صرف عقل والے ہی پا سکتے ہیں۔ اور عقل والے وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کی ظاہری نمائشی باتوں کے پابند نہ ہوں بلکہ وہ اس کے باطنی حقائق کے حصول کے درپے رہتے ہوں۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی متابعت میں وہ انبیاء علیہم السلام انھیں عقول انسانیہ کے پردوں کے ظلمات سے نکال کر مواہب ربانیہ کے انوار تک پہنچاتے ہیں۔ پھر انھیں معلوم ہوتا ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نور نہیں بنایا اسے کسی قسم کا نور نصیب نہیں ہوگا۔

سبق: اے دار غرور سے دھوکا کھانے والے، اور اس پر عاشق ہونے والے! ذرا ہوش کر اور خیال رکھ کہ کہیں تجھے یہ دار غرور اللہ تعالیٰ سے دور نہ کر دے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے

۱۔ مگر تا قضا از کجا سیر کرد
کہ کوری بود تکیہ بر غیر کرد

۲۔ فغاں از بدیہا کہ در نفس ماست
کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

ترجمہ: ۱ دیکھئے کہ قضا کہاں سے تشریف لاتی ہے کہ اندھا پن ہے غیر پر سہارا کرنا۔

۲ نفس کی برائیوں سے فریاد ہے کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ابلیس کا گمان صحیح اور درست نہ ہو جائے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالے کا ہر ہاتھ دایاں اوپر ہے۔ نہ تو اسے دن کے خرچ کم کرسکتے ہیں اور نہ ہی رات کے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب سے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور خرچ کرنے لگا ہے کیا اس کے دائیں ہاتھ میں کسی قسم کی کمی ہوئی ہے اور اس کا تخت پانی پر ہے اور تمام کائنات اس کے دوسرے ہاتھ کے قبضہ میں ہے اونچا نیچا وہی کرتا ہے"۔

مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالے کے اخلاق کے مطابق عادت بنائے اور فقراء پر خرچ کرے تو اسی قادر کے حال کے مطابق اور وہ وسوسہ جو شیطان اس کے دل میں ڈالے کہ اس خرچ سے تجھے فقر و فاقہ ہوگا، ایسے وسوسہ کو دور کرے اس لیے کہ رزق کی تمام کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں وہی مطلق رزاق اور ہر ایک کو دینے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ۔ یہ کلمہ شرط کا ہے اور عموم کے لیے ہے۔ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ، اور جو کچھ جس طرح کا بھی خرچ کرتے ہو حق کا باطل ظاہراً چھپ کر قلیل ہو کثیر۔ اَوْ نَذَرْتُمْ، یا جو تم منت مانتے ہو۔ النذر دل کا کسی امر پر مضبوط ہو جانا اور اس پہ التزام کرنا اور شریعت میں ہر اس نیک کام پر التزام کرنا کہ جس کی شریعت میں نظیر موجود ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص منت مانتا ہے کہ میری منت ہے کہ ایک سجدہ کروں گا تو اس سے سجدۂ تلاوت مراد ہے۔

ف: امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالے کا یہی مذہب ہے۔

مِّنْ نَّذْرٍ، منت سے۔

ف: منت جس قسم کی ہو طاعت ہو یا معصیت، بالشرط ہو یا بلا شرط، مال سے متعلق ہو یا افعال سے جیسے کہ نماز روزہ وغیرہ وغیرہ۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ، بے شک اللہ تعالے اسے جانتا ہے۔ یہ ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالے تمہیں خرچ اور نذر پر ضرور جزا دے گا اگر خیر ہے تو اچھی جزا ہوگی اور اگر شر ہے تو اس کی بری سزا۔ اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ، اور نہیں ظالمین کے لیے ظالمین سے مراد معصیت میں خرچ کرنے اور معصیت کی منت ماننے والے لوگ مراد ہیں یا وہ لوگ مراد ہیں جو صدقہ کو روکنے والے ہیں یا وہ لوگ جو منت مان کر پھر ادا نہیں کرتے یا وہ لوگ جو اللہ تعالے کے راستہ میں خبیث مال خرچ کرتے ہیں یا وہ لوگ جو ریاء کے طور پر خرچ کر کے من و اذیٰ کا ارتکاب کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح جو بھی ظلم کے معنے کو مشتمل ہو۔ دراصل ظلم کا معنے ہے شے کو اپنے موقع محل کے غیر میں رکھنا جس کا حق تھا کہ وہ وہاں نہ رکھی جائے۔

مِنْ اَنْصَارٍ ۝ مددگاروں میں سے یعنی وہ مددگار جو اللہ تعالٰی کے عذاب و عقاب سے مدد کرکے بچا سکیں نہ ان کے لیے شفاعت ہوگی اور نہ ہی کوئی انھیں عذاب سے بچا سکے گا۔ انصار کو جمع کا صیغہ لانا ظالمین کی جمع کی وجہ سے مقابلۃً لایا گیا ہے۔ اصل عبارت یوں تھی:

مالظالم من الظلمین نصیر من الانصار۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو ان کا ظاہر کرکے خرچ کرنا اچھی شے ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں ریاء اور شہرت کو دخل نہ ہو لیکن یہ بھی فرضی صدقات کے بارہ میں ہے اور جو نفلی صدقات ہیں تو انھیں چھپا کر خرچ کرنا افضل ہے اور انہی سے آیت میں ارادہ کیا گیا اور وہ آیت یہ ہے: وَاِنْ تُخْفُوْهَا۔ اور اگر انھیں صدقات کو چھپا کر دو گے۔ وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ ۔ اور وہ صدقات دو فقراء کو۔

سوال: اس میں فقراء کی تصریح کیوں ہے حالانکہ صدقات تو فقراء کو ہی دیئے جاتے ہیں؟

جواب: اس لیے کہ چھپاتے وقت اشتباہ و التباس کا خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں غیر فقراء کو صدقات نہ دیئے جائیں۔

نکتہ: اس میں ایک اور راز بھی ہے کہ بہت سے دولت مند اپنے آپ کو فقیر جتلاتے ہیں لیکن وہ لوگوں کے سامنے صدقہ و خیرات لینے سے جھجکتے ہیں۔ لیکن اگر انھیں پوشیدہ طور پر دیا جائے تو وہ بڑے شوق سے بلکہ بڑی کوشش کرکے حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ پوشیدہ دینے میں خوب جانچ پڑتال کرکے حقیقی فقیر کو دیا جائے تاکہ ایسے غنی فقر کے مدعی کو نہ دیا جاسکے۔

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وہ تمھارے لیے اچھا ہے یعنے چھپا کے دینا ظاہر کرکے دینے سے بہتر اور افضل ہے اور ایسا صدقہ کل کا کل قبول ہے لیکن یہ بھی نفلی صدقہ ہو۔ اور یہ بھی اس کے لیے ہے جو لیتے وقت مال کی محبت میں مبتلا نہیں۔

مسئلہ: فرضی صدقات اس کے برعکس ہیں۔ ان کے لیے یہ ہے کہ انھیں ظاہر کرکے دے تاکہ دوسرے لوگ اس کی اقتداء کریں جیسے فرضی نماز باجماعت ظاہر کرکے پڑھنے کی فضیلت ہے۔

مسئلہ: نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں۔

مسئلہ: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا گھر میں پڑھنے سے افضل ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کو بری تہمت لگانا اور انھیں بدظنی سے بچانا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ: نفلی صدقات اتنے پوشیدہ کرکے دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی محسوس نہ ہو۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ پوشیدہ نوافل کی ادائیگی ظاہر کرکے ادا کرنے سے

ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

مسئلہ: فرضی صدقات ظاہر کر کے دینا پوشیدہ خرچ کرنے سے پچیس درجہ زائد فضیلت رکھتا ہے۔

وَ ۔اور اللہ تعالےٰ۔ یُکَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ معاف کرتا ہے تم میں سے تمہارے گناہ۔ یہ من تبعیضیہ ہے یعنے تمہارے گناہوں میں سے کوئی گناہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ صدقہ ظاہر کر کے یا پوشیدہ کر کے دینے سے بعض گناہ مٹا دیتا ہے۔ یا یہ من زائدہ ہے۔ انفش کی رائے یہی ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ تمہارے تمام گناہ مٹاتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ اور اللہ تعالےٰ اس عمل کو جو پوشیدہ یا ظاہر کر کے کیا جائے خوب جانتا ہے

مسئلہ: اس آیت میں پوشیدہ عمل کرنے کی ترغیب ہے۔

پوشیدہ کر کے صدقہ دینا ظاہر کرنے سے افضل ہونے کے چند وجوہ

ف: حضرت امام نے فرمایا کہ نفلی صدقہ پوشیدہ طور پر دینا ظاہر کر کے دینے سے افضل ہے۔ جس کے چند وجوہ ہیں:

(۱) پوشیدہ کر کے خیرات کرنا ریا و شہرت سے زیادہ دور ہے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ شہرت والے اور ریا کار اور منت لگانے والے اور ایذا دینے والے کی خیرات قبول نہیں کرتا۔ اور اس میں شک نہیں کہ شہرت کی غرض پر خرچ کرنے والا صرف شہرت کو مدنظر رکھ کر خیرات کرتا ہے اور لوگوں کے مجمع میں صدقہ کرنے والے کا خیال بھی ریا کاری کا ہوتا ہے اور چھپا کے خیرات دینا شہرت و ریا سے محفوظ ہے، اور اللہ والوں نے چھپا کے خیرات دینے میں بہت بڑی کوشش فرمائی ہے اور ان کی یہ سعی ہوتی تھی کہ ان کے صدقہ دینے کو کوئی نہ دیکھے۔ یہاں تک کہ بعض کی تو یہ عادت تھی کہ وہ نابینا کے ہاتھ میں جا کر دے دیتے۔ اور ان میں بعض ایسے تھے کہ اپنا صدقہ فقیر کے راستہ پر ڈال دیتے تھے یا اس کی جگہ پر رکھ دیتے تاکہ وہ آکر اٹھالے اور ان میں بعض ایسے بھی تھے جو فقیر کے کپڑے میں صدقہ و خیرات باندھ دیتے اور وہ نیند میں ہوتا تھا اور بعض یوں بھی کرتے کہ فقیر تک کسی دوسرے کے ذریعے اپنا صدقہ و خیرات بھجوا دیتے تاکہ ریاء و سمعت کو دخل نہ ہو۔

(۲) جب خیرات و صدقہ پوشیدہ طور پر دیئے جائیں گے تو اس سے نہ تو شہرت ہوگی اور نہ ہی مدح و ثنا بلکہ اس کی تعظیم و تکریم کا معاملہ بھی ہوگا۔ اور یہ بات نفس پر نہایت ہی شاق ہے کہ صدقہ و خیرات بھی ہو لیکن شہرت وغیرہ بھی نہ ہوئی۔ اور جو عمل نفس پر شاق گزرے اس کا بھی بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے۔

(۳) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صدقہ جو تکلیف اٹھا کر یعنے افلاس کی وجہ سے دیا جائے یا پوشیدہ طور پر دیا جائے وہ افضل ترین صدقات میں سے ہے۔ اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو عمل بندہ پوشیدہ طور پر کرتا ہے اسے اللہ تعالےٰ بھی پوشیدہ کر کے لکھتا ہے پھر اگر

وہ اسے ظاہر کرتا ہے تو اسے پوشیدگی سے نکال کر ظاہر کر کے لکھا جاتا ہے۔ پس اگر اس کی شہرت کرتا ہے تو اسے اخفاء و علانیہ سے نکال کر ریا میں لکھ دیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ایسے بندے ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا:

(۱) امام عادل۔
(۲) وہ جوان جو عبادتِ الٰہی میں نوجوان ہوا۔
(۳) وہ مرد کہ جس کا دل ہر وقت مسجد کی طرف لٹکا رہتا ہے کہ جب نماز سے فراغت پا کر نکلتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ واپس جاؤں۔
(۴) ایسے دو مرد جو آپس میں صرف اللہ تعالےٰ کے لیے محبت رکھتے ہیں جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو اللہ تعالےٰ کی محبت میں سرشار ہو کر اور جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو اللہ تعالےٰ کی محبت میں۔
(۵) وہ بندہ جو تنہائی میں اللہ تعالےٰ کے ذکر میں مصروف ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلتے ہیں۔
(۶) وہ مرد جسے حسین و جمیل عورت برائی کے لیے بلائے لیکن وہ کہے مجھے خوفِ خدا اس برائی سے روکتا ہے فلہٰذا مجھے معذور رکھئے۔
(۷) وہ مرد جو اللہ تعالےٰ کے لیے صدقہ و خیرات دیتا ہے لیکن چھپا چھپا کے۔ یہاں تک کہ بائیں ہاتھ کو بھی محسوس نہ ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پوشیدہ صدقہ اللہ تعالےٰ کے غضب کو ختم کرتا ہے۔

مسئلہ: ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی افضل ہے جب کہ بندے کا خیال یہ ہو کہ میرے صدقہ دینے سے دوسروں کو رغبت ہوگی اور میری اقتدا میں صدقہ و خیرات کریں گے اس ارادہ پر صدقہ افضل ہوگا۔

شیطان سے جہاد کا نمونہ حضرت امام محمد بن علی الحکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ کوئی شخص پوشیدہ طور پر تو صدقہ و خیرات کرتا ہے لیکن دل میں خیال آتا ہے کہ کاش! خلقِ خدا میری خیرات کو دیکھ پاتی تو کیا اچھا ہوتا لیکن اس وسوسہ شیطانی کو دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے ادھر شیطان بھی اس کے اس ارادہ کو پختہ کرنا چاہتا ہے اور بندہ اسے دُور کرتا رہتا ہے اور قلب میں بھی اسے بُرا مانتا ہے تو شیطان سے جہاد ایک یہ بھی ہے کہ ایسے بندے کی ایک نیکی (صدقہ) کا ستر گنا زائد ثواب لکھا جائے گا اس ثواب کی نسبت جو علانیہ طور پر کیا جائے۔

ف: ہر وہ عمل جو فرضی ہو یا واجب یا نفلی لیکن قرب الٰہی کی نیت پر عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے عمل کو جانتا ہے خواہ وہ پوشیدہ کرے یا ظاہر کرکے وہ عمل اللہ تعالےٰ کی طرف سے واجب ہوئے ہیں یا اس نے اپنے اوپر خود واجب کئے ہیں بہر حال اللہ اسے ان اعمال کی جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

حدیث قدسی شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ بندہ کو اس سے بڑھ کر زیادہ اور کوئی قرب نصیب نہیں ہوتا جو اسے فرضی عبادت کے ادا کرنے سے نصیب ہوتا ہے اور بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان اور آنکھ اور زبان اور ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا اور دیکھتا اور بولتا اور پکڑتا ہے۔

ف: بہر حال ہر عمل میں خلوص ضروری ہے کہ جو عمل بھی کرے اس میں صرف اور صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو اس میں نہ دنیوی غرض متعلق ہو اور نہ اخروی طمع اس لیے کہ اہل صفا کے نزدیک یہ بھی شرک ہے اور شرک تو بہت بڑا ظلم ہے اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے ۔

چو روئے بخدمت نہی بر زمیں
خدا را ثنا گوئی و خود را مبیں

ترجمہ: جب اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا ہے تو چاہیئے کہ صرف اللہ تعالےٰ کا تصور ہی ہو، اس کی ثنا گوئی میں اپنا تصور معدوم کردو۔

تفسیر صوفیانہ انما الصدقہ میں درحقیقت اس طرف اشارہ ہے کہ انسان حظوظ نفسانیہ سے بالکل صاف ہو جائے تاکہ وہ خالص اللہ تعالےٰ کا ہو۔ اس اعتبار سے ہی وہ قیامت میں اللہ تعالےٰ کے زیر سایہ ہوگا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت میں ہر بندہ اپنے صدقہ کے زیر سایہ ہوگا۔ صدقہ صرف اللہ تعالےٰ کے لیے ہوگا تو اسے اللہ تعالےٰ کے زیر سایہ جگہ ملے گی اور اگر اس کا صدقہ بہشت کے طمع سے ہوگا تو اسے جنت کا سایہ نصیب ہوگا۔ اور اگر اس کا صدقہ نفسانی خواہش کے لیے ہے تو اسے جہنم کا سایہ ملے گا۔ اسے پوری طرح سمجھ لو۔ ے

رطب نا ورد چوب خر مہرہ بار
چہ تخم افگنی بر ہماں چشم دار

ترجمہ: ترکھجور سوکھی لکڑی سے حاصل نہیں ہوگی جیسا بیج ڈالو گے وہی پھل پاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ، آپ پر ہدایت ضروری نہیں یعنے اے میرے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر یہ واجب نہیں کہ انھیں آپ ہدایت یافتہ بنا دیں کہ ہر وہ تمام نیکیاں کہ جن کا انھیں حکم ہے وہ سب کی سب بجا لائیں اور وہ تمام برائیاں کہ جن سے انھیں روکا گیا ہے ان سب سے رک جائیں۔ بس آپ کے ذمہ یہ ہے کہ آپ انھیں نیکی کا راہ بتا دیں اور اس پر ترغیب دلائیں۔ اور برائی سے روکنا اور ان آیات کے ذریعہ جو آپ کی طرف نازل ہوئی ہیں، انھیں برائی سے دور رکھنا۔ اس لحاظ سے یہ خطاب خاص ہے اور خطاب عام بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے تمام اہل اسلام (مبلغین و واعظین) مراد ہیں۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ۔ اور لیکن اللہ تعالیٰ خاص (جو کہ یقینی طور پر مطلوب تک پہنچا دے) عنایت فرماتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ جسے چاہتا ہے اپنی ہدایت اس کی طرف اس کے لیے جو احکام مذکور ہوتے ہیں، ان سے نصیحت اور اس کی تابعداری اور بہتری کو پسند کرتا ہے۔ (توفیق کی ہدایت اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے اور ہدایت کا بیان کرنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہے۔

شانِ نزول جب فقراء مسلمین کی کثرت ہوگئی تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو کفار و مشرکین کو صدقہ دینے سے روک دیا تاکہ ایک اور وجہ یہ بھی بن جائے کہ فقراء مشرکین مجبور ہوکر اسلام قبول کرلیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، ولیس علیك هدٰهم۔۔۔ الخ یعنے آپ پر ان کی ہدایت ضروری نہیں جو آپ کی مخالفت کرتا ہے یہاں تک کہ آپ نے مسلمانوں کو مشرکین پر صدقہ دینے سے روک دیا تاکہ وہ مشرکین مجبور ہوکر اسلام قبول کریں۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نفلی صدقہ کفار و مشرکین کو دینا جائز ہے۔

مسئلہ: واجب صدقہ کے لیے اختلاف ہے کہ واجب صدقہ کفار و مشرکین کو دینا جائز ہے یا نہ۔ سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور دوسروں نے عدم جواز کا۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ، اور جو کچھ تم بھلائی سے خرچ کرتے ہو یعنے جو شے صدقہ دو اپنے مال میں سے۔ فَلِاَنْفُسِكُمْ تو وہ تمھارے اپنے لیے ہے یعنے وہ تمھارے اپنے نفسوں کو فائدہ ہوگا۔ اس سے دوسروں کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ فلہٰذا جسے کچھ دیتے ہو نہ اس پر احسان جتلاؤ اور نہ اسے ایذا دو اور نہ ہی اللہ تعالےٰ کی راہ پر ردی مال خرچ کرو۔ یا یہ کہ اس کا دینی فائدہ صرف تمھیں نصیب ہوگا نہ کہ تمھارے غیر کو فقراء میں سے یہاں تک کہ تم اسے اس سے روک دیتے ہو جو کہ تمھارے دین کے موافق نہیں تاکہ وہ فائدہ نہ اٹھائیں۔ دین کے لحاظ سے جیسے کفار و مشرکین کے فقراء میں سے۔

مسئلہ: بعض علمائے نے فرمایا کہ وہ خرچ فی سبیل اللہ جس سے شر بھی پیدا ہو تب بھی اس خرچ کا ثواب نصیب ہوگا جبکہ اس کی نیت شر انگیزی کی نہ ہو۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ اور تم نہیں خرچ کرتے مگر صرف اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کی رضا نصیب ہو۔ یہ استثناء اعم العلل یا اعم الاحوال ہے یعنے تمھارا ہر خرچ رضائے الٰہی کے لیے ہو اور بس۔ یا کسی حال میں بھی

کوئی خرچ کرو تو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مطلوب ہو۔ پھر تم خرچ کر کے فقراء پر کیوں احسان جتلاتے ہو۔ یا انھیں کیوں ایذاء دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کیوں ردّی مال خرچ کرتے ہو۔ بس یہی دستور بنا لو کہ خرچ کرنا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے راضی کرنے کے لیے۔ وَمَا تُنْفِقُوْا، اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو۔ مِنْ خَيْرٍ، نیکی میں سے ذمّی کافر پر یا ان کے غیروں پر۔ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ، تمھیں اس کا پورا اجر دیا جائے گا بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ پھر تمھیں اس میں سے کونسا عذر ہے کہ تم خیرات و صدقات میں مکمل طور پر رغبت کرو۔ بلکہ اسے بہتر اور احسن طریق سے خرچ کرو۔ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ اور تمھارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنے جیسے بہت بڑے ثواب کا وعدہ دیا گیا ہے اس میں تمھارے لیے کسی قسم کی کمی نہیں کی جائیں گی۔

لِلْفُقَرَآءِ یعنے وہ جو تم خرچ کرتے ہو وہ فقراء پر کرو۔ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وہ فقراء جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں روکے گئے ہیں۔ یعنے انھوں نے اپنے نفوس اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بند رکھے ہیں اور جنگ اور جہاد میں مصروف رہتے ہیں۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ، وہ اپنے جہاد وغیرہ کے مشغلہ سے فرصت نہیں رکھتے۔ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ، زمین پر کاروبار کے لیے جانے کی۔ تاکہ وہ شہروں میں چل پھر کر کاروبار چلائیں اور تجارت کریں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان سے وہ حضرات اصحابِ صفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مراد ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً چار سو تھی ان میں زیادہ قریش کے مہاجرین تھے۔ جن کا مدینہ طیبہ میں کوئی رہائشی مکان نہیں تھا اور نہ ہی مدینہ طیبہ میں کوئی رشتہ داری تھی، یہ مسجد کے صفہ میں رہتے تھے۔ یہ چھت والا ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ وہ لوگ رات کو قرآنی تعلیم میں بسر کرتے اور دن کو کھجوروں کی گٹھلیاں چن کر بسر اوقات کرتے اور یہ حضرات بعض جنگی ضروریات کے لیے چھوٹے چھوٹے لشکروں کے ساتھ بھی بھیجے جاتے تھے اور حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شام کے وقت گاہے گاہے اپنی طرف سے انھیں کچھ کھانے پینے کی اشیاء عطا فرما دیتے تھے۔

حکایت و حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دن صحابہ صفہ کے ہاں تشریف لے گئے تو ان کے فقر و فاقہ اور ان کی حالت زار کو ملاحظہ فرمایا لیکن دیکھا کہ وہ بہت ہشاش بشاش تھے آپ نے انھیں فرمایا: اے صفہ والو! تمھیں مبارک ہو۔ سن لو جو شخص بھی تمھاری اس حالت پر بھی خوش ہے وہ میرے رفیقوں میں سے شمار ہوگا۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ، انھیں جاہل گمان کرتے ہیں۔ ان کے حال اور ان کی اچھی شان دیکھ کر۔ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، دولت مند اس لیے کہ وہ اپنی پاکدامنی کی وجہ سے کسی سے سوال نہیں کرتے۔ التعفف بمعنے مطالبہ نہ کرنا اور نفس کو اپنی مراد تک نہ پہنچانا تکلف کر کے حیاء کی وجہ سے۔ تَعْرِفُهُمْ، آپ انھیں ان کے فقر و اضطرار کی وجہ سے پہچانتے ہیں۔ بِسِيْمٰهُمْ، ان کی پیشانیوں کو دیکھ کر یعنے ان کے ضعف حال اور کمزوری کو دیکھ کر۔ سیما

(بقیہ صفحہ ۱۰۶ پر)

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ
رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا
يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا
إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ
مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝
فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ
أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ
مَيْسَرَةٍ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ
فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُونَ ۝

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال رات میں اور دن میں چھپ کر اور ظاہر کر کے (اللہ کے لیے) خرچ کرتے ہیں ان کا ان کے رب کے ہاں نیک اجر ہے اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ کچھ غم۔ اور جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت میں) نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس کی طرح جسے شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا کہ بیع تو سود کی طرح ہی ہے اور اللہ تعالےٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ پھر جس کے ہاں اس کے رب کی جانب سے نصیحت آئی اور وہ باز آگیا تو وہ جو پہلے لے چکا، وہ اس کے لیے حلال ہے اور اس کا معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد ہے اور جو یہ عمل پھر کرے گا تو وہ دوزخی ہے اور اس میں کئی عرصے رہیں گے۔ اللہ تعالےٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالےٰ ناشکرے اور بڑے گنہگار کو پسند نہیں فرماتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی ان کے لیے ان کے رب کے ہاں اجر ہے۔ اور نہ انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔ اے ایمان والو! اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور سود کا جو کچھ تھا یا کسی کے ہاں رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایماندار ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ و رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جنگ کے اعلان

کا یقین کرو اور تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم نقصان پہنچاؤ اور نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچاؤ گے اور اگر قرضدار تنگدست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دو اور معاف کردو تو تمھارے لیے اور بہتر ہے اگر تمھیں علم ہو۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالےٰ کی طرف لوٹو گے پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۴)

اور سیمیٰا بمعنے وہ علامت کہ جس سے کوئی شے پہچانی جائے۔

لَا يَسْـَٔلُونَ النَّاسَ اِلْحَافًا وہ لوگوں سے عاجزی دکھا کر سوال نہیں کرتے۔ الحافا مفعول لہ ہے۔ اس میں سوال اور عاجزی کے اظہار ہر دونوں کی نفی کی گئی ہے۔ الحاف بمعنے الزام والحاح۔ وہ یہ سائل جو مسئول کا پیچھا نہ چھوڑے جب تک کہ اس سے سوال پورا نہ کرائے۔

مسئلہ: بوقت ضرورت سوال کرنا جائز ہے اور اس کا کوئی گناہ بھی نہیں۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالےٰ زندہ حوصلہ والے اور پاکدامن کو محبوب رکھتا ہے اور پریشان حال سائل اور حد سے زائد گڑگڑانے والے سے بغض رکھتا ہے۔"

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ اور وہ جو تم بھلائی سے خرچ کرتے ہو اسے اللہ تعالےٰ بہت خوب جانتا ہے۔ پس تمھیں اس کی احسن جزا عطا فرمائے گا۔ اس میں صدقہ دینے کی ترغیب ہے خصوصًا ان فقرا پر۔ اس کے بعد مزید ترغیب و تحریص آیت ذیل میں فرماتی۔ (چنانچہ اگلے رکوع میں فرمایا):

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً، وہ لوگ اپنے مال رات دن اور پوشیدہ اور ظاہر کرکے خرچ کرتے ہیں یعنی ہر وقت اور ہر حال میں صدقہ وخیرات میں گزارتے ہیں جب بھی انھیں کسی محتاج کی ضرورت درپیش ہوتی ہے اسے پورا کرنے میں عجلت کرتے ہیں ادھار نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی وقت اور حال تک اس سے مہلت مانگتے ہیں۔

شان نزول: مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب کہ انھوں نے چالیس ہزار دینار بیک وقت خرچ کیے، دس ہزار رات کو اور دس ہزار دن کو اور دس ہزار پوشیدہ اور دس ہزار

ظاہر کرکے۔

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ، پس ان کے لیے اجر و ثواب ہے جو **عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ**۔ ان کے رب کے ہاں حاضر ہے اور نہ انھیں آنے والی تکلیف سے خوف ہے اور نہ محبوب چیز کے فوت ہونے سے انھیں کوئی غم ہے۔

مسئلہ: ان نیک لوگوں پر خرچ کرنا زیادہ موزوں ہے جو فقر کو دولت مندی پر عمداً ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ صرف اللہ تعالٰی کو راضی کرنا اور حضور علیہ السلام کی اقتدا کرنا مطلوب ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے دو بہتر طریقے ہیں: فقر و جہاد۔ اس لیے خرچ کے وہی زیادہ حق دار اور زیادہ موزوں ہے۔

مسئلہ: ایسے لوگوں کی ہر معاملہ میں مدد کرنا عبادت ہے مثلاً مال سے مدد کرنا، ان کے جاہ و جلال کی تابعداری کرنا، ان کی ذاتی خدمت کرنا، ان کا اعزاز و اکرام، ان کی عظمت کا پرچار اور ان کے ساتھ نیک ارادت و عقیدت رکھنا یہاں تک کہ ان کو محبت کا سلام جو ان کے استحقاق و اجلال و اعظام کے لائق ہے نہ کہ حقارت و ذلت کی نگاہ سے اس لیے کہ اللہ تعالٰی تمھارے ان تمام امور کو خوب جانتا ہے تو شخص خرچ کرکے اللہ تعالٰی کا قرب چاہتا ہے بندہ ایک بالشت قرب کی سعی کرتا ہے اللہ تعالٰی بطور جزا اس کے ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہے، اگر بندہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے گز قریب ہو جاتا ہے پھر اس کے فضل و کرم کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ مبارک ہو اسے جو بطیب خاطر ترک دنیا کرتا ہے اور اللہ تعالٰی کو ہر شے سے محبوب رکھتا ہے۔ اور جو اللہ تعالٰی کا ہو جاتا ہے اللہ تعالٰی اس کا ہو جاتا ہے۔

ف: مروی ہے کہ چھ چیزیں چھ چیزوں میں حسین ہوتی ہیں:

۱۔ علم عمل میں	۲۔ عدل بادشاہ میں
۳۔ سخاوت اغنیاء میں	۴۔ توبہ شباب میں
۵۔ صبر فقر میں	۶۔ حیا عورتوں میں

علم با عمل اس گھر کی طرح ہے جس کی چھت نہ ہو۔ بادشاہ میں عدل نہ ہو تو وہ اس کنوئیں کی طرح ہے جس میں پانی نہ ہو۔ اور دولت مند میں سخاوت نہ ہو تو اس بادل کی طرح ہے جس میں بارش نہ ہو۔ اور شباب میں توبہ نہ ہو تو وہ اس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہ ہو۔ اور جس فقر میں صبر نہ ہو وہ اس چراغ کی طرح ہے جس میں روشنی نہ ہو۔ اور عورت میں حیا نہ ہو تو وہ اس طعام کی طرح ہے جس میں نمک نہ ہو۔

دولت مند کو چاہیئے کہ وہ اپنی دولت مندی کے بادل سے ایسے برکات کی بارش برسائے کہ جس سے دین و دنیا سیراب ہو یعنی ایسے سبب بنائے کہ مردہ دلوں کو سیرابی ہو کہ دین و دنیا کی محتاجی دور ہو جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالٰی

محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے

پسندیدہ رائے کہ بخشید و خورد
جہاں از پے خویشتن گرد کرد

ترجمہ: پسندیدہ وہ شخص ہے جس نے دوسروں کو دیا اور خود بھی کھاتا رہا۔ ایسے شخص نے بہت سرمایہ جمع کیا۔

جس کی رائے صواب ہے تو وہ مال سے فائدہ اٹھاتا ہے اور مال جمع کرتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کہ اس کے غیر کے لیے۔ جس نے مال کو تو جمع کیا لیکن اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور نہ ہی کسی کو کچھ دیا تو سمجھ لو کہ درحقیقت وہ مال غیروں کے لیے جمع کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اس کا مال اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا، وہ لوگ جو سود کھاتے یعنے سود لیتے ہیں۔

سوال: سود لینے کو کھانے سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: (۱) چونکہ اموال کے حصول سے اعلیٰ و معظم مقصد کھانا ہے۔

(۲) چونکہ سودی معاملات کا زیادہ پھیلاؤ کھانے کی اشیاء میں ہوتا ہے۔

سود کسے کہتے ہیں: شریعت میں سود کیلی و موزونی اشیاء میں بلا عوض زائد شے لینے کو کہتے ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے۔ یہ ان چیزوں میں جاری ہوتا ہے:

①	سونا	②	چاندی
③	گندم	④	جَو
⑤	کھجور	⑥	نمک۔

سوال: ربٰوا کو واؤ کے ساتھ کیوں لکھا جاتا ہے؟

جواب: تاکہ اصل پر دلالت کرے۔ دراصل یہ واوی باب ہے یہ ربا، یربو سے ماخوذ ہے۔

سوال: پھر واؤ کے بعد الف خالی کیوں لکھا جاتا ہے؟

جواب: اسے جمع کی واؤ سے تشبیہ دینے کے لیے لکھا جاتا ہے۔

لَا یَقُوْمُوْنَ، وہ قبروں سے نہ اٹھیں گے۔ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ۔ مگر اس کا اٹھنا ایسے ہوگا جیسے اسے بے ہوش کر ڈالتا ہے۔ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ شیطان ہاتھ لگانے سے یعنی جنوں سے یہ جار مجرور۔ لَا یقومون سے متعلق ہے یعنی نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کی طرح جو مرگی کا بیمار ہو اور اس کی عقل میں خرابی پیدا ہو جائے۔ ان کی یہ کیفیت اور ان کی یہ نشانی اہل موقف جانتے ہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ یہ اس وقت ہوگا جب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو وہ محشر کے میدان میں دوڑتے ہوئے آئیں گے،

ہاں۔ سود خوار جب اٹھیں گے تو وہ قبروں سے اٹھتے ہی گر جائیں گے بیہوش اور مرگی والے کی طرح، اس لیے کہ رِبٰوا کا معنی ہے زیادتی۔ اس سے ان کے پیٹ پھول جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے پیٹ بوجھل ہو جائیں گے تو وہ دوڑ نہیں سکیں گے۔

ذٰلِكَ، وہ عذاب ان پر اس لیے نازل ہوگا۔ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا۔ کہ وہ کہا کرتے تھے یعنی بسبب ان کے کہنے کے۔ اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ؕ بے شک بیع سود کی طرح ہے۔ انھوں نے بیع اور سود کو ایک ہی شئے سمجھ رکھا تھا۔ کیونکہ دونوں سے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے سود کو حلال قرار دے دیا۔ اور کہتے تھے کہ ایک درہم کی بیع دو درہموں سے جائز ہے جیسے وہ شے کہ جس کی قیمت ایک درہم ہو اسے دو درہموں سے بیچنا جائز ہے۔

ف، حق یہ ہے کہ اسے یوں کہا جائے کہ انما البیع مثل الربٰو، لیکن مبالغہ اسی میں ہے۔ جیسے قرآن مجید میں واقع ہوا ہے۔

ف ؛ انھوں نے سود کو ایسے حلال سمجھ رکھا تھا کہ گویا اصل وہی ہے یا یہ عبارت ان کے سوال کے مطابق نازل ہوئی جبکہ انھوں نے کہا: انما البیع مثل الربٰوا یعنے جب بیع وسود میں کسی قسم کا فرق نہیں تو پھر بیع حلال اور سود حرام کیوں! جب کہ فرق صرف اتنا ہے کہ سود کے ابتدا میں منافع ہیں اور بیع کے آخر میں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ جب قرضدار سے قرض مانگنے جاتے تو وہ قرضدار کہتا کہ مجھے قرض میں کچھ مہلت دے دے تو میں اس کے بدلے میں کچھ مال دے دوں گا۔ دونوں اس بات پر راضی ہو جاتے اور کہتے یہ بھی منافع کی ایک صورت ہے، خواہ اس کے منافع اول میں لیے جائیں یا آخر میں۔

اللہ تعالٰی نے انھیں جھٹلاتے ہوئے فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور سود کو حرام فرمایا یعنے وہ جس کیفیت سے ہو، سود ہر حال میں حرام ہے۔ بیع اس لیے حلال ہے کہ اسے اللہ تعالٰی نے حلال فرمایا اور سود اس لیے حرام ہے کہ اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ پس جس کے پاس وعظ آئے یعنے جسے وعظ اور رجز کا پیام پہنچے۔ جیسے سود کی رکاوٹ کا پیام۔ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى اس کے رب سے پھر وہ برائی سے رک گیا یعنے بلا تاخیر نصیحت پذیر ہو گیا اور اس نہی کے مطابق برائی سے رک جاتا ہے۔ فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ اس کے گذشتہ گناہ معاف یعنے اس سے گذشتہ گناہوں کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے یہ سودی کاروبار نہی کے حکم کے نزول سے پہلے کیا تھا۔ وہ پہلا سودی کاروبار اس کی ملک ہو گیا اور وہ اس لیے حلال ہے کہ اس سے وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اور اس کا معاملہ اللہ تعالٰی کی طرف ہے یعنے جب وہ بندہ اس برائی سے رک جاتا ہے

کیا ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالٰے قیامت میں اس کے شان میں فیصلہ کرے گا تمھارا اس سے کوئی تعلق نہیں فلہٰذا تم اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

وَمَنْ عَادَ، اور جو اس کے بعد سود کو حلال سمجھ کر دوبارہ سودی کاروبار کرتا ہے اور اسے ایسے حلال سمجھتا ہے جیسے نہی کے نزول سے پہلے حلال سمجھتا تھا۔ فَاُولٰٓئِكَ، پس یہی لوگ۔ یہ اشارہ لفظ مَن کے معنے کی طرف ہے۔ اَصْحٰبُ النَّارِ، دوزخ والے ہیں۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ وہی اس دوزخ میں ہمیشہ ٹھہرے رہیں گے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا، اللہ تعالٰے سود کو مٹاتا ہے۔ المحق بمعنے شے گھٹتے گھٹتے تمام کی تمام ختم ہو جائے جیسے چاند کی حالت ہوتی ہے کہ وہ بھی پندرہ تاریخ کے بعد گھٹتے گھٹتے آخری تاریخ میں گم ہو جاتا ہے۔ یہی سود کھانے والے کا حال ہے کہ اس کے کاروبار سے آہستہ آہستہ برکت اٹھتے اٹھتے بالآخر ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اصلی مال بھی جس میں سود داخل ہوا۔ اس کے بعد اس کی اولاد کو وہ مال نہیں پہنچے گا۔ وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ اور صدقات میں برکت عطا فرماتا ہے یعنے ان صدقات کا ثواب دوہرا عطا فرماتا ہے اور ان میں برکت دیتا ہے بلکہ اس مال میں برکت ہو جاتی ہے جس مال سے صدقہ دیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"بے شک اللہ تعالٰے صدقہ کو قبول کرتا ہے اور اسے ایسے پالتا ہے جیسے تم گھوڑے کے چھوٹے بچے کو پالتے ہو"

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ، اور اللہ تعالٰے راضی نہیں، اس لیے کہ محبتِ الٰہی مخصوص ہے صرف توبہ کرنے والوں کے ساتھ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ○ ناشکرے اور اثیم یعنے محرمات کے ارتکاب میں منہمک ہونے والے سے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، بے شک وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالٰے اور اس کے رسول پر اور ان احکام کو بھی مانتے ہیں جو اللہ تعالٰے کی طرف سے آئے ہیں۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، اور انھوں نے نیکیاں اور طاعات بجالائیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ، اور انھوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی۔

سوال: نماز اور زکوٰۃ کی تخصیص کیوں، حالانکہ وہ بھی تو الصالحات میں داخل تھیں؟

جواب: اس لیے کہ ان دونوں عبادات و اعمال صالحہ پر فوقیت و برتری حاصل ہے۔

لَهُمْ اَجْرُهُمْ، اور جو ان سے وعدے کیے گئے ہیں انھیں وہی اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ ان کا حال یہ ہے، عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، کہ ان کے رب کے ہاں ان کا بڑا اجر ہے اور انھیں آنے والی تکلیف سے کوئی خوف نہیں۔ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اور نہ انھیں محبوب شے کے فوت ہونے پر غم ہے

سود خوار کی ایک مثال سود خوار کا حرص دنیا میں ایسے ہوتا ہے جیسے وہ بیمار جسے جوع الکلب کی بیماری ہو وہ کھاتا تو ہے لیکن وہ سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھول کر بوجھل ہوجاتا ہے پھر جب وہ اٹھتا ہے تو اس کا پیٹ بوجہ بوجھ اسے پچھاڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ منہ کے بل گر جاتا ہے، کچھ یہی کیفیت قیامت میں سود خوار کی ہوگی۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

تواں بحلق فرو بردن استخوان درشت
ولے شکم بدرد چوں بگیرد اندر ناف

ترجمہ: ہڈی حلق سے اتارنا تو آسان ہے لیکن جب ہڈی ناف تک پہنچے گی تو پیٹ پھاڑ دے گی۔

سبق عاقل کو چاہیے کہ وہ ایسی شے نہ کھائے کہ جس کا دنیا و آخرت میں بوجھ نہ اٹھا سکے۔ مبارک ہو اس شخص کو جو دنیوی کاروبار میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور اسے ناحق حاصل کرنے پر اسے حرص نہیں ابھارتا، وہ دنیا کے ہر وبال سے نجات پائے گا۔ اس کی مثال اس تاجر کی ہے جو مال بطریق بیع و شراء کے حاصل کر کے اس کا حق ادا کرتا ہے۔ اگرچہ مال کی طلب اور اس کے جمع کرنے کا حرص ہو لیکن اسے بامر شرع اور بطریق حلال حاصل کرتا ہے اور صاحب حق سے حق منع نہیں کرتا تو اسے وہ مال سود خوار کی طرح نقصان نہیں پہنچاتا۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خون کی خرید و فروخت اور حرام کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کے کاتب اور اس کے گواہوں اور داغ لگانے اور لگوانے والے اور ذوٹو بنانے اور بنوانے والے پر لعنت فرمائی ہے[1]

حدیث شریف: سود کے کئی اور ستر باب ہیں۔ اس کے ادنیٰ درجہ کا اتنا گناہ ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے یعنی اس کا گناہ ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔ (العیاذ باللہ)

ف: جو شخص یہ سنے اسے چاہیے کہ یہ حکم سن کر توبہ کے لیے اپنے رب کریم کا جلد از جلد دروازہ کھٹکائے لیکن یہ وہ کرے گا جسے قلب سلیم حاصل ہوا ور حق سننے کے کان رکھتا ہے۔

مسئلہ: جو کسی کو قرض اس شرط پر دیتا ہے تو وہ اسے اس سے افضل شے دے گا تو یہ نفع گیری ہے اور جس قرض میں نفع گیری ہو وہ سود میں داخل ہے۔

---

[1] حاشیہ صفحہ نمبر ۳۱۸ پر

کا جواب محذوف ہے گویا عبارت یوں تھی:

ان کنتم تعلمون انه خیر لکم عملتموه (یعنی اگر تمھیں معلوم ہوتا کہ وہ تمھارے لیے بہتر ہے تو تم اس پر عمل کرتے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"جس کا کسی پر قرض ہو اور قرضہ لینے کی میعاد آگئی ہو پھر وہ اپنے مقروض کو مہلت دے دے تو اس کے لیے ہر روز صدقہ ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"جس نے اپنے تنگدست مقروض کو مہلت دی یا اُسے قرضہ بخش دیا تو اللہ تعالےٰ اسے یوم قیامت کی تکلیفوں سے نجات دے گا۔

قرض دینے کے فضائل: قرض دینے کے بہت زیادہ فضائل ہیں۔ منجملہ ان کے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے خواب میں بہشت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے سے دس گنا اور قرض دینے سے اٹھارہ گنا زائد ثواب ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ تو جواب ملا اس لیے کہ بسا اوقات صدقہ غنی کو بھی (غلطی سے عمداً) دیا جاتا ہے لیکن قرض تو لیتا ہی وہی ہے جسے سخت محتاج ہو۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین اعمال ایسے ہیں کہ جو بھی انھیں قیامت میں لائے گا تو بہشت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو اور جنتی حوروں سے چاہے نکاح کرلے۔ وہ اعمال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قاتل کو معافی دینے والا

۲۔ ہر فرض نماز کے بعد گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھنے والا

۳۔ ضرورت مند قرض مانگنے والے کو قرض دینے والا

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگرچہ ان میں سے کسی ایک عمل کو بھی کرے۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ ان میں سے ایک عمل بھی ساتھ لائے تو بھی وہی اجر ملے گا۔

مسئلہ: تین شخصوں کے لیے قرض لینا جائز ہے:

(۱) اللہ تعالےٰ کے راستہ میں جہاد کے وقت اگر قوت میں کمزوری واقع ہو۔

(۲) جو شخص قلیل مال چھوڑ کر مرے۔ اس کے کفن دفن کے لیے جب کہ وہ قلیل مال اس کی تجہیز و تکفین

کو پورا نہ کر سکے۔

۳ اپنے نکاح کے لیے جب سمجھے کہ اگر میں ایسا رہا تو عصمت محفوظ نہیں رہ سکے گی اور بلا نکاح رہنے میں گناہوں کا خوف ہو تو ایسے ضروریات کے لیے اللہ تعالیٰ پر سہارا کر کے قرض لے لے تو اللہ تعالیٰ اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے بہتر اسباب بنا دے گا۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"جو قرضہ اس نیت پر لیتا ہے کہ اسے ادا کرے گا تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے فرشتے مقرر کرتا ہے تاکہ اس کی حفاظت کریں اور اس کے لیے دعا مانگتے رہیں یہاں تک کہ وہ قرض ادا کرے"۔

نکتہ: اسلاف رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے بعض حضرات اس لیے بلا ضرورت قرض لیتے تاکہ ملائکہ کرام کی دعا نصیب ہو۔

مسئلہ: جب بھی قرض کی ادائیگی کی قدرت میسر ہو تو فوراً ادا کرے اگرچہ ابھی میعاد باقی ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہادت سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے قرض کے۔ ایسے ہی تین بار کہا۔

سبق: سالک کو چاہئے کہ تمام قرضہ جات کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرے اور ڈرے اس دن سے جب کہ قرض والوں کا بُرا حال ہوگا۔

نکتہ: قرض کی ادائیگی کا اس شخص کو خیال ہوگا جو فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اور جو شخص فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا اور غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے وہ قرضہ جات کی ادائیگی میں کیا فکر کرے گا۔

اس لیے کہا گیا ہے ؎

دامش مدہ آنکہ بے نماز است
ورخود دھنش ز فاقہ باز است
کو فرضِ خدا نمے گذارد
از قرضِ تو نیز غم نہ دارد

ترجمہ: اسے قرض نہ دے جو بے نماز ہے اگرچہ بھوک سے اس کا منہ کھلا ہوا ہے، جب وہ فرضِ خدا ادا نہیں کرتا تو وہ تیرا قرض خاک ادا کرے گا۔

سبق اس زمانہ کے لوگوں کا حال زمانہ کی پراگندگی کی طرح پراگندہ ہے۔ مبارک وہ ہے وہ شخص جو اپنے اوقات کو قناعت سے بسر کرتا ہے۔ مومن حقیقی کے شرائط میں ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے ڈرتا رہے۔ امر دین میں جن چیزوں کی ضرورت نہیں ان سے اپنی توجہ ہٹا لے۔ بلکہ وہ ہر آن اس مشغلہ میں رہے کہ دینی امور میں

اسے ترقی حاصل ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: انسان کے اسلام کے حسن کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ لایعنی امور کو ترک کرے۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا - یوماً منصوب ہے ظرف کی وجہ سے۔ اصل عبارت یوں تھی:

واتقوا عذاب اللہ یوماً (اور اس دن کے عذابِ الٰہی سے ڈرو)۔

یا مفعول بہ ہے جیسے اللہ تعالےٰ کے ارشادِ گرامی "فکیف تتقون ان کفرتم یوماً" میں یوماً مفعول بہ ہے۔ اس کا معنٰے یہ ہے کہ تم کفر کرتے ہو تو پھر ایسے دن سے کیوں نہیں ڈرتے، جس دن کی صفت ایسی ایسی ہے۔

تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ - بصیغہ مجہول۔ رجع سے مشتق ہے یعنی اس دن کی طرف رجوع کروگے۔ **اِلَی اللّٰہِ**، اللہ کی طرف اپنے اعمال کا محاسبہ کرکے۔ **ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ**، پھر ہر نفس کو۔ نفس بمعنے نفوس۔ اس کی جزا مکمل طور پر دی جائے گی۔ **مَا کَسَبَتْ**، وہ جو اس نے عمل کیا یعنے اس کے عمل کی جزا اسے ملے گی اچھی یا بُری۔ **وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ○** اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے یعنی ان کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔ اور ان کے عذاب میں کسی قسم کا اضافہ نہ ہوگا۔ اور یہ کل نفس سے حال واقع ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ وہ سزا یافتہ ہوں گے اور ان کی سزا دائمی ہوگی لیکن ان پر اس کے متعلق ظلم نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ان کی یہ شامت ان کے اپنے اعمال کی ہوگی۔

فائدہ تفسیریہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ سب سے آخری آیت ہے یہاں تک کہ اس کے بعد حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سات یا نو دن، اکیس یا اکیاسی دن یا صرف تین ساعات زندہ رہے اس کے بعد وصال ہوگیا۔ اور انھیں جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے سورہ بقرہ کی دو سو اسی (۲۸۰) آیتوں کے بعد رکھئے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے اور پیر کے دن وصال فرمایا اور پیر کے دن ہی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ اٹھارہ دن آپ بیمار رہے۔ لوگ آپ کی طبع پرسی کے لیے آتے رہے۔ آپ کے آخری کلمات یہ تھے:

"الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم الصلوٰۃ، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔" (نماز قائم کرنا اور ان کو بھی تاکید کرنا جو تمھارے قبضہ میں ہیں ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹیں گے)۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"جسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ میری مصیبت کو یاد کرے۔ اس لیے کہ تمام مصیبتوں میں سے سب سے بڑی میری مصیبت ہے۔"

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"میری امت میں سے جس کے دو بچے فوت ہوئے تو اللہ تعالٰے ان کے سبب سے اسے بہشت میں داخل فرمائے گا۔ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! اگر کسی کا ایک بچہ فوت ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا: اے موفقہ![1] (اللہ تعالٰے کی نیک توفیق دی ہوئی) اگرچہ اس کا ایک بچہ بھی فوت ہوا تو بھی بہشت میں جائے گا۔ پھر بی بی نے عرض کیا: اگر کسی کا کوئی بچہ نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا: پھر میں اپنی امت کو بخشوانے کو کافی ہوں۔ اللہ تعالٰے جس امت کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت کے لیے نبی (علیہ السلام) کو امت سے پہلے فوت کر دیتا ہے اور پھر میرے جیسا کسی امت کو کوئی نبی نصیب ہو گا۔ اللہ تعالٰے نے میرے لیے فرمایا ہے:
"وما ارسلناك الا رحمة للعالمين" یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیات و ممات ہر دو نوں امت کے لیے رحمت ہی رحمت ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"جب اللہ تعالٰے کسی امت پر رحمت کا ارادہ کرتا ہے تو اس امت کے نبی علیہ السلام کو ان کی امت سے پہلے فوت کر دیتا ہے۔ پھر اس نبی علیہ السلام کو اس امت کی بخشش کا بہتر سبب بنا دیتا ہے۔ کسی انصاری صحابی نے حضور علیہ السلام کے وصال پر یوں عرض کیا ؎

الصبر يحمد في المواطن كلها
الا عليك فانه مذموم

ترجمہ: صبر ہر مقام پر محمود ہے لیکن آپ کے وصال پر تو وہ مذموم ہے۔

ف: اللہ تعالٰے نے قرآنی مضامین کا خلاصہ اس آیت میں جمع فرمایا ہے اور اس آیت کو خاتم الوحی بنایا ہے جیسے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کردہ کتاب کو جمیع انبیاء علیہم السلام کی کتابوں کا خلاصہ بنایا ہے اور اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کے اخلاق جمع فرمائے ہیں۔

ف: تمام آسمانی کتب کا خلاصہ اور اس تمام فوائد جو حضرتِ انسان کو نصیب ہوئے ہیں۔ اس کے دو معنے ہیں:

① درکاتِ سفلیہ سے نجات

② درجاتِ علیا میں کامیابی۔

پس اس کی نجات اس میں ہے کہ وہ درکاتِ سفلیہ سے نکل جائے اور درکاتِ سفلیہ یہ ہیں:

---

[1]: بی بی صاحبہ کو اسی پیارے لفظ سے متقرب فرمایا۔

①	کفر	②	شرک
③	جہل	④	معاصی
⑤	اخلاق مذمومہ	⑥	اوصاف کے پردے
⑦	نفس کے حجابات ۔		

اور کامیابی یہ ہے کہ درجات علیا میں کامیابی پائے۔

درجات علیا آٹھ ہیں :

①	المعرفۃ للہ	②	التوحید للہ
③	العلم	④	طاعات اخلاق حمیدہ
⑤	جذبات الحق	⑥	اپنی انانیت سے فانی ہونا
⑦	اس کی ہویت کی بقاء	⑧	فنا کے بعد بقا کا حصول

پس یہ آیت اجمالی طور پر ان تمام مجموعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں ہے : واتقوا یہ لفظ شامل ہے اس کو جو سعی انسانی کے امکان پر ان معانی میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتی ہو۔ اس لیے کہ حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کرے جو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہیں اور ان امور کو عمل میں لائے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب بنیں۔ اس کی دلیل یہ ہے جو کہ قول نبی میں ہے : جماع التقوی ..... الخ

تقویٰ کا مجموعہ اس آیت قرآنی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان ..... الخ اس معنے پر یہ بھی تقویٰ میں شامل ہے کہ سالک درکاتِ سفلی سے بچ جائے اور درجاتِ علیا میں ترقی حاصل کرے۔

تفسیر صوفیانہ

عوام کا تقویٰ ہے معرفتِ الٰہی کے کفر سے اور توحید کے شرک سے اور جہل بھرے علم سے اور طاعت نما گناہوں سے اور اخلاق محمودہ کے پردے میں اخلاق ذمیمہ سے بچنا اور یہاں پر عوام کی سیر ختم ہوتی ہے، کیونکہ کسب انسان کی انتہا اور مجتہدین کی جدوجہد۔ آیۃ "جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" کے شرائط قائم کرنے میں ہے۔ پس یہاں سے خواص کا تقویٰ شروع ہوتا ہے۔ خواص سے وہ مجذوب مراد ہیں جو لنھدینھم سبلنا کے جذبات سے سرشار ہیں۔ پس ان کے جذبات انھیں اوصاف کے حجابات سے نکال کر صفات حق کے تجلی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں پر خواص کا سلوک ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ سایۂ سدرۃ المنتہٰی کے تلے آرام فرما ہوتے ہیں۔ وہاں پر جنۃ الماویٰ اور اذ یغشی السدرۃ ما یغشی کے مواہب سے نفع پاتے ہیں اور خاص الخواص کا تقویٰ اور

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۲۰ پر)

يَٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ
كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ
بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا
الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا
اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا
تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ
فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَ
لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم ایک مدت تک ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور چاہئے کہ
تمہارے مابین لکھنے والا انصاف سے لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ تعالیٰ
نے علم دیا ہے تو چاہیئے کہ وہ لکھے اور جس کے ذمہ حق ہے چاہیئے کہ وہ لکھائے اور اپنے اللہ سے
ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور حق میں ذرہ برابر کمی نہ کرے پھر جس پر حق ہے اگر وہ بے وقوف یا
عاجز ہو یا لکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کا متولی ٹھیک ٹھیک لکھائے اور اپنے مردوں میں سے
دو گواہ کر لو پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جنھیں تم پسند کرو یہ کہ ان میں ایک
عورت بھولے گی تو اس ایک کو دوسری یاد دلائے گی اور جب گواہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں،
اور میعاد مقررہ تک لکھت سے ملال نہ کرو، معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ
انصاف کی بات ہے اور گواہی کو قائم رکھنے والی ہے اور اس سے قریب تر ہے کہ شبہ میں نہ پڑو
مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جو ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہو تو اس کے نہ لکھنے کا
تم پر کوئی گناہ نہیں اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لو اور نہ کسی لکھنے والے کو نقصان دیا جائے نہ

گواہ کو، اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارا فسق ہو گا اور اللہ تعالٰی سے ڈرو، اور اللہ تعالٰی سکھاتا ہے اور اللہ تعالٰی سب کچھ خوب جانتا ہے اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ ملے تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا اگر تم میں ایک، کو دوسرے پر اعتماد ہو تو وہ جسے اس نے سمجھا تھا اپنی امانت ادا کرے اور اللہ تعالٰی سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اس کا دین گنہگار ہے اور اللہ تعالٰی تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۱۸)

جذبۂ فرف عنایت سے ہوتا ہے وہ ما زاغ البصر وما طغٰی سے حاصل ہوتا ہے جو سدرۃ المنتہٰی الاوصاف شروع ہو کر حجت نفس کے انتہار اور انوار القدس کی ابتدار تک پہنچتا ہے۔ اسی مقام کے لیے ہے ؛ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔

تحقیق تقوٰی سے ہی حقیقت ایمان نصیب ہوتا ہے۔ اب مطلب یوں ہوا کہ واتقوا یعنے جاهدوا ...الخ یعنے ہمارے متعلق جہد اور طاقت صرف کرتے ہیں۔ یوما ای یوم... الخ یعنے اس دن کے لیے فیه اس میں نهدینهم سبلنا ہم جذبات عنایت سے ہدایت دیں گے اور ترجعون الی اللہ اس میں اشارہ ہے کہ چونکہ تمہارا آغاز وہاں سے ہوا تھا، اس لیے اب رجوع بھی اسی طرف ہے۔ اللہ تعالٰی ہم سب کو جمع و یقین کا مقام نصیب فرمائے اور تحقیق و تمکین کے لطائف سے مشرف فرمائے۔ وہی معین و مددگار ہے اور اپنے نیک بندوں میں سے جس کے لیے چاہے رحمت فرماتا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۱۱۹)

تفسیر عالمانہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم، اے ایمان والو! جب تم کسی کو قرض دو یعنے جب تمہارا بعض کو قرض دے اور اس کے ساتھ ادھار کا معاملہ کرے اس کا محاورہ وہی ہے جو اہل عرب نے کہا: "بايعته"۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب تم کسی کے ساتھ بیع کرو یا وہ تمہارے ساتھ بیع کرے۔

سوال: جب دین کا معنے تداینتم سے حاصل ہوتا ہے پھر اسے دوبارہ لانے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب (۱): تاکہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ تداین بمعنے مجازاۃ ہے کہ یہ ایسے قرض دے کہ دوسرا بھی اسے قرض دے بلکہ یہاں پر تداینتم تجریدًا مستقل ہے۔

۲ تا کہ تنبیہ ہو کہ قرضہ کئی قسم کا ہوتا ہے مثلاً عاجل اور آجل، میعادی اور غیر میعادی۔

۳ تا کہ معلوم ہو کہ لین دین لکھنے کا موجب یہی دین ہے۔

۴ تا کہ فکتبوہ کی ضمیر کا مرجع معین ہو جائے۔

اِلٰٓى اَجَلٍ۔ تداینتم کے متعلق ہے۔ مُّسَمًّى مقرر شدہ ایام تک یا مہینے یا سال وغیرہ وہ تاریخ جو علم کا فائدہ دے اور جہالت دور کرے۔

مسئلہ: قرض کی میعاد کھیتی کاٹنے یا اناج صاف کرنے یا حجاج کی واپسی وغیرہ مقرر کرنا ناجائز ہے اس لیے کہ ایسی تاریخیں جہالت کو دفع نہیں کرسکتیں۔

فَاكْتُبُوْهُ ط پس اسے لکھ لو یعنے قرضہ اور اس کی میعاد کو کیونکہ یہی لکھنا زیادہ معتبر اور جھگڑا مٹانے والا ہے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک قرضہ کا لکھنا مستحب ہے۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ۔ اور چاہیئے کہ تمہارے مابین لکھنے والا لکھے۔ اس میں ماموربہ کے لکھنے کی کیفیت اور جس پر امر کا اثر واضح ہوگا۔ اس کی اجمالی تعین کا بیان ہے۔

ف: بینکم میں اشارہ ہے کہ کاتب ایسا ہو کہ ہر دونوں کے درمیان بلا لحاظ احد سے تحریر کرے۔ اور دونوں کی باتیں لکھے نہ کہ ایک کی بات لکھے اور دوسرا رہ جائے۔

بِالْعَدْلِ، عدل و انصاف سے۔ یعنے کاتب عدل و انصاف سے تحریر کرے، مطلب یہ ہے کہ تحریر کرنے والا ہو تو اس کی ڈیوٹی یہ ہو کہ وہ برابر کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر تحریر کرے۔ اس کا میلان قلبی صرف ایک طرف نہ ہو، نہ وہ کسی ایک کے معاملہ میں زیادتی کرے اور نہ کمی۔

مسئلہ: یہ حکم لین دین کرنے والوں کو ہے کہ وہ اپنی تحریر کے لیے ایسے آدمی کو منتخب کریں جو دینی مسائل پر پورا عبور رکھتا ہو اور اپنی تحریر شرع شریف کے حکم کے مطابق لائے اور ایسی معتمد علیہ کہ جس کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اور نہ ہی لکھنے والا انکار کرے۔ اَنْ يَّكْتُبَ کہ وہ دین کی تحریر ایسی کرے۔ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ جیسے اسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے یعنے اس طریقے پر لکھے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے کتب الوثائق سے علم دیا ہے۔

فَلْيَكْتُبْ ج پس چاہیئے کہ وہی تحریر کرے یعنے اس طرح لکھے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور انکار کرنے سے روکا گیا ہے۔ یہ جملہ اس کی تاکید ہے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ۔ الاملال بمعنے الاملاء یعنے لکھنے کے لیے جو اس پر حق بنتا ہے یعنی جس نے قرضہ لیا ہے کیونکہ وہی مشہود علیہ ہے۔ پس ضروری ہے کہ تحریر میں اس کا اقرار تحریر کرے۔ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ، اور چاہیئے کہ وہ اپنے رب سے ڈرے۔

سوال: اس جملہ میں اللہ اور لفظ ربّہ کو کیجا کیوں لایا گیا ہے؟
جواب: تاکہ تحذیر میں مبالغہ ہو یعنے چاہیئے لکھنے والا ڈرے نہ کہ کاتب۔
جیسا کہ قولِ باری تعالٰے ہے:
وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ یعنے اس سے جو کاتب لکھوا رہا ہے اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرے۔ شَيْـًٔا، کسی شے میں اس سے وہ شے مراد ہے کہ جس میں کمی کرنے کا معنے نکل سکتا ہو اور کاتب سے زیادہ کرنے کا بھی احتمال ہے اور کمی کا بھی۔
سوال: اس میں لکھانے والے پر اتنی سخت پابندیاں کیوں، مثلاً پہلے اسے اتقاء کا حکم ہے پھر اسے بخس سے روکا گیا ہے ان دونوں امروں کو کیوں جمع کیا گیا ہے؟
جواب: اس لیے کہ اس میں منہی عنہ کے ارتکاب کے اسباب پائے جاتے ہیں اس لیے کہ انسان فطرتی طور پر چاہتا ہے کہ وہ ضرر سے بچے اور جو اس کے ذمہ ہے وہ یا تو سرے سے نہ ہو یا ہو تو بالکل کم۔
فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا، پس اگر وہ کہ جس پر حق ہے وہ بے وقوف ہو یعنے ناقص العقل فضول خرچ اور حد سے زائد خرچ کرتا ہو۔ اَوْ ضَعِيْفًا، یا کمزور ہو مثلاً، لڑکا ہو یا بوڑھاپے کا رہو۔ اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ، یا وہ لکھوانے کی طاقت نہیں رکھتا یعنی وہ خود بخود لکھوانے سے عاجز ہے مثلاً: گونگا ہے یا غیر واقف یا جاہل یا اسی طرح کے اور عوارض۔ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ پھر چاہیئے کہ اس کا متولی اس کی طرف سے لکھوا دے۔ متولی سے وہ شخص مراد ہے جو اس کے جملہ امور کا منتظم ہے یا اس کے قائم مقام ہے مثلاً: یا اختیار متولی یا وکیل یا مترجم وغیرہ وغیرہ۔ بِالْعَدْلِ انصاف کے طور پر جس میں نہ کمی ہو اور نہ زیادتی۔
وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ، اور ان سے دو گواہ طلب کرو تاکہ وہ صحیح صحیح باتیں بتا سکیں جو تمھارے درمیان لین دین کا معاملہ طے ہوا۔
سوال: ابھی تو انھیں گواہ بنایا جائے گا لیکن قبل از وقت انھیں گواہ کے نام سے کیوں موسوم کیا گیا؟
جواب: مایؤول کے اعتبار سے کہ جو شخص جس صفت سے موصوف ہوگا۔ اسے ابھی واقعتاً موصوف قرار دے کر نام رکھ دیا جاتا ہے۔
مِنْ رِّجَالِكُمْ، تمھارے مردوں میں سے۔ یہ استشھدوا کے متعلق ہے یعنی وہ گواہ دیندار اور آزاد اور بالغ اور مسلمان ہوں اس لیے کہ کلامِ الٰہی کے معاملات میں چل رہا ہے۔
مسئلہ: عبارۃ النص کے لحاظ سے شرعی خطابات غلاموں کو شامل بھی نہیں۔
مسئلہ: جب قرض کا لین دین کفار سے ہو یا یہ کہ جس پر حق بنتا ہے وہ کافر ہے پھر ایسی صورتوں میں ہمارے نزدیک کافروں کو گواہ بنانا جائز ہے۔

فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا ، پس اگر نہ ہوں وہ گواہ ۔ یہ نفی الشمول سے ہے نہ کہ شمول النفی سے ۔ رَجُلَیْنِ ، دو مرد ۔ یا ان کے کمیاب ہونے سے یا کسی اور سبب سے ۔ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ۔

مسئلہ : اموال میں بالاجماع عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ جائز ہے لیکن حدود و قصاص میں جائز نہیں ۔ ان میں صرف مرد گواہی دیں گے ۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ ، ان میں سے جنھیں تم پسند کرتے ہو اس کا متعلق محذوف ہے اور یہ جملہ فرجل وامراتان کی صفت ہے ۔

اصل عبارت یوں ہے :

کائنون مرضیون عندکم ..... الخ یعنے وہ تمھارے نزدیک پسندیدہ ہوں ۔ پھر صرف اس صورت کی

سوال : پھر صرف اس صورت کی تخصیص کیوں ؟

جواب : چونکہ اس صورت میں عورتوں کی شمولیت ہے اس لیے ان کی پسندیدگی کی شرط واضح طور پر کی گئی ۔ کیونکہ اکثر ان میں گواہی کی اہلیت نہیں رکھتیں ۔

مِنَ الشُّهَدَآءِ ، اس کا متعلق بھی محذوف ہے اور یہ ضمیر محذوف (جو اسم موصول کی طرف راجع ہے) سے حال ہے ۔ اصل عبارت یوں ہے :

کائنین من بعض الشھدآء یعنے جنھیں تم گواہ بنانا چاہتے ہو ۔ ان میں بعض ایسے ہوں گے جنھیں تم گواہی کے لیے پسند کروگے ۔ اس لیے کہ تمھیں ان کی اہلیت اور ان پر تمھارا اعتماد صرف تمھیں معلوم ہے ۔

سوال : شھدآء صیغہ جمع مذکر کا ہے اور گواہوں میں عورتیں بھی شامل ہیں ۔ پھر اس صیغہ سے عورتیں شامل ہوگئیں ؟

جواب : جمع کا صیغہ تغلیباً ہے اور یہ تغلیب عام چلتی ہے ۔

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ، جو دو عورتیں گواہی دے رہی ہیں ان میں سے ایک بھول جائے گی ۔ فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ تو ان میں سے ان کی دوسری یاد دلائے گی ۔ اس میں عورتوں کی گواہی میں تعدد کی علت بتانا مطلوب ہے ۔

سوال : حقیقۃً اس کی تذکیر (یاد دلانا) اسے چھوڑ کر اسے ضلال کو کیوں علت قرار دیا گیا ہے ؟

جواب : واقعی تذکیر ہی علت ہے لیکن اس کا سبب ضلال (بھولنا) ہے ۔ چونکہ تذکیر کا سبب ضلال ہے اس لیے ضلال کو تذکیر کے قائم مقام لایا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے :

"اعددت السلاح ان یجیء عدو فادفعہ "

اس مقولے میں ہتھیاروں کی تیاری دشمن کے دفعیہ کے لیے ہے نہ کہ اس کے آنے کے لیے لیکن چونکہ آنا سبب ہے

اس لیے مقدم کیا گیا ہے، ورنہ ان یہی تقدیم کا حق نہیں رکھتا۔ اب عبارت یوں ہوگی:

لاجل ان تذکر احداھما الاخری ان ضلت الشھادۃ بان نسیت۔ یعنے گواہی میں عورتوں کی تعداد اس لیے ہے کہ دوسری کو یاد دلائے گی جب کہ دوسری گواہی سے بھولنے لگے گی۔

ربط: اس مضمون کے بعد اب گواہوں کو گواہی دینے پر ترغیب ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوا ؕ اور گواہوں کو انکار نہ کرنا چاہئے۔ جب انھیں گواہی کے ادا کرنے یا گواہ بننے کے لیے بلایا جائے۔

ف: ما اذا ما دعوا میں زائدہ ہے۔

وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا، اور نہ ہی اس میں ملال کرو جب کہ قرض کے معاملات بکثرت ہوں۔ اَنْ تَكْتُبُوْهُ، اس سے تم اسے لکھو۔ یہاں ضمیر کا مرجع دین یا حق یا کتاب ہے۔ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا۔ یہ ان تکتبوہ کی ہا ضمیر سے حال واقع ہے یعنے وہ قرض قلیل ہو یا کثیر، مجمل ہو یا مفصل۔ اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ اس کا متعلق محذوف ہے اور یہ بھی ان تکتبوہ کی ہا ضمیر سے حال ہے اور محذوف مستقرا ہے یعنی مقروض کے جو کچھ ذمہ ہے اسے اس کے اقرار کے مطابق میعاد مقرر کردہ لکھ لو۔ ذٰلِكُمْ، اے مومنو! تم مقرر کردہ میعاد لکھ لینا۔ اَقْسَطُ، زیادہ اچھا اور موزوں ہے۔ عِنْدَ اللّٰهِ، اللہ تعالٰی کے ہاں یعنے اس کے حکم میں۔ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ، اور گواہی دینے اور اسے قائم رکھنے کے لیے زیادہ ثابت اور معین و مددگار ہے وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا، اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم شک میں نہ رہو یعنے تمھارے شک کو دور کرنے کے لیے یہی طریقہ قریب تر ہے کہ اس میں یقین ہوگا کہ قرضہ کونسی شے ہے اور اس کی کتنی مقدار ہے اور اس کی میعاد کیا ہے اور اس کے کون کون گواہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ، ہاں وہ تجارت تمھارے درمیان چلتی رہتی ہے۔ یہ کتابت سے استثنا منقطع ہے یعنی ہاں تمھارا لین دین یا تجارت ایسی ہو کہ دونوں بدل (لینا دینا) حاضر موجود لین دین دست بدستی ہو۔ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اسے نہ لکھو یعنے تم پر نہ لکھنے کا گناہ ہے کیا جب کہ نقدی سودا ہے اس میں نہ جھگڑنے کا خطرہ اور نہ بھولنے کا۔ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ اور جب ایک دوسرے کے ساتھ بیع کا لین دین کرو تو گواہ بناؤ۔ یہی تجارت مطلوب ہے یا ہر قسم کا لین دین اس لیے کہ گواہ بنانا احتیاطاً ہے۔

ف: اس آیت میں تمام عند الجمہور ہے۔

وَلَا يُضَآرَّ۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ معلوم کا صیغہ ہے یا مجہول کا۔ اگر معلوم کا ہو تو یہ نہی کاتب کے لیے ہے کہ جب اسے لکھنے کے لیے بلایا جائے تو کام بنا دے۔ اس میں بلانے والوں کو نہ لکھ دینے سے ضرر نہ پہنچائے اسی طرح تحریف اور زیادتی اور کمی نہ کرے یعنے نہ رکے۔

کَاتِبٌ، لکھنے والا کتابت مقصودہ سے۔ وَلَا شَهِيْدٌ ؕ اور نہ رکے گواہ شہادت معلومہ کے ادا کرنے سے اور اگر لایضار بصیغہ مجہول ہو تو پھر کاتب اور گواہ کو نقصان دینے سے روکا گیا ہے۔ جب کہ وہ کسی ضروری کام میں مشغول ہوں۔ اور دوسرا بھی کام کے لیے تمھیں مل جاتا ہے تو خواہ مخواہ کتابت و گواہی کے لیے ان کا وقت ضائع کر کے انھیں دکھ نہ پہنچائے۔

وَاِنْ تَفْعَلُوْا، اور اگر تم ارتکاب کرو گے اس کا کہ جس سے تمھیں روکا گیا ہے۔ فَاِنَّهٗ، بے شک تمھارا یہی عمل۔ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ اطاعتِ الٰہی سے خروج ہو گا اور فساق سے منصور ہو گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اور اللہ تعالٰے سے ڈرو۔ اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت سے۔ منجملہ ان کے ایک یہی نقصان پہنچانا بھی ہے۔ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ اور اللہ تعالٰے تمھیں اپنے احکام (کہ جن میں بے شمار حکمتیں ہیں) سکھاتا ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالٰے ہر شے کو جانتا ہے۔ تمھارے احوال اس سے مخفی نہیں۔ اور وہ تمھیں ان کی جزا دے گا۔

یہ آیت قرآن مجید کی تمام آیات سے مسئلہ کی تشریح کے لحاظ سے طویل اور وجوہ کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے واضح ہوا کہ حقوق العباد کی رعایت واجب ہے۔

مسئلہ: امور دینی ہوں یا دنیوی اموال پر احتیاط لازم ہے۔

نتیجہ: جو شخص حق کے لیے سعی کرتا ہے وہ نجات پا گیا ورنہ گمراہی کے گڑھے میں پھنسا۔

ے

کسے را کہ سعی قدم بیشتر
بدرگاہ حق منزلش بیشتر

ترجمہ: جس کے سعی کے قدم بڑھے ہوتے اس کی درگاہ حق میں منزل بھی بہت بڑی ہے۔

خلاصۃ التفسیر مع تفسیر صوفیانہ اللہ تعالٰے کو اپنے پر کمال رحمت ہے اسی لیے انھیں ان کے معاملات کے طریقے بتائے تاکہ وہ ایک دوسرے پر تجاوز و ظلم نہ کریں اور نہ ہی آپس میں جھگڑیں اور لڑیں، تاکہ ان کا آپس میں حسد، کینہ اور بغض نہ بڑھے۔ اسی لیے فرمایا کہ حقوق کو کتابت کر کے اور گواہ بنا کر معاملہ کو پختہ کر لو پھر گواہوں کو حکم فرمایا کہ ان معاملات میں گواہی سے گریز نہ کرو۔ اسی طرح پھر جب گواہی دینے کا وقت آئے تو ایمانداری سے گواہی دیں۔ اسی طرح کاتب کو حکم فرمایا کہ ایسے ہی لکھو جیسے تمھیں اللہ تعالٰے نے علم دیا ہے۔ ان امور میں کئی طرح اور بے شمار دقائق پوشیدہ ہیں جن کا اجمالی بیان ہوا ہے کہ یہ دقائق تین احوال پر منقسم ہیں:

① حال اللہ مع عبادہ

② حال العباد مع اللہ

③ بندوں کا آپس میں معاملہ۔

① حال اللہ مع عبادہ :

اپنے الطاف کریمانہ کے آثار اپنے بندوں پر ظاہر کرتا ہے یہ اس کا کرم ہے کہ انھیں ان کے دنیوی امور اور اس کے معاملات سکھائے تاکہ دنیوی امور میں کسی قسم کا خسارہ نہ ہو اور نہ ہی ان کی آپس میں بغض و عداوت بھڑک اٹھے کہ جس سے ان کا عیش منغص ہو اور آخرت کا عذاب اٹھا۔

اس سے بندوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالٰے کے جتنے احکام شرعیہ لازم ہوئے ہیں وہ بھی بندوں کے لیے رحمت اور کمال مشفقت پر مبنی ہیں کہ بندوں پر لازم لائے تاکہ ان کی ادائیگی سے ان پر فیضان الٰہی کی بارش ہو۔ چنانچہ خود اللہ تعالٰے نے فرمایا :

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمۃ علیکم۔ الآیۃ

② حال العباد مع اللہ :

یہ بندوں کو متنبہ کرنا ہے کہ ان دقائق کی رعایت صرف دنیوی امور کی بہبودی کے لیے ہے اور اخروی امور میں بھی بندوں اور معبود کے درمیان بے شمار دقائق ہیں۔ ان کے لیے بھی بندوں سے حساب ہوگا اور ان کے متعلق اچھی بات پر بندوں کو ذرہ ذرہ پر ثواب ملے گا اور ذرہ ذرہ کی بُرائی پر عذاب ہوگا بلکہ دنیوی امور کی رعایت سے اُخروی امور کی رعایت زیادہ اہم و ضروری ہے۔ جیسے اللہ تعالٰے نے بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ تم اپنے معاملات لکھ لیا کرو۔ اور ان پر نیک لوگوں کو گواہ بنا لیا کرو۔ اسی طرح میثاق میں جو بندوں سے معاملہ ہوا تھا اس نے بھی لکھ لیا تھا۔ چنانچہ فرمایا :

"ان اللہ اشتریٰ من انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ ۔"

اس پر بندوں سے معاہدہ ہوا اور اس پر ملائکہ کرام کو گواہ بنایا اور اسے ایک عہد نامہ پر لکھ کر ایک بہشت کے یاقوتی پتھر (حجر اسود) میں امانت رکھ دیا۔

③ بندوں کا آپس کا معاملہ :

خیال کیجئے جب اللہ تعالٰے بے پرواہ ہو کر ہمارے ساتھ نرمی اور لطف و کرم کا معاملہ فرمایا ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم آپس میں نرمی اور رحمت و شفقت سے پیش آئیں۔ ہم اپنے مالک کے طریقوں کو اپنائیں بلکہ انہی نیک عادات کو اس بارگاہِ لایزال کا وسیلہ بنائیں۔ جب بندے آپس میں موافقت و مخالفت کا معاملہ کریں

تو انھیں چاہیئے کہ وہ حدودِ الٰہی کی پابندی کریں اور الحب فی اللہ اور الجذبۃ للہ و النصح للہ کا دامن تھامیں۔ اس طرح سے صراطِ مستقیم نصیب ہوگا اور نیک معاشرہ کی وجہ سے انھیں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوگی۔

بہرحال ہر حالات میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں رہنا چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا:

واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ

اللہ تعالیٰ سے ہر حالات میں ڈرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں عبارات و اشارات سے سکھایا تم جو عمل کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے ہر حال کو جانتا ہے قولی ہوں یا فعلی۔ علیم یعنے تمھارے دلی راز کو جانتا ہے اور مخفی اسرار کو بھی پھر تمھیں تمھارے حسن معاملہ پر تمھارے خلوص و صفائی نیت کے مطابق اور سچے ارادوں کے موافق جزا دے گا۔ مبارک باد کا مستحق ہے وہ بندہ جس نے اپنا دل برے اخلاق سے صاف کرکے عالم سرِ اطلاق کی طرف عازم ہوا اور جمیع حالات میں اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ کرکے بلند درجات کو پہنچا ؎

حقائق سرائیست آراستہ
ہوائے ہوس گرد برخاستہ
نہ بینی کہ جائے کہ برخاست گرد
نہ بیند نظر گرچہ بینا است مرد

ترجمہ: حقائق ایک آراستہ سرائے ہے ہوائے ہوس اس کے اردگرد کھڑی ہیں۔ نہیں دیکھتے ہو کہ جہاں گرد اٹھتی ہے وہاں کچھ نظر نہیں آتا اگرچہ دیکھنے والا کتنا ہی تیز نگاہ کیوں نہ ہو۔

عالم غیب ایک مزین گھر کی طرح ہے اور خواہشات نفسانیہ اڑتی ہوئی غبار کی طرح۔ اگر کوئی خواہشات نفسانی کو نہیں چھوڑتا وہ کبھی عالم قدس اور محبوب حقیقی کا دیدار نہ پائے گا۔ اس لیے کہ دیکھنے والے اور جسے دیکھنا چاہتے ہیں کہ درمیان حجاب حائل ہو تو رویت نہیں ہوسکتی۔ اس لیے سالک کو چاہیئے کہ درمیان سے پردے ہٹائے تا کہ وصول العین سے مشرف ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ، اور اگر تم سفر میں ہو یعنے سفر کا ارادہ رکھتے ہو یا سفر کی طرف متوجہ ہو۔ وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا، لین دین کی کتابت کے لیے کاتب نہیں ملتا یا وہ کتابت نہیں کر سکتا یا کاغذ نہیں یا دوات اور قلم نہیں وغیرہ وغیرہ۔

سوال: شاہد کا نام کیوں نہیں لیا گیا؟

جواب: اعتبار اور بھروسہ کے لحاظ سے وہ بھی کاتب کے حکم میں ہے۔

فَرِهٰنٌ۔ یہ رہن کی جمع ہے یعنے پھر اعتبار دیا جائے رہن سے۔ مَّقْبُوْضَةٌ، جو کہ مرتہن کو قبضہ دے دیا جائے

یعنے وہ رہن اس کے سپرد کر دی جائے۔
مسئلہ: رہن میں قبضہ ضروری ہے لیکن یہ بھی اگر کوئی شے رہن رکھی ہے اور وہ مرتہن کو سپرد نہیں کی تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔
سوال: رہن کے لیے سفر کی شرط کیوں، حالانکہ وہ ہر طرح جائز ہے سفر ہو یا حضر؟
جواب: جب سفر میں یہ معاملہ درپیش ہو تو عموماً سفر میں معتمد علیہ کاتب اور شاہد کا ملنا دشوار ہوتا ہے اس لیے اس میں رہن کی تصریح کی گئی ہے تاکہ یہ رہن کاتب اور شاہد کے قائم مقام واقع ہو تاکید بن کر تاکہ مال کی حفاظت کے لیے اعتماد حاصل ہو۔ پس کلام اعم اغلب کی حیثیت سے یہ کلام واقع ہوگا نہ کہ علی طریق شرط۔
حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رہن رکھ کر اپنے اہل وعیال کے لیے بیس سیر جو لئے۔
فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔ پس اگر بعض تمہارا کسی کے ہاں امانت رکھے کہ اس پر نیک گمان رکھتا ہے اور وہ اپنی امانت رکھنے میں رہن کی اشیاء کی ضرورت نہیں سمجھتا تو اس سے رہن نہ مانگے (تو کوئی حرج نہیں) فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ۔ پس چاہیئے کہ ادا کرے وہ کہ جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے۔
ف: الائتمان بمعنے الوثوق بامانة الرجل، کسی پر اعتماد کرکے امانت رکھنا۔ اسے یوں اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ امانت کی ادائیگی پر ترغیب دی گئی ہے۔
اَمَانَتَهٗ۔ اس کی امانت یعنے پس چاہیئے مطلوب امین ادا کرے وہ شے جو اس کے ذمہ ہے قرض وغیرہ جو اس نے رہن کے بغیر پاس رکھا ہے۔ اس امانت کا نام قرض اس لیے رکھا ہے کہ جس طرح قرض ذمہ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ط اور چاہئے کہ ڈرے اپنے رب معبود سے۔ حقوق الامانۃ کی رعایت اور بلا تاخیر ادائیگی قرض میں۔ وَلَا تَكْتُمُوا۔ اور لے گواہو! جب کہ تمہیں حاکم کی طرف بلایا جائے تو تم گواہی کو صحیح طریق سے ادا کرو۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط اور جو اس گواہی کو چھپاتا ہے تو اس کا دل گنہگار ہے۔ یہ قلبہ، اثم کا فاعل ہے گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہوا کہ جو شخص گواہی کو چھپائے تو اس کی کیا سزا ہے تو جواب ملا، اثم قلبہ۔
سوال: یہاں صرف اثم کہہ دینا کافی تھا قلبہ کے اضافہ سے کیا فائدہ۔ علاوہ ازیں ایسے گناہ سے صرف قلب نہیں بلکہ انسان کا مجموعہ (جس میں قلب بھی شامل ہے) گنہگار ہے؟
جواب (۱) گواہی چھپانے کا یہ معنےٰ ہے کہ اسے بالکل چھپا دے کہ کسی کے سامنے بیان تک نہ کرے پھر چونکہ یہ کام دل کا ہے اور جو فعل کسی عضو سے سرزد ہو تو اس کی طرف فعل کا اسناد کرنا زیادہ بلیغ ہے۔ دیکھئے تم اپنے چند افعال کی تاکید کرتے ہوئے کہتے ہو:

البصرته عینی، ما سمعته اذنی، فما عرفه قلبی" یعنے اسے میری آنکھ نے دیکھا، اسے میرے کان نے سنا، اسے میرے دل نے پہچانا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) دل رئیس الاعضاء اور گوشت کا ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہی درست رہا تو تمام جسم درست رہتا ہے۔ اگر وہ فاسد ہو جائے تو تمام جسم فاسد ہوگا۔ گویا اس کا معنے یہ ہوا کہ گناہ انسان کے اصل نفس میں جاگزیں ہوا اور اس کا بہترین جگہ ہے اس پر اس نے قبضہ کر لیا۔

(۳) اس سے اس کا ازالہ بھی مطلوب ہے کہ گواہی چھپانے کا تعلق فقط زبان کے گناہوں سے ہے بلکہ اس کا تعلق دل سے بھی ہے۔

(۴) یہ بھی معلوم ہو کہ گناہ کا اصلی تعلق تو قلب سے ہے بالاصالۃ اس کا ارتکاب دِل کرتا ہے زبان اس کی ترجمان ہے۔

(۵) افعال القلب باقی تمام جسم کے اعضاء کے افعال سے اعظم ہیں گویا افعال اصول ہیں باقی اعضاء کے افعال ان کی فروع ہیں۔ جو انہی اصول سے یہ فروع صادر ہوتے جیسے حسنات سیئات (نیکی اور برائیاں) کا اصل "ایمان وکفر" ہیں۔ اور یہ دونوں بھی افعال قلب سے ہیں اور گواہی چھپانا افعال قلب سے ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ بہت بڑے گناہوں سے ہے۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ یہ بہت بڑے گناہوں سے ہے۔ اللہ تعالٰی کے ساتھ شرک کرنا جیسے اللہ تعالٰی نے فرمایا:

"فقد حرم الله علیه الجنة" (تو اس پر اللہ تعالٰی بہشت حرام فرمائے گا) اور جھوٹی گواہی اور گواہی چھپانا یہ سب بڑے گناہوں سے ہیں۔

مسئلہ: گواہی چھپانا اور جھوٹی گواہی دینا ہر دونوں ایسے فعل ہیں کہ جن کا مرتکب مستوجب نار ہے۔ یہ دونوں عمل قلب کے کھوٹ کا سبب ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: واثم قلبه۔

یہاں پر اثم سے مراد مسخ القلب ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اور یہ دونوں لوگوں میں عموماً واقع ہوتے ہیں اور اس سے بے شمار برائیاں اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں مثلاً لڑائی جھگڑا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ: اہل دین کے دو گروہ ہیں:

① الواقفون

② السائرون

واقف وہ ہے جو صرف صورت تک محدود ہو اور عالم معنے تک اس کی رسائی نہ ہو۔ اس کی مثال اس چوزے کی ہے جو ابھی انڈے کے اندر محبوس ہے۔ ایسے شخص کا مشرب معاملات بدنیہ پر مبنی رہتے ہیں۔ اسے عالم قلب سے کسی قسم کا سروکار نہیں ہوتا۔ وہ جسد کے قید خانہ میں پھنسا رہتا ہے۔ اس کے دو فرشتے کراماً کاتبین مقرر ہوتے ہیں جو اس کے ہر چھوٹے بڑے

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ
یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ
اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا
تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ مَوْلٰىنَا
فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ ع

ترجمہ: اللہ تعالےٰ کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور تم ظاہر کرو وہ جو تمھارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تعالےٰ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر جسے چاہے بخش دے جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ رسول ایمان لایا اس پر جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا اور ایماندار وں نے بھی سب کے سب نے مانا اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔ اور قائل ہیں کہ ہم اس کے رسولوں کو ماننے میں کوئی فرق نہیں کرتے اور کہا کہ ہم تیری بخشش مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے اللہ تعالےٰ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ اس کا فائدہ ہے جو اس نے نیکی کمائی اور اس کا نقصان ہے جو اس نے برائی کمائی۔ اے ہمارے پروردگار! گرفت نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔ اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف فرمادے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہمارا کارساز ہے اور کافروں پر تو ہماری مدد فرما۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۲۹)

ظاہری اعمال لکھتے ہیں۔

سائر' وہ ہوتا ہے جو کسی مقام پہ نہیں ٹھہرتا اور نہ ہی کسی منزل پہ اترتا ہے بلکہ دائماً آگے بڑھتا رہتا ہے وہ عالمِ صورت کا سفر کرتے ہوئے عالمِ معنے میں جانے کی سعی کرتا ہے۔ اجساد کی تاریک و تنگ گلیوں سے نکل کر ارواح کے میدان

کودنے کی کوشش کرتا ہے۔
سائر کی دو قسمیں ہیں :

① سیّار (پیدل چلنے والا)
② طیّار (اڑنے والا)

سیّار وہ ہے جو طریقت کے راستہ پر شریعت وعقل کے قدموں سے چلے۔ اور طیار وہ ہے جو حقیقت کی فضاء میں عشق وہمت کے پروں سے اڑے لیکن ان کے پاؤں میں شریعت کی جھانجھر لگی ہو۔
"ان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا" میں اسی سیار کی طرف اشارہ ہے جو جسم اور حواس کی قید اور زحمۃ التوکیل سے فارغ ہو جائے تو پھر اس کا کاتب کوئی اس کا عمل نہ لکھے۔
حکایت (۱) ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ بیس[۲] سال تک ان کے بائیں طرف والا فرشتہ ان کا کوئی برا عمل نہ لکھ سکا۔
(۲) ایک دوسرا واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں : میرے دائیں جانب والے فرشتے نے کہا کہ حضرت مجھے اپنے قلبی واردات سے کچھ بتائیے تاکہ میں انھیں آپ کے اعمال نامے میں درج کروں۔ اس سے مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ میں اس طرح سے قرب الٰہی کی دولت سے نوازا جاؤں گا۔ بزرگ نے فرمایا کہ میں نے یہ جواب دیا تاکہ تیرے لیے میرے فرائض کی عبادت لکھنے کے لیے کافی ہے۔
ف : حبس وقید اور توکیل یعنی فرشتوں (کراماً کاتبین) کا تعین ہر اس شخص کے لیے ہے جو صاحب حق کا حق ادا نہ کرے یا اس سے گریزاں ہو تو اس کے ساتھ قید وحبس اور توکیل کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو شب و روز اپنے قرض خواہ کی تلاش میں ہو اور حق کی ادائیگی میں سرگرداں ہو تو اس کے لیے نہ توکیل کی ضرورت ہے اور نہ قید وبند کی۔
ولم تجدوا کاتبا فرھٰن مقبوضۃ اس میں اس سیار کی طرف اشارہ ہے جو اپنے قلب کو بارگاہ کا نذرانہ کرے۔ رھان سے مراد وہ قلوب ہیں جن میں غیر اللہ کی بو نہ رہے۔ ایسے قلوب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔
اور طیار اس عشق کو کہا جاتا ہے جو مفقود القلب مسلوب العقل مجذوب السیر ہو۔ اس سے کسی قسم کی رہن کا مطالبہ نہیں ہوتا۔ یہ عشق کی سخت گرفت میں ہوتا ہے اور ایسا فریفتہ کہ جس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور ایسے معشوق کے عشق کا ہر معاملہ عجیب وغریب ہوتا ہے۔ اس سے نجات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آسمان و زمین اور نہ ہی دنیا و آخرت میں ایسا امین کوئی نہ ملا جو بار امانت کو اٹھا سکے۔ ایک یہی عاشق مسکین ہے جو بار امانت اٹھانے کے لیے میدان میں نکلا۔

تفسیر عالمانہ (تفسیر آیات صفحہ نمبر ۱۳۰) لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ، جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ

سب اللہ تعالٰے کا ہے۔ آسمان اور زمین کی حقیقت میں امور داخلہ ہوں یا خارجہ جو انہی سے حاصل ہونے والے ہیں۔ وہ ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول سب کے سب اللہ تعالٰے کے ہیں۔ پیدائش و ملک و تصرف کے لحاظ سے کسی وجہ سے بھی کوئی اس کا شریک نہیں فلہٰذا سوائے اس کے کسی کی بھی عبادت نہ کرو۔

وَاِنْ تُبْدُوْا، اور اگر ظاہر کرو۔ مَافِیْٓ اَنْفُسِکُمْ، وہ جو تمہارے دلوں میں ہے برائی میں سے اور اس کا عزم قولاً یا فعلاً۔ اَوْتُخْفُوْہُ، یا اسے چھپاؤ یعنے لوگوں سے ایسا پوشیدہ کرو کہ کسی کو بھی اس کی اطلاع نہ ہو سکے۔ ہر وجہ سے ان سے مخفی کیوں نہ ہو جیسے گواہی چھپانا اور مشرکین سے دوستی کرنا یا دیگر مناہی۔

مسئلہ: اس میں وہ اعمال داخل نہیں جو وساوس انسان کے دل پر آتے ہیں۔ ایسے وہ خیالی باتیں جن پر کسی قسم کا دلی ارادہ نہیں اور نہ ہی اس پر دل جمتا ہے اس لیے کہ تکلیف اعمال وسعت انسان کے مطابق ہوتی ہے اور ان وساوس وغیرہ کا دفیہ قوت بشریہ سے باہر ہے۔

یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ، اس کا تم سے اللہ تعالٰے حساب لے گا یعنے قیامت میں ان پر تمہیں جزا دے گا۔

مسئلہ: آیت میں منکرین حساب (جیسے معتزلہ و رافض) کا رد ہے۔

فَیَغْفِرُ پس وہ اپنے فضل سے بخشتا ہے۔ لِمَنْ یَّشَآءُ، جس کے لیے چاہتا ہے۔ اگرچہ گناہ کبیرہ ہوں تب بھی چاہے تو بخش دیتا ہے۔ وَیُعَذِّبُ اور عذاب دیتا ہے یعنے عذاب تیار ہے۔ مَنْ یَّشَآءُ، جس کے لیے چاہتا ہے کہ اسے عذاب میں مبتلا کرے۔ اگرچہ وہ معمولی گناہ ہو، بنی بر حکمت و مصلحت جیسے اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے۔

مسئلہ: کفار کو یقیناً عذاب ہوگا۔

نکتہ: عذاب پر مغفرت کی تقدیم اس لیے ہے کہ رحمت کو غضب پر تقدم حاصل ہے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ اور اللہ تعالٰے ہر شے پہ قادر ہے جب ہر شے پر کمال قدرت ہے تو پھر اسے محاسبہ اور اس کی تفریعات جیسے مغفرت و تعذیب پر بھی قدرت ہے۔

مسئلہ: تیسیر میں ہے کہ اوتخفوہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو وساوس قلب پہ وارد ہوتے ہیں۔ ان پر بھی مواخذہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ کفر پہ عزم بالجزم ہو تو کفر ہے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: گناہ کرنے کا ارادہ نہیں صرف دل پر خیال گزرتا ہے تو بھی کوئی گناہ نہیں۔

مسئلہ: گناہ کرنے کا پختہ ارادہ تو ہو گیا لیکن اس پر ندامت کر کے اس ارادہ سے باز آگیا اور استغفار کی تو وہ بھی گناہ نہیں ہے۔

مسئلہ: گناہ کرنے کا خیال ہوا لیکن کوئی ایسا مانع درپیش ہوا جو اس کے اختیار سے باہر نہیں لیکن وہ اپنے خیال پر قائم ہے تو اس کے فعل کے ارتکاب کی سزا نہیں ملے گی مثلاً کسی کو زنا کرنے کا خیال ہوا تو اسے زنا کی سزا نہیں۔

مسئلہ: پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا اسے اس خیال کی بھی سزا ہے یا نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ خیالی بات معاف ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"میری امت سے اللہ تعالےٰ نے وہ گناہ معاف فرمائے ہیں جو ان کے دل میں خیالی طور پر آتے ہیں جب تک کہ انہیں عمل میں نہ لائے یا زبان پر جاری نہ کرے"

مسئلہ: تحقیق یہ ہے کہ انسانی خیالات پر اس وقت مواخذہ ہوگا جب کہ اس گناہ کے کرنے کا عزم بالجزم کرے۔ اگر عزم بالجزم نہیں تو کوئی مواخذہ نہیں۔ اس لیے کہ مواخذہ عزم بالجزم پر ہے۔ (امام ابومنصورؒ)

مسئلہ: بہت سے ایسے مواقع ہوتے ہیں جن میں انسان دوسرے انسان کے گناہ میں شریک سمجھا جاتا ہے اگرچہ وہ اس کا ارتکاب بھی نہ کرے مثلاً کسی نے قتل اور زنا کا ارتکاب کیا لیکن دوسرا اس کے ارتکاب پر راضی ہے اور چاہتا ہے کہ کاش! میں بھی یہ فعل کرتا۔ تو یہ نہ کرنے والا کرنے والے کے گناہ میں برابر کا شریک ہے

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی قوم سے ان کے اعمال کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو قیامت میں وہ انہی کے ساتھ اٹھے گا یعنی اس جماعت میں شمار ہوگا اور انہی کے ساتھ حساب میں شامل ہوگا۔ اگرچہ ان جیسا عمل بھی نہ کرے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ دل سے غلط خیالات دور کرے اور فاسقوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھے تاکہ قیامت میں ان کے ساتھ نہ اٹھایا جائے۔

گر نشیند فرشتہ با دیو
وحشت آموزد و خیانت وریو
از بداں نیکوئی میا موزی
نہ کند گرگ پوستیں دوزی

ترجمہ: اگر فرشتہ دیو کے ساتھ اٹھے گا تو وحشت، خیانت اور مکر سیکھے گا پھر نیکوں سے نیکی نہ سیکھ سکے گا اس لیے بھیڑیا پوستین دوزی نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بندوں سے دائمی مراقبہ اور ہمیشہ کا محاسبہ طلب کرتا ہے تاکہ وہ حرکات ظاہرہ کے حفظ اور خطرات باطن کے ضبط سے غافل نہ ہو جائیں کہ جس سے عبودیت کے آداب میں کسی ایک میں کوتاہی نہ کر بیٹھیں۔ اگر ہوا تو پھر سطوات الوہیت سے ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑیں گے۔

جان اے جان من: انسان کی ترکیب عالم خلق اور عالم امر سے ہوئی ہے۔ روح نورانی امر سے ہے اور ملکوت اعلیٰ اسی عالم امر کو کہتے ہیں۔ اور نفس ظلمانیہ سفلیہ سے ہے جو عالم خلق سے ہے۔ ان ہر دونوں کو اپنے اپنے عالم کی طرف میلان ہے یعنی

روح کو عالم امر کی طرف اور نفس کو عالم خلق کی طرف۔ روح کی تمنا ہوتی ہے کہ رب العالمین کے قرب وجوار میں جگہ ملے اور نفس کا ارادہ ہوتا ہے کہ حق سے دوری اور اسفل السافلین میں جگہ ملے، اسی لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تاکہ نفوس کو گندے اوصاف سے پاک وصاف کرکے قرب وجوارِ حق کا مستحق بنا دیں۔

نفوس کا تزکیہ یہ ہے کہ نفس کے گندے اوصاف مٹا کر اخلاق روح کے انوار سے مزین کریں اور انھیں انوار سے نفوس کو سنوار یں۔

یہ مقام اولیاء اللہ کا ہے جو انھیں اللہ تعالےٰ ظلمات سے نکال کر نور کی طرف پہنچاتا ہے اور شیاطین کو بھیجتا تاکہ وہ اپنے دوستوں (جوکہ وہ اللہ تعالےٰ کے دشمن ہیں) کے ارواح کو نور روحانی سے نکال کر ظلمات نفسانیہ کی طرف پہنچائیں بایں طور کہ جو ان کے ارواح کے انوار ہیں انھیں کے گندے اخلاق سے چھپا ڈالے تاکہ وہ شیطان کے دوست اسفل السافلین کے گڑھے میں گرنے کے مستحق ہو جائیں۔ اب محققین کے نزدیک آیت کا معنےٰ یوں ہوا: ان تبدوا مافی انفسکم۔ اگر وہ جو تمھارے نفوس میں اوصاف ظاہری ظلمات اوصاف نفسانیہ امانت رکھے گئے ہیں۔ ساتھ مخالفات شرع سے اور باطنی طور پر موافقات طبیعہ سے ظاہر کروگے یا موافقت شریعت ومخالفت طبیعہ میں تصرفات طریقت کے ساتھ چھپاؤ گے تو اللہ تعالےٰ تمھارا محاسبہ کرے گا۔ نفس کو پاک کرکے انوار روح اور اس کے اخلاق کو قبول کرنے کے لیے یا روح کو ملوث کرے گا۔ ظلماتِ نفس اور اس کے اخلاق کے ظلمات سے۔

فیغفر لمن یشآء یعنے اس کے نفس کو انوار روح سے اور رُوح کو انوارِ حق سے منور کرے گا۔ ویعذب من یشآء یعنے اس کے نفس کو جہنم کے شعلوں سے اور اس کے روح کو علی کبیر یعنے ذات قدر کی جدائی کی نار میں مبتلا کرے گا۔ واللہ علی کل شیء قدیر اور اظہار لطف اور عالم خلق وامر کی ترکیب کے قہر پر قادر ہے۔ (کذا فی التاویلات الکامل نجم الدین دایہؒ)

تفسیر عالمانہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق فرمائی۔ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ، ان کی طرف ان کے رب تعالےٰ کی طرف سے اس سے تفصیلی ایمان مراد ہے کہ یقیناً قرآن میں شرائع واحکام آیات قرآنی ہوں گی، قصص ومواعظ اور احوال الرسل والکتب وغیرہ وغیرہ موجود ہیں بایں حیثیت کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نازل کردہ ہیں۔

مسئلہ: قرآن مجید کے احکام کی حقیقت پر ایمان لانا اور اس کی خبروں کو سچا ماننا وغیرہ ایمان بالقرآن بحیثیت مذکور ایمان کے شعبوں سے ہیں۔

مسئلہ: نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان لانے کا یہ معنے نہیں کہ آپ کو پہلے قرآن پر ایمان نہیں تھا۔ اب مفصلاً نے ایمان لایا (معاذ اللہ) بلکہ یہ معنے ہے کہ آپ رسالت سے پہلے ہی قرآن پر ایمان لائے۔ اس لیئے کہ آپ رسالت سے قبل بھی اللہ تعالےٰ اور اس کی الوہیت پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے سوا اور کوئی مطلب بیان نہیں کیا جا سکتا اور یہاں یہ

بھی ایمان بالقرآن مراد ہے۔ اس لیے کہ قبل از نزول حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ایمان لانے کے مکلف نہیں یہی مطلب ہے اس آیت کا "ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان" اس لیے کہ اللہ تعالے نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

"وما کنت ترجوان یلقی الیک الکتاب"

وَالْمُؤْمِنُوْنَ، مومنین یعنی وہ گروہ جو ایمان کی صفت سے موصوف ہیں۔ اور یہ مبتدا ہے۔ كُلٌّ۔ یہ دوسرا مبتدا ہے اٰمَنَ۔ دونوں کی خبر ہے۔ دراصل یہ مبتدا اول کی خبر ہے اور ان کے مابین ربط پیدا کرنے والا تنوین ہے۔ جو کل میں واقع ہے۔ وہی ضمیر کا نائب یعنی قائم مقام ہے۔

سوال: اٰمن واحد کا صیغہ ہے اس کی ضمیر کل المؤمنون کی طرف راجع ہے یہاں جمع کی ضمیر ہونی چاہیئے تھی؟

جواب (۱) ضمیر واحد کی دلالت کرے گی کہ ان میں ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ایمان معتبر ہے، بلا اعتبار الاجتماع۔

(۲) اس طرح سے ماقبل کا نظم و نسق (عبارت) بھی بحال رہتا ہے۔

(۳) تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسروں کے ایمان میں بہت زیادہ فرق ہے۔ بلکہ من کل الوجوہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ وہ حیثیت کہ ان کے ایمان پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں بھی مختلف ہیں۔

بِاللّٰهِ، اللہ تعالے واحد پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ الوہیت و معبودیت میں لاشریک ہے اسے اثباتی و توحیدی ایمان کہتے ہیں۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ، اس کے فرشتوں کو مانتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالے کے مکرم بندے ہیں۔ وہی اللہ تعالے اور رسولوں کے درمیان وسیلہ ہیں کہ اللہ تعالے سے کتابیں لے کر انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالے سے وحی لے کر حضرات انبیاء علیہم السلام کے حضور میں لاتے ہیں۔ اور اس کا نام تصدیقی ایمان ہے بایں معنی کہ دونوں یعنی کتاب و وحی اللہ تعالے کی طرف سے ہیں اور تصدیق کرنا کہ اللہ تعالے نے جن چیزوں کو حلال فرمایا ہے وہ حلال ہیں اور جنھیں حرام فرمایا ہے وہ حرام ہیں۔

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ تف اور اللہ تعالے کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا بحیثیت مذکورہ اس کا نام ایمان الاتباع والطاعۃ ہے۔

سوال: ایمان بالیوم الآخر کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: یوم آخرت کا حکم کتابوں پر ایمان لانے میں داخل ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ من ربہ پر وقف کیا جائے اور المومنون کو جدید کلام قرار دیا جائے اور اس کا عطف الرسول پر ہو اور اس پر بھی وقف کیا جائے اور وہ ضمیر جس کا عوض کلٌّ کا تنوین ہے وہ دونوں معطوف و معطوف علیہ کی طرف بیک وقت راجع ہوگا۔ اب عبارت یوں ہوگی:

امن الرسول والمومنون بما انزل الیہ من ربہ ۔

اس کے بعد باقی تفصیل ہوگی ۔

بعض حضرات نے کہا کہ دراصل عبارت یوں تھی :

کل واحد من الرسول المومنون امن باللہ ۔

سوال : اگر یہی ترکیب صحیح مانی جائے تو نحوی قاعدہ کے لحاظ سے ترکیب غلط ہوتی ہے وہ اس طرح کہ مؤمن بہ (جس پر ایمان لایا جائے گا) یعنے بما انزل الیہ من ربہ معطوف پر تقدیم لازم آتی ہے ؟

جواب (۱) : جس شے میں اہتمام مقصود ہو اسے ہر طرح سے مقدم کرنا جائز ہوتا ہے ۔

(۲) حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس کا اظہار مطلوب ہے کہ ایمان کے متعلق اصل آپ کی ذات ہے باقی ایمان لانے والے آپ کی فرع ہیں ۔

یہ دوسری وجہ کواشی رحمہ اللہ تعالٰے نے اختیار فرمائی ۔ اس لیے انھوں نے المومنون پر وقف جائز فرمایا ہے ، اور یہی وجہ احسن ہے تاکہ مومن بھی اس ایمان میں داخل ہو جائیں اور یہ عطف و وقف کے لحاظ سے احسن سمجھا جائے گا ۔

لَا نُفَرِّقُ ، ہم کسی قسم کا فرق نہیں کرتے یعنے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومن کہتے ہیں کہ ہم کسی قسم کا امتیاز نہیں کرتے ۔ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کسی ایک کو رسولوں میں سے کہ ہم بعض پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ کفر کریں جیسے یہود و نصاریٰ کرتے ہیں ۔

ف : داحدٌ یہاں پر جمع کے معنے میں ہے یعنی واحد بمعنے آحاد ۔ اس لیے اس کا مضاف لفظ بین ہے اور بین متعدد کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے ۔

ف : احد وہ ہے جو اپنے ساتھ ہر عدد کی نفی کرتا ہے اور داحدٌ وہ ہے جس پر گنتی کی ابتدا ہوتی ہے ۔ نیز احد وہ ہے جس کا کوئی ثانی نہ ہو اور وحید وہ ہے کہ جس کا کوئی حامی و مددگار نہ ہو گا ۔

وَقَالُوْا ، اور کہا ۔ اس کا عطف اٰمن پر ہے ۔

سوال : اٰمن واحد ہے اور قالوا جمع ، جمع کا واحد پر عطف کیسے جائز ہو سکتا ہے ؟

جواب : اٰمن معناً جمع ہے باعتبار من کے اس لیے کہ اٰمن حکایت ہے ، ان کے اوامر و انہی کے ماننے کی یہی حکایت ان کے ایمان کی نشانی ہے بنا بریں قالوا کا عطف اٰمن پر جائز ہے ۔

سَمِعْنَا ہم نے سنا یعنے وہ حکم جو حق سے ہمارے ہاں آیا ۔ اسے ہم نے سمجھا اور اس کی صحت پر ہمیں یقین ہے ۔

وَاَطَعْنَا ، اور جو اس کے اندر اوامر و نواہی ہیں ہم نے ان کی اطاعت کی ۔

شان نزول : جب یہ آیت اتری تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اللہ تعالٰی

نے آپ کی اور آپ کی امت کی تعریف (تحسین) کی ہے۔ آپ جو مانگیں گے پائیں گے۔ اس پر حضور سرور عالم صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم نے کہا:

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا، اے اللہ! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں۔ غفرانک کا عامل محذوف ہے۔ یہ دراصل اغفرلنا غفرانک تھا جیسے فضرب الرقاب میں عامل محذوف ہے کہ دراصل فاضربوا تھا یا یہ غفرانک کا مفعول بہ ہے اس کا عامل بھی محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے:

نسألك غفرانك ذنوبنا المتقدمة .... الخ یعنے ہم تجھ سے ان گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں جو ہم سے قبل ازیں سرزد ہوئے۔ یا ان غلطیوں کی بخشش مانگتے ہیں جو کہ عموماً بشر سے بحیثیت بشر کے تیرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں۔

ف: تاکہ اغفرلنا کا تکرار لازم نہ آئے جو کہ اسی سورت کے آخر میں واقع ہوا ہے۔ (واغفرلنا)

سوال: سمع وطاعت کو غفرانک پر مقدم کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: سمع وطاعت غفران کا وسیلہ ہے اور وسائل مقاصد سے مقدم ہوا کرتے ہیں اور پھر ہر وہ دعا جس سے پہلے کوئی وسیلہ ہو وہ قبولیت واجابت کے قریب تر ہوتی ہے۔

وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ۝ اور صرف تیری ہی طرف پھرنا ہے۔ موت سے اور قیامت میں۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت امام قاشانی رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا:

آمن الرسول .... الخ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پاک کو قبول کر کے تصدیق کی اور اسی پر اپنی سیرت کو ڈھالا۔ جیسے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا نے فرمایا: کان خلقہ القرآن یعنے حضور علیہ السلام کا خلق قرآن ہی ہے۔

مسئلہ: بلا عمل خالی تلاوتِ قرآن کا کوئی فائدہ نہیں۔

تمثیل: تفسیر الحنفی میں اس کی پوری مثال یوں دی ہے کہ وقت کا بادشاہ اپنے کسی خادم کو اپنی شاہی کا کچھ حصہ اور ریاست و حکومت عنایت فرما کر اپنا نائب مقرر فرمائے اور اسے اس کا عہد نامہ بھی لکھ دے تاکہ دکھا کر وہاں کی رعیت کو اپنے حکم کے تابع فرماں بنا سکے۔ چنانچہ وہ عہد نامہ لے کر اس علاقہ میں پہنچ کر حکمرانی شروع کر دے اور رعیت اس کے فرمان کے مطابق سر تسلیم خم کر دے۔ اس کے بعد وہی بادشاہ اسے خط لکھ کر فرمائے کہ میں چند روز تک تیرے علاقہ میں آرہا ہوں، شان شایان کوئی ایسا محل تیار کریں کہ جس میں آکر آرام کروں۔ جب اس کے پاس بادشاہ کا خط پہنچے تو اس کے حکم کے مطابق وہ محل تو نہ بنوائے لیکن بادشاہ کے خط کو روزانہ صرف پڑھ لیا کرے۔ اس کے بعد جب حسب وعدہ بادشاہ تشریف لائے۔ اب بتایئے! وہ شخص اپنے بادشاہ سے خلعت پائے گا یا نہیں۔ بظاہر تو ایسے ہے کہ بادشاہ اسے

جوتے لگائے گا یا کم از کم گالیاں تو ضرور دے گا یا نیابت و سلطنت چھین کر قید میں محبوس کرے گا۔ بعینہٖ یہی کیفیت قرآن کی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ کا حکم ہوا: اے میرے بندو! دین کے ارکان کو مضبوط کر دو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا: اے داؤد! (علیہ السلام) میرے لیے ایک گھر بنائیے کہ جس میں قیام کروں۔

ف: بندوں کو دین کی تعمیر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔

اور فرمایا:

کتب علیکم الصیام... الخ

اور فرمایا:

وللہ علی الناس حج البیت۔

ف: قرآن کا پڑھنا اس بادشاہ کے حکم کی طرح ہوگا جیسے ہم نے تمثیل میں بیان کیا ہے۔

مسئلہ: بلا عمل تلاوت سے اسے بہشت نصیب نہ ہوگی کیونکہ فرمان تو ہے:

جزآء بما کانوا یعملون (اچھے اعمال پر جزائے خیر نصیب ہوگی)۔ (یہ صرف مثال کی حیثیت سے بیان فرمایا ورنہ تلاوتِ قرآنِ مجید کا بھی ثواب ملے گا۔ (مترجم))۔

چنانچہ کہا گیا ہے ؎ مراد از نزول قرآن تحصیل سیرت خوب است
نہ ترتیل سورہ بمکتوب بتجوید

ترجمہ: قرآن پاک کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ بندے اپنی سیرت سنواریں نہ کہ صرف لکھی ہوئی عبارت کو بہتر ترتیل سے پڑھیں۔

تفسیر صوفیانہ

غفرانک میں ایمان کے نتائج اور آثار المعبودیۃ کی طرف اشارہ ہے کہ بندے اپنے آپ کو ہر برائی کا مستحق سمجھے اور اپنے مولیٰ کریم کو ہر بھلائی کا مالک۔ پھر ہر اس عمل کو بجالانے کی کوشش کرے جس سے اس کا مولیٰ خوش ہو۔ اور ہر وقت اس کے حضور میں باادب رہنے کی کوشش کرے اور اس کی ہر چھوٹی بڑی مہربانی پر اپنی ہر کوتاہی پر استغفار و شکر گزاری میں وقت بسر کرے۔ (وہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ فضل و کرم فرماتا ہے) اور ہر برائی سے اس کی طاقت اور قوت سے بری ہونے کی جد وجہد کرے۔ ہر حکم کو بجالانے کی عادت کو اپنائے اور ہر وقت یہ ذکر کرتا پھرے:

الحمد للہ۔ استغفر اللہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

یہ ذکر وہ ہے جو انسان کو دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات بخشتا ہے اور اس ذکر پر مداومت کرے۔ اس سے

فتوحاتِ کثیرہ نصیب ہوتے ہیں۔

معرفتِ الٰہی کے اسباب: معرفتِ الٰہی چند امور سے حاصل ہو سکتی ہے:

① ہر وقت گناہوں سے توبہ و استغفار کرے اور طاعات کی توفیق پر شکرِ الٰہی بجالائے۔

② نیک نیتی کے ساتھ رضائے الٰہی کو مدنظر رکھے۔

③ نعمتوں پر شکرانہ ادا کرے۔

یہ امور اس وقت نصیب ہوں گے جب کہ اصلاحِ قلب کا خیال دل میں جاگزیں ہو اور تصور رہے کہ نفس کی شرارت سے نقصان پہنچتا ہے۔ فلہٰذا نفسانی خواہشات دل سے نکال کر باہر پھینک مارے۔

ایضاً: معرفتِ الٰہی چار چیزوں سے نصیب ہوتا ہے:

① بلا واسطہ نورِ الٰہی دل میں حاصل ہو۔

② عقلِ کامل ہیں وافر علم کی دولت نصیب ہو۔

③ دنیوی مشاغل سے فکر سالم محفوظ ہو جائے۔

④ کسی شیخ کامل یا سالکِ راہ کی صحبت حاصل ہو۔

شیخ کامل کے علامات شیخ ابومدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شیخ کامل وہ ہے جو سالک کو سیرتِ حسن کی تصویر بنادے اور ہر قدم راہِ راست پر پہنچا دے اور معرفتِ الٰہی کے انوار سے قلب کو منور فرمادے غیوبیت سے ہٹا کر مشاہدہ میں لگا دے۔

اے سالک! ایسی جد و جہد کیجیے کہ جسم کو عالمِ جسمانیات سے نکالتے۔ یہاں تک کہ اس رسمی دائرہ سے نکل جائے اور پھر تحقیق علم و فہم کے دریا میں غوطہ زن ہو جائے ؎

از ہستی خویش تا تو غافل مشوی

ہرگز بمراد خویش واصل نشوی

از بحرِ ظہور تا بساحل نشوی!

در مذہب اہلِ عشق کامل نشوی

ترجمہ: اپنی ہستی سے جب تک فارغ نہ ہو گے اس وقت تک واصل نہ ہو گے۔ ظہور کے دریا سے جب تک کنارہ نہ کرو گے اہلِ عشق کے مذہب میں نہیں پہنچ سکو گے۔

تفسیرِ عالمانہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف بناتا ہے۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے اخبار سے ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب آیت وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر شاق گزرا اور وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوکر با ادب ہوکر عرض کی: یا رسول اللہ! صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالےٰ نے آپ پر نماز روزہ اور حج وجہاد کا حکم نازل فرمایا۔ ان کی ادائیگی میں ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں البتہ یہ حکم جو آپ پر اترا ہے اس کے متعلق ہمیں طاقت کہاں۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم وہی کہتے ہو جو یہود ونصاریٰ نے کہا جب کہ ان پر احکام الٰہی نازل ہوئے تو کہنے لگے: سمعنا وعصینا۔ ہم نے حکم تو سن پایا ہے لیکن ہم انھیں مانتے نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: نہیں، حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تو عرض کرتے ہیں: سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرِ تسلیم خم کیا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اٰمن الرسول الی والیک المصیر۔

ف: ان کا سوال مغفرت کا تھا جو مشیتِ ایزدی سے معلق تھی جو کہ فیغفر لمن یشآء میں مذکور ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ اس خطرہ سے کہ کہیں ہمارا یہ مطالبہ وبال جان نہ بن جائے۔ اور کہا کہ ہم اس عرض گذاشت پر عزم بالجزم نہیں رکھتے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے ان کے خوف کو زائل کرنے کے لیے یہ حکم نازل فرمایا تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی ہو پھر اگر ان کا کسی برائی کا پختہ ارادہ ہو جائے تو گناہ لکھا جائے اگر صرف خیالی تصورات ہوں تو گناہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ ایسے تصورات ہیں کہ جن سے انسان کسی لحاظ سے بھی نہیں بچ سکتا۔

حلِ لغات: التکلیف کسی پر ایسا امر لازم کرنا کہ جس میں مشقت وکلفت ہو۔ الوسع ہر وہ امر جو انسانی طاقت کے مطابق ہو کہ اس پر عمل کرنے سے تنگی محسوس نہ ہو۔

خلاصۂ تفسیر: اللہ تعالےٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسے امر میں مبتلا نہیں کرتا جو اُن کے بس سے باہر ہو بلکہ وہ حکم فرماتا ہے جو ان کی وسعت میں ہو جسے وہ اسے بآسانی ادا کر سکتے ہوں۔ یہ بھی امت محمدیہ (علی صاحبہا والثناء) پر فضل وکرم ہوا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔

اس سے ثابت ہوا کہ تکلیف مالا یطاق کا وقوع نہیں ہوتا۔ نہ یہ کہ تکلیف مالا یطاق سرے سے ہے دلیل اتنی کافی ہے کہ اگر ہم اسے مان لیں تو باری تعالےٰ کے کلام میں کذب لازم آتا ہے اور وہ اس سے ہے۔ اور اس کے ممتنع نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تکلیف مالا یطاق کی مطلقاً نفی فرمائی ہے اور مطلق نفی آ اور نفی مقید سے تکلیف مالا یطاق اقتناعی مراد ہے۔
نہیں ہوتا۔

لَهَا نفس کے لیے ثواب ہے۔ مَا کَسَبَتْ ۔ وہ جو عمل کرے۔ اس نیکی میں سے جس کا اسے مکلف بنایا گیا ہے نہ کہ اس کے غیر کو استقلالاً اور نہ ہی اشتراکاً، کیونکہ کلمہ ما کا عموم نفس کے تمام اعمال کو شامل ہوجاتا ہے۔ وَعَلَیْهَا، اور اس پر (نہ کہ غیر پر نہ استقلالاً اور نہ اشتراکاً) عذاب ہوگا۔ مَا اکْتَسَبَتْ، جو اس نے عمل کیا۔ اس برائی میں سے کہ جس کی رکاوٹ پر اسے مکلف بنایا۔

سوال: شر (برائی) کی بارے میں اکتساب باب افتعال لانے میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: برائی میں نفس کو خواہش ہوتی ہے پھر اس پر اس نے جد وجہد کی ہے اور افتعال میں تکلیف کو بھی دخل ہے اس لیے باب الافتعال لایا گیا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ اے ہمارے رب! ہم سے مواخذہ نہ فرمانا اگر ہم بھول جائیں یا خطا کے طور پر کوئی برائی کرلیں۔

ربط: تکلیف کے اظہار کے بعد اب ان کی بقایا دعا کو بیان فرمایا جا رہا ہے یعنی وہ یہ کہتے تھے: اے ہمارے رب! ہم سے وہ امور جو سرزد ہوئے جو ہمیں نسیان وخطاء کی طرف لے گئے کہ ان کی وجہ سے ہم تیرے ارشادات کی تعمیل میں کوتاہی کر بیٹھے یا ان کی طرف خصوصی اہتمام نہ کرسکے حالانکہ وہ امور تکلیفیہ میں سے تھے کہ جن کا ادا کرنا ہمارے لیے فرض تھا، ان کی وجہ سے مواخذہ نہ فرما۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نسیاناً یا خطاً کسی سے سرزد ہو اس پر بھی مواخذہ ہے اس لیے کہ ان سے بچنا انسان کے بس میں ہے ورنہ اس کا سوال کرنا عبث ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا فعل (جسے اللہ تعالٰی نے حکایۃً بھی اپنے سچے کلام میں بیان فرماتا ہے) عبث نہیں ہوسکتا۔ لیکن اللہ تعالٰی نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت سے نسیان وخطا پر مواخذہ معاف دیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میری امت سے خطاء ونسیان اور ہر وہ عمل جو انہیں گراں محسوس ہوتا ہے اسے اللہ تعالٰی نے معاف فرما دیا ہے۔"

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ خطا ونسیان پر مواخذہ نہ کرنا ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا خاصہ ہے ورنہ پہلی امتوں سے اس پر بھی مواخذہ ہوتا تھا۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا ۚ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر کوئی بوجھ نہ ڈال۔ اس کا ماقبل پر عطف ہے۔

سوال: جب ماقبل پر عطف ہے تو پھر حرف ندا کے تکرار سے کیا فائدہ؟

جواب ہے تاکہ مزید عجز و زاری کا اظہار ہو۔

ف : اصراً بمعنے ہر وہ بوجھ جو اٹھانے والے کو اپنی جگہ سے ہلنے نہ دے۔ اس سے تکلیف شاقہ (جو امم سابقہ کو دی گئیں) مراد ہیں۔

كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ؕ جیسے تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ یعنے ہم سے پہلے گزرنے والوں کی طرح ہمارے اوپر بوجھ نہ ڈال۔

بنی اسرائیل کی تکالیف شاقہ کا بیان

بنی اسرائیل کو جن تکالیفِ شاقہ کا مکلف بنایا گیا ہے ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :

۱ —— توبہ تب قبول ہوتی ہے جب اپنے گلے پر چھرا پھیرتے ہیں۔

۲ —— جس عضو سے خطا (نافرمانی) سرزد ہوتی اسے کاٹ ڈالنا پڑتا۔

۳ —— جس جگہ نجاست لگ جائے اس جگہ کو بھی کاٹ دینا پڑتا۔

۴ —— پانی کے بغیر انھیں کسی شئے کو پاک کرنے کی اجازت نہ تھی۔

۵ —— ان پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض تھیں۔

۶ —— ان کی مسجد کے بغیر اور کہیں نماز جائز نہ تھی۔

۷ —— روزے دار مغرب کے بعد روزہ رکھ کر اگر سو جائے اور نیند طاری ہو جائے تو اس کے بعد انھیں کھانا حرام تھا۔

۸ —— گناہوں کی شامت سے چند طیب اور پاکیزہ اشیاء ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔

۹ —— ان کے مال پر چوتھا حصہ زکوٰۃ فرض تھی۔

۱۰ —— جو رات کو گناہ کرتے وہ صبح کو ان کے دروازوں پر لکھا ہوتا وغیرہ۔

بہرحال ان پر بہت سخت احکام فرض تھے جو اللہ تعالےٰ نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ کی امت سے اٹھا لیے اور ان پر رحم فرمایا کہ ایسے تکالیف شاقہ میں انھیں مبتلا نہیں فرمایا۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں دین حنیف پر مبعوث ہوا جو بالکل آسان ہی آسان ہے اور میری امت سے وہ سزائیں بھی اٹھا لی گئی ہیں جو سابقہ امتوں کو سزا کے طور پر مسخ اور خسف (شکلیں تبدیل ہو جانا اور زمین میں دھنس جانا) میں مبتلا کیا جانا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف : حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں خسف و مسخ اور غرق (دریا اور طوفان میں غرق کر کے عذاب دینا) اٹھا لیا گیا ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ ڈال کہ جس کے اٹھانے کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ اس کا عطف بھی ماقبل پر ہے۔

ربط : پہلے ان تکالیف شاقہ سے معافی طلب کی جا رہی ہے کہ ہماری شامتِ اعمال سے کوئی جدید امور شاقہ نازل نہ ہو جائیں۔ گویا یوں عرض کیا گیا ہے کہ اے ہمارے رب نہ ہی ہمیں سابقہ امم کی تکالیف میں مبتلا فرما۔ اور نہ ہی ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ہمارے لیے جدید تکالیف کے ذریعہ سزا دے۔

سوال : ان امور کو "انزال" کے باب سے بیان کرنا مناسب تھا؟

جواب : چونکہ انزال کے بعد بوجھ اٹھانے پر ہی انجام ہوگا اس لیے مایؤوی الیہ کے اعتبار سے تحمیل کے باب کو لایا گیا ہے۔

ف : تفسیر تیسیر میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ تعالے! ہمیں دائمی تکالیف شاقہ کا مکلف نہ بنا۔ کیونکہ اس پر سرے سے عدم طاقت مراد نہیں۔ اس لیے کہ نہ وہ ہے اور نہ ہی سوال پیدا ہوتا ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا ۗ وقفہ اور ہم سے معاف فرمایئے ہمارے گناہوں کے آثار بھی مٹا دے۔ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وقفہ اور ہمیں بخش دے اور ہمارے عیوب ڈھانپ لے اور لوگوں کے سامنے ہمیں شرمسار نہ کر۔

سوال : پھر واعف عنا اور واغفر لنا کا ایک ہی مفہوم ہے اس طرح سے کلام الٰہی میں تکرار لازم آگیا؟

جواب : تفسیر تیسیر میں ہے کہ اس سے تکرار لازم نہیں آتا اس لیے کہ واعف عنا میں عرض کی گئی ہے کہ ہماری کوتاہیوں کو ایسے نظر انداز فرمایئے کہ گویا وہ تھیں ہی نہیں۔ اور واغفر لنا میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمارے گناہوں پر پردہ ڈالئے تاکہ دوسروں کو ہمارے گناہ نظر نہ آئیں۔ اور یہ اصولی بات ہے کہ کسی غلطی سے درگذر تو کیا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کا ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے غلطی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بندوں کو حکم ہوا کہ وہ دعا اس طرح مانگیں کہ اے ہمارے مولا! ہمارے گناہوں سے درگذر فرمایئے اور انھیں ایسا چھپایئے کہ کسی کے سامنے ہمارے گناہ ظاہر نہ ہوں تاکہ ہمیں شرمساری نہ اٹھانی پڑے۔

وَارْحَمْنَا ۗ وقفہ اور ہمارے حال پر رحم و کرم اور لطف و فضل فرمایئے؟

سوال : واعف عنا وغیرہ کو وارحمنا پر مقدم کیوں کیا گیا ہے۔

جواب : پہلے شے کو صاف کیا جاتا ہے اس کے بعد سنوارا جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال بندے کا ہے کہ پہلے سوال سکھایا گیا کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر صفائی کرے۔ پھر رحم کی درخواست کر کے سنور جائے۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا ، تو ہی ہمارا آقا و مولیٰ ہے اور ہم تیرے بندے ہیں یا یہ معنٰے ہے کہ تو ہمارا مددگار اور جملہ امور کا کفیل کار ہے ۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ تو کفار پر ہماری مدد فرمائیے اور ان کی شرارتوں کو ہم سے دُور فرمائیے ۔ اس لیے کہ مولیٰ کا حق ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مدد فرمائے اور ان کے جملہ امور کی کفالت کرے اور دشمنوں کی تمام شرارتوں سے انہیں بچاتے اور کفار پر مدد کبھی فتمندی سے اور کبھی دلائل کے غلبہ سے اور کبھی ان کی شرارتوں سے حفاظت فرما کر ہوتی ہے ۔

ف : یہ دعا شیاطین کی شرارتوں سے حفاظت کے لیے بھی ہو سکتی ہے ۔ اس لیے کہ یہ بھی انھیں میں سے ہیں ۔

سورہ بقرکی آخری آیات کے فضائل

حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو مندرجہ ذیل چیزیں عطا فرمائی گئیں ۔

ف : سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے ۔ اور اسے اس لئے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں کہ جب زمین والے اوپر کو اڑ کر جاتے ہیں تو پھر اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے ۔ بس یہیں تک ان کی رسائی ہوتی ہے ۔ اسی طرح جو اوپر والی نوری مخلوق نیچے اترتی ہے تو وہ بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی وہ بھی یہیں تک پہنچتے ہیں ۔ انھیں اس سے نیچے آنے کی اجازت نہیں ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اذ یغشی السدرۃ ما یغشی ۔

ف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا : اس کا فرش سونے کا ہے ۔

ف : سدرۃ المنتہیٰ پر حضور علیہ السلام کو یہ تین چیزیں عطا ہوئیں :

1. پانچ نمازیں ۔
2. سورہ بقرہ کی آخری آیاتِ مبارکہ ۔
3. آپ کی تمام امت (سوائے مشرکین کے) کی بخشش ۔

حدیث شریف حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"معراج کی رات میرے اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے قریب کیا یہاں تک کہ میں عرش معلیٰ کے پایہ تک پہنچا تو میرے دل میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے القا ہوا کہ میں کہوں :

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنین کل امن باللہ والملئکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ ۔

یعنے یہود و نصاریٰ کی طرح رسل کرام کے مابین تفرقہ نہیں کرتے ۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہودیوں اور نصرانیوں نے

کیا کہا، میں نے جواب دیا کہ انھوں نے کہا : سمعنا وعصینا۔ لیکن مومنوں نے کہا : سمعنا و اطعنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : برسچ کہتے ہو اے محبوب! صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، اب آپ منہ مانگی مانگیں، میں آپ کو عنایت کروں۔

میں نے کہا : ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا۔

اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا : میں نے آپ سے اور آپ کی امت سے خطاو نسیان اٹھالیا۔ بلکہ جو عمل ان کی طبع کو شاق گزرتا ہے وہ بھی

اس کے بعد میں نے کہا : ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا۔ یعنے اے اللہ! ہمیں یہود ونصاریٰ کی طرح مشقت میں نہ ڈالنا۔

اللہ تعالیٰ فرمایا : اے میرے محبوب! صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں نے آپ کی امت کے لیے یہ بات مان لی ہے۔

اس کے بعد میں نے کہا : ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میں نے ایسا ہی کر دیا۔

اس کے بعد میں نے کہا : واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکفرین۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میں نے یہ بھی کر دیا۔

حدیث شریف حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"اللہ تعالیٰ نے مجھے دو آیتیں ایسی عطا فرمائی ہیں جو جنت کے خزانوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش سے پہلے دو ہزار سال خود اپنے دست قدرت سے لکھا۔"

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں نماز عشا کے بعد پڑھتا ہے۔ اسے ساری رات سے کفایت کریں گی یا قیامت کے حساب سے کفایت کریں گی۔"

مسئلہ : اس میں رد ہے ہر اس شخص کا جو اسے سورہ بقرہ کہنے سے کراہت کرتا ہے یا وہ کہتا ہے کہ اسے سورہ بقرہ نہ کہا جائے بلکہ کہا جائے ہر وہ سورہ کہ جس میں بقرہ کا قصہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

وہ سورۃ کہ جس میں بقرہ کا قصہ ہے وہ فسطاط القرآن ہے یعنے سورہ بقرہ ایک جامع سورۃ ہے۔ پس اے میرے امتیو! اسے پڑھو! اس لیے کہ اس کا پڑھنا برکت اور اس کا ترک حسرت ہے۔ اور بہت بڑا فائدہ

یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے پر بطلہ بھی غلبہ نہیں پاسکیں گے۔

عرض کی گئی یارسول اللہ! صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بطلہ سے کون مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بطلہ سے جادوگر مراد ہیں۔ یعنے جادوگروں کو کوئی طاقت نہیں کہ وہ اس کے پڑھنے والوں پر جادو کرسکیں۔ جب گھر یا دار میں تین راتیں یہ سورہ بقرہ پڑھی جائے تو شیاطین اس گھر کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

مسئلہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب بھی سورہ بقرہ ختم کرتے تو کہتے: آمین۔

حکایت: حضرت ابو اسلم دیلمی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالے عنہ نے مجھے شیطان کا ایک واقعہ سنایا۔ وہ واقعہ یہ ہے:

مجھے مسلمانوں کے صدقہ (مال غنیمت) کا نگران مقرر فرمایا گیا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ کھجوریں کھڑکی میں پڑی ہیں۔ مجھے مال غنیمت میں کمی محسوس ہوئی گویا کہ کوئی چور اسے اٹھا کے لے جاتا رہا ہے۔

میں نے یہ واقعہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی کارروائی ہے، وہی چوری کر کے لے جاتا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کھڑکی سے داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے اس کے بعد دیکھا کہ دروازے پر سخت تاریکی چھا گئی ہے اور دروازے کے قریب آکر شکل وصورت بھی تبدیل کر لی ہے اور دروازے کے سوراخ سے گھسنے لگا ہے۔ میں بھی اس کے پکڑنے پر خوب تیار ہو گیا۔ اور وہ اندر آتے ہی کھجوریں کھانے لگا۔ میں نے چھلانگ لگا کر اسے پکڑ لیا اور دونوں ہاتھوں سے اسے مضبوط پکڑ کر کہا: اے عدو اللہ! تو کہاں سے آگیا؟ اس نے کہا، مجھے چھوڑ دے، میں بوڑھا، کثیر العیال اور سب سے زیادہ مفلس ہوں۔ تمہارے نبی (سرور عالم صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم) کے مبعوث ہونے سے پہلے ہم اسی دیہات میں زندگی گذارتے تھے۔ جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے ہمیں یہاں سے نکال دیا، لہٰذا میری حالتِ زار پر رحم کھا مجھے چھوڑ دیجئے اور یقین کیجئے کہ میں پھر آؤں گا بھی نہیں۔ میں نے چھوڑ دیا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام ماجرا سنا دیا۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر مجھے بلایا، اور فرمایا:

ما فعل اسیرك (تیرے قیدی نے کیا کیا)

میں نے تمام ماجرا سنا دیا۔ آپ (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: آپ یقین کیجئے کہ وہ دوبارہ ضرور آئے گا، تم جلد واپس چلے جاؤ۔ میں واپس چلا آیا اور پہلے کی طرح دریچہ سے گھسا اور دروازہ بند کر لیا۔ وہ بھی حسب دستور دروازے کے سوراخ سے اندر داخل ہو گیا اور کھجوریں کھانے لگا۔ میں نے اسی طرح پکڑ لیا۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دیجئے میں ہرگز ہرگز

نہیں آؤں گا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ جو شخص بھی سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھ لیتا ہے ہم (شیاطین) اس کے گھر میں اس رات ہرگز نہیں گھستے۔

تمت سورۃ بقرۃ بفضلہ من تعالیٰ یوم الثلثہ السادس عشر من جمادی الاخری من شہور السنۃ الثالثۃ وتسعین بعد ثمانئۃ الثالثۃ المنسلکہ فی سمط الالف الثانی من ھجرۃ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔ وتلیہ سورۃ آل عمران انشاءاللہ تعالیٰ۔

سورۃ بقرہ کا ترجمہ ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۹۳ھ کو ختم ہوا۔ (مترجم، اویسی غفرلہ)

سورۃ آلِ عمران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ
الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ
ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۝ هُوَ
الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝
هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ
مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ
الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؕ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی
الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝
رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ
اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:- اللہ کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحیم ہے

الٓمّٓ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، خود زندہ اوروں کا قائم رکھنے والا ہے

اس نے تم پر یہ سچی کتاب نازل فرمائی وہ گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس نے اس سے پہلے تورات اور انجیل فرمائی لوگوں کی ہدایت کے لیے اور فیصلہ کن (معجزات) اتارے۔ بے شک جو لوگ آیاتِ الٰہی کے منکر ہوتے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالٰے غالب بدلہ لینے والا ہے۔ بے شک اللہ تعالٰے سے کوئی چیز مخفی نہیں زمین میں نہ آسمان میں، وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں تمھاری صورتیں بناتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، غلبہ والا حکمت والا ہے وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل فرمائی اس کی بعض آیتیں صاف معنے والی ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہات ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے تو وہ متشابہات کے درپے ہوتے ہیں فتنہ پھیلانے کی غرض سے اور اس کی تاویل تلاش کرنے کے لیے اور ان کی اصلی تاویل سوائے اللہ تعالٰی کے اور کوئی نہیں جانتا اور پختہ (ایمان) والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے۔ یہ تمام ہمارے پروردگار سے ہے اور نصیحت کو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما بعد اس کے تو نے ہمیں ہدایت بخشی اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما بے شک تُو بہت بڑا دینے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ! بے شک تو تمام لوگوں کو اس دن کے لیے جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں، بے شک اللہ تعالٰے وعدہ کا خلاف نہیں فرماتا۔

تفسیر عالمانہ

سورہ آلِ عمران مدنیہ ہے۔ اس کی دو سو ۲۰۰ آیتیں اور بیس ۲۰ رکوع ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اللہ تعالٰے کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ۝ میں الف سے اللہ تعالٰے کی طرف اشارہ ہے اور لام سے لطیف کی طرف اور میم سے مجید کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اللّٰہُ، مبتدا۔ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اس کی خبر ہے یعنی معبودیہ کا مستحق صرف وہی اللہ تعالٰے ہے نہ کہ کوئی غیر۔

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ اس کی دوسری خبر ہے یعنے وہ ایسا باقی رہنے والا ہے کہ اس پر موت و فنا کو کوئی چارہ کار نہیں، اور اپنی مخلوق کی تدبیر و حفظ پر دائم القیام ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا کہ اسم اعظم ان تین سورتوں میں ہے :

(۱) سورہ بقرہ، آیت : اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم۔

(۲) سورہ آلِ عمران، آیت : الٓمّٓ اللہ لا الٰہ ھو الحی القیوم۔

(۳) سورہ طٰہٰ، آیت : وعنت الوجوہ للحی القیوم۔

شانِ نزول یہ آیات ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو کہ یہ گمان رکھتے تھے کہ سیدنا عیسےٰ علیہ السلام خدا تھے۔ (معاذ اللہ تعالےٰ)

چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں نجران کا ایک وفد حاضر ہوا۔ اس کی تعداد ساٹھ تھی، ان میں چودہ سوار تھے جو ان سب کے نمایندے تھے۔ ان سب میں سے تین بزرگ ایسے تھے جن پر ان کے کاروبار کا دار و مدار تھا۔

(۱) امیر اور صاحب مشورہ جس کا نام عبدالمسیح تھا
(۲) وزیر جس کا نام الایہم تھا۔
(۳) علامہ جس کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا

شاہانِ روم ان کے علم و اجتہاد کی وجہ سے ان کی بہت زیادہ عزت و تعظیم کیا کرتے تھے۔ اسی لیے مال و دولت سے انھیں بھرپور کر دیا تھا بلکہ بڑی بڑی عالی شان عبادت گاہیں ان کے لیے تیار کرا دی تھیں۔

جب نجران سے روانگی ہوئی تو ابو حارثہ خچر پر سوار تھا اس کا بھائی کرز اس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ راستے میں خچر دوڑا تو پاؤں پھسلا کہ جس سے یہ دونوں گرنے کے قریب تھے کہ کرز کے منہ سے نکلا : تعس للبعید (خرابی ہو ہمارے بعید کے لیے) اس سے اس کی مراد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔

کرز کی بات سن کر ابو حارثہ کہنے لگا : بل تعست امک (بلکہ تیری ماں کے لیے ہلاکت ہو) کرز نے کہا : کیوں بھائی! ابو حارثہ نے کہا کہ وہ تو برحق نبی موعود ہیں۔ ہم ان کا عرصہ سے انتظار کر رہے ہیں۔ کرز نے کہا کہ جب ان کی یہ شان ہے تو پھر ان پر ایمان لانے میں کونسی رکاوٹ ہے۔ ابو حارثہ نے کہا کہ وجہ دراصل یہ ہے کہ شاہانِ روم کی بے پناہ خدمات اور ان کی لامحدود عزت و تعظیم سے خطرہ ہے کہ اگر ہم اس رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائیں تو یہ سب کی سب چیزیں ہم سے چھن جائیں گی۔ اس سے کرز کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ اس وجہ سے اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ میں پہنچے تو سیدھے مسجد الرسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں چلے گئے، عصر کی نماز کے بعد مسجد شریف میں آئے۔ ان کے بہت بڑے جبّے اور شاندار چادریں تھیں۔ جن صحابہ کرام نے انھیں دیکھا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس جیسا وفد کبھی نہیں دیکھا۔ نماز کا وقت تھا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے شروع ہوئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ ان پر طعن و تشنیع نہ کرنا جس طرح پڑھتے ہیں پڑھنے دو۔ انھوں نے مشرق یعنی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔

مناظرہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مع نصاریٰ

تقریر نصاریٰ بعد از فراغ نماز دینی تین حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تھے (معاذ اللہ) کیونکہ وہ مردوں کو زندہ اور بیماروں کو تندرست کرتے تھے اور غیب کی خبریں دیتے تھے اور مٹی سے پرندے کی شکل تیار کرکے اس میں کچھ پھونکتے تو وہ اڑجاتا تھا۔ اور کبھی کہتے تھے کہ نہیں وہ تو اللہ تعالے کے بیٹے تھے (نعوذ باللہ من ذالک) کیونکہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ ان کا کوئی باپ نہیں ہے۔ اور کبھی کہتے کہ نہیں، وہ تو تیسرا خدا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ تبارک و تعالے نے اپنا ذکر فرمایا تو جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ۔ اگر واحد ہوتا تو واحد کا صیغہ بیان فرماتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناظرہ کا نمونہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان : حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔

نصاریٰ کا بیان : ہم تو مسلمان ہیں۔

رسول خدا : تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ اسلام روکتا ہے کہ خدا تعالے کے لیے اولاد ثابت کی جائے۔

نصاریٰ : اگر عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالے کا بیٹا نہیں تو فرمائیے کہ ان کا باپ کون ہے؟

رسول خدا : کیا تمھیں معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

نصاریٰ : ہاں!

رسول خدا : کیا یہ تمھیں یقین نہیں کہ اللہ تعالے حی لایموت ہے؟

نصاریٰ : کہا، واقعی وہ حی لایموت ہے۔

رسول خدا : یہ بات مسلمات سے ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایک دن فنا آنے والی ہے؟

نصاریٰ : واقعی۔

رسول خدا : پھر تم کو یقین ہے کہ اللہ ہر شے پر قائم ہے اور ہر ایک کا محافظ ہے اور ہر ایک کو روزی دیتا ہے؟

نصاریٰ : واقعی اسی طرح ہے۔

رسول خدا : عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ان اوصاف میں سے کوئی صفت حاصل ہے؟

نصاریٰ : نہیں۔

رسول خدا : تمہیں یقین نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں ؟

نصاریٰ : واقعی ایسے ہی ہمارا عقیدہ ہے ۔

رسول خدا : عیسیٰ علیہ السلام سوائے چند معلومات کے علاوہ اتنے وسیع علوم کے عالم تھے ؟

نصاریٰ : نہیں ۔

رسول خدا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی جس طرح چاہا ان کی ماں کے رحم میں ان کی صورت تیار فرمائی اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ قضائے حاجت پھرتا ہے ؟

نصاریٰ : واقعی اسی طرح ہے ۔

رسول خدا : عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یقین ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں رہے ، پھر ان کو ماں نے جنا جیسے عام عورتیں اپنے بچوں کو جنتی ہیں پھر ان کی ماں سے غذا ملی جیسے عام کو غذا ملتی ہے ۔ پھر وہ طعام کھاتے اور پانی پیتے اور قضائے حاجت پھرتے ؟ ر

نصاریٰ : واقعی اسی طرح ہے ۔

رسول خدا : جب ان کے متعلق یہ باتیں تم مانتے ہو تو پھر وہ خدا یا خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں ؟

نتیجہ : ان دلائل سے وہ تمام لاجواب ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلائل مختصر مگر جامع الفاظ میں اس سورت کے اول سے اسّی آیات نازل فرمائیں اور ساتھ ساتھ خود بھی ان کے شکوک کے ازالہ کے لیے اضافہ فرما کر حق کا اثبات فرمایا ۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ، اسے اسم جنس سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس کا باقی کتب پر کمالات کے لحاظ سے رتبہ بلند فرمایا ہے گویا کہ کتاب علی الاطلاق کہنے کی مستحق صرف یہی ہے ۔

سوال : قرآن پاک کے لیے نزل الکتاب اور تورات و انجیل کے لیے انزل التوراۃ و الانجیل کہنے کی وجہ کیا ہے ؟

جواب : لفظ تنزیل تکثیر کے لیے ہوتا ہے اور قرآن پاک بھی رفتہ رفتہ نازل ہوا اور تورات و انجیل یکبارگی نازل ہوئیں ۔ اور پھر آخر آیت میں الانزال سے اس لیے تعبیر کیا کہ قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف رمضان شریف کی لیلۃ القدر میں یکبارگی نازل کیا گیا ۔ اور یہاں پر آسمان سے زمین کی طرف نازل کرنا مقصود ہے اور قرآن پاک میں دو جہتیں ہیں انزال کی بھی اور تنزیل کی بھی ۔

بِالْحَقِّ یعنے وہ کتاب احکام میں عدل سے ملتبس ہے یا صدق سے اپنی خبروں میں منجملہ ان کے خبر توحید اور اس کے

متعلقات ہیں یا اپنے وعدہ اور وعید ہیں۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ، اس حال میں کہ وہ اپنے سے پہلی کتابوں توحید اور مسائل نبوات اور خبروں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اسی طرح جو اس سے پہلے شریعتیں گزری ہیں ان کے بعض مسائل کی۔ وَأَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۝ اور نازل فرمایا ہے تورات و انجیل کو۔ تورات و انجیل عجمی الفاظ ہیں۔ پہلا عبرانی اور دوسرا سریانی ہے۔

مِنْ قَبْلُ، اس کتاب سے پہلے انھیں حضرت موسٰے و حضرت عیسٰی علی نبینا علیہم السلام پر یکبارگی نازل فرمایا۔

سوال: تورات و انجیل کے نام کی تصریح سے کیا فائدہ باوجودیکہ ان کا منزل من اللہ ہونا ظاہر ہے؟

جواب: مبالغہ مطلوب ہے۔

هُدًى لِّلنَّاسِ، لوگوں کو ہدایت کرنے والی۔ یہ انزال کی علت ہے یعنے تورات و انجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا۔ اور اس میں بغیر نشر کے لف ہے اور یہ جائز ہے اس لیے کہ اس میں التباس نہیں کیونکہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کے لیے ہدایت تھی اور انجیل حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں کے لیے ہدایت تھی چونکہ یہ سب کو معلوم ہے اس لیے بطور اختصار فرمایا۔ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اور فرقان کو نازل فرمایا۔ فرقان سے جنس کتب سماویہ مراد ہے اس لیے کہ وہ سب کی سب حق و باطل میں فرق بتانے والی ہیں یا اس سے صرف قرآن مجید مراد ہے۔

سوال: اس طرح تکرار لازم آئے گا؟

جواب: جب تکرار سے تعظیم اور اظہار فضل مقصود ہو تو جائز ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ، بے شک جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کیا۔ آیات اللہ سے قرآن مجید اور معجزات النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مراد ہیں۔ لَهُمْ، ان کے لیے۔ عَذَابٌ شَدِيْدٌ، سخت عذاب ہے کہ جس کا کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ، اور اللہ تعالٰے سب پر غالب ہے۔ اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس طرح حکم کرتا ہے ہوتا ہے۔ ذُو انْتِقَامٍ ۝ صاحب انتقام ہے اس جیسا کوئی انتقام نہیں لیتا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ بے شک اللہ تعالٰے پر کوئی شے مخفی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں یعنے تمام اشیاء اس کے علم میں ہیں یعنے وہ کافر کے کفر کو اور مومن کے ایمان کو اور ان کے تمام اعمال کو جانتا ہے۔ اس پر انھیں قیامت میں جزا دے گا۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ، اللہ تعالٰے وہ ہے جو ارحام میں تمھاری تصویریں بناتا ہے جیسے چاہتا ہے یعنے تمھاری ماؤں کے ارحام میں تمھاری مخصوص صورتیں بناتا ہے۔ مرد و عورت، سیاہ و سفید، کامل و ناقص، لمبا و چوڑا، حسین و قبیح۔

ف : اس آیت میں ان عیسائیوں کا رد ہے جو عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام خدا ہیں یا خدا کا بیٹا ہیں۔ اس لیے کہ جس کی رحم میں تصویر کھینچی جائے وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ مرکب ہوتا ہے یا مرکب میں حلول کرنیوالا اور معرضِ فنا و زوال میں ہوتا ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی تنزیہہ بیان فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کا بیٹا نہیں ہے۔ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ غلبہ اور حکمت والا ہے۔ المتناہی فی القدرۃ والحکمۃ ہے۔ پس تمہیں عجیب وغریب طریق سے پیدا کرتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"نطفہ پیٹ میں پڑنے کے بعد اسے ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کیا جاتا ہے پھر وہ چالیس دن تک خون کا لوتھڑا رہتا ہے اس کے بعد جو وہ چالیس دن گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ اس کی طرف فرشتہ کو چار کلمات دے کر بھیجتا ہے جو اس کا رزق و عمل اور اجل بدبخت یا نیک بخت لکھتا ہے۔ اور فرمایا تمہارا ایک بہشتیوں کا عمل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور بہشت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ بچ رہتا ہے۔ پھر اس کی تقدیر کی کتاب اس پر سبقت کر جاتی ہے۔ پھر وہ دوزخیوں کے عمل شروع کر دیتا ہے، بالآخر وہ جہنم میں داخل ہوتا ہے۔"

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"جب انسان کا نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس یا پینتالیس روز ٹھہرتا ہے تو اس کے بعد ایک فرشتے کو اس پر مقرر کیا جاتا ہے تو وہ فرشتہ اللہ تعالےٰ سے عرض کرتا ہے کہ یا اللہ! اسے بدبخت لکھوں یا نیک بخت؟ جو کچھ لکھا ہوتا ہے اللہ تعالےٰ حکم فرماتا ہے۔ پھر وہ پوچھتا ہے یا اللہ! اسے نر لکھوں یا مادہ؟ جو کچھ لکھا ہوتا ہے اللہ تعالےٰ حکم فرماتا ہے۔ اس کے بعد وہ فرشتہ اس بندہ کے اعمال اور زندگی کا بسر اوقات اور اس کا رزق اور اجل لکھتا ہے۔ وہ لکھا ہوا صحیفہ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ ان امور میں نہ اضافہ ہوگا اور نہ کمی۔ پھر فرشتہ عرض کرتا ہے : اے الہ العالمین اب اس صحیفہ کو میں کیا کروں؟ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ صحیفہ اسی کے گلے میں ڈال دے۔ جب تک اس پر موت نہیں آئے گی یہ صحیفہ اس کے گلے میں لٹکا رہے گا۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

"والزمناہ طائرہ فی عنقہ" یعنے ان کے اعمال نیکی یا برائی (جو اس کے مقدر میں ہیں جو اس نے اپنے اختیار سے کی ہوں گی) اس کے گلے میں لٹکائے جائیں گے۔ گویا اس کا وہ صحیفہ آشیانہ غیب اور تقدیر کے گنجینہ سے اڑ کر اس کے گلے میں پڑ جائے گا۔"

ف : حضرت قاضی مفسر (بیضاوی) رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ان اشیاء کے لکھ لینے سے ان کا وہ اظہار مراد ہے

جو اس فرشتے کے سامنے کی جاتی ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر تو اس سے پہلے سبقت کر چکی تھی۔

مسئلہ: ہر ایک کو اس عمل کی توفیق ہوتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ ہر حال میں اعمال صالحہ میں کوتاہی نہ کرے اور شب و روز کی فرصت کی گھڑیوں کو ضائع نہ کرے ؎

خبر داری اے استخوانی قفس
کہ جان تو مرغیست نامش نفس
چوں مرغ از قفس رفت و بگسست قید
دگر رہ نگردد بسعی تو صید
نگہدار فرصت کہ عالم دمیست
دمی پیش دانا بہ از عالمست

ترجمہ: اے ہڈیوں کے ڈھانچے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تیری روح ایک پرندہ ہے جسے نفس سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ جب یہ پرندہ اڑ گیا اور قیدیں توڑ دیں تو پھر تیری ہزار کوشش کے باوجود یہ تیرا شکار نہ ہو سکے گا۔ فرصت کو غنیمت جان کیونکہ یہ عالم چند لمحات ہے کچھ دانا کی نظروں میں ایک لمحہ تمام عالم سے بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے انسان کے نطفہ کی اربعین تک صورت کشی کی جاتی ہے، اسی طرح جب اولیاء سے کسی مرید صادق کے لیے ولایت مقدر کی جاتی ہے اور مرید سر تسلیم خم کر کے ولایت شیخ کے تصرفات قبول کرتا ہے۔ یہ بھی بمنزلہ ملک الارحام کے ہے تو وہ اپنے شیخ کے امر سے اپنے ظاہر و باطن کو صحیح کرتا ہے پھر وہ خلوت و عزلت کو اختیار کرتا ہے۔ اس خطرہ سے کہ کہیں غلط حرکت نہ صادر ہو جائے یا کوئی گندی بو دماغ میں نہ پہنچے تاکہ ولایت کے اسباب زائل نہ ہو جائیں۔ اسے چاہیئے کہ اپنے شیخ کے حکم اور ان کی تدبیر کے مطابق اپنی نشست و برخاست رکھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہر اربعین پر اسے ولایت کے مراتب (اس کے شرائط کے مطابق) سے نوازتا ہے۔ اور ایک حال سے ترقی دے کر دوسرے حال میں پہنچاتا ہے یعنے ایک مقام سے ترقی دے کر دوسرے مقام پر فائز المرام کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے حظیرۃ القدس و ریاض الانس (جو کہ عالم انس سے صادر ہوا ہے) تک انہی اربعینات کے پہلے چلّہ سے پہنچا دیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ مقام اول میں واصل ہوتا ہے (انہی اربعینات کے مطابق) (جیسے ترتیب حدیث شریف میں مذکور ہوئی) اس کے بعد اس کے قلب میں اسی ولایت کا جنین (بچہ) مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے لیے زمین میں خلافت الٰہیہ مقرر ہو جاتی ہے۔ اب وہ اس کا مستحق ہے کہ اولیاء اللہ کے روحانی ولایت کے ارواح سے اس کے اندر روح پھونکی جائے۔ دراصل روح القدس یہی ہوتا ہے۔ جو اسے اب نصیب ہوگا۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

ویلقی الروح من امرہٖ علی من یشآء من عبادہٖ -

اور فرمایا :

کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ -

اس فائدہ عظیمہ کے لیے اعلیٰ علیین کے قرب سے ارواح کو اسفل سافلین کے بُعد تک پہنچایا جاتا ہے - چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

اھبطوا منھا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون -

جب اس کے اندر ایسی روح پھونکی جاتی ہے تو وہ اپنے وقت کا آدم ہوتا ہے اس پر اس کی خلافت کو ملائکہ کرام سب کے سب سجدہ کرتے ہیں -

اس تقریر کو پورے طور پر یاد کرو انشاء اللہ تعالےٰ مطلب کو پہنچ جاؤ گے - (کذا فی تاویلات الشیخ الکامل نجم الدین الکبریٰ (افاض اللہ علینا من سجال معارفہٖ وحقائقہٖ ولطائفہٖ) قدس سرہٗ - (آمین)

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ ، اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری - مِنْهُ اس کتاب سے - اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ، آیات محکمات یعنے وہ آیات جو کہ معنے مراد پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہیں - عبارت کے لحاظ سے مضبوط اور احتمال واشتباہ کے اعتبار سے محفوظ ہیں - هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ ، وہی اصل ہیں کتاب سے یعنے وہی قرآن کی اصولی آیات ہیں - اور ایسی عمدہ ہیں کہ باقی آیات کی تاویل کرکے انہی کی طرف راجع کی جاتی ہیں - یہاں پر کتاب سے مراد تمام کتب ہیں اور اضافت بمعنے فی ہے - وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور دوسری متشابہات ہیں یعنے وہ ایسی آیات ہیں کہ ان میں چند معانی کا احتمال ہے جو استحقاق ارادہ میں ایک دوسری سے ممتاز نہیں - نظر دقیق تامل انیق کے بغیر کوئی معنےٰ واضح نہیں ہوا -

سوال : متشابہات معانی کی وصف ہے یہاں پر وہی قاعدہ جاری ہوا ہے کہ آیات کو کیوں موصوف کیا گیا ہے ؟

جواب : دال کو موصوف کرکے مدلول مراد لیا جاتا ہے - یہاں پر وہی قاعدہ جاری ہوا ہے کہ آیات دال ہیں اور معانی مدلول اس بنا پر متشابہات کو آیات کا وصف بنانا جائز ہے -

خلاصۂ تفسیر : لفظ دو قسم کا ہوتا ہے :

① کسی دوسرے کا اس میں احتمال بھی نہ ہو -

② اس میں کسی دوسرے کا بھی احتمال ہو -

پہلی قسم کو نص کہاجاتا ہے جیسے والھکم الٰہ واحد ۔ دوسری کی دو اقسام ہیں :

(۱) وہ دو معنوں پر دلالت کرے ۔

(۲) کئی معانی پر دلالت کرے ۔

پھر وہ معانی متساویۃ الدلالۃ ہوں گے یا نہ پہلی قسم یعنے جس میں دو معنوں کا احتمال ہے اسے عرف میں مجمل کہاجاتا ہے جیسے : ثلاثۃ قروء ۔ دوسری قسم یعنے جس میں کئی معانی کا احتمال ہے ۔ اگر اسے راجح کی طرف نسبت ہوا سے ظاہر کہا جاتا ہے جیسے : ولا تنکحوا ما نکح اباءکم من النساء ۔ اگر اس کی نسبت رجوع کی طرف ہو اسے موول کہا جاتا ہے جیسے : ید اللہ فوق ایدیھم ۔ نص اور ظاہر ہر دو نوں محکم اور مجمل و مؤول "متشابہ" ہیں ۔ جیسے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ اسے خود اللہ تعالٰے نے دوسرے مضمون کی طرف منسوب فرمایا : وحیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ ۔

سوال : یہاں پر آیات دو قسم کی بتائیں محکمات و متشابہات ۔ دوسری آیت الٓر کتاب احکمت ایاتہ میں تمام آیات کو محکم بتایا ہے اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب : اس دوسری آیت میں محکم کا معنٰے یہ ہے کہ قرآن کی تمام آیات مضبوط اور پختہ ہیں ۔ ان میں کسی قسم کا شک نہیں اور نہ ہی ان کو آپس میں تناقض ہے اور خلل اندازی سے بالکل پاک اور محفوظ ہیں یا مطلب یہ ہے کہ اب آیاتِ قرآنی منسوخ ہونے سے محفوظ ہیں ۔ ایسے ہی دوسری آیت میں تمام قرآنی آیات کو متشابہات کہا گیا ہے ۔ متشابھًا مثانی یعنے قرآنی آیات ایک دوسرے سے مشابہ ہیں یعنے صحیح المعنٰے اور بہترین نظم و نسق اور حقیقۃ المدلول ہیں ۔

ف : بعض کو محکم اور بعض کو متشابہ کہنے کا مطلب ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے ۔

سوال : تمام آیات کو محکم کیوں نہ بنایا تاکہ اتنے جھگڑے اور نزاع ہی پیدا نہ ہوں ؟

جواب (۱) : متشابہ آیات امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کا امتحان ہیں تاکہ اہلِ حق و باطل کے مابین امتیاز ہو اور ظاہر ہو جائے کہ کون ایمان پر پختہ اور مضبوط ہے اور کون ضعیف الایمان ، جیسے بنی اسرائیل کا نہر کے پانی سے امتحان لیا گیا تھا ۔

جواب (۲) : تاکہ متشابہ آیات کے اندر حق کی تلاش کے لیے غور و خوض کرنے پر اجر و ثواب اور ترقی درجات نصیب ہو ۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ ۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کھوٹ ہے یعنے ان کے دل حق سے منہ موڑ کر خواہشاتِ نفس کی طرف لگ جائیں ۔ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ۔ پس پیچھے لگتے ہیں اس کے ، جو قرآنی آیات کے متشابہات ہیں یعنے محکمات سے منہ موڑنے والے لوگ ۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ قرآنی آیات کے متشابہات کے ظاہر کے پیچھے لگ جاتے ہیں یا باطل تاویل کرتے ہیں ۔ اس لیے نہیں کہ ایمان کے بعد وہ حق کے متلاشی ہیں اور یوں ایمان رکھتے ہیں کہ یہ آیات اللہ تعالٰے کی طرف سے ہیں ۔

ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ ، بلکہ فتنہ کی تلاش میں پڑ کر یعنے اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی آیت مل جائے کہ جس سے

لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے کا موقعہ مل جائے اور انہیں شک میں ڈال سکیں اور التباس پیدا کرکے لوگوں کو کہیں کہ آیات محکمات اور متشابہات میں تناقص ہے۔ وَابْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِ ۚ اور قرآنی آیات میں اپنی خواہش کے مطابق تاویل کرنے کی طلب میں رہتے ہیں۔ اور ایسی ٹیڑھی تاویلات کرتے ہیں جو قرآنی مراد کے بالکل خلاف ہے اور نہ ہی وہ اس کے اہل ہیں کہ وہ ان آیات متشابہات کی صحیح تعبیر کرسکیں۔ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ ۔ اور ان آیات متشابہات کی تاویل کو کوئی نہیں جانتا۔ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ ، اللہ تعالےٰ اور راسخ العلم کے ماسوا یعنے اس کی تاویل کی طرف راہ نہیں پاتا یعنے وہ حق تاویل کہ جس پر ان آیات متشابہات کو محمول کیا جاسکے۔ انہیں اللہ تعالےٰ اور اس کے وہ بندے جو راسخ فی العلم ہیں کے ماسوا کوئی نہیں جانتا۔

ف: راسخ العلم وہ بندے جو علم پر ثابت قدم اور مضبوط ہیں۔ اور آیات کے مضامین کو نص قاطع کی طرف راجع کرتے ہیں۔

ف: بعض لوگ الا اللہ پر وقف اور مضمون کا ابتدا والرسخون فی العلم یقولون اٰمنا بہ سے کرتے ہیں۔ اور بعض کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان علوم سے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے لیے مخفی رکھا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ متشابہ سے کلام الٰہی کے آیات کی حکمت معلوم کرنا مراد ہے جیسے علیھا تسعۃ عشر میں زبانیہ کی گنتی اور بقائے دنیا کی مدت اور قیام قیامت کا وقت اور روزوں کی گنتی اور پانچ نمازوں میں رکعات کی تعداد وغیرہ وغیرہ کو مخفی رکھنا مراد ہے۔ قول اوّل صحیح ہے۔

رد منکرین وہابیہ دیوبندیہ بعض لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ متشابہات کا علم کسی نبی و ولی کو نہیں۔ ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک اس لیے اتارا ہے کہ اس کے بندوں کو نفع ہو اور اسے پڑھ کر اس کی مراد کو پہنچیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ متشابہات اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا تو منکرین اسلام کا اعتراض ہوگا کہ (خدا تعالےٰ کا کلام عبث اور فضول ہے) (معاذ اللہ) کہ جس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا وغیرہ وغیرہ۔

سوال: کیا یہ کہنا جائز ہے کہ کہا جائے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم متشابہات کو جانتے ہیں؟

جواب (۱): یہ مسلّم ہے کہ متشابہات کو آپ بھی اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور علمائے ربانی جانتے ہیں۔

(۲) اگر یہ بات مان لی جائے کہ متشابہات کو نہ آپ جانتے ہیں اور نہ صحابہ کرام اور نہ ہی علماء ربانیین بلکہ صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عام امتی میں کیا فرق رہا جب کہ وہ بھی کہتے ہیں: لا علم لنا۔

(۳) علاوہ ازیں قرن اول سے لے کر آج تک تمام مفسرین ہر آیت کی تفسیر اور اس کی کوئی نہ کوئی تاویل ذکر کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے کہا اور کہا ہو: ھذا متشابہ لا یعلم تاویلہ الا اللہ (یہ متشابہ ہے اس کا علم اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے) بلکہ وہ ہر آیت محکم ہو یا متشابہ کوئی نہ کوئی تفسیر یا تاویل لکھ یا کہہ دیتے ہیں یہاں تک

حروف نہی الٓمٓ۔ حٰمٓ۔ قٓ۔ صٓ وغیرہ وغیرہ، کی بھی تفسیر و تاویل بیان فرمائی۔

یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ وہ کہتے ہیں کہ ہم متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ جملہ پہلی تقریر کے مطابق جملہ مستانفہ ہے اور راسخین کے حال کی توضیح کے لیے واقع ہوا ہے۔ اور دوسری تقریر کے مطابق "والراسخون ... الخ" کی خبر ہے۔ کُلٌّ ہر ایک محکم ہو یا متشابہ۔ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ہمارے رب کی طرف سے ہے یعنے اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کے یعنے محکم و متشابہ کے درمیان کسی قسم کی مخالفت نہیں۔ وَمَا یَذَّکَّرُ حقیقی نصیحت صرف پاتے ہیں۔ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ جو عقل والے ہیں۔ یعنے وہ لوگ جن کے عقول غلط خواہشات کی طرف جھکے ہوئے نہیں۔ اس میں راسخین فی العلم کے جودۃ ذہن اور حسن النظر کی تعریف ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے آیات متشابہات کی صحیح تاویل کو کس ذریعہ سے پایا یعنے انھوں نے اس عقل کے ذریعہ سے تاویل حق کو پایا جب کہ اس عقل سے حس کے پردے ہٹ گئے (نور ایمانی سے پر ہوگیا)۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے قلوب کو حق کے راستہ سے ہٹا کر متشابہات کی ایسی تاویل کرنے کے شوق میں نہ لگا کہ جس سے تو راضی نہ ہو۔ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا، بعد اس کے کہ تو نے ہمیں حق یا تاویل صحیح یا ایمان کی طرف ہدایت بخشی۔ وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ، اور ہمیں اپنی طرف سے عطا فرما۔ رَحْمَۃً، رحمت وسیع جو ہمیں تیرے قریب کردے اور ہم اس کے ذریعے تیرے قرب حقیقی سے کامیابی حاصل کریں۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔

مسئلہ: وھاب مطلق طور پر کہنے میں اشارہ ہے کہ ہر عطا اسی سے ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہدایت اور گمراہی اسی سے ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اس پر کوئی شے واجب نہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ، اے ہمارے رب! بے شک تو ہی تمام لوگوں کو جمع کرنے والا ہے بعد موت کے۔ لِیَوْمٍ حساب اور جزا کے دن کے لیے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے یعنے اس کے وقوع اور جو اس کے اندر واقعات ہوں گے جیسے حشر و نشر اور حساب و جزا۔ اس سے ان کا مقصود صرف اتنا ہے کہ وہ اس کی رحمت کے محتاج ہیں اور ان کا یہی اصل مقصد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ع بے شک اللہ تعالٰے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

المیعاد بمعنے الوعد یعنے الوہیت خلف وعدہ کے منافی ہے یعنے جب وہ وعدہ ہوگیا کہ قیامت میں ان سب کو اٹھانا ہے اور ان کی دعا قبول کرنی ہے۔ یہ ہو کر رہے گا۔ اور یہی حال دعا کے متعلق راسخین فی العلم کا ہے کہ وہ دعا کے مطابق ہی اپنے وعدہ پر اترتے ہیں۔

سبق : ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ اپنے برے خاتمہ سے بے خوف ہو کر پھرتے ہیں۔ انھیں نہ خوف ہے اور نہ خطرہ۔ وہ صرف امید و رجا کے نشہ میں رہتے ہیں۔ اسے سالک! تمہیں خواہشات نفسانیہ اور شہوات شیطانیہ میں پھنس کر راہ مستقیم سے پھر جانے کے خطرہ میں رہنا چاہیئے کہ کہیں راہ حق سے بھٹک نہ جاؤ۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن کا قلب اللہ تعالےٰ کے قبضہ قدرت کی دو انگلیوں سے بندھا ہوا ہے جس کے لیے سیدھا رکھنا چاہتا ہے تو اسے سیدھا رکھتا ہے اور جسے ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے اسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔

شرح الحدیث : یعنی انسان کا دل اللہ تعالےٰ کی توفیق و خذلان کے مابین واقع ہے۔

نکتہ : من اصابع الرحمٰن کی بجائے من اصابع اللہ نہ کہنے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ صرف اس کو ہی بندوں کے قلوب پر تمکن و تصرف ہے جیسے چاہے جس طرح اپنی رحمت سے کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں نہ فرشتوں کو نہ کسی اور کو یہ بھی اس کا فضل و کرم ہے کہ اسے صفت رحمٰن سے متعلق رکھا (ورنہ صفت الوہیت میں لا پرواہی و استغنار ہے) تاکہ بندوں کے اسرار پر صرف آپ ہی مطلع ہو۔

دعائے نبوی : حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا مانگتے تھے :

اللھم یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلوبنا علی دینک — اے قلوب و ابصار کے بدلنے والے ہمارے قلوب کو اپنے دین کی طرف بدل دے۔

بقایا الحدیث : میزان اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے بہتوں کو بلند قدر بنا دیتا ہے اور بہتوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور یہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :
"مومن کا دل ایک ریشہ کی طرح ہے جو ویران زمین کے چٹیل میدان میں پڑا ہو، اسے ہوا کے جھونکے کبھی زمین کے اوپر لے جاتے ہیں اور کبھی زمین کی تہ میں"

روحانی نسخہ کیمیا سیدنا جنید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ میرا دین صحیح اور قلب و بدن چین سے ہو تو اسے چاہیئے کہ لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے۔ اس لیے کہ یہ وحشت کا زمانہ ہے اور در اصل دانا وہی ہے جو وحدت (گوشہ نشینی) اختیار کرتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ دانہ کہاں اگتا ہے؟ سب نے عرض کیا زمین میں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۶۲ پر)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ
هُمْ وَقُودُ النَّارِ ○ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ
وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ
الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ
الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ○
زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ
وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ○ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ
رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَ
رِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ○ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ
وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ○ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو
الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ
وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ
يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ
وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ
اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ○

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہیں انھیں ان کے مال اور اولاد ہرگز کام نہیں آ سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے ذرہ برابر اور وہی دوزخ کے ایندھن ہیں جیسے فرعون والوں اور ان سے گذشتہ لوگوں کا طریقہ۔ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ تعالے نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت کی، اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ کافروں کو فرما دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤگے اور وہ بہت برا بچھونا ہے، بے شک تمھارے لیے دو گروہوں میں نشانی تھی جو آپس میں لڑ پڑے، ایک گروہ اللہ تعالے کی راہ میں لڑتا تھا اور دوسرا کافر تھا وہ اپنے کو مسلمانوں سے دوگنا دیکھتے تھے کھلے آنکھوں دیکھنا اور اللہ تعالے اپنی مدد سے جسے چاہتا ہے قوت دیتا ہے بے شک

اس میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔ لوگوں کے لیے سنگاری گئی ہے ان کی خواہشات کی محبت عورتوں سے اور بیٹوں سے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مواشی اور کھیتیاں یہ دنیوی زندگی کی پونجی ہے اور اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے انجام کار کی خوبی۔ فرمائیے کیا تمھیں اس سے بہتر چیزیں بتاؤں پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے رضامندی، اور اللہ تعالےٰ بندوں کو دیکھتا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا صبر والے اور سچے اور عجز دنیار والے اور راہ خدا میں خرچ کرنیوالے اور پچھلی رات اٹھ کر معافی مانگنے والے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے انصاف قائم کیا کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔ بے شک اللہ تعالےٰ کے ہاں اسلام ہی پسندیدہ دین ہے اور مختلف نہ ہوئے اہل کتاب مگر بعد اس کے کہ انھیں علم آچکا اپنے دلوں کی جلن سے اور جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے تو بے شک اللہ تعالےٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑیں تو فرمائیے میں نے اپنا چہرہ اللہ تعالےٰ کی طرف جھکا دیا ہے اور وہ جو میرے پیرو کار ہیں اور اہل کتاب اور ان پڑھوں کو فرما دیجئے کہ کیا تم نے بھی مانا پس اگر وہ مانیں تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو تمھارے ذمہ تو حکم پہنچانا ہے اور اللہ تعالےٰ بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۶۰)

شرح الحدیث: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالےٰ کی حکمت مؤمن کے قلب میں ایسے ہی اگتی ہے جیسے دانہ زمین میں اگتا ہے۔ اسی طرح چاہیئے کہ فواد وجود کا دانہ خمول کی زمین میں دفن کیا جائے کہ جس سے دانے اور پھل اگیں اور پھر وہ پکیں جب تک دانہ زمین میں دفن نہیں کیا جائے گا اس وقت تک دانہ پیدا نہیں ہوگا جب اس کا نور اور پک جانا ظاہر ہو جاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے سیلاب کے بعد سبزہ زار اگتا ہے۔

سبق: اے سالک! تیرے لیے لازم ہے کہ تم تزکیہ نفس اور اصلاح الوجود میں جد وجہد کرو تا کہ تمھیں نور شہود نصیب ہو اور تم پر استقامت کا باب مفتوح ہو اور جمیع الاحوال میں زیغ وضلال سے نجات حاصل ہو۔

اعجوبہ: بہت سے لوگ بظاہر تو راہ مستقیم پر چلتے نظر آتے ہیں لیکن بہت زیادہ ٹیڑھی راہ پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہت

سے حضرات بظاہر تو وہ غیر مستقیم معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت جادۂ حق پر گامزن ہوتے ہیں۔
کہتے ہیں ؎

بس قامت خاشاک کہ برجا باشد
چوں باد بر آنہا بوزدنا باشد

ترجمہ: بہت سے سرو قامت مضبوط نظر آتے ہیں لیکن اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ جب ہوا چلتی ہے تو نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ: نگاہِ حق کا مطمح نظر قلب ہے نہ ظاہری صورت۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب و اعمال کو دیکھتا ہے۔

سبق: اے سالک! قلب کو حق سے پھیر کر اسے ٹیڑھا رکھنے کا کیا فائدہ!

(تفسیر آیاتِ صفحہ نمبر ۱۶۱)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ ، بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا انھیں ہرگز نہیں بچا سکیں گے یعنے انھیں ہرگز نفع نہیں دیں گے۔ اَمْوَالُهُمْ ، ان کے وہ مال۔ جو حصول منافع اور نقصانات کو دفع کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

سوال: اموال کو اولاد پر کیوں مقدم کیا گیا؟

جواب: جب بھی انسان کو حادثہ پیش آتا ہے تو سب سے پہلے مال کو خرچ کرتا ہے۔ اسی لیے وہی تقدیم کے لیے اہم ہے۔

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ، اور نہ ہی ان کی اولاد جو ان سے بوقت تکلیف و مصیبت مدد لی جاتی ہے بلکہ انھیں اپنے ہر دکھ اور درد کے وقت صرف اپنی اولاد پر بھروسہ ہوتا ہے۔

سوال: اموال و اولاد کے درمیان صرف نفی کے لانے کا کیا فائدہ؟

جواب: چونکہ کشف و کروب میں صرف اولاد ہی کام آتی ہے اور اموال کو طفیلی طور پر تعاون میں لایا جاتا ہے اسی لیے اُن کے مابین فرق بتانے کے لیے حرفِ نفی لایا گیا ہے۔

مِّنَ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ سے یعنے اس کے عذاب سے۔ شَيْـًٔا ، کسی شے سے۔ اب آیت کا معنٰے یوں ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ مال کی کثرت بچا سکے گی اور نہ ہی اولاد کی وفرت۔

شانِ نزول: کفار و مشرکین کہتے تھے کہ ہم چونکہ مالدار ہیں اور ہماری اولاد بھی بہت ہے فلہٰذا ہمیں کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا:

"وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفیٰ الا من امن وعمل صالحا"

وَ اُولٰٓئِكَ، اور وہ لوگ جو کفر سے موصوف ہیں۔ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ وہی جہنم کے ایندھن ہیں یعنی آگ کا وہ ایندھن جس سے آگ کو بھڑکایا جائے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ :

حل لغات الداب۔ دأب فی العمل کا مصدر ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی اسے دکھ تکلیف اٹھا کر کرے۔ اب اس کا غلبہ استعمال شان وحال و عادت کے لیے ہوگیا ہے اور اس کا کاف رفع کے مرفوع ہے یعنے مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

اصل عبارت یوں ہے :

دأب هٰؤلاء فی الکفر، یعنے کفر و عدم نجات اور اللہ تعالےٰ کی گرفت اور عذاب میں ان کا وہی حال ہے جو حال آل فرعون کا تھا۔

وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ، اور ان لوگوں کی طرح جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی فرعون وہ کفار جو گزرے ہیں جیسے قوم ثمود، قوم نوح اور قوم لوط وغیرہ۔ اس کا عطف ما قبل پر ہے۔ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یہ ان کے حال اور طریقے کی تفسیر و بیان ہے کہ اُن کا کیا طریقہ تھا، ان کے کردار کیا تھے۔ اگر اسے جملہ مستانفہ بنایا جائے اور کہا جائے کہ یہ سوال مقدر کا جواب ہے تو سوال کی تقریر یہ ہے کہ فرعون والوں اور پہلے کافروں کا کیا طریقہ تھا، اس کے جواب میں فرمایا کہ انھوں نے ہماری آیات یعنے ہماری کتابوں اور پیغمبروں کو جھٹلایا۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ۔ یہ بھی اس مضمون کی تفسیر ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ کفار کو کردار کا کیا صلہ ملے گا؟ جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی گرفت فرمائی اور ایسی سخت سزا دی کہ انھیں عذاب سے کسی قسم کی نجات کی امید بھی نہ رہی اور نہ ہی اس سے بچنے کا کوئی چارہ کار نظر آیا۔ اور ان کافروں کا حال بھی انھیں کی طرح ہے۔

بِذُنُوْبِهِمْ الذنب دراصل کسی کے پیچھے ہونے والے اور تابع کو کہا جاتا ہے اور جرم کو اس لیے ذنب کہا جاتا ہے کہ اس کے مرتکب کو عذاب و عتاب الٰہی لاحق ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ اور اللہ تعالےٰ کا عذاب اس شخص کو بہت سخت اور زیادہ ہوگا جو اس کی آیات اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا، اے پیارے حبیب! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کافروں سے فرمائیے۔ یہاں پر کافروں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

شان نزول : حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب مدینہ شریف کے یہودیوں نے بدر کے دن کفار و مشرکین پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلبہ مشاہدہ کیا تو کہنے لگے :

واللہ انہ النبی الامی الذی بشرنا بہ ۔ اللہ تعالےٰ کی قسم یہ وہی نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن

موسیٰ و فی التوراۃ نعتہ۔ کی خوشخبری ہمیں موسےٰ علیہ السلام نے سنائی اور تورات میں ان کی تعریف موجود ہے۔

اس پر بہت سے یہود حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری پر آمادہ ہوگئے۔ لیکن ان کے بعض شرپسندوں نے کہا کہ عجلت نہ کرو۔ ان کی دوسری نشانی دیکھ لیں پھر دیکھی جائے گی۔

جنگ احد میں جب اہلِ اسلام کو شکست ہوئی تو اس سے یہودیوں نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں شک کیا اور کہا کہ اگر سچے نبی ہوتے تو انھیں شکست نہ ہوتی۔ اس سے قبل ان کا حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ تھا وہ بھی توڑ دیا۔ بلکہ کعب بن اشرف ساٹھ سوار لے کر اہلِ مکہ کے ہاں پہنچا۔ اس کے بعد سب نے مل کر حضور علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کا اتفاق کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

سَتُغْلَبُوْنَ، دنیا میں عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے یہ وعدہ پورا کر دیا کہ بنو قریظہ مارے گئے اور بنو نضیر جلاوطن ہوئے اور خیبر مفتوح ہوا۔ ان کے ماسوا دوسرے اہلِ کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ یہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیّن اور واضح معجزات میں سے ہے۔ وَتُحْشَرُوْنَ، اور آخرت میں اٹھائے جاؤ گے۔ اِلٰی جَهَنَّمَ ط دوزخ کی طرف۔

حلِ لغات: الحشر بمعنے السوق (ہانکنا) والجمع یعنے دنیا میں مغلوب ہو جاؤ گے اور آخرت میں جمع کر کے تمھیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ اور بڑا ٹھکانا اور گندی قرارگاہ جہنم ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ، یہ آیت قسم محذوف کا جواب ہے اور یہ ماموربہ کے قول کی تکمیل ہے۔

دراصل عبارت یوں تھی:

واللہ قد کان لکم ایھا الیھود۔۔۔۔الخ اللہ تعالےٰ کی قسم اے یہودیو! تم اپنی اور کفار کی گنتی کو دیکھ کر دھوکہ کھانے والے ہو۔

اٰيَةٌ، بڑی واضح دلیل ہے اوپر اس کے جو میں تمھیں کہتا ہوں کہ ستغلبون تم عنقریب مغلوب ہو گے۔ فِیْ فِئَتَيْنِ دو گروہوں میں یعنے دو جماعتیں کہ ان میں مغلوب جماعت (جب کہ وہ اپنی کثرت پہ نازاں تھے اور اپنے غلبہ کا انھیں یقین تھا) پھر انھوں نے منہ کی کھائی اور تمھیں بھی نقصان اٹھانا پڑا۔ اِلْتَقَتَا ط بدر میں جنگ کے لیے آپس میں ملے۔ فِئَةٌ۔ خبر، اس کا مبتدا محذوف ہے۔ (ای احدٰھا فِئَةٌ تُقَاتِلُ) جہاد کرتا ہے۔ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اللہ تعالےٰ کے راستے میں۔ یہ وہ تھے کہ جن کی نہ کثرت تھی اور نہ ہی ساز و سامان یعنے حضرت امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرامؓ،

وَ اُخْرٰی، اور وہ دوسرا گروہ۔ کَافِرَۃٌ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفر کرنے والوں کا تھا۔ یَرَوْنَھُمْ، انھیں وہ نظر آتے تھے یعنے دوسرا گروہ کافروں کا دیکھتا تھا پہلے گروہ کو جو مومن تھے یہ جملہ فئۃ اخریٰ کی صفت ہے۔ مِّثْلَیْھِمْ، اپنے سے دوہرے یعنے دیکھنے والوں کو وہ اپنے سے دوگنا نظر آتے۔ جب کہ وہ اس وقت تقریباً ایک ہزار تھے۔ ان میں نوصد پچاس (۹۵۰) جنگی پہلوان تھے۔ ان کا جرنیل عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس تھا۔ انھیں میں ابوسفیان (جو اس وقت کافر تھے) اور ابوجہل بھی تھا۔ ان میں سامان کی کیفیت یہ تھی کہ اونٹ اور گھوڑے جیسی سواریاں ان کے پاس تھیں، سو گھوڑے اور سات سو اونٹ اور اسلحہ تو شمار سے باہر تھا۔

واقعہ عجیبہ: حضرت سعد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے کسی ایک مسلمان کو قید کر لیا۔ اس نے اُن سے پوچھا کہ اس وقت تم کتنے جنگی جمع ہوئے ہو۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ ہم اس وقت کل تین سو تیرہ کے لگ بھگ ہیں۔ کافروں نے کہا کہ ہم تو تمھیں اپنے سے دوگناہ سمجھتے رہے۔

یا مثلیھم کی ضمیر دیکھے ہوؤں یعنی مسلمانوں کی طرف لوٹتی ہے یعنی کفار مسلمانوں کو ان کی تعداد سے دوگنا زائد محسوس کر رہے تھے مثلاً اس وقت تین سو تیرہ تھے تو وہ کفار کو چھ سو چھبیس محسوس ہوئے۔

تفصیل لشکر اسلام: غزوہ بدر میں مسلمانوں کی گنتی صرف تین سو تیرہ تھی۔ ان میں ستانوے مہاجر اور دوسو سولہ انصار تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجرین کا جھنڈا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں، انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ خزاجی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمانوں کے پاس صرف نوّے اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ ان میں ایک گھوڑا حضرت مقداد بن عمرو کا اور دوسرا حضرت مرثد ابن ابی مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تھا۔ ان کے صرف چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ غزوہ کا بدر میں صرف چودہ (۱۴) مسلمان شہید ہوئے چھ مہاجر اور آٹھ انصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

[حفیظ جالندھری نے اپنے شاہنامہ میں اس مضمون کو یوں گرہ کیا ہے ؎

تھے ان کے پاس دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

نہ تیغ و تیر پہ تکیہ نہ خنجر پہ نہ بھالے پر
بھروسہ تھا فقط سادی سی کالی کملی والے پر[1]

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے کفار کی نگاہوں میں اہلِ اسلام کی تعداد بہت زیادہ اس لیے دکھائی تاکہ وہ مسلمانوں سے

---

[1]: اضافہ از فقیر اویسی۔

ہیبت کھا کر گھبرا جائیں اور ان سے جنگ نہ کر سکیں۔ یہ بھی منجملہ اللہ مبارک وتعالٰے کی مدد ہے جیسے اس نے ملائکہ کرام کو بھیج کر ان کی مدد فرمائی۔

سوال: یہ دیقللکم فی اعینھم اس میں بتایا گیا ہے کہ تم انھیں قلیل نظر آتے تھے اور اب فرمایا کہ تم انھیں دوہرے محسوس ہوئے؟

جواب: ابتدائے جنگ میں کفار کو اہل اسلام معمولی اور چند گنتی کے محسوس ہوئے۔ اس پر مسلمانوں سے لڑائی کے لیے ان کے دل بندھ گئے بلکہ اپنی کثرت وقوت کے غرور سے ان کی جرات میں اضافہ ہوا لیکن جب جنگ کے میدان میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد انھیں دوگنی محسوس ہوئی یہاں تک کہ وہ مغلوب بھی ہو گئے۔

ف: خلاصہ یہ کہ کثرت وقلت مختلف اوقات میں دکھائی گئی۔ ان کا گاہے قلیل اور گاہے کثیر نظر آنا قدرت کاملہ کے آثار اور معجزہ نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کے اظہار کے لیے زیادہ بلیغ ہے۔

رَاْیَ الْعَیْنِ ط اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے یعنے کفار کا دیکھنا کھلا اور واضح تھا کہ اس میں کسی قسم کے التباس کا احتمال نہ تھا۔ جیسے دوسری اشیاء آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں، یہ بھی ایسے ہی تھا۔

وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ ، اللہ تعالٰے قوت اور فتح ونصرت عنایت فرماتا ہے۔ **بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط** اپنی مدد جسے چاہتا ہے یعنے بلا اسباب عادیہ کے مدد فرماتا ہے جیسے اس جماعت کی مدد فرمائی جو اللہ تعالٰے کے راستہ میں جنگ کے لیے حاضر ہوئی کہ انھیں منجانب اللہ بہت بڑی فتح ونصرت ہوئی۔ جیسے ابھی مذکور ہوا۔ یہ مامور بہ کے قول کا تتمہ ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ ۔ یہ اشارہ مضمون مذکور کی طرف ہے کہ کفار کو اہل اسلام کثیر نظر آئے اگرچہ وہ بالکل قلیل تھے۔ پھر یہ اپنی قلت کے باوجود بے سروسامان تھے اور ان کافروں پر جو ہتھیاروں سے لیس اور سروسامان سے بھرپور تھے لیکن اہل اسلام سے مغلوب ہو گئے۔ **لَعِبْرَۃً** :

حل لغات: عبرۃ۔ العبور سے ماخوذ ہے جیسے الجلسۃ۔ الجلوس سے ہے۔ اس سے مراد وعظ ونصیحت حاصل کرنا مراد ہے اس لیے کہ نصیحت حاصل کرنا بھی العبور کے انواع میں سے ہے یعنے بہت بڑی عبرت جو ہونے والی ہے۔

لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ○ عقل مندوں اور دانش مندوں کے لیے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالٰے کے آیات سے عبرت پکڑے۔ اپنی کثرت اعداد اموال واولاد پر غرور نہ کرے بلکہ اپنی آخرت کے لیے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرنی چاہیئے۔

تفسیر صوفیانہ: کفر میں مبتلا ہونے والا پہلا وہ بدبخت ہے جس کی شقاوت پر ازل میں مہر ثبت ہوئی اس کے

بعد وہ جو شہوات نفسانیہ اور خواہشات حیوانیہ میں مبتلا ہے وہ شیطان کے قابو میں آگیا ہے اور لذت دنیا پر فریفتہ ہے اور یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ خواہشات حیوانیہ و شہوات نفسانیہ انسان کو طبعی طور پر اسفل السافلین کی طرف دھکیل کر لے جاتی ہیں۔ پھر وہ اسی میں زندگی بسر کرتا ہے اسی پر اسے موت آتی ہے اور اسی پر ہی قیامت میں اٹھے گا لیکن پھر جہنم میں بسیرا ہوگا اور جہنم کے بچھونے کی گندگی اور خرابی سب کو معلوم ہے۔ اور بئس المھاد سے اس کی وہ گندی معاش مراد ہے جس پر وہ گزار رہا ہے اور نار دو قسم کی ہے :

(۱) نار اللہ

(۲) نار الجحیم

نار اللہ سے وہ دائمی جدائی مراد ہے جو انسان کو دائمی طور پر اللہ تعالیٰ سے ایسا محجوب رکھا جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم رکھ کر دوسرے محجوبوں کو عذاب دیا جاتا ہے چنانچہ فرمایا :

نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ۔

نار الجحیم سے مراد شہوات و معاملات کی نار ہے جس سے شریعت کی مخالفت کی وجہ سے غافل لوگوں کو جلایا جائے گا۔ یہ وہی آگ ہے جو کھال کو جلا کر راکھ بنا دے گی۔ چنانچہ فرمایا :

"کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا لیذوقوا العذاب" یعنے جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو پھر مکمل کر لی جائیں گی تاکہ وہ اپنی بدکرداریوں کا مزہ چکھیں۔ اور جہنم سے صرف صحیح العقل اور سچے دل والے نجات پا سکتے ہیں۔ پھر جسمانی اور روحانی عذاب کے درمیان وہ نسبت ہے جیسے نسیم الحیاۃ و سموم المماۃ کو ہے یعنے عذاب روحانی (قلب) کے عذاب کے مقابلہ میں ذرّہ برابر بھی اس سے نسبت نہیں رکھتا۔ یعنے روحانی (قلب) کا عذاب جسمانی لحاظ سے بہت زیادہ ہوگا۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ تزکیۂ نفس میں لگا رہے کیونکہ یہی دائمی فرقت کے عذاب دلانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ف : کسی بزرگ سے سوال ہوا کہ انسان نفس کی شرارتوں سے کس طرح چھوٹ سکتا ہے۔ انھوں نے فرمایا : اللہ تعالیٰ سے یعنے وہی بچائے تو زہے نصیب ورنہ مشکل ہے۔

ف : جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی مدد کرنا چاہتا ہے کہ اسے مطلوب حقیقی کا حصول جلد تر ہو جائے تو انوار کے لشکروں سے اس کی مدد فرماتا ہے۔ جب بھی اسے تاریکی گھیرتی ہے تو وہی نور اسے دفع کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس سے ظلمات کے تمام مواد مٹا کر رکھ دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے اندر خواہش و شہوت کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔ بلکہ اخلاقِ ذمیمہ کی اس کے قلب سے جڑ کٹ جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نور قلب کا لشکر ہے جیسے نفس کا لشکر ظلمت (شہوت) ہے۔

ف: اسماء و صفات سے جو معانی کے حقائق نصیب ہوتے ہیں اسے نور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو شہوات و خواہشات اور گندے اخلاق سے جو مطالب حاصل ہوتے ہیں اسے ظلمت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها." جن دیہاتوں میں ایسے بادشاہ داخل ہوتے ہیں تو وہ انھیں خراب کر ڈالتے ہیں۔

یعنے جس حال پر وہ ہیں اس سے اسے تبدیل کر دیتے ہیں اسی طرح وارداتِ ربانیہ جب بھی کسی دل پر وارد ہوتے ہیں تو اس سے گندے اخلاق کو باہر پھینک مارتے ہیں بلکہ انھیں اچھے اخلاق کے لباس سے مزین کرتے ہیں لیکن یہ دولت ایسے ہی نصیب نہیں ہوتی جب تک کہ انسان دنیا و عقبیٰ کے خیالات کو ترک نہ کرے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ادھر دل اغیار سے بھرا ہوا ور یار کا بھی وہاں بسیرا ہو جائے۔

ع۔ این خیال است و محال است و جنوں

(یہ خیال محال بلکہ جنوں ہے)۔

اسی طرح وہ بندہ بھی ایسے نور کو حاصل نہیں کر سکتا جو مال و اولاد کی محبت میں مبتلا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہو۔

حکایت حضرت الاستاذ ابو علی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک فقیر صاحب تشریف لائے تو ان کے سر پہ ٹاٹ اور ٹوپی تھی۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ ٹاٹ کتنے کا خریدا۔ وہ شخص ان سے مذاق کے طور پر پوچھتا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اسے دنیا دے کر یعنے ترک دنیا کر کے یہ لباس اختیار کیا۔ اب اس نے مجھ سے آخرت دے کر خریدنا چاہا ہے لیکن میں نے نہیں دیا۔

یعنے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ترک دنیا کا صلہ آخرت کی نعمتیں ہیں۔ میں نے نہیں خریدا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ترکِ دنیا آخرت کی نعمتوں کے طمع و لالچ میں نہیں کیا بلکہ میں نے ترک دنیا صرف اور صرف تیری رضا و خوشنودی کے پیش نظر کیا۔ فلہٰذا اب نہ مجھے دنیا سے لگاؤ ہے اور نہ آخرت کا طمع و لالچ۔

اس پر حضرت ابو علی دقاق نے فرمایا: "فقراء کو مبارک ہو کہ وہ ہم سے دنیا و آخرت میں بازی جیت گئے"۔ پوچھا گیا کہ وہ کیسے؟ فرمایا: وہ اس لیے کہ دنیا میں ان سے بادشاہ محصول کا طلب گار نہیں اور آخرت ان سے اللہ قہار و جبار کا حساب و کتاب نہیں۔

قناعت سرافراز دارے مرد ہوش
سر بہ طمع بر نیاید ز دوش

اگر آزادہ بر زمین خسپ و بس
مکن بہر نانے زمین بوس کس

ترجمہ: ہوش مند کو قناعت سرفراز فرماتی ہے۔ طمع کا دوپٹہ مونڈھے پر نہیں لاتا۔ اگر تم آزاد ہو تو زمین پر سو جاؤ لیکن مال کی خاطر کسی کی زمین بوسی نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقائق توحید سے نوازے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

زُيِّنَ لِلنَّاسِ، لوگوں کے لیے زینت دی گئی ہے یعنے انھیں حسین بنا کر دکھایا گیا ہے اور ان کا زینت دینے والا اللہ تعالیٰ خود ہے جیسا کہ دوسرے مقام پہ فرمایا ہے:

زینا لھم اعمالھم۔

سوال: جب اس نے انھیں خود زینت دی تو پھر ناراضگی کے اظہار کا کیا معنٰے؟

جواب: ان اشیاء کو صرف آزمائش کے طور پر زینت دی گئی ہے۔ یا زین کا فاعل شیطان ہے جیسا کہ دوسری آیت مبارکہ میں ہے:

"وزین لھم الشیطان اعمالھم" اور اس کی زینت دینے کا معنے یہ ہے کہ وہ ان اشیاء کے ذریعے وسوسہ ڈالتا ہے۔

حُبُّ الشَّهَوٰتِ، شہوات کی محبت یعنے نفس کی مرادوں کی محبت۔

حل لغات: شھوۃ نفس کا اس طرف کھچ جانا جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔ یہ مصدر بمعنے اسم مفعول ہے یعنے مشتہات (چاہی ہوئی اشیاء)۔

سوال: مصدر کو بمعنے اسم مفعول لانے کا کیا فائدہ؟

جواب: اس لیے کہ جتنی اشیا یہاں مذکور ہوئیں وہ تمام چاہی ہوئی ہیں۔

سوال: پھر ان کو مصدر سے تعبیر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب (۱): بطور مبالغہ کے ایسا ہوا ہے کہ یہ اشیاء نفس کو اتنا مرغوب ہیں کہ گویا کہ وہ خود شہوات کا عین ہیں۔

جواب: ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ انھیں شہوت سے تعبیر کر کے ان کے خسیس ہونے کی تصریح فرمائی ہے اس لیے کہ حکماء شھوۃ ایک رذیل شے کو کہتے ہیں اور جو اس کے درپے ہو تو حکماء اس کی سخت مذمت کرتے بلکہ ایسے انسان کو جانور سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔

نکتہ: حکماء کہتے ہیں کہ ملائکہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے بلا شہوت پیدا فرمایا لیکن انھیں عقل سے محروم رکھا اور حضرت انسان کو ہر دو کا حامل بنایا۔ پس جب انسان کی عقل شہوت پر غالب ہو جاتی ہے تو وہ ملائکہ سے افضل قرار پاتا ہے اور جس کی عقل پر

شہوت غالب ہوجاتی ہے تو وہ بہائم سے ذلیل ترین ہوتا ہے۔

مِنَ النِّسَآءِ، یہ الشہوات سے حال ہے۔ ای حال کونہا من طائفۃ النساء۔

سوال: شہوات میں سب سے پہلے عورتوں کا ذکر کیوں؟

جواب: شہوات کے معنے میں بھی سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ اس لیے کہ یہ شیطان کی رسیاں ہیں یعنے شیطان انھیں کے ذریعے بہت جلد پھانستا ہے۔

وَالْبَنِيْنَ، اور اولاد کے ذریعے انسان کا فتنہ میں پڑنا اس لیے کہ انہی کی وجہ سے انسان حریص ہوتا ہے کہ مال و دولت جمع کرلے۔ پھر حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اکثر و بیشتر انہی کی وجہ سے حدود اللہ تعالے کی حفاظت نہیں ہوسکتی۔

نکتہ: بزرگوں کا ارشاد ہے کہ "اولاد عظیم ترین فتنہ ہے"۔ اگر زندہ رہیں تو آزمائش میں ڈالتے ہیں اور اگر مرجائیں تو غمگین کرتے ہیں۔

سوال: بنین کا نام لیا گیا ہے اور بنات کا ذکر نہیں کیا وہ فتنہ نہیں؟

جواب: عموماً ان سے ایسی محبت کا واسطہ نہیں پڑتا اور نہ ہی وہ مذکورہ وجوہ کا سبب بنتی ہیں۔

وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ :

حل لغات: القناطر قنطرۃ کی جمع ہے۔ مال کثیر کو کہتے ہیں یعنے مال کثیر جو بہت جمع ہو۔

ف: بعض کہتے ہیں کہ قنطار لاکھ دینار کی جمعیت کا نام ہے۔ بعض کے نزدیک بیل کے برابر مشک ہو تو وہ قنطار ہے۔ بعض کے نزدیک ستر یا چالیس ہزار مثقال۔ بعض کے نزدیک اسی ہزار یا سو رطل۔ بعض کہتے ہیں ایک ہزار دوسو مثقال۔ بعض کے نزدیک ایک سو سیر اور ایک رطل اور ایک سو مثقال اور ایک سو درہم۔ بعض کے نزدیک دیۃ النفس کے برابر قنطار ہوتا ہے۔

ف: کشاف میں ہے کہ المقنطرۃ کو قنطار کے لیے محض تاکید کے لیے لایا گیا ہے جیسے کہتے ہیں: الوف مولفۃ و بدر مبدرۃ۔

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ - یہ القناطیر المقنطرۃ کا بیان ہے یعنی کثیر مال سونا اور چاندی۔ ذھب کو اس لیے ذھب کہتے ہیں کہ وہ خرچ ہونے اور باقی نہ رہنے والی شے ہے۔ اور فضۃ کو اس لیے فضۃ کہتے ہیں کہ وہ متفرق اور منتشر ہوجاتی ہے۔ وَالْخَيْلِ۔ اس کا عطف القناطیر المقنطرۃ پر ہے۔ الخیل ایسی جمع ہے کہ جس کے لفظ سے کوئی واحد نہیں۔ اس کا واحد فرس آتا ہے یہ الخیلاء سے مشتق ہے کہ وہ چلتے وقت غرور میں ہوتا ہے یا تخیل سے اس لیے کہ اس کے قلب میں سوائے اس کے مالک کے اور کوئی معزز و مکرم نہیں ہوتا صرف مالک کو ہی معظم ترین دیکھتا ہے اور بس۔ الْمُسَوَّمَةِ، داغدار یعنے یا رنگ یا داغنے یا چرانے کی وجہ سے اس میں نشان لگایا جائے ساخت

السائمۃ سے ماخوذ ہے بمعنے رعت۔ وَالْاَنْعَامِ اس سے اونٹ گائے اور بکریاں مراد ہیں۔ نعم کی جمع ہے۔
وَالْحَرْثِ ط اور کھیتی۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تمام اشیاء لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والی ہیں مثلاً عورتیں اور بچے سب کے لیے۔ سونا اور چاندی تاجروں کے لیے، گھوڑے بادشاہوں کے لیے اور جانور دیہاتوں کے لیے اور کھیتی کسانوں کے لیے فتنہ ہیں۔

ذٰلِكَ۔ تمام مذکورہ اشیاء۔ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج حیاتِ دنیا کے اسباب ہیں۔ متاع ہر اس شے شے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے دنیا میں نفع اٹھایا جائے اور پھر وہ جلد ترفنا پا جائے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ اور اللہ تعالٰے کے ہاں احسن انجام ہے اور وہ بہشت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان اشیاء میں کسی قسم کی اچھی عافیت نہیں۔ آیت میں دنیا فانی کی چیزوں سے نفرت اور اللہ تعالیٰ کی دائمی نعمتوں کی طرف رغبت دی گئی ہے۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ دنیا میں سے اتنا فائدہ اٹھائے جتنی اسے ضرورت ہے۔ زاید از ضرورت سے نفع کی امید وبال ہی وبال ہے۔ دنیا کے مشاغل میں ایسا نہ پھنسے کہ پھر اس گڑھے سے نکلنا مشکل ہو جائے بلکہ جو بھی اس میں پھنسا پھر وہ ہزار پریشانیوں میں مبتلا ہو گا۔

قُلْ۔ اے پیارے حبیب! محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیے: اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ط کیا میں تمھیں ان سے بہتر شے کی خبر نہ دوں۔ یہ ہمزہ استفہام تقریر کے لیے ہے یعنی تمھیں ان دنیا کی لذیذ اشیائے سے بہتر و اعلیٰ شے کا پتہ نہ دوں۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا جنات ... الخ ہے ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں۔ یہاں پر تقویٰ سے مراد رجوع الی اللہ اور اعراض عن ماسوی اللہ ہے۔ چنانچہ آئندہ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ منصوب علی الحالیۃ ہے۔ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ یہ حال مقدرہ ہے یعنے ان کے لیے رب تعالٰے کے ہاں باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ، اور ان کے لیے پاکیزہ عورتیں ہیں یعنے وہ عورتیں جو کہ عیوب ظاہرہ سے مبرّا اور پاک ہیں یعنے حیض اور ناک کے گندے پانی اور تنہائی میں برائی کرنے سے اور باطنی بیماریوں (حسد و غضب اور اپنے ازواج سے غیروں کی طرف دیکھنے) سے پاک ہیں۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بہشت کی ایک بالشت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

وَّرِضْوَانٌ، اور ایسی رضامندی کہ جس کا اندازہ کرنا محال ترین ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ ط جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے عطا ہو گی۔

ف : حکماء فرماتے ہیں اس جنات و مافیہا میں جسمانیات اور رضوان میں جنت روحانیہ کی طرف اشارہ ہے اور جنت روحانیہ سے روح میں تجلی نور جلال الٰہی مراد ہے جب بندہ معرفت الٰہی میں مستغرق ہو جاتا ہے تو اس کا پہلا مقام

یہی ہوتا ہے کہ وہ راضی من اللہ ہوتا ہے اور آخری مقام مرضیۃ عند اللہ تعالےٰ ہوتا ہے یعنے اللہ تعالےٰ کا پسندیدہ بندہ۔ (اسی کی طرف راضیہ مرضیۃ میں اشارہ ہے)۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝ اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ اور ان کے اعمال کو بھی۔ اسی وجہ سے انھیں نیکیوں پر ثواب دے گا اور برائیوں پر سزا (جس کے وہ لائق ہیں)۔

اَلَّذِيْنَ۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے لوگ کون ہیں جو اللہ تعالےٰ کا ڈر رکھتے ہیں پھر ان کو بہترین کرامات عطا ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ لوگ یہ ہیں، يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا، جو کہتے ہیں، اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے ہم تیری اور تیرے نبی علیہ السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس پر ان کی دعا مرتب ہے۔ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ پس ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ صرف ایمان سے بھی بندوں کی مغفرت ہو سکے گی اور عذاب نار سے نجات بھی۔

اَلصّٰبِرِيْنَ۔ یہ اعنی محذوف ہونے کی وجہ سے علی وجہ المدح منصوب ہے۔ یہاں یہ طاعات کی تکالیف اور دکھ درد اور جنگ کے خطرات کے وقت صبر کرنے والے۔ وَالصّٰدِقِيْنَ، اپنے اقوال و نیات و عزائم کے سچے۔ وَالْقٰنِتِيْنَ، طاعات و مداومت اور عبادات پر مواظبت کرنے والے۔ وَالْمُنْفِقِيْنَ، اور اپنے اموال اللہ تعالےٰ کے راستے پر خرچ کرنے والے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ سحر کے وقت اٹھ کر بخشش مانگنے والے۔ ان میں ہر ایک صفت کے درمیان واؤ عاطفہ میں اشارہ ہے کہ ممدوح و ثنا کے لحاظ سے ہر مستقل صفت ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان میں کوئی صابر ہے اور کوئی صادق وغیرہ وغیرہ۔

صبر کے فضائل و تحقیق: صبر شریعت میں نفس کو شہوات ممنوعہ سے باز رکھنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ جمع اجناس صبر کے تین[۳] اقسام ہیں:

1. صبر علی الطاعۃ
2. صبر علی المعصیۃ
3. صبر علی المکروہ (دکھ اور درد کے وقت)

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص کسی مصیبت میں صبر کرتا ہے تو اسے بہشت میں تین درجات نصیب ہوں گے۔ ہر دو درجہ میں درمیان کا فاصلہ اتنا ہوگا جتنا آسمان و زمین کے درمیان اور جو شخص گناہ سے بچنے پر صبر کرتا ہے نو سو ۹۰۰ درجات نصیب ہوں گے۔ ہر دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا عرش و کرسی کے درمیان کا فاصلہ۔

صدق کی تحقیق : صدق جیسے اقوال میں ہوتا ہے یعنے جھوٹ سے کنارہ کشی ایسے ہی افعال میں بھی ہوتا ہے جیسے سچی بات کہنا۔ جب تک اس کی تکمیل نہ ہو اس سے نہ ہٹنا۔ ایسے ہی نیت میں بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ سچی بات عزم بالجزم کر لینا جب تک مکمل نہ ہو جائے اس عزم سے نہ ہٹنا۔

انفاق کے مسائل

مسئلہ : اپنی ذات پر خرچ کرنا جب کہ اطاعتِ الٰہی بجا لانے کی نیت ہو تو بھی اس پر ثواب ملتا ہے جیسے اہل و عیال اور اقارب پر بہ نیت صلہ رحمی اور جہاد میں اسی طرح تمام نیکیوں کے مصارف۔

استغفار اسحار کے مسائل وفضائل

اللہ تعالےٰ سے مغفرت کے سوال کو استغفار کہا جاتا ہے۔

سوال : استغفار کو اسحار سے کیوں مخصوص کیا گیا ہے ؟

جواب : اس لیے کہ یہ وقت اقرب الی الاجابۃ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی تخصیص کی گئی ہے۔

سوال : اس وقت کو اقربیت الی الاجابۃ کیوں ؟

جواب : یہ وقت نفس پر سخت مشقت ڈالنے والا ہے اور پھر اس وقت جدید غلطیوں کے ارتکاب سے محفوظ ہو کر زیادہ مصفّٰی ہوتا ہے اور اس وقت روح کو جمیعت نصیب ہوتی ہے خصوصاً مجتہدین کے لیے تو یہ وقت نہایت شاندار ہوتا ہے۔

حکایت : حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا یعقوب علی نبینا علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں سے وعدہ فرمایا : سا ستغفر ربی۔ (میں تمہارے لیے اپنے رب تعالیٰ سے بخشش کی دعا کروں گا)۔ اس وعدہ کے ایفاء پر ان کے لیے دعا سحر کے وقت مانگی تھی۔ اس لیے کہ یہی وقت قبولیت و اجابت کا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو سماع دعا سے کوئی شے مانع نہیں۔

چونکہ یہ وقتِ سحر خلوت کی گھڑی ہے۔ اس لیے اسی وقت کو وقت اجابت کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ وقت ریا اور شہرت سے بعید تر ہے۔ اس لیے اقرب الی الاجابۃ ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"پہلے آسمان پر ہر رات اللہ تعالےٰ نزول اجلال فرماتا ہے یہاں تک کہ جب رات کا تہائی حصہ بچ جاتا ہے تو فرماتا ہے کہ میں ہی ساری خدائی کا مالک ہوں۔ کون ہے تم میں سے جو مجھ سے سوال کرنے اور میں اس کا سوال پورا کروں اور کون ہے تم میں سے جو مجھ سے دعا مانگے۔ میں دعا قبول کروں اور تم میں ہے کوئی جو مجھ سے گناہوں کی

بخشش مانگے اور میں اس کے گناہ بخش دوں۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا):
اللہ تعالےٰ کے نزول اجلال کا معنے یہ ہے کہ اس کا خاص فرشتہ پہلے آسمان پر اترتا ہے یا بطور استعارہ کے ہے کہ وہ خصوصی توجہ اور اجابت کا ارادہ کرکے دُعا مانگنے والوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی لیے الی السماء الدنیا فرمایا، الدنیا یعنے مقربیٰ۔

ف: اس میں بندوں کو ان کی غفلت پر زجر و توبیخ کی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے دعا مانگنے اور استغفار سے کیوں غافل ہیں۔

حکایت: حضرت لقمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: اے پیارے بیٹے! اس مرغ سے پیچھے نہ رہنا جب کہ وہ صبح اٹھ کر خدا کو یاد کرے اور تم سوتے رہو ؎

دلا برخیز و طاعت کن کہ طاعت بہ زہر کار است
سعادت آں کسے دارد کہ وقت صبح بیدار است

خروسان در سحر گویند کہ قم یا ایہا الغافل
تو از مستی نمی دانی کسے داند کہ ہشیار است

ترجمہ: (۱) اے دل اٹھ اور عبادت کر اس لیے کہ عبادت ہر کام سے بہتر ہے اسے سعادت نصیب ہوتی ہے جو سحر کے وقت بیدار ہوتا ہے۔
(۲) صبح مرغا بولتا ہے، اے غافل! اٹھ اسے وہی جانتا ہے جو ہوشیار ہے اور تجھے کیا خبر جب کہ تو غفلت میں ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"جب ہم شب معراج کو گئے تو آسمانوں میں اللہ تعالےٰ کے عجائبات دیکھے منجملہ ان کے ایک یہ کہ آسمان دنیا میں ایک مرغ کو دیکھا اس کی چونچ سبز اور اس کے بال و پر سپید تھے۔ اور ان کی سفیدی ہمارے جھنڈے کی سپیدی سے بھی تیز تھی اور اس کی چونچ کی سبزی بھی تیز تر تھی۔ اس کے پاؤں ساتویں زمین کی تہ تک پہنچے تھے اور اس کا سر عرش معلیٰ کو مس کر رہا تھا اور اس کی گردن کا موڑ عرش الٰہی کے نیچے تھا۔ اس کے دونوں مونڈھوں پر دو پر تھے۔ جب وہ اپنے پروں کو پھیلاتا تو مشرق و مغرب سے پار نکل جاتے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرتا ہے تو وہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح یوں پڑھتا ہے:

سبحٰن اللہ العلی العظیم۔ سبحان العزیز القھار۔ سبحان اللہ رب العرش الرفیع۔

جب وہ یہ پڑھتا ہے تو زمین کے تمام مرغے اس کی طرح پر ہلاتے ہوئے وہی تسبیح زور سے پکارتے ہیں جب وہ آرام کرجاتا ہے تو زمین کے مرغے بھی خاموش ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ حرکت میں آتا ہے تو زمین کے تمام مُرغے

حرکت میں آجاتے ہیں اور اس کی تسبیح کا جواب دینے لگ جاتے ہیں۔

سبق: مقصود یہ ہے کہ جب وآسمان وزمین کے مکینوں اور وہ بھی بظاہر نہ بولنے والے بلکہ تمام نباتات اللہ تعالیٰ کی کی تسبیح پڑھتے ہیں:

وان من شیء الا یسبح بحمدہ۔ تو انسان کے لیے بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ وہ دعا وتسبیح میں مشغول رہے بالخصوص خلوات اور سحر کے اوقات میں۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صابرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لاتے ہیں اور صادقین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرتے ہیں۔ اور قانتین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں استقامت کرتے ہیں اور منفقین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال لٹاتے ہیں۔ اور مستغفرین وہ جو اپنی کوتاہی کا احسان کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ، اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ بے شک، "لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" اس کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں۔

شانِ نزول: یہ آیت اس وقت اتری جب علاقہ شام کے احبار میں سے دو مرد حاضر ہوئے اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: "انت محمد"؟ کیا محبوب خدا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہیں؟۔ آپ نے فرمایا: "نعم"، ہاں جی۔ پھر انھوں نے کہا: انت احمد؟" کیا آپ ہی احمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں؟۔ آپ نے فرمایا: میں ہی احمد و محمّد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ انھوں نے کہا: ہمیں کتاب اللہ کی اعظم شہادت سے خبر دیجئے۔ آپ نے انھیں یہی خبر دی یعنے وہ حجت قاطعہ سے ثابت کرتا ہے اور اپنی مصنوعات کے ذریعے اپنی توحید کا علم دیتا ہے کہ وہی واحد ہے وہ اشیاء کے پیدا کرنے میں لاشریک ہے کوئی ایسا نہیں کہ مخلوق کی کوئی شے پیدا کرسکے۔

حدیث شریف سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام کی پیدائش سے چار ہزار سال قبل ارواح کو پیدا فرمایا اور ارواح کی پیدائش سے پہلے چار ہزار سال رزق کو پیدا فرمایا جبکہ ابھی مخلوق پیدا نہیں کی گئی[1]۔ وہ موجود تھا جب نہ آسمان تھے اور نہ زمین اور نہ جنگل تھے نہ دریا۔ تو خود اپنے لیے یوں گواہی

---

[1] حضرت پیر بھلے شاہ قادری قدس سرہٗ اس حدیث شریف کو اپنی کافی شریف میں یوں فرماتے ہیں۔

او واحد اک اکلا سی
نہ ظاہر کوئی تجلی سی
نہ رب رسول نہ اللہ سی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

دی : شہد اللہ ۔۔۔۔ الخ۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ، اور فرشتوں نے بھی گواہی دی۔ اس کا عطف اللہ پر ہے۔ شہادت کو مجازی معنے پر محمول کر کے بطریق عموم المجاز کے اقرار و ایمان ہر دونوں کو شامل کرنے کی وجہ سے یعنی ملائکہ نے اس کا اقرار کیا جب کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت کو دیکھا۔ وَاُولُوا الْعِلْمِ، اور علم والے بھی ایمان لائے۔ اور اس سے ادلہ تکوینیہ و تشریعیہ سے حجت پکڑی۔ اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ مومن مراد ہیں جنھیں توحید کا علم نصیب ہوا۔ اور اعتقاد صحیح پر مقرر ہوئے۔ اللہ تعالٰے نے اپنی شہادت کو اپنے ان افعال خاصہ سے تشبیہ دی ہے۔ ان پر سوائے اس کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا [۱] اور ملائکہ و اولوا العلم کا اقرار ایسا ہے جیسے گواہ اپنی گواہی کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ط اس کا منصوب ہونا حال کی وجہ سے ہے اور یہ حال مؤکدہ ہے۔ اس کا ذو الحال لفظ اللہ ہے نہ کہ الملائکہ و اولوا العلم اس طرح جائز ہے جب کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

یعنے یہ صفاتی نام کہنے والے نہ تھے گویا مخلوق بنی تو ان ناموں سے پکارا گیا۔ ؎

نہ ستار نہ غفار ہن گونوں گوں ہزار

جس دے حسن دا گرم بازار

ہُن میں لکھیا سوہنا یار

(لکھیا، زبر کے ساتھ یعنے سمجھنا، جاننا، معلوم کرنا، محسوس کرنا)۔ یعنے میں نے اس کو اس کی صفات کے ذریعے پہچانا اور معلوم کیا۔ (مترجم)

[۱] : شاہد، مشہود اور شہادت کی نفی و اثبات کی بحث بہت طویل ہے اس پر یہاں تفصیلاً نہیں لکھا جا سکتا تاہم اجمالاً عرض ہے کہ اللہ تعالٰے کے ہونے کی شہادت اللہ تعالٰے کی اپنی شہادت ہی ہے جو تمام شہادتوں کی بنیاد ہے اگر وہ نہ ہو تو باقی تمام مخلوق کی شہادتیں غیر معتبر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالٰے تو باقی ہے اور مخلوق فانی۔ فانی باقی کی بابت شہادت کیا دے سکتا ہے ؎

حادث کیا قدیموں جانے بے کھ اڈے ہوائیں

وچے ڈب مر بیندیاں عقلاں حیرت دے دریائیں

اسی لیے اللہ تعالٰے نے اپنی شہادت کا ذکر پہلے فرمایا۔ کیونکہ دیگر شہادتوں کا اسی پر مدار ہے مثال کے طور پر یوں سمجھیں کہ عدالت میں ڈاکٹر یا پولیس آفیسر اور مقتول کو اٹھانے والے شہادت دیتے ہیں کہ اس مقتول کا فلاں قاتل ہے تو معترض جب کہ پوچھتا ہے کہ تمہارے بیان کی کیا حقیقت ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مقتول کو یہی کہتے ہوا سنا تھا۔ تو گویا ان کی گواہی کا دارومدار مقتول کے بیان پر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی گواہی سب گواہیوں کی گویا جان ہے۔

(مترجم)

التباس کا خطرہ نہ ہو۔

سوال : اسے لفظ اللہ سے حال بنانے کی کیا خصوصیت ہے ؟

جواب : قیام بالقسط ان صفات سے جو کہ اللہ تعالٰے کی مخصوص صفات میں سے ہے۔

سوال : نحوی قواعد سے اس ترکیب کی مطابقت نہیں پھر یہ کیسے جائز ہوگیا۔

جواب : نحو میں تغلیباً ایسی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں :

جاء زید وھندا راکبا۔

یہ اس لیے جائز ہے کہ راکبا سے تذکیر کا صیغہ واضح طور پر تغلیب پر دلالت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاء زید وعمرو راکباً ناجائز ہے کہ اس میں التباس ہے کہ نہ معلوم حال زید ہے یا عمرو۔

ف : قائما بالقسط بمعنے مقیما بالعدل یعنے وہ رزق واجل اور جزا و سزا دینے میں اپنے بندوں سے عدل و انصاف فرماتا ہے بلکہ انھیں عدل کا حکم فرماتا ہے یا جن امور سے روکتا ہے ان میں بھی عدل و انصاف ہوتا ہے تاکہ ان میں برابری رہے اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کر سکیں۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ اللہ تبارک وتعالٰے عزیز وحکیم ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

سوال : اس مضمون کو ایک ہی آیت میں تکرار کا کیا فائدہ ؟

جواب : توحید کی تاکید کی وجہ سے تاکہ وہ بندے اللہ تعالٰے کی توحید کا حق ادا کریں اور شرک سے بچیں۔ اس لیے کہ توحید کے منکر پر اتنی زیادہ سخت سزا ہے کہ اس جیسی اور کوئی سزا نہیں اور اپنی مخلوق پر جس طرح چاہتا ہے حکم دیتا ہے، لیکن ایسا نہیں کہ وہ اپنے غلبۂ قدرت کی وجہ سے کسی سے ناانصافی کرے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ یہ جملہ مستانفہ اور پہلے جملہ کے لیے موکدہ ہے یعنے اللہ تعالٰے کے ہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہے وہی جو توحید اور شریعت شریفہ پر مشتمل ہے۔ وہی دینِ حق ہے اس کے ماسوا باقی تمام ادیان باطل ہیں۔

ف : ہمارے شیخ علامہ مرحوم نے اپنی بعض تحریرات میں لکھا ہے کہ کلام کو نازل کرنے کا واحد مقصد مطلق دعوت الی الدین الحق ہے اور دین حق آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہی دین اسلام ہے جیسا کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا :

"ان الدین عند اللہ الاسلام"۔

دین اسلام کی حقیقت توحید ہے۔ اور اس کی صورت مختلف شریعتوں میں پائی گئی جو ہر ایک شریعت کی اپنی شرائط میں اور

درحقیقت یہی ایک ہی دین ہے جو ازل سے لے کر تا قیامت باقی رہے گا۔ جو حقیقی طور پر سب سے برابر لیکن لحسب الصورۃ والشرائط مختلف ہے اور ظاہری اختلاف اتحاد اصلی اور وحدت حقیقیہ کے منافی نہیں۔

مسئلہ: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی سچے دل سے گواہی اور ان تمام احکام (جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بندوں کے لیے آئے) کے اقرار کا نام ہے۔

حکایت: حضرت غالب القطان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تجارت کے لیے کوفہ میں گیا تو حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کے جوار میں قیامگاہ منتخب کی۔ پھر مختلف اوقات میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا۔ ایک رات حاضر ہو کر ارادہ کیا کہ کل کوفہ کو چھوڑ کر بصرہ کو چلا جاؤں۔ اسی شب حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ تہجد کے لیے اٹھے ہیں اور نماز شروع کی۔ قرات پڑھی جب شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم تک پہنچے تو کہنے لگے:

"انا اشھد بما شھد اللہ بہ ..." یعنے میں بھی گواہی دیتا ہوں جس کی اللہ تعالےٰ نے گواہی دی اور یہاں سے اللہ تعالےٰ کے ہاں امانت رکھتا ہوں۔ یہی میری امانت اللہ تعالےٰ کے ہاں محفوظ رہے گی بے شک دین پسندیدہ اللہ تعالےٰ کے ہاں دین اسلام ہے۔ اسے آپ نے بار بار پڑھا مجھے محسوس ہوا کہ اس کے جواب میں آپ نے کچھ (بارگاہِ ایزدی سے) جواب بھی سنا۔ مجھے خیال گزرا کہ میں بھی آپ کے ساتھ مل کر نماز پڑھوں اور میں بھی اپنی اس امانت کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کردوں۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے انھیں عرض کی کہ یا حضرت! میں نے آپ سے اس آیت کو بار بار پڑھتے سنا۔ فرمائیے آپ کو اس کے متعلق کوئی روایت پہنچی ہے۔ انھوں نے فرمایا: میں تجھے اس کے متعلق ایک سال کے بعد بتاؤں گا۔

چنانچہ میں اس روایت کے سننے کے طمع میں ان کے دروازے پر مکمل ایک سال تک پڑا رہا۔ پھر میں نے انھیں عرض کیا کہ یا ابا محمد قد مضت السنۃ (اے ابو محمد (کنیت اعمش) سال تو گزر گیا ہے)۔ انھوں نے فرمایا: مجھے حضرت ابو وائل صحابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حدیث سنائی کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس آیت کا ورد رکھتا ہے اسے قیامت میں بارگاہ حق میں لایا جائے گا تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا۔ اس بندے کا میرے ہاں ایک عہد نامہ ہے اور میں زیادہ حق رکھتا ہوں کہ ایفائے عہد کروں فلہٰذا میرے اس بندے کو بہشت میں لے جاؤ۔

اسناد عہد نامہ[1]: وہ عہد نامہ جو عوام میں مشہور ہے مناسب ہے کہ یہاں اس کا ذکر کر دیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ سے ایک دن فرمایا کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہر صبح وشام اللہ تعالےٰ سے عہد لے لیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی۔

نے عرض کی وہ کیسے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر صبح و شام مندرجہ ذیل پڑھ لیا کرو۔

عہد نامہ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ وَ اَنَّکَ اِنْ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَ اِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِّیْ عَھْدًا تُوَفِّیْنِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

عہد نامہ کے خواص جب بندہ یہ عہد نامہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس عہد نامہ پر اپنی خاص مہر ثبت فرما کر حکم دیتا ہے کہ اسے عرش الٰہی کے نیچے رکھا جائے۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے منادی پکارے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ تعالےٰ کے ہاں عہد نامہ ہے۔ وہ حاضر ہوں گے پھر انہیں بہشت بریں میں داخل کیا جائے گا۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر صبح و شام اپنے معبود خالق الارض و اسماء سے پُر خلوص ہو کر دعا مانگے۔ اس لیے کہ خلوص پر ہی بندہ کی ہر اطاعت اور ہر عمل کا دارومدار ہے ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید از بے مغز پوست

ترجمہ: خلوص نیت کے ساتھ عبادت بہتر ہے ورنہ صرف پوست سے کیا مغز حاصل ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ۔ یہ آیت ان یہود و نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی، جنھوں نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائے ہوئے احکام کا ترک اور آپ کی نبوت کا انکار کیا یعنے اختلاف کیا ان لوگوں نے جو کتاب دیئے گئے ہیں۔ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ، مگر بعد اس کے کہ ان کو علم ہے۔

یہ استثناء مفرغ ہے یعنے ہر حال اور ہر وقت سے یعنے انھوں نے اللہ تعالےٰ کے دین اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا ہر حال اور ہر وقت میں انھوں نے نہیں اختلاف کیا مگر بعد اس کے کہ انھیں معلوم ہے کہ وہ دین اسلام اور نبوت محمدی حق ہے کہ اسے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں یا بعد اس کے کہ انھیں حقیقت الامر کا علم ہے اور حجج و دلائل و براہین سے انھیں پورا یقین ہے۔

ف: اس آیت میں ان کی انتہائی گمراہی کا بیان ہے کہ اس سے مزید اور کسی وضاحت کی ضرورت نہیں کیونکہ اتنے بہت بڑے مرتبے کے حصول کے باوجود اس میں اختلاف کرنا عقل مند کا کام نہیں ہے۔ عقل کے ہوتے ہوئے انکار کرنا انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔

بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۔ یہ مفعول لہ ہے ۔ اختلف کا یعنے یہ انکار ان کے حسد، طلب ریاست کی بنا پر ہے ۔ جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں اور اسے پوشیدہ رکھ کر دوسرے طور پر اختلاف کا اظہار کرتے ہیں ۔ اس مضمون سے ان کی مذمت در مذمت مطلوب ہے ۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ، اور وہ اللہ تعالے کے آیات سے کفر کرتا ہے وہ آیات جو مذکور ہوئے کہ اسلام ہی اللہ تعالے کا پسندیدہ دین ہے ۔ ان دلائل کو جانتے ہوئے ان کے مقتضیٰ حال پر عمل نہیں کرتا ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ پس اللہ تعالے جلد حساب لینے والا ہے ۔ یہ جملہ جواب کے قایم مقام اور اس کی علت واقع ہوا ہے ۔

اب معنے یہ ہوا کہ جو اللہ تعالے کی آیات کو نہیں مانتا تو اللہ تعالے اسے سزا اور زیادہ سخت دے گا ۔ اور وہ وقت بالکل قریب ہے پھر وہ جلد تر حساب لینے والا ہے یعنے اس کا جلد تر حساب آنے والا ہے یعنے وہ اپنی تمام مخلوق کا جلد تر حساب لینے والا ہے اس لیے کہ قیامت میں بہت تھوڑی دیر میں ہی سب کا حساب لے لے گا یہاں تک ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ اللہ تعالے نے صرف میرا ہی حساب لیا ہے ۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ ، پس اگر وہ آپ سے جھگڑیں اس مسئلہ میں کہ پسندیدہ دین اللہ تعالے کا اسلام ہی ہے فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ ، تو اے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے کہ میں نفس وقلب کو بلکہ اپنے آپ کو بھی خالص کر چکا ہوں ۔ لِلّٰهِ ، اللہ تعالے وحدہ لاشریک لہ کے لیے ، اس میں میں نے کسی دوسرے کو اس کا شریک نہیں بنایا کہ اس کے ماسوا کسی دوسرے کی عبادت کروں یا اس کے سوا کسی دوسرے کو معبود بناؤں ۔ یعنے دین قدیم وہی ہے جو تمھارے ہاں ثابت ہے اور میرے پاس بھی وہی دین ہے ۔ میں کوئی نئی بات نہیں لایا کہ جس کے متعلق تم میرے ساتھ جھگڑتے ہو ۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۔ اس کا عطف ضمیر متصل (اسلمت) پر ہے اور یہی موزدں تر ہے ۔ اس لیے درمیان میں جو الفاظ فاصل ہیں وہی ضمیر منفصل تاکید کے قائم مقام ہیں یعنے جو لوگ میری تابعداری کرتے ہیں انھوں نے بھی سر تسلیم خم کر لیا ۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ، اور فرمایئے ان لوگوں سے جو کتاب دیئے گئے ہیں یعنے یہود ونصاریٰ ۔ وَالْاُمِّيّٖنَ ، اور ان لوگوں سے کہ جن کے پاس کوئی کتاب نہیں یعنے مشرکین عرب سے ۔ ءَاَسْلَمْتُمْ ، کیا تم بھی سر تسلیم خم کرتے ہوئے میری تابعداری کرتے ہو جیسے اہلِ ایمان نے تابعداری کی ہے اور تمھارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جو اس کے مقتضی اور تم پر لازم کرتے ہیں کہ تم مجھ پر لازماً ایمان لاؤ ۔ پس اب تم ایمان لاتے ہو اور ان دلائل کے مطابق عمل کرتے ہو یا ویسے ہی ابھی کفر پر ڈٹے ہوئے ہو ۔

ف : یہ استفہام بمعنے امر ہے ۔ ای اسلموا یعنے مسلمان ہو جاؤ ۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ تم کسی کو ہر طریق سے مسئلہ سمجھاؤ

(بقیہ متن صفحہ ۱۸۳ پر)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ
يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ
أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ○ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا
نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ
وَهُمْ مُعْرِضُونَ ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۖ
وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي
الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ۖ
بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ
فِي اللَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ○ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَنْ
يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ
اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ○ قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ
يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ○ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا ۛ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ
تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ
رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ○

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو آیات الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے ہیں اور انصاف کے حکم کرنے والے کو قتل کرتے ہیں سو انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو یہی ہیں وہ لوگ جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کے لیے کوئی حامی کار نہیں کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ عطا ہوا وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کا فیصلہ فرماتے پھر ان کا ایک گروہ اس سے روگرداں ہو کر پھر جاتا ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔ ان کے دین میں انھیں اس جھوٹ نے دھوکہ دیا جو وہ خود گھڑتے تھے۔ سو کیسا ان کا برا حال ہو گا جب ہم انھیں اس دن کے لیے جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر ایک کی کمائی پوری بھر دی جائے گی۔ اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ عرض کیجیے،

اے اللہ! ملک کے مالک تو جسے چاہے (سلطنت) ملک دیتا ہے اور جس سے تو چاہے ملک چھین لیتا ہے اور جسے تو چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت ہے۔ تمام بھلائی تیرے قبضہ میں ہی ہے بے شک تو ہر شے پر قادر ہے تو رات کے اجزاء دن میں داخل کرتا ہے اور دن کے اجزاء رات میں ڈالتا ہے اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے۔ اور تو جسے چاہے ان گنت رزق دیتا ہے۔ اہل ایمان کفار کو اہل اسلام کے سوا اپنے دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ تعالٰے سے کوئی تعلق نہ رہا مگر یہ کہ تمھیں ان سے کوئی خطرہ ہو اور اللہ تعالٰے تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالٰے کی طرف لوٹنا ہے فرمایئے تم اپنے دل کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالٰے سب کچھ جانتا ہے اور جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو جانتا ہے اور اللہ تعالٰے ہر شے کامل قدرت رکھتا ہے اور اس دن ہر شخص اپنی نیک کمائی کو موجود پائے گا اور وہ جو برا کام کیا (وہ بھی حاضر پائے گا) تمنا کرے گا کاش! مجھ میں اور اس میں دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تعالٰے تمھیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالٰے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

(بقیہ متن صفحہ نمبر ۱۸۱)

اور ہر قسم کے بیانات اور دلائل و براہین بیان کرو کہ اس کے بعد کوئی دلیل اور بیان کی ضرورت نہ ہو تو پھر خلاصہ کے طور پر کہو: ہل فہمتما۔

فَاِنْ اَسْلَمُوْا پس اگر وہ مان جائیں جیسے تم نے مانا اور پھر مخلص ہو جائیں۔ فَقَدِ اهْتَدَوْا پس تحقیق وہ ہدایت پا جائیں گے یعنے حظ وافر سے محفوظ ہوں گے اور گمراہی کی ہلاکتوں سے نجات پا جائیں گے۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر منہ نہ پھیرلیں یعنے اتباع سے روگردانی کریں اور قبول اسلام سے انکار کریں۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ پس بیشک آپ کا کام صرف احکام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ یہ جواب کے قائم مقام ہے یعنے وہ آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے کہ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے یعنے آپ رسالت کے احکام پہنچانے پر مامور ہیں۔ آپ ہدایت (کی تخلیق) کے لیے نہیں بھیجے گئے اور تبلیغ کا کام آپ کر چکے بلکہ تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت اہل کتاب کے سامنے پڑھی تو انھوں نے عرض کیا: اسلمنا۔ ہم نے مان لیا۔ پھر آپ نے یہودیوں سے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسٰے علیہ السلام کلمۃ اللہ اور اس کے عبد مقدس اور رسول ہیں۔ تو انھوں نے کہا: معاذ اللہ۔ (پناہ بخدا) پھر آپ نے نصاریٰ سے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسٰے علیہ السلام اللہ تعالٰے کے عبد مقدس اور رسول ہیں۔ انھوں نے

کہا: معاذ اللہ۔ (پناہ بخدا) یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہوں۔ اس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: وَ ان تولوا.... الخ۔

وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ۝ اور اللہ تبارک و تعالےٰ اپنے بندوں کے تمام احوال جانتا ہے۔ اس آیت میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ، بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کے آیات سے کفر کرتے ہیں۔ آیات سے عام ہے۔ اس میں وہ کفار بھی داخل ہو گئے جو ان آیات کا انکار کرتے ہیں جو حقیقت اسلام پر دلالت کرتی ہیں۔

وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنے والے اہل کتاب یہود تھے۔

سوال: قاتلین تو سابقہ اہلِ کتاب تھے پھر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمزماں اہل کتاب کا کیا قصور کہ ان کو ملامت کی جا رہی ہے؟

جواب: چونکہ یہ لوگ اپنے اسلاف کے اس برے فعل پر خوش تھے بلکہ ان کی بھی کوشش رہی کہ کسی طرح وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر ڈالیں۔ اور ان کے ساتھ تمام مومنین کو بھی۔ اگر اللہ تعالےٰ اپنی عصمت سے ان کی حفاظت نہ فرماتا۔ تو وہ لوگ اپنے ناپاک عزائم پر کامیاب ہو جاتے۔ اس طرح صیغہ استقبال سے اشارہ بھی کر دیا۔

سوال: سورۂ بقرہ میں بغیر الحق (الحق) کو معرف باللام کر کے) اور یہاں نکرہ لانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: بغیر الحق کا معنےٰ ہے کہ وہ حد جو اللہ تعالےٰ نے متعین فرمائی ہے اور اس کی خبر بھی دے دی۔ اور بغیر حق نکرہ ہے اس کا معنےٰ ہے کہ قتل بھی وجوہ حق میں سے ایک وجہ ہے۔

اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ وہ قتل کرتے بغیر حق کے ان حقوق میں سے۔

وَیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ، اور شہید کرتے ان لوگوں کو جو عدل و انصاف کا حکم فرماتے ہیں۔

مِنَ النَّاسِ لوگوں میں سے۔

حدیث شریف

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب سے سخت تر عذاب کسے ہوگا۔ آپ نے فرمایا: اس شخص کو کہ جس نے کسی نبی علیہ السلام کو شہید کیا یا پھر اس شخص کو جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کو قتل کر ڈالے۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت پڑھی۔ پھر فرمایا: اے ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ان کے پہلے ٹائم

میں صرف ایک گھنٹہ میں تینتالیس[۴۳] انبیاء (علیہم السلام) کو شہید کر ڈالا تھا۔ اس پر بنی اسرائیل کے غلاموں (جن کی تعداد ایک سو بارہ تھی) نے انھیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کر ڈالا ہے۔ اس پر بنی اسرائیل کو غصہ آیا۔ انھوں نے اسی دن کی شام کو ان سب کو شہید کر دیا۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ پس ایسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ ایسے عذاب کی جو انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔

سوال: دوزخ کی خبر سنانے کے لیے بشارت کیوں، تعبیر کیوں بشارت ہر اس خبر کو کہتے ہیں جو مسرور کن ہو اور یہاں پر سرور کیسا؟

جواب: یہ تہکماً کہا گیا ہے۔ یہ ان کے اس مقولے کی طرح ہے جو آپس میں دکھ درد پہنچانے پر بھی "تحیۃ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ یہی ہیں کہ جن کے اوصاف قبیحہ مذکور ہوئے۔ اَلَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ز وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال ضائع و اکارت ہوئے دنیا و آخرت میں۔ یعنے جو عمل بھی کیے حسنات اور نیکیوں میں سے ان کا کچھ بھی نہ بچا۔ دارین میں محروم رہیں گے بلکہ دنیا میں لعنت اور رسوائی گلے کا ہار بنے گی اور آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے جو انھیں اللہ تعالے کے عذاب سے نجات دلانے پر مدد دے سکیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

سوال: تعدد انصار کی نفی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدھ ان کا مددگار ہوگا کیونکہ جمع کی نفی سے واحد کی نفی نہیں ہوتی؟

جواب: جمع کا صیغہ صرف مقابلۃً لایا گیا ہے اس لیے کہ مضمون کو جمع کے صیغہ سے بیان کیا گیا ہے اس لیے نفی کے وقت مقابلہ کی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے صیغہ جمع کا لایا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

"وما للظالمين من انصار"

مسئلہ آیت میں جو لوگ امر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کو شہید کرتے ہیں ان کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ بڑی بدبخت ہے وہ قوم جو آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کو شہید کر دیتی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی بڑے بدبخت ہیں جو عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اور وہ تو بہت ہی کم بخت ہیں جو عدل و انصاف کے عمل کرنے والوں کو شہید کر ڈالتے ہیں۔

سبق اے سالک! عدل و انصاف کا دامن مضبوط تھامئے اور ظلم و تشدد سے دور بھاگئے۔ مل کر امر حق و نہی عن المنکر کی تبلیغ میں جدوجہد کریں۔ جب حق کا پیام سناؤ تو پھر اللہ تعالے کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔

تمھارا کام ہے حق کا پیام سنانا ؎

۱۔ گرچہ دانی کہ نشنوند بگوئی
ہرچہ می دانی از نصیحت و پند

۲۔ زود باشد کہ خیرہ سر بینی
بدو پائی اوفتادہ اندر بند

۳۔ دست بر دست می زند کہ دریغ
نشنیدم حدیث دانش مند

ترجمہ: (۱) اگرچہ تمھیں یقین ہے کہ وہ تیری بات نہیں مانے گا لیکن تو اپنے علم کے مطابق اسے ضرور سنا دے۔

(۲) عنقریب دیکھو گے کہ اس بدبخت سر کے بل پڑا نظر آئے گا۔

(۳) پھر وہ افسوس کے ہاتھ ملے گا اور کہے گا کہ میں نے بزرگوں کا کہا نہ مانا۔

رازکی بات قیامت تک امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا سلسلہ جاری تو رہے گا لیکن قرب قیامت میں کسی دل پر وعظ ونصیحت اثر نہیں کرے گا اس لیے کہ اس وقت قلوب پر گناہوں کی زنگ غلبہ پا جائے گی جس کی وجہ سے دل سیاہ وسخت ہو جائیں گے بلکہ لذات دنیا کے لیے حرص وہوا کا دور دورہ ہوگا۔

حکایت ہارون الرشید (بادشاہ) اپنے لشکر سمیت شاہانہ سواریوں پر سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا تو یہودی نے کہا: اتق اللہ۔ (اے ہارون الرشید! اللہ تعالٰی سے خوف کھا)۔ ہارون الرشید یہ کلمہ سنتے ہی سواری سے اتر پڑا۔ لشکر بھی اپنے بادشاہ کے اعزاز واکرام میں سواریوں سے اتر پڑا۔ ہارون الرشید سے پوچھا گیا کہ جناب! سواری سے اترنے کا کیا مطلب۔ ہارون الرشید نے جواب دیا کہ اللہ تعالٰی کا اسم گرامی زمین پر لیا جائے اور میں سواری پر سوار رہوں یہ حیا کے خلاف ہے۔

مسئلہ: بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے جب کہ کوئی کسی سے کہے کہ بھائی خدا سے ڈر۔ تو وہ اس کے جواب میں کہے کہ تو خود کو تو سنبھال، تو کون ہے مجھے نصیحت کرنے والا۔ [یہ بیماری ہمارے دور میں عام ہے][1] (من اللہ العظمۃ والتوفیق الی سواء الطریق)۔

تفسیر عالمانہ الم تر۔ اس میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود ونصاریٰ کے حالات سنا کر اور ان کے برے اعمال دکھا کر تعجب دلانا مطلوب ہے یا ہر اس شخص کو جو اس خطاب کا اہل ہے۔

---

[1] اضافہ از مترجم:

اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا، کیاتم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کا حال جو دیئے گئے ہیں حصہ وافر۔ مِّنَ الْكِتٰبِ کتاب یعنے تورات سے۔ اس سے کتاب کے علوم و احکام اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک کے قصے اور اسلام کی حقیقت مراد ہے۔ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ، اللہ تعالے کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں جس کا حصہ وافر دیئے گئے۔ اس سے تورات مراد ہے۔ گویا یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ کتاب سے حصہ وافر دیئے گئے ہیں ان کا کیا کردار تھا تاکہ انھیں دیکھا جائے اس کے جواب میں یہ نیا جملہ ہے : يدعون الى كتٰب الله۔

لِيَحْكُمَ، تاکہ وہی کتاب فیصلہ کرے۔ بَيْنَهُمْ، ان کے مابین اور کتاب میں ہی احکام واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں اس لیے کہ حکم کی نسبت ان کی طرف جائز ہے جیسے قرآن مجید کی صفت بشیر و نذیر واقع ہوئی ہے اس لیے کہ اس میں خوشخبری اور ڈرانے کا بیان ہے۔

شانِ نزول (۱) حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں کی عبادت گاہ میں تشریف لے گئے اور انھیں دعوت اسلام و دعوات ایمان پیش کی۔ ان کے سردار نعیم بن عمرو نے کہا : آپ کس دین پر ہیں۔ فرمایا : حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر۔ نعیم بن عمرو نے کہا : ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ (معاذ اللہ)۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ہمارے اور تمھارے مابین فیصلہ تورات میں ہے فلہٰذا تورات لے آؤ اس سے فیصلہ ہو جائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام ہماری ملت کے مطابق تھے یا یہودی تھے (معاذ اللہ)۔ تورات لانے سے یہودیوں نے انکار کر دیا۔

شانِ نزول (۲) امام کلبی رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا : یہ آیت رجم کے متعلق نازل ہوئی۔ اہلِ خیبر کے ایک مرد و عورت نے زنا کیا۔ اور وہ اہل خیبر میں اونچے طبقے میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی کتاب میں رجم کا حکم تھا۔ اس کے باوجود حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس امید پر کہ ممکن ہے کہ ان کے ہاں رجم کا حکم نہ ہو تاکہ وہ سنگساری سے بچ جائیں۔ حضور علیہ السلام نے ان پر سنگساری کا حکم صادر فرمایا۔ یہودیوں نے کہا کہ آپ کا یہ فیصلہ مبنی بر جور و ستم ہے۔ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمھارا اور ہمارا فیصلہ تورات میں ہے۔ یہودیوں نے کہا : واہ واہ ! آپ نے خوب انصاف فرما دیا۔ اس لیے کہ تورات تو ہمارے دین کی کتاب ہے۔ آپ نے فرمایا : تم میں تورات کا عالم کون ہے ؟ انھوں نے کہا : ابن صوریا۔ اسے بلوایا گیا۔ جب وہ حاضر ہو گیا تو آپ نے تورات کا وہی حصہ کھولا کہ جس میں رجم کا حکم تھا۔ اس لیے کہ آپ کو اس مقام کی رہبری حضرت عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) نے کی تھی۔ آپ نے ابن صوریا سے اس مقام کے پڑھنے کا حکم دیا۔ جب وہ رجم کے مضمون تک پہنچا تو اسے انگلی کے نیچے دبا کر آگے پڑھنے لگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اٹھ کر اس کی انگلی کو ہٹا لیا۔ اور حضور علیہ السلام کو تورات کا رجم کا مضمون سنا دیا۔ جسے عام یہودیوں نے بھی سنا۔ (تورات

اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا، کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کا حال جو دیئے گئے ہیں حصہ وافر۔ مِّنَ الْکِتٰبِ کتاب یعنے تورات سے۔ اس سے کتاب کے علوم و احکام اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک کے قصّے اور اسلام کی حقیقت مراد ہے۔ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ، اللہ تعالےٰ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں جس کا حصہ وافر دیئے گئے۔ اس سے تورات مراد ہے۔ گویا یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ کتاب سے حصہ وافر دیئے گئے ہیں ان کا کیا کردار تھا تاکہ انھیں دیکھا جائے اس کے جواب میں یہ نیا جملہ ہے: یدعون الی کتٰب اللّٰہ۔

لِیَحْکُمَ، تاکہ وہی کتاب فیصلہ کرے۔ بَیْنَهُمْ، ان کے مابین اور کتاب میں ہی احکام واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں اس لیے کہ حکم کی نسبت ان کی طرف جائز ہے جیسے قرآن مجید کی صفت بشیر و نذیر واقع ہوئی ہے اس لیے کہ اس میں خوشخبری اور ڈرانے کا بیان ہے۔

شانِ نزول (۱) حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں کی عبادت گاہ میں تشریف لے گئے اور انھیں دعوت اسلام دعوات ایمان پیش کی۔ ان کے سردار نعیم بن عمرو نے کہا: آپ کس دین پر ہیں۔ فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر۔ نعیم بن عمرو نے کہا: ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ (معاذاللہ)۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور تمھارے مابین فیصلہ تورات میں ہے فلہٰذا تورات لے آؤ اس سے فیصلہ ہوجائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام ہماری ملت کے مطابق تھے یا یہودی تھے (معاذاللہ)۔ تورات لانے سے یہودیوں نے انکار کر دیا۔

شانِ نزول (۲) امام کلبی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یہ آیت رجم کے متعلق نازل ہوئی۔ اہلِ خیبر کے ایک مرد و عورت نے زنا کیا۔ اور وہ اہلِ خیبر میں اونچے طبقے میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی کتاب میں رجم کا حکم تھا۔ اس کے باوجود حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس امید پر کہ ممکن ہے کہ ان کے ہاں رجم کا حکم نہ ہو تاکہ وہ سنگساری سے بچ جائیں۔ حضور علیہ السلام نے ان پر سنگساری کا حکم صادر فرمایا۔ یہودیوں نے کہا کہ آپ کا یہ فیصلہ مبنی بر جور و ستم ہے۔ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمھارا اور ہمارا فیصلہ تورات میں ہے۔ یہودیوں نے کہا: واہ واہ! آپ نے خوب انصاف فرمایا۔ اس لیے کہ تورات تو ہمارے دین کی کتاب ہے۔ آپ نے فرمایا: تم میں تورات کا عالم کون ہے؟ انھوں نے کہا: ابن صوریا۔ اسے بلوایا گیا۔ جب وہ حاضر ہوگیا تو آپ نے تورات کا وہی حصہ کھولا کہ جس میں رجم کا حکم تھا۔ اس لیے کہ آپ کو اس مقام کی رہبری حضرت عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) نے کی تھی۔ آپ نے ابن صوریا سے اس مقام کے پڑھنے کا حکم دیا۔ جب وہ رجم کے مضمون تک پہنچا تو اسے انگلی کے نیچے دبا کر آگے پڑھنے لگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اٹھ کر اس کی انگلی کو ہٹا لیا۔ اور حضور علیہ السلام کو تورات کا رجم کا مضمون سنا دیا۔ جسے عام یہودیوں نے بھی سنا۔ (تورات

میں لکھا تھا) :

"شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں اور ان دونوں پہ گواہ گواہی دیں تو دونوں کو سنگسار کرنا ضروری ہے۔ ہاں، اگر عورت حاملہ ہو تو جب تک وضع حمل نہ ہو اس وقت تک سنگسار نہ کی جائے جب بچہ پیدا ہو جائے تو پھر اسے سنگسار کیا جائے۔"

تورات کے اس حکم کے مطابق حضور علیہ السلام نے ان دونوں کو سنگسار کرا دیا۔ اس سے یہود آپ پہ ناراض ہو گئے۔ اس وجہ سے وہ کافر ہو کر لوٹے۔ اس پہ اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ، پھر روگردانی کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے۔ باوجودیکہ جانتے تھے کہ ہمارا رجوع اس کی طرف ہے پھر بھی روگردانی کی یہ ایک عجیب وغریب معاملہ ہے۔

سوال: روگردانی میں ایک گروہ کا کیوں کہا، سب کا نام کیوں نہیں لیا؟

جواب: اس سورہ میں کہا ہے:

"من اهل الكتاب امة قائمة" (بعض اہل کتاب میں ایک گروہ حق پہ ہے۔)

اور فرمایا:

امة يهدون بالحق وبه يعدلون" (بعض اہل کتاب ہدایت یافتہ حق سے ہیں اور اسی سے انصاف کرتے ہیں۔)

خلاصہ یہ کہ روگردانی سب نے نہیں کی۔ بلکہ ان میں سے بہت سے حضرات کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔

وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ یہ یا تو فریق سے حال ہے کیونکہ یہ صفت خصوصیت سے انھیں نصیب ہوئی یعنے وہ مجلس نبوی سے لوٹتے تھے در آں حالیکہ وہ قلبی طور پہ اعراض کرنے والے تھے۔ یا یہ جملہ معترضہ ہے یعنی وہ ایک ایسی قوم ہے جن کی عادات اعراض عن الحق اور اصرار علی الباطل ہے۔ ذٰلِكَ یعنے وہ روگردانی اور اعراض۔ بِاَنَّهُمْ اس سبب سے انھیں روگردانی وغیرہ حاصل ہے۔ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ، انھوں نے کہا کہ ہمیں آگ مس نہیں کرے گی گناہوں معاصی کے ارتکاب سے۔ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ مگر چند روز گنتی کے یعنی چالیس روز۔ اس لیے کہ اتنے ایام تک ان کے آبا و اجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اور اس پہ ان کا ایسا عقیدہ پختہ تھا کہ ہر طرح کے عذاب کی خبر انھیں معمولی سے معمولی معلوم ہوتی تھی۔ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ اور انھیں دھوکہ میں ڈالا دین میں وہ باتیں جو وہ خود گھڑ کر بیان کرتے مثلاً ہمیں چند روز آگ مس کرے گی یا ان کا کہنا کہ چونکہ ہمارے آبا انبیاء علیہم السلام تھے اس لیے وہ ہماری سفارش کر کے ہمیں عذاب سے بچا لیں گے یا کہتے کہ ہر حضرت یعقوب علیہ السلام سے اللہ تعالے نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کی اولاد کو عذاب نہیں ہوگا۔ ہاں، اگر دینا ہوگا تو صرف اتنا کہ قسم پوری ہو اس لیے وہ بہت بڑے جرائم و قبائح کے مرتکب ہو بیٹھے۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما نے فرمایا کہ یہودیوں کا گمان فاسد ہے کہ انھوں نے تورات میں دیکھا ہے کہ جہنم کے دو کناروں کا فاصلہ چالیس سال کا ہے اور وہ بھی اگر جہنم میں جائیں گے تو اس مقدار تک اور جب زقوم کے درخت کے قریب پہنچیں گے تو پھر ان سے جہنم دور ہو جائے گی بلکہ مٹ کے رہ جائے گی حالانکہ بات یوں ہے کہ جہنم کا اصل سقر ہے اور اس میں زقوم کا درخت ہے پس جس وقت انھیں جہنم کے دروازے سے داخل کیا جائے گا تو عجلت سے عذاب میں داخل ہو جائیں گے۔ جب زقوم کے درخت کے قریب پہنچیں گے تو اس سے ان کے پیٹ بھر دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد انھیں جہنم کا خازن فرمائے گا کہ تمھارا تو خیال تھا کہ تمھیں جہنم میں چند روز، چالیس روز یا چالیس سال رہنا ہوگا۔ اب چالیس سال گزر گئے ہیں لیکن تم ابھی چند روز جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو۔ تمھیں یقین ہونا چاہیئے کہ تم اس جہنم کے عذاب میں مبتلا رہو گے۔

فَكَيْفَ، پس کیسے عمل کرنے میں یا ان کا کیسا حال ہوگا۔ اس سے اس تیار کردہ عذاب کی عظمت بتانا اور انھیں اس سے ڈرانا مطلوب ہے کہ وہ اس عذاب میں لازمًا واقع ہوں گے پھر اس سے نکلنے کا نہ کوئی چارہ ہے اور نہ اسے دفع کرنے کا کوئی حیلہ اور نہ ہی اس سے جان چھوٹنے کا امکان اور وہ اسے آسان سمجھتے۔ یہ محض وہم و خیال ہے اور ایسی شے کا طمع رکھتے ہیں کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ **إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ**، جب ہم انھیں جزا کے دن جمع کریں گے۔ **لَّا رَيْبَ فِيْهِ**، وہ ایسا دن ہے کہ اس کے وقوع میں کسی قسم کا شک نہیں۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ قیامت میں کفار کا سب سے پہلا جھنڈا یہودیوں کا کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ تعالٰے عوام کے سامنے انھیں شرمسار کرے گا پھر حکم فرمائے گا کہ انھیں جہنم میں لے جاؤ۔

وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ، اور ان کے اعمال کی انھیں پوری جزا ملے گی۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے اعمال ضائع نہیں جاتے۔

مسئلہ: یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ ان کے ایمان و اعمال کی جزا کو پورا کرنا جہنم میں نہیں ہوگا اور نہ ہی جہنم کے داخلہ سے پہلے ہوگا بلکہ جب وہ جہنم سے خلاص پائیں گے تو پھر انھیں جزا ملے گی۔ یہی ہمارا مقصد ہے کہ مؤمن جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

وَهُمْ۔ اس سے تمام مراد ہیں جیسے کل نفس سے معلوم ہوتا ہے۔ **لَا يُظْلَمُوْنَ** ○ وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے عذاب کو بڑھا کر یا ثواب میں کمی کر کے بلکہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری جزا ملے گی اور اس کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔ اگرچہ ذرہ برابر سہی۔ پس مؤمن کو اس کے ایمان کی جزا ملے گی اور کافر کو کفر کی سزا۔

سبق: مؤمن کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالٰے کی رحمت سے ناامید نہ ہو اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں،

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے بندہ جتنا ہی نیک گمان رکھے۔ وہ ویسے ہی اپنے بندے پر رحمت کرتا ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ قیامت میں جب بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو ایک غمگین آواز جہنم کے اندر سے سنائی دے گی جو کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: یاحنّان یامنّان یا ذوالجلال والاکرام۔

اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے جبریل! میرے اس بندے کو فوراً جہنم سے نکال لے۔ جب جبرئیل علیہ السلام اسے جہنم سے نکال لیں گے تو وہ کوئلے کی طرح سخت سیاہ ہو چکا ہوگا۔ اور اس کا گوشت جل کر راکھ اور جسم گل کر ریزہ ریزہ ہو گیا ہو گا۔ وہی بندہ جبریل علیہ السلام سے عرض کرے گا کہ اے جبریل! (علیہ السلام) مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ لے جا۔ مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ اس سے سخت ڈر لگتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! فلاں فلاں سن اور فلاں فلاں تاریخ میں تو نے فلاں فلاں گناہ کیے تھے۔ عرض کرے گا: ہاں، یا اللہ! ۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔ جب اسے جہنم میں لے جا رہے ہوں گے۔ تو وہ مڑ مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اسے واپس لے آؤ۔ جب واپس لایا جائے گا تو اللہ فرمائے گا: اے میرے بندے! تو مڑ مڑ کر کیوں دیکھتا تھا۔ حالانکہ اسے تو بندے کا حال معلوم تھا۔ بندہ عرض کرے گا، یا اللہ! واقعی گنہگار ہوں لیکن تیری رحمت سے ناامید نہیں ہوں۔ پہلے تو نے مجھے جہنم سے نکالا ہے اس سے میری امید بندھ گئی، پھر تو نے مجھے دوبارہ جہنم میں بھیجنا چاہا۔ تب بھی مجھے تیری رحمت سے ناامیدی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت و جلال اور بلندی اور بلند مرتبہ کی قسم میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کا کام کرتا ہوں جس طرح اس کی مجھ سے امید ہوتی ہے میں اس کی امید پوری کرتا ہوں۔ اب میرے اس بندے کو بہشت میں لے جاؤ۔

؎

خدایا بعزت کہ خوارم مکن

بذل بزہ شرمسارم مکن

ترجمہ: اے اللہ! اپنی عزت کے صدقے مجھے خوار نہ کرنا، میرے گناہوں سے مجھے شرمسار نہ کرنا۔

حدیث شریف: "لا الٰہ الا اللہ" والوں کو کوئی وحشت نہیں ہوگی۔ موت کے وقت، قبر میں اور نہ ہی قیامت میں۔ کلمہ پڑھنے والے جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہتے ہوں گے:

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن — تمام تعریف اس ذات کے لیے ہے جس نے ہمارے حزن و ملال کو مٹایا۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ حمد الٰہی بجا لائے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور اسے مسلمان بنایا اور اسے حضرت

محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برگزیدہ امت سے پیدا فرمایا۔ بشرطیکہ وہ اہل بدعت (سیئنہ) سے نہ ہو۔

خاتمہ خراب ہو گا : بُرے خاتمہ کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ ایمان و توحید کے عطیہ پر خدا تعالےٰ کا شکر ادا نہ کرے دنیا میں جتنے اہل غرور ہیں وہ آخرت میں پریشان حال ہوں گے انھیں رحمتِ رحمانیہ سے ہمیشہ محروم رکھا جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ بندے کو رحمت رحمانیہ کی امید کا اہل اس وقت بنایا جاتا ہے جب اس میں نیک عمل کی توفیق ہو یہی وجہ ہے کہ کامل لوگ باوجودیکہ وہ تزکیہ نفس میں یکتا ہوتے ہیں۔ لیکن بُرے خاتمہ سے ہر وقت ڈرتے اور رحمت ربانی کی امید میں رہتے ہیں۔ پھر ہمارا کیا حال ہوگا۔ جب کہ الٹا ہم گناہوں کے دریاؤں میں غرق ہیں۔ اس پہ نہ توبہ استغفار بلکہ الٹا عناد اور گناہوں میں منہمک۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تقریر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ منہاج العابدین میں توبہ کے مقدمات میں لکھتے ہیں کہ توبہ کے تین درجات ہیں :

(۱) اپنے گناہوں کو قبیح ترین طریق سے عرض کرنا۔

(۲) اللہ تعالےٰ کے سخت سے سخت عذاب اور شدید ترین عذاب کو یاد کرنا اور اپنے آپ کو کہنا کہ اللہ تعالےٰ کے اتنے بہت بڑے غضب کی مجھ میں طاقت کہاں۔

(۳) اپنے ضعف اور کمزوری کا یاد کرنا اور پھر یہ سمجھنا کہ اس وقت چھوٹنے سے میرے پاس کوئی تدبیر نہیں اور یاد کرنا کہ جب میری یہ حالت ہے کہ سورج کی معمولی گرمی کی تاب نہیں لا سکتا اور ایک ادنیٰ سے سپاہی کی زجر و بیخ سے جان بلب ہو جاتا ہوں اور چیونٹی کے ڈسنے سے سارا جسم کانپ جاتا ہے پھر وہ گھڑی کیسے گزرے گی جب جہنم کی آگ اپنے زوروں پر ہوگی اور جہنم کے زبانیہ کے چابک اپنی پوری قوت سے میری جان پر پڑیں گے۔ اور وہاں کے سانپ کے ڈسنے کی کسے طاقت جب کہ وہاں کا ایک سانپ کا ڈنس اتنا بڑا ہوگا کہ جس طرح عجمی اونٹ کی موٹی گردن ہوتی ہے اور وہاں کے بچھو خچروں جتنے موٹے ہوں گے جو کہ وہ جہنم سے پیدا کیے گئے ہوں گے۔ اور وہ دار الغضب والبوار (ہلاکت) ہے۔ (نعوذ باللہ من سخطہ وعذابہ)

ے

۱- مرا می بباید چو طفلاں گریست
ز شرم گناہاں ز طفلانہ زیست

۲- نکو گفت لقمان کہ نازیستن
بہ از سالہا بر خطا زیستن

ہم از بامدادان در کلبہ بست

یہ از سود و سرمایہ دادن ز دست

ترجمہ: (۱) بچوں کی طرح مجھے رونا چاہیئے۔ بچوں کی طرح گناہوں کی شرمساری میں رہنا چاہیئے۔

(۲) لقمان حکیم (رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ) نے بہتر فرمایا کہ گناہوں میں بہت سال بسر کرنے سے مرنا بہتر ہے۔

(۳) صبح سے دوکان بند رکھنا بہتر ہے کہ جس سے منافع کے بجائے تمام سرمایہ ضائع ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ قُلِ اللّٰهُمَّ۔ اللھم دراصل 'یا اللہ' تھا میم حرف ندار کے عوض ہے اس لیے یہ دونوں جمع اکٹھے نہیں ہوتے۔ اور یہ صرف لفظ 'اللہ' (تعالےٰ) کا خاصہ ہے اور میم اس کے لیے مشدد ہے کہ دو حرفوں کے قائم مقام ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ دراصل یا اللہ امنا بخیر تھا۔ یعنی اے اللہ! ہمارے ساتھ خیر و بھلائی رکھ۔ پھر حرف ندا حذف کر کے اللھم کہے۔ اسی طرح متعلقات الفعل اور ہمزہ بھی محذوف ہے۔

معنٰی یہ ہوا کہ اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہو! اے اللہ۔

مٰلِكَ الْمُلْكِ، تو مالک الملک ہے یعنے ملک کا علی الاطلاق وہی مالک ہے۔ وہ جس طرح چاہے جیسے چاہے تصرف کرتا ہے یعنے پیدا کرنا اور مٹانا اور زندہ کرنا اور موت دینا اور عذاب دینا اور ثواب دینا بغیر کسی دوسرے شریک کے اور بغیر کسی کے روکنے کے یہ دوسری ندا ہے۔ یہ سیبویہ کا مذہب ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک میم مشددہ لفظ اللہ کو موصوف بننے سے مانع ہے۔ اس لیے کہ اللھم ایک ایسا اسم ہے کہ اس کا ہم پلہ کوئی دوسرا اسم نہیں کہ اس کی صفت بن سکے کیونکہ موصوف و صفت کا درجہ میں برابر ہونا ضروری ہے اور 'اللھم' لفظ کا ہم درجہ کوئی نہیں ہے فلہٰذا یہ ندا ثانی ہے۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ۔ اس میں اس تصرف کے بعض وجوہ کا بیان ہے جو مالکیۃ ملک کا تقاضا ہے اور اس عقیدہ کو محقق کرنا مطلوب ہے کہ ملک کی مالکیۃ اللہ تعالےٰ سے مخصوص ہے اگر دوسروں کو کچھ ملکیت کی ہے تو بطریق مجاز ہے۔

تعطی کے بجائے تؤتی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ حقیقی مالک ہے بخلاف یعطی کے کہ اس میں حقیقی ملکیت کا اشارہ نہیں پایا جاتا بلکہ اس میں مجازی ملکیت کا استعمال اغلب ہوتا ہے۔

مَنْ تَشَآءُ، جسے تو ملک دینا چاہتا ہے دیتا ہے۔ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ، اور جس سے تو ملک چھیننا چاہتا ہے تو چھین لیتا ہے۔ پس ملک اول حقیقی اور عام ہے اور ملک کی مملوکیۃ بھی حقیقۃً ہے پھر پچھلے دو مقام پر مجاز خاص ہے اور ان کے صاحب ملک کی طرف نسبت بھی مجازی ہے وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ، جسے تو دنیا و آخرت میں معزز کرنا چاہتا ہے یا جسے تو دنیا و آخرت میں نصرت و توفیق دینا چاہتا ہے۔ وَتُذِلُّ، اور جسے تو دنیا یا آخرت میں

یا ہر دونوں میں ذلیل کرنا چاہتا ہے تو مالک و مختار ہے تیرا کوئی مانع ہے نہ مدافع۔

بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔ الخیر کو معرف باللام لانا تعمیم کے لیے ہے اور خبر کی تقدیم تخصیص کے لیے ہے یعنے ہر بھلائی تیری قدرت میں ہے کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں۔ جس طرح تیری مشیت کا تقاضا ہوتا ہے تو اسی طرح تصرف فرماتا ہے۔

سوال: ہر شے اللہ تعالٰی کے قبضۂ قدرت میں ہے پھر آیت میں خیر کا ذکر کرنے کی کیا خصوصیت ہے؟

جواب[۱]: کلام اس خیر کے متعلق کرنا مطلوب ہے جو خیر اللہ تعالٰی نے مومنین کو عطا فرمائی کہ جس کا کفار نے انکار کیا۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے اللہ تعالٰی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے وہی بھلائی مومنین میں سے نیک بندوں کو عطا فرماتا ہے اور تیرے دشمنوں کا منہ کالا۔

(۲) یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کا ہر فعل (اس میں نفع ہو یا نقصان) میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے اس لیے کہ تمام افعال خیر ہی خیر ہیں جیسے کسی کو ملک کا مالک بنانا یا کسی سے ملک چھین لینا۔

(۳) یا ادب اس میں ہے کہ اس کے لیے خیر کی نسبت کی جائے۔ ورنہ خیر و شر کا مالک صرف وہی ہے۔

شان نزول

مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا حکم صادر فرمایا تو ہر دس آدمیوں کے لیے خندق کی گہرائی اور طول و عرض بھی بیان فرما دیا۔ اہل مدینہ کے لیے چالیس گز کی پیمائش حصہ میں آئی۔ دس ہزار گز کی مقدار خندق کھودنا ہر قبیلہ پر تقسیم کی گئی۔ تقسیم کے بعد قبیلہ خندق کھودنے میں مصروف ہو گیا۔ خندق کے درمیانی حصہ میں ایک پتھر ہاتھی کے قد و قامت پر ظاہر ہوا اور وہ اتنا سخت تھا کہ کسی طرح بھی نہ ٹوٹتا، اور نہ ہی اس پر کدال کام کر سکتا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام تشریف لاتے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کدال لے کر خود بنفس نفیس اس پتھر پر کدال مارا تو اس سے پتھر کا ایک تہائی ٹوٹ پڑا اور اس سے ایسا نور چمکا جس سے خندق کے ہر دونوں کنارے روشن ہو گئے۔ ایسے محسوس ہوا جیسے تاریک مکان میں گیس چمکتا ہے۔ آپ نے روشنی دیکھ کر اللہ اکبر[۱] (نعرۂ تکبیر) پڑھا۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپ نے فرمایا: اس روشنی سے مجھے حیرہ کے محلات نظر آئے۔ ایسے محسوس ہوئے

---

[۱]: یہی عرفی نعرۂ تکبیر نہ تھا کیونکہ یہ بدعت ہے جیسے ہم بدعت حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں جس پر ہر مکتب فکر کے لوگ عمل کرتے ہیں لیکن اس بدعت کو کوئی غلط نہیں کہتا۔ وہ کیوں؟ خود سوچئے! اس کی مزید تحقیق فقیر کا رسالہ "نعرۂ تکبیر بدعت ہے یا نعرۂ رسالت" پڑھئے۔

(اویسی غفرلہٗ)

جیسے کتے دانت کھولے ہوئے ہیں۔ پھر دوبارہ آپ نے پتھر پہ کدال مارا تو فرمایا: ملک روم کے سرخ محلات نظر آئے۔ تیسری بار کدال مارا تو فرمایا: صنعا کے محلات نظر آئے ہیں اور مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ میری امت روئے زمین پر قابض ہو جائے گی۔ فلہذا اے میرے صحابیو! تمہیں مبارک ہو۔

منافقین نے اس پر کہا کہ دیکھو یارو! تمہارا نبی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں کیسے بہلاوے اور کیسے جھوٹے وعدے دے رہے ہیں کہ جن کا امکان بھی نظر نہیں آتا۔ یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے کہ میں یثرب (مدینہ) سے حیرہ اور کسریٰ کے شہروں کو دیکھ رہا ہوں اور ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تم تمام روئے زمین پر قابض ہو جاؤ گے۔ کیسی غلط بات ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو اتنی بڑی خندق کے کھودنے کا کیا معنٰی اور کتنی تکلیف دہ بات ہے کہ تم خندق کھودتے کھودتے عاجز آگئے ہو پھر عقل باور نہیں کرتی کہ ایسے ہو جیسے وہ فرماتے ہیں (معاذاللہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ بے شک تو اے اللہ تعالٰے عزت دینے اور ذلیل کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ، رات کو دن میں گم کرتا اور دن کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ دن پندرہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے اور رات نو گھنٹے کی۔ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ز اور تو ہی داخل کرتا ہے دن کو رات میں یہاں تک کہ رات پندرہ گھنٹے کی ہو جاتی ہے اور دن نو گھنٹے کا۔ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ، اور تو پیدا کرتا ہے زندہ کو مردے سے یعنے حیوان کو نطفے سے اور پرندے کو انڈے سے ظاہر کرتا ہے یا عالم کو جاہل سے یا مومن کو کافر سے یا انگوری کو خشک زمین سے ظاہر کرتا ہے۔ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ز اور تو مردے کو زندہ سے پیدا کرتا ہے۔ پہلے مضمون کے برعکس ہے۔ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ اور تو جسے چاہتا ہے بلا حساب عطا فرماتا ہے۔

تحقیق لفظ "حساب": حضرت ابو العباس مقری رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ لفظ "حساب" قرآن پاک میں تین معنوں میں مستعمل ہے:

(۱) بمعنے مشقت۔ کما قال:

وترزق من تشآء بغیر حساب۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کے علم غیب کا انکار منافقین کو تھا اور اب بھی ان لوگوں کو انکار ہے جو ان کے وارث ہیں یعنے وہابی، دیوبندی اور مودودی وغیرہ۔ مزید تحقیق فقیر کا ترجمہ قرآن مجید شان نزول والا۔ یا ابلیس تا دیوبند پڑھیئے۔

(اویسی غفرلہ)

(۲) بمعنے گنتی۔ کما قال تعالےٰ ؛

انما توفی الصابرون اجرھم بغیر حساب ۔

(۳) بمعنے مطالبہ ۔ کما قال تعالےٰ ؛

فامنن او امسك بغیر حساب ۔

اور آیت میں بغیر حساب کی باء الرزق کے فاعل سے حال اور اس کا متعلق محذوف ہے یا اس کے مفعول سے حال ہے۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ جب وہ اتنا بہت بڑے حیرت انگیز امور پر قدرت رکھتا ہے تو اسے یہ بھی قدرت ہے کہ عجمیوں سے ملک چھین کر انھیں ذلیل کرے اور عربوں کو عنایت فرما کر انھیں معزز بنائے بلکہ اس کے نزدیک یہ کام بہت آسان ہے۔

فضائل چند مخصوص آیات سورہ بقرہ و آل عمران

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب اور آیۃ الکرسی اور دو آیتیں سورہ آل عمران یعنے شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو تا ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اسی طرح قل اللھم تا بغیر حساب، اور اللہ تعالےٰ کے درمیان پردے لٹکائے ہوئے ہیں۔ یہی آیات اللہ تعالےٰ سے عرض کرتی ہیں، اے اللہ! تو زمین پر اپنے گنہگار بندوں کی طرف کیوں نہیں تشریف لاتا۔ اللہ انہیں فرماتا ہے کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جو شخص تمھیں ہر نماز کے بعد ایک بار پڑھتا ہے تو میں اس کی جگہ بہشت میں بنا دیتا ہوں اور اسے حظیرہ قدس میں ٹھہراؤں گا۔ اور ہر روز اس پر ستر بار نظرِ عنایت کروں گا۔ اور اس کی ستر تمنائیں پوری کروں گا اور اس کے تمام گناہ معاف کر دوں گا اور اسے ہر دشمن و حاسد کی دشمنی و حسد سے بچاؤں گا۔ بلکہ اسے اُن پر فتح و نصرت دوں گا۔

حدیث قدسی :۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ؛

" انا اللہ ملك الملوك قلوب الملوك و نواصیھم بیدی ۔ یعنے میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں بلکہ بادشاہوں کے قلوب اور ان کی پیشانیاں میرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ بندوں نے اگر میری اطاعت کی تو میں ان پر بے حد اور بے حساب رحمت عطا کروں گا۔ اگر وہ نافرمانی کریں گے تو انھیں عذاب دوں گا۔ فلہٰذا اے میرے بندو! بادشاہوں کو گالی دینے میں مشغول نہ رہو بلکہ میری طرف رجوع کرو تاکہ میں ان کو تمھارے اوپر مہربان بنا دوں۔

یہی مطلب ہے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کا جو کہ آپ نے فرمایا۔ جیسے تمھارے کردار ہوں گے ویسے ہی تمھارے اوپر حاکم مسلط کروں گا۔ اگر تم میری اطاعت کرو گے تو تمھارے اوپر تمھارے حاکم بھی مہربان ہوں گے۔ اگر تم گناہ کرو گے تو

تمھارے اوپر ظالم و جابر حاکم مسلط ہوں گے۔

حدیث موسوی ۳۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کے وقت عرض کی، یا اللہ! مخلوق پر تیری خوشی اور ناراضگی کی کوئی علامت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ جب لوگوں پر رحم دل حاکم ہوں تو سمجھ لو کہ میں اپنے بندوں پر راضی ہوں اور اگر ان پر جابر و ظالم حاکم ہو جائیں تو یقین کر لو کہ میں اپنی مخلوق سے ناراض ہوں۔

حکایت حجاج بن یوسف ظالم بادشاہ سے لوگوں نے کہا:
لم تعدل مثل عمر رضی اللہ عنہ یعنے تم حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرح عدل و انصاف کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا: تتبذ روا التمر لکم، تم حضرت ابوذر کا زہد و تقویٰ اختیار کر لو میں تمھارے ساتھ عدل و انصاف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سا معاملہ کروں گا۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ حکام رعایا کے اعمال و احوال کے مطابق متعین ہوتے ہیں رعایا نیک تو حکام بھی نیک، اگر رعایا غلط کار تو حکام بھی ظالم و جابر۔ پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ہر وقت اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرے اور عجز و زاری کے ساتھ توبہ و استغفار میں مصروف رہے خصوصاً جب دیکھیں گے کہ ظلم و استبداد کا دور دورہ ہو اور ستم و بیداد اپنے عروج پر ہو۔

عدل و انصاف اور ظلم و استبداد کے علامات حاکم کے ظلم و استبداد اور اس کے عدل و انصاف کا اثر جانوروں کے تھنوں، کھیتی، درختوں، پھلوں، صنعتوں اور کاروبار پر ہوتا ہے۔ یعنے تھنوں میں دودھ کم ہو جاتا ہے اور کھیتی سے برکت اٹھ جاتی ہے، درختوں سے پھل گھٹ جاتے ہیں اور تجارتی امور کم ہو جاتے ہیں اور صنعتوں کے کاروبار ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ظالم بادشاہ کے ظلم و استبداد اور اس کے جور و ستم کی نحوست کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب بادشاہ عدل و انصاف کو بروئے کار لاتا ہے تو ہر شے میں برکت ہی برکت ہو جاتی ہے۔

حکایت جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ شاہی تخت پر بیٹھے تو انھیں حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمھارے امور میں خیر و برکت ہو تو نیک دل حکام متعین کرو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بس یہی نصیحت کافی ہے۔

پندم اگر بشنوی اے بادشاہ
در ہمہ دفتر بہ ازیں پند نیست

جز بخردمند مفرما عمل
گرچہ عمل کار خرد مند نیست

ترجمہ : اے بادشاہ! اگر تم میری نصیحت مان لو اور یہ نصیحت تمہارے تمام دفتری امور سے بہتر ہے۔ وہ یہ کہ سلطنت کے امور عقل مند کو سپرد کرنا اگرچہ عقل مند اس کے لائق نہیں کیونکہ وہ بلند شان کا مالک ہے۔

نبوی پیشنگوئی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت پہ وقت آنے والا ہے کہ ان کے حکام ظالم بن جائیں گے اور علماء طمع میں پھنس جائیں گے اور عبادت گزار ریا کار ہو جائیں گے اور تاجر سودی کاروبار کریں گے اور عورتیں دنیا کی زینت پہ فریفتہ ہو جائیں گی۔ (یہ تمام باتیں آج کل زوروں پر ہیں۔ اللہ تعالے اس سے پناہ دے۔ آمین)۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ ، مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ کفار کی دوستی سے روکا گیا ہے کہ کہیں قرابت و رفاقت اور محلہ داری، اسی طرح یاری دوستی اور معاشرہ کے اسباب کے پیش نظر حق سے دوری نہ ہو۔ یہاں تک کہ کسی سے محبت ہو تو اللہ تعالے کے لیے اور کسی سے بغض و عداوت ہو تو بھی اللہ تعالےٰ کے لیے۔ یا ان کی دوستی سے اس لیے روکا گیا ہے کہ جنگ کے وقت ان سے نہ مل جائیں یا امور دینیہ میں ان کا ساتھ نہ دے بیٹھیں۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، مومنین کے بغیر یہ جملہ حال کے قائم مقام واقع ہے۔ ای متجاوزین المومنین......الخ یعنے محبت و مودت میں مومنین سے نکل کر کفار سے ہی مستقل طور پر دوستی نہ جوڑو تاکہ ان سے اشتراک نہ ہو۔[1]

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ دوستی صرف اہل ایمان سے ہو اہل ایمان کی دوستی ہی مفید ہے اور کفار کی دوستی نقصان دہ ہے فلہٰذا دوستی تو ہو تو صرف اہل ایمان سے۔ فلہٰذا اے مسلمانو! دوستی میں کفار پر اہل ایمان کو ترجیح دو۔ اور انہی کی دوستی اختیار کرو۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ، اور وہ جو یہی عمل کرے گا یعنے کفار سے دوستی جوڑے گا۔ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ ، پس

---

[1] ، مولوی غلام رسول صاحب عالم پوری کوٹلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں : ؎

کھوٹے یار چھوڑ ادھم جاندے زخم لگاندے کاری
بے قدراں دی یاری کولوں توبہ لکھ لکھ واری

دوست کی تعریف میں فرماتے ہیں ؎

کالیاں راتاں بہ بہ کٹے اندر سوز جدائی
وچے تیغ کہے بسم اللہ ایہ محبوب لگائی

(مترجم)

پس نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قسم کی دوستی۔ فِیْ شَیْءٍ، کسی معاملہ میں کہ جسے کہا جاسکے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کا شائبہ ہے یعنے کفار سے تعلق جوڑنے والا ہر طرح سے اللہ تعالیٰ سے دور ہوجاتا ہے۔ اور عقل بھی مانتی ہے کہ دوست اور اس کی دشمن کی دوستی یکجا نہیں ہوسکتی۔

کسی شاعر نے کہا ہے

تود عدوی ثم تزعم اننی
صدیقك لیس النوك عنك بعازب

حل لغات: النوک بمعنے حماقت العازب بمعنے بعید۔

ترجمہ: تو میرے دشمن سے دوستی کرتا ہے پھر دم بھرتا ہے کہ میں تیرا دوست ہوں۔ تجھ سے حماقت دور نہیں ہے یعنے تیرا دوست وہ ہے جو تیرے دوست سے محبت کرے اور تیرے دشمن سے بغض رکھے۔

دشمن تین ہیں:

(۱) تیرا دشمن
(۲) تیرے دوست کا دشمن
(۳) تیرے دشمن کا دوست۔

بشوی اے خردمند ازاں دوست دست
کہ با دشمنانت بود ہم نشست[1]

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا۔ یہ استثناء اعم الاحوال ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ اے مومنو! ہر لحاظ سے اور ہر حال میں کفار کو ظاہری و باطنی دوست نہ بناؤ۔ مگر اس حال میں کہ تم ڈرتے ہو۔ مِنْھُمْ تُقٰىةً ط یعنے ان سے ایسا خطرہ ہو کہ وہاں کفار کا غلبہ ہو یا مومن ان کے درمیان مقیم ہو اور اسے سوائے دوستی اور تعلق کے چارہ کار نہیں تو اس سے اظہار موالاۃ (دوستی) میں حرج نہیں بشرطیکہ دل کفار کے بغض و عداوت سے بھرا ہوا ہو۔ اور اس انتظار میں ہو کہ کہیں وقت ملے تاکہ ان کو فی النار والسقر کروں اور مانع دور ہو تاکہ کھل کر اظہار مافی الضمیر کروں۔

ف: سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا:

"کن وسطا وامش جانبا" دشمنوں سے درمیانہ رہ کر ان سے کنارہ کشی بھی کر۔ یعنے بظاہر ان کے ساتھ رہو، لیکن

---

[1] اس دوست سے ہاتھ دھو ڈال جس کی تیرے دشمنوں کے ساتھ نشست و برخاست ہے۔ ۱۲۔

سیرۃً اور عملاً ان سے دُور رہو۔ اور ان سے دوستوں کی طرح خلط ملط نہ کرو اور نہ ہی ان کے طور و اطوار اپناؤ۔
یہ حکم رخصت کے طور پر ہے ورنہ اگر صبر کرے یہاں تک کہ شہید ہو جائے تو بہت زیادہ اجر و ثواب پائے گا۔
وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ اللہ تبارک و تعالیٰ تمھیں اپنی ذاتِ مقدسہ سے ڈراتا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا: فاتقون۔ اور فرمایا: و اخشون یعنے میرے عذاب و عقوبت سے ڈرو۔ اور اس کے دشمنوں سے دوستی کر کے اس کی ناراضگی کو چیلنج نہ کرو۔ اس میں وعید شدید ہے۔ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ○ اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے یعنے تمام مخلوق کا مرجع اس کی طرف ہے وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق سزا دے گا۔
قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ ، فرمائیے اے میرے پیارے حبیب (صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) اگر تم پوشیدہ رکھو وہ جو تمھارے سینوں میں ہے یعنے اپنے دل کے رازوں کو (منجملہ ان کے کفار کی دوستی بھی ہے) چھپاؤ۔ اَوْ تُبْدُوْهُ ، یا اسے ظاہر کرو جو تمھارے مابین ہے۔ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے پس تمھارا مواخذہ ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوں گے۔
وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اُسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ اس لیے اس سے نہ تمھارا ظاہر چھپا ہوا ہے اور نہ باطن یہ ایراد العام بعد الخاص کے قبیل سے ہے تاکہ مزید تاکید و تقریر ہو۔ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ پس اگر تم اللہ تعالیٰ کے منہیات کے ارتکاب سے باز نہیں آؤ گے تو اسے تمھیں سزا دینے پر بھی قدرت ہے اور یحذرکم اللہ نفسہ کا بیان ہے۔ اس لیے کہ نفسہ سے اس کی ذات مراد ہے جو دوسری تمام ذاتوں سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے اس لیے کہ وہ علم ذاتی سے متصف ہے۔ ایسے نہیں کہ اسے بعض معلومات ہوں اور بعض نہ ہوں، بلکہ اس کے علم کا تعلق تمام معلومات سے ہے اور اس کی قدرت بھی ذاتی ہے ایسے نہیں کہ اسے چند مقدورات پر قدرت ہے اور بعض پر نہیں، بلکہ اسے تمام مقدورات پر قدرت ہے پس جب کہ اس کی یہ شان ہے تو چاہیئے کہ اس سے خوف و خشیت ہو کسی کو لائق نہیں کہ کسی غلطی کے ارتکاب پر جسارت یا اس کے کسی حکم کی ادائیگی میں کوتاہی کرے۔ اس لیے کہ وہ ہر شے کو جانتا ہے اس لیے غلطی کے مرتکب کو سزا دے گا۔ (مثال کے طور پر) بادشاہ کے کسی ملازم کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہ نے میرے حالات معلوم کرنے کے لیے میرے اوپر چند محافظ مقرر کر رکھے ہیں کہ میری نشست و برخاست اور میری ہر قیل و قال بادشاہ کو سنا دی جائے گی بلکہ میرا ہر اندرونی و بیرونی معاملہ بادشاہ تک پہنچے گا تو وہ شخص ہر وقت اس کوشش میں رہے گا کہ کوئی بات بادشاہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو بلکہ ہر وہ عمل جس میں معمولی سے معمولی غلطی کا شائبہ ہوگا۔ اس کے ارتکاب سے احتراز کرے گا۔ جب ایک معمولی بادشاہ کے متعلق یہ کیفیت ہے تو پھر کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور تمام کیفیات سے آگاہ ہے لیکن پھر بھی بے خوف و خطر ہو۔

اے اللہ! ہمیں ایسے غلط تصور سے بچا کہ ہم تیرے عذاب سے بے خوف و خطر رہیں۔ (کذا فی الکشاف)

سبق سالک کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے ڈرتا رہے۔ اسے کسی سے بغض ہو تو اللہ کے لیے اور اگر کسی سے محبت ہو تو صرف اللہ تبارک و تعالےٰ کے لیے۔ اسے چاہیئے کہ اہلِ اسلام سے دوستی جوڑے اور کفار سے دشمنی رکھے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ چار کبیرہ گناہ ہیں:

① صوفیانہ لباس پہن کر دنیا طلب کرنا۔

② نیک بخت لوگوں کی محبت کا دم بھرنا اور عمل ان کے خلاف کرنا۔

③ دولت مندوں کی مذمت کر کے پھر ان کے پیچھے لگا رہنا۔

④ کمائی کر کے کھانے کو کچھ نہ سمجھنا لیکن لوگوں کی کمائی کا دستِ نگر رہنا بلکہ گذر اوقات بھی اسی پر رکھنا۔

گرانہا کہ من گفتے کردمے

نکو سیرت و پارسا بودمے

ترجمہ: اگر میں اپنی کہی ہوئی باتوں پر خود بھی عمل کرتا تو میں اچھی سیرت والا اور پارسا ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ اسلام کا بہترین باب ہے اور ایمان کے اصولوں میں سے ایک اعلیٰ ضابطہ ہے بلکہ سنت مطہرہ کی سیرتوں میں بلند درجہ کی سنت ہے لیکن محبت صادقہ باطن کی صفائی پر موقوف ہے اور باطن کی صفائی عقیدہ کی صحت اور ظاہر کی درستگی پر موقوف ہے اس لیے قلوب کو آپس میں مناسبت ہوتی ہے اس مناسبت سے یا ہم کے میل جول سے صفائی قلب نصیب ہو جاتی ہے۔ اگرچہ انھیں معنوی طور پر کسی قسم کا تناسب بھی نہ ہو۔ اربابِ تصوف کے نزدیک مصالحت و موانست مماثلت نوعیہ اور الفت نفسیہ اور جنسیہ صوریہ سے پیدا ہو سکتی ہے بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ رذیل و خسیس نیک اور صالح انسان کو باہمی اختلاط سے اپنے جیسا بنا دیتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے ؎

عن المرء لاتسال وابصر قرینہ

فکل قرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کا اندرونی ماجرا پوچھے بغیر اس کے صحبت یافتہ کو دیکھ لیجئے۔ اس لیے کہ ہر دوست اپنے دوست کی اقتدا کرتا ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں

۱۔ فلا تصحب اخا الجهل وایاك وایاه

۲۔ فکم من جاهل اردی حلیما حین اخاه

۳۔ یقاس المرء بالمرء اذا ماهو ماشاه

۴۔ وللقلب علی القلب
دلیل حین یلقاه

ترجمہ: (۱) جاہل کو دوست مت بنا بلکہ اپنے آپ کو اس سے کوسوں دور رکھ۔

(۲) بہت سے جاہلوں نے اچھے خاصے نیک بختوں کو برباد کر ڈالا۔

(۳) مرد کو مرد سے پہچانا جا سکتا ہے جب کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے ہیں۔

(۴) ایک دل کا دوسرے سے پتہ چلتا ہے جب کہ ان کی آپس میں ملاقات رہتی ہے۔

نسخہ روحانی جب کوئی فجار و فساق کے ہاں نشست و برخاست کی بیماری میں مبتلا ہو جائے۔ حج کا سفر ہو یا جنگ کا۔ (لیکن وہ طاعت الٰہی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے اور ان کی ایسی صحبت سے طبعی طور پر کراہتا ہو اور ان کے کردار سے متنفر ہو) تو اس کی صحبت اور اس کی قلبی کراہت کی برکت سے وہ فساق و فجار اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں گے

حکایت حضرت حاتم و حضرت شقیق رضی اللہ تعالٰے عنہما ہمسفر ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک فاسق بوڑھا بھی ہو لیا۔ اور وہ تمام راستہ میں سرود بجاتا اور گاتا رہا۔ حضرت کا خیال رہا کہ شاید اسے حضرت شقیق روکیں گے۔ لیکن انھوں نے نہ روکا۔ جب راستہ طے ہو لیا اور ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے تو فاسق بوڑھے نے کہا کہ بھائیو! تم دونوں میرے ساتھ کافی دیر تک سفر کرتے رہے لیکن بڑے سنگ دل ہو کر ایک منٹ بھی گانے بجانے کی طرف توجہ نہیں کی۔ اسے حضرت حاتم رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا: بابا ہمیں معذور رکھیے، ہم دونوں گانا بجانا نہیں سنا کرتے۔ غور سے دیکھیے میں حاتم ہوں اور یہ حضرت شقیق ہیں۔ وہ سنتے ہی فوراً تائب ہوا اور اپنے تمام سرود توڑ ڈالے۔ اور انہی حضرات کی خدمت میں وقت گزارنے لگا۔ اور ہر طرح کی خدمت بجالاتا۔ حضرت شقیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حاتم رضی اللہ تعالٰے عنہما سے فرمایا اہل اللہ کا صبر کتنا ہی اثر کرتا ہے ؎

نہ آنکہ در دعوی نشیند از خلقے
کہ خلاف کنندش بجنگ برخیزد
وگرز کوہ فرو غلطد آسیا سنگے
نہ عارفست کہ از راہ سنگ برخیزد

ترجمہ: یہ اچھا نہیں کہ کوئی کسی گروہ میں رہنے کا دعوے کرے لیکن جب وہ اس کے خلاف کریں تو وہ ان کے ساتھ

جنگ (لڑنے) کے لیے تیار ہو جائے۔

(۲) وہ عارف نہیں کہ جس پر پہاڑ سے پتھر گرے تو وہ وہاں سے ہٹ جائے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ جیسے وہ کفار سے قطع تعلق کرے۔ ایسے ہی فجار و اقربا سے بھی دور رہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مؤدت قربیٰ

ترجمہ: جب رشتہ دار میں دیانت و تقویٰ نہ ہو تو ایسی رشتہ داری سے قطع تعلق بہتر ہے۔

سوال: یہ تو قرآنی حکم کے خلاف ہے اس لیے کہ قرآن میں تو مطلقاً صلہ رحمی کا حکم ہے خواہ وہ کافر ہو یا فاجر؟

جواب: ہماری مندرجہ بالا تقریر قرآنی حکم خلاف نہیں بلکہ قرآنی حکم کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك
به علم فلا تطعهما۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص تمھارے لیے بدبختی کا سبب بنے اس سے قطع تعلق نہایت ضروری اور لازم ہے۔ اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

ترجمہ: ہزار رشتہ دار اللہ تعالیٰ سے بیگانہ ہو انھیں بس ایک پر فدا کر دو جو عارف باللہ ہو۔

سبق: اے سالک! تجھے اغیار سے بالکل قطع تعلق کرنا ضروری ہے اور حضرات انبیاء و صلحاء کی اقتداء لازمی ہے۔

حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا: فانهم عدو لي الا رب العالمين (بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی سب میرے دشمن ہیں)۔

مسئلہ: کفار کے ساتھ بلا ضرورت ضروریہ کھانا پینا (اٹھنا بیٹھنا و دیگر معاملات برتنا) بھی موالات میں شامل ہے یعنی یہ امور ان سے حرام ہیں۔

مسئلہ: انھیں جلبی کے لقب سے پکارنا بھی حرام ہے جیسے ہمارے دور کے بعض جہال انھیں اس لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ اس لیے حرام ہے کہ جلبی منسوب الی جلب ہے اور جلب اللہ تعالیٰ کا نام ہے پھر وہ (کفار) اس نام سے کیسے منسوب ہو سکتے ہیں جب کہ وہ ناری ہیں نہ کہ نوری۔ فلہٰذا انھیں اس نام کی طرف نامناسب ہے۔ (العیاذ باللہ)

تفسیر عالمانہ یَوۡمَ ۔ یہ منسوب ہے ۔ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ ۔ اس دن تمام نفوس (مکلف) ۔ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۔ کہ جنھوں نے نیکی کی اسے حاضر پائیں گے اللہ تعالٰے کے ہاں ۔ وَّ مَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚۛ اور جنھوں نے برائی کی ۔ اس کا عطف ما عملت سابق پر ہے فلہذا (محضرا) کا مفہوم یہاں بھی ثابت ہوگا ۔

سوال : پہلے جملہ میں محضرا کو صراحۃً اور دوسرے میں کنایۃً ذکر کرنے میں کیا فائدہ ؟

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ مقصود بالذات خیر ہے ۔ اور شر کا احضار تو حکمتِ شریعیہ کے مقتضیات سے ہے ۔

تَوَدُّ ۔ اس دن قلبی طور پر آرزو کریں گے جب کہ ان کے نامہ ہائے اعمال (نیکیاں یا برائیاں یا ان کی جزائیں) ان کے سامنے لائے جائیں گے ۔ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَهَا وَ بَیۡنَهٗۤ ، کاش ! اس نفس اور اس دن کی سختیوں یا ان کے بُرے عمل کے درمیان ۔ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا ؕ بہت بڑی مسافت ہو ۔

ف : مسافت بعیدہ جیسے مشرق و مغرب کے درمیان کا بعد ۔ اس کی آرزو یہ ہوگی کہ کاش ! آج یہ برائیاں میرے سامنے نہ ہوتیں یا یہ کہے گا کہ کاش ! میں ایسے بُرے عمل نہ کرتا ۔

وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ ؕ اور اللہ تعالٰے تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے یعنے اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ اے لوگو ! اپنے آپ کو مجھ سے بچاؤ یعنے میرے غضب سے بچو ۔

سوال : یہ جملہ مکرر ہو کر کیوں آیا ہے حالانکہ یہ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے ؟

جواب : اس کے جوابات پہلے گزر چکے ہیں ۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ اس جملہ میں بندوں کو ڈرانا مطلوب ہے ۔ اور ڈراونی باتوں سے غفلت کے پردے ہٹتے ہیں ۔ اس لیے یہ جملہ مکرر لایا گیا ہے تاکہ بندوں سے غفلت کے پردے ہٹ جائیں ۔

وَ اللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ۝ اور اللہ تعالٰے اپنے بندوں سے بڑی مہربانی کرنے والا ہے ۔ یعنی اللہ تعالٰے کا بندوں کو اپنی ذات سے ڈرانا اور پھر اس کا یوں تعارف کرانا کہ اسے کلی علم و قدرت حاصل ہے ۔ یہ بھی منجملہ اس کی رافت و رحمت ہے کیونکہ جب بندے یقین کریں گے کہ ہمارا رب تعالٰے اتنی بڑی قدرت رکھتا ہے اور اسے اتنا زیادہ علم ہے ۔ تو اس کا خوف اور خشیت ان کے قلوب پر اثر انداز ہوگا ۔ اس سے اس کی رضا کی طلب کے درپے ہو جائیں اور اس کی ناراضگی سے بچ جائیں گے ۔ یہ ایسے ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو ایسے امور سے ڈراتا ہے جو اس کی ہلاکت کا سبب بنتے ہوں ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ پہلے جملہ میں مبتدیوں سے بات تھی ۔ اب عارفین سے خطاب ہے کیونکہ مبتدی اصحاب تخفیف و تسہیل ہوتے ہیں اور عارفین اصحاب التخویف و التہویل گنہگار کو بشر المذنبین سے خطاب ہوتا ہے اور عارفین کو انذر الصدیقین سے ۔ اللہ تعالٰے کا قانون ہے کہ وہ بندوں کو مہلت تو دیتا ہے لیکن انھیں چھوڑتا نہیں ۔

پس بندے پر لازم ہے کہ اس کی مہلت سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ اپنے مالک کے حساب و جزا کے لیے ہر وقت تیار رہے ؎

در خیر باز است و طاعت و لیک
نہ ہر کس توانا است بر فعل نیک

ترجمہ: خیر و بھلائی اور طاعت کا دروازہ کھلا ہے لیکن نیکی کرنا ہر ایک کے بس میں نہیں ہے۔

جب کوئی عمل کرتا ہے تو وہ صحف سماویہ میں منقوش ہو جاتا ہے۔ جب اسے بار بار کرتا ہے کہ اس کا ملکہ راسخہ ہو جاتا ہے اور ہر وقت انھیں انہی ہیآت ثابتہ میں مشغول رہتا ہے اور ان ہیآت کے نقوش شواغل حسیہ وہمیہ فکریہ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ جب نفس جسم سے جدا ہوتا ہے اور اس کے لیے قیامت قائم ہو جاتی ہے تو وہ اپنے اعمال نیک یا بد کو حاضر پاتا ہے کیونکہ وہ شواغل جو مانع تھے وہ رفع ہو گئے اس لیے وہ اعمال سامنے آموجود ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالٰے کا فرمان ہے:

احصاہ اللّٰہ ونسوہ۔

اگر وہ اعمال بُرے ہوتے ہیں تو بندہ آرزو کرتا ہے کہ کاش! آج کے دن میرے اور اس دن میں بہت زیادہ مسافت ہوتی اور نہ ہی یہ اعمال میرے سامنے ہوتے۔ اس لیے کہ وہ اعمال اس کے لیے عذاب بن جائیں گے۔ کیونکہ وہ ہیآت جو پہلے صرف نقش کی ہیئت سے تھیں اب وہ کسی صورت میں مصور ہو کر بندے کو عذاب دیں گے بشرطیکہ وہ ہیئت راسخہ ہوں ورنہ وہ اعمال ابتدأً ہی بموافق بدکرداری مصور ہو کر اس کو عذاب میں مبتلا کریں گے۔ (من اللہ العصمۃ)

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہر خیال کاو کند در دل وطن
روزِ محشر صورتے خواہد بدن
سیرتے کاندر وجودت غالبست
ہم بر آں تصویر حشرت واجبست

ترجمہ: وہ خیال جو دل میں وطن بنا لیتا ہے محشر میں وہ مصور ہو کر اس کے بدن سے چمٹ جائیں گی وہ سیرت جو تیرے اندر غالب ہے اسی کی صورت میں تیرا حشر ہوگا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اخلاق ذمیمہ سے اپنے نفس کا تزکیہ کرے اور علائق دنیویہ کی گرد و غبار سے اپنے دل کو صاف کرے۔ اعمال صالحہ اور اقوالِ پسندیدہ کے ذریعہ اللہ تعالٰے کو راضی کرنے کی جد و جہد کرے تاکہ ان اعمال صالحہ کی جزا ر قیامت کے دن اللہ تعالٰے کے ہاں حاصل کرے جب کہ اس دن اسے سخت محتاجی ہوگی اسی طرح اسے سعادت نصیب ہوگی۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۰۶ پر)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ۙ
ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ۚ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ
عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ
اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا
مَرْيَمَ وَاِنِّيْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا
رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا
زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا
رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى
مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ
اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ
مَا يَشَآءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ
اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ
الْاِبْكَارِ ۝ع

ترجمہ: اے محبوب! فرمائیے، اے لوگو! اگر تم اللہ تعالےٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔
اللہ تعالےٰ تمھیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالےٰ بخشنے والا رحم والا ہے۔
فرمائیے! اللہ تعالےٰ اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ تعالےٰ کافروں کو پسند نہیں
فرماتا۔ بے شک اللہ تعالےٰ نے آدم و نوح وآلِ ابراہیم وآلِ عمران کو تمام جہان پر برگزیدہ بنایا۔ یہ
ایک نسل ہے ایک دوسرے سے اور اللہ تعالےٰ سمیع وعلیم ہے۔ جب عمران کی بی بی نے عرض کیا
اے میرے پروردگار! بے شک میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ
تیری خدمت کے لیے آزاد ہے۔ سو اسے مجھ سے قبول فرمالے شک تو سمیع علیم ہے۔ پس جب

اسے جنا تو کہا: اے میرے پروردگار! یہ تو میں نے لڑکی جنی۔ اور اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے جنا اور جس لڑکے کا سوال کیا وہ اس لڑکی جیسا نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا، اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ سو اسے اللہ تعالےٰ نے اچھی طرح قبول فرمایا اور عمدہ طور پر اس کی نشو ونما فرمائی اور اسے زکریا کی نگرانی میں دیا جب زکریا اس کی عبادت گاہ میں آتے تو اس کے پاس رزق پاتے۔ فرمایا، اے مریم! یہ تیرے ہاں کہاں سے آیا۔ عرض کی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بے شک اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے، یہاں پر زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی، عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے اپنے خاص لطف سے پاکیزہ اولاد عنایت فرما بے شک تو دعا سننے والا ہے پس فرشتوں نے ندا دی اور وہ عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہا تھا بے شک اللہ تعالےٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ تعالےٰ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خواص میں سے ہوگا عرض کی: اے میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا اور میری عورت بانجھ ہے فرمایا اللہ تعالےٰ یونہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ عرض کی اے میرے رب! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تم تین یوم بات نہ کروگے مگر اشارہ سے اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور شام کو اور صبح کو اس کی تسبیح کیجیے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۴)

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کل قیامت کو بندہ سخت بھوکا، پیاسا، ننگا اور تھکا ہوا اٹھے گا کہ ایسی بھوک و پیاس، ننگاپن و تھکان اسے کبھی لاحق نہیں ہوگی۔ پس جس نے اللہ تعالےٰ کے لیے بھوکے کو طعام کھلایا ہوگا اسے اللہ تعالےٰ طعام کھلائے گا۔ اور جس نے پیاسے کو اللہ تعالےٰ کے لیے پانی پلایا ہوگا اسے اللہ تعالےٰ پانی پلائے گا اور جس نے اللہ تعالےٰ کے لیے ننگے کو کپڑے پہنائے ہوں گے اسے اللہ تعالےٰ پوشاک پہنائے گا اور جس نے کوئی نیکی اللہ تعالےٰ کے لیے کی ہوگی اس کے لیے خود اللہ تعالےٰ کفیل ہوگا۔"

نبوی دعا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

یا حنان یا منان یا ذالجلال والاکرام — یا حنان یا منان یا ذالجلال والاکرام میرے اور میری خطاؤں

باعد بینی و بین خطیئتی کما باعدت بین — کے درمیان مشرق و مغرب کی مقدار بُعد پیدا فرما اور مجھے

المشرق و المغرب و نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس و اغسلنی بماء الثلج و البرد سبحان اللّٰہ و بحمدہ استغفر اللّٰہ العظیم و اتوب الیہ۔

گناہوں سے ایسے دھو ڈال جیسے سفید کپڑوں کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے اور مجھے ٹھنڈک اور برف کے ساتھ دھو ڈال۔ اللہ پاک ہے اسی کو حمد ہے میں اللہ عظیم سے بخشش مانگتا ہوں اور اسی کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

نصیحت نبوی: ایک دن حضور علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰے عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اپنے نفسوں پر غور کرو نہ ہی اس بات پر خوش ہو جاؤ کہ ہمارے گناہ تھوڑے ہیں اور نہ کسی دوسرے کی نیکی دیکھ کر اس پر تعجب کرو یہاں تک کہ اس کے لیے نیک خاتمہ کے متعلق یقین نہ ہو جاتے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے اگرچہ کوئی قیامت میں ستر نبی (علیہم السلام) کے برابر نیکیاں لائیگا تب بھی آرزو کرے گا کہ کاش! میرے پاس اس سے مزید نیکیاں ہوتیں۔ یعنی نیکیوں کی سخت ضرورت ہوگی۔"

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۲۰۵)

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ اے میرے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے کہ اگر تم اللہ تعالٰے سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو۔

فاتبعونی میں یاء کو باقی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اصل یونہی ہے اور فاتقون اور واطیعوا میں اس لیے محذوف ہوئی کہ وہاں آیت کے اختتام کا تقاضا یونہی تھا کہ وہاں نون پر وقف کر کے یاء کو حذف کر دیا۔

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اللہ تعالٰے تمہیں محبوب بنائے گا۔

شانِ نزول یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف اور اس کی پارٹی کو دعوتِ اسلام دی تو انھوں نے کہا:

نحن ابناء اللّٰہ و احباؤہ۔ — ہم تو اللہ تعالٰے کے بیٹے اور اس کے محب ہیں۔

اللہ تعالٰے نے فرمایا: میرے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں فرمائیے کہ میں اللہ تعالٰے کا رسول ہوں اور میں تمھیں اس کی طرف بلاتا ہوں، اگر تمھیں اللہ تعالٰے سے محبت ہے تو اس کے دین کے لیے میری تابعداری اور فرمانبرداری کرو اس کے بعد تمھیں اللہ تعالٰے اپنا محبوب بنالے گا اور راضی ہوگا۔

حل لغات والمحبۃ بمعنے میل النفس الی شیئ ...الخ یعنے اس شے کی طرف نفس کا میلان جو کمال کے حصول کے لیے اس کی قربت سے وہ کمال حاصل ہو۔

نسخہ روحانی جب انسان کو یقین ہو جائے کہ کمال حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جتنے کمالات نظر آتے ہیں اسی کے ہی ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سے اور اس کی عطا اور اس کی طرف راجع ہوتے ہیں فلہٰذا محبت ہو تو اسی کے لیے اور کسی کے ساتھ بغض ہو تو اسی کے لیے۔

محبت الٰہی کی علامت حقیقی محبت یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور ان امور کی رغبت و الفت ہو جو اس کے قرب کا سبب بنیں۔ اسی لیے بعض مفسرین نے محبت کا معنٰی "ارادہ الطاعۃ" کیا ہے۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع سے نصیب ہوتی ہے کیونکہ محبتِ الٰہی کو اطاعت رسول مستلزم ہے اور محبت حقیقی اس کا نام ہے کہ اپنے نبی علیہ السلام کی اطاعت میں سرگرمی ہو۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اور تمہاری کوتاہیوں اور غلطیوں سے درگزر کر کے تمہارے قلوب سے حجابات دور کرے گا جس سے تم اس کی عزت کی بہشتوں کے قریب ہو جاؤ گے اور تمہیں جوار قدس میں جگہ دے گا۔ اور اسے محبت اور اسے استعارہ کے طور پر اور مشاکلت کی وجہ سے محبت سے تعبیر کیا ہے۔ **وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○** اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس کے لیے جو دوستی کا دم بھرتا ہے یعنی نصاریٰ کے لیے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تابعداری کے مدعی ہیں۔

قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ ج

شانِ نزول انہی نصاریٰ کے حق میں نازل ہوئی جو محبت الٰہی اور اتباع عیسوی کے مدعی ہیں۔ یعنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیے! جمیع اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرو۔

مسئلہ: اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا حکم بدیہی طور پر ثابت ہے۔

فَإِن تَوَلَّوْا پس اگر وہ روگردانی کریں۔

ف: یہ جملہ قل کے مقولہ کا تتمہ ہے اور یہ صیغہ مضارع مخاطب کا ہے۔ اس کی تاء ثانی محذوف ہے۔ دراصل تتولوا تھا یعنے تعرضوا یا جملہ مستانفہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے حکم صادر فرمایا ہے تو یہ صیغہ واحد غائب ماضی کا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان پر یہ حکم یقینی ہے احتمالی نہیں۔

فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ○ بے شک اللہ کفار سے محبت نہیں کرتا۔

ف: آیت میں کفار سے محبت کی نفی میں اشارہ ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کے مبغوض ہیں یعنے اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں اور نہ ہی وہ اس کے ممدوح ہے بلکہ مبغوض ہیں۔

مسئلہ: آیت میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شرافت و بزرگی کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنی متابعت اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت بتایا ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا مدعی ہو کر

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت مطہرہ سے روگردان ہے وہ اپنے دعوئے محبت میں کذاب ہے یہ حکم کتاب اللہ کی نص سے ثابت ہے۔

کسی شاعر نے خوب فرمایا ہے

تعصی الالٰہ وانت تظہر حبہ
ھٰذا محال فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقا لاطعتہ
ان المحب لمن یحب مطیع

ترجمہ: اللہ تعالٰی کی بے فرمانی کر کے اس کی محبت کا دعوٰی کرتا ہے یہ محال ہے اور تیرا یہ کردار بھی عجیب ہے اگر اس کی محبت میں سچا ہوتا تو اس کا مطیع ہوتا اس لیے کہ محب تو اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔

نکتہ: جو شخص محبت الٰہی کا دم بھر کر اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت پاک کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے دعوٰی میں اس لیے جھوٹا ہے کہ جو کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اس محبت میں اس کے خواص اور اس کے متعلقین بلکہ اس کے نوکروں اور غلاموں اور اس کے گھر اور اس کی دیار و مکانات اور دیواروں سے بھی محبت کرتا ہے بلکہ اس کی گلی کوچوں کے کتے اور اس کے گدھے وغیرہ تک بھی محبوب ہوتے ہیں۔ اور عشق کا یہ مسلمہ ضابطہ و قانون اور محبت کا مضبوط قاعدہ ہے۔ اسی طرف مجنون عامری نے اشارہ فرمایا ہے

امر علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

ترجمہ: میں جب محبوبہ لیلیٰ کے گھروں سے گزرتا ہوں تو ان کی دیواروں کو چوم لیتا ہوں اور گھروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا بلکہ یہ ان کی محبت سے ہے جو ان میں ساکن ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالٰی نے ضابطہ بنا دیا ہے کہ کوئی بھی اپنے آپ کو کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے ہاں صرف اپنے مقتدا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے نہ صرف اجازت بخشی ہے بلکہ ان کی غلامی واجب اور لازم بتائی ہے۔ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت یہ ہے کہ ان کی تابعداری کی جائے اور قولاً فعلاً خلقاً سیرۃً وعقیدۃً انہی کے راستہ کو اختیار کرے۔ اور محبت کا صحیح دعوٰی صرف یہی ہے اس لیے کہ محبت کا قطب اور اس کا مظہر یہی ہے اور حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کا نام محبت ہے۔ جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ مبارکہ سے حصہ نصیب نہیں وہ محبت سے محروم ہے۔ پس جو شخص حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کا حق ادا کرتا ہے تو اس کے باطن و سر اور قلب ونفس کو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے باطن و سر اور قلب ونفس سے مناسبت نصیب ہو جاتی ہے اور محبت کا حقیقی مظہر یہی ہے۔ ایسے شخص کو ایسی مناسبت سے اللہ تعالےٰ کی محبت سے حصہ نصیب ہو جاتا ہے لیکن اتنا کہ جس قدر اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت میں مناسبت ہو گی۔ اسی مناسبت کی برکت سے اللہ تعالےٰ اپنی محبت اس بندہ پر ڈالتا ہے۔ پھر نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس سے اسی محبت کے نور سے بہت جلد اس پر اثرات پڑتے ہیں اس لیے کہ اگر اللہ تعالےٰ کی محبت کا اس پر اثر نہ ہوتا تو اسے یہ محبت کب نصیب ہوتی۔ یہ مقام اتنا بلند ہوتا ہے جو کبریت احمر سے بھی عزیز تر ہے پھر اسے اللہ تعالےٰ ایسے اعلیٰ مقام کی طرف بلاتا ہے جو اس سے بھی اونچا ہے وہ مقام الارادۃ ہے جسے اطیعوا اللہ والرسول سے تعبیر فرمایا ہے یعنی اگر تم میرے محب نہیں ہو تو تم میرے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت بھی نہیں کر سکو گے۔ اگر تم صحیح طور پر متابعت نہیں کر سکتے تو کم از کم ارادت کو تو مضبوط کر لو یعنے جن امور کا تمہیں حکم دیا گیا ہے ان پر پختہ ارادت رکھو۔ اس کی برکت سے تمہیں اطاعت بھی نصیب ہو جائے گی۔ اس لیے کہ ہر ارادت مند اپنی مراد کو کبھی نہ کبھی ضرور پہنچتا ہے۔

فان تولوا۔ پس اگر تم اعراض کرو گے۔ اس کے مخاطب وہ کفار ہیں جو انوارِ الٰہی سے محجوب ہیں۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں کہیں جا رہے تھے اور آپ کا ہاتھ مبارک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ؛ حضور ! آپ مجھے ہر شئے سے محبوب ترین ہیں لیکن میں اپنے نفس کو آپ سے زیادہ محبوب سمجھتا ہوں۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ؛ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایک بھی مؤمن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ سمجھے"۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! اب مجھے آپ سے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ؛ اے عمر ! اب تمہارا ایمان کامل ہے۔ (رواہ البخاری)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ؛ " میرے تمام امتی بہشت میں داخل ہوں گے سوائے منکر کے عرض کی گئی کہ منکر سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو میری اطاعت کرتا ہے وہ بہشت میں داخل ہو گا اور جو میری نافرمانی کرتا ہے وہی منکر ہے۔ (اور وہ بہشت میں داخل نہ ہو گا)۔

حکایت؛ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ملائکہ حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت آرام فرما رہے تھے

ان میں سے بعض نے کہا: ان کو تو نیند ہے۔ دوسرے نے کہا: آپ کی آنکھ نیند میں ہوتی ہے لیکن آپ کا قلب اطہر بیدار رہتا ہے۔ فرشتوں نے کہا: نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک عجیب مثال بیان کرو۔ انھوں نے کہا: آپ کی مثال ایک ایسے مرد کی ہے کہ جس نے بہترین بلڈنگ بنوائی اور اس میں بہترین کھانے پکوائے اور لوگوں کو کھانے کی دعوت کے لیے داعی بھیجا۔ پس جو شخص ان کے داعی کی بات سن کر انکار کرے تو وہ بلڈنگ میں حاضر ہوگا نہ کھانا کھائے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ اسے واضح طور پر بیان کرو تاکہ اسے عوام بھی سمجھ سکیں۔ انھوں نے کہا: "الدار" سے مراد بہشت ہے اور "الداعی" حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرتا ہے تو اس نے اللہ تعالےٰ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کی۔

نتیجہ: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع میں بہشت بھی نصیب ہوتی ہے اور قربتِ الٰہی بھی اور وصالِ مولیٰ بھی۔

حکایت

حضرت سلطان محمود غازی غزنوی رحمہ اللہ تعالےٰ شیخ ربانی سیدنا ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھوڑی دیر بیٹھ کر عرض کی حضرت فرمائیے سیدنا شیخ ابایزید بسطامی کیسے بزرگ ہیں۔ انھوں نے فرمایا وہ ایسے بزرگ ہیں کہ جس نے بھی ان کی زیارت کی تو وہ ہدایت پا گیا اور ایسی سعادت کہ زہے نصیب۔ سلطان محمود رحمہ اللہ تعالےٰ نے عرض کی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ابوجہل نے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیکن بدبختی میں پھنسا رہا۔ حضرت ابوالحسن رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا بلکہ محمد بن عبداللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تو وہ بدبختی سے نجات پا لیتا اور اسے ابدی سعادت نصیب ہوتی۔ چنانچہ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

"وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی یہ سعادت نصیب ہوسکتی ہے۔ یہ سعادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قلب[1] اور سِر[1] (راز) سے نصیب ہوسکتی ہے اور آپ کی مکمل تابعداری سے یہ سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے۔ آپ کا امتی بھی وہی ہے جو آپ کی تابعداری کرے گا اور تابعداری وہی کرے گا جسے دنیا سے روگردانی حاصل ہے اور حضور علیہ السلام بھی اللہ اور آخرت کے داعی تھے۔ اور آپ کا طریقہ یہی تھا کہ وہ آپ کی امت دنیا اور اس کی لذات سے بچ جائے۔ پس جو شخص دنیا کی لذات سے جس قدر روگردانی کرتا ہے اسی قدر رجوع الی اللہ رکھتا ہے اور اپنے اوقات آخرت کے امور کی طرف صرف کرتا ہے اور اتنا حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نصیب ہوتا ہے۔

---

[1] یہ لطائف روحانی کے نام بھی ہیں۔

جتنا آپ کی امت آپ کی اتباع کرتی ہے اتنا اسے امتی ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور جتنا دنیا کی طرف شغف رکھتے ہیں اتنا نبی علیہ السلام کا طریقہ کم نصیب ہوگا اور وہی ان کی تابعداری سے روگردان سمجھا جائے گا بلکہ وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جس کے لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

"فاما من طغٰی واثروا الحیوٰۃ الدنیا فان الجحیم ھی المأوٰی"

سبق اے سالک! اگر تم غرور کی گھاٹیوں میں بھٹک رہے ہو اور اپنے نفس کو ان لوگوں میں شامل رکھتے ہو کہ جن کا صبح و شام صرف حظوظ نفسانیہ میں گزرتا ہے اور اگر تم اسی کے ساتھی ہو کہ جس کا شب و روز خواہشات دنیویہ میں بسر ہوتا ہے تو پھر گمان کرو کہ کل ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہونے کا شرف نصیب ہوگا یہ غلط بلکہ فحش ارادہ ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

اف　　المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ:

حل لغات: الاصطفاء ہو الاستغفار کی طرح شے کی بھلائی کو حاصل کرنا۔ یعنے اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کے نفس قدسیہ کو چن لیا یعنے آدم علیہ السلام کو ان ملکات روحانیہ اور کمالات جسمانیہ کے لیے چنا جو ذاتِ مصطفےٰ میں رسالت کے لیے تھیں۔ ایسے ہی تمام رسل کرام علی نبینا وعلیہم السلام کو جو ان کے لائق تھا بھی چن لیا ایسے ہی رسل کرام کے علاوہ اولیاء کرام کو کیونکہ وہ رسل کرام کے تابع ہوتے ہیں اسی لیے ان کا بھی یہی حال ہوتا ہے جیسے بی بی مریم علی نبینا علیہا السلام میں تھا یا یہ معنےٰ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو احسن تقویم سے پیدا فرما کر انھیں اسماء کی تعلیم سے نوازا۔ اور ملائکہ کرام کا مسجود بنایا اور بہشت میں ٹھہرایا۔

وَنُوْحًا ، اور حضرت نوح علیہ السلام کو تمام مذکورہ اوصاف میں چن لیا جو آدم علیہ السلام کو عطا ہوا یا یہ معنےٰ ہے کہ نوح علیہ السلام کی شریعت کو سابق شریعتوں کا ناسخ بنایا کہ ان سے پہلے محارم سے نکاح کرنا جائز تھا لیکن نوح علیہ السلام کی شریعت نے اسے منسوخ فرمایا اور اللہ تعالےٰ نے انھیں طویل عمر عنایت فرمائی اور ان کی اولاد تا قیامت رہے گی اور مومنین و کافرین کے حق میں دعا قبول فرمائی اور انھیں طوفان کے زور میں پانی کے اوپر تیرنے کی نعمت عطا فرمائی۔ وَ، اور

اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ ، ابراہیم علیہ السلام کی آل کو چن لیا اس سے حضرت اسماعیل و اسحاق علی نبینا و علیہما السلام مراد ہیں کیونکہ حضرت انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم السلام ان کی اولاد سے ہیں منجملہ ان کے محبوبِ خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

مسئلہ: ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو برگزیدہ بنانے سے ان کا برگزیدہ ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

وَاٰلَ عِمْرٰنَ ، اور آل عمران کو چن لیا۔ اس سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مراد ہیں۔

حضرت مریم کا نسب نامہ حضرت مریم کا نسب نامہ یہ ہے :

مریم بنت عمران بن ماتان بن العاد ابن ابی ہود بن ربب بابل بن سالیان بن یوحنا بن اوشا بن اوموزا بن میشک بن خارقا بن یونام بن عزریا بن یوزان بن ساقط ابن ایشا بن راجعیم بن سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) ابن ایشا بن عویل بن سلمون بن یاعر بن ممشون بن عمیاد ابن دام بن حضرم بن فارض بن یہودا بن یعقوب علیہ السلام۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر آل عمران سے حضرت موسے و حضرت ہارون (علیہما السلام) مراد ہیں۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا نسب نامہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا نسب نامہ یہ ہے : حضرت موسے و حضرت ہارون علیہما السلام ابنا عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔

ان دونوں عمران کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اس معنے پر حضرت عیسے علیہ السلام کی برگزیدگی کا بیان آل ابراہیم علیہ السلام میں داخل ہوگا۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ ظاہر ہے۔ اس لیے کہ ابھی اس مضمون کے بعد حضرت مریم علی نبینا و علیہا السلام کا علیحدہ ذکر آتا ہے اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا برگزیدہ ہونے کا بیان آل ابراہیم علیہ السلام میں شامل ہونا بھی ظاہر ہے۔

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ تمام جہانوں پر۔ عالمین عالم کی جمع ہے۔ مخلوق میں کسی ایک نوع کو عالم کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی ایسی علامت ہوتی ہے جو اپنے نقیض سے ممتاز ہو جاتا ہے جیسے عالم ملک و جن و انس، عالم البر، عالم البحر، عالم [illegible] عالم اسماء۔ لیکن یہاں پر العالمین سے ہر ایک کے اپنے ہم زمان لوگ مراد ہیں یعنے ان کو ان کے اپنے ہم زماں لوگوں سے برگزیدہ بنایا۔

ذُرِّيَّةً ، اس کا منصوب ہونا علی سبیل البدلیۃ ہے۔ یہ آل ابراہیم و آل عمران سے بدل ہے۔

حل لغات الذر بالفتح الذال بمعنے بکھیرنا اور جن و انس کی نسل کو ذریۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انھیں زمین پر پھیلایا ہے یا اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی نسل کو ان کی پشت سے ذر کی طرح نکالا ہے اور وہ ذرہ کی جمع ہے اور یہ ذرۃ کی جمع ہے اور ذرہ چھوٹی چیونٹیوں کو کہتے ہیں۔ اور ذرء بمعنے الخلق آیا ہے اور اللہ تعالےٰ نے انھیں پیدا فرمایا یعنے عدم سے وجود میں ظاہر فرمایا۔

بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ط محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ ذریۃ کی صفت ہے یعنے وہ دونوں آل ایک تھے پھر ان کا سلسلہ آگے کو بڑھا اور ان کی شاخیں پھیلیں مثلاً آل ابراہیم یعنے اسماعیل و اسحاق علی نبینا و علیہم السلام ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کی شاخ ہیں اسی طرح ان کا سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی خاتم الانبیاء

حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کی شاخیں تھیں، مثلاً آلِ عمران یعنے موسےٰ و ہارون علیہ السلام یہ ہر دونوں ابراہیم و نوح علیہم السلام کی آل ہیں۔ اسی طرح عیسٰی اوران کی والدہ ماجدہ علی نبینا و علیہما السلام کو سمجھئے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ، اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے اقوال سنتا ہے۔ عَلِيْمٌ ○ اوران کے ظاہری وباطنی اعمال کو جانتا ہے۔ پس ان میں ہر اس بندے کو اپنی خدمت کے لیے چن لیتا ہے جو قولاً فعلاً استقامت دکھاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ اعلم حیث یجعل رسالۃ۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ کفار سے نکاح وبیاہ کا سلسلہ جائز ہے۔ اس لیے کہ نسخ سے پہلے نسل انسانی میں ایک دوسرے سے بلا امتیاز ایمان وکفر نکاح جائز تھا۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں نہ کہ زنا وغیرہ سے۔"

تفسیر صوفیانہ اصطفاء محبت وخلت سے عام ہے۔ اسی وجہ سے اصطفاء کا لفظ تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے مستعمل ہے کیونکہ وہ سب کے سب اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ تھے۔ البتہ ان کے بعض کو بعض پر مراتب کے لحاظ سے فضیلت ضرور ہے۔ کما قال:

تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض۔

ہاں محبت ایک خصوصی مرتبہ ہے اسی محبت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ورفع بعضھم درجات میں اسی لیے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاطلاق تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں کیونکہ وہ حبیب ہیں۔ اس کے بعد خلّۃ کا مرتبہ ہے یہی صفت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ ان سب کی اہم صفات صفاء ہو کہ وہ آدم علیہ السلام کی صفت ہے اسی لیے ان کی صفت صفی اللہ بھی ہے۔ یونہی اولاد کا سلسلہ دین وحقیقت سے بھی چلتا ہے کہ ان میں بعض دوسرے بعض کی اولاد ملاتی ہے اس لیے کہ درحقیقت ولادت دو قسم کی ہوتی ہے:

1. ولادت صوری
2. ولادت معنوی

ولادت صوری کا بیان گزر چکا ہے۔

ولادت معنوی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام توحید ومعرفت اوران تمام متعلقات بالباطن جو کہ اصول دین کے مسائل ہیں ایک دوسرے کے تابع ہیں۔ اسی معنے پر گویا وہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ اسی طرح ہمارے دور میں پیری مریدی کا سلسلہ مشائخ

بھی اولاد معنوی ہی ہے۔

چنانچہ منقول ہے کہ آباء تین ہیں :

(۱) جس نے تجھے جنا ۔

(۲) جس نے تیری تربیت کی ۔

(۳) جس نے تجھے علم پڑھایا ۔

ف : جیسے ولادت صوریہ میں ماں کی رحم میں باپ کے نطفہ سے بنتا ہے ایسے ہی ولادت حقیقیہ میں وجود القلب استعداد النفس کی رحم میں شیخ کی مقدس صحبتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی ولادت کی طرف حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اشارہ فرمایا : لن یلج ملکوت السموات من لم یولد مرتین ۔ ملکوتی ملک میں ہر اس شخص کو داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے جس کی دو بار ولادت ہو یعنے : (۱) صوری

(۲) معنوی ۔

ف : ولادت معنوی اکثر صوری تناسل کے تابع ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ایک ہی نسل اور ایک ہی درخت کے پھل تھے۔ اس کا سبب روح کی صفائی اور اعتدال حقیقی سے قرب کے مزاج سے مناسبت وجود میں آتے وقت تو یہ ہر شے بالکل معدوم تھی۔ ہر روح کا اس کی مناسبت پر ایک مزاج ہوتا ہے جو صرف اسی سے مخصوص ہوتا ہے کیونکہ فیض کا ایصال اسی مناسبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ازل میں بھی ایسے ہی تھا کہ جس کو جتنا صفائی حاصل تھی اسی قدر وہ حضرت احدیت کے قریب تھا اور جتنا وہ کدورت میں ملوث تھا اسی قدر اس درگاہ سے دور تھا۔ اسی مناسبت سے مزاجوں میں دائمی طور قرب و بعد رہے گا تاکہ اسی سے اس بارگاہ کا وصل نصیب ہو یہی کیفیت ابدان کی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے پیدا ہوتے یہی وجہ ہے کہ اکثر مزاجوں میں بھی تشابہ ہوتا ہے (امور عوارض اور اتفاقیہ مستثنٰی ہیں)۔ اسی طرح ارواح کی حالت ہے کہ جتنا انھیں حضرت احدیت سے اتصال ہوگا اسی قدر مراتب حاصل ہوں گے لیکن اس میں مناسبت فی الصفۃ کا ہونا ضروری ہے اس تقریر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت مہدی علی نبینا و علیہ السلام حضور سید الانبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں گے ۔

ف : غذاؤں کا اثر بھی بدن پر پڑتا ہے جس کی غذا حلال و طیب ہوگی تو اس کے نفس ہیئات پر فضیلت اور نورانیہ اور اس کی نیات صادقہ حقانیہ ہوں گی پھر اس کی اولاد بھی مومن اور سچی یا نبی و ولی پیدا ہوگی۔ (من حیث الولادۃ ورنہ نبوت کا دروازہ بند ہے) اور جس کی غذا حرام ہوگی تو اسے نفس کی ہیئات خبیثہ ظلمانیہ اور اس کی نیات فاسدہ اور ردیہ ہوں گی۔ اس سے جو اولاد ہوگی وہ فاسق و فاجر اور کافر و زندیق (بے دین) پیدا ہوگی۔ اس لیے کہ وہ نطفہ اسی غذا سے پیدا ہوا اور اسی نفس سے تربیت پاکر خارج ہوا اس لیے کہ اسے اس سے مناسبت ہوگی۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : بیٹا باپ کا عکس ہوتا ہے۔
ف : بی بی مریم کا صدق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت بی بی مریم کی نیک نیتی کا نتیجہ ہے۔
اِذْ . یہ اذکر محذوف سے منصوب ہے۔ **قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ** ، جب کہا عمران کی عورت نے ۔
اس سے عمران کی زوجہ بی بی مریم بتول علی نبینا وعلیہا السلام کی ماں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی مراد ہے جس کا نام "حنہ بنت فاقوزا ہے۔

ف : حضرت عمران بن یصھر کی ایک لڑکی تھی اس کا نام بھی مریم تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہما السلام سے عمر میں بڑی تھیں اور انھی عمران بن ماثان کی صاحبزادی کا نام بھی مریم تھا۔
سوال : تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ اسی آیت میں اس مریم بتول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا والد مراد ہے اور اس مریم (جو موسٰے وہارون کی بڑی بہن) کا باپ تھا مراد نہیں؟
جواب : آئندہ کا مضمون (جس میں مندرج ہے کہ اس مریم کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد ہوئی) دلالت کرتا ہے کہ یہاں پر حضرت مریم بتول ام عیسیٰ علیہ السلام کا باپ مراد ہے اس لیے کہ حضرت زکریا اور حضرت عمران بن ماثان ہم زماں تھے اور انھی کی دوسری صاحبزادی الشاع سے نکاح کیا تھا اور وہ بی بی مریم بتول ام عیسیٰ علیہ السلام کی ماں کی بہن تھیں اور عیسیٰ و یحییٰ علی نبینا وعلیہما السلام دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔

واقعہ مروی ہے کہ بی بی صاحبہ یعنی بی بی مریم کی والدہ محترمہ بانجھ تھیں آپ کو مدت العمر کوئی بچہ بچی پیدا نہ ہوئی یہاں تک کہ بوڑھی ہوگئیں۔ ایک دن درخت کے سایہ تلے بیٹھی تھیں ایک پرندے کو دیکھا کہ اپنے چھوٹے بچے کو دانے وغیرہ کھلا رہا تھا تو مائی صاحبہ کو بچے کی آرزو پیدا ہوئی۔ اس پر دُعا مانگی : اے الہ العالمین! میں تیرے لیے منت مانتی ہوں کہ اگر مجھے تو نے بچہ عنایت فرمایا تو اسے تیرے گھر (بیت المقدس) کا خادم بناؤں گی۔ بی بی کی دعا قبول ہوئی کہ انھیں حمل ٹھہر گیا (جس سے بی بی مریم پیدا ہوئیں) لیکن بی بی مریم کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت عمران کا وصال ہوگیا۔
چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا :

رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ ، اے اللہ میں نے تیرے لیے منت مانی۔ نذر وہ شے ہے جو انسان اپنے اوپر لازم کر دے۔ **مَا فِیْ بَطْنِیْ** ، وہ جو میرے پیٹ میں ہے۔
سوال : بی بی نے بچے کو لفظ ما سے کیوں تعبیر فرمایا؟
جواب : (۱) پیٹ کے اندر کا معاملہ مبہم ہوتا ہے۔
(۲) پیٹ کے اندر کا بچہ بمنزلہ غیر ذوی العقول کے ہوتا ہے۔
مُحَرَّرًا ، بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد کیا ہوا۔ اس پر میرا کسی قسم کا قبضہ نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اس

سے میں اپنی کوئی خدمت کراؤں گی اور نہ کسی کام میں مشغول رکھوں گی یا یہ معنے ہے کہ وہ خالص تیرے لیے اور تیری عبادت کے لیے زندگی گزارے گا، دنیا کا کوئی کام نہ کرے گا یہاں تک کہ شادی بیاہ بھی۔ صرف عمل آخرت کے لیے وقف رہے گا۔

مسئلہ: ان کی شریعت میں اس طرح کی نذر جائز تھی۔

مسئلہ: ان کی شریعت میں یوں ہوتا کہ جب بچہ خدمت کرنے کے لائق ہو جاتا تو اس پر والدین کی خدمت فرض ہو جاتی۔

مسئلہ: اپنی خدمت سے آزاد کر کے بچوں کو مسجد (بیت المقدس) کی خدمت کے لیے آزاد کر دیتے تھے۔

ف: انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی علیہ السلام بھی ایسا نہیں گزرا کہ جس کی اولاد مسجد (بیت المقدس) کی خدمت کے لیے آزاد نہ ہوئی ہو۔

ف: اور یہ قاعدہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے صرف لڑکے ہی آزاد ہوتے تھے۔ لڑکیاں اس خدمت کی اہل بھی نہ تھیں اس لیے کہ انھیں حیض و دیگر نسوانی عوارض لاحق ہوتے ہیں۔ اس بنا پر انھیں مسجد (بیت المقدس) سے باہر نکل جانا ضروری ہو جاتا۔

سوال: بی بی صاحبہ کو جب معلوم تھا کہ آزادی صرف لڑکوں کی ہوتی ہے اور پیٹ کے اندر کا علم تو تھا نہیں تو پھر ما فی بطنی کو مطلق کر کے کیوں کہا؟

جواب (۱): وہمی طور پر اندازہ کر کے اسے بچہ قرار دیا۔

(۲) اس کلمہ کو بچے کی پیدائش کا وسیلہ بنایا۔

فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ پس تو اسے مجھ سے قبول فرما۔ یعنے جو کچھ میں نے نذر مانی اسے قبول فرما۔ التقبل بمعنے کسی شے کو برضا و خوشی لینا۔ اور یہ دراصل بچہ مانگنے کا بہترین طریقہ ہے اسلئے کہ دعا کی قبولیت ولد عطا کرنے بلکہ نرینہ اولاد عطا کرنے پر موقوف تھی۔ اس لیے بیت المقدس کے لیے لڑکی تو قبول نہ کی جاتی تھی۔ **اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ** بے شک تو تمام مسموعات کو سنتا ہے۔ منجملہ ان کے میری دعا اور عجز و نیاز ہے۔ العلیم اور تو تمام معلومات کو جانتا ہے منجملہ ان کے وہ بھی ہے جو میرے دل میں ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا پس جب اس نے اسے جنا یعنے جب جنا تو وہ بچی تھی۔ **قَالَتْ** کہا بی بی حنہ نے جب انھیں بچے کی پیدائش کی امید تھی۔ **رَبِّ اِنِّيْ** یہ اعتقاد باطل کے رد کی تاکید کے لیے ہے۔ **وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى** میں نے اسے بچی جنا۔ حسرت کے طور پر کہا جب کہ اس نے اسے اپنے مطلب کے خلاف پایا اور اپنے مقصد پر کامیاب نہ ہوئیں۔ اور یہ ضمیر متصل نسمۃ کی طرف لوٹتی ہے اور لفظ انثی اس سے حال واقع ہے۔ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا**

وَضَعَتْ ط اور اللہ تعالٰے زیادہ جانتا ہے جو اس نے جنا۔ یہ بچی کی پیدائش کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے جب کہ مائی صاحبہ نے اس کی پیدائش پر اظہار تحسر کیا اور غمگین ہوئیں کہ بچی کیوں پیدا ہوئی۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اسے کیا معلوم کہ اس بچی کی قدر و منزلت کتنی ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ پیدا ہونے والی بچی کا کیا مرتبہ ہے اور عجائبات قدرت اور بہت بڑے امور ان سے وابستہ ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالٰے نے اسے اور اس کے بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا والوں کے لیے بہترین عجوبۂ روزگار بنانا ہے۔ چونکہ بی بی اُن کے ایسے امور سے ناواقف تھیں اس لیے اظہار تحسر کیا اور غمگین ہوئیں۔ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ط اور ہر مرد عورت کی طرح نہیں ۔ یہ مقولہ بھی اللہ تعالٰے کا ہے جو کہ پیدا شدہ بچی کی شان کی عظمت کے اظہار اور اس کی قدر و منزلت کے اعزاز میں فرمایا ۔ اور ان دونوں میں لام عہد کا ہے یعنے وہ لڑکا جو وہ طلب کر رہی ہے اور اس کو اپنے لیے کمال سمجھتی ہے کہ بچہ ہی بیت المقدس کا خادم بن سکتا ہے تو وہ اس بچی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا جو وہ عطا کی گئیں۔ اس لیے کہ اس بچی کا دائرہ علم اور اس کے اقدار و منازل بہت بلند ہیں۔ اور اتنے وسیع کہ سوائے اللہ تعالٰے کے اور کوئی انھیں احاطہ نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اس کے اندر بہت بڑے بلند قدر امور ہیں فلہٰذا یہ بی بی حنہ (علیہ السلام) کے مطلوب بچے سے بدرجہا افضل ہے اور وہ بی بی حنہ ان کے اتنے اعزاز و اکرام کو نہیں جانتی ۔

یہ دونوں جملے اللہ تعالٰے کے مقولے ہیں ۔ اور دونوں جملے معترضے ہیں جو دونوں بی بی مریم کی والدہ کے اقوال؛ انی وضعتھا اور انی سمیتھا کے درمیان میں واقع ہوئے ہیں ۔ ان دونوں کو درمیان میں لانے کے دو فائدے ہیں :

① بی بی حنہ کو تسکین و تسلی ۔

② بی بی مریم کی پیدائش کی عظمت و حرمت ۔

وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ۔ یہ بی بی کا مقولہ ہے اور اس کا عطف " انی وضعتھا " پر ہے یعنے میں نے اس کا نام مریم رکھا ۔ اس سے بی بی حنہ کی غرض یہ ہے کہ مریم کی پیدائش تو ہو گئی اب اس کے ذریعے مجھے قرب الٰہی نصیب ہو اور وہ دنیوی غلط کاریوں سے محفوظ رہے اس لیے کہ لغت میں مریم عابدہ اور خادمۂ رب کو کہا جاتا ہے۔ اس میں اس بات کا بھی اظہار ہے کہ میری غرض اس سے یہ نہیں کہ بچی کیوں پیدا ہوئی اور وہ بیت المقدس کی خدمت کے لائق نہیں بلکہ میری نیت اس سے یہ ہے کہ وہ بچی نیک اور عابدہ و صالحہ ہو۔

ف: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمران بی بی مریم کی پیدائش سے پہلے فوت ہو چکے تھے ورنہ ان کی ماں ان کا نام نہ رکھتی کیونکہ عادت یوں ہے کہ باپ بچوں کے نام رکھتے ہیں۔

وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ ، اور میں اسے تیری پناہ اور حفاظت میں دیتی ہوں۔ وَذُرِّيَّتَهَا ۔ اعیذ کا ضمیر منصوب پر ہے۔ اور اس کی اولاد کو۔ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ شیطان رجیم سے یعنے ہٹایا ہوا۔ دراصل

رجم بمعنے پتھروں سے مارنا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسے شیطان مس کرتا ہے پس وہ بچہ اس شیطان کے مس کرنے سے چیختا ہے مگر مریم اور ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام......

شرح الحدیث شیطان ہر بچہ کے گمراہ کرنے کے لیے طمع کرتا ہے۔ پھر بوقت پیدائش وہ بچہ شیطان کے اغوار سے متاثر ہوتا ہے مگر مریم اور ان کا صاحبزادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے انھیں اس دعا کی برکت سے محفوظ فرمایا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا پس اللہ تعالےٰ نے قبول فرمالیا۔ یعنے مریم کو لے لیا اور انھیں نذر کے لیے بجائے لڑکے کے قبول فرمالیا۔ ربھا اس کے مالک تے، اور اسے اس کے شایان شان کمال تک پہنچانے والے نے۔ **بِقَبُولٍ حَسَنٍ** ، احسن طریق سے وہ نذر کو قبول کرتا ہے اور اب کی بار یہ ہوا کہ لڑکی کو اور پھر چھوٹے سن والی کو قبول کرلیا۔ حالانکہ اس شریعت کا قانون یہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے لڑکے۔ عاقل اور پھر خدمتِ مسجد (بیت المقدس) پر بھی قدرت رکھتا ہو' کو قبول کیا جاتا ورنہ ناجائز تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بی بی حنہ نے بی بی مریم کے لیے گڑگڑا کر دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالےٰ اسے بچی اور چھوٹی ہونے کے باوجود (بیت المقدس) کی خدمت کے لیے قبول فرمالے۔

وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور اس کی اچھی تربیت فرمائی۔

سوال: بی بی مریم کی تربیت کو انبات (انگوری پیدا کرنا) سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: مجازاً استعمال کیا گیا ہے چونکہ ان کی تربیت میں ہر طرح اور ان کے ہر معاملہ میں خصوصی توجہ دی گئی اسی لیے اسے 'انبات' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سوال: اللہ تعالےٰ نے اسے قبول کرلیا اس تعبیر سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: باوجودیکہ وہ بحیثیت عورت ہونے کے ضعیف تھیں لیکن ابتداً صدقِ نیت اور خلوص کی تصویر تھیں اور رہا تو ان پر ہی ختم تھا، باوجودیکہ اس زمانہ میں (مسجد) بیت المقدس کی خدمت کے لیے چار ہزار غلام (لڑکے) اور بھی موجود تھے۔ لیکن جتنی شہرت بی بی مریم کو نصیب ہوئی اتنی کسی دیگر کو نصیب نہ ہوئی۔

سبق اس سے سالک کو تنبیہ ہے کہ اسے چاہیئے کہ وہ ہر وقت اپنی کوتاہی اور تقصیر پر نگاہ رکھ کر حصولِ مقصد میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس کے اعمال قبول کرے گا۔ اور اپنے آپ کو اس بارگاہ کا نہایت ہی کم درجہ کا تصور کرے اور اخلاص کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اخلاص

نصیب فرمائے۔ (آمین)

طریقت ہمینست کاہل یقین
نکوکار بودند و تقصیر بین

ترجمہ: یہی طریقت ہے نیکوکار اور اپنی کوتاہی پر نگاہ رکھنے والے ہی اہل یقین ہیں۔

تفسیر صوفیانہ سیر الی اللہ کرنے والوں (جو کہ نیک ارادہ رکھنے والے اور واصل باللہ ہیں جو دراصل وہی مراد الحق ہیں) کو اللہ تعالے نے اپنے اعمال اور شہود احوال سے قطع تعلق کا حکم فرمایا ہے۔ سیر الی اللہ کرنے والوں کا صدق محقق نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے اعمال کے لیے (نیکی کر اور دریا میں ڈال) کے مقولہ پر عمل نہ کریں کیونکہ کبھی واصل باللہ کو بھی شہود احوال مشاہدۂ حق سے دور رکھتا ہے۔ فلہذا انھیں اس حالت سے بھی اپنے سے علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس حالت پر قایم رہے تو وہ شیطان کے آلہ مسخرہ بنے رہیں گے۔ اس لیے انھیں اس حالت سے دور رہنا ضروری ہے۔

حکایت جب حضرت واسطی نیشاپور تشریف لے گئے تو حضرت شیخ ابو عثمان مغربی رحمہ اللہ تعالے کے مریدین سے پوچھا کہ تمھیں تمھارے شیخ کس عمل پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں شیخ کا حکم ہے کہ طاعت فرمانبرداری میں سرگرم رہو۔ لیکن پھر بھی یوں سمجھو کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ حضرت واسطی نے فرمایا کہ تمھارے شیخ تمھیں مجوسیت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ پھر فرمایا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ بہت زیادہ مفید ہو وہ یہ کہ تم غیبوبت سے ہٹ کر اس کے شہود کے منشاء و مجریٰ کی طرف راغب رہو۔

تطبیق مابین القولین حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالے نے انھیں محل اعجاب سے بچانے کی غرض سے یہ فرمایا نہ یہ کہ اوطان تقصیر سے انھیں کوئی واسطہ نہ تھا اور نہ ہی ان کی یہ غرض ہے کہ مشائخ کے سکھائے ہوئے آداب میں کوتاہی کی جائے۔

ف: حضرت نہر جوری نے فرمایا کہ بعض حضرات وہ ہوتے ہیں کہ ان کے اعمال کا اللہ تعالے خود متولی ہوتا ہے ان کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے ہر خلوص میں کوتاہی کے تصور میں رہتے اور ذکر میں مشغول ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو غافل سمجھتے ہیں اور سچائی میں رہ کر بھی قصوروار ہونے کے خیال میں ہوتے ہیں اور ہر مجاہدہ کو کمی سمجھتے ہیں اور فقر و فاقہ میں گھرے ہوتے ہیں لیکن خطرہ سے خالی نہیں ہوتے۔ غرضیکہ وہ اپنے جمیع حالات کو غیر پسندیدہ سمجھتے ہوئے فقہ اور سیر الی اللہ میں بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ فانی فی اللہ ہو جاتے ہیں۔

ف: حضرت شیخ ابو العباس رضی اللہ تعالے نے فرمایا:

"یولج اللیل فی النہار و یولج النہار فی اللیل" کا معنے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالے بندے کو گناہ سے

نکال کر نیکی میں لگاتا ہے اور دوسرے کو نیکی سے نکال کر برائی میں ڈالتا ہے۔ بایں معنی کہ جب وہ نیکی کرتا ہے تو اس پر اسے عجب پیدا ہو جاتا ہے اور اسی پر اعتماد رکھتا ہے اور دوسرے نہ کرنے والوں کو ذلیل سمجھتا ہے اور اپنی نیکی کا اللہ تعالیٰ سے بدلہ چاہتا ہے۔ یہی وہ نیکیاں ہیں جنھیں برائیاں گھیر لیتی ہیں۔ ہاں گناہ کے بعد اگر بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجرم بنا کر پیش کرے اور اپنے آپ کو لاشئے سمجھے اور دوسروں کو اپنے سے بہتر و برتر تصور کرے تو پھر اس کی برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اب خود سمجھئے کہ کون سی نیکی فائدے میں رہی اور کونسی برائی نقصان میں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نیکیوں کے حصول میں سر توڑ کوشش کرے لیکن نیکی کر کے کسی دھوکہ میں نہ رہے۔ اسی طریق سے امید ہے کہ وہ منزل مقصود کو پہنچ کر جناب قدس کے حضور کا اہل بن جائے۔

؎

چہ زرہا بخاک سیہ در کنند
کہ باشد کہ روزے مسی زر کنند

ترجمہ: بہت سے سونے خاک میں ملائے جاتے ہیں تاکہ قلعی سونا بن جائے۔

کیمیاگروں کا طریقہ ہے کہ وہ کیمیا کے حصول کے لیے دراہم و دنانیر مٹی میں دبا دیتے ہیں یعنے کیمیا کے حصول کیلئے دراہم و دینار پانی کی طرح بہاتے ہیں تاکہ کسی وقت تانبہ سونا خالص بن جائے جس سے وہ اپنی کامیابی پر خوشی سے بغلیں بجائیں ؎

زر از بہر چیزے خریدن نکو است
چہ خواہی خریدن بہ از وصل دوست

ترجمہ: زر سے کوئی شئے خریدنا بہتر ہے لیکن وصال الٰہی سے بہتر اور کونسی شئے ہو سکتی ہے۔

دراصل اعمال کی جد و جہد صرف اس لیے ہوتی ہے کہ رضائے الٰہی اور اس کی جناب تک رسائی نصیب ہو جائے۔ اور یہ اسے نصیب ہوتا ہے جو اپنی جان و مال اس کی راہ میں صرف کر دے تاکہ اس کے لیے فتوحات کے دروازے منکشف ہو جائیں۔

سبق حضرت شیخ شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لطائف المنن میں فرمایا کہ اے سالکو! یقین کر دکہ اللہ تعالیٰ نے انوار ملکوت کو طاعات میں امانت رکھا ہے۔ پس جس سے طاعات کا کوئی حصہ یا عبادات کا کوئی جزء ضائع ہو گیا تو سمجھ لے کہ اس نور سے اسی قدر ضائع گیا۔ فلہٰذا، اے سالکو! طاعت کے کسی شعبے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اور نہ ہی عبادات کے کسی کام سے غفلت کرو تاکہ انہی واردات سے محروم نہ ہو جاؤ اور نہ ہی ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرو کہ زبان سے بحر الحقائق کے مدعی ہیں لیکن ان کے قلوب انہی انوار سے بالکل خالی ہیں۔

سبق سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت ہر قسم کی طاعت و عبادت میں سرگرم رہے لیکن "نیکی کر دریا میں ڈال" پر عمل کرے۔ یہاں تک کہ اپنا عمل کالعدم سمجھے تاکہ اسے عُجب کا مرض نہ گھیرے ورنہ تمام طاعات ملیا میٹ ہو جائیں گی۔

بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کرنے سے ان کی حفاظت کرنے کا مسئلہ سالک کے لیے بہت زیادہ سخت ہے۔ اس لیے کہ ان کی مثال نرم شیشے کی ہے کہ اس کے ٹوٹنے میں کوئی دیر نہیں ہوتی، پھر جب وہ ٹوٹ گیا تو اس کا درست ہونا نہ صرف ناممکن بلکہ محال ہے ایسے ہی جب نیکیاں کسی غلط روی سے ضائع ہو جاتی ہیں تو پھر ان کا حصول محال ہے۔

وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اور بی بی مریم کو اللہ تعالٰے نے زکریا علیہ السلام کی کفالت میں دے دیا۔ یہ دراصل اللہ تعالٰے کا فعل ہے (بمعنے ضمنہا اللہ تعالٰے الی زکریا)۔ اللہ تعالٰے نے بی بی مریم کو زکریا علیہما کی ضمانت میں دے دیا اور انھیں بی بی مریم کا کفیل اور اس کی مصالح کا ضامن اور اس کے امور کی تدابیر پر قایم فرمایا۔ الکافل وہ ہے جو کسی دوسرے پر خرچ کرے۔ اور ضروریات کی اصلاح کا اہتمام کرے۔

حدیث شریف: حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"انا وکافل الیتیم کھاتین" مَیں (صلے اللہ علیہ وسلم) اور یتیم کا کفیل ان دونوں انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے۔

نسب نامۂ زکریا علیہ السلام: زکریا (علیہ السلام) بن اذن بن مسلم بن صدون حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اولاد سے تھے۔

واقعۂ ولادت بی بی مریم: مروی ہے کہ جب بی بی مریم کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ حنّہ انھیں کپڑے میں لپیٹ کر مسجد (بیت المقدس) میں لے آئیں اور انھیں احبار (علماء) کے سپرد کر دیا۔ وہ علماء حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ وہ بیت المقدس کے کعبہ معظمہ کی طرح نگران تھے۔ بی بی حنّہ نے ان سے فرمایا لو یہی ہے منت یعنی اسے لے لو اور اس کی تربیت کرو۔ اس لیے کہ یہ تمھارے صاحب قربان کی بیٹی ہے کیونکہ بنو ماثان بنو اسرائیل کے سردار اور ان کے بادشاہ ہوئے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کی تربیت کے لیے صرف میں ہی مستحق ہوں اس لیے کہ ان کی خالہ میری منکوحہ ہے۔ انھوں نے کہا نہیں، قرعہ اندازی کرتے ہیں۔ اس پر سب راضی ہو گئے۔ (وہ کل ستائیس تھے) اس پر عمل کرنے کے لیے نہر کی طرف چل پڑے۔ (بعض نے کہا کہ یہ نہر اردن تھی) سب نے قلمیں اس نہر میں ڈال دیں اور وہ وہی قلمیں تھیں جن سے وحی ربانی لکھتے تھے۔ شرط یہ لگائی کہ جس کا قلم پانی پر تیرنے لگے گا وہی مریم کا کفیل ہوگا۔

چنانچہ تین بار قلم نہر میں ڈالے گئے۔ سب کے قلم پانی کی تہ میں بیٹھ گئے صرف حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی پر

تیرنے لگا۔ اس لیے بی بی مریم کے وہی کفیل ہوئے۔ (کذا فی تفسیر الشیخ)

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا، جب بی بی مریم کے ہاں تشریف لے گئے۔ **زَكَرِيَّا**۔ یہ دخل کا فاعل ہے۔ **الْمِحْرَابَ** محراب میں۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ محراب بی بی مریم کے لیے مسجد میں تیار کیا گیا تھا یعنی محراب ایک دریچہ تھا جس کی طرف سیڑھی کے ذریعہ پہنچنا پڑتا تھا یا محراب ایک برگزیدہ اور بہترین مقام تھا گویا اسے بیت المقدس کے بہترین مقام پر رکھا گیا تھا یا اس لیے کہ وہ اپنی مساجد کو محاریب کہتے تھے۔

واقعہ: مروی ہے کہ بی بی مریم کے پاس حضرت زکریا علیہ السلام اکیلے تشریف لے جاتے تھے جب واپس تشریف لاتے تو اس کے ساتوں دروازے بند کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ تشریف لائے:

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا، تو ان کے پاس ایک قسم کا رزق پایا یعنی ایسا میوہ پایا گیا جو عادت کے خلاف تھا۔ اور وہ بہشت سے نازل ہوتا تھا۔ بی بی صاحبہ کے پاس موسم گرما کے میوہ جات سردی میں اور موسم سرما کے گرمی میں پائے جاتے تھے۔ حالانکہ بی بی مریم نے کبھی بھی کسی ماں کا دودھ نہیں پیا تھا۔

قَالَ، یہ سوال کا جواب ہے گویا کہا گیا کہ پھر زکریا علیہ السلام نے اس کرامت کو دیکھ کر فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا: **يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا**، اے مریم! تو یہ کہاں سے لائی؟ یعنی یہ میوے تیرے پاس کہاں سے آتے ہیں کہ جنھیں دنیا کے میوہ جات سے کسی قسم کا تشابہ ہی نہیں۔ پھر وہ بے موسم ہیں اور تمھارے ہاں پہنچنے تک دروازوں کے تالے بھی بند ہیں تیرے پاس کسی کو پہنچنے کا امکان نہیں۔

قَالَتْ، بی بی مریم نے کہا، اس وقت وہ چھوٹی تھیں انھیں سوال کے سمجھنے کی بھی بظاہر طاقت نہیں تھی چہ جائیکہ اس کا جواب دے سکیں۔

بعض نے کہا کہ وہ بچپن میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بولی تھیں۔

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں پھر اس میں تعجب اور محال کیوں۔ **اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ**، بے شک اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے کہ اسے کچھ عطا فرمائے۔ **بِغَيْرِ حِسَابٍ** بلا حساب یوجہ کثرت کے یا ان گنت یا اس حیثیت سے اسے شمار کرنا ناممکن ہے۔ یہ جملہ ھو من عند اللہ کی علت ہے یا بی بی مریم کے کلام کا تتمہ ہے۔ اس اعتبار سے وہ محلا منصوب ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہے اس اعتبار سے یہ جملہ مستانفہ ہے۔

مسئلہ: آیت میں اولیاء اللہ کی کرامت کے جواز کا ثبوت ہے۔

اور جو لوگ اولیاء اللہ کی کرامت کے منکر ہیں وہ اسے ارہاص سے تعبیر کرتے ہیں کہ ان سے یہ خرق عادت عیسیٰ علیہ السلام

کی رسالت کے لیے تمہید و مقدمہ کی حقیقت سے سرزد ہوئی۔

کرامت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا

مروی ہے کہ ایک دفعہ قحط واقع ہوا۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو روٹیاں اور بھونا ہوا گوشت بھیجا۔ جب وہ دسترخوان کھولا گیا تو وہ روٹی و گوشت سے پُر تھا۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دیکھ کر حیران ہوگئیں لیکن سمجھ گئیں کہ یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ انہیں حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" أنی لکِ ھٰذا " (یہ تیرے لیے کہاں سے آیا)۔

بی بی فاطمہ نے جواب دیا:

" ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب " (یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے وہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے)۔

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" الحمد للہ الذی جعلکِ شبیھۃ بسیدۃ بنی اسرآئیل " (تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لیے ہے جس نے اے فاطمہ! تمہیں بنی اسرائیل کی سردار بی بی کے مشابہ فرمایا)۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی و حسنین کریمین رضی اللہ تعالٰی علیہم کو بلایا اور تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم کو اپنے گھر جمع فرما کر اسے تناول فرمایا اور تمام سیر ہو گئے۔ لیکن وہ طعام بچ رہا۔ پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰی نے اسے ہمسائیگاں پر تقسیم فرمایا۔

مسئلہ: صحابہ کرام سے لے کر آج تک تمام اسلاف سے کرامات کا صدور ہوتا رہا۔

مسئلہ: حضرت سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ انسان اپنے بُرے اخلاق کو دور کر کے نیک اخلاق کا خوگر ہو جائے۔

مسئلہ: حضرت شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کوئی بڑی کرامت نہیں کہ کسی کو کہا جائے کہ اس کے لیے زمین لپیٹی گئی اور چند منٹوں میں وہ مکہ معظمہ میں پہنچ گئے یا اسی طرح اور بہت سے دور فاصلے کے بلاد میں پہنچائے گئے، بلکہ سب سے زیادہ بڑی کرامت یہ ہے کہ اس سے بُری خصلتیں دُور ہو جائیں اور وہ نیک اخلاق کا مالک ہو جائے۔

حکایت حضرت ابو یزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو عرض کی گئی کہ فلاں شخص پانی پر تیرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا مچھلی پانی پر نہیں تیرتی! تو پھر مچھلی کو بھی صاحبِ کرامات کہا جاسکے۔ پھر عرض کیا گیا کہ فلاں ہوا میں اڑتا ہے، آپ نے فرمایا: پھر پرندوں کو بھی صاحبِ کرامات کہا جائے کہ وہ بھی ہوا میں اڑتے ہیں۔ پھر عرض کیا گیا کہ فلاں شخص مکہ کی زیارت سے ایک ہی دن میں جا کر واپس آجاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر ابلیس کے لیے کیا کہو گے کہ وہ ایک لمحہ میں تمام روئے زمین کا چکر لگا لیتا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالٰی کی لعنت برستی ہے۔ آپ نے فرمایا: حقیقی طے الارض یہ ہے کہ

سالک کے سامنے تمام دنیا اور اُس کی لذات نظروں سے گر جائیں اور اُسے ہر وقت آخرت آنکھوں کے سامنے رہے، اس لیے کہ زمین کو تیرے لیے بچھائی گئی ہے پھر تم جہاں چاہو جاؤ۔ لیکن جب کسی سالک سے کرامت سرزد ہوتی ہے تو اسے غرور گھیر لیتا ہے حالانکہ دنیوی تعلقات کے انقطاع سے تعلق باللہ نصیب ہوتا ہے۔

حکایت حضرت ابوعنوان واسطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی موقعہ پر ہم دریا کا سفر کر رہے تھے، قدرتی طور پر جاری کشتی ٹوٹ گئی۔ میں اور میری زوجہ ایک تختہ پر دریا میں پھر رہے تھے اور کئی روز اس تختے پر گزر رہے۔ اس حالت میں میری زوجہ کو وضع حمل ہوا اور بچی پیدا ہوئی اور میری زوجہ چیخی اور کہنے لگی کہ میں پیاس سے جان بلب ہوں۔ میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بزرگ ہوا میں اڑ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ میں سونے کی ایک زنجیر ہے اور اس میں یاقوتِ احمر کا ایک پیالہ ہے اور فرمایا لو یہ پانی کا پیالہ ہے تم دونوں اسے پی لو۔ میں نے وہ پیالہ لے کر ہم دونوں نے پانی پیا تو مشک سے زیادہ خوشبو اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے عرض کیا: آپ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا: تیرے مولا کا بندہ۔ میں نے پوچھا: آپ اس مرتبہ پر کیسے پہنچے؟ انھوں نے فرمایا: میں نے اللہ تعالٰے کی رضا کی خاطر اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑا، اس نے مجھے ہوا کی سواری بخشی۔

حکایت حضرت سفیان ثوری حضرت شیبان راعی رضی اللہ تعالٰے عنہما کے ساتھ حج کو تشریف لے گئے۔ راستہ میں انھیں ایک درندہ ملا۔ حضرت سفیان نے شیبان سے فرمایا: وہ دیکھو! درندہ ہے۔ حضرت شیبان نے فرمایا: "لاتخف" خوف نہ کیجئے۔ یہ کہہ کر حضرت شیبان آگے چل کر اس درندے کے دونوں کان پکڑے اور کانوں کو مروڑا۔ اس سے وہ درندہ بڑبڑاتا اور دم ہلاتا راستہ سے ہٹ گیا۔ حضرت سفیان نے حضرت شیبان سے فرمایا: یہ کیا شہرت ہے۔ حضرت شیبان نے فرمایا کہ اگر شہرت کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اپنا سامان اس درندے کی پیٹھ پر رکھ دیتا اور اسے مکہ معظمہ تک ہانکتا چلا جاتا۔

کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
محالست چوں دوست دارد ترا
کہ در دستِ دشمن گذارد ترا

ترجمہ: تو اللہ تعالٰے کے حکم سے روگردانی نہ کر تیرے حکم سے کوئی بھی روگردانی نہ کرے گا۔ یہ محال ہے کہ جب وہ تجھے دوست رکھے اور پھر تجھے دشمن کے ہاتھ میں دے دے۔

ھُنَالِکَ، جہاں بی بی مریم تشریف فرما تھیں یعنی محراب میں۔

ف: جب حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ بی بی کا اللہ تعالٰے کے ہاں اتنا بڑا مرتبہ ہے اور وہ ایسی بڑی صاحبہ

صاحبِ کرامت ہیں تو انھیں رغبت ہوئی کہ ان کی زوجہ ایشاع کو بھی ایسا بچہ عطا ہو جیسے ان کی بہن حنّہ کو صاحبِ نجابت و صاحبِ کرامت بچی عطا ہوئی ہے۔ اگرچہ وہ اس وقت بانجھ اور بوڑھی ہو چکی ہے لیکن اس کی بہن بھی بوڑھی اور بانجھ تھیں۔ مگر انھیں اللہ تعالٰے نے صاحبِ اولاد بنایا ہے۔ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ، قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ، تو زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی اور کہا اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے عطا فرما یعنے محض اپنی قدرت سے جس میں عادت ظاہری کو کسی قسم کا دخل نہ ہو۔ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً، پاکیزہ اولاد یعنی صالح مبارک اور پرہیزگار، برگزیدہ اور پسندیدہ۔

الذریۃ نسل کو کہتے ہیں جس کا اطلاق واحد پر بھی اور جمع پر بھی اور مذکر و مونث پر بھی ہوتا ہے۔

یہاں ایک بچہ مراد ہے۔

طیب وہ جس کے افعال و اخلاق پاکیزہ ہوں کہ جس میں کوئی ایسا فعل و عمل نہ ہو کہ جسے خبیث کہا جا سکے یا اس سے نفرت کی جا سکے یا عیب لگایا جا سکے۔

اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ بے شک تو دعا سننے والا ہے یعنے تو سب کی دعا قبول کرتا ہے۔ یہاں سن لینے سے قبولیت مراد ہے۔

سمع الله حمده۔ (اللہ تعالٰے نے اس کی حمد سن لی یعنی قبول کر لی) میں اس لیے کہ جس کی دعا نہ سنی جائے تو اس کے لیے یہی کہا جائے گا کہ اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔

سوال: حضرت زکریا علیہ السلام کو جب پہلے معلوم تھا کہ وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے تو پھر بی بی مریم کی کرامت دیکھنے کے بعد یہ عرض کیوں کیا؟

جواب: انسان کو عموماً شے کی رغبت اس وقت ہوتی ہے جب اسے دیکھتا ہے اگرچہ اس سے پہلے جانتا بھی ہو۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ، پھر ملائکہ نے ندا دی یعنے جبریل نے۔ وہ جمع واحد کے حکم میں ہوتی ہے جب حکم جنس کی طرف منسوب ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے:

"فلان یرکب الخیل"

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ ایک گھوڑے پر سوار ہو۔ اور چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام ملائکہ کے سردار ہیں اسی لیے انھیں تعظیماً جماعت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَهُوَ، یہ ندا کے مفعول سے حال ہے۔ یعنے حال یہ تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ، کھڑے ہو کر مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے یا وہ نماز کے وقت بی بی مریم کی بیٹھک میں کھڑے تھے۔ اَنَّ اللّٰهَ۔ یہ نادته الملٰئکة کا دوسرا مفعول ہے یعنے بے شک اللہ تعالیٰ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى، تمھیں یحیٰی علیہ السلام کی خوشخبری سناتا ہے جس کا نام یحیٰے علیہ السلام ہے۔

یحییٰ کی وجہ تسمیہ یحییٰ کو یحییٰ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے ان کی والدہ کی رحم زندہ ہوئی۔ یعنی باوجودیکہ بانجھ تھی لیکن بچہ جنے کے لائق ہوگئی یا اس لیے کہ ان کے وعظ سے مردہ دل زندہ ہو جاتے۔

سوال: یحییٰ یبشرک سے متعلق ہے لیکن اس طرح سے مطلب فاسد ہوتا ہے کیونکہ بشارت اعیان کے لیے نہیں ہوتی؟

جواب: اصل میں یہاں پر مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے:

یبشرک بولادۃ ولد اسمہ یحییٰ۔

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ، تصدیق کرنے والا کلمہ کا جو اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کلمہ سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

سوال: عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: آپ کلمہ "کن" سے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان میں آپ کا واسطہ نہیں ہے اور قاعدہ ہے کہ عجیب اشیاء کو عالم امر سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

ف: سب سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔ اور انھوں نے تصدیق فرمائی کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ و روح منہ ہیں۔

ف: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہی سے بچایا۔ یہ ایسے ہے جیسے انسان روح کے ذریعہ زندہ ہوتا ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کا معجزہ امام سدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا: اے مریم! تھیں معلوم ہے کہ میں حاملہ ہوں۔ پھر بی بی مریم نے فرمایا: تمھیں معلوم ہو کہ میں بھی حاملہ ہوں۔ حضرت یحییٰ کی والدہ نے فرمایا کہ میں اپنے پیٹ کے اندر والے کو دیکھتی ہوں کہ اسے سجدہ کرتا ہے جو تمھارے پیٹ میں ہے۔

یہی مطلب ہے مصدقا بکلمۃ من اللہ... الخ کا۔

ف: یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ سن میں بڑے تھے۔ لیکن وہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے سے پہلے شہید ہوگئے۔

وَسَيِّدًا۔ اس کا عطف مصدقا پر ہے یعنی وہ سردار جو اپنی ساری قوم پر فوقیت رکھتا اور بزرگی میں سب سے اعلیٰ و بالا ہو اور یقیناً وہ بھی تمام لوگوں سے قطعی طور پر افضل تھے اور ان سے کوئی گناہ بھی سرزد نہ ہوا بلکہ کسی گناہ کا ارادہ تک بھی نہ ہوا تھا۔

وَحَصُوْرًا، شہوات نفسانیہ سے محفوظ و معصوم ہوں گے۔ باوجودیکہ انھیں ہر قسم کی قوت و طاقت حاصل

حکایت حضرت یحییٰ علیہ السلام زمانۂ بچپن میں کھیلنے والے بچوں سے گزرے۔ لڑکوں نے آپ کو کھیل کی طرف بلایا۔ آپ نے فرمایا؛ کھیل کیا شے ہے؛ میں تو اس کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔

الحصور، ہر وہ شخص جو عورتوں سے دور رہے، اگرچہ اسے قدرت حاصل ہو۔ اسی لیے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نکاح کیا تاکہ نکاح کے ذریعے آنکھ وغیرہ کو زنا سے بچایا جاسکے۔

وَّنَبِيًّا اور نبی بنایا جائے گا، جب وہ اس منصب کے دور کو پہنچیں گے تو ان کی طرف وحی بھیجی جائے گی۔ **مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ** ○ نیک لوگوں سے ہوں گے یعنی انھیں میں پرورش پائیں گے اس لیے کہ وہ انبیاء علیہ السلام کی پشت سے ہیں اصلاح ہر خیر کو شامل ہے۔ اور یہاں پر صلاح کے ہر وہ اونچے سے اونچا مرتبہ مراد ہے جو منصب نبوت کے لائق ہو۔

قَالَ حضرت زکریا علیہ السلام نے جواباً فرمایا جب ملائکہ کرام نے آپ کو صاحبزادے کی خوشخبری سنائی۔

سوال: استفہام سے اسے کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب (۱) : ظاہری حیثیت کو مدِّنظر رکھا کر کہ بڑھاپے میں بچہ پیدا ہو گا تعجباً فرمایا۔

(۲) اظہار مسرت کی بنا پر کہ الحمد للہ بڑھاپے میں بچہ عنایت ہو رہا ہے۔

رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ اے میرے رب! میرے لیے کیسے ہو سکتا ہے یعنی مجھے کیسے حاصل ہو گا۔ **غُلٰمٌ** اس میں دلیل ہے کہ بشارت کے وقت بتایا گیا تھا کہ پیدا ہونے والا لڑکا ہے۔ **وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ** حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا اور مجھ میں اس کے آثار نمایاں ہیں۔ اس میں دلیل ہے کہ بڑھاپا موت کی تمہید ہے اور انسان کو موت کے لیے طلب کرتا ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی اسے نہیں چھوڑے گا۔

ف : اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک ننانوے سال اور بی بی ایشاع یعنی آپ کی زوجہ محترمہ کی عمر اٹھانوے سال تھی۔

وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ اور میری عورت بانجھ ہے کہ بچہ جننے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

قَالَ فرمایا اللہ تعالیٰ نے **كَذٰلِكَ** یہ اشارہ اس مصدر کی طرف جو **"اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ** ○**"** میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ امور عجیبہ سے خرق عادت کے طور پر جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

اللّٰہ مبتدا ہے اور یفعل اس کی خبر اور کاف محلاً منصوب ہے۔ یہ دراصل مصدر محذوف کی صفت ہے۔ اصل عبارت یوں تھی:

"اللّٰہ یفعل ما یشاء ان یفعلہ فعلا ..... الخ" (اللہ تعالیٰ جو کرنا چاہتا ہے وہ کر دکھاتا ہے) جیسے یہی عجیب صفت جو اس نے ایک بوڑھے اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا فرمایا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً کہا: اے اللہ! میرے لیے کوئی ایسی علامت بنا جو مقصود کی تحقیق پر دلالت

کرے یا دلالت کرے اس پر کہ واقعی میری اہلیہ حاملہ ہو گئی ہے۔

سوال: جب بچے کی خوشخبری سنائی گئی تو پھر اس کے متعلق علامات کے سوال کا کیا فائدہ؟

جواب: پیٹ کے اندر جب نطفہ ٹھہرتا ہے تو وہ ایسا پوشیدہ ہوتا ہے جس پر عموماً واقفیت نہیں ہو سکتی۔ اس پر زکریا علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ انھیں اللہ تعالٰی مطلع کرے تاکہ اس بہت بڑی نعمت کے حصول پر شکرانہ کے نوافل پڑھیں اور وہ وقت مقررہ پر پیدا ہو جیسے عموماً بچے پیدا ہوتے ہیں۔

قَالَ اٰيَتُكَ ، فرمایا بچے کی پیدائش کی علامت یہ ہے۔ **اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ** ، کہ لوگوں سے کلام مت کرو اور کلام کرنے کی تمھیں قدرت بھی نہ ہوگی۔ **ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ** ، تین دن تک یعنے تین دن مسلسل ان میں ان کی راتیں بھی شامل ہوں گی۔ اس لیے کہ عرف میں 'ایام' کے ذکر سے 'لیالی' شامل ہوتی ہیں اور لیالی کے ذکر سے ایام شامل رہتے ہیں۔

نکتہ: ان ایام تک کلام سے روکنے کا ایک سبب یہ تھا کہ انھیں انہی ایام میں اللہ تعالٰی کے ذکر و شکر کا بے فکری سے موقعہ مل جائے تاکہ وہ اس عطا کردہ نعمت کا حق ادا کر سکیں۔

اِلَّا رَمْزًا ، مگر اشاروں سے یعنی ہاتھ یا سر سے یا اس قسم کے اور طریقہ سے اشارہ کرتے ہوئے۔

سوال: کلام کو اشارہ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب: 'رمز' کلام کے قائم مقام ہوتی ہے اور وہ وہی مطلب ادا کر سکتا ہے جو کلام سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس سے وہی سمجھا جاتا ہے جو کلام سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس سے استثنا متصل جائز ہے۔

ربط: اس کے بعد اللہ تعالٰی نے ذکر کا حکم فرمایا کہ دیگر کلام سے ممانعت ہے لیکن ذکر الٰہی سے رکاوٹ نہیں۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ ، انہی ایام ممنوع عن الکلام میں اللہ تعالٰی کا ذکر کیجئے تاکہ فضل و کرم اور انعامِ الٰہی کے حصول پر شکر کر سکو۔ **كَثِيْرًا** ، بہت ذکر۔ **وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ** ، اور اللہ تعالٰی کی تسبیح کیجئے زوالِ شمس سے لے کر غروب تک۔ **وَالْاِبْكَارِ ۝** یعنے صبح کے وقت یعنی طلوع فجر سے لے کر نصف النہار سے پہلے تک۔

حضرت امام نے فرمایا کہ واذکر ربک کثیرا کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اللہ تعالٰی نے انہی ایام میں امور دنیا سے ان کی زبان کو روکا۔ صرف اشارہ کی اجازت بخشی۔ لیکن ذکر و تحمید کا حکم دیا۔ اس لیے کہ ان کی زبان نہایت ہی فصیح و بلیغ تھی اور بیان کے روشن معجزات میں سے تھا۔

(۲) آیت میں ذکر سے ذکر قلبی مراد ہے اس لیے کہ اللہ والے معرفت الٰہی کے دریا میں مستغرق ہوتے ہیں، ان کی عادت ہوتی ہے کہ اوّلاً ایک مدت تک ذکر لسانی میں مصروف رہتے ہیں۔ جب ان کا دل ذکر اللہ کے نور سے بھر جاتا ہے تو ان کی زبان ذکر سے رک جاتی ہے اور دل جاری رہتا ہے۔ اس لیے عرفاء میں مشہور ہے کہ جو اللہ کو پہچان لیتا ہے تو ان کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام زبان سے بولنے سے تو روکے گئے لیکن ذکر و معرفت میں دل کو لگانے اور اس پر مداومت کرنے پر مجبور ہوئے۔

ف: ذکر کے کئی مراتب ہیں ان میں ذکر لسانی بہ نسبت ذکر قلبی کے بہت کم درجہ ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ذکر کے اعلیٰ مراتب پر ترقی کر گئے تو آپ کے ہاں ابلیس حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا عیسیٰ اذکر اللّٰہ (اے عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ کا ذکر کیجئے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے متعجب ہوئے کہ شیطان اور ذکر الٰہی کا مشورہ! حالانکہ اس کی فطرت کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ الٹا ذکر سے روکے۔ اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ وہ الٹا گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا ارادہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ذکر قلبی جیسے اونچے مرتبہ سے اتار کر ذکر لسانی میں لگا دے اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اعلیٰ مرتبہ سے گرنے کا مصداق ہی تھا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ رات دن ذکر الٰہی میں لگا رہے اس لیے کہ ذکر الٰہی خواہشات نفسانیہ کو مٹاتا ہے۔ جب خواہشات نفسانیہ قلب سے اتر جاتے ہیں تو پھر شیطان کو گمراہ کرنے کا موقعہ نہیں ملتا بلکہ اس کے گمراہ کرنے کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کا دل شیشہ کی طرح صاف و شفاف ہو جاتا ہے اور اس کی تمام آلائش دھل جاتی ہے ؎

پیاپے بیفشان از آئینہ گرد
کہ صیقل نگیرد چو زنگار خورد

(مسلسل آئینہ سے گرد صاف کر کہ صیقل کو قبول کرتا ہے جب زنگ کھا جائے۔)

تفسیر صوفیانہ: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ذکر لسانی سے بندے کو ذکر قلبی کی مداومت کی تاثیر نصیب ہوتی ہے۔ جو شخص لساناً و قلباً ذاکر ہوتا ہے تو وہ سلوک میں کامل ہو جاتا ہے۔

ف: حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ روزانہ اللہ تعالےٰ اپنے بندے کو ندا دیتا ہے کہ اے میرے بندے! تو نے انصاف نہیں کیا کہ میں تجھے یاد کرتا ہوں لیکن تو نے مجھے بھلا دیا ہے۔ اور میں تجھے اپنی طرف بلاتا ہوں اور تو میرے غیر کی طرف بھاگتا ہے اور میں تجھ سے بلاؤں کو دور کرتا رہتا ہوں۔ اور تو گناہوں میں مبتلا ہے۔ پھر جب تو میرے پاس آئے گا تو تیرا کیا جواب ہوگا۔

ف: حضرت حسین رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ لذت تین چیزوں میں ہے:

(۱) نماز
(۲) ذکر

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ
الْعٰلَمِينَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرّٰكِعِينَ ○ ذٰلِكَ
مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ
إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ○ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ
الصّٰلِحِينَ ○ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ
اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ○ وَرَسُولًا إِلٰى بَنِي إِسْرَآئِيلَ ۙ أَنِّي
قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۙ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ
فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَ
أُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ
إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ
رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ○ إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هٰذَا
صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ○ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى
اللّٰهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ آمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ○
رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِينَ ○ وَمَكَرُوا
وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِينَ ع

اور جب کہا ملائکہ نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے
چن لیا اور پاکیزہ بنایا اور آج عالم بھر کی عورتوں سے تجھے برگزیدہ فرمایا۔ اے مریم! اپنے پروردگار کی
اطاعت اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ یہ غیبی خبریں ہیں ہم تمہیں بذریعہ وحی
بتاتے ہیں اور تم ان کے ہاں نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ اندازی کرتے تھے کہ مریم کی تربیت
کون کرے اور تم ان کے ہاں نہ تھے جب وہ جھگڑتے تھے۔ یاد کیجیے جب ملائکہ نے کہا: اے
مریم: بے شک اللہ تعالیٰ تجھے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام ہے

مسیح عیسیٰ بن مریم ؛ دنیا و آخرت میں باآبرو ہوگا اور (اللہ تعالیٰ کے) قرب والا ہے اور گہوارہ میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے گفتگو کرے گا اور (میرے) خاص لوگوں سے ہوگا۔ عرض کی اے میرے رب ! مجھے بچہ کہاں سے ، حالانکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا تک نہیں۔ فرمایا ، اللہ تعالیٰ یونہی پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے جب وہ کسی کام کا حکم فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل کا علم دے گا اور وہ بنی اسرائیل کا رسول ہوگا ، کہے گا کہ بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں (وہ یہ کہ) میں تمہارے لیے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مادر زاد اندھے کو شفا دیتا ہوں اور (اسی کے حکم سے) مردے زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں اس طعام کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو گھر میں جمع کر کے رکھ آتے ہو بے شک ان میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر ایماندار ہو اور یوں آیا ہوں کہ میرے سے پہلے آئی ہوئی توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں اور اس لیے کہ تمہارے لیے وہ بعض چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کی گئیں اور میں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے سو اسی کی عبادت کرو ، یہی سیدھا راستہ ہے پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا کہ کون میرے مددگار ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ؛ حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں خدا کے دین کے مددگار ، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم ماننے والے ہیں۔ اے ہمارے رب ! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کی تابعداری کی تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بربادی کی خفیہ تدبیر بنائی اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۳۰)

③ تلاوتِ قرآن ۔

جب تم ان کی ادائیگی میں لذت محسوس کرو تو سمجھ لو کہ یہ حقیقی عبادت ہو رہی ہے ، ورنہ یقین کر لو کہ تمہارے آگے تالے بند ہیں۔

الجواب : جب انسان کے دل میں پورے طور پر ذکر گھر کر جاتا ہے تو شیطان جب اس کے قریب ہوتا ہے تو چپک جاتا ہے

جیسے انسان کے قریب شیطان جائے تو انسان چیختا ہے۔ اس کے چیخنے پر دوسرے شیاطین جمع ہو کر اس سے پوچھتے ہیں کہ تو کیوں چیختا ہے؟ تو وہ اس کے جواب میں کہتا ہے: مجھے انسان نے مس کیا ہے۔ یعنے اس کے ذکر کی گرمی سے میں جل گیا ہوں۔

حکایت ایک شخص کہتا ہے کہ ایک بزرگ جنگل میں رہتے تھے۔ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک بہت بڑا درندہ کھڑا ہے۔ اس نے اس بزرگ کو زور سے تھپڑ لگایا، جس سے اس بزرگ کے گوشت کا ٹکڑا جسم سے پھٹ گیا اور باہر جا گرا، اور وہ بزرگ بیہوش ہو گئے۔ مجھے بھی اس بزرگ کی اس وحشت ناک کیفیت سے بیہوشی چھا گئی۔ جب مجھے افاقہ ہوا تو میں نے عرض کی: حضرت یہ کیا ماجرا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے میرے لیے اس درندے کو اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ جب بھی میں ذکرِ الٰہی سے سستی کروں تو میرے ساتھ ایسے ہی معاملہ کرے جیسے تو نے دیکھا۔

اوصلنا اللہ وایاکم الی مرتبہ الیقین و	اللہ تعالٰے ہم سب کو مرتبۂ یقین تک پہنچا کر مقامِ تمکین
شرفنا بمقام التمکین و ارزقنا حلاوۃ الذکر	سے مشرف فرمائے اور ہر وقت حلاوتِ ذکر نصیب
فی کل حین و ادخلنا الجنۃ المعنویۃ مع	فرما کر اور نیک لوگوں کے ساتھ جنت معنوی میں داخل فرمائے
عبادہ الصالحین اجمعین۔	(آمین)

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۲۳۱)

تفسیر عالمانہ

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ، یاد کر جب کہا ملائکہ نے۔

ف: اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔

چنانچہ سورہ مریم کا مضمون "فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرا سویا" دلالت کرتا ہے یعنی جبرائیل علیہ السلام کو بشری لباس پہنا کر اس لیے بھیجا تا کہ بی بی مریم ان سے مانوس ہوں۔ ملائکہ جمع ہے اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام (واحد) لینا ان کی تعظیم کی بنا پر ہے اس لیے کہ وہ تمام ملائکہ کے سردار ہیں۔

یٰمَرْيَمُ۔ یہ کلام جبریل علیہ السلام کا ہے۔ یہ بطریق وحی کے نہیں تھا اس لیے کہ اللہ تعالٰے عورتوں کی طرف وحی (نبوت) نہیں بھیجتا۔ کما قال تعالٰے:

وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیہم۔

اور باجماع امت عورتیں نبی نہیں ہوتیں۔

کرامت بی بی مریم: بی بی مریم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بالمشافہ ہم کلام ہونا بی بی صاحبہ کی کرامت تھی۔

مسئلہ: کرامات الاولیاء کا حق علم عقائد کا مسلم مسئلہ ہے۔ یا جبرائیل علیہ السلام کا بی بی سے ہمکلام ہونا عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کے لیے ارہاص کے طور پر تھا۔

ف: ارہاص کا اصل مادہ "رہس" (بالکسر) ہے، دیوار کے نچلے حصہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں وہ فعل جو نبوت کے مدعی سے قبل از دعوئ نبوت ظاہر ہو اور وہ معجزہ کے مشابہ ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام پر قبل از اظہار نبوت بھی بادل سایہ کرتے تھے اور آپ سے پتھر اور ڈھیلے کلام کرتے اور ستاروں کے ذریعے شیاطین کو چنگاریاں ماری گئیں اور اصحاب فیل کا واقعہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام ارہاصات کہلاتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ، بے شک تجھے اللہ تعالٰی نے ابتدا میں چن لیا کہ تیری ماں سے قبول حسن سے تجھے قبول کیا اور ماسوا تیرے اور کسی عورت کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے نہیں چنا، اور تجھے زکریا علیہ السلام کی تربیت میں دے دیا اور تجھے بہشت کا طعام عطا فرمایا اور تجھے بہترین کرامات عطا فرمائیں۔ وَطَهَّرَكِ، اور تجھے کفر و معصیت اور افعال ذمیمہ اور عادات قبیحہ اور مردوں کے جماع اور حیض و نفاس سے پاک کیا۔

ف: مفسرین فرماتے ہیں کہ بی بی مریم کو حیض نہیں آتا تھا۔ اور بی بی مریم کو یہودیوں کی تہمت اور بہتان سے بچایا۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بچپن میں بولنے کی طاقت دی۔

وَاصْطَفٰىكِ، اور تجھے برگزیدہ فرمایا اور چن لیا۔ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ تمام عالم کی عورتوں سے یعنے تجھے عیسٰی علیہ السلام بغیر باپ کے عطا فرمایا جو تجھ سے پہلے ایسے کسی عورت کے لیے نہ ہوا۔ اور تم دونوں ماں بیٹے کو عالمین کے لیے اپنی ربوبیت کی دلیل بنایا۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ، اے مریم! تم اپنے رب تعالٰی کی فرمانبردار ہو جاؤ یعنے اللہ کو راضی کرنے کیلئے نماز کا قیام کر اور اسے لمبا کرو۔ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ اور سجدہ و رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

مسئلہ بی بی مریم کو نماز با جماعت ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی نماز کے ارکان یعنے قیام و رکوع اور سجود کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ ارکان کی ادائیگی کے وقت ان کی پوری نگہداشت ہو اور تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان ارکان کا ہر رکن اپنی جگہ پر بہت زیادہ شان کو متقضی اور براہ راست مستقل رکن ہے۔

سوال: اس آیت میں سجدے کو رکوع پر مقدم کیوں کیا گیا ہے۔ حالانکہ نماز میں رکوع کے بعد سجود کیا جاتا ہے؟

جواب (۱) ان کی شریعت میں نماز کی ترتیب یونہی تھی یعنے ان کی شریعت میں سجدہ پہلے اور رکوع بعد کو ہوتا تھا۔

(۲) چونکہ سجود نماز میں اعلٰی درجات کا حامل اور باقی تمام ارکان پر فضیلت رکھتا ہے اور پھر یہ خشوع و خضوع کا انتہائی مقام ہے۔ بنا بریں اسے مقدم کرنا مناسب تھا۔ اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ ترتیب مذکور خارجی ترتیب پر دلالت

کرتی ہے بلکہ ترقی من الادنی الی الاعلی سے بھی ثابت نہیں کہ خارج میں بھی یونہی ہو۔

(۳) چونکہ "الراکعین" کے ساتھ "ارکعی" کو مناسبت تھی اسی لیے سجدہ کو مؤخر کر دیا گیا اور اس میں اشارہ کر دیا گیا کہ وہ نماز نماز نہیں جس میں رکوع نہ ہو۔

ف: بی بی مریم کو جب قیام و رکوع و سجود کا حکم ہوا تو نماز میں کھڑی ہو گئیں یہاں تک کہ ان کے قدم مبارک سوج گئے بلکہ قدموں سے خون اور پیپ بہنے لگی۔

ذٰلِكَ۔ وہ تمام جو مذکور ہوا یعنے بی بی حنہ اور بی بی مریم اور ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور زکریا و یحیےٰ علی نبینا و علیہم السلام کے واقعات۔ **مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ**، غیب کی خبروں سے ہیں۔ ان پر مشاہدہ یا کسی کتاب سے پڑھے بغیر واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہاں! کسی عالم دین سے حاصل کیا جائے یا اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی آئے۔ پہلے تینوں تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ناممکن تھیں لا محالہ چوتھی متعین ہو گئی یعنے یہ قصص وحی ربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ **نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ**، ہم اسے آپ کی طرف وحی کرتے ہیں تاکہ آپ کی نبوت کی تصدیق ہو اور کفار پر حجت قائم ہو جائے جو آپ سے جھگڑتے ہیں۔

حلِ لغات: قرآن مجید میں لفظ "وحی" چند معنوں میں مستعمل ہوا ہے:

(۱) الارسال الی الانبیاء۔
کما قال تعالےٰ:
نوحی الیھم

(۲) الہام۔
چنانچہ فرمایا:
و اوحینا الی ام موسیٰ۔

(۳) القاء (المعنے المراد)۔
چنانچہ فرمایا:
بان ربك اوحی لها۔

(۴) اشارہ کے لیے۔
مثلاً فرمایا:
فاوحی الیھم ان سبحوا بکرۃ و عشیا۔

ان سب میں حقیقی معنے ہے یعنے الاعلام فی الخفاء، چپکے چپکے کوئی بات بتانا۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ، اور آپ ان کے ہاں موجود نہ تھے جنھوں نے بی بی مریم کی تربیت کے متعلق اختلاف کیا تھا۔

یہ توجیہ کے لیے تقریر و تاکید ہے کہ واقعی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واقعات وحی کے ذریعے معلوم کئے اس سے مخالفین نبوت کا منہ کالا کرنا اور ان سے تہکم مقصود ہے کہ جب انھیں معلوم ہے اور کسی قسم کا شک شبہ نہیں کہ آپ نے وہ قصے نہ تو کسی کتاب سے پڑھے اور نہ ہی کسی کی صحبت میں بیٹھ کر یہ واقعات معلوم کیے ہیں۔ جب یہ دونوں باتیں آپ میں نہیں اور ان واقعات کے وقوع سے عرصہ دراز کے بعد آپ کی پیدائش ہوتی تو ان کے دعوے کے تردید فرماتی۔ گویا انھوں نے کہا ہوگا کہ یہ واقعات نبی علیہ السلام کو وحی کے ذریعے حاصل نہیں ہوئے تو پھر ان کی جسمانی موجودگی ثابت کرو اور وہ ان کے لیے عقلاً و نقلاً محال ہے۔

ف: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالٰے نے اپنے حواشی میں لکھا ہے:

"گویا اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اے میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی کے منکرو! اور نبوت کے بارے میں متہم کرنے والو! جب مانتے ہو کہ یہ واقعات میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحیح و سچ بیان فرمائے ہیں۔ اب تم ان کی نبوت کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ ہاں، تمھارے تہمت لگانے کا صرف ایک حربہ باقی رہتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان واقعات کے وقت موجود ہوں گے، تمھارا یہ اتہام بھی مبنی بر سفاہت و حماقت اور پرلے درجے کی بے وقوفی ہے بلکہ تمھاری گمراہی کی کھلی اور واضح دلیل ہے کہ تم اس بات کا انکار ہی انکار کیے جا رہے ہو جو روشن معجزات اور واضح دلائل و براہین سے ثابت ہے اور ایسے احتمال کی طرف جاتے ہو کہ جس کا نہ کوئی سر نہ منہ اور جسے کوئی بھی ذی شعور ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ جو بھی تمھارے نظریہ کو سنے گا تو وہ تمھارے اوپر مذاق اڑائے گا اور تمھاری حماقت و سفاہت ضرب المثل ہو جائے گی بلکہ تم جیسا بے وقوف اور احمق دنیا میں کوئی نہیں ہوگا۔"

اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ، جب وہ قلمیں کہ جن سے تورات لکھتے تھے ڈالتے تھے۔

مسئلہ: ان قلموں کو متبرک سمجھ کر قرعہ اندازی کی۔

اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ، ان میں سے بی بی مریم کی کفالت کون کرے۔ یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر "یلقون اقلامہم" دلالت کرتا ہے یعنے انھیں ڈالتے تاکہ دیکھیں یا قلمیں ڈالتے تاکہ معلوم کریں کہ انھیں سے کون اس کی کفالت کرتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ اور آپ ان کے ہاں موجود نہیں تھے جب وہ جھگڑتے تھے یعنی بی بی مریم کی کفالت کا سب کو قلبی شوق تھا جیسا کہ سابقاً مفصل طور پر مذکور ہوا۔

فضائل بی بی مریم علیہ السلام: آیت میں بی بی مریم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ انھیں تمام عالم دنیا کی عورتوں سے برگزیدہ بنایا اور پھر ان کے شایانِ شان جسمانی تربیت بچپن میں اور روحانی تربیت عمر کے دوسرے حصہ میں ہوئی اور یہ وہ فضیلت ہے کہ ان کی پیدائش سے پہلے کسی دوسری عورت کو نصیب نہ ہوئی۔

حدیث شریف (۱): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عالم دنیا کی تمام عورتوں سے افضل مریم پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ ہے۔ (رضی اللہ عنہن)

حدیث شریف (۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عالم کی تمام عورتوں سے بی بی مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آسیہ امراۃ فرعون، افضل ہیں۔

مسئلہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عالم دنیا کی تمام عورتوں سے یہی بیبیاں افضل ہیں۔

مسئلہ: مردوں میں اہل کمال کا تو کوئی شمار ہی نہیں لیکن عورتوں میں کمال صرف ان چار بیبیوں پر ختم ہے۔

ف: کمال کا مطلب یہ ہے کہ فضائل اور نیکی وتقویٰ اور اچھی عادتیں کسی میں پیدا ہو جائیں اور کسی میں کمال کے پائے جانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ اس کمال کا اہل بھی ہو اور چونکہ عورتیں نبوت کی اہل نہیں اس لیے کہ نبوت کھلم کھلا تبلیغ اور واضح طور پر دعوت دینا ضروری ہوتا ہے اور عورتوں کو پردہ نشینی لازم۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان کے لیے نبوت کا حصول (بمراد ملنا[۱]) کمال نہیں بلکہ ان میں کمال یہ ہے کہ ان میں صدیقیت پائی جائے اور صدیقیت بھی نبوت کے قریب قریب ہوتی ہے۔ اور صدیق وہ ہے جو اپنے جمیع اقوال افعال و احوال میں سچا ہو۔ پس بعض عورتیں کامل اور عارف اور واصل باللہ ہوتی ہے۔ مقامِ ولایت میں وہ مردوں کے ہم پلہ ہوتی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ مرد ہوتی ہیں۔

حکایت: کسی بزرگ سے سوال ہوا کہ دنیا میں ابدال کتنے ہوتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: چالیس نفوس۔ عرض کیا گیا کہ آپ نے چالیس نفوس کی، بجائے چالیس مرد کیوں نہ کہا۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ اس لیے کہ ابدال جیسے مرد ہوتے ہیں ویسے عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اس لیے میں نے چالیس نفوس کہا۔

کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا:

فَلَوْ كَانَ النِّسَاءُ كَمَنْ ذَكَرْنَا ـ لَفُضِّلَتِ النِّسَاءُ عَلَى الرِّجَالِ فَلَا التَّانِيثُ لاسم الشمس عيب ولا التذكير فخر للهلال

ترجمہ: اگر عورتیں ایسی ہوں جیسے ہم نے بیان کیا تو پھر عورتیں مردوں سے افضل ہیں نہ تو تانیث سورج کے لئے عیب ہے اور نہ ہی پہلی رات کے چاند کے لئے۔

---

[۱] کیونکہ نبوت کسبی نہیں بلکہ عطائی ہے۔

ولو کان النساء من ذکرنا

لفضلت النساء علی الرجال

فلا التانیث لاسم الشمس عیب

ولا التذکیر فخر للھلال

ترجمہ : اگر عورتیں ایسی ہوں جیسے ہم نے بیان کیا ہے تو پھر عورتیں مردوں سے افضل ہیں۔ نہ تو تانیث سورج کے لیے عیب ہے نہ ہی تذکیر چاند کے لیے فخر کا موجب۔

حکایت منقول ہے کہ محمد شیخ ابو عبد اللہ الخفیف کی عادت تھی کہ وہ رمضان مبارک کے پچھلے عشرہ کی راتوں کو لیلۃ القدر کے حصول کے لیے بیدار رہتے۔ اور ان کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر مصروف نماز رہتے اور ان کی والدہ ماجدہ[1] گھر کے اندر متوجہ الی اللہ رہتیں۔ ایک رات لیلۃ القدر کے انوار چمکتے نظر آ رہے تھے مائی صاحبہ نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا: اے پیارے بیٹے! نیچے اتریئے، وہ دیکھو! انوار لیلۃ القدر سامنے ہیں جسے تو گھر کی چھت پر طلب کر رہا ہے، وہ مجھے گھر کے اندر نظر آ گئے۔ حضرت ابو عبد اللہ نے نیچے اترتے ہی دیکھا تو انوار بی بی صاحبہ کو محیط ہو چکے تھے۔ انوار کا مشاہدہ کرتے ہی والدہ کے قدموں پر گر گئے اور کہنے لگے کہ اب مجھے اپنی والدہ ماجدہ کی قدر و منزلت معلوم ہوتی ہے ورنہ اس سے قبل میں ان کی شان اقدس سے بے خبر تھا۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ بعض عورتیں مردوں سے قدر و منزلت میں افضل و اعلیٰ ہوتی ہیں۔ اور یہ صرف اس لیے کہ انھیں جناب قدس تک رسائی نصیب ہوتی اور یہ حسن استعداد اور بہترین امداد منجانب اللہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سعادت مند بنائے۔ (آمین) (اور ہم اپنی ہم زماں عورتوں سے پناہ مانگتے ہیں اس لیے کہ ان میں تقویٰ و طہارت کا نام و نشان تک کا ملنا دشوار ہے)۔

حدیث شریف مع شرح : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"صنفان من اھل النار لم ارھما (یعنے دو گروہ ایسے ہیں جو وہ مجھے اب نظر آ رہے ہیں، (اس لیے کہ آپ کا زمانہ اقدس نہایت ہی پاکیزہ تھا اور یہ دو گروہ بعد میں پیدا ہوئے)۔

قوم معھم سیاط، ایک وہ قوم ہے جن کے ہاتھ میں موٹے موٹے ڈنڈے ہیں۔

سیاط سوط کی جمع ہے بمعنے ڈنڈا۔

کاذناب البقر یضربون بھا الناس، وہ ڈنڈے بیلوں کے کانوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں، انھیں ڈنڈوں سے

---

[1] : بڑی عابدہ اور نیک بخت بی بی تھی۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

ان لوگوں کو مارتے ہیں۔

ان سے مراد چور ہیں کہ انھیں ننگا کرکے خوب مارا جائے گا یعنے قیامت میں۔ یا اس سے وہ خوشامدی مراد ہیں جو ظالموں کے دروازوں پر جاتے ہیں لیکن وہ انھیں کتوں کی طرح ڈنڈے مار کر اور گالیاں دے کر اپنے دروازوں سے ہٹا دیتے ہیں۔

ونسآء۔ اور دوسرا گروہ عورتوں کا ہے۔

کاسیات۔ جو وہ کپڑے تو پہنے ہوئے ہوں لیکن ہیں وہ درحقیقت (عاریات) ننگی یعنے تقویٰ و طہارت کے لباس سے ننگی ہوں گی۔

ممیلات۔ اور وہ مردوں کے قلوب کو فساد کی طرف میلان دینے والی ہوں گی۔

مائلات۔ مردوں کی طرف میلان رکھنے والی۔

رؤسھن کاسنمۃ البخت۔ ان کے سر ٹوپیوں کی وجہ سے عجمی اونٹوں کے سروں کی طرح موٹے نظر آئیں گے۔ یہ 'المیل' سے مشتق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کا کوہان زاید گوشت کی وجہ سے اوپر کو ابھرا ہوا ہوتا ہے۔

لا یدخلن الجنۃ ولا تجدن ریحھا وان ریحھا لیوجد من میسرۃ کذا وکذا۔ اور ایسی عورتیں بہشت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی بہشت کی خوشبو سونگھیں گی۔ بہشت کی وہ خوشبو جو اتنی اتنی یعنی چالیس سال کی مسافت دُور دُور سے سونگھی جاتی ہے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ، جب ملائکہ نے کہا۔ یہ بدل ہے" واذ قالت الملٰئکۃ" سابقہ سے اور یہ اسی کے ناصب سے منصوب ہے اور یہاں بھی "الملائکہ" سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں اور بصیغہ جمع لانا ان کی تعظیم کے لیے ہے (جیسے پہلے گزرا ہے)۔ یٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ، اے مریم! بے شک اللہ تعالٰے تمھیں خوشخبری سناتا ہے یعنے راحت و فرحت دیتا ہے۔ بِكَلِمَةٍ، ساتھ کلمہ کے جو ہونے والا ہے مِّنْهُ ؕ اللہ تعالٰے سے۔

سوال: عیسٰی علیہ السلام کو کلمہ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: یہ سبب بول کر مسبب مراد لینے کے قبیل سے ہے اس لیے کہ عیسٰی علیہ السلام کے ظہور اور پیدائش کا سبب وہی کلمہ ہے جو اللہ تعالٰے سے صادر ہوا یعنے کلمہ 'کُن'۔

سوال: اس کلمہ 'کُن' سے تو تمام مخلوق پیدا ہوئی پھر عیسٰی علیہ السلام کی تخصیص کا کیا معنٰی؟

جواب: چونکہ دوسری تمام اشیاء کے اسباب پیدائش مشہور و معروف ہیں اور وہ عیسٰی علیہ السلام میں مفقود ہیں اس لیے مناسب ترین یہی ہے کہ کلمہ کا اسناد صرف انہی کی طرف ہو۔ گویا وہ اس اعتبار سے کلمہ کا عین ہیں۔

اِسْمُهُ یعنے اس مسمّٰی کا نام کلمہ ہے۔

سوال: کلمہ مؤنث ہے اس کے لیے مؤنث کی ضمیر لانا مناسب تھی یعنی اسمہا کہنا تھا نہ کہ اسمہ؟

جواب: چونکہ اس سے حضرت عیسٰے علی نبینا علیہ السلام مراد ہیں اس لیے انہی کی وجہ سے اسمہ کہا گیا۔ اس لحاظ سے یہی مناسب ہے۔

الْمَسِيحُ - یہ لقب ان القاب سے ہے جو عنداللہ بہت بڑی شرافت اور بزرگی کے حامل ہوتے ہیں جیسے صدیق اور فاروق۔

تحقیق مسیح: مسیح دراصل مشیح (بشین معجمہ) بمعنے المبارک تھا۔ **عیسیٰ** یہ المسیح سے بدل ہے۔ یہ الیشوع کا معرب ہے۔

ابْنُ مَرْيَمَ - یہ لفظ عیسیٰ کی صفت ہے۔

سوال: یہ خطابات بی بی مریم کو کیوں ہیں؟

جواب: (۱) اس لیے کہ گویا انھیں یوں کہا گیا ہے اعیسٰی ابنک عیسٰی علیہ السلام تیرے صاحبزادے ہیں اے مریم!

(۲) اس میں تنبیہ ہے کہ عموماً بیٹے آباء کی طرف منسوب ہوتے ہیں لیکن جب اسے بی بی مریم کی طرف منسوب کیا گیا تو قبل از وقت مریم (علیہ السلام) کو بتایا گیا کہ یہ بچہ باپ کے بغیر پیدا ہوگا۔ اسی لیے اس کی نسبت ماں کی طرف ہی کی جائے۔ اس وجہ سے انھیں فضیلت دی گئی اور عالم دنیا کی تمام عورتوں سے برگزیدہ بنایا گیا۔

سوال: اسمہ المسیح عیسٰی ابن مریم کیوں کہا یعنے تین اسماء کو ایک نام سے کیوں کہا گیا ہے۔ اس لیے یہ علیحدہ تین اسماء علیحدہ حیثیات سے ہیں۔ عیسٰی ان کا نام ہے۔ مسیح و ابن ان کا لقب اور صفت ہے؟

جواب: (۱) اسم مسمی کی ایک ایسی علامت ہوتی ہے جو دوسروں سے اسے ممیز کر کے اس کی پہچان کراتا ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ وہ ذات کہ وہ اس سے پہچانی جائے گی اور غیروں سے ممیز کی جائے گی۔ وہ جملہ ان تینوں کا مجموعہ ہے۔

(۲) تفسیر تیسیر میں ہے کہ لقب جب معرفہ ہو کر آئے تو وہ بھی اسم کا حکم رکھتا ہے۔

وَجِيهًا ، ذو وجاہت ہوگا۔ یہ کلمہ سے حال ہے۔

سوال: کلمہ نکرہ ہے اور نکرہ سے حال کیسا؟

جواب: جب نکرہ موصولہ ہو تو ذوالحال نکرہ سے حال بنانا جائز ہوتا ہے۔

الوجیہ بمعنے ذوالجاہ اور جاہ بمعنے قوت، منعت، شرف۔ یہاں پر تینوں معنے مراد ہو سکتے ہیں۔

فِي الدُّنْيَا ، دنیا میں نبوت سے نواز کر اور لوگوں کا امام بنا کر۔ **وَالْآخِرَةِ** ، اور آخرت میں شفاعت دے کر اور بہشت میں بہت بلند مراتب سے نواز کر۔ **وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ** ○ اور مقربین سے کہ انھیں اللہ تعالٰی نے آسمان پر بلایا اور وہاں ملائکہ کی صحبتوں سے نوازا۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ، اور لوگوں سے گہوارے اور بڑھاپے میں کلام کریں گے۔

نبیوں جیسی لوگوں سے کلام کریں گے۔ اس کے بچپن اور بڑھاپے کے کلام میں کسی قسم کا فرق نہیں ہو گا یعنی بچپن میں ان کا کلام انبیاء و حکماء جیسا ہو گا۔

مسئلہ: اس میں شک نہیں کہ یہ بہت بڑا معجزہ ہے۔

حکایت و معجزہ عیسوی امام مجاہد نے فرمایا کہ بی بی مریم علیٰ نبینا علیہا الصلوٰۃ والسلام فرماتی ہیں کہ تنہائی میں میرے ساتھ عیسےٰ علیہ السلام کلام کرتے اور جب وہ مجھ سے کوئی اور انسان بولتا تو پیٹ کے اندر ہی عیسےٰ علیہ السلام تسبیح میں مشغول ہو جاتے جسے میں اپنے کانوں سے سنتی تھی۔

مسئلہ: عیسیٰ علیہ السلام کا لوگوں سے کلام کرنا ان کے حادث ہونے کی دلیل ہے اس لیے کہ کلام کا آواز اور اس کے حروف حدوث کی علامت ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالےٰ نے انھیں بنی اسرائیل کا رسول بنا کر بھیجا اور تیس (۳۰) ماہ تک نبوت کا پیغام پہنچاتے رہے اس کے بعد انھیں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

بعض کے نزدیک ترتیب یوں ہے کہ تیس سال کی عمر میں ان کے پاس وحی آئی اور تیس سال اور چند ماہ نبوت کا پیغام پہنچاتے رہے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف اٹھائے گئے

حل لغات: الکھل تیس سال سے چالیس سال کے زمانہ کو کہا جاتا ہے یعنے ہر وہ شخص جو بڑھاپے کی سرحد تک پہنچ جائے یہ اکھل النبت سے ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کھیتی خشک ہو جانا شروع ہو جائے۔ اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بڑھاپے تک پہنچ گئے تھے۔ اور لوگوں سے کلام کیا۔ اس کے بعد آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑھاپا چالیس سال سے شروع ہوتا ہے تو ان کے نزدیک معنے یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف جوانی میں اٹھا لیے گئے۔ اور ان کے بڑھاپے میں کلام کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ قرب قیامت بعد نزولِ آسمان بڑھاپے میں لوگوں سے ہمکلام ہونگے جب وہ تشریف لائیں گے تو لوگوں سے کلام کریں گے اور دجال کو بھی قتل کر دیں گے۔

وَّمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ○ اور وہ صالحین سے ہیں۔ یہ چاروں 'کلمۃ' سے احوال واقع ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ تمھیں اے مریم! ایسے صاحبزادے کی خوشخبری سناتا ہے جو انہی اوصاف سے موصوف ہوں گے۔

نکتہ: الصالحین کو باقی دوسری صفات سے مؤخر کر کے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان کے نیک بخت (صالح) ہونے سے اونچا اور کوئی مرتبہ نہیں۔ اس لیے کہ انسان کا صالح اور نیک بخت بننا اس وقت ہے جب تمام اوامر و نواہی کا پورے طور پر پابند ہو۔ بلکہ تا دمِ زیست انہی پر مواظبت و مداومت کرے۔

نکتہ: اس سے معلوم ہوا کہ صالحیت دین و دنیا اور آخرت کے تمام مقامات کو شامل ہے اور تمام افعال اس میں آجاتے ہیں

سوال : کلمہ مؤنث ہے اس کے لیے مؤنث کی ضمیر لانا مناسب تھی یعنی اسمہا کہنا تھا نہ کہ اسمہ ؟

جواب : چونکہ اس سے حضرت عیسٰے علی نبینا علیہ السلام مراد ہیں اس لیے انہی کی وجہ سے اسمہ کہا گیا۔ اس لحاظ سے یہی مناسب ہے۔

اَلْمَسِيْحُ - یہ لقب ان القاب سے ہے جو عند اللہ بہت بڑی شرافت اور بزرگی کے حامل ہوتے ہیں جیسے صدیق اور فاروق۔

تحقیق مسیح : مسیح دراصل مشیح (بالشین معجمہ) بمعنے المبارک تھا عیسٰی یہ المسیح سے بدل ہے۔ یہ الیشوع کا معرب ہے۔

اِبْنُ مَرْيَمَ - یہ لفظ عیسٰی کی صفت ہے۔

سوال : یہ خطابات بی بی مریم کو کیوں ہیں ؟

جواب (۱) اس لیے کہ گویا انھیں یوں کہا گیا ہے «عیسٰی ابنک» عیسٰی علیہ السلام تیرے صاحبزادے ہیں اے مریم !۔

(۲) اس میں تنبیہ ہے کہ عموماً بیٹے آباء کی طرف منسوب ہوتے ہیں لیکن جب اسے بی بی مریم کی طرف منسوب کیا گیا تو قبل از وقت مریم (علیہا السلام) کو بتایا گیا کہ یہ بچہ باپ کے بغیر پیدا ہوگا۔ اسی لیے اس کی نسبت ماں کی طرف ہی کی جائے۔ اس وجہ سے انھیں فضیلت دی گئی اور عالم دنیا کی تمام عورتوں سے برگزیدہ بنایا گیا۔

سوال : اسمہ المسیح عیسٰی ابن مریم کیوں کہا یعنے تین اسماء کو ایک نام سے کیوں کہا گیا ہے۔ اس لیے یہ علیحدہ تین اسماء علیحدہ حیثیات سے ہیں۔ عیسٰی ان کا نام ہے۔ مسیح و ابن ان کا لقب اور صفت ہے ؟

جواب (۱) اسم مسمی کی ایک ایسی علامت ہوتی ہے جو دوسروں سے اسے ممیز کرکے اس کی پہچان کراتا ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ وہ ذات کہ وہ اس سے پہچانی جائے گی اور غیروں سے ممیز کی جائے گی۔ وہ جملہ ان تینوں کا مجموعہ ہے۔

(۲) تفسیر تیسیر میں ہے کہ لقب جب معرفہ ہو کر آئے تو وہ بھی اسم کا حکم رکھتا ہے۔

وَجِيْهًا ، ذو وجاہت ہوگا۔ یہ کلمہ سے حال ہے۔

سوال : کلمہ نکرہ ہے اور نکرہ سے حال کیسا ؟

جواب : جب نکرہ موصولہ ہو تو ذوالحال نکرہ سے حال بنانا جائز ہوتا ہے۔

الوجیہ بمعنے ذوالجاہ اور جاہ بمعنے قوت ، منعت ، شرف۔ یہاں پر تینوں معنے مراد ہو سکتے ہیں۔

فِي الدُّنْيَا ، دنیا میں نبوت سے نواز کر اور لوگوں کا امام بنا کر۔ **وَالْاٰخِرَةِ** ، اور آخرت میں شفاعت دے کر اور بہشت میں بہت بلند مراتب سے نواز کر۔ **وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝** اور مقربین سے کہ انھیں اللہ تعالٰے نے آسمان پر بلایا اور وہاں ملائکہ کی صحبتوں سے نوازا۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ، اور لوگوں سے گہوارے اور بڑھاپے میں کلام کریں گے۔

نبیوں جیسی لوگوں سے کلام کریں گے ۔ اس کے بچپن اور بڑھاپے کے کلام میں کسی قسم کا فرق نہیں ہوگا یعنی بچپن میں ان کا کلام انبیاء و حکماء جیسا ہوگا۔

مسئلہ : اس میں شک نہیں کہ یہ بہت بڑا معجزہ ہے۔

حکایت و معجزہ عیسوی امام مجاہد نے فرمایا کہ بی بی مریم علیٰ نبینا علیہا الصلوٰۃ والسلام فرماتی ہیں کہ تنہائی میں میرے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کلام کرتے اور جب وہ مجھ سے کوئی اور انسان بولتا تو پیٹ کے اندر ہی عیسیٰ علیہ السلام تسبیح میں مشغول ہو جاتے جسے میں اپنے کانوں سے سنتی تھی۔

مسئلہ : عیسیٰ علیہ السلام کا لوگوں سے کلام کرنا ان کے حادث ہونے کی دلیل ہے اس لیے کہ کلام کا آواز اور اس کے حروف حدوث کی علامت ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصّہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بنی اسرائیل کا رسول بنا کر بھیجا اور تیس (۳۰) ماہ تک نبوت کا پیغام پہنچاتے رہے اس کے بعد انہیں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

بعض کے نزدیک ترتیب یوں ہے کہ تیس سال کی عمر میں ان کے پاس وحی آئی اور تیس سال اور چند ماہ نبوت کا پیغام پہنچاتے رہے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف اٹھائے گئے

حل لغات : الکھل تیس سال سے چالیس سال کے زمانہ کو کہا جاتا ہے یعنے ہر وہ شخص جو بڑھاپے کی سرحد تک پہنچ جائے یہ اکھل النبت سے ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کھیتی خشک ہو جانا شروع ہو جائے ۔ اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بڑھاپے تک پہنچ گئے تھے ۔ اور لوگوں سے کلام کیا۔ اس کے بعد آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے ۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑھاپا چالیس سال سے شروع ہوتا ہے تو ان کے نزدیک معنےٰ یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف جوانی میں اٹھا لیے گئے۔ اور ان کے بڑھاپے میں کلام کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ قرب قیامت بعد نزول آسمان بڑھاپے میں لوگوں سے ہمکلام ہونگے جب وہ تشریف لائیں گے تو لوگوں سے کلام کریں گے اور دجال کو بھی قتل کر دیں گے ۔

وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور وہ صالحین سے ہیں۔ یہ چاروں کلمۃ سے احوال واقع ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اے مریم! ایسے صاحبزادے کی خوشخبری سناتا ہے جو انہی اوصاف سے موصوف ہوں گے۔

نکتہ : الصالحین کو باقی دوسری صفات سے مؤخر کر کے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان کے نیک بخت (صالح) ہونے سے اونچا اور کوئی مرتبہ نہیں۔ اس لیے کہ انسان کا صالح اور نیک بخت بننا اس وقت ہے جب تمام اوامر و نواہی کا پورے طور پر پابند ہو۔ بلکہ تا دمِ زیست انہی پر مواظبت و مداومت کرے۔

نکتہ : اس سے معلوم ہوا کہ صالحیت دین و دنیا اور آخرت کے تمام مقامات کو شامل ہے اور تمام افعال اس میں آجاتے ہیں

خواہ وہ افعال قلب سے متعلق ہوں یا افعال جوارح سے۔

قَالَتْ، بی بی مریم نے اللہ تعالٰی سے عجز و نیاز سے عرض کیا۔ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ، اے میرے رب! یہ کیسے ہو سکتا ہے یا کس سے ہو سکتا ہے۔ لِيْ وَلَدٌ مجھے بچہ۔

سوال: بی بی مریم نے انکار کیوں کیا جب کہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالٰی قادر ہے؟

جواب (۱) عام طور کی عادت کے خلاف دیکھ کر استفسار عرض کیا۔

(۲) اللہ تعالٰی کی بہت بڑی قدرت کو سن کر اس کی عظمت کے اظہار کے لیے بطور تعجب کہا اس لیے کہ بشریت کو فطرتاً تعجب لاحق ہوتا ہے جب کوئی شے عادت کے خلاف دیکھے یا سنے۔ اور یہ واضح بات ہے کہ بی بی نے پہلی بار سنا کہ بچہ باپ کے بغیر پیدا ہوگا۔

وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ط حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔

نکتہ: آدمی کے بجائے بشر اس لیے کہا کہ بشریت ظاہری وجود کو مستلزم ہے۔

ف: آدمی کا ہاتھ نہ لگانا جماع سے کنایہ ہے یعنے اے رب تعالٰی میں اب ایسے حال میں ہوں جو بچہ جننے کے منافی ہے۔

قَالَ، فرمایا اللہ عزوجل نے یا جبرائیل علیہ السلام نے۔ كَذٰلِكِ۔ یخلق کے مصدر کی طرف اشارہ ہے جو آیت اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط میں ہے، یعنے اللہ تعالٰی جب چاہتا ہے کہ وہ عجیب و غریب مخلوق پیدا کرے تو ویسے ہی پیدا کرتا ہے مثلاً بچے کو باپ کے بغیر پیدا کرنا یہ بھی اس کی مشیت میں داخل ہے۔ کذلك کا کاف محلاً منصوب ہے اور یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا، جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے۔ دراصل قضاء احکام کو کہا جاتا ہے لیکن اب اس ارادۂ الٰہیہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو اس شے کے وجود سے متعلق ہو کہ جس کا پیدا کرنا لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہو۔ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ تو وہ اسے فرماتا ہے، ہو جا! تو وہ ہو ہی جاتا ہے۔ یعنے اس کی پیدائش میں کسی قسم کی تاخیر بھی نہیں ہوتی۔

خلاصہ تفسیر یہ اس کے کمال قدرت کی تمثیل ہے اور بتایا گیا ہے کہ جمیع مقدورات اس کے لیے آسان سے آسان تر ہیں جیسے اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی ہو جاتا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ اسے اشیا تے تو پیدا کرنے میں کوئی دیر بھی نہیں لگتی جیسے سب کو معلوم ہے کہ مطیع مامور آمر قوی کی کیسے اطاعت کرتا ہے۔ ایسے ہی جمیع مقدرات کا حال ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے وہ اشیاء کو مواد و اسباب کے ذریعے پیدا کرتا ہے ایسے ہی وہ قادر ہے کہ مواد و اسباب کے بغیر یکبارگی اشیاء کو پیدا کر سکتا ہے۔

واقعہ بی بی مریم: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت بی بی مریم بیت المقدس میں ایک علیحدہ

حجرے میں رہتی تھیں اور آپ کے دروازے کے سامنے ہمیشہ پردہ لٹکا رہتا تھا۔ اچانک دیکھا کہ آپ کے حجرہ کے اندر نوجوان آگیا۔ جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، جو مکمل طور پر بشری صورت میں متمثل ہو کر تشریف لائے۔ جب بی بی مریم نے انھیں دیکھا تو کہا: میری پناہ کہ اگر تو پرہیزگار ہے (تو مجھ سے دور ہو جا)۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آتے ہی بی بی کے گریبان میں پھونک مار دی، یہاں تک کہ اس پھونک کا اثر بی بی صاحبہ کے رحم تک پہنچا۔ اس کے بعد بی بی نے اوڑھنی اوڑھ لی اور حجرے کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں۔

بی بی مریم کے فہم و ذکار کی حکایت

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ بی بی کا ایک ذی قرابت یوسف نجار نامی حجرے میں رہتا تھا۔ وہ بی بی کے حمل ٹھہرنے پر بدگمان ہو گیا۔ بی بی کو متہم کرنے پر اسے کوئی چارہ نظر نہ آتا۔ جب بھی تدبیر سوچتا تو بی بی کا تقویٰ و طہارت حائل ہو جاتا۔ اور بی بی کی برأت بھی اس کے لیے بارگراں تھی۔ جب بی بی کو حاملہ محسوس کیا۔ ایک دن بی بی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرے دل میں ایک بات کھٹکتی ہے۔ میں نے ہرچند کوشش کی ہے کہ اسے چھپاؤں لیکن وہ کسی طریق سے چھپ نہیں سکتی لیکن وہ بتانے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ سناؤ تو سہی۔ اس نے کہا: بتائیے! کیا بیج کے بغیر کوئی کھیتی اگ سکتی ہے؟ بی بی صاحبہ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے پھر سوال کیا کہ کوئی بچہ بھی بغیر باپ کے پیدا ہو سکتا ہے؟ بی بی صاحبہ نے فرمایا: ہاں۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بی بی صاحبہ نے فرمایا: اے یوسف! تجھے معلوم نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کھیتی کو ابتداً پیدا فرمایا تھا تو کون سا بیج تھا۔ بلکہ یہی بیج اس کھیتی سے بنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اُگایا اسی طرح حضرت آدم اور بی بی حوا علیہما کو بھی ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔ وہ قادر مطلق ہے۔ یوسف نجار بی بی صاحبہ کی یہ جامع تقریر سن کر سمجھ گیا کہ بی بی کو جو حمل ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کے پیٹ کے اندر تورات کا حافظ ہو جانا

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام ماں کے پیٹ میں ہی تورات کے حافظ ہو گئے تھے اور ماں کے پیٹ کے اندر اس کی تلاوت کرتے اور بی بی مریم علیہ السلام اپنے کانوں سے سنتی تھیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شب و روز

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم شہود میں تشریف لائے تو انھیں اللہ تعالیٰ نے زہد و تقویٰ کی توفیق عنایت فرمائی۔ ان کا لباس بالوں سے بنا ہوا تھا یعنے صوفیانہ لباس۔ اور ان کا سرہانہ پتھر ہوتا تھا یعنے سوتے وقت اینٹ سرہانہ ہوتی، اور رات کو روشنی کی ضرورت ہوتی تو صرف چاند ستاروں کی روشنی سے کام چلاتے اور لکڑی کے پیالے میں پانی پیتے اور اس سے ہی وضو فرماتے۔

حکایت ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بجائے پیالے کے پانی ہاتھ کے چلو میں پی رہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دل میں اپنے آپ سے کہا کہ یہ شخص مجھ سے زہد میں بڑھا ہوا ہے۔ آپ نے پیالہ زمین پر دے مارا اور اسے توڑ کر چل دیئے۔

حکایت ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بڑھیا کے خیمے کے سایہ کے نیچے بیٹھے تھے اور گرمی بڑی سخت تھی، بڑھیا آئی اور آپ کو خیمہ سے اٹھا دیا۔ آپ اٹھتے ہی ہنسنے لگے اور فرمایا: اے بڑھیا! تو نے مجھے یہاں سے نہیں اٹھایا بلکہ مجھے اس نے اٹھایا جس نے میرے لیے نعمت دنیویہ سے کچھ نہیں لکھا تھا۔

ف: جب آسمان پر اٹھائے گئے تو آپ کے گھر سے صرف ایک سوئی ملی کہ جس سے وہ اپنے پھٹے پرانے کپڑے سیتے تھے۔ اس کے بعد بتقاضائے حکمتِ الٰہی آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے۔

سبق: اس میں سالک کو سبق ہے کہ ماسوی اللہ سے انقطاع اختیار کرے اور دنیا کے تمام تعلقات سے آزاد ہو جائے اس سے اسے ملأ الاعلیٰ کی سیر نصیب ہوگی اور "قاب قوسین او ادنیٰ" کے مرتبہ پر فائز ہوگا۔

حکایت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ الٰہ العالمین مجھے اپنے کسی دوست کی ملاقات نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلاں پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ اس کے فلاں گوشہ کی فلاں غار میں جائیے۔ وہاں میرے ایک دوست کی ملاقات ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی لیکن وہاں پہنچے تو ایک مردہ انسان دیکھا۔ جس کے سرہانے ایک کچی اینٹ اور عورات غلیظہ پر ایک پھٹا پرانا کپڑا تھا اور خالی ہاتھ تھا یعنی اس کے ہاں دراہم و دنانیر وغیرہ کوئی شے نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: الٰہ العالمین! میں نے عرض کی تھی کہ مجھے اپنے کسی دوست کی ملاقات کا شرف بخشئے۔ یہاں تو اس مردہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی تو میرا دوست ہے۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں اسے جب بہشت میں داخل کروں گا تو صرف اس سے اینٹ اور پھٹے کپڑے کا حساب لوں گا لیکن پوچھوں گا کہ یہ دونوں تو نے کہاں سے حاصل کیں۔

سبق: اولیاء اللہ کو فقر اور ترکِ دنیا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنے پر اسی لیے فخر ہوتا ہے۔

ے

صبر باشد مشتہائے زیرکاں
ہست حلوہ آرزوئے کودکاں
ہر کہ صبر آورد گردوں بر رود
ہر کہ حلوہ خورد واپس تر رود۔

ترجمہ: صبر داناؤں کا کام ہے اور بچوں کو میٹھی شے کی آرزو ہوتی ہے جو صبر کرتا ہے اس کا آشیانہ عرش پر ہوگا اور جو حلوہ کھاتا ہے تو اس کا درجہ گھٹتا ہے۔

سبق قوتِ روحانیہ کے ذریعہ انسان ترقی کرتا ہوا ملائکہ کی طرح ہو جاتا ہے اور یہ مرتبہ خواہشات نفسانیہ کے ترک کرنے پر حاصل ہوتا ہے اس کی دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دنیوی تعلقات کے انقطاع بلکہ دارین سے روگردانی کی التجا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور اللہ تعالیٰ انھیں کتاب بذریعہ الہام و وحی کتابت اور قلم سے لکھنا سکھائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں فن کتابت میں یکتا تھے۔ وَالْحِكْمَةَ۔ اس سے علوم عقلیہ و شرعیہ اور تہذیب الاخلاق مراد ہیں۔ اس لیے کہ انسان کا کمال اسی میں ہے کہ وہ حق کو ذاتی طور پر پہچانے اور خود بخود خیر کو سمجھے۔ ان دونوں پر عمل کرنے کی وجہ۔ اور علم و عمل ہر دونوں کو حکمت کہتے ہیں۔ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ اور تورات و انجیل کا حکم دے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو یہ دونوں کتابیں زبانی یاد تھیں۔ اور یہ خوشخبری قبل از وقت دی گئی تاکہ بی بی مریم کا دل خوش ہو جائے اور اس غم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ یہ بچہ جب پیدا ہوگا تو لوگ مجھے تہمت دیں گے کہ بچہ باپ کے بغیر کیسے پیدا ہوا۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اور انھیں بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا اور وہ ان سے بچپن میں کلام کریں گے۔

ف: بعض یہودیوں کا خیال تھا کہ وہ مخصوص قوم کے نبی ہیں۔

ف: بنی اسرائیل کے وہ آخری نبی تھے۔ جیسے سب سے پہلے یوسف علیہ السلام تھے۔

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ۔ یہ "رسولاً" کا معمول ہے۔ اس لیے کہ یہ نطق کے معنے کو متضمن ہے یعنے وہ رسول بن کر تشریف لائیں گے اور فرمائیں گے کہ میں تمھارے پاس آیا ہوں۔ بِاٰيَةٍ، بہت بڑی آیت۔ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمھارے رب کی طرف سے۔ اور اس آیت سے خلق طیر وغیرہ مراد ہے۔

اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ۔ یہ انی قد جئتکم..... الخ سے بدل ہے یعنے میں تمھارے لیے مقدر کروں گا اور شکل و صورت بناؤں گا۔ اس لیے کہ بندہ خالق نہیں ہوتا یعنے اسے تکوین و تخلیق اور ابداع کی قدرت نہیں ہوتی اس لیے خلق کا معنیٰ تسویۃ و تقدیر ضروری ہے۔ لکم تمھارے لیے۔ یہ لام تحصیلیہ ہے یعنے تاکہ تمھیں ان معجزات سے دولتِ ایمان نصیب ہو اور نبوت کی تکذیب سے بچ جاؤ۔

مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ، مٹی سے پرندے کی شکل و صورت میں۔ فَاَنْفُخُ فِيْهِ۔ پس میں پھونکوں گا اس میں۔ یہ ضمیر اس کاف کی طرف لوٹتی ہے جو کھیئۃ الطیر میں ہے یعنے وہ شے جو پرندوں کے

مماثل ہوتی تھی۔

فَيَكُوْنُ طَيْرًا ، تو وہ دوسرے پرندوں کی طرح زندہ پرندہ ہو جائے گا۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اس میں اشارہ ہے کہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ سے ہوا نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام سے۔ اس لیے کہ موت و حیات کو اس نے پیدا کیا ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پرندے میں پھونک مارتے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان پرندوں کے جسموں میں حیات پیدا فرما دیتا تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا ظہور ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات ظاہر کئے تو لوگوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ چمگادڑ کی صورت تیار کر کے اس کے اندر روح پھونک دیں تو ہم مانیں۔ آپ نے مٹی لے کر چمگادڑ کی صورت بنائی پھر اس کے اندر پھونک ماری تو وہ زمین و آسمان کے درمیان میں اڑنے لگا۔

ف : حضرت وہب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک لوگ اسے دیکھتے رہتے تو وہ اڑتا رہتا جب لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتا تو مر کر زمین پر گر جاتا تاکہ فعل اللہ و فعل الخلق کے مابین فرق ہو۔

چمگادڑ کے متعلق عجائبات : چمگادڑ کا اس لیے مطالبہ کیا گیا کہ وہ تمام جانوروں میں عجیب الخلقت ہے کیونکہ وہ صرف گوشت اور خون کا مجموعہ ہے اس میں ہڈیاں نہیں ہوتیں علاوہ ازیں اڑتا ہے لیکن اس کے پر و بال نہیں ہوتے۔ باوجودیکہ وہ پرندوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ بچے جنتا ہے، دوسرے پرندوں کی طرح انڈے نہیں دیتا۔ اس کے پستان بھی ہوتے ہیں جن سے دودھ نکلتا ہے۔ سورج کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے نہ ہی سخت اندھیری رات میں۔ صرف دو وقت دیکھتا ہے۔ سورج کے غروب کے بعد اور صبح صادق کے بعد جب تک کہ اس کی پوری روشنی نہیں پھیلتی۔ جب پورے طور پر روشنی پھیلنے لگ جاتی ہے تو پھر وہ آنکھیں بند کر دیتا ہے۔ اور وہ انسانوں کی طرح ہنستا ہے۔ اس کے دانت بھی ہوتے ہیں اور اس کی مادہ کو عورتوں کی طرح حیض بھی آتا ہے۔

ف : جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک نے شہادت دی ہے کہ وہ بی بی مریم کے گریبان میں جبریل علیہ السلام کی پھونک سے پیدا ہوں گے چونکہ جبریل علیہ السلام محض روح اور روحانی ہیں اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جھاڑ پھونک حیات اور روح کا سبب تھی۔

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ ، اور میں شفا دیتا ہوں اور تندرست کرتا ہوں نابیناؤں کو۔ الاکمہ ، پیدائشی نابینا۔

اعجوبہ : علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ اس امت میں کوئی ایک بھی مادرزاد نابینا پیدا نہیں ہوا سوائے قتادہ بن دعامہ سدوسی صاحب تفسیر کے۔

وَالْاَبْرَصَ ، اور برص والوں کو۔ الابرص وہ شخص ہے جس کے جسم میں سفید داغ پھیلتے پھیلتے تمام جسم کو گھیر لیں جب

وہ جسم میں گھر کر لیتے ہیں تو وہ لاعلاج ہو جاتا ہے۔ کوشش بسیار کے باوجود جسم سے وہ داغ دفع نہیں ہوتے۔ اہل عرب کو اس سے سخت نفرت تھی۔

نکتہ: بنی اسرائیل نے صرف ان دو بیماریوں کو اس لیے مخصوص کیا کہ اس وقت یہ ایسی گندی بیماریاں تھیں کہ ان کے علاج سے اطباء اور ڈاکٹر عاجز آچکے تھے باوجودیکہ اس زمانہ میں مایۂ ناز حاذق طبیب موجود تھے۔

حکایت جالینوس جب عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا اظہار فرما کر بیماروں کو شفا دینے کا دعوے کیا تو لوگوں نے اطباء اور ڈاکٹروں سے مشورہ لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے کونسے بیمار پیش کیے جائیں۔ جالینوس[1] اور اس کے شاگردوں نے کہا کہ جو بچہ پیدائشی نابینا ہو یا جسے برص کی بیماری ہو انھیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس لے جائیے اس لیے کہ یہ دونوں بیماریاں لاعلاج ہیں۔

چنانچہ جالینوس کے مشورہ پر بنی اسرائیل ایک مادرزاد نابینا اور دوسرا برص والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے دعا مانگ کر دونوں پر ہاتھ پھیرا تو نابینا بینا اور برص والا تندرست ہو گیا۔

یہ معجزہ دیکھتے ہی بعض لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو مان لیا اور بعض منکر رہے۔ بلکہ کہتے کہ یہ تو عیسیٰ علیہ السلام نے جادو کیا ہے۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک دن میں پچاس ہزار بیماروں کو شفایاب فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا طریقہ تھا کہ جو آپ تک پہنچنے کی طاقت نہ رکھتا تھا تو خود بیمار کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کا علاج دعا سے صرف اس شرط پر کرتے کہ وہ ان کا دین قبول کر لے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیگر دعویٰ کیا: وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ اور میں اللہ تعالےٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

حکایت جالینوس بنی اسرائیل نے یہ دعویٰ سن کر جالینوس سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ جالینوس نے کہا کہ مردہ علاج سے زندہ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ مردوں کو زندہ کر دکھائیں تو یقین کر لو کہ وہ نبی برحق ہیں طبیب یا ڈاکٹر نہیں۔ جالینوس سے مشورہ لے کر بنی اسرائیل عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہمیں مردے زندہ کر کے دکھائیے۔ آپ نے پہلے چار مردے زندہ کیے۔

---

[1]: ایک مشہور و معروف حکیم

معجزاتِ عیسیٰ علیہ السلام

معجزہ نمبر (۱) : (در بارہ احیا الموتیٰ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عازر نامی شخص کو زندہ کیا جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوست تھے۔ جب وہ قریب الموت تھا تو عازر کی بہن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کا بھائی عازر فوت ہو رہا ہے۔ آپ جلد تشریف لائیے۔ عازر کا گھر وہاں سے تین دن کے سفر پر تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے معتقدین سمیت جب عازر کے گھر پہنچے تو عازر فوت ہو چکا تھا اور اسے مرے ہوئے تین دن بھی گزر چکے تھے۔ آپ نے پہنچتے ہی عازر کی بہن کو کہا کہ مجھے عازر کی قبر دکھائیے۔ جب آپ عازر کی قبر پر پہنچے تو دیکھا کہ اس کی قبر پر ایک بہت بوجھل پتھر رکھا ہوا ہے۔ آپ نے قبر پر کھڑے ہو یوں دعا کی :

"اے ساتوں آسمانوں اور زمینوں کے رب تو نے ہی مجھے حکم فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کو دین کی دعوت دے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں انھیں کہوں کہ میں مُردوں کو زندہ کر سکتا ہوں۔ میں نے انھیں دین کی دعوت دی ہے اور مُردوں کو زندہ کرنے کا دعوٰے بھی کیا ہے۔ اب کرم فرمائیے۔ عازر کو زندہ کیجئے "

آپ کی دعا کی برکت سے عازر قبر سے اٹھ کھڑا ہوا اور پانی کے قطرات اس کے جسم سے ٹپک رہے تھے پھر ایک عرصہ تک زندہ رہا۔ اس نے شادی بھی کی اور اس کے بچے بھی ہوئے۔

معجزہ نمبر (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بڑھیا کے بیٹے کو بھی زندہ فرمایا جب کہ اسے دفن کرنے کے لیے لوگ چارپائی پر رکھ کر کاندھے دے کر گورستان کی طرف لے جا رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے زندہ ہونے کی دعا کی تو وہ وہیں پر زندہ ہو کر اس چارپائی سے اٹھ بیٹھا اور اٹھتے ہی لوگوں کی گردنوں سے چھلانگ لگا کر چارپائی سے نیچے آگیا۔ اور زندوں جیسے کپڑے پہنے اور اپنی چارپائی خود اپنے سر پر اٹھائی اور گھر واپس لوٹا۔ پھر اس کی شادی ہوئی اور اس کے بچے بھی پیدا ہوئے۔

معجزہ نمبر (۳) ایک دلال کی لڑکی کو بھی زندہ کیا۔ وہ دلالی کا کاروبار کرتا تھا۔ اس کی لڑکی فوت ہوگئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ یہ لڑکی کل فوت ہوگئی ہے آپ اسے زندہ کر دیجئے۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی تو وہ زندہ ہوگئی۔ اس کے بعد اس کی شادی ہوئی اور اس کے بچے ہوئے۔

معجزہ نمبر (۴) جب لوگوں نے یہ تینوں معجزے دیکھے تو کہنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف ان مُردوں کو زندہ کرتے ہیں جنھیں مرے ہوئے قلیل مدت گزری ہے ممکن ہے کہ وہ سکتہ سے مرے ہوں اور سکتہ والا چند ساعات کے بعد خود ہی زندہ ہو جاتا ہے۔ فلہٰذا اب ہمارا سوال یہ ہے کہ ہمیں سام بن نوح علیہ السلام کو زندہ کر کے دکھائیں۔ آپ نے فرمایا : مجھے اس کی قبر دکھاؤ ؛ چنانچہ بہت بڑا لشکر چل پڑا۔ آپ جب سام بن نوح علیہ السلام کی قبر

پر پہنچے تو آپ نے اسمِ اعظم کے وسیلہ سے اللہ تعالٰی سے دعا مانگی تو سام بن نوح علیہ السلام قبر سے نکلے۔ اس وقت ان کے بال سفید تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تیرے بال سفید کیوں؟ جب کہ تمھارا زمانہ بڑھاپے کو نہیں پہنچا تھا۔ سام بن نوح نے عرض کی، اے حضرت روح اللہ علیہ السلام! جب آپ نے مجھے بلایا تو مجھے قبر میں آواز پہنچی کہ عیسٰی علیہ السلام تجھے بلا رہے ہیں، فوراً حاضری دیجئے۔ مجھے اس وقت یوں محسوس ہوتا تھا کہ قیامت آگئی ہے۔ اس کے ڈر اور خطرہ سے میرے بال سفید ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام نے سام بن نوح سے پوچھا، بتایئے! سکرات الموت کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ عرض کی: کیا پوچھتے ہو۔ اس وقت مجھے تمام غم بھول گئے ہیں لیکن سکرات کی سختی ابھی تک میرے حلقوم میں گھوم رہی ہے۔

تنبیہ: عزیزیئے! جب حضرت عیسٰی علیہ السلام نے سام بن نوح علیہ السلام کو زندہ فرمایا تو اس وقت اسے فوت ہوئے چار ہزار سال گزر چکے تھے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قوم سے سام بن نوح علیہ السلام مخاطب ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! عیسی علیہ السلام کی تصدیق کرلو، یہ واقعی سچے اور برحق نبی ہیں۔

یہ معجزہ دیکھ کر ان میں سے بعض لوگ مسلمان ہوگئے اور بعض کافر رہے۔ اس کے بعد عیسٰی علیہ السلام نے سام بن نوح سے فرمایا: اب مرجاؤ۔ اس نے عرض کی: میں تب مرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالٰی سے دعا کیجئے کہ مجھے دوبارہ سکرات کی سختی سے اماں نصیب ہو۔ تو ایسے ہی ہوا۔

ربط: اس کے بعد بنی اسرائیل نے آپ سے آپ کی نبوت کی دلیل کے لیے اور معجزہ مانگا تو آپ نے فرمایا:

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ ۔ اور میں تمھیں تمھارے مختلف طعاموں کی خبر دوں گا۔ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ اور اس کی بھی خبر دوں گا جو تم کل کے لیے جمع رکھتے ہو۔ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ط اپنے گھروں میں۔

چنانچہ عیسٰی علیہ السلام انھیں اس طعام کی خبر دیتے جو انھوں نے کل کھایا یا آئندہ کھائیں گے۔ اور بچوں کو مدرسہ میں خبر دیتے: تمھارے گھر یہ ہو رہا ہے اور گھر میں کیا اور کہاں چھپا رکھا ہے۔ جب بچے واپس گھر لوٹتے تو وہ اپنی منہ مانگی چیز لیتے اور اگر نہ ملتی تو روتے اور خود بتاتے کہ فلاں شے فلاں جگہ رکھی ہے اور فلاں شے فلاں جگہ۔ اس پر گھر والے بچوں کو منہ مانگی چیز دینے کے لیے مجبور ہو جاتے اور بچوں کو کہتے کہ اس جادوگر کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ایک عجیب و غریب معجزہ

جب بچے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پاس جانے سے روکے گئے اور وہ نہ رُکے تو ان لوگوں نے ان سب بچوں کو جمع کرکے ایک مکان میں بند کر دیا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا کہ تمھارے بچے کہاں گئے؟ کہا: نامعلوم، کہاں گئے۔ آپ کو تو سب کچھ معلوم تھا۔ ایک مکان کی طرف اشارہ کرکے (جس میں بچے بند کر دیئے

گئے تھے)، پوچھا، اس میں کون ہیں؟ کہا، اس میں خنزیر ہیں، آپ نے فرمایا اچھا ایسے ہی ہوں گے۔ مکان کا دروازہ کھول کر دیکھا گیا تو وہ تمام کے تمام خنزیر ہی تھے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ، یہ خوارق عادات اور بڑے بڑے معجزات جو مذکور ہوئے۔ لَاٰیَةً، بہت بڑی دلیل ہیں۔ لَّكُمْ تمہارے لیے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) یہ میری رسالت کی بہت بڑی اور واضح دلیلیں ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم ایمان رکھتے ہو یعنی ان سے نفع پاتے۔

وَ مُصَدِّقًا یعنی تمہارے پاس دلائل لے کر اور تصدیق کرنے والا ہو کر آیا ہوں۔ لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ، جو مجھ سے پہلے گزرے۔ مِنَ التَّوْرٰىةِ، تورات سے یعنی وہ مجھ سے پہلے ہوا وہ بھی میرے موافق تھا۔ وَ اور تمہارے پاس آیا ہوں۔ لِاُحِلَّ لَكُمْ، تاکہ تمہارے لیے حلال کروں یعنی رخصت دوں۔ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ بعض اس کا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حرام کیا گیا تھا مثلاً مچھلی اور اونٹوں کا گوشت اور موٹی اور نرم چربی۔

عربی میں ثروب ثرب کی جمع ہے۔ اس نرم چربی کو کہتے ہیں جو آنتوں سے متصل ہے۔ اسی طرح ان پر بعض جانوروں کا گوشت بھی حرام تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے مچھلی اور وہ پرندے حلال کئے جن میں کانٹے نہیں ہوتے۔ دراصل اصطبہ جولاہے کے اس کانٹے کو کہا جاتا ہے جس سے وہ کپڑا بننے میں مدد لیتا ہے۔

وَ جِئْتُكُمْ، اور میں تمہارے لیے لایا ہوں۔ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ، دلیل تمہارے رب کی طرف سے یعنی ایسا واضح برہان جو میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ رسالت کے دلائل کو قبول نہ کرنے اور اس کے مدلول سے مخالفت کرنے پر اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ وَ اَطِیْعُوْنِ ۞ اس کے ان امور میں جن کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور جن برائیوں سے میں روکتا ہوں۔ ان میں میری اطاعت کرو اور وہ دلیل یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ، بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے صرف اس کی عبادت کرو۔ شرک کر کے اس کی نافرمانی نہ کرو۔ هٰذَا، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔ صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۞ سیدھا راستہ ہے ایسا سیدھا راہ کہ چلنے والے کو بہشت میں پہنچا دے۔ اس سے مراد وہ حق صریح ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور یہ رسول (عیسیٰ علیہ السلام) بھی منجملہ انھیں سے ہیں تو یہ بھی انہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی واضح برہان ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

ان اللہ ربی و ربکم، اس میں قوتِ نظریہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے جو عقائد حقہ سے مستحکم ہوتی ہے اور عقائد حقہ کا خلاصہ توحید ہے اور "فاعبدوہ" میں اس قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔ جو طاعت کے التزام سے حاصل ہوتی ہے اور اطاعت اوامر پر عمل کرنے اور نواہی (برائیوں) سے بچنے کو کہتے ہیں پھر بتایا گیا ہے کہ ایک اور طریقہ بھی ہے جو ان دونوں کا جامع ہے یعنی استقامت۔ اللہ تعالیٰ نے حضور

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا:

"قل اٰمنت باللّٰہ ثم استقم" (کہہ میں اللہ پر ایمان لایا اور ثابت قدم رہ) - اس سے معلوم ہوا کہ علم وعمل استقامت کے مبادی ہیں۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ وہ حجت قویہ کا دامن مضبوط پکڑے۔

روحانی نسخے: سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ سے پوچھا گیا کہ انقطاع ماسوی اللہ کا کوئی نسخہ بتایئے، تو آپ نے فرمایا:

(۱) گناہوں سے توبہ بار بار گناہ کرنے کی عادت سے بچاتی ہے۔

(۲) خوفِ خدا افسوس کے ہاتھ ملنے سے بچاتا ہے۔

(۳) رجا بر رحمتِ خدا نیک عمل کرنے پر ابھارتی اور مختلف اوقات میں ذکر الٰہی کی توفیق بخشی ہے۔

(۴) نفس کو ذلیل رکھنے میں موت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور آرزوئیں کم ہو جاتی ہیں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اس طریقہ کو اپنانے کا کوئی دوسرا نسخہ بتایئے۔ آپ نے فرمایا: قلب کو غیروں کے دھیان سے بچا کر صرف ایک ذات کے قیام کے لیے فارغ کر لو۔

ف: سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا: بہشت ہر اس شخص کو نصیب ہو جاتی ہے جو اس کے لیے کوشش کرتا ہے۔

الاستقامة خیر من الکرامة استقامت پر عمل کرنا اکابر اولیاء کے سوا ہر ایک کا کام نہیں اس لیے کہ خواہشاتِ نفسانیہ اور رسوم و عادات سے بالکلیہ علیحدہ ہو جانے کا نام استقامت ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس میں ہر وقت اللہ تعالٰے کے سامنے کا تصور علی سبیل الصدق ضروری ہے۔ صرف رسمی و اسمی خیال منہ پہ مارا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تم اس گندے بندے کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے آقا کے ڈر سے کام کرتا ہے اور نہ ہی اس بُرے مزدور کی طرح کہ جسے کچھ نہ ملے تو کام کرنا بھی چھوڑ دے۔"

مسئلہ بعض نے کہا کہ حظوظ نفسانیہ سے بالکل فارغ ہو جانا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ یہ تو ربوبیت کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے ہاں یوں سمجھا دی جائے کہ بہشت یا اللہ تبارک وتعالٰے کا دیدار عمل کے عوض نہیں بلکہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔

نکتہ: سچے اور پکے بندے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے در پہ پڑا رہے اور پھر سوائے اس کے باقی تمام تمناؤں کو سہ طلاق دے دے نہ بہشت کی طلب اور نہ دوزخ کا خوف۔ پس جس کا عمل اور توحید خالص ذات حق کے لیے ہوگا اور تمام اغراض (۳)

سے فارغ ہو جائے گا۔ تو سمجھ لو کہ اسے راہ مستقیم پر چلنا نصیب ہو گیا اور اسے استقامت حاصل ہو گئی اور اسے اللہ والوں کا راستہ مل گیا۔ لیکن یہ تو اس کے نصیب جس کا بخت ازل سے بیدار ہوا اور اس کی ایسے راہ پر چلنے کی استعداد و قابلیت بھی ہو۔

مرشدِ کامل کی نظر عنایت: مرشدِ کامل کی تربیت سے بھی یہ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے کہ مرشد اسے انوار صفاتِ الٰہیہ کے قابل بنا دیتا ہے بلکہ ظلمات بشریہ سے بھی اسے نکال دیتا ہے۔

سالک کے لیے ضروری بلکہ واجب ہے کہ وہ کاملین کی خدمت میں سر کی بازی لگا دے اور طریق یقین پر ثابت قدمی رکھے ؎

ز خود بہترے جوی و فرصت شمار
کہ باچوں خودی گم کنی روزگار

اپنے سے بہتر کی صحبت اختیار کر اور اسے غنیمت سمجھ اپنے جیسے کے ساتھ تو نبھا نہیں سکے گا۔

بیعت کے فوائد کاملین کی صحبت میں بہت بزرگی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: فبھداھم اقتدہ۔ اور رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے سچے غلاموں کی اطاعت سے ہی تقویٰ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا قول دلیل کے طور پر حکایۃً ارشاد فرمایا: فاتقوا اللہ واطیعون۔

خلاصہ یہ ہے کہ بندہ کو طاعات الٰہی اور بندگاہِ خدا کی غلامی پر مداومت کرنے پر استقامت نصیب ہو گی۔ یہ معمولی شے نہیں کہ چند روز میں ہی حاصل کی جا سکے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سالہا باید کہ اندر آفتاب
لعل یابد رنگ درخشانی و تاب

بہت سالوں کے بعد سورج سے لعل چمک دمک اور رنگ پاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

ربط: یہ فا، فصیحہ ہے یعنے جو کچھ ملائکہ نے کہا وہ ہو کر رہا۔ جو بات بالقوہ سمجھائی جا رہی تھی اب وہ بالکل ہو کر کھل کر آ گئی ہے گویا یوں کہا گیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حاملہ ہوئیں اور اسی سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے پھر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یوں ہوا اور ایسے گذری اور اس طرح ہوا یہاں تک کہ جب رفع الی السماء کا وقت قریب ہوا تو انھیں یہودیوں کی سازشوں کا احساس ہونے لگا۔ اس لیے فرمایا:

فَلَمَّآ پس جب کہ اَحَسَّ یہ احساس سے مشتق ہے لیکن یہ علم یقینی کے لیے استعارہ کیا گیا ہے یعنے ایسا علم کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔ الاحساس یعنی شے کو حاسہ سے حاصل کرنا مثلاً آنکھ سے دیکھنا، کان سے سننا وغیرہ وغیرہ۔ گویا اب کہا گیا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے یقین کر لیا۔ عِیْسٰی۔ مِنْهُمُ الْكُفْرَ، ان سے کفر کا یعنی انھیں ایسا علم ہوا کہ جس میں کوئی شبہ نہ تھا جیسے حواس سے ادراک کیا جاتا ہے کہ وہ شے پھر بدیہیات سے مانی جاتی ہے۔ منھم سے مراد بنی اسرائیل کے وہ بعض لوگ ہیں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا عزم کر لیا تھا اب وہ دلائل مانیں گے نہیں بلکہ انکارِ نبوت کا جادو سر چڑھ گیا اب انھیں عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ قَالَ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مخلصین احباب کو مدد مانگنے کی نیت سے فرمایا تاکہ وہ کفار سے ان کی جان بچانے پر مدد کریں۔ مَنْ اَنْصَارِیْٓ، میرے مددگار کون ہیں۔ انصار، نصیر کی جمع ہے بمعنے مددگار۔ اِلَى اللّٰهِ یہ محذوف سے متعلق ہے اور انصاری کی یائے متکلم سے حال واقع ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:

انصاری متوجها الی اللّٰه۔

میرے وہ مددگار کہ جن کی مدد سے میں اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ اور التجا کر سکوں یعنی اقامتِ دین میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا۔

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ۔ یہ الحواری کی جمع ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

"فلان حواری فلان" یعنے فلاں فلاں کا برگزیدہ اور خاصہ ہے۔ اور وہ کل بارہ تھے۔ ان میں بعض بادشاہ تھے اور بعض مچھلیوں کے شکاری اور بعض دھوبی اور بعض رنگریز۔ ان سب کو حواریوں کہا جاتا۔ اس لیے کہ صرف وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معین و مددگار اور مخلصین فی المحبۃ والطاعۃ تھے۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ہم اللہ تعالےٰ کے دین اور اس کے رسول کی مدد کریں گے۔ یہ آیت "ان تنصروا اللّٰه ینصرکم" (اللہ تعالےٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اُس کے دین و رسول کی مدد کرے) کی طرح ہے۔

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ ماقبل کی علت کے قائم مقام واقع ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی یہی اس کے دین و رسول کی مدد کرے گا۔ اور اس کے اولیاء کو اُن کے دشمنوں سے بچائے گا اور اس کے دین کے دشمنوں سے جنگ کرے گا۔

وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ اور گواہ ہو کہ ہم ہی مسلمان ہیں یعنے ایمان لائے ہیں اور جس کا تو ارادہ رکھتا ہے اس میں مخلص اور فرمانبردار اور جو تیرا حکم ہوگا اس کے پابند ہیں۔ ان کا مطالبہ ہوا کہ ہم آپ کی مدد کریں گے لیکن آپ قیامت میں ہمارے متعلق گواہی دینا کہ ہم پکے اور سچے مسلمان ہیں۔ اس سے ان کا صرف اخروی سعادت کا حصول مقصود تھا۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ، اے ہمارے رب! جو کچھ تم نے نازل فرمایا ہمارا اس پر ایمان ہے یعنی

انجیل پر جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس سے ان کا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرنا مقصود ہے جبکہ اس سے پہلے انھوں نے اپنے آپ کو رسول علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس میں مبالغہ ہے کہ وہ اپنے معاملہ میں بہت مضبوط ہیں۔

وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ ، اور ہم ہیں رسول علیہ السلام کے سچے تابعدار۔ یعنے ہم عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہیں یا وہ احکام جو ہماری طرف لائے ہیں یا جن امور سے وہ روکتے ہیں ہمارا سب پر پختہ ایمان ہے۔

ف : اظہار ایمان میں عیسیٰ علیہ السلام کی مدد و اتباع میں تو یقینی طور پر داخل ہو گئے۔

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں یا ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ لکھ دیجئے جو تابعداروں کی گواہی دیں گے یا ہمیں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں لکھ دیجئے کہ وہ یقینی طور پر شہداء علی الناس ہیں۔

مع الشٰہدین ، فاکتبنا کے مفعول سے حال ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کے نامۂ اعمال کی کتاب ملائکہ کے ساتھ آسمانوں میں ہوتی ہے کما قال تعالےٰ :

" کلا ان کتاب الابرار لفی علیین "

جب اللہ تعالےٰ انھیں شہداء مؤمنین کے ساتھ لکھتا ہے تو لا محالہ ان کا ان کے ساتھ ذکر بھی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا ذکر ملاء الاعلیٰ اور ملائکہ مقربین کے ہاں مشہور ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ اور انھوں نے مکر کیا۔ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جن کے کفر کا علم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تھا۔ ان کا مکر یوں تھا کہ انھوں نے ایک شخص کو بھیجا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ کے ساتھ ایک ایسے مقام پر لے آئے کہ جہاں وہ انھیں آسانی سے قتل کر سکیں۔ ومکر اللہ ، اور اللہ تعالےٰ نے انھیں ان کے مکر کی سزا دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے گیا تھا اسے عیسیٰ علیہ السلام کی شکل وصورت میں بنا دیا۔ پھر یہودیوں نے اسے قتل کر دیا۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ اور اللہ تعالےٰ تمام پوشیدہ تدبیر کرنے والوں سے غالب اور قوی تر ہے اور اتنی بڑی قدرت رکھتا ہے کہ دھوکہ دینے والے کو سزا بھی دیتا ہے جب کہ اسے معلوم بھی نہیں ہوتا۔

واقعہ رفع عیسیٰ علیہ السلام

مروی ہے کہ جب بنی اسرائیل (یہودیوں) کے بادشاہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالےٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے گھر کے اس کمرہ میں تشریف رکھیں جس کا دریچہ کھلا ہوا ہو۔ یہودیوں کی سازش کے وقت جبریل عیسیٰ علیہ السلام کو اس دریچہ سے آسمان کی طرف لے گئے تو اللہ تعالیٰ

نے عیسیٰ علیہ السلام کو پر لگائے اور نورانی لباس پہنایا اور ان سے کھانے پینے کی لذت منقطع فرمائی۔ اس کے بعد وہ ملائکہ کرام کے ساتھ عرش الٰہی کے نیچے تک اڑتے ہوئے گئے۔ اس اعتبار سے انھیں ملکوتی انسان اور سماوی و ارضی انسان کہا جاسکتا ہے۔

بقایا واقعہ: یہودیوں کے بادشاہ نے ایک بڑے بدمعاش کے ذمہ لگایا کہ وہ چوری چھپے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر ڈالے چنانچہ وہ اپنے بادشاہ کے کہنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر گھس گیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا۔ اس نے گھر میں ہر چند ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملے تو باہر نکل کر انھیں کہا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) گھر کے اندر نہیں ہیں۔ انھوں نے سمجھا کہ یہی عیسیٰ (علیہ السلام) ہے اس لیے اسے قتل کر کے سولی پر چڑھایا۔ لیکن اس شبہ میں پڑ گئے کہ اس کا چہرہ تو عیسیٰ (علیہ السلام) جیسا ہے لیکن باقی تمام جسم ہمارے فرستادہ (بدمعاش) کی طرح ہے۔ اگر یہی عیسیٰ (علیہ السلام) ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا۔ اس پر ان کا آپس میں سخت جھگڑا ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عجیب اور بہترین معجزہ جب عیسیٰ علیہ السلام کے شبیہ کو سولی پر چڑھایا گیا تو حضرت بی بی مریم تشریف لائیں۔ اور ان کے ساتھ وہ عورت بھی تھی جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جنوں سے نجات نصیب ہوئی۔ دونوں آتے ہی گریہ اور آہ و فغاں کرنے لگیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترے اور دونوں کو فرمایا: کیوں رو رہی ہو؟ انھوں نے کہا: آپ کی موت کا غم ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالےٰ نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور مجھے وہاں بہت زیادہ آرام اور عیش و عشرت حاصل ہے اور یہ میرا شبیہ بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ ہفتہ کے بعد اللہ تعالےٰ نے پھر عیسیٰ علیہ السلام کو جدلانیہ کی طرف اترنے کا حکم فرمایا کیونکہ وہی آپ کے لیے سخت مغموم تھے وہاں پہنچتے ہی آپ نے اپنے حواریوں کو جمع فرمایا اور پھر تبلیغ احکام کی دعوت کے لیے آپ نے اپنے حواریوں کو ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ جب انھیں اللہ تعالےٰ نے اس مقام پر اتارا تو وہ پہاڑ نور ہی نور ہو گیا۔ آپ نے اپنے حواریوں کو جمع فرما کر ملک کے چپہ چپہ میں تبلیغِ حق کی دعوت کے لیے پھیل جانے کا حکم فرمایا اور پھر آسمان پر چلے گئے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا جدید معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس موقعہ پر جس رات آسمان پر تشریف لے گئے تو نصاریٰ اس رات دھواں ڈالتے ہیں۔ جب حواری حضرات صبح کو اٹھے تو جہاں جہاں تبلیغ کے لیے جانا تھا وہ اس علاقہ کی بولی بولنے لگا۔

بعض مفسرین نے ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین کی یہی تفسیر کی ہے۔

حل لغات: مکر کی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو بمعنے الخبیث والحذیقۃ والحیلۃ۔ اگر اس کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف ہو تو بمعنے (استدراج العبد ..... الخ) ہے یعنے بندے کو چند روز مہلت دے کر اچانک ایسی گرفت کرنا کہ اسے علم تک نہ ہو۔

سبق اے سالک! اللہ تعالیٰ کے اتنے احسان وکرم کو دیکھ کر اور اپنے آپ کو خطاء وجرم میں بھرپور رہ کر پھر کبھی اس کے لطف وکرم سے دھوکہ نہ کھانا بلکہ اس سے بھی تمھیں ڈرنا چاہئیے۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس کریم کا تیرے ساتھ یہ برتاؤ محض استدراج کے طور پر ہو یعنے اس نے تجھے چند روز مہلت دے رکھی ہو تاکہ چند روز اس حال پر رکھ کر سخت گرفت کی جائے۔ (اگر تجھے توبہ کا موقعہ ملے تو) اور تو اس سے خوش ہوتا رہے اور تجھے اس سے دھوکہ ہو کہ شاید میرے اوپر فضل وکرم کی وجہ سے یہ معاملہ ہے حالانکہ بات اس کے برعکس ہو کہ وہ چند روز تجھے مہلت دے کر ایسی گرفت کرے کہ تجھے محسوس تک بھی نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا:

سنستدرجھم من حیث لا یعلمون ۔ (آہستہ آہستہ انھیں عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انھیں خبر نہ ہوگی)۔

تفسیر صوفیانہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنے یہ ہے کہ ہم اپنے بندوں کو ناز ونعم سے چند روز ایسا نوازتے ہیں کہ اسے شکرانہ ادا کرنے کا موقعہ بھی میسر نہیں ہوتا۔ جب ایسے بندے غفلت میں منہمک ہوتے ہیں اور اپنے منعم حقیقی سے دور جا پڑتے ہیں تو پھر ان کی سخت گرفت کی جاتی ہے

حضرت ابو العباس ابن عطاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہم بھی ان کے لیے نعمتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ پھر انھیں ان گناہوں سے توبہ کرنے کا موقع تک نہیں ملتا۔

مریدین کو تنبیہ وہ مرید اپنے نفس اور اپنے رب کے حقوق سے نہایت درجہ کا جاہل ہے جو بے ادبی کرکے غلط دعویٰ کر بیٹھے یا کسی مصیبت یا آزمائش میں اچھلے کودے یعنے بے صبری کرے۔ پھر اس کو مہلت دی جاتی ہے وہ اس مہلت کو اپنی فضیلت سمجھتا ہے اور نفس کے دھوکا میں آکر خیال کرتا ہے کہ اگر میری کوتاہی کی سزا ملنے والی ہوتی تو مجھ پر اتنا فضل نہ ہوتا۔ بظاہر وہ اسے فضل وکرم سمجھتا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لطف سے دور ہوتا ہے۔ وہ اس ظاہری حالت پر خوش رہتا ہے اسے گہرائیوں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ یہ دراصل اس سے نور بصیرت چھن چکا ہوتا ہے یا کچھ ہوتا ہے تو اس میں ضعف کی وجہ سے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے وہ کچھ نہیں سمجھ سکتا بلکہ الٹا وہ اس گمان میں ہوتا ہے کہ میری یہ کیفیت میری ترقی کی علامت ہے۔ حالانکہ وہ ترقی درحقیقت اس کی کوتاہی اور تقصیر ہی ہوتی ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ جس پر فضل و کرم روکا نہیں گیا لیکن اس میں اضافہ نہیں ہوا تو بھی وہ سمجھے یہی قطع مدد ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جسے کسی معاملہ میں اضافہ نصیب نہ ہو تو وہ سمجھے کہ میں گھاٹے میں ہوں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس کے دو دن برابر ہوں تو سمجھو کہ اس کا سودا گھاٹے میں ہے اگر وہ شخص بارگاہ حق سے دور ہونے والوں سے نہ ہوتا تو اسے خلوت میں سے کچھ حصہ ملتا یا اسے مراد در ہونے کی بجائے نامراد بنایا جاتا (والعیاذ باللہ)۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ
عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُم مِّن نّٰصِرِينَ ○ وَأَمَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ ○ ذٰلِكَ
نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ○ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ
آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن
مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ○ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ قف
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ○ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ
الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ فَإِن تَوَلَّوْا
فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ○

ترجمہ: یاد کیجیے جب اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے عمر پہنچانے والا اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا اور قیامت تک تیرے تابع فرمانوں کو منکروں پر غلبہ دینے والا ہوں پھر میری طرف تمھارا لوٹنا ہے تو میں تم میں اس کا فیصلہ فرما دوں گا جو تم اختلاف کرتے ہو۔ وہ یہ کہ جو کافر ہیں انھیں دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی حامی کار نہ ہوگا اور جو مومن ہیں اور ان کے اعمال بھی اچھے ہیں تو اللہ تعالےٰ انھیں پورا پورا اجر دے گا اور اللہ تعالےٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا، یہ ہم تم پر پڑھتے ہیں حکمت والی نصیحت، بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالےٰ کے نزدیک آدم کی طرح ہیں اسے اللہ تعالےٰ نے مٹی سے بنایا پھر حکم فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے یہ تمھارے رب سے حق ہے (فلھذا اے سامعین) شک والوں سے نہ ہونا پھر پس اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمھیں اس کا علم آچکا تو انھیں فرماؤ آؤ! ہم اپنے اور تمھارے بیٹوں کو اور اپنی عورتیں اور تمھاری عورتوں کو اور اپنی جانیں اور تمھاری جانوں کو بلائیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ تعالےٰ کی لعنت بھیجیں بے شک یہی سچا بیان ہے اور اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ تعالےٰ ہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ تعالےٰ فساد کرنے والوں کو

خوب جانتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۵۶)

سمجھ لو کہ مہلت اس کے لیے نقصان و خسران کا موجب ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے بعض دوستوں کو فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالٰی کے عدل کے غلبہ کا خوف رکھنا لازم ہے ہاں، اس کے فضل سے بھی ناامید نہ ہونا چاہئے۔ البتہ اس کی خفیہ تدبیر سے بھی ڈرنا ضروری ہے۔ اگرچہ وہ کریم تمہیں بہشت کا مالک بھی بنادے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بہشت میں کیا کیا گیا اور اقوام گذشتہ کو عام حکم ہوچکا تھا کہ بے شک کھاؤ پیو۔ کما قال:

کلوا واشربوا هنیا بما اسلفتم فی الایام الخالیه

اس کے بعد ان پر ناراضگی ہوئی تو تمام نعمتیں چھین لیں اس سے اور کیا مزید لاپرواہی کا مظاہرہ ہو سکتا ہے اور لوگوں کے لیے اس سے مزید بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ نمبر ۲۵۷)

تفسیر عالمانہ

اِذْ قَالَ اللّٰهُ ، یاد کیجئے جب فرمایا اللہ تعالٰی نے یٰعِیْسٰٓى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ ، اے عیسٰی علیہ السلام میں تمہارے اجل کو مکمل کرنے والا ہوں اس کا معنٰی یہ ہے کہ میں تمہیں دشمنوں سے بچانے والا ہوں اور تیری حفاظت کروں گا۔ اس میعاد تک جو میں نے تیرے لیے لکھی ہے اور تم اپنی طبعی موت مروگے نہ کہ کسی سے مقتول ہو کر۔ وَرَافِعُكَ ، اور اب میں تمہیں اٹھانے والا ہوں۔ اِلَیَّ ، اپنی طرف یعنی ایسے مقام کی طرف جو نہایت برگزیدہ ہے اور ملائکہ کے ساتھ گذارنے کی جگہ کی طرف۔ اور تمہارا میری طرف اٹھایا جانا تمہارا اعزاز و اکرام ہے۔ اس کی مثال جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

"انی ذاهب الی ربی سیهدین"

اس سے ابراہیم علیہ السلام کا عراق سے شام کی طرف تشریف لے جانا اعزاز و اکرام ہے اسی لیے حجاج کو زوار اللہ (اللہ کے زائرین) اور مجاورین کو جیران اللہ (اللہ کے ہمسائیگاں) کہا جاتا ہے اور یہ سب کچھ بطور اعزازًا و اکرامًا ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالٰی کے لیے مکانیت ممتنع ہے۔

وَمُطَهِّرُكَ ، اور تجھے پاک کرنے والا ہے یعنی بعید کرنے اور ہٹانے والا ہے۔ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ، ان سے جنھوں نے کفر کیا یعنی ان کی بُری ہمسائیگی اور گندی صحبت اور خراب معاشرت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان سے زمین پر تشریف آوری بعض نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں آسمان سے حاکمِ عادل کی حیثیت سے زمین پر اتریں گے، صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ مقرر کریں گے۔ مال اتنا کثیر ہو جائے گا کہ کوئی بھی اسے قبول نہ کرے گا۔ ان کے زمانہ میں سوائے اسلام کے باقی ادیانِ باطلہ مٹ جائیں گے اور وہ تشریف لا کر دجّال کو قتل کریں گے۔ دجال کے قتل کرنے کے بعد عرب عورت سے نکاح کریں گے۔ اس سے آپ کے بچے بھی پیدا ہوں گے۔ اس کے بعد آپ کا وصال ہو جائے گا۔ نزول کے بعد وصال تک چالیس سال عمر مبارک پوری کر کے فوت ہوں گے۔ آپ کا جنازہ اہلِ اسلام پڑھیں گے۔ آپ نے دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ انھیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا امتی بنا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ، اور اللہ تعالیٰ تیرے تابعداروں کو بنانے والا ہے۔ اس سے اہلِ اسلام مراد ہیں۔ اس لیے انھوں نے ہی اصل اسلام میں عیسیٰ علیہ السلام کی تابعداری کی۔ اگرچہ طرائق و شرائع مختلف ہوتی رہیں لیکن درحقیقت سب کے سب ایک ہیں۔ چنانچہ گزرا۔ اس سے وہ لوگ مراد نہیں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی یا ان پر جھوٹے بہتان تراشے، جیسے یہود و نصاریٰ (جھوٹے مدعی) مراد نہیں

فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا، ان کافروں سے اُونچے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دھوکا کر کے ان کے طریقے پر نہ چلے جیسے یہودی۔ بفضلہٖ تعالیٰ اہلِ اسلام عزت اور مرتبہ اور حجت میں ان پر فوقیت رکھتے ہیں۔

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ یہ جاعل الذین . . . الخ کے جعل کی غایۃ ہے۔ اس کا یہ معنٰی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ کا انتہا ہو جائے گا اور کفار کی ذلت سے جان چھوٹ جائے گی بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اہلِ اسلام کفار پر اس غایت تک غالب رہیں گے۔ اس غایت کے بعد جیسے چاہے گا کرے گا۔

ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ، پھر تمھارا میری طرف قیامت میں لوٹنا ہو گا۔ اس ضمیرِ خطاب سے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین مراد ہیں اور تغلیباً کفار بھی مراد ہو سکتے ہیں جب کہ از قبیل التفات بنایا جائے۔ اور یہ طریقہ تبشیر اور انذار کے زیادہ بلیغ ہے۔

فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ، جب تم میری طرف رجوع کرو گے تو تمھارے مابین فیصلہ کروں گا۔ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ان امورِ دین میں جو تم آپس میں اختلاف کرتے ہو۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا، پس کافروں کو تو سخت عذاب دوں گا۔ دنیا میں تلوار اور قید سے اور یہ جزیہ لے کر اور بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے۔ اس لیے کہ

یہ کافر کے حق میں سزا اور مومن کے لیے جزا ہوتی ہیں۔

سوال: مصائب و امراض مومن کے لیے جزا کا کیا معنٰے؟

جواب: اس لیے کہ مومن کو امراض و مصائب میں مبتلا کرنے سے اس کی آزمائش مطلوب ہوتی ہے۔

وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا کر کے۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے انھیں کوئی چھڑانے والا نہیں ہوگا۔

ف: جمع کا صیغہ ضمیر جمع کے لیے مقابلۃً لائی گئی ہے۔ یعنی ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، اور وہ لوگ جو آپ کے لائے ہوئے احکام پر ایمان لائے۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کیے جیسے اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ، تو اللہ تعالےٰ ان کے اعمال کا انھیں پورا اجر دے گا یعنے کامل طور پر ان کے اعمال کا اجر عنایت فرمائے گا۔

سوال: مخاطب کے ضمائر و صیغہ کے بعد اب غیوبت میں کیا راز ہے؟

جواب: تعذیب و اثابت دونوں مصدروں کا ذکر سابقًا ہوا ہے اور یہ دونوں دو مختلف حیثیتیں ہیں بوجہ جمال و جلال کے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور اللہ تبارک و تعالےٰ ظالمین سے محبت نہیں کرتا یعنی ان سے بغض کرتا ہے اور ان سے راضی نہیں۔

ذٰلِكَ، یہ عیسٰی علیہ السلام وغیرہ کے ان حالات کی طرف اشارہ ہے جو ابھی بیان ہوئے۔ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ ہم آپ کو اے حضرت محمد مصطفٰی صلے اللہ علیہ وسلم پڑھ کر سناتے ہیں۔

سوال: آیت میں تلاوت کا اسناد اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف کیوں فرمایا۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تلاوت کرنے والا تو وہ فرشتہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک پہنچانے پر مامور فرمایا تھا؟

جواب (۱): یہ اسناد مجازی ہے علی طریق اسناد الفعل الی السبب الآمر۔

(۲) اس میں قرآن پاک لانے والے فرشتے یعنی جبرائیل علیہ السلام کی تعظیم بلیغ و تشریف عظیم مطلوب ہے۔

سوال: اس طریق سے تعظیم کیسی جب کہ عینیت کا شائبہ ہوتا ہے؟

جواب: یہاں یونہی مناسب بلکہ احسن تھا کیونکہ جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ بنابریں جبریل علیہ السلام کا پڑھنا گویا خود اللہ تعالےٰ کا پڑھنا ہے اس لیے کہ اس وقت جبریل علیہ السلام کے بجائے اللہ تعالےٰ کی طرف تلاوت کو منسوب کیا گیا۔

مِنَ الْاٰيٰتِ۔ یہ نتلوہ کی ضمیر منصوب سے حال ہے یعنے وہ علامات جو آپ کی رسالت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ وہ علامات ہیں کہ سوائے کتاب اللہ کے قاری کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتیں یا وہ جان سکتا ہے۔

جس کی طرف یہ آیات اتریں اور ظاہر ہے کہ آپ نہ لکھتے ہیں اور نہ کسی سے جا کر پڑھتے ہیں۔ تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ واقعی یہ آیات وحی ربانی ہیں۔

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ اور ذکر یعنی قرآن حکیم۔ یعنی وہ قرآن جو حکم پر مشتمل ہے یا حکیم بمعنے محکم ہے یعنے قرآن ایسا محفوظ کلام ہے کہ اس میں خلل و نقصان کا شائبہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! علیہ السلام، میں تجھے صفات نفسانیہ اور اوصاف حیوانیہ سے فوت کرنے والا ہوں اور جذبات عنایت سے تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ انسان جب تک ماسوائے اللہ سے فانی نہ ہو جاتے اسے معرفتِ الٰہی کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام جونہی آسمان پر تشریف لے گئے تو ان کی ملائکہ جیسی حالت ہو گئی کہ ان سے شہوات، غضب اور اخلاقِ ذمیمہ مٹا دیئے گئے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو شہوات سے روکے اور ہدایت کے راستوں پر چلے۔ قرآنی آیات سے نصیحت حاصل کرے تاکہ دائمی نعمتوں تک پہنچ سکے۔ اور ظلم سے بھی کنارہ کش رہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کو ظلم بالکل پسند نہیں۔

چنانچہ فرمایا:

واللہ لا یحب الظٰلمین، یعنی ظالم سے وہ لوگ مراد ہیں جو مدۃ العمر غیر اللہ کی طلب میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ؎

خلاف طریقت بود کاولیا
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ ذاتِ خدا کے سوا اس سے کچھ اور مانگیں۔

اہل طریقت سے وہ لوگ مراد ہیں جو صفاتِ دل سے غیر اللہ کا نقش مٹانے اور اوصاف ذمیمہ سے نفوس کو پاک و صاف کرنے میں کوشاں رہتے ہیں اس لیے کہ یہی اوصاف مذمومہ سالک کو عروج الی سماء المعرفۃ و علو الوصال کے کے مرتبہ سے مانع ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

حکایت:

آن یکے نحوی بکشتی در نشست
رو بکشتیبان نہاد آن خود پرست

گفت ہیچ از نحو خواندی گفت لا
گفت نیم عمر تو شد و رفناً
دل شکستہ گشت کشتیبان زتاب
لیک آں دم کرد خامش از جواب
باز کشتی را بگرابے فگند !
گفت کشتیباں باں نحوی بلند
ہیچ دانی آشنا کردن بگو
گفت نے اے خوش خواب خوب رو
گفت کل عمرت اے نحوی فناست
زانکہ کشتی غرق ایں گردابہاست
محو می باید نہ نحو ایں جا بداں !
گر تو محوی بے خطر در آب رواں
آب دریا مردہ را بر سر نہد
در بود زندہ ز دریا کے رہد
چوں بمردی تو زاد صاف بشر
بحر الرارت نہد بر فرق سر

خلاصہ حکایت ایک نحوی صاحب دریا عبور کرنے کے لیے کشتی میں بیٹھے بیٹھے ملاح سے پوچھنے لگے کہ بابا تونے نحو پڑھی ہے ؟ ملاح نے کہا : نہیں۔ نحوی نے کہا : تیری آدھی زندگی برباد گئی۔ ملاح اس وقت تو خاموش رہا لیکن جب کشتی دریا کے گرداب میں پہنچی تو ملاح نے نحوی صاحب سے پوچھا : جناب آپ تیرنا جانتے ہیں۔ نحوی نے کہا : نہیں۔ ملاح نے کہا : اب اپنی خیر منائیے۔ آپ کی زندگی ہی نہیں رہے گی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم نحوی بننے کی بجائے محوی بنو تاکہ تمہیں بحرِ معرفت کے اسرار نصیب ہوں۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ جو غیر اللہ کے طالب ہیں وہ شہوات و خواہشات کے دریا میں ڈوب کر مر جاتے ہیں جب اس دریا میں ڈوبتے ہیں تو پھر اس سے ان کا باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے اور جو حضرات وجود کے چھلکے سے صاف ہو گئے اور فنا پا کر عالم شہود میں جاگزیں ہوئے اور وہاں وہ نورانی پروں سے اڑتے پھرتے ہیں۔ ان کا حال ملائکہ مقربین جیسا ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ دنیا کے گورکھ دھندوں سے جان بچا گئے اور جسم و جسمانیات کے علائق سے چھوٹ گئے

اللہ تعالٰی نے فرمایا:

"ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض"، یعنے زمین وآسمان میں حیات جسمانیہ اور تعلقاتِ بدنیہ سے فارغ ہو جاؤ۔ اور پھر ارادۂ ملکوتیہ ونفوس جبروتیہ کے گروہ میں شامل ہو کر حضرت علیہ میں پہنچ جاؤ لیکن جتنی پرواز کروگے اللہ تعالٰی کے ملک سے باہر نہیں جاسکوگے یعنے اس کی حجت بینہ سے ہی یہ مرتبہ حاصل کرسکوگے اور حجت بینہ سے توحید اور تفرید وتجرید بالعلم والعمل والفنا فی اللہ مراد ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا، ملکوت السموات میں اسے سیر نصیب ہوتی ہے جو دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔

ولادت دو قسم کی ہے:

① اضطراری یعنی اللہ تعالٰی کا پیدا کرنا۔ اس میں کسب واختیار کو کسی قسم کا دخل نہیں۔

② اختیاری، یہ کسب سے حاصل ہوسکتی ہے۔

انھی دو قسموں کی طرف حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اشارہ فرمایا۔ اللہ تعالٰی ہم سب کو اس کی توفیق بخشے جسے وہ پسند کرے اور جس سے محبت کرتا ہے اور ہمارے نفوس کا اپنے فضل وکرم سے علاج فرمائے۔ بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے اور وہ مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی، بے شک عیسٰی علیہ السلام کی مثل یعنی اس کا وہ شان جو عجائب میں ہے۔ عِنْدَ اللّٰہِ، اللہ تعالٰی کے ہاں یعنے اس کی تقدیر اور اس کے حکم میں۔ کَمَثَلِ اٰدَمَ جیسے آدم علیہ السلام کی حالت بھی عجیبہ ہے کہ اس میں نہ کوئی شک کرنے والا شک کرسکتا ہے اور نہ ہی جھگڑنے والا جھگڑ سکتا ہے۔ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ، اسے اللہ تعالٰی نے مٹی سے پیدا فرمایا۔ یہ مَثَلَ کی تفسیر ہے اعراب کے لحاظ سے اس کا کوئی محل نہیں۔ یعنے اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام کے جسم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

سوال: خلقہ کی ضمیر آدم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے حالانکہ اس وقت تو وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ تو اس وقت مٹی کا ڈھیر تھا۔ اور وہ مٹی کا ڈھیر آدم علیہ السلام نہیں تھے۔ گویا یوں کہو کہ وہ اس وقت موجود بھی نہیں تھے ضمیر لوٹانے کا کیا معنٰی؟

جواب: چونکہ وہی مٹی کا ڈھیر حضرت آدم علیہ السلام کا جسم تیار ہونے والا تھا جس کا نام آدم علیہ السلام رکھا جانے والا تھا اس لیے مآیئول کا اعتبار کرتے ہوئے اسے موجود قرار دے کر ضمیر لوٹائی گئی ہے۔

ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ، پھر اللہ تعالٰی نے اسے فرمایا: ہو جا۔ یعنے اس مٹی کے ڈھیر کو انسان بنا لیا۔ فَیَکُوْنُ پس وہ ہو گیا۔

سوال: عبارت کا تقاضا تھا کہ یہ بجائے فیکون کے فکان ہوتا یعنے جیسے اللہ تعالٰی نے حکم فرمایا ویسے ہی ہو گیا؟

جواب: ماضی سے مضارع کی طرف عدول کرنے میں حکایت مطلوب ہے یعنے آدم علیہ السلام کا وہ حال بتانا مقصود ہے کہ جس پر وہ آئندہ چل کر ہوں گے یعنے یہ دکھانا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام جن کا ابھی نقشہ قضاء وقدر کے تصور میں ہے وہ صورۃً مشاہدہ میں یونہی ہوں گے جیسے ابھی ان کی شکل وصورت ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ وفد نجران مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت اپنی قوم کے منتخب اور برگزیدہ چودہ افراد تھے ان میں ایک ان کا قائد تھا، اور ان کا امام تھا۔ اس کا نام اہیب تھا۔ اس کے پیچھے ان کا صاحب رای تھا اس کا نام عبد المسیح تھا۔ تیسرا ان میں ابو حارثہ بن علقمہ الاسقف تھا۔ وہ بھی بڑی شان وشوکت رکھتا تھا بلکہ اس کا مقام اتنا بلند تھا کہ رومی بادشاہ نے اس کے لیے ایک بہترین عبادت گاہ تیار کرائی اور اس کے پاس اعلیٰ قسم کے تحائف بھیجا کرتا۔ بہرحال وہ تینوں مسجدِ نبوی میں حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عصر کے بعد حاضر ہوئے۔ وہ بہترین لباسوں میں ملبوس تھے اور نہایت شان وشوکت سے آئے اور آتے ہی مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے شروع ہو گئے اور مسجد نبوی میں اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال ہوا کہ انھیں مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے سے روک دیا جائے۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: انھیں مت روکو۔ جیسے پڑھ رہے ہیں۔ پڑھنے دو۔ وفد کے آنے سے پہلے سورہ آل عمران کی پہلی چند آیات نازل ہو چکی تھیں۔ جن کا مضمون یہی تھا کہ وہ آپ کے پاس آئیں گے اور آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال وجواب کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہی ابو حارثہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے ساتھ دوسرا ساتھی بھی تھا۔ آپ نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اسلما (مسلمان ہو جاؤ)۔

انھوں نے کہا:

اسلمنا قبلک (ہم تو آپ سے پہلے مسلمان ہیں)۔

آپ نے فرمایا:

تم جھوٹ بولتے ہو تمھیں اسلام لانے سے تین چیزیں روکتی ہیں:

① صلیب کی عبادت۔
② خنزیر کا کھانا۔
③ تمھاری بدگمانی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

انھوں نے کہا:

یا محمد فلم تشتم صاحبنا عیسی (اے محمد! (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے آقا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو گالی کیوں دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا :

ہاں، وہ اللہ تعالٰی کے بندے اور رسول اور کلمہ ہیں۔ اللہ تعالٰی نے انھیں بی بی مریم کے پیٹ سے پیدا فرمایا۔

اس سے وہ ناراض ہو کر کہنے لگے :

کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ کوئی بھی باپ کے بغیر پیدا ہو سکتا ہے؟ اور یہ تم مانتے ہو کہ جس کا باپ نہ ہو وہ خدا ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا :

آدم علیہ السلام کا باپ ہے نہ ماں۔ لیکن اس سے تو لازم نہیں آتا کہ وہ خدا تعالٰی کے بیٹے ہوں۔ یہی حال عیسٰی علیہ السلام کا ہے وہ جو ماں باپ کے بغیر پیدا ہو وہ زیادہ عجیب و غریب ہے بہ نسبت اس کے جو صرف باپ کے بغیر پیدا ہو۔

آیت میں اللہ تعالٰی نے غریب کو اغرب سے تشبیہ دی ہے تاکہ بالمقابل کے ظن فاسد کا پورے طور پر قلع قمع ہو جب کہ وہ معمولی سی غرابت سے دھوکہ کھا گئے۔ اس سے اور بڑی غرابت کو دیکھ کر ان کا کچھ تو ہوش ٹھکانے لگے۔

اَلْحَقُّ یعنے وہ جو ہم نے عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ کا واقعہ بیان کیا ہے وہ حق اور وہ ہونے والا ہے۔

مِنْ رَّبِّكَ، تیرے رب سے۔

نصارٰی کا قول غلط ہے جب کہ وہ کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بی بی مریم نے خدا کو جنا وغیرہ وغیرہ (معاذ اللہ)

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ پس تم شک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤ۔ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے محض جوش دلانے اور مذکورہ بالا حکم پر برانگیختہ کرنے کی بنا پر تاکہ اس عقیدہ پر مزید استحکام ہو۔

ازالۂ وہم قاعدہ ہے کہ کسی معاملہ سے روکنے سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے اس کا صدور بھی ہو۔ حضور علیہ السلام سے تو ما انزل الیہ پر شک کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ اے میرے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس حال پر آپ ہیں اس پر مداومت فرمائیے کہ آپ کو اطمینان حاصل ہو اور ما انزل پر شک کے معاملہ میں آپ بالکل بری الذمہ ہیں۔

مسئلہ : امام ابو منصور رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ کسی کے معصوم ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس سے آزمائش بھی نہ ہو یا اس سے اس فعل سے منع بھی کیا جائے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ، پس وہ جو آپ سے جھگڑے یعنے نصارٰی اس لیے کہ وہ ہمیشہ آپ سے جھگڑتے رہتے ہیں۔

فِیْہِ ، عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ کے معاملات میں ۔جب کہ ان کا ظن فاسد ہے کہ یہ باتیں ان دونوں کے لائق نہیں (جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے متعلق سناتے ہیں) ۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ، بعد اس کے کہ آپ کو علم ہوا یعنے آپ کے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ حق پر ہیں اور انھوں نے بھی آپ کے دلائل سنے ہیں لیکن مانتے نہیں دراصل انھیں ضلالت اور گمراہی نے اندھا کر دیا ہے ۔ فَقُلْ ، تو فرما دیجئے یعنی اب کے بعد ان سے پورے طور سے کہیئے کہ جس سے وہ حجت بازی نہ کر سکیں ۔ اور انھیں ملاعنہ (ایک دوسرے پر بددعا (لعنت کرنا) اور مباہلہ کی دعوت دیجئے اور فرمائیے ؛ تَعَالَوْا ۔ تعالیٰ سے مشتق ہے جو دراصل التصاعد کو کہا جاتا ہے ۔ گویا داعی بلندی پر ہوتا ہے اور مدعو (بلایا ہوا) نیچے پھر وہ اسے مدعو اوپر چڑھنے کو اپنی طرف بلائے ۔اب ہر مدعو پر اس کا اطلاق ہوتا ہے وہ جہاں بھی ہو اوپر یا نیچے وغیرہ وغیرہ ۔ یعنے اہل کتاب لاؤ اپنی رائے اور ارادہ کو ۔ یہ اجسام کو لانے کی دعوت نہیں ۔اس لیے کہ وہ تو اس وقت اپنے ابدان و اجسام کے ساتھ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر و موجود تھے ۔ نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ ، بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو ۔

سوال : لڑکوں کی کیا تخصیص ہے جب کہ ایسے مواقع پر لڑکیاں بھی بلائی جاتی ہیں ؟

جواب : چونکہ لڑکے بہ نسبت لڑکیوں کے زیادہ معزز و مکرم ہوتے ہیں اس لیے جب اعلیٰ کا ذکر کیا گیا تو ادنیٰ خود بخود ضمناً مذکور ہو گیا ۔

سوال : پھر عورتوں کو علیحدہ کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب : چونکہ عورتوں سے ایک دوسرے طریق سے تعلق ہوتا ہے اس لیے انھیں علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو فرمایا ؛

وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ، اور اپنی اور تمھاری عورتوں اور اپنے نفسوں کو یعنے ہم میں اپنے علاوہ اپنے اقارب میں سے سب سے عزیز ترین کو بلائیں ۔ آپ نے پورے عزم سے مباہلہ کی طرف بلایا ۔ بلکہ اس پر انھیں ابھارا ۔ چنانچہ فرمایا ؛

ثُمَّ نَبْتَهِلْ ، پھر مباہلہ کریں ۔ یعنے جھوٹے پر لعنت بھیجیں اور کہیں ؛ لعنۃ اللہ علی الکاذب منا و منکم ، ہم میں سے یا تم میں سے جو بھی جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالےٰ کی لعنت ۔

چنانچہ فرمایا ؛

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ ہم جھوٹوں پر اللہ تعالےٰ کی لعنت بھیجتے ہیں ۔ اس کا عطف نبتہل پر ہے اور یہ جملہ نبتہل کے معنے کی وضاحت کے لیے ہے ۔

واقعہ مروی ہے کہ جب وہ لوگ مباہلہ کی طرف بلائے گئے تو انھوں نے کہا کہ ہمیں تھوڑی دیر مہلت چاہئے تاکہ ہم مشورہ کرلیں۔ جب تنہائی میں مشورہ کے لیے بیٹھے تو عبد المسیح (پادری) سے پوچھا: جناب! آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: اے نصرانیو! تمہیں معلوم ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی مرسل ہیں اور وہ تمہارے آقا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم جیسے احکام لائے ہیں اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ جو قوم نبی سے مباہلہ کرتی ہے تو ان کی جڑ کٹ جاتی ہے پھر ان کا ہر ایک چھوٹا بڑا تباہ ہو جاتا ہے۔ اگر تم ان سے مباہلہ کروگے تو مر مٹوگے۔ اگر تم اپنے دین کو اچھا سمجھتے ہو اور اس پر قایم و دایم رہنا چاہتے ہو تو چھوڑو جھگڑا اور کرو کوچ اور چلو اپنے اپنے گھروں کو۔

پنجتن پاک صلی اللہ علیہ وسلم: یہ مشورہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو گلے لگائے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ کو لیے آرہے ہیں۔ آپ کے پیچھے حضرت بی بی فاطمہ اور ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہا چلے آ رہے ہیں اور آپ انھیں فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔

اسقف نجران یعنی وفد کے دینی امور کے سب سے زیادہ واقف یعنی ابو حارثہ نے کہا: اے نصرانیو! یہ چہرے ایسے ہیں کہ اگر وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹ جانے کا حکم دیں تو بھی وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا۔ خبردار! تم ان سے مباہلہ مت کرو۔ ورنہ مارے جاؤگے اور ایسے تباہ و برباد ہوگے کہ زمین سے تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا یعنے نصرانیوں کا بچہ بچہ صفحۂ ہستی سے قیامت تک کے لیے نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس کے بعد نصرانیوں نے کہا: اے ابو القاسم! (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے طے کیا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں بلکہ اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمھیں تمہارا دین مبارک اور ہمیں ہمارا دین۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مباہلہ نہیں کرتے تو مسلمان ہو جاؤ۔ تمہارے لیے وہی احکام نافذ ہوں گے جو عام مسلمانوں پر۔ نصرانیوں نے کہا: یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا: تو پھر تیار ہو جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ نصرانیوں نے کہا: ہم تو عرب کی لڑائی سے گھبراتے ہیں۔

جزیہ قبول البتہ اتنا کیجئے کہ ہم سے جزیہ قبول کیجئے کہ ہم ہر سال آپ کو دو ہزار حلے پیش کیا کریں۔ ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں اور تیس ذرہیں جو خالص لوہے سے تیار کردہ ہیں لیکن اس شرط پر کہ آپ ہمارے ساتھ نہ لڑائی کریں اور نہ ہی ڈرائیں نہ ہی دھمکائیں اور نہ ہی ہمیں اپنے دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ آپ نے ان کی شرائط قبول فرما کر صلح نامہ لکھا اور جو معاملات طے ہوئے انھیں کتابی صورت میں لکھوا کر محفوظ فرمالیا۔

معجزہ محمدی: حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں

میری جان ہے کہ تباہی و بربادی اہل نجران کے سروں پر منڈلا رہی تھی اگر وہ مباہلہ کرتے تو وہ فوراً بندر اور خنزیر کی صورتوں میں تبدیل ہو جاتے اور ان کی وادی میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور انھیں وہ تباہی نصیب ہوتی کہ نہ صرف وہ مٹ جاتے بلکہ ان کے اہل و عیال کے ساتھ ان کے درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں کی بھی بیخ کنی ہو جاتی اور صرف ایک سال کے اندر اندر ان کا ستیاناس ہو جاتا۔

اِنَّ هٰذَا ، بے شک وہ جو ہم نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کا بیان کیا۔ لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ، وہ واقعات حق ہیں جھوٹی اور من گھڑت کہانیاں نہیں جو نصاریٰ بیان کرتے ہیں۔ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ ، اور کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ اِلَّا اللّٰهُ ط اللہ تعالےٰ کے سوا۔

سوال: اس جملہ میں 'ما' استغراقیہ کا کیا فائدہ ؟

جواب: تاکہ نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث (تین خدا ماننا) کی پوری طور پر کٹ جائے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور بے شک اللہ تعالےٰ بہت بڑا غالب اور حکمت والا ہے یعنے جمیع مقدرات پر قادر اور جمیع معلومات کو محیط ہے نہ کوئی اس کا قدرت میں شریک ہے اور نہ ہی حکمت میں تاکہ اس کی الوہیت میں شریک نہ مانا جا سکے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا ، پس اگر وہ قبول توحید اور اس حق سے انکار کریں جو آپ سے بیان کیا گیا ہے۔ باوجودیکہ وہ دلائل ظاہرہ اور براہین کا معائنہ بھی کر چکے ہیں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ تو بے شک اللہ تعالیٰ مفسدین کو جانتا ہے۔ یعنے اب ان سے فیصلہ کن بات کیجئے اور ان کا معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد کیجئے۔ اس لیے کہ وہ مفسدین کے فساد کو خوب جانتا ہے اور ان کے قلبی ارادوں پر بھی مطلع ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان کے اغراض فاسدہ کیا ہیں اور پھر ان کو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

ف: انبیاء علیہم السلام کے مباہلہ میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قدسی نفوس کو روح القدس سے اتصال ہوتا ہے اور انھیں تائید ایزدی نصیب ہوتی ہے اس لحاظ سے ان کا مباہلہ باذن اللہ تعالےٰ عنصری عالم میں خوب اثر رکھتا ہے۔ عالم عنصری عالم قدس سے ایسے ہی جلد اثر لیتا ہے جو واردات روح کے اندر ہوتے ہیں وہی جسم سے ظاہر ہوتے ہیں جیسے غضب و خوف اور سرور و فکر فی احوال المعشوق وغیرہ وغیرہ۔ جیسے روح کے ارادے ہوتے ہیں ویسے اعضاء کا حرکت میں آجانا وغیرہ وغیرہ اور نفوس ملکیہ کی تاثیر عالم پر پڑتی ہے جب کہ توجہ اتصالی ہو تو جو اشیاء اس سے متصل ہوں ان پر بھی اثر پڑتا ہے جس سے عناصر کے اجرام اور نفوس انسانیہ ناقصہ پر بھی اثر قبول کرتے ہیں جب کہ وہ اس کا ارادہ کرے۔ مثال کے طور پر نصاریٰ کو دیکھئے کہ مباہلہ سے پہلے بھانپ گئے کہ اگر ہم مباہلہ کریں گے تو تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اتصال (اگرچہ ناقص سہی سے) انھیں

محسوس ہوا۔ اس لیے وہ لوگ مباہلہ سے خوف کھا کر جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ (کذا فی التاویلات القاشانیہ)

ف: کچھ یہی حال ولی اللہ کا ہوتا ہے کہ جب وہ کسی بندے کو بدعا کرتے ہیں تو ان کی بدعا کا اس پر ضرور اثر پڑتا ہے کہ یا تو بیمار ہو جاتا ہے یا وہ مرجاتا ہے یا پھر مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

حکایت: شاعر بساطی نے ایک دن حضرت الشیخ کمال الدین الخجندی رحمہ اللہ تعالے کو مجلس مشاعرہ میں دیکھ کر ازراہِ تمسخر کہا ؎

ع از کجائی از کجائی اے بوند

حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے فوراً اس کے جواب میں فرمایا ؎

ع از خجندم از خجندم از خجند

لیکن اس بساطی شاعر کے اس غلط رویہ سے انھیں دکھ پہنچا۔ اس کے لیے فرمایا کہ یہ نوجوان (شاعر بساطی) مخمور و مست معلوم ہوتا ہے۔ بساطی شاعر نے جب سنا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالے میرے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔ تو اس نے بالبدیہ یہ شعر پڑھا ؎

سیہ چشمیت مردم کش خراب غمزدۂ اویم
ازاں در عین ہوشیاری سخن مستانہ می گویم

ترجمہ: سیہ چشمی مردم کش مخمور سے غمزدہ ہوں اسی لیے میں ہوشیاری میں ہوں لیکن مستوں کی طرح سخن کہتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالے کی ہجو میں یوں بکواس کی ؎

اے ملحد خجندی ریش بزرگ داری
کز غایت بزرگی دہ ریش میتواں گفت

ترجمہ: اے خجندی ملحد تو لمبی ڈاڑھی رکھتا ہے تیری ایک ڈاڑھی سے دس ڈاڑھیاں نکل سکتی ہیں اسی لیے تمہیں دس ڈاڑھیوں والا کہا جائے تو موزوں ہے۔

جب حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالے نے اس کی یہ بکواس سنی تو آپ کو اور دکھ ہوا۔ آپ کے منہ سے اس کے متعلق بددعا نکلی۔ چنانچہ آپ کے قدسی نفس کی تاثیر اس بساطی شاعر پر اثر انداز ہوئی تو وہ فوراً اسی وقت اسی مجلس میں مر گیا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اولیاء کی بے ادبی و گستاخی سے بچے۔ ان کی بے ادبی و گستاخی سے ان کا تو کچھ نہیں بگڑتا البتہ بے ادب و گستاخ کا بیڑا ضرور غرق ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالے فرماتا ہے:

ولا یحیق المکر السیء الا باھلہ ۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

نا ئے کند نالہ بدیں قول راست

از نفس پیر بترس اے جوان!

ترجمہ: سنے فریاد کرکے سچ کہتا ہے کہ بوڑھے نفس سے اے نوجوان! ان ڈر تا رہ۔

نسخہ کیمیائی: اللہ والوں کے دل کو راضی رکھنا اور ان کی بے ادبی و گستاخی سے بچنے سے روحانی ترقی اور بہت بڑے بلند مراتب نصیب ہوتے ہیں اور دارین میں اعزاز و احترام بڑھ جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو نوجوان کسی بزرگ کی عزت کرتا ہے تو اللہ تعالے اس لیے اس سن بڑھاپے میں ایک ایسا انسان مقرر فرمائے گا جو اس کی عزت افزائی فرمائے گا۔

مسئلہ: استاذ و شاگرد۔ اساتذہ کے نافرمان (شرعی) کی توبہ بھی قبول نہیں۔

حکایت: حضرت حسن ہمدانی رحمہ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ میں ایک رات جعفر خالدی رحمہ اللہ تعالے کے ہاں موجود تھا۔ اور جاتے وقت میں گھر والوں کو کہہ گیا تھا کہ میری واپسی تک فلاں پرندہ کو بھون لینا، واپسی پر کھاؤں گا۔ جعفر خالدی نے کہا کہ آج رات میرے ہاں بسر کیجئے۔ میں نے اس سے معذرت کی اور حیلے بہانے کرکے گھر واپس پہنچا تو گھر والوں نے بھونا ہوا پرندہ پلیٹ میں رکھ کر مجھے پیش کیا۔ لیکن اچانک کتا دروازے سے لپکا اور میرے سامنے رکھی ہوئی پلیٹ سے گوشت اٹھا لیا۔ حالانکہ اس وقت میرے سامنے کافی جماعت موجود تھی لیکن سب بے خبر بیٹھے رہے۔ وہ کتا میرے ہاں سے گوشت کی پلیٹ اٹھا کر اپنے مقام پر چلا گیا۔ جب کتا جلدی سے بھاگا تو ہماری خادمہ کا دوپٹہ اس کے پاؤں پر لپٹا تو گوشت کی پلیٹ زمین پر گر گئی۔ جب صبح کے وقت میں حضرت جعفر خالدی رحمہ اللہ تعالے کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت کی نگاہ میرے اوپر پڑی تو فرمایا:

من لم یحفظ قلوب المشائخ یسلط علیہ کلب یوذیہ۔ (جو بھی مشائخ کرام کو ناراض کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالے کتے کو مسلط کر دیتا ہے جو اسے دکھ پہنچاتا ہے)۔

حکایت: جب محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالے کو بلخ والوں نے شہر بدر کیا تو آپ نے ان کے لیے یوں بددعا کی:

"اللھم منعھم الصدق" (اے اللہ ان لوگوں سے صدق و صفائی دور رکھ)۔

چنانچہ ان کی بددعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج تک بلخ میں کوئی سچا (نیک دل) انسان پیدا نہیں ہوا۔

(بقیہ صفحہ ۲۷۲ پر)

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا
نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِيْمَ
وَ مَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ
يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًاؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝
اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِیُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْاؕ
وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْؕ وَ
مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

ترجمہ: اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمائیے کہ اے اہل کتاب، آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے برابر ہے وہ یہ کہ اللہ تعالٰے کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہی ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ تعالٰے کے سوا رب بنائے۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہو تم گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔ اے اہل کتاب! تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں حجت بازی کرتے ہو حالانکہ تورات و انجیل تو ان کے بعد ہی اتری ہیں تم عقل سے بے بہرہ ہو۔ ہاں تم ایسے ہی ہو کہ ایسی بات میں حجت بازی کر چکے ہو جس کا تمھیں علم تھا تو اس میں کیوں حجت بازی کرتے ہو جس کا تمھیں علم ہی نہیں اور اللہ تعالٰے جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ ہر باطل سے دور اور (پکے) مسلمان تھے اور نہ ہی وہ مشرکوں سے تھے۔ بے شک تمام لوگوں سے ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ حقدار وہ تھے جو ان کی تابعداری کرتے اور یہ نبی اور ایمان والے اور ایمان والوں کا حامی کار اللہ تعالٰے ہے اور اہل کتاب کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح وہ تمھیں گمراہ کردیں اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور انھیں شعور نہیں۔ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالٰے کی آیات سے کیوں کفر کرتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ اے اہل کتاب! حق میں باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

تفسیرِ عالمانہ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ، اے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اہلِ کتاب یعنے یہود و نصاریٰ کو فرمائیے۔ تَعَالَوْا، آؤ۔

ربط: چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ آرزو رکھتے تھے کہ کسی طرح اہلِ کتاب دولتِ اسلام سے نوازے جائیں اسی لیے اب اللہ تعالےٰ نے مجادلہ و مناظرہ کے طریق سے ہٹ کر دوسرا طریقہ بتایا کہ سن کر عقلِ سلیم والے کو انکار کی گنجائش نہ ہو۔ کیونکہ یہ طریقہ منصفانہ اور جھگڑے سے کوسوں دور ہے۔ اس کا سوائے حقیقت کے کسی دوسری جانب جھکاؤ نہیں۔ کوئی اسے تعصب سے تعبیر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ تعصب کے شائبہ سے دور رکھا گیا ہے۔ یہ کلام ایسے بہترین مرکز پر مرکوز ہے کہ جس کی ہماری طرف بھی نسبت ہے اور ان کی طرف بھی لیکن علی سبیل الاستواء والاعتدال۔ اسی لیے قل تعالوا یعنے آؤ۔ اس سے یہی مراد ہے کہ جس کی انھیں دعوت دی جارہی ہے۔ اس کی تعیین اور اس میں غور و خوض کرنا نہ یہ کہ ایک اعتقاد کو چھوڑ کر دوسرے اعتقاد پر آجانا جیسا کہ "تَعَالَوْا" کا تقاضا ہے کہ اس میں معنے ہوتا ہے کہ ایک جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ چلا جانا۔ اس لیے کہ تعالیٰ سے مشتق ہے اور تعالیٰ کا معنی یہ ہے کہ نیچے سے اوپر کے مکان کی طرف جانا۔ اب اس کا استعمال اکثر ہونے لگا تو اسے طلب کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا کہ کسی جگہ جمع ہونے کی دعوت دی جائے تو یہی لفظ بولا جاتا ہے۔

اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ، ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین برابر ہے۔ اس میں نہ کسی رسول کا اختلاف ہے اور نہ کسی کی کتاب کا بلکہ وہ انصاف سے بھرپور ہے جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے اس میں ایک دوسرے کے مسلک کی ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ ہے کہ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ، ہم اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ یعنے عبادت کا مستحق سوائے اس کے اور کسی کو نہ سمجھیں اور اس میں ہم اور تم پرخلوص ہو جائیں۔ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا یعنے استحقاقِ عبادت میں اس کا کوئی شریک نہ بنائیں بلکہ کسی کو اس کا اہل بھی نہ مانیں۔ وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، اور نہ ہی ایک دوسرے کو اللہ تعالےٰ کے ماسوا رب مانیں مثلاً یہ کہ کہیں عزیر بن اللہ یا عیسیٰ بن اللہ (معاذ اللہ) اور نہ ہم علماء کی وہ باتیں مانیں جو انھوں نے از خود دین میں نکالی ہیں کیونکہ اپنی طرف سے ایجادِ بندہ کے طور پر چند چیزیں حلال اور چند حرام دے دیں۔ کیونکہ وہ سب کے سب ہمارے جیسے انسان ہیں۔

ف: حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کرکے کسی غیر کی اطاعت کروں یا غیر قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھوں۔ یعنے صرف اللہ تعالےٰ کی اطاعت کروں گا اور صرف قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھوں گا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ پس اگر وہ روگردانی کرتے ہیں اس سے کہ جس کی طرف آپ انھیں بلاتے ہیں یعنے اللہ تعالیٰ کی

توحید و ترک الاشراک ۔ فَقُوْلُوا تو اے مومنین کہو کہ اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں ۔ یعنی اب تم پر حجت قایم ہوگئی اور معترف ہو جاؤ کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں ۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات گرامی

مکتوبِ گرامی (۱) : مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر روم کی طرف مکتوب گرامی لکھا جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے :

اصل عبارت	ترجمہ
عن محمد رسول اللّٰہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدی ۔	یہ خط حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہرقل عظیم الروم کی طرف یہ کہ سلام ہوں اس پر جو ہدایت کی تابعداری کرتا ہے ۔
اما بعد !	اما بعد !
فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم ۔	میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں مسلمان ہو جا سلامتی پا جائے گا ۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کی شرح قولہ علیہ السلام اسلم تسلم ... الخ یعنی اسلام قبول کرلے دنیا میں قید سے بچ جائے گا اور آخرت میں عذاب سے جب کفار کو جہنم میں ڈالا جائے گا ۔ اور تو مسلمان ہو جا تجھے دوہرا ثواب ملے گا اور اگر تو انکار کرے گا تو رعایا کا گناہ بھی تیرے سر ہوگا ۔ اے اہل کتاب ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو تمہارے اور ہمارے مابین برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ تعالے کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں ۔ اگر وہ نہیں مانتے تو انہیں کہو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں ۔

مکتوب گرامی کا جواب صحیح حدیث میں ہے کہ جب یہ مکتوب گرامی ہرقل کے پاس پہنچا تو ہرقل نے فرستادہ سے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم کے حالات پوچھے ۔ فرستادہ نے آپ کا مکمل طور پر تعارف کرایا ۔ آپ کے حالات سن کر ہرقل نے کہا : اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو قدم چومتا ۔ اس لیے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کریمہ قدیمی کتب میں لکھے ہوئے تھے اور ہرقل آپ کو پورے طور پر جانتا تھا لیکن چونکہ اس نے اپنی شاہی کے چھن جانے کا خطرہ محسوس کیا تو لکھا :

" ہمیں یقین ہے کہ آپ سچے نبی ہیں لیکن ہم مجبور ہیں کہ ہم اس دین کو نہیں چھوڑ سکتے جو دین اللہ تعالے نے اپنے پیارے

عیسیٰ بن مریم کے لیے چن لیا تھا۔

علمِ غیب نبوی اس کا جواب سن کر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم متعجب ہوئے اور فرمایا:
لقد ثبت ملکھم الی یوم القیامۃ ابداً۔ بے شک ان کا ملک قیامت تک قایم و دایم رہے گا۔

مکتوبِ گرامی (۲): حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسرا مکتوب گرامی کسریٰ فارس کے بادشاہ کے نام لکھا لیکن اس بدبخت نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی پھاڑ ڈالا۔ اور قاصد کو واپس لوٹا دیا بلکہ قتل کی بھی دھمکیاں دی گئیں۔

اختیار اور علمِ غیب نبوی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسریٰ کی بد خلقی سے کبیدہ خاطر ہو کر بددعا فرمائی اور فرمایا: اللہ تعالےٰ نے قیامت تک کے لیے ان کا ملک پھاڑ ڈالا یعنے تا قیامت ان کی بادشاہی قایم نہیں ہو سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تمام ادیان کا مسلّم ضابطہ ہے کہ عبادت خالص اللہ تعالےٰ کے لیے ہے۔ کما قال تعالےٰ:
الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیاء۔ جیسے ہم سوائے اس کے اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ اسی طرح اس کے سوا اور کوئی طلب نہ رکھیں۔ طلبِ رزق ہو یا امور کے اسباب۔ بس صرف اس سے ہی مانگیں۔ ایسے ہی ہم کسی دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ اگر وہ اس قانون سے پھر جائیں تو انھیں کہو کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ ہم مسلمان ہیں اور سرِ تسلیم خم ہے۔ اس کے حکم کے سامنے جس کی طرف اللہ تعالےٰ ہمیں بلاتا ہے یعنے توحید اور اخلاص فی العبودیۃ اور نفی الشرک کے لیے۔

نکتہ: دراصل انھیں اپنے اسلام پر گواہ بنانے میں راز یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کے لیے قیامت توحید و اسلام کی گواہی دیں گے تو مسلمان کفار کے لیے توحید و اسلام کے انکار کی گواہی دیں گے۔

اذان کی فضیلت حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے فرمایا کہ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ تمھیں جنگل میں بکریوں کو چرانے کی محبت ہے فلہذا جب تم جنگل میں بکریوں کو چرانے کے لیے جاؤ تو نماز کی اذان کی آواز بلند کرو۔ اس لیے کہ مؤذن کی آواز کو سن کر کل قیامت میں ڈھیلے اور جن و انس ایمان کی گواہی دیں گے۔ بنا بریں قیامت میں کفار کا اہلِ اسلام کے لیے ایمان کی گواہی دینا الٹا ان پر حجت قایم ہو گی۔

ف: خلاصہ یہ کہ توحید ایک مضبوط رسّی اور تمام اصولوں کی جڑ ہے اور وہ جانبِ غیب سے بھینی بھینی ہوا کی طرح چلتی ہے۔ اور اسے نصیب ہوتی ہے جس کا قلب توحید کو قبول کرتا ہے۔

تنبیہ: دانا پر لازم ہے کہ وہ کتاب اللہ کی مخالفت نہ کرے اور نہ ہی اس کے مفاہیم کے سمجھنے سے اور نہ ہی اس کے معانی میں تدبیر کرنے میں بلکہ اسے چاہئے علم وعمل کی راہ اختیار کرے۔ اور جہل ضلالت وغوایت سے اجتناب کرے لیکن اس سے قبل کہ اس کے سر پر مٹی ڈالی جائے اور اسے کفن میں لپیٹا جائے۔

حضرت مولانا ملا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

پیش کسریٰ ز خرد مند حکیماں مے رفت
سخن از سخت تریں موج دریں لجۂ غم
آں یکے گفت کہ بیماری و اندوہ دراز
واں دگر گفت کہ ناداری و پیری است بہم

حکایت ایک دن نوشیرواں کی مجلس میں تین حکیم حاضر ہوئے تو وہ ان کا کلام مصائب و شدائد کے متعلق چل نکلا کہ عالم دنیا میں کون سی بلا ومصیبت شدید ترین ہے۔ حکیم رومی نے کہا کہ بڑھاپا اور اس کے ساتھ تنگدستی اور حکیم ہندی نے کہا کہ مرض اور بدن کی تکلیف کے ساتھ غم والم گھیرلے۔ حکیم بزرجمہر نے کہا کہ ادھر موت دکھائی دے ادھر بدعملیوں کی عادت ہو۔ سب نے بزرجمہر کے قول کو پسند کیا اور دوسرے حکماء نے بھی اس کی تائید کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو طاعات کی لذات سے نوازے اور ہادم اللذات یعنی موت کے آنے سے پہلے نیکی کی توفیق بخشے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ یَاَھْلَ الْکِتٰبِ۔ اے اہلِ کتاب یعنے یہودیو! اور نصرانیو! لِمَ تُحَآجُّوْنَ، تم کیوں جھگڑتے ہو۔ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ، ابراہیم علیہ السلام کی ملت (شریعت) کے بارے میں۔

شانِ نزول یہود ونصاریٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جھگڑا اٹھایا اور ہر ایک کا یہی دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے مذہب وملت پر تھے۔ یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جھگڑے تو یہ آیت اتری کہ تم کاہے کے مدعی ہو کہ وہ ابراہیم علیہ السلام تمہیں میں سے تھے۔

وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ، اور نہ تو تورات موسیٰ علیہ السلام پر اتری۔ وَالْاِنْجِیْلُ، اور نہ انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر۔ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ط ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد اور یہودیت ونصرانیت کے نام تم نے ان کتابوں کے نزول کے بعد رکھے ہیں۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ کیا تم سمجھتے نہیں ہو یعنے کیا تم فکر نہیں کرتے کہ تمہارا مذہب باطل ہے اور تمہارا جھگڑا ایک

محال بات کا ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابراہیم و موسیٰ علی نبینا و علیہما السلام کے مابین ایک ہزار سال کا فرق ہے پھر موسیٰ و عیسیٰ علی نبینا و علیہما السلام کے مابین دو ہزار سال کا فرق ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس دین کا دعویٰ کیسا جو ان کی وفات کے ہزاروں سال بعد پیدا ہوا۔

هَآَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ ۔ یہ جملہ مبتدا و خبر پر مشتمل ہے لیکن اس کا آغاز حرف تنبیہ سے کیا گیا ہے پھر اس کے بعد دوسرا جملہ مستانفہ لایا گیا ہے۔ جس میں پہلے جملہ پر عطف وغیرہ نہیں ڈالا گیا۔ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ نہایت درجہ کے احمق اور پاگل تھے۔ چنانچہ فرمایا:

حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ، تم اس میں جھگڑ چکے ہو، جس کا تمھیں علم ہے یعنی تورات و انجیل میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی۔ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ پس اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں علم بھی نہیں۔ یعنے اس کا تمھاری کتابوں میں ذکر ہی نہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ جس بات میں تم جھگڑتے ہو اسے اللہ تعالے ہی جانتا ہے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ اور محل نزاع کو تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ ان دونوں مذہبوں کی تصریح اس لیے ہے کہ ان کی تردید میں برہان قوی موجود ہے۔ وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا ۔ اور لیکن تھے وہ حنیف۔ یعنی غلط اور گندے عقائد سے منہ موڑنے والے۔ مُّسْلِمًا ؕ اللہ تعالے کے سچے فرمانبردار۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ ملت اسلام پر تھے ورنہ جو اعتراضات یہود و نصاریٰ پر وارد ہوئے وہی اہل اسلام پر وارد ہو سکتے ہیں۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اور نہ وہ مشرکین میں سے تھے۔ اس میں مشرکین کا بھی رد ہے کہ وہ بھی کہا کرتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہیں۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ ، بے شک لوگوں میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ زیادہ قریب اور زیادہ حق وہ رکھتا ہے جو کہہ سکے کہ میں ہی ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں۔ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ، البتہ وہ ہیں جنھوں نے ظاہری زندگی کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تابعداری کی۔ وَهٰذَا النَّبِيُّ ، اور یہی نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس لیے کہ انھوں نے ان کی صحیح اور سچی تابعداری کی ہے اور وہ لوگ جو اللہ تعالے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی۔ اس لیے کہ یہ لوگ اصولی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کے موافق ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اور اللہ تعالے مومنوں کا مددگار ہے اور ان کی مدد کرتا ہے ان کے ایمان کی وجہ سے، ان کے نیک اعمال کی انھیں نیک جزا عطا فرماتا ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ، اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش، کاش يُضِلُّوْنَكُمْ

وہ تمہیں گمراہ کر ڈالیں یعنے تمہیں دینِ اسلام سے پھیر کر دینِ کفر کی طرف لے جائیں۔

سوال: آیت میں ایک گروہ کا نام کیوں لیا ہے؟

جواب: اس لیے کہ ان میں بعض اسلام قبول کر چکے اور بہت نیک دل تھے۔

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ اور گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے نفسوں کو۔ یہ جملہ حالیہ ہے اور اس لیے لایا گیا ہے تاکہ دلالت کرے کہ مخاطبین کو بات راسخ ہو جائے اور وہ دینِ اسلام پر مضبوط اور ثابت قدم ہو جائیں یعنے ان پہ گمراہی چڑھ گئی ہے۔ اس لیے کہ گمراہی کا وبال انھیں پر لوٹے گا۔ اس لیے کہ ان کے کردار سے ان کے لیے جہنم کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ **وَمَا يَشْعُرُونَ ۝** اور وہ اسے سمجھتے بھی نہیں کہ وہ وبال اور عذاب اور ان کے کردار کا ضرر الٹا ان کے گلے پڑے گا۔

ف: جب اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب کا کام صرف یہی ہے کہ وہ حق سے روگردانی کرتے ہیں اور حجت قوی کو سننا ہی نہیں چاہتے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں بلکہ وہ رسولِ پاک کے ماننے والوں کو مرتد بنانے میں کوشاں رہتے ہیں اور ان پر قسم قسم کے شبہات ڈالتے ہیں۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ شیطان کے شک و شبہ ڈالنے سے دینِ حق کا دامن نہ چھوڑے خواہ وہ اسے کتنا ہی گمراہی کی طرف لے جانا چاہے۔ اللہ تعالےٰ گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کو ہدایت بخشے۔ اور یہ یاد رہے کہ دینِ حق کے ترک کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھی

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا وقت قریب ہوا تو آپ نے ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جمع فرمایا۔ پھر ہم سب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور ہمیں فرمایا:

مرحبًا شاباش! اللہ تعالےٰ تمھیں شاد و آباد رکھے، اللہ تعالےٰ تم پر رحمت فرمائے۔ میں تمھیں تقویٰ و طاعت کی وصیت فرماتا ہوں۔ اب میرے وصال کی گھڑی آ گئی ہے، میرا اللہ تعالےٰ کی طرف جانا قریب تر ہو گیا ہے۔ اب میری سدرۃ المنتہیٰ و جنۃ الماویٰ کی طرف تیاری ہے۔ مجھے گھر انے والے نہلائیں اور چاہیں تو انھی کپڑوں میں کفنائیں یا یمنی کپڑوں میں۔ جب تم نہلاؤ اور کفن سے فراغت پا لو تو مجھے میرے گھر ایک چارپائی پر رکھ چھوڑنا لیکن لحد کے کنارے پر۔ پھر مجھ سے تھوڑی دیر کے لیے دور ہو جانا اس لیے کہ میرا جنازہ سب سے پہلے میرے حبیب حضرت جبریل علیہ السلام پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت۔ یہ حضرات اپنی اپنی جماعت لے کر آئیں گے۔ پھر تمھاری باری ہو گی۔ لیکن تم بھی جماعت جماعت بنا کر حاضری دینا اور نمازِ جنازہ پڑھنا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے حضور علیہ السلام کے وصال کی بات سنی تو رونے لگے اور خوب روئے اور عرض کی : یا رسول اللہ ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہمارے رب کے رسول اور مجلسوں کی شمع اور ہمارے امور کے بادشاہ جب آپ دنیا سے کوچ کر جائیں گے تو پھر ہم کہاں جائیں گے ۔ اپنے معاملہ میں کس کی طرف رجوع کریں گے ۔ آپ نے فرمایا ! میں تمھیں دلیل پر چھوڑ رہا ہوں یعنی ایک ایسا واضح ، کھلا اور روشن راستہ ہے کہ وہ اپنی وضاحت میں اس کی راتیں دن میں زیادہ روشن ہیں اس راہ پر چلنے والا اسے چھوڑ کر ہلاکت کے گڑھے میں ہلاک ہو کر مرے گا ۔ میں تم میں نصیحت کرنے والے دو ناصح چھوڑے جا رہا ہوں :

(۱) ناطق

(۲) صامت

ناطق تو یہی قرآن مجید اور صامت موت ہے ۔ جب کوئی معاملہ درپیش ہو اور وہ حل نہ ہو سکے تو تم قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا اور جب تمھارے دل کالے سیاہ یا سخت ہونے لگیں تو تم اموات کے حالات پڑھ کر اور سن کر اپنے قلوب کو نرم اور رقیق یعنی درست کر لینا ۔

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفاداری امید نیست

ترجمہ : جہان اے پسر ! برابر ہمیشہ کا ملک نہیں ۔ دنیا سے وفاداری کی امید نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ لوگ اعتقاد و عمل کے لحاظ سے کئی قسم کے ہیں ۔ بعض تو اپنے عقائد میں مضبوط قلعہ کی طرح نہایت ہی سخت ہیں جہاں جم جاتے ہیں تو پھر وہاں سے سر مو ہٹنے کا نام تک نہیں لیتے ۔ اگرچہ تمام لوگ گمراہ کرنے پر سر کی بازی بھی لگائیں ۔ یہ بہت اونچا مرتبہ ہے اور دینی امور میں یہ صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام کو نصیب ہوتا ہے اور مومنین میں چند افراد کو ۔

ف : سیدنا علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اگر پردے ہٹ جائیں تب بھی میں یقین میں بڑھ نہیں جاؤں گا یعنی میرا ایمان مضبوط ہے خواہ غیبی طور پر ہو یا اس کا معائنہ ہو جائے جیسے محسوسات میں شک کو شک کی گنجائش نہیں ۔ اسی طرح وہ اشیاء جو ان کے حکم میں ہیں ۔ (ان میں شک کو گزر نہیں)

بعض لوگ اپنے عقائد وغیرہ کے معاملہ میں ضعیف ہوتے ہیں ان میں کسی قسم کی پختگی نہیں ہوتی ۔ انھیں خواہشات کی ہوائیں جہاں چاہتی ہیں لے جاتی ہیں جب کہ ان کی عنایت ازلیہ بھی معاونت نہیں کرتی ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح مختلف ہیں یعنی

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۸۰)

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ
النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ
قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ
رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ۙ
يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا
يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي
الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى
بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ
وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ
وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ
مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ
الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ
بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ۙ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا
الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ع

ترجمہ: اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا وہ جو اہل ایمان پر اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو انکار کر دو شاید وہ پھر جائیں اور مت یقین کرو مگر اس کا جو تمھارے دین کا پیرو ہے۔ فرمائیے بے شک ہدایت اللہ تعالےٰ ہی کی ہے (یقین نہ کرو) کہ کسی کو ملا ہو جیسے تمھیں عطا ہوا یا کوئی تم پر حجت کر سکے بے شک فضل تو اللہ تعالےٰ کے قبضہ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالےٰ وسعت والا علم والا ہے۔ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے اور بعض کتابی وہ ہیں کہ اگر تو اس کے ہاں ایک ڈھیر مال امانت رکھے تو وہ تجھے ادا کر دے گا اور ان سے بعض ایسے ہیں کہ اگر تو ایک دینار ان کے پاس امانت رکھے تو وہ واپس نہ کریں گے،

جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر ان پڑھ لوگوں کا کوئی مواخذہ نہیں۔ اور وہ اللہ تعالٰے پر جانتے ہوتے جھوٹ باندھتے ہیں۔ ہاں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیزگاری اختیار کی تو بے شک اللہ تعالٰے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے بے شک جو لوگ اللہ تعالٰے کے عہد اور قسموں کے بدلے تھوڑا سامال لے لیتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور (قیامت میں) اللہ تعالٰے ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ہی انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور بے شک ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو زبان مروڑ کر کتاب میں کجی کرتے ہیں تاکہ تمھیں گمان ہو کہ وہ بھی کتاب میں ہے حالانکہ وہ کتاب میں نہیں ہے اور وہ اللہ پر عمداً جھوٹ باندھتے ہیں۔ کسی بشر کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے اللہ تعالٰے کتاب و حکمت و پیغمبری عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالٰے کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ ہاں یہ کہے گا کہ اللہ والے ہو جاؤ۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم خود اسے پڑھتے ہو۔ اور نہ ہی تمھیں حکم دے گا کہ ملائکہ اور پیغمبروں کو خدا بنا لو۔ کیا تمھیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو گئے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۷۸)

لوگ اعمال و اخلاق اور اقوال کے گنجینہ ہیں لیکن وہ ان میں مختلف ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں مختلف ہوتی ہیں اسی طرح نیچے کے مختلف اور متفاوت درجات کے لوگ ہوتے ہیں۔

ف: شرح المصباح میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ طبائع کے گنجینوں میں مکارم اخلاق کے جواہر اور موتی ہوتے ہیں انھیں ریاضتِ نفوس سے نکالا جا سکتا ہے جیسے خزانوں سے موتی نہایت ہی مشکل اور دکھ اور تکلیف کے بعد حاصل کیے جاتے ہیں۔

کسی نے کیا ہی خوب فرمایا:

بقدر الکسب تکسب المعالی
ومن طلب العلیٰ سھر اللیالی
تروم العز ثم تنام لیلا
یغوص البحر من طلب اللآلی

ترجمہ: عمل سے زندگی بنتی ہے جو مراتب علیا کا طالب ہے وہ راتوں کو جاگتا ہے۔ اے سالک! عزت و مرتبہ

کا طالب ہوکر پھر راتوں کو سونا رہتا ہے جو موتیوں کا طالب ہے وہ دریاؤں میں غوطہ لگاتا ہے۔

سبق: اوتاد و ابدال سے استمداد و استمداد ضروری ہے پھر اللہ تعالٰی سے امید رکھے کہ یہ راستہ آسان ہوگا اور جو اس گہرائی والے دریا کے خطرات ہیں۔ ان سے محفوظ ہو جائے گا۔

بارے کہ آسمان و زمین سر کشید از آں
مشکل بود بہ یاوری جسم و جان کشید
ہمت قوی کن از مدد رہروان عشق
کاں یار را القوت ہمت توان کشید

ترجمہ: ایک بار آسمان و زمین نے سرکشی کی مشکل ہے کہ جسم و جان سے ہمت کیجئے اور رہبران عشق سے مدد حاصل کیجئے اس لیے کہ محبوب ہمت کی قوت سے نصیب ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ، اے کتاب والو! اللہ تعالٰی کی آیات کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو۔ یعنی وہ آیات جن پر تورات و انجیل شاہد ہیں جو حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ **وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ** ○ اور تم جانتے بھی ہو۔ اور حال یہ ہے کہ تم اس پر خود شاہد ہو کہ واقعی وہ اللہ تعالٰی کی آیات ہیں۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ، حق کو باطل سے کیوں ملاتے ہو۔ حق سے اللہ تعالٰی کی وہ کتابیں مراد ہیں جو موسٰی علیہ السلام اور عیسٰی علیہ السلام پر اتریں اور باطل سے ان کی وہ تحریف کردہ باتیں مراد ہیں جو انھوں نے اپنی خود غرضی سے ان کتابوں میں ملا دی تھیں۔ اور غلط ملط سے مراد یہ ہے کہ باطل کو حق کے رنگ میں پیش کرنا اور کہنا کہ یہ تمام اللہ تعالٰی کی طرف سے ہیں۔

وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ، اور حق کو کیوں چھپاتے ہو۔ یہاں پر حق سے مراد حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آپ کی نعت ہے۔ **وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ○ اور تم جانتے ہو کہ وہ حق ہے اور وہ تمھاری کتابوں میں بھی ہے۔

تفسیر الآیۃ صفحہ ۲۷۹ تا صفحہ ۲۸۲

تفسیر عالمانہ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ، اور اہل کتاب کے ایک گروہ یعنی ان کے مقتدا اور بڑے لیڈروں نے اپنے چھوٹے اور معمولی لوگوں کو کہا ؛ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ ، ایمان لاؤ ، قرآن پر یعنی اس کے لیے ایمان کا اظہار کرو ۔ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ، جو اہل اسلام پر نازل ہوا ۔ وَجْهَ النَّهَارِ ، دن کے حصے میں ۔

سوال ؛ وجہ النہار سے اول النہار کیوں مراد لیا گیا ہے ؟

جواب ؛ چونکہ دن کا پہلا حصہ ہی سب سے پہلے نظر آتا ہے ۔ اس لیے وجہ النہار سے اول النہار ، مراد لیا گیا ہے یہ ایسے ہے جیسے انسان کی ملاقات کے وقت سب سے پہلے اس کا چہرہ نظر پڑتا ہے تو گویا اس کا چہرہ اس لائق ہے کہ اسے اول الاعضاء کہا جائے ۔ ایسے ہی یہاں ہے ۔

وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ ، اور اس کے آخری حصہ میں کفر کا اظہار کرو ۔ یعنی دن کے پچھلے اوقات میں اس عقیدہ کا اظہار کرو جس پر تم پہلے ہو ۔ یوں احساس دلا کر کہ ہم نے ان کے دین کو سرسری طور پر قبول کر لیا لیکن اس کے اندر غور و خوض کیا تو اس کے اندر بہت بڑی خامیاں پائیں اس لیے ہم اپنے اصلی دین کی طرف لوٹ آئے ہیں ۔ لَعَلَّهُمْ ، امید ہے وہ یعنی مومنین ، یَرْجِعُوْنَ ۝ یعنے جیسے تم نے رجوع کر لیا ۔ ایسے ہی وہ بھی اپنے ایمان (کہ جس پر وہ اس وقت ہیں) سے رجوع کر کے تمھارے ساتھ ہو جائیں گے ۔

طائفہ سے کعب بن اشرف اور مالک بن صیف مراد ہیں ۔ تحویل قبلہ کے موقعہ پر انھوں نے اپنے معتقدین سے کہا کہ تم صبح کے وقت مان جاؤ اور کہو : اے مسلمانو ! وہ حکم جو تمھارے لیے تحویل قبلہ کے بارے میں اترا ہے حق ہے ۔ بلکہ تم ان کے ساتھ ہو کر ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو ۔ لیکن شام کے وقت قبلہ کعبہ سے پھر کر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگ جاؤ تاکہ وہ سمجھیں کہ جب یہ اہل کتاب (جو اہل علم ہیں اور ہم مسلمانوں سے علم میں بڑھے ہوئے ہیں) قبلہ کعبہ سے منحرف ہو گئے ہیں ۔ تو پھر کیوں ہم نہ پھریں ۔ امید ہے کہ اس تدبیر سے اہل اسلام دھوکہ میں آ جائیں گے ۔

وَ لَا تُؤْمِنُوْٓا ، اور نہ ایمان لانا یعنے قلبی طور پر کسی کو نہ ماننا ۔ اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ سوائے اس کے جو تمھارے دین کی اتباع کرے ۔ یعنے اپنے دین والوں کو ماننا نہ کہ حضور (صلے اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کو ۔ یہ اہل کتاب کے لیڈروں کا بتایا کلام ہے جب کہ ان کے حکم سے عوام نے دن کے پہلے حصہ میں قرآن اور اسلام کی تصدیق کی اور اہل اسلام سے اٹھنے بیٹھنے لگے تو ان کے لیڈروں نے انھیں بلا کر سمجھایا کہ خبردار ! یہ معاملہ صرف ظاہر تک محدود رہے قلبی طور پر انھیں ہرگز نہ ماننا اور یہ بات بھی تمھارے اور ہمارے مابین راز ہے اسے مسلمانوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا کہ ہمارے لیڈروں نے ہمیں یوں ہی سمجھایا ہے ۔ ہاں ! اگر اپنے دین والوں کے سامنے اس کا اظہار کر دو تو کوئی حرج نہیں ۔

قُلْ ، اے میرے محبوب ! (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) ان لیڈروں کو فرما دیجئے ۔ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ

بے شک ہدایت صرف اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے جس کے لیے چاہتا ہے اس کی طرف راہ دکھاتا ہے اور اس پر ثابت قدم رکھتا ہے پس جب کہ ہدایت و توفیق اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ تو پھر اے لیڈرو! نہ تمھارا مکر و فریب ہمیں نقصان دے سکتا ہے اور نہ ہی اور نہ کوئی تدبیر و تجویز۔

یہ جملہ معترضہ ہے اور اس سے مقصد یہ ہے کہ لیڈروں کا مکر و فریب کسی بھی فائدہ پر مشتمل نہیں۔

اَنْ یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ: بتقدیر اللام یہ جملہ فعل محذوف کی علت ہے یعنی یہ تمھارا قول مکر و فریب اس لیے ہے کہ تمھاری طرح کسی دوسرے کو دیا جائے۔ کتاب کی فضیلت اور علم نہ دیگر وجہ سے یعنی تمھارا مکر و فریب حسد کی بنا پر ہے۔ اس حسد نے تمھیں ان باتوں کے کہنے پر ابھارا ہے۔ اَوْ یُحَآجُّوْکُمْ، یا تمھارے ساتھ وہ جھگڑتے ہیں۔ اس کا عطف ان یوتیٰ پر ہے اور یحاجوکم کی ضمیر جمع غائب احد کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال: احد واحد اور ضمیر جمع؟

جواب: احد بمعنے جمع ہے۔ یعنے اے لیڈرو! تم نے مکر و فریب کی جو تدبیریں بنائیں ہیں اس حسد کی بنا ہے یا اس لیے کہ وہ تمھارے ساتھ حجت قایم کریں یا بوجہ تمھارے اس کے ساتھ کفر کرنے کے جو تمھارے خیال میں ہے کہ تمھاری کتاب جیسی کسی کو عطا نہیں کی جائے گی۔

عِنْدَ رَبِّکُمْ، تمھارے رب کے ہاں قیامت میں یعنے قیامت میں حجت قایم کرکے تمھارے اوپر غالب ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ جسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اسے حق پہنچتا ہے کہ اپنے مخالفین کے خلاف اللہ تعالےٰ کے ہاں حجت قایم کرے۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ فرمائیے، اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم کہ بے شک فضل یعنی ہدایت و توفیق اور علم و کتاب کی عطاء اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت میں ہے۔

یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ، اور اللہ تعالےٰ کامل قدرت والا عَلِیْمٌ ○ اور کامل العلم ہے۔ وہ اپنے کمال قدرت کی وجہ سے جس پر چاہتا ہے جتنا چاہے فضل کر دے۔ اور اپنے کمال علم کی وجہ سے اس کے تمام افعال حکمت و صواب پر مبنی ہوتے ہیں۔

یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ، مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت کو۔ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○ جس کے لیے چاہتا ہے، اللہ تعالےٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

یہ دونوں ماقبل کا تتمہ اور تاکید کے لیے ہے۔

حسد کی مذمت: آیاتِ مذکورہ میں اشارہ ہے کہ حسد نے انسان کی طبیعت میں ڈیرا جمایا ہوا ہوتا ہے خصوصاً علماء

میں بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن سے وہ عالم مراد ہے جو علم صرف اس لیے پڑھے کہ سفہار کو اپنی طرف متوجہ کرے گا اور علمار کی مجلس میں بیٹھ کر شیخی بگھارے گا اور اس کے علم کی وجہ سے مال و دولت جمع کرے گا اور اس کا مقصد جاہ و جلال کا حصول ہوگا اور اہل دنیا علمی مراتب کو دیکھ کر سلام کریں گے یعنی عزت و عظمت نصیب ہوگی۔ پھر یہ ہر عالم دین سے حسد کرتا ہے۔ اور اُس کی جو بات بھی خلاف توقع سنتا ہے اسے خوب اچھالتا ہے تاکہ عوام میں اس کا مرتبہ گر جائے اور اس کی شہرت ہو اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: حسد صرف دو شخصوں پر ہوتا ہے:

① جسے اللہ تعالے مال دے اور وہ اسے اللہ تعالے کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔

② وہ عالم دین جسے اللہ تعالے نے علم و حکمت کی دولت سے نوازے۔ پس وہ اس سے فیصلہ کرتا ہے اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے۔

شرح حدیث: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ان دو گروہوں پر حسد ہوتا ہے اور کسی پر نہیں ہو سکتا۔ یہود کے علمار کا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر حسد اسی قبیل سے تھا۔

حدیث شریف کے چھ جہنمی: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: چھ شخص ایسے ہیں کہ وہ بغیر حساب کے ہی جہنم میں جائیں گے۔ عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا:

① امرا ظلم و ستم کی وجہ سے۔

② عرب لوگ تعصب کی وجہ سے۔

③ دیہاتی تکبر کرنے کی وجہ سے۔

④ تاجر، خیانت کرنے کی وجہ سے۔

⑤ مزدور، جہالت کی وجہ سے۔

⑥ اہل علم، حسد کی وجہ سے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ہر گناہ کی جڑ ہیں۔ ان سے ڈرو:

① اپنے آپ کو تکبر سے بچاؤ۔ اس تکبر نے ہی ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام کے سجدہ سے محروم رکھا۔

حضرت مولانا عارف جامی قدس سرہٗ السامی نے فرمایا:

لاف بے کبری مزن کاں از نشان پائے مور
در شب تاریک بر سنگ سیہ پنہاں تر است

وز درون گردن بروں آں راگیر آساں کزاں

کوہ را کندن بسوزن، از زمین آساں تراست

ترجمہ: یہ دعویٰ نہ کر کہ مجھ میں تکبر نہیں کیونکہ یہ بہت بڑا مرض ہے۔ جیسے چیونٹی رات کی تاریکی میں سیاہ پتھر پر نظر نہیں آتی ایسے ہی مرض محسوس نہیں ہوتا۔

اس کے اندر ہی اندر میں گردن مروڑ پہاڑ کو سوئی سے توڑنا تو پھر بھی اس سے آسان ہے لیکن اس کا نکالنا آسان نہیں۔

(۲) اپنے آپ کو حرص سے بچاؤ۔ آدم علیہ السلام کو حرص نے ہی بہشت سے زمین پر تشریف لانے پر مجبور کیا کہ وہ گندم کا دانہ کھا بیٹھے۔

حضرت جامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

در ہر دلے کہ عز قناعت نہاد پائے

از ہر چہ بود حرص و طمع را ببست دست

ہر جا کہ عرصہ کرد قناعت متاع خویش

بازار حرص و معرکہ آز را شکست

ترجمہ: جس دل پر قناعت نے غلبہ پا کر قدم رکھا۔ حرص و طمع سے اس کے ہاتھ باندھ دیتے جاتے ہیں جہاں قناعت نے اپنا سامان رکھا وہاں نہ حرص کی دال گلتی ہے اور نہ ہوس کو جگہ ملتی ہے۔

(۳) اپنے آپ کو حسد سے دور رکھنا چاہیئے۔ اس حسد کی بنا پر آدم علیہ السلام کے دو صاحبزادوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر ڈالا۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

توانم آنکہ نیازارم اندرون کسے

حسود را چہ کنم کو ز خود برنج درست

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست

کہ از مشقت آں جز بمرگ نتواں رست

ترجمہ: میں تو یہی چاہتا ہوں کہ کسی کا دل نہ رنجاؤں حاسد کا کیا کروں وہ تو اپنی بیماری میں ایسا مبتلا ہے کہ مرتے دم تک وہ اسے ہرگز نہ چھوڑے گی۔

حکایت: اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ وہ ایک سو بیس سال عمر کو پہنچ چکا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا، تم نے اتنی لمبی عمر کس طرح پائی؟ اس نے کہا: میں نے کسی پر حسد نہیں کیا۔ یہ اس کی برکت ہے کہ اللہ تعالٰی نے میری عمر بڑھا دی۔

حسد کا فرشتہ بعض روایات میں ہے کہ پانچویں آسمان پر ایک فرشتہ ہے کہ اس سے ہر بندے کے اعمال کا گزر ہوتا ہے تو وہ اعمال سورج کی روشنی کی طرح چمکیلے ہوتے ہیں لیکن فرشتہ کہتا ہے کہ اے بندہ کے اعمال ٹھہر جاؤ۔ میں حسد کا فرشتہ ہوں۔ اگر اس بندہ میں حسد ہوتا ہے تو وہ اعمال اس کے منہ پر مارے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے یہ بندہ حسد کرتا ہے، جب تک حسد کو ترک نہیں کرے گا اس کے اعمال اوپر نہیں جا سکتے۔

(اللہ تعالٰی اس بُری مرض سے تمام مومنوں کو محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین)

حسد کی علامت: حسد کی ایک علامت یہ ہے کہ جب صاحبِ حسد کے سامنے جائے تو خوشامد کرے اور جب اس سے ہٹے تو اس کی غیبت کرے اور مصیبت کی وجہ سے جزع و فزع کرے۔

شاعر نے کہا ہے ؎

واذا اراد اللّٰہ نشر فضیلۃ طویت

اتاح لھا لسان حسود

لولا اشتعال النار فیما جاورت

ما کان یعرف طیب عرف العود

ترجمہ: اللہ تعالٰی کسی کی فضیلت کو عام مشہور کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے حاسدین کی زبانیں کھول دیتا ہے۔ اگر آگ اپنے قریب والی لکڑی کو نہ جلاتی تو عود کی لکڑی کی خوشبو نہ مہکتی۔

خلاصۂ بحث: بہر حال حسد اخلاقِ مذمومہ سے ہے۔ اسے نفوس سے دور کرنا نہایت ہی ضروری اور اہم ہے۔

نسخہ برائے ازالۂ حسد: یہ بیماری کلمۂ توحید اور ذکر الٰہی کی کثرت سے دور ہو سکتی ہے۔ ہاں اللہ تعالٰی کی نشانیوں کو دیکھنے سے بھی یہ مرض دفع ہو سکتا ہے۔

ف: افرادِ انسانیہ کا علم و عمل اور عادات و دیگر صفاتِ حسنہ میں متفاوت ہونا بھی رحمتِ الٰہی ہے اور یہ صرف تقدیرِ ربانی پر موقوف ہے جب کہ اس نے ازل میں جس طرح قلم چلایا ویسے ہی ہوا۔

نکتہ حاسد دراصل اللہ تعالٰی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالٰی نے ہی جسے مستحق دیکھا ویسے ہی بنایا لیکن حاسد سمجھتا ہے کہ یہ کیوں ہوا۔ اس کا معنے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالٰی پر طعنہ مارتا ہے کہ اس نے غیر مستحق پر اتنا انعام و اکرام فرمایا۔ اللہ تعالٰی بلند شان رکھتا ہے اس سے جو ظالم لوگ کہتے ہیں۔

حاسدین کی قرآن کریم میں مذمت

اللہ تعالیٰ نے حاسدین کی قرآن پاک میں مذمت فرمائی ہے، کما قال:

ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللہ من فضلہ۔ (کیا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا)۔

مسئلہ: کسی پر رشک کرنا، یہ نہ صرف جائز بلکہ نہایت ہی مستحسن ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں صفات شریفہ اور اخلاق لطیفہ سے مزین فرمائے اور ہمیں رذائل خبیثہ سے دُور رکھے۔ آمین یارب العالمین!

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ، اگر ان کے پاس بہت سا مال امانت رکھو۔

حل لغات: یہ اس مادہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے: امنۃ بکذا۔ یہ باء الصاقیہ ہے جو امانت سے ملصق ہوتی ہے اس لیے کہ جس شخص کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ شئے اس شخص کے ساتھ ملصق (چمٹی ہوئی) کے حکم میں ہوجاتی ہے کہ وہ شئے اس کے ساتھ قریب ہوتی ہے اور اس شخص کی حفاظت کی وجہ سے وہ شئے اس شخص سے متصل ہوتی ہے اور القنطار سے یہاں پر عدد کثیر مراد ہے۔

يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ، وہ تمہیں بلاانکار اور بغیر کمی کے ادا کرے گا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ کے پاس کسی قریشی نے ایک ہزار اور دو سو اوقیہ سونے کو امانت رکھا تو عند الطلب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کردیئے۔ معلوم باد! کہ اہل کتاب میں سے امانت میں دیانت داری کرنے والے وہی تھے جو مسلمان ہوگئے۔ **وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ**، اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ اگر اُن کے پاس صرف ایک دینار بھی امانت کے طور پر رکھو۔

ف: یہاں پر دینار سے قلیل عدد مراد ہے۔

لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ، تو وہ تمہیں واپس نہیں دے گا۔

ف: اس سے مراد کعب بن اشرف ہے کہ اس کے پاس ایک قریشی نے صرف ایک دینار امانت رکھا تو کعب بن اشرف نے اسے واپس نہ دیا۔ بلکہ سرے سے منکر ہوگیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی۔

معلوم باد کہ امانت میں بددیانتی کرنے والے اہل کتاب سب کے سب اسلام کی دولت سے محروم ہوکر یہودیت و نصرانیت پر قایم رہے۔

خلاصہ تفسیر: آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب میں بعض ایسے دیانت دار ہیں کہ اگر ان کے پاس ہزاروں کے ہزار مال امانت رکھا جائے تو وہ با امن د امان واپس دے دیتے ہیں اور بعض ان میں ایسے بددیانت ہیں کہ ان کے

پاس معمولی رقم بھی امانت رکھی جائے تو کھا جاتے ہیں ہرگز واپس نہیں دیتے اور خیانت میں یکتا ہیں

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا، ہاں یہ کہ تم اس پر کھڑے رہو تو۔ یہ اعم الاحوال یا اعم الاوقات سے استثنار فرغ ہے یعنے وہ تمام احوال میں سے کسی حال یا تمام اوقات میں سے کسی وقت میں تمھیں تمھاری امانت ادا نہ کرے گا مگر تمھارے دائمی قیام کے وقت کہ تم ہر وقت اور ہر حال میں اس کے سر رہو۔ اس سے امانت کے تقاضا کرنے اور اس پر دلیل قایم کرنے کے بارے میں مبالغہ مطلوب ہے۔

ذٰلِكَ، ان کا ادائے حقوق کا ترک۔ بِاَنَّهُمْ، اس سبب سے ہے کہ بے شک وہ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ، کہتے ہیں کہ ان پڑھ لوگوں کا ہمارے اوپر کوئی حق نہیں یعنے جو ہمارے مذہب (اہل کتاب) سے نہیں۔ سَبِيْلٌ، اس کا ہمارے اوپر کوئی حق نہیں، عتاب یا مواخذہ نہیں۔ سبیل کی نفی سے مطالبہ کی نفی مقصود ہے۔ اس لیے مطالبہ کرنے والا اس وقت اپنے مدعا علیہ سے مطالبہ کر سکتا ہے جب کہ مطلوب تک اس کا چارہ کار ہو۔ الامی، ام کی طرف منسوب ہے اس لیے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھتے پڑھتے نہیں تھے۔ دراصل ام اصل الشیٔ کو کہا جاتا ہے پھر جو نہ کچھ لکھے اور نہ پڑھے تو گویا وہ اپنے اصلی حال پر ہے کہ انسان کا اصل حال یہی ہے کہ وہ لکھے نہ پڑھے۔

بعض کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو اس لیے امی کہا جاتا ہے کہ آپ مکہ کی طرف منسوب ہوتے تھے اور مکہ کا ایک نام "ام القریٰ" بھی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ، اور اللہ تعالٰے پر جھوٹا بہتان باندھتے تھے۔ یہ دعویٰ کرکے کہ یہ حکم ان کی کتاب میں ہے جو منزل من اللہ ہے۔ (معاذ اللہ) وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اور وہ اپنے متعلق جانتے ہیں کہ واقعی وہ جھوٹے اور اللہ پر افترار باندھنے والے ہیں۔ وہ اس لیے کہ ان کے ہاں ہر اس شخص پر ظلم کرنا جائز تھا جو ان کے دین کے مخالف ہو (جیسے مرزائیوں قادیانیوں کا مذہب ہے)[1] اور کہا کرتے کہ تورات میں ان کے متعلق کوئی حق نہیں لکھا گیا (جو ہمارے دین کا مخالف ہو) [لاہوری] دراصل یہی انھوں نے اللہ تعالٰے پر بہتان تراشا۔ ورنہ تمام ادیان حقہ میں یہ مسئلہ مسلمہ تھا کہ امانت کا ادا کرنا واجب اور ضروری ہے اور غیر کا مال کھانا اور اسے نقصان پہنچانا اور امانت کی خیانت کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

بَلٰى، ہاں! جس کی انھوں نے نفی کی اس کا اثبات مطلوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امیوں کا ان پر حق ہے۔ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ، جو اللہ تعالٰے کے عہد کو پورا کرتا ہے۔

بعہدہ کی ضمیر من کی طرف راجع ہے۔ جو بھی وفا کرنے والے کا عہد مکمل کرتا ہے یا اللہ تعالٰے کے اس عہد کو

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

پورا کرتا ہے جو اس سے تورات میں لیا گیا ہے اور وہ یہ تھا : اے اہل کتاب ! تم محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا اور امانتیں ادا کرنا۔ وَ اتَّقٰی ۔ اور بچتا ہے شرک اور خیانت سے۔ شرط کا جواب یہ ہے یعنے فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ پس بے شک اللہ تعالٰے متقیوں سے محبت کرتا ہے۔ وہ لوگ جو دھوکا کرنے اور خیانت اور نقض عہد سے ڈرتے ہیں۔

اصل میں یہ یوں ہونا چاہیے تھا : فان اللہ یحبہ ۔ کیونکہ ضمیر من کی طرف راجع ہوتی ہے اور وہی جزا ہے شرط کی۔ جس سے تقویٰ مطلوب ہے یعنے اللہ تعالٰے تقویٰ سے محبت کرتا ہے۔ لیکن اس کے بجائے المتقین لایا گیا۔ اس سے عموم مطلوب ہے کہ وہی لوگ متقی ہیں جنھوں نے اس بات کے وعدے کا ایفا کیا جب کہ وعدہ کرچکے ہم نبی پاک حضور محمد مصطفٰے پر ایمان لائیں گے اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کریں گے۔

مسئلہ : آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایفائے عہد ایک بہت عظیم امر ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ طاعات ۲ دو امروں میں منحصر ہے۔

(۱) التعظیم الامر اللہ ، اللہ تعالٰے کے حکم کی عظمت کا تصور۔

(۲) الشفقہ علی خلق اللہ ، اللہ تعالٰے کی مخلوق پر شفقت کرنا۔ اور ایفائے عہد میں یہ دونوں امر بطریق اتم پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ایفائے عہد میں خلق اللہ کا نفع ہے اور جس فعل میں خلق اللہ کا نفع ہو۔ اس کا نام شفقت ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالٰے نے حکم فرمایا ہے کہ ایفائے عہد کرو تو اس کی ادائیگی میں اللہ تعالٰے کے حکم کی عظمت کا اظہار ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

" چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہی چاروں چیزیں مل جائیں تو سمجھو وہ پکا منافق ہے۔ اور جس میں ان کی ایک پائی جائے تو اس میں منافقت کا اتنا حصہ پایا گیا یہاں تک کہ ان گندی عادتوں کا ترک کرے ورنہ سمجھے کہ اس کے اندر منافقت نے گھر کیا ہوا ہے :

(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے یعنی اسے کسی چیز کا امین بنایا جائے اور کوئی شے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳) جب وعدہ کرے تو دھوکا دے یعنے وعدے کا ایفا نہ کرے۔

(۴) جب جھگڑے تو گالی گلوچ بکے یعنے حق سے تجاوز کرے۔

صاحب تحفہ فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ منافقت کی صرف یہی علامات ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ دراصل منافق وہ ہے کہ ظاہر کچھ تو باطن کچھ۔

سوال: اگر ان کے علاوہ بھی منافقت کی علامات ہوتیں تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ان چاروں کو محصور نہ فرماتے؟

جواب: چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ ہے کہ محل ومقام کے تقاضا پر بعض مواقع پر چند امور کو محصور فرماتے۔ حالانکہ ان کے علاوہ اور امور بھی ہوتے چونکہ اس مقام ومحل کا تقاضا یہی تھا کہ دھوکہ کرنے والوں کی مذمت ہو۔ اس لیے ایسے ہی بیان فرمایا۔

مسئلہ تصوف ممکن ہے یہ ایفائے عہد جیسے خبر کے لیے ضروری ہے ایسے ہی اپنے لیے بھی لازم ہے مثلاً نفس کو عہد ربانی پر پابند رکھے کہ وہ طاعاتِ الٰہی کو بجا لائے اور محرمات کو ترک کرے۔ اس لیے کہ اس طریقۂ کار سے ثواب نصیب ہوتا ہے۔ اور عتابِ الٰہی سے نجات۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ ہر آن دکھ ہو یا سکھ، خوشی ہو یا رنج اپنے عہد کے ایفاء میں کوشاں رہے اور اس پر پورے طور پر محافظت کرے۔

حکایت ایک نوجوان نے اللہ تعالٰے سے وعدہ کیا کہ زندگی بھر دنیا کی چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ ایک دن بازار سے گذر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک بہترین کمربند پر پڑی جو جواہرات اور موتیوں سے جڑا ہوا تھا، اسے وہ کمربند پسند آگیا۔ لیکن وہاں سے وہ آنکھ بچا کر نکل گیا یعنے کمربند کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ چونکہ کمربند کے مالک نے اس نوجوان کو وہاں سے گزرتا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد وہ کمربند چوری ہوگیا۔

کمربند کے مالک نے اس نوجوان کو پکڑ لیا اور گرفتار کر کے حاکم وقت کے ہاں لے گیا اور کہا کہ اس نے میرا کمربند چرایا ہے۔ حاکمِ وقت نے اس کی صورت درویشانہ دیکھ کر کہا کہ یہ صورت چوروں جیسی نہیں۔ کمربند کے مالک نے کہا کہ جناب! واقعی یہی میرے کمربند کا چور ہے اور میرے کمربند کی یہ یہ علامات ہیں۔ آپ اس نوجوان کی تلاشی لیں اس سے نہ ملے تو پھر مجھے سزا دینا۔

چنانچہ حاکمِ وقت نے اس کی تلاشی لی تو وہی کمربند اس نوجوان کی کمر سے بندھا ہوا ملا۔ حاکمِ وقت نے کہا: اے نالائق! تجھے شرم کرنی چاہیئے کہ لباس المؤمنین اور قلوب المنافقین کا مصداق تو ہے۔ نوجوان نے کمربند دیکھ کر کہا: مولای الاقالۃ الاقالہ (اے میرے مولا! اب مجھے معاف کر دے آئندہ پھر ایسا نہیں کروں گا) لیکن چونکہ جرم صادر ہو چکا تھا۔ اس لیے حاکمِ وقت نے حکم دیا کہ اس نوجوان کے کپڑے اتارو تاکہ اسے سزا دی جائے۔ لیکن ایک غیبی آواز حاکمِ وقت اور حاضرین مجلس کے کانوں میں گونجی جسے وہ سن تو رہے تھے لیکن بولنے والا نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ آواز یوں تھی:

دعوہ ولا تضربوہ انما اردنا تادیبہ (اسے چھوڑ دو، مارو مت، ہم نے تادیب کے طور پر اس

کے ساتھ ایسے کیا ہے)۔

حاکم وقت سنتے ہی فوراً نوجوان کے قدموں پر گرا اور اس کے سر کو چوما۔ اور عرض کی کہ حضرت! فرمایئے، اصل ماجرا کیا ہے۔ نوجوان نے تمام حال سنایا تو حاکم وقت حیران ہوگیا۔ اس کے بعد پڑھا واقعی ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں جن کے لیے حکم ہے:

والموفون بعهدهم اذا عاهدوا۔ (جب وہ وعدہ کرتے ہیں تو پورا کر دکھاتے ہیں)۔ اس کے بعد کہ بندہ کے مالک نے کہا: آپ مجھے معاف کر دیجئے۔ نوجوان نے فرمایا: اے بندۂ خدا! اس میں تیرا کیا قصور ہے۔ یہ سب میرے اللہ تعالےٰ کا حکم تھا جو ہو کر رہا۔ اور اس کے حکم کے سوا پتہ بھی نہیں ہلتا۔

حکایت:

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوی
چو بگذشت بر عارفے جنگ جو
گر ایں مدعی دوست بشناختے
بہ پیکار دشمن نپرداختے
گر از ہستی حق خبر داشتے
ہمہ خلق را نیست پنداشتے

خلاصۂ حکایت: حضرت بہلول دانا کا ایک عارف مدعی پر گزر ہوا۔ دیکھا کہ وہ کسی سے لڑ رہا تھا۔ حضرت بہلول دانا نے فرمایا کہ اسے اگر دوست کی معرفت نصیب ہوتی تو کسی کو دشمن نہ سمجھتا بلکہ اسے عرفان ہوتا تو ساری مخلوق کو نیست سمجھتا۔

تفسیر صوفیانہ اگر تم اسے سالک! اس معرفت سے کچھ حصہ لینا چاہتے ہو تو تمھیں بھی اپنے نفس کی تربیت کرنی چاہیئے تاکہ تمھیں "ہُوتہ مطلق" کا راہ نصیب ہو وہاں تو دوئی کو مٹانا پڑتا ہے۔ پھر شان یہ ہوتی ہے کہ ہر شے میں جلوۂ حق نظر آتا ہے۔ ہم تم اور سب کو اللہ تعالےٰ اپنا مشاہدہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ، بے شک وہ لوگ جو خرید کرتے ہیں یعنے تبدیل کرتے اور لیتے ہیں۔ بِعَهْدِ اللّٰهِ، اللہ تعالےٰ کے عہد کے بدلے میں یعنی اس کے عوض جو انھوں نے اللہ تعالےٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ حضور رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور امانتوں کو ادا کریں گے۔ وَ اَیْمَانِهِمْ اور اپنی قسموں کے عوض اور ساتھ اس کے کہ انھوں نے قسم کھائی تھی وہ یہی کہ کہا تھا: لنؤمنن به ولننصرنه (اور ہم اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی مدد کریں گے)۔

ثَمَنًا قَلِیْلًا، ثمن قلیل لے کر یعنے دنیا کے چند ٹکے لے کر۔ اُولٰٓئِکَ، وہی لوگ جن کے اوصاف قبیحہ اوپر

بیان ہو چکے ہیں۔ لَا خَلَاقَ، ان کا کوئی حصہ نہیں۔ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ، نہ آخرت سے اور نہ ہی اس کی نعمتوں سے۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ، نہ ہی اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کا غضب مراد ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالك)۔ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، اور نہ ہی قیامت میں ان کی طرف دیکھے گا۔ یہ مجاز ہے اس لیے کہ قیامت میں ان کی سخت اہانت کی جائے گی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی ہوگی۔ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ص اور جیسے اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی تعریف کرے گا۔ ان کی تعریف نہیں کرے گا۔ اس سے وہی تزکیہ مراد ہے جو گواہ کے لیے صفائی کا پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تزکیہ کبھی ملائکہ کرام کی زبانوں سے ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:

والملئكة يدخلون عليهم من باب سلام عليكم۔ (اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو)

اور کبھی بلاواسطہ ہوتا ہے یا دنیا میں۔ چنانچہ فرمایا:

التائبون العابدون۔ (توبہ کرنے والے رجوع کرنے والے)

یا آخرت میں جیسے فرمایا:

سلام قولا من رب رحيم۔ (رب رحیم کی طرف سے ان پر سلام کہا جائے گا)

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝ اور ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ ان گناہوں کی وجہ سے جن کے وہ دنیا میں مرتکب ہوئے۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ: اور بعض ان میں سے وہ ہیں۔

شانِ نزول یہ آیت ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے تورات میں تحریف کی اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت بدل ڈالی اور ان باتوں پر رشوت لی تو یہ آیت اتری، وان منهم .... الخ اس سے وہی تحریف کرنے والے یہودی مراد ہیں۔

لَفَرِيْقًا۔ اس سے کعب بن اشرف اور مالک بن ضیف اور ان کے دوسرے ساتھی مراد ہیں۔ يَلْوٗنَ۔ یہ لیٌّ سے مشتق ہے۔ لغت میں تاگہ بٹنا۔ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ، اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ بٹتے ہیں یعنے زبانوں کو نازل کردہ حکم سے محرف کی طرف پھیرتے ہیں۔ لِتَحْسَبُوْهُ، تاکہ اس محرف کو تم گمان کرو۔ ضمیر غائب کا مرجع محرف کو اس لیے قرار دیا گیا کہ سے ایسے ہی مراد ہو سکتی ہے۔

مِنَ الْكِتٰبِ، کہ وہ محرف بھی منجملہ اس منزل کتاب میں سے ہے۔ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ج حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں۔ یہ ضمیر منصوب یعنے لتحسبوا کی ضمیر غائب سے حال ہے یعنے حال یہ ہے کہ وہ ان کے اعتقاد میں بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے یعنے ان کی محرف کلام ۔ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اور اللہ تعالےٰ پر جھوٹی باتیں بناتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ جھوٹے اور اللہ تعالےٰ پر بہتان باندھنے والے ہیں اور یہ تاکید اور پختہ بنانے کے لیے ہے۔ اس مضمون کو کہ واقعی وہ اللہ تعالےٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں اور عمداً ایسے ہی کر رہے ہیں ۔

شانِ نزول سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ یہودی تورات کعب بن اشرف کے پاس لائے اور اس کے مضامین نقل کرتے وقت حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام تعریف تورات میں تبدیل کر ڈالی پھر وہی کتاب قریظہ کے پاس پہنچی تو انھوں نے محرف و غیر محرف کا امتیاز ہی اٹھا دیا۔

تفسیر صوفیانہ دونوں آیتوں میں اشارہ ہے کہ بے شک وہ لوگ جنھوں نے روز میثاق میں جو وعدہ کیا توحید و طلب الوحدۃ اور اپنی قسموں کے عوض خریدتے ہیں۔ متاع دنیا اور اس کی وہ رونقیں جو حواس خمسہ اور صفاتِ نفسانیہ کے مناسب ہیں کے تھوڑے ثمن سے آخرت روحانیہ جو اخلاق ربانیہ کی خوشبوؤں کی نسیم میں سے ان کا کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی ان سے کلام کرے گا۔ انھیں قریب بلاکر اور تعظیم و تکریم کر کے یا انھیں سمجھانے کے ارادہ پر اور نہ ہی انھیں نظرِ عنایت اور نگاہِ رحمت سے دیکھے گا تاکہ ان پر رحم فرمائے اور نہ ہی انھیں ان صفات ذمیمہ سے پاک کرے گا کہ جن کی وجہ سے وہ نارِ جہنم کے مستحق ہوں گے اور نہ ہی انھیں ان صفاتِ ذمیمہ سے پاک کرے گا جو کہ جہنم کا ایندھن ہیں اور وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لیے اس سے چھٹکارا نہیں ہوگا اور امور مذکورہ (یعنے نہ ان سے کلام کرے گا اور نہ نظر کرم اور نہ اوصاف مذمومہ سے صفائی وغیرہ ۔) کی وجہ سے ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا اور بے شک مدعیان معرفت میں ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ اپنی زبان کو کتاب کے ساتھ ملاتے ہیں یعنے اسے اہل معرفت کے کلمات دکھاتے ہیں تاکہ تم اسے معرفت کی باتیں سمجھو۔ حالانکہ وہ اس کتاب سے نہیں ہوتے جسے اللہ تعالےٰ نے اہل معرفت کے قلوب پر لکھا ہے اور وہ مدعیان معرفت کہتے ہیں یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے یہی تو علم لدنی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالےٰ سے نہیں بلکہ اپنے جھوٹی دعاوی کا اظہار کر کے جب کہ ان میں معانی نہیں ہے اللہ تعالےٰ پر جھوٹ تراشتے ہیں ۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا جامہ پاکست و سیرت پلید
در دوزخش را نباشد کلید

ترجمہ : جس کا بظاہر کپڑا پاک (درویشانہ) ہے لیکن سیرت پلید ہے ایسے شخص کو دوزخ کی چابی کی ضرورت نہیں ۔

یعنے جس کا طریقہ کار غلط ہو تو وہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔ اس سے حساب لینے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیے اس کا انجام کار جہنم ہے اگرچہ کسی سے حساب لینا بھی ایک قسم کا عذاب ہے لیکن جہنم کا عذاب اس سے کئی گنا زیادہ سخت ترین ہے۔ ؎

اگر مردی از مردئی خود مگوئے
نہ ہر شہسوارے بدر برد گوئے

ترجمہ: اگر جواں مرد ہو تو ریاکی باتیں نہ کہو اس لیے کہ ہر شہسوار بازی لے جاتا ہے۔

یعنے ہر عابد کی عبادت مبنی بر خلوص ہوتی ہے بلکہ بہت سے بظاہر تو نیک ہوتے ہیں لیکن ان کا انجام بربادی ہی ہوتا ہے۔

کسے سر بزرگی نباشد بچیز
کدو سر بزرگست و بے مغز نیز
میفرازنہ گردن بدستار و ریش
کہ دستار پنبہ است وسبلت حشیش

ترجمہ: جس کے سر میں کچھ نہیں ہوتا کدو کی طرح اس کا سر موٹا تو ہے لیکن اندر سے خالی اور بے مغز ہے دستار اور داڑھی سے گردن نہ بڑھا اس لیے کہ پگڑی تو کپاس کی ہے اور داڑھی صرف چند بال ہیں۔ (یعنے داڑھی چند سوکھے تنکے ہیں۔)

سبق: اے جھوٹے مدعیو! معافی تلاش کرو۔ اے معرفت کے دم بھرنے والو! محبت کی طلب کرو۔ اے محبت کا دعویٰ کرنے والو! اطاعت و فرمانبرداری کا شیوہ اختیار کرو۔

شبِ معراج میں زانی عورتوں کا بُرا حال حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج چند عورتوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں مقراض ہیں اور وہ اپنے سینے کو پکڑ کر کے اسے ٹکڑا ٹکڑا کر رہی ہیں۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انھوں نے عرض کی کہ یہ وہ عورتیں ہیں کہ اپنے شوہروں کے ہوتے ہوئے غیروں سے زنا کرا کر بچے جنتی تھیں۔

نتیجہ: حضرت شیخ الصفی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو جھوٹے مدعی کہتے ہیں کہ ہم معرفت اور مقام ارشاد میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ اس طرح کے مکر و فریب سے مالِ دنیا کماتے ہیں تو قیامت میں انھیں ان عورتوں سے ستر گنا زیادہ عذاب ہوگا۔ جو شخص قرآن کو دنیوی مال و متاع کے حصول کا ذریعہ بناتا ہے اس سے وہ افضل ہے جو باجے بجا کر یا کوئی دوسرا تماشا دکھا کر روزی کماتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کہیں اونچی جگہ پر اچھی شے رکھی ہوتی ہو اور اسے بھوک نے ستایا ہو۔ اب

اس کے اٹھانے کے لیے کسی شے کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اوپر سے اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کے پاس پاؤں کے نیچے رکھنے کے لیے یا قرآن مجید ہے یا طنبور۔ اب چاہیئے کہ طنبو کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اوپر سے روٹی اٹھائے نہ کہ قرآن مجید کو سے

دین فروشی ما بہ کردن ہست خسران مبین
سود مند آنکس کہ دنیا صرف کرد و دیں خرید

ترجمہ: دین فروشی کرنا سخت گھاٹے کا سودا ہے۔ وہ شخص نفع پا گیا جس نے دنیا دے کر دین خریدا۔

تنبیہ: ہمارے ملک میں بہت سے گندم نما جو فروش شیخی بگاڑنے والے پائے جاتے ہیں جن کے معرفت کے دعوے تو بڑے بڑے ہوتے ہیں لیکن ان کے پلے کچھ نہیں ہوتا۔ لوگوں کی جھوٹی باتوں سے پھنساتے ہیں بلکہ اس کے سامنے ایسے روپ دھار لیتے ہیں کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قطب زماں ہیں۔ لیکن انھیں حقیقت و معرفت کی بو تک نصیب نہیں ہوتی[1]

سبق: دانا پر لازم ہے کہ ان کے ظاہری ٹھاٹھ کو دیکھ کر ان کے دامِ تزویر میں نہ پھنسے اور نہ ہی ان کی رنگ برنگی باتوں میں پھنس کر جادۂ شریف سے ہٹے بلکہ کوشش کرے کہ اسے حق و باطل کے مابین امتیاز حاصل ہو اور عارف و جاہل کے متعلق اسے فرق معلوم ہو سکے۔ اس لیے حق سے منہ موڑنے پر گمراہی کے گڑھے میں پھنسا ہو گا۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو ٹیڑھے پن اور برے اعمال سے بچائے اور اے اللہ! میری یہ دعا قبول فرما۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ کسی بشر کے لیے لائق نہیں۔

ربط: یہ اہلِ کتاب کے اس افترا کا بیان ہے جو انھوں نے انبیاء علیہم السلام پر تراشا۔ نجران کے نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے حکم فرمایا تھا کہ ہم انھیں اپنا رب سمجھیں۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے افترا سے پاک تھے۔

شانِ نزول: حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک مسلمان حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو ویسے ہی سلام عرض کرتے ہیں جیسے ہم دوسروں کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم نے فرمایا: معاذ اللہ! ہمارے لیے لائق نہیں کہ ہم غیر اللہ کو سجدہ کریں یا ہم غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں یعنی سجدہ غیر کو صحیح نہیں اور نہ یہ مناسب ہے کہ غیر کو سجدہ کیا جائے خواہ وہ کوئی بشر ہو یا کوئی اور۔

---

[1] کچھ یہی کیفیت ہمارے دور کے بعض مشائخ اور بعض گدی نشینوں کی ہے بلکہ اس سے بھی بدتر۔ (اویسی غفرلہ)

نکتہ : لفظ بشر کہہ کر حکم کی علت بھی بتادی گئی ہے اس لیے کہ بشریت اس اسناد (یعنی سجدہ) کے منافی ہے جیسے کفار نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ سجدہ کا اسناد غیراللہ کے لیے جائز مانتے ہیں۔

اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ ، یہ کہ اسے اللہ تعالٰے وہ کتاب دے جو حق بولتی ہے اور توحید کا حکم دیتی اور شرک سے روکتی ہے جیسے تورات، انجیل اور قرآن مجید۔ وَالْحُکْمَ ، اور حکم یعنے علم وفہم۔ وَالنُّبُوَّۃَ ، اور نبوت اور کتاب کا دیا جانا حکم کے مستلزم ہے اور 'حکمت' ، یعنے علم وعمل کی پختگی۔ اسی لیے کتاب کو 'حکمت' پر مقدم کیا ہے اس لیے کہ حکم سے شریعت کا علم اور مقاصد کتاب کا فہم اور اس کے احکام مراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین اور اہلِ لغت متفق ہیں کہ یہاں پر حکم سے علم مراد ہے۔

چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا : و اتینٰہ الحکم صبیا ، یعنے انھیں اللہ تعالٰے نے بچپن میں ہی علم عطا فرمایا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ نبی علیہ السلام پر پہلے کتاب اتری ہے اس کے بعد اس کو اس کتاب کا فہم اور اسرار نصیب ہوئے ہیں۔ پھر وہ کتاب کو پورے طور پر سمجھ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہی مفہوم خلقِ خدا تک پہنچاتا ہے، اس کا نام نبوت ہے۔ سبحان اللہ ! آیت میں کیسی بہترین ترتیب رکھی گئی ہے۔

ثُمَّ یَقُوْلَ ، پھر بعد اس کے کہ اللہ تعالٰے اسے مذکورہ بزرگیوں سے نوازے اور اسے حق کی معرفت عطا فرمائے اور بلند مقامات کے بھید بتائے۔ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا ، وہ لوگوں سے کہے کہ ہو جاؤ۔ لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ، میرے بندے عبادت گزار، اللہ تعالٰے کو چھوڑ کر۔ من دون اللہ کا متعلق 'عباد' ہے کہ اس میں فعل کا معنٰے یعنے عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے وَلٰکِنْ ، اور لیکن وہ کہتا ہے : کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ ، ہو جاؤ، رب والے۔

حلِ لغات : ربانی ربّ کی طرف منسوب ہے۔ الف ونون زائد ہے جیسے لحیانی طویل اللحیۃ (لمبی داڑھی والا) اس میں دلالت ہے کہ جو اس صفت سے موصوف ہو تو ثابت ہوگا کہ وہ اس صفت میں اتم واکمل ہے اور اگر صرف لحیہ (داڑھی) کی طرف منسوب ہو تو صرف 'لحوی' کہا جائے گا۔ یہ اس وقت ہے جب اس میں مبالغہ مطلوب نہ ہو۔ اب ربانی کا معنٰے معلوم ہوا کہ الربانی ھو الکامل فی العلم..... الخ یعنے ربانی وہ ہے جو علم وعمل میں کامل اور طاعت الٰہی اور اس کے دین پر نہایت درجہ کی مضبوطی رکھنے والا ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے : رجلِ الٰہی اس شخص کو کہتے ہیں جو معرفت الٰہی اور عبادت حق میں یکتا ہو۔

بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ بوجہ اس کے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور بوجہ اس کے کہ تم اسے پڑھتے ہو یعنے کتاب کی تعلیم اور اس کے پڑھنے کی مداومت کرنے کی وجہ سے تعلیم کو دراست یعنے پڑھنے پر اس لیے مقدم کیا گیا کہ پڑھنے سے تعلیم کو افضلیت وفوقیت حاصل ہے۔

وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ، اور نہ ہی انھیں حکم

دیتا ہے کہ تم ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو خدا مانو۔

ترکیب: اس کا عطف ثُمَّ یقول پر ہے اور یہ لا زائدہ ہے اور ما کان لبشر کی نفی کی تاکید کے لیے واقع ہے یعنی اس بشر کے لیے لائق نہیں کہ جسے اللہ تعالٰے نبی بناتا ہے پھر وہ لوگوں کو حکم دے کہ وہ اسے خدا مانیں یا حکم دے کہ ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام کو خدا مانو۔ جیسے قریشیوں اور صابئوں نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالٰے کی لڑکیاں ہیں اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ عیسٰی و عزیر علیہم السلام اللہ تعالٰے کے بیٹے ہیں۔ (معاذ اللہ)

اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ کیا وہ تمھیں کفر کا حکم فرماتا ہے۔ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔ یہ ان کا انکار ہے کہ جس کی بشر سے نفی کی گئی ہے۔ ایامرکم کی ضمیر بشر کی طرف لوٹتی ہے یعنی کیا وہ بشر (کہ جسے نبوت سے نوازا گیا ہے) تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم ملائکہ کی عبادت کرو یا انبیاء علیہم السلام کو سجدہ کرو بعد اس کے کہ تم توحید میں مخلص ہو گئے ہو۔ اگر (بفرض محال) وہ تمھیں ان باتوں کا حکم دیتا ہے تو وہ ان باتوں سے خود کافر ہو گیا۔ اس سے نبوت و ایمان بھی چھین لیا جائے گا۔ لیکن ایسے ہرگز نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہر وہ شخص کہ جسے اللہ تعالٰے کتاب و حکمت سے نوازے تو وہ تمام لوگوں سے (ہر علم میں) زیادہ علم رکھتا ہے اور اس وجہ سے وہ ان سے افضل بھی ہوتا ہے اور اس کو علم و حکمت اور نبوت وغیرہ اس سے روکتی ہیں کہ وہ الوہیت کا دعوٰے کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالٰے وحی و کتاب صرف نفوس زکیہ و ارواح طیبہ کو عطا فرماتا ہے یہ بالکل محال ہے کہ کسی بشر میں نبوت بھی ہو اور وہ مخلوق کو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت بھی دے۔ اس لیے کہ یہ اجتماع النقیضین ہے۔

عالم بے عمل کی مذمت علم اور درس و تدریس کو ربانیہ کا ذریعہ بنایا ہے اور ربانیہ اس قوت کا نام ہے کہ جس سے طاعتِ الٰہی پر مضبوطی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس شخص کی بدقسمتی کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ اس نے بڑی جد و جہد کر کے اور اپنی جان کو ہلاکت کی بھٹی میں ڈال کر علم حاصل کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے علم کو عمل کا ذریعہ نہیں بناتا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ جس نے بہترین باغ لگایا کہ جس کے دیکھنے سے پژمردہ دل شاداب ہو جائیں لیکن وہ شخص اپنے اس باغ سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھائے۔ عمل کے لیے علم ضروری ہے اور علم کے لیے عمل۔ ان دونوں میں کسی ایک کی کمی ہو تو ربانی بننا مشکل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو وہ یقین کرے کہ اس کی اللہ تعالٰے سے نسبت منقطع ہے۔ اس کی نسبت کا اتصال عمل سے ہی ہو گا اسی طرح جاہل عبادت گزار ان دونوں کی نسبت اللہ تعالٰے سے صحیح نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ربانی نسبت کا حصول اس عمل سے نصیب ہوتا ہے جو مبنی بالعلم ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ دو شخصوں نے میری یعنے دین کی کمر توڑ دی ہے:

(۱) عالم متہتک (بدعمل)

② جاہل متنسک (عبادت گذار)

یہ اس لیے کہ عالم بدعمل اپنی بدعملی سے لوگوں کو دین سے متنفر کر رہا ہے اور جاہل عبادت گذار اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں کو جہالت کی دعوت دے رہا ہے۔ (اس سے وہ جاہل مراد ہے جسے کسی اللہ والے کی صحبت نصیب نہ ہو۔)

حدیث شریف : حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جس میں نفع نہ ہو اور اس قلب سے بھی جسے خوف خدا نہ ہو۔

روحانی نسخہ : طالب علم اور عالم دین پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم سے صرف رضائے الٰہی طلب کریں پھر اس پر عمل کر کے ربانی ہو جائیں۔

نتیجہ : جو شخص علم و عمل اور تعلیم و تعلم اس مقصد کے سوا کسی اور غرض کے لیے کر رہا ہے تو یقین جانیئے کہ اس کی تمام جدو جہد خاک میں مل جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل حقیقت پر لازم ہے کہ وہ اپنے شاگردوں اور مریدوں اور معتقدین کی ایسی تربیت کریں کہ وہ ربانی ہو جائیں اور وہ اخلاق پیدا کریں جو ربّانی لوگوں کے ہیں اور کتاب اللہ سے جتنا علم حاصل کریں اس سے بڑھ کر عمل کرنے کی جد و جہد کریں اور جس قدر اسے پڑھیں پڑھائیں اس سے کئی گنا زائد اس کے عامل بن کر دکھائیں۔ صرف اس کی درس و تدریس میں منہمک نہ رہیں بلکہ اس پر عمل کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔

رسمی پیروں کی گت رسمی پیروں کی بناوٹی باتوں کی طرف بھی کان نہ لگائیں اور ان مدعیوں سے بھی دور رہیں جو ولایت و حقیقت اور طریقت سے تو ناآشنا ہوتے ہیں۔ لیکن رعونت نفس کی وجہ سے ان کے دعوے دیکھو تو جنید و بسطامی (رحمہما اللہ تعالیٰ) کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور مخلوق کو دام تزویر میں پھنسانے میں طرح طرح کے مکر و فریب کرتے ہیں۔ اور اپنے بعض جہال کے اقوال پر سختی سے پابند ہوتے ہیں اور وہ اپنی مکاریوں سے خوب شکار کھیلتے ہیں بلکہ سچے طالبان حق کے سامنے بھی عجیب کھیل کھیل جاتے ہیں۔ ان غریبوں کو الٹا راہ حق سے بہکانے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں حق والوں کی صحبت میں آنے جانے سے روکتے ہیں اور مشائخ کے قدیمی طریقے پر چلنے کو ملائیت[1] سے تعبیر کر کے حقیقت و معرفت سے محروم بنا دیتے ہیں اور وہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ہر کس ان کا جی حضوری غلام بن جاتے اور جو کچھ وہ کریں اس کو ہر ایک سر تسلیم خم کرے بلکہ ان جیسا دنیا بھر کوئی عارف نہ مانا جائے جیسے ہمارے دور کے پیری مریدی کا جال بچھائے والوں کا حال ہے[2] حالانکہ یہ طریقہ ان حضرات کا نہیں ہے[3] جنھیں اللہ تعالیٰ نے کتاب و حکمت

---

[1] : جیسے ہمارے دور کے بعض جاہل پیروں نے ادھم مچا رکھا ہے کہ خود تو جاہل ہیں اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کو غریب علماء سے متنفر کرنے کے درپے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور نبوت سے نوازا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالٰی نے ان جیسے پیروں فقیروں کی مذمت فرمائی ہے ؎

دما دم بشنید چوں گربہ روئے

طمع کردہ در صید موشاں کوئے

(بقیہ صفحہ ۳۰۱ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۹۸)

ؔ۲ : کچھ یہی حال ہمارے دور کے بعض پیر صاحبان کا ہے بلکہ اس فقیر کا تجربہ ہے کہ یہ لوگ اس سے بھی بہت زیادہ زبوں حال ہیں۔ اللہ تعالٰی ہدایت دے۔

ؔ۳ : مثلاً علماء کرام سے نفرت دلانے کا ایک غلط طریقہ یہ ہے کہ اور لوگوں کو علم سے دور رہنے کی ایک دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ سید بلھے شاہ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

علموں بس کریں او یار

بہتا علم عزازیل نے پڑھیا

جھگا جاہ اوسیدے داسڑیا (وغیرہ وغیرہ)

مگر یاد رہے کہ ان کی یہ دلیل غلط ہے اور نہ ہی سید بلھے شاہ رحمہ اللہ تعالٰی کی یہ مراد ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ علم جو عارف و معروف کے درمیانی پردے نہ اٹھائے اس سے بس کرنی چاہیئے۔ ورنہ معرفت کا علم حاصل کرنا تو ازحد ضروری ہے۔ اور اس کے تو وہ خود بھی معترف ہیں۔

چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

اساں پڑھیا علم لدنی ایں   اوتھے شیعہ نہ کوئی سنی ایں

ساڈی سب تحقیق فارغ کنی ایں   جو کہاں سو یار منہیندا اے

نیز خود فرماتے ہیں ؎

عالم فاضل میرے بھائی

پاؤ پڑھیاں میری جان جلائی

کوئی منصف ہو نہ دارے

تاں گلی دسناں ہاں

حضور علیہ السلام کو تو حکم ہو کہ "قل رب زدنی علماً" اور سید صاحب اس کے منافی کلام کریں یہ بہت ناممکن ہے۔ لہٰذا ہر ذی شعور آدمی کو ماننا پڑے گا کہ عارفین رحمہم اللہ تعالٰی علم شریعت کے ہرگز خلاف نہیں ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ
رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ
اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ
مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَغَيْرَ
دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَ لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ
اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ
مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَ مَنْ يَّبْتَغِ
غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ
وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ
وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

ترجمہ: یاد کیجئے اے محبوب! (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب اللہ تعالےٰ نے انبیاء
(علیہم السلام) سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمھیں کتاب اور حکمت دوں پھر تمھارے ہاں وہ رسول
تشریف لائے جو ان کی تصدیق کرے جو تمھارے پاس ہے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا
اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر تم نے میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب
نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ اور میں خود بھی تمھارے ساتھ
گواہوں سے ہوں۔ پھر جو اس کے بعد عہد سے روگردان ہوا تو وہی فاسق ہیں۔ تو کیا اللہ تعالےٰ

کے دین کے سوا دوسرا دین ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم ہیں جو آسمانوں میں ہیں
اور جو زمینوں میں ہیں (بعض خوشی سے (بعض) مجبور ہو کر اور سب اسی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
فرما دیجیے ہم اللہ تعالٰے پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہم پر نازل ہوا اور جو ابراہیم و اسماعیل و اسحاق
و یعقوب اور ان کی اولاد پر اترا اور اس پر جو موسیٰ و عیسیٰ و دیگر انبیاء (علیہم السلام) پر جو ان کے رب
سے عطا ہوا ہم ان میں کسی پر ایمان میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے
ہیں۔ اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین طلب کرتا ہے تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔
اللہ تعالٰے ایسی قوم کو ہدایت ہی کیونکر دے جو ایمان لا کر کافر ہو گئے اور گواہی دے چکے تھے کہ
رسول سچا ہے اور ان کے ہاں کھلی نشانیاں آ چکی تھیں اور اللہ تعالٰے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔
ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالٰے اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے وہ اس
میں ہمیشہ رہیں گے نہ ان پر عذاب ہلکا ہو گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے مگر جنھوں نے اس کے
بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالٰے غفور و رحیم ہے بے شک جو لوگ ایمان لا کر
کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور وہی گمراہ ہیں بے شک وہ
لوگ جو کافر ہوئے اور کافر ہو کر مرے سو ان کے کسی ایک سے زمین بھر سونا ہرگز قبول نہیں ہو گا۔
اگرچہ وہ معاوضہ میں خلاصی کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۰۰)

ریاضت کش از بہر نام و غرور
کہ طبل تہی را رود بانگ دور

ترجمہ: ہر گھڑی بلی کی طرح منہ دھوتے رہتے ہیں اس کی طرح کہ وہ چوہے کے شکار میں پر امید ہوتی ہے۔ جو نام و غرور
پر ریاضت کرتا ہے خالی ڈھول کی طرح اس کی آواز دور تک جائے گی۔

یعنے نقارے کی آواز بہت دور تک جاتی ہے اور اس کی آواز دور سے سنائی دیتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اندر سے
خالی ہوتا ہے۔ اسی طرح یہی رسمی پیر فقیر کہ وہ لوگوں میں تو بہت مشہور ہوتے ہیں لیکن حقیقت و معرفت کے اسرار و رموز سے
بالکل خالی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ جو شخص اپنی طلب میں صادق اور واصل باللہ ہوتا ہے تو وہ شہرت کو پسند نہیں کرتا اور
لوگوں کی صحبت سے نفرت کرتا ہے بلکہ اس کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ماسوی اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے نہ کہ اسے اپنی
شہرت کا خیال ہوتا ہے اور نہ ہی لوگوں سے مال حاصل کرنے کے درپے ہوتا ہے بلکہ اسے اس شخص سے بہت پیار

ہوتا ہے جو اس سے کنارہ کش رہے ہے

کے را نزدیک ظنت بد اوست

چہ دانی کہ صاحب ولایت خود اوست

در معرفت بر کسا نیست باز

کہ درہاست برروئے ایشاں فراز

ترجمہ: جو تیری نظروں میں بُرا ہے ممکن ہے کہ وہی صاحب ولایت ہو۔ معرفت کا دروازہ اس پر بند نہیں جس کے آگے لوگوں کے دروازے بند ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ نمبر: ۳)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے صرف انبیاء علیہم السلام سے یہ وعدہ لیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کریں بایں طور کہ جو نبی علیہ السلام اس کے بعد تشریف لائے تو پہلا نبی پیچھے آنے والے نبی علیہ السلام پر ایمان لائے اور اس کے دین کی مدد کرے اگر وہ اس کے زمانہ میں تشریف لائے۔ اگر اس کا پہلے وصال ہو جائے تو وہ اپنی امت کو حکم دے جائے کہ اگر تم آنے والے نبی کا زمانہ پاؤ تو اس پر ایمان لانا اور ان کے دین کی مدد کرنا۔ مثلاً اللہ تعالٰے نے موسٰے علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ وہ عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لائیں اور عیسٰی علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں۔ جب یہ حکم انبیاء علیہ السلام کے لیے تھا تو ان کی امتوں پر زیادہ ضروری ہے کہ وہ اس حکم پر عمل کریں۔ یعنے یاد کیجئے اے میرے پیارے محبوب! "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اس وقت کو جب اللہ تعالٰے نے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں سے وعدہ لیا۔

لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ ۔ یہ لام توطیہ کی ہے اس لیے کہ وعدہ لینا بمنزلہ حلف اٹھانے کے ہے اور "ما" مبتدا کا اور موصول ہے اور اٰتیتکم اس کا صلہ ہے اور اس کی ضمیر عائد محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں تھی "اٰتیتکموہ" یعنے وہ جو میں تمہیں عطا کروں۔

مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ۔ کتاب و حکمت سے یعنے حلال و حرام کے احکام اور حدود کے بیانات۔ یہ اسم موصول سے حال ہے۔

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ۔ پھر تشریف لائیں تمہارے پاس رسول علیہ السلام۔ اس کا عطف صلہ پر ہے اور صلہ کا معطوف وہ بھی صلہ ہے۔ اور صلہ کے لیے رابطہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول کے بعد لفظ "بہ"

محذوف ہے۔

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ، وہ اس کی تصدیق کرنے والے ہوں گے جو تمھارے ساتھ ہے یعنے تمھاری کتاب کی۔
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط یہ جواب ہے قسم مقدر کا اور یہ قسم مقدر اور اس کا جواب مبتدا کی خبر ہے۔
دراصل عبارت یوں ہے:

واللہ لتصدقنه برسالته ولتنصرنه علیٰ اعدائه لاظهار دین الحق (اللہ کی قسم! تم اس کی تصدیق کرنا ان کی رسالت کی وجہ سے اور اس کی مدد کرنا اس کے دشمنوں پر دینِ حق کو غالب کرنے کے لیے)۔

سوال: ثم جاءکم رسول کا جملہ لانے کا کیا فائدہ؟ اس لیے کہ وہ رسول نبیوں کی طرف رسول بن کر تو تشریف نہیں لائیں گے بلکہ رسول تو امت کی طرف تشریف لاتا ہے۔

جواب: اگر اخذنا میثاق النبیین کے مضمون کو محمول امتوں پر کریں کہ اللہ تعالےٰ نے امتوں کے نبیوں کے ذریعہ وعدہ لیا تو پھر کسی قسم کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور اگر اسے اپنے معنے پر برقرار رکھا جائے تو معنے یہ ہوگا کہ وہ نبی اگر تمھارے زمانہ میں تشریف لائیں تو
قَالَ، اللہ تعالےٰ نے ان سے وعدہ لینے کے بعد فرمایا کہ ءَاَقْرَرْتُمْ، کیا تم اس پر ایمان لائے اور مدد کرنے کا اقرار کیا۔ یہ استفہام تقریری ہے اور انھیں تاکید کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ اللہ تعالےٰ کے حق میں حقیقی استفہام محال ہے۔ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ، اور تم نے میرے اس وعدہ کو لے لیا ہے۔ اِصْرِیْ ط میرے اس عقد کو جو میں نے تم سے کیا ہے۔

اصر دراصل اس بوجھ کو کہتے ہیں جو انسان کو عمل پر التزام کرنے سے لاحق ہوتا ہے۔ اور یہاں پر بہت سخت وعدہ لینا مراد ہے۔ اس لیے کہ وہ صاحب وعدہ پر بہت بڑا سخت ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس کی مخالفت سے ہر وقت رکتا رہے گا۔

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط انھوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا ہے یعنے اس کا ہمیں اقرار ہے۔
یہاں پر صرف اقررنا پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جب کہ اصری کو بیان نہیں کیا گیا اس لیے کہ اس کا ذکر ابھی گزرا ہے۔ اس قرینہ سے اس کا ذکر نہ کرنے اور مراد لینے میں کوئی حرج نہیں۔

قَالَ، فرمایا سبحانہٗ تعالےٰ نے۔ فَاشْهَدُوْا، پس اے انبیاء علیہم السلام اور تمام امتیں ایک دوسرے کے اقرار پر گواہ ہو جاؤ۔ وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ اور میں بھی تمھارا شاہد ہوں۔

سوال: لفظ معکم خطاب پر داخل کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ حقیقی شہادت کے مرتکب وہی ہیں۔ اس سے مقصود صرف تاکید ہے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ ہم اس سے رجوع کیسے کر سکتے ہیں جب کہ اس پر اللہ تعالےٰ کی شہادت بھی ہے اور ہم ایک دوسرے پر شاہد ہو چکے ہیں۔

فَمَنْ تَوَلّٰى، پس وہ شخص اعراض کرے گا اس سے جو مذکور ہوا۔ بَعْدَ ذٰلِكَ، بعد اس وعدہ لینے اور تاکید بالاقرار و الشہادۃ کے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پس وہی ہوں گے فاسق ومتمرد اور طاعت سے خروج کرنے والے کافر۔ اس لیے کہ فاسق ہر اس گروہ کو کہا جاتا ہے جو تجاوز کر جائے۔ (کذافی التیسیر)

سوال: حضرات انبیاء علیہم السلام سے اعراض و روگردانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ وہ فسق سے موصوف کیے جا سکتے ہیں پھر یہاں پر ہر دونوں کیوں مستعمل ہوئے ہیں؟

جواب (۱) میثاق اصالۃً تو انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا اور ان کی امتوں سے تبعاً لیکن اعراض روگردانی کی بات صرف امتوں کے لیے ہے۔

(۲) کسی فعل میں ابتلاء و آزمائش عصمت کے منافی نہیں۔

ربط: یہ میثاق اہل کتاب کی کتابوں میں مذکور تھا اور وہ اسے بخوبی جانتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہیں ان کے کافر ہونے کا کوئی سبب ہی نہیں تھا سوائے عداوت وحسد کے تو وہ ابلیس شیطان کی طرح حسد میں مبتلا ہو کر کفر کے مرتکب ہوئے پس انھیں اللہ تعالیٰ نے جتلایا کہ جب اہل دنیا اس نہج کو پہنچ جائیں گے تو سمجھ لینا کہ وہ ایسے دین کو طلب کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کا غیر ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ۔ اس کا عطف مقدر پر ہے۔

اصل عبارت یوں تھی: ایتولون...... الخ کیا وہ روگردانی کرتے ہوئے اللہ کے دین کے بغیر کسی دوسرے دین کی تلاش میں ہیں۔ اور اس غیر دین کو طلب کر رہے ہیں۔

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ، اللہ تعالیٰ کے لیے گردن جھکائی خلوص کیا اور فرمانبردار ہوئے۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ، جو آسمان اور زمین میں رہنے والے ہیں۔ طَوْعًا، خود بخود یعنے اہل توحید وَّكَرْهًا، اور مجبور ہو کر یعنے انکار کر کے۔ اس سے منکرین مراد ہیں یعنے ا[illegible]یس اس لیے سر جھکانا لازمی ہوگیا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس خالق کی صنعت کے آثار عالم میں موجود ہیں اور دنیا کے حدوث کے علامات بھی واضح ہیں۔ اور پھر وہ قادر اپنے بندوں کو جیسے چاہتا ہے پھیرتا ہے کبھی تندرستی کبھی بیماری کبھی دولت مندی کبھی افلاس کبھی خوشی کبھی غمی اسی طرح دیگر احوال جو بندوں کو لاحق ہوتے ہیں پھر وہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کو دفع کرنے کا کوئی امکان بھی نہیں۔ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ زمین و آسمان کے اندر رہنے والے سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ یعنے جو آج اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو آخر اس نے ایک دن اس کے حضور میں پیش ہونا ہے اور پھر سب کو معلوم ہے کہ اس کے سوا ذاتی طور پر) نفع ونقصان کا کوئی مالک نہیں۔ اس میں دین حق کے مخالف کے لیے بہت بڑی سخت وعید ہے۔

سبق: دانا کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے اس کی نافرمانی سے بچے اور نہ ہی

وہ وعدہ توڑے جو اس نے روزِ میثاق اپنے رب تعالےٰ سے کیا ہے۔

ف: اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے توحید اور اقامتِ دین اور اس میں عدم انتشار اور ایک دوسرے کی تصدیق کا وعدہ لیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ تم مخلوق کو دعوت الی الطاعۃ دینا اور یوں بھی بتایا کہ عبادت خاص اللہ تعالےٰ کے لیے ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ عبودیت میں خلوص و صدق سے کام لے اور حقوقِ ربوبیت کی پوری نگہداشت کرے۔

حکایت سیدنا شیخ شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب سالک کو طاعتِ الٰہی کی توفیق نصیب ہو اور ساتھ ہی یہ خیال بھی دل سے اتر جائے کہ میں نے عبادت کی ہی نہیں تو سمجھے کہ اللہ تعالےٰ نے اسے ظاہری نعمتوں سے بھرپور فرمایا ہے اس لیے کہ اس کا یہ احسان کچھ کم ہے کہ اس نے اپنے امر کی مخالفت سے اپنے بندے کو بچا لیا اور باطنی نعمتوں سے بھی اسے نوازا ہے کہ بندہ فرمانبرداری کر کے اس کے قہر و غضب سے امان پا گیا۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے صرف یہی چاہتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ سے عرض کیا گیا کہ آپ کبھی تو ہمارے ساتھ مسجد میں بیٹھ جایا کریں تاکہ آپ کی پاک مجلس کی برکت سے اور مقدس ملفوظات سے ہم بھی استفادہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں چار امور میں نہایت ہی زیادہ مصروف ہوں۔ جب ان سے فراغت پاؤں گا تو تھوڑی دیر تمہارے پاس بھی بیٹھ جایا کروں گا۔ عرض کی گئی کہ اے ابواسحاق (یہ حضرت ابراہیم بن ادہم کی کنیت ہے) اس کی تفصیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

۱ جب مجھے وہ گھڑی یاد آجاتی ہے جب کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے وعدہ لے کر فرمایا کہ یہ جماعت بہشت میں جائے گی اور یہ جہنم میں تو مجھے فکر دامن گیر ہو جاتا ہے کہ نامعلوم میں کس گروہ میں ہوں۔

۲ جب نطفہ ماں کے رحم میں ٹھہرتا ہے تو اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے تو مؤکل فرشتہ عرض کرتا ہے: یا اللہ! یہ نیک بخت ہے یا بدبخت مجھے فکر ہے کہ نامعلوم میرے متعلق کیا جواب ملا۔

۳ جب ملک الموت روح قبض کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ سے پوچھتا ہے کہ اے مولیٰ! اس کی رُوح اسلام پر قبض کروں یا کفر پر۔ مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ نامعلوم میرے متعلق کیا جواب ملتا ہے۔

۴ قیامت میں اللہ تعالےٰ اعلان فرمائے گا: وامتازوا الیوم ایھا المجرمون (اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ) مجھے اس کا خوف ہے کہ اللہ تعالےٰ مجھے کس گروہ میں شامل کرے گا۔ جب تک میں اس شغل میں مشغول ہوں نہ میں تمہارے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں اور نہ بات کر سکتا ہوں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ قضاء و قدر کو مانتا ہو تو تب بھی اسے ضروری ہے

وہ امورِ تکلیفیہ کی پوری نگہداشت کرے۔ اس لیے کہ خیر و شر تقدیر میں پہلے لکھا جا چکا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی جیسی تقدیر ہوتی ہے اُسے انہی اعمال کی توفیق میسر ہوتی ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اوّلاً تزکیۂ نفس کرے۔ پھر اللہ تعالےٰ کے نیک بندوں کی نیک صحبتوں میں رہ کر ان کی ہر وصیت و نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کرے اس لیے کہ انسان کو اس کی وسعت کے مطابق مکلف بنایا جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ لوگ مراتب کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ مبارک باد ہو اس نیک بخت کو جو اعلیٰ مطالب پہ فائز ہوا ؎

بقدرِ حوصلۂ خویش دانہ چنید مُرغ
بصعوۂ نتواں داد طعمۂ شہباز

ترجمہ: اپنی مقدور و قوت پر مرغ دانہ چنتا ہے۔ ممولا شہباز کی خوراک نہیں کھا سکتا۔

حکایت حضرت شیخ صفی قدس سرہٗ سے سوال ہوا کہ جب بندہ سلوک کی تمام منازل طے کر گیا تو اس کے بعد بھی کوئی منزل ہے کہ جسے طے کرنے کی کوشش کرے۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، ایک ایسی منزل ہے جسے طے کرنا ابھی ہے لیکن طے ہوتی بھی نہیں وہ یہ کہ ہر وقت اس تصور میں رہے کہ نامعلوم کہ وہ بارگاہِ حق میں قبول بھی ہوا ہے یا نہ۔

مسئلہ: رسالہ قشیریہ شریف میں ہے کہ ولی اللہ کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں اس کا انجام برباد ہو کر اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ (العیاذ باللہ)

مسئلہ: ولی اللہ کی یہ کرامت سمجھی جاتی ہے جب اسے موت سے پہلے معلوم ہو جائے کہ اس کا خاتمہ ایمان پہ ہوگا۔

سبق: نیک خاتمہ کے حصول کے لیے ہر سالک کو کوشاں رہنا لازمی ہے ؎

ہمہ عالم ہمی گویند ہر آں
کہ یا رب عاقبت محمود گرداں

ترجمہ: تمام جہاں ہر لحظہ کہتا ہے کہ اے اللہ عاقبت بالخیر فرما۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ. فرمائیے: اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم فرمایا کہ وہ اس کی مخلوق کو خبر دیں کہ مذکورہ طریقہ کے ساتھ اس پر ایمان لائیں۔

سوال: اس تقریر پہ حضور علیہ السلام اگر مراد ہیں تو پھر ضمیر جمع کی کیوں؟

جواب: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جلالتِ قدر اور رفعتِ مرتبہ کی وجہ سے تاکہ آپ کے امر کا اثر

عوام کے قلوب پر پورے طور پر ہو کہ آپ امر سناتے وقت وہ طریقہ اختیار فرمائیں جو بادشاہوں کا ہوتا ہے (اور آپ تھے بادشاہوں کے بادشاہ ہیں)۔

وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا، اور وہ جو ہمارے اوپر نازل ہوا یعنی قرآن۔

فعل نزول جیسے الٰی سے متعدی ہوتا ہے کہ قرآن رسول علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا۔ ایسے ہی علیٰ سے بھی متعدی ہوتا ہے اس لیے کہ قرآن اوپر سے ہی آیا ہے۔

وَمَآ اُنۡزِلَ عَلٰٓی اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ، اور جو ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب اور ان کی اولاد پر اترا یعنے صحائف وغیرہ۔

اسباط سبط کی جمع ہے یعنے پوتے اور اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور ان کے بارہ۱۲ بیٹے مراد ہیں اس لئے کہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔

وَمَآ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِيۡسٰی، اور وہ جو موسٰی وعیسٰی علیہما السلام کو دیا گیا یعنے توریت وانجیل اور وہ معجزات جو ان سے ظاہر ہوئے۔ ان دو حضرات کی اس لیے تخصیص کی گئی ہے کہ بات یہود و نصارٰی سے ہو رہی ہے۔ وَالنَّبِيُّوۡنَ اور وہ جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا ان کا ذکر ہوا ہے یا نہیں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی ہمارا ایمان ہے جو انھیں کتابیں اور صحائف واحکام دیتے ہیں۔ مِنۡ رَّبِّهِمۡ، ان کے رب کی طرف سے کتابیں اور معجزات۔ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ، ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے۔ سب پر ہمارا ایمان ہے۔ یہود و نصارٰی کی طرح نہیں کہ وہ بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے کفر کرتے ہیں۔ بلکہ ہم تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو صحیح مانتے ہیں اور جو کتابیں، صحیفے اور احکام ان پر ان کے زمانے میں نازل ہوتے ہم سب کو حق مانتے ہیں۔

غلطی کا ازالہ اور مسئلہ امام صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کہ جن کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں ان پر ایمان لانے کی اور علماء کے خلاف کی نوعیت یہ ہے کہ جب ان کی شریعت کے ساتھ ان کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی۔ تو اب ان پر یوں ایمان ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے زمانہ کے نبی اور رسول تھے۔ لیکن اب نہ ان کی نبوت ہے اور نہ رسالت (یہ قول نہایت ناقابل اعتبار ہے)۔ اور بعض نے فرمایا کہ ان کی شریعت کے منسوخ ہونے سے ان کی نبوت منسوخ نہیں ہوئی۔ یہی حق اور صحیح ہے۔

وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ۝ اور ہم اللہ تعالٰے کے سامنے گردن جھکانے والے فرمانبردار ہیں۔ جب کہ اسلام بمعنے استسلام یعنی فرمانبرداری ہو یا مسلمان بمعنے مخلصین ہے یعنے ہم اپنے نفوس کو اللہ تعالٰے کے لیے مخلص کرنے والے ہیں۔ ہم عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں مانتے۔ یہ اس وقت ہے جب مسلمون کا مادہ سلامۃ مانا جائے۔ اس میں اہل کتاب کے ایمان پر تعریض ہے کہ دوسرے سے ایمان ہی نہیں لائے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ، اور جو شخص اسلام کو چھوڑ کر دوسرے کسی دین کو طلب کرتا ہے یعنے توحید کے بغیر اور غیر اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکاتا ہے جیسے کھلم کھلا مشرکین کا طریقہ ہے۔ اور جیسے اہل کتاب کہ توحید کے دعوے کے باوجود پھر بھی شریک کرنے میں مبتلا ہیں۔ دِیْنًا، دین بنا کر کہ جس کی طرف رجوع کیا کریں۔

یہ منصوب ہے کیونکہ یبتغ کا مفعول بہ ہے اور غیر الاسلام، دین سے حال ہے۔ یہ دراصل دین کی صفت ہے لیکن چونکہ دینًا سے مقدم ہوگیا ہے اور دینًا ہے بھی نکرہ اس لیے اسے حال قرار دیا گیا ہے۔

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ، پس وہ قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ بہت بُری طرح اس کے منہ پر مارا جائے گا۔ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہے یعنے گھاٹے میں ہے۔ ثواب سے محروم ہوکر اور عذاب کا نشانہ بن کر۔

مسئلہ اس میں وہ بھی داخل ہے جو دنیا میں عمل صالح کرنے سے محروم رہا تو اسے حسرت اور افسوس ہوگا کہ کاش! میں یہ کام کرتا یا دین باطل پر دکھ اور تکلیف اٹھائے تو بھی پریشان ہوگا کہ نہ میں اس دین میں داخل ہوتا نہ مجھے یہ مصائب نصیب ہوتے۔

خلاصۃ التفسیر خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام سے روگردانی کرکے غیر اسلام کے طلب کرنے والے کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ بلکہ فطرۃ سلیمہ (جس پر انسانوں کو اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا) کو باطل کرکے گھاٹے میں پڑا۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام ایک ہی شے ہے اس لیے کہ اگر ایمان اسلام کا غیر ہوتا تو ایمان بھی قبول نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یقبل منہ"

لیکن اس کی یہ دلیل غیر معلوم ہے۔ اس لیے کہ 'غیر الاسلام' کی مغایرت سے دین باطلہ مراد ہیں۔ اور ان کی عدم قبولیت سے اسلام کے ہر مغایر کی عدم قبولیت لازم نہیں آتی۔ (دلیل ناموزوں ہے ورنہ مسئلہ تو حق ہے)۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ، اللہ تعالےٰ نے حق کی طرف کیسے ہدایت دے۔ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ اس قوم کو جنھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔

بعض نے کہا اس سے وہ دس آدمی مراد ہیں جو ایمان لاکر مرتد ہوگئے اور پھر مکہ چلے گئے۔ یعنی جو حق کے معاندین و مکابرین ہیں اور پھر حق کے لیے سر بھی نہ جھکائیں ان کے لیے اللہ تعالےٰ کیونکہ ہدایت فرمائے۔

ف: یہاں پر ہدایت بمعنے خلق ہدایت ہے۔

مسئلہ: دار دنیا میں اللہ تعالےٰ نے یہ قانون بنایا ہے کہ بندہ جیسا ارادہ کرے تو ارادہ کے بعد اس کے لیے وہی امر پیدا کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے معرفت و ہدایت کیسے پیدا فرمائے جب کہ ان کا قصد کفر کے حصول کا ہے اور ان کی مراد ہے۔

وَشَهِدُوٓا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ ، اور انھوں نے گواہی دی کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا رسول حق ہے یعنے اپنی بتائی ہوئی بات میں وہ سچے ہیں۔ وَجَآءَهُمُ الْبَيِّنَٰتُ ط اور ان کے پاس بینات آئے یعنے قرآن میں ایسے شواہد موجود ہیں جو ان کی نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کا عطف ایمانھم پر ہے۔ اس لیے کہ ایمانھم کو جملہ فعلیہ کی صورت اختیار کرائی گئی ہے گویا دامنوا کی قوت میں ہے۔ ای بعد ان امنوا و بعد ان شھدوا۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ اقرار باللسان یقیناً ایمان کی حقیقت سے خارج ہے اس لیے کہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّٰلِمِينَ ۝ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنے وہ لوگ جنھوں نے نظر کی کوتاہی سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ ایمان کے بجائے کفر کو اختیار کیا۔ جب وہ ایسے ظالم سے محبت نہیں کرتا تو پھر اس سے کیسے محبت کرے گا جو ایمان لاکر پھر کافر ہو جائے یعنے مُرتد ہو جائے۔

سوال: آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص ایمان کے بعد کفر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بھی ہدایت نہیں دے گا اور جو ظالم (بمعنے مذکور) ہوگا اسے بھی ہدایت نہیں دے گا۔ حالانکہ ہم نے بہت سے مرتدین کو دیکھا کہ وہ ارتداد کے بعد دولتِ اسلام سے نوازے گئے۔ اسی طرح بہت ظالموں کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے ظلم سے سچے دل سے تائب ہوئے۔

جواب: اس کا معنے یہ ہے کہ جب تک وہ لوگ اس کفر پر ثابت قدم رہیں اور اس کی محبت ان میں ہو اور اسلام کی طرف ذرہ برابر بھی رغبت نہیں رکھتے، انھیں اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دے گا۔ ہاں اگر وہ حق کی حقانیت میں سوچ بچار کریں یا حق کے قائم کردہ دلائل کو منصفانہ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کریں تو پھر اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا یعنی ان کے لیے ہدایت پیدا کرے گا۔

أُولَٰٓئِكَ ، وہی لوگ جو اپنے اوصاف کے ساتھ مذکور ہوئے یعنی وہ بُری صفات جو پہلے مذکور ہوئیں۔
جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ ، ان کی جزا یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ان پر۔ لعنت بمعنے جنت سے دور کرنا اور عقوبت و عذاب نازل کرنا۔ وَالْمَلَٰٓئِكَةِ ، اور فرشتوں کی لعنت۔ ملائکہ بھی لوگوں کی طرح اقوال سے لعنت کرتے ہیں۔ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ اور تمام لوگوں کی لعنت۔ اور ”الناس“ سے مومن مراد ہیں۔ اس لیے کہ ”الناس“ سے اگر تمام لوگ مراد ہوں تو معنے ہوگا کہ تمام لوگ ایک دوسرے کو لعنت کرتے ہیں اور یہ ناموزوں ہے ہاں اگر تمام لوگ مراد ہوں تو اس کا معنٰے یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو غیر مبطل و کافر سمجھ کر دوسرے کو لعنت

کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ کافر ہوتا ہے جس کا اسے علم نہیں۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ علیہم کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ لعنت و عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ خلود فی اللعنۃ کا معنٰے یہ ہے کہ وہ قیامت میں ہمیشہ ہمیشہ ان پر ملائکہ اور مومنین بلکہ جو ان کے ساتھ جہنم میں ہوں گے لعنت کرتے رہیں گے کہ وہ اس لعنت سے کسی حال میں بھی خالی نہیں ہوں گے۔

لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝ اور نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ اور نہ ہی مہلت دیئے جائیں گے۔

الانظار بمعنی التاخیر (مہلت دینا) یعنی نہ ان سے عذاب ہلکا ہوگا۔ اور نہ ہی ان کے لیے عذاب کو ایک وقت سے دوسرے وقت تک مؤخر کیا جائے گا۔

مسئلہ کفار کو دائمی عذاب ہوگا اور ان کے لیے ضرر ہی ضرر ہوگا۔ جس میں ذرہ برابر بھی نفع کی گنجائش نہیں ہوگی اور نہ ہی عذاب ان سے منقطع ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ان اسباب سے پناہ مانگتے ہیں جو عذاب کی طرف لے جانے والے ہیں۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ، مگر وہ لوگ جو ارتداد کے بعد تائب ہوئے۔ وَ اَصْلَحُوْا ۫ اور اپنے گندے کرتوں سے پاک و صاف ہوگئے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ان کی توبہ قبول کر کے ان پر لطف و کرم کرتا ہے۔

مسئلہ: اصلحوا کے تابوا پر عطف ڈالنے سے معلوم ہوا کہ صرف توبہ سے کام نہیں بنتا جب تک کہ اس کے ساتھ عمل صالح نہ ہو۔

مسئلہ: ارتداد وغیرہ (جو زمانہ ماضی میں سرزد ہوا) پر نادم ہونا اور آئندہ مستقبل میں ان کے ارتکاب سے باز رہنے کے پختہ ارادہ کا نام توبہ ہے۔

مسئلہ: حقیقی توبہ یہ ہے کہ باطن کو مراقبات سے حق کی طرف متوجہ کیا جائے اور خلق خدا سے معاملات صحیح رکھے جائیں۔

ف: ایسی ندامت اور توبہ ہر اس شخص کو نصیب ہوسکتی ہے جو نفس امّارہ کے استیلاء کو قلب پر وارد نہ ہونے دے بلکہ اس سے نفس کی تمام آلائش کو قلب سے دور رکھے۔ ایسے شخص کے نفس کے حجابات کے آگے نور کی استعداد کا مسکہ اس کے قلب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جس پر اسے رحمت و توفیق ایزدی اپنے دامن میں لے لیتی ہے۔ تب اسے ندامت حقیقی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ پھر اس وجہ سے وہ ہمیشہ ریاضات کے باب تزکیہ و تصفیہ پر مقیم رہتا ہے۔

حکایت: ایک دن حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مجھے اس ضعیف سے بہت زیادہ تعجب ہوتا ہے جو آپ

سے بہت بڑے قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے دن میں نے صبح کی نماز پڑھی تو میرے ہاں ایک نوجوان حاضر ہوا اور اس کے پیچھے بہت سے سواریوں کے سوار اور ان کے آگے حسین وجمیل لڑکے خدام تھے اور وہ خود بھی بہتر سواری پر سوار تھا۔ اپنی سواری سے نیچے اتر کر پوچھا کہ تم میں سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کون ہے؟ میرے ہم نشینوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے ہاں حاضر ہو کر السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گیا۔ اور کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس ضعیف سے تعجب ہے جو اپنے سے بہت زیادہ قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔ ضعیف سے آپ کی مراد کیا ہے اور قوی سے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ضعیف سے ابن آدم مراد ہے اور قوی سے اللہ تعالےٰ۔ ابنِ آدم نہایت ہی کمزور ہو کر بہت بڑی قوی ذات اللہ تعالےٰ کا بے فرمان ہے۔ میری یہ تقریر سن کر وہ نوجوان رو پڑا اور کہا:

یا حضرت! کیا آپ کا رب مجھ جیسے غریق العصیان کی توبہ بھی قبول فرمائے گا۔ جب کہ میرا بال بال گناہوں میں غرق ہے۔ اور میرے اوپر حقوق العباد کی تو شمار ہی کوئی نہیں۔ اب میں کیا کروں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا "جب تو پورے طور پر حق کا ہو جائے گا تو تیرے مطالبہ کرنے والوں کو وہ خود راضی کرے گا۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو مطالبہ کرنے والے لوگ اللہ کے دوست سے مطالبہ کے لیے آجائیں گے ملائکہ کرام اعلان کریں گے کہ اللہ تعالےٰ کے دوست کو مت چھیڑو۔ اب اس پر جتنے حقوق ہیں، وہ اللہ تعالےٰ خود ادا کرے گا۔ مطالبہ کرنے والوں کو ان کے مطالبات پر انھیں بہت بلند مراتب عنایت فرمائے گا۔ اس پر وہ مطالبہ کرنے والے اپنے مطالبات ترک کر دیں گے"

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی یہ تقریر سن کر پھر وہ شخص خوب رویا اور عرض کی کہ یا حضرت! مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بتائیے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم میانہ رو لوگوں کا راستہ اختیار کرنا چاہو تو بکثرت روزے رکھو، اور نوافل بہت زیادہ پڑھو اور گناہوں کو بالکل ترک کر دو۔ اگر تم اولیاء کا راستہ اختیار کرو تو ماسوائے اللہ کے تعلقات سے بالکل آزاد ہو کر خالص عبادتِ حق میں مصروف ہو جاؤ۔

نسخہ صوفیانہ: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ کر کے اپنے تمام خیالات کو اللہ تعالےٰ کے مشاہدہ کے تصورات میں لگا دے ؎

بہشت تن آسانی آنگہ خوری
کہ بر دوزخ نیستی بگذری

یعنی حضور باقی اور حیاتِ ابدی میں اس وقت پہنچ سکو گے جب اپنے وجود کو وجودِ حق میں فنا کر دو گے اور اخلاق ذمیمہ کو مٹا کر اخلاقِ حمیدہ پیدا کر لو گے۔ جب تم اس مشکل بھرے راستے کو طے کر لو گے تو تمھیں جنابِ مطلق تک رسائی

نصیب ہو جائے گی۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ مجھے ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ! دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر ہو۔ یعنی دنیا کو جھانک کر بھی نہ دیکھو اور نہ ہی اسے اپنا وطن تصور کرو اور نہ ہی اس میں کوئی شغل اختیار کرو جیسے مسافر سفر میں کوئی شغل اختیار نہیں کرتا۔ جب اس کا وہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ ہو بلکہ اپنے آپ کو اصحاب القبور میں شمار کرو۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بندہ اپنے اس اضافی وجود کے تصور کو ایسا مٹائے کہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کا وجود نظر آئے۔ بدن روح کے لیے بمنزلہ قبر کے ہے جیسے میت قبر میں اپنے مولا کے ہر امر کے سامنے سر تسلیم خم رکھتی ہے اور وہ کسی شے کے درپئے نہیں ہوتی۔ ایسے ہی انسان کے لیے ضروری ہے کہ آفاتِ بدنیہ وقلبیہ کے فکر میں رہے بلکہ فطرت اصلیہ اور شہود تام کو مدِ نظر رکھ کر اس حال میں خوش رہے جس حال پہ اسے مولیٰ رکھے لیکن ایسی آفات سے بہت تھوڑے ہیں جنھیں سلامتی نصیب ہو۔ (ورنہ اکثر ایسی آفات میں مبتلا ہو کر مقصود سے محروم رہے) ہاں جس بندے پر توبہ کا دروازہ کھل جاتا ہے تو وہ اپنے سے فوت شدہ مقاماتِ حاصل کر لیتا ہے۔ اے سالک! خبردار! کسی وقت بھی نفس کی کسی ہی برائی کے ارتکاب کی اجازت نہ دینا۔ جب تم نے کسی وقت بھی نفس کے لیے کسی برائی کا دروازہ کھولا تو سب سے پہلے وہ خطرہ (وسوسہ شیطانی) میں مبتلا کر دے گا۔ جیسے بارش صرف ایک قطرہ ہے (لیکن قطرہ کی بہتات کئی ملکوں کو تباہ کر ڈالتی ہے)۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اس قوم کا کیسا غلط رویہ ہے کہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن عبادت گذار نیک لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ قرآن پہ اتنا عمل کرتے ہیں جو ان کی خواہش نفسانیہ کے موافق ہو اور جو اُن کی خواہشات نفسانیہ کے مخالف ہے اسے ترک کر دیتے ہیں"

انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وہ کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے بعض حصہ کو ترک کر دیتے ہیں۔ ان امور میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں، جو ان کے لیے قدرت نے اپنے ذمہ کرم لگایا ہے یعنی تقدیر کے حتمی فیصلے اور رزق مقرر کردہ اور اجل معین شدہ لیکن ان میں معمولی سے معمولی توجہ بھی نہیں کرتے کہ جن کے متعلق انھیں کوشش اور جدوجہد کرنی لازم ہے یعنے اجر و ثواب کا حصول اور سعی مشکور اور ایسی تجارت کہ جس میں انھیں کسی قسم کا خسارہ نہیں۔

سبق: اے سالک! اگر تمھیں میری یہ نصیحت سمجھ آجائے تو تم تمام اپنی کوشش امور آخرت میں صرف کرو نہ کہ دنیوی امور میں بلکہ اللہ تعالےٰ سے کچھ مانگنا ہے تو صرف اس کا مشاہدہ مانگو۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو عطا فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ ، بے شک وہ لوگ جیسے یہود۔ کَفَرُوْا ، کفر کیا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔ بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ، بعد ایمان لانے کے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور توریت پر ایمان رکھتے تھے۔ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا ، پھر وہ کفر میں بڑھے۔ جب انھوں نے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے انکار کیا اور قرآن کو نہ مانا یا اس کا یہ معنے ہے کہ حضور علیہ السلام کے تشریف لانے سے پہلے ان پر ایمان رکھتے تھے جب حضور سرور عالم تشریف لائے تو انکار کر دیا۔ اس لحاظ سے وہ کفر میں بڑھے۔ اس انکار پر اصرار کیا اور آپ کو مطعون کیا اور ان پر ایمان لانے سے دوسروں کو روکا اور وعدۂ میثاق توڑ دیا۔ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ وہ اس وقت توبہ کرتے ہیں جب موت سامنے آجاتی ہے۔

نکتہ: ان کے توبہ نہ کرنے کو عدم قبول کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا حال بہت بُرا ہے اور وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان کی بُری طرح سرزنش کی جائے اور وہ اب اس حال کو پہنچ چکے ہیں کہ اب انھیں اللہ تعالےٰ کی رحمت سے امید بھی نہ رکھنی چاہیئے اس لیے کہ اب اگر وہ توبہ کریں گے بھی تو خالی از منافقت نہیں ہوگی کیونکہ اب تو وہ مرتد ہیں اور نفرکی آخری سرحد کو پہنچ چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس جملہ پر واؤ عاطفہ نہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝ یہی لوگ مکمل طور پر گمراہ ہیں۔

یہ حصر الکمال کے قبیل سے ہے ورنہ ہر کافر گمراہ ہے خواہ وہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے یا پہلے ہی کفر کرے اور ان کے کفر میں گمراہی تک پہنچنے کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ اس گمراہی پر خوب جمے ہوئے ہیں کہ ان سے ہدایت کی امیدیں بھی منقطع ہو چکی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ ، بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور اس کفر پر مرے تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں پر فاء اس لیے داخل ہوا ہے کہ ان کی کفر کی موت ان کے فدیہ کے عدم قبولیت کا سبب ہے۔ یہ فاء سببیہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ مبتدا اپنی خبر کا سبب ہے۔ مِنْ اَحَدِهِمْ ، کسی ایک سے فدیہ۔ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا ، زمین کے برابر سونا۔

ذهبا تمیز ہے یعنے اگر وہ لوگ اپنی جان رہائی میں مشرق سے مغرب تک زمین کو سونے سے بھر دیں۔

وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ط اگر اس زمین کے برابر سونے کو فدیہ کے طور پر دیں۔

سوال: ان سے زمین کے برابر سونے کے قبول نہ کرنے کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر قیامت میں سونے وغیرہ کا مالک ہوگا کہ جس سے وہ فدیہ دے کر جان چھڑانے کی کوشش کرے گا حالانکہ مسلمات سے ہے کہ وہ کھجور کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ چہ جائے کہ زمین کے برابر سونا؟

جواب: یہ مضمون علی سبیل الفرض والتقدیر ہوا ہے۔

ف : چونکہ سونا مال واسباب میں اعلیٰ شے سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اس کا ذکر فرمایا اور زمین کے برابر سے کثرت اور فراوانی مراد ہے یعنے کافر قیامت میں اگر بہترین مال پر بھی قدرت پا جائے اور ہو بھی اس کے پاس وافر در وافر پھر اسے خرچ کرنے پر قدرت بھی ہو تاکہ وہ اپنے مطالب حاصل کر سکے تو تب بھی اسے یہ نصیب نہ ہو گا کہ اتنا زیادہ مال صرف کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالٰے کے عذاب سے نجات دے سکے۔ مقصد یہ ہے کہ کافر قیامت میں اللہ تعالٰے کے عذاب سے نجات پا جانے سے بالکل ناامید ہو چکے ہوں گے۔

وَ اُولٰٓئِکَ ۔ یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو انہی اوصاف قبیحہ کے ساتھ مذکور ہوئے۔ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ، ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝ اور نہ ہی ان کے لیے کوئی مددگار ہوں گے جو انھیں عذاب سے بچا سکیں یا ان سے عذاب ہلکا کر سکیں۔

یہ من زائدہ استغراق کا فائدہ دیتا ہے اور جمع کا صیغہ ضمیر ھم کی رعایت کی وجہ سے لایا گیا ہے یعنے ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :
"قیامت میں سب سے زیادہ ہلکا عذاب اسے ہوگا جسے کہا جائے گا کہ کیا تمھارے لیے تمام روئے زمین ملکیت کے طور پر دی جائے تو کیا پھر تو اپنے چھڑانے کے لیے فدیہ کے طور پر دے گا۔ وہ عرض کرے گا ہاں! اللہ تعالٰے فرمائے گا، میں نے اس سے بہت زیادہ آسان معاملہ کیا تھا۔ لیکن تو نے انکار کر دیا تھا وہ یہ کہ جب تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا تو میں نے کہا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا لیکن تو نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ نہیں، میں تو تیرے ساتھ ضرور کسی کو شریک کروں گا۔

ف : حضرت امام رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ کافر تین قسم کے ہوتے ہیں :

(۱) اپنے کفر سے پورے طور پر اور صحیح اور سچی نیت سے توبہ کرلے اور اس کی توبہ بھی قبول ہو جائے۔ یہ وہ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالٰے نے یوں فرمایا :

"الا الذین تابوا واصلحوا فان اللہ غفور رحیم۔"

(۲) بظاہر تو توبہ کرے لیکن اس کا دل بدستور منکر ہو۔ یہ وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالٰے نے اس آیت سے پہلے بیان فرمایا، فرمایا :

"لن تقبل توبتھم۔"

(۳) وہ یہ کہ توبہ کے بغیر مر جائے اس کا ذکر اللہ تعالٰے نے انہی آیات میں یوں فرمایا :

"وھم کفار" "الآیۃ"

تفسیر صوفیانہ حقیقی کافر وہ ہیں کہ جن کے قلوب پر نفس امارہ کا غلبہ ہے اور وہ نفس امارہ قلوب پر پوری قدرت پا جائے اور ران پر غل و غش کے انبار لگا دے۔ یہی لوگ شر اور گمراہی میں انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ سرکشی اور بغاوت میں یکتا ہوتے ہیں اسی لیے زمین کے برابر سونا ہو تو بھی ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ وہاں تو وہ امور قبول ہوتے ہیں جو نورانیت سے لبریز اور باقی رہنے والے ہوں۔ کیونکہ آخرت تو نور اور بقا کا ملک ہے وہاں تو امور ظلمانیہ فانیہ کا نام و نشان تک بھی نہیں اور ان کے کفر اور حق سے محجوب ہونے کا سبب بھی یہی تھا کہ وہ ان عوائق فانیہ کی محبت میں منہمک تھے۔ پھر وہی امور ظلمانیہ فانیہ کیسے ان کا فدیہ بن کر ان کی جان چھڑا سکتے ہیں۔ جن امور کو وہ اپنی نجات اور قرب و قبول کا سبب سمجھتے رہے بعینہٖ وہی اشیا ران کی ہلاکت اور خسارہ اور محرومی کا سبب بنے۔

سبق: اے سالک! تو کفر کے اوصاف سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔ کفر کے اوصاف یہ ہیں:

(۱) حُبِّ دنیا۔

(۲) اتباعِ شہوات۔

(۳) خواہشاتِ نفسانیہ کی طرف متوجہ ہونا۔

(۴) حق سے روگردانی کرنا ؎

ترا شہوت و کبر و حرص و حسد
چوں خون در رگند و چوں در جسد

ترجمہ: تیرے اندر شہوت و کبر و حرص اور حسد ایسے ہیں جیسے خون رگوں میں اور جان جسم میں۔

یعنی جیسے خون رگ و ریشہ میں جاری و ساری ہے اور جیسے کہ روح جسم کے ہر ذرے میں ہے اسی طرح یہ صفات مذمومہ تجھے محیط ہیں ؎

اگر ایں دشمناں تقویت یافتند
سر از حکم و رائے تو بر تافتند
ہوا و ہوس را نماند ستیز!
چو بینند سر پنجۂ عقل تیز

ترجمہ: اگر یہ دشمن قوت پا گئے تو پھر وہ تیرے حکم سے روگردانی کریں گے۔ ہوا و ہوس کو جنگ کی سکت نہیں رہتی جب دیکھتے ہیں کہ عقل کی طاقت مضبوط ہے۔

یعنی جب مرد اپنے آپ کو شرع کا تابع بنا دیتا ہے تو اس کی عقل اس کی خواہشات پر غالب رہتی ہے اس پر صفاتِ درندگی یعنی شیطانی عادتیں غلبہ نہیں پا سکتیں۔

حدیث شریف: حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر بڑا خوف ہے کہ وہ خواہشات کی اتباع اور لمبی لمبی آرزوؤں میں مبتلا ہو جائیں گے۔

خواہشاتِ نفسانیہ انسان کو سدِ راہِ حق ہو جاتی ہیں اور لمبی لمبی آرزوئیں آخرت کے امور سے فراموش کر دیتی ہیں۔

رُوحانی نسخے: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

(۱) عبادت کی کنجی فکر ہے۔

(۲) حق بات پر پہنچنا غلط خواہش اور نفس کی مخالفت میں ہے۔ اور نفس کی مخالفت کا یہی مطلب ہے کہ اس کی خواہشات کو دبایا جائے۔

حکایت حضرت جعفر بن نصیر فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جنید رضی اللہ تعالٰے عنہ نے ایک درہم دے کر فرمایا کہ انجیر لے آؤ۔ میں نے ان کے حکم کے مطابق انجیر خریدی۔ آپ نے روزہ افطار کرتے وقت ایک انجیر منہ میں رکھی ہی تھی کہ فوراً منہ سے نکال کر اسے پھینک مارا اور زار و قطار روئے۔ پھر مجھے فرمایا: اسے لے جا۔ میں نے عرض کی کہ کیا بات ہے۔ فرمایا: میں نے انجیر منہ میں ڈالا تو میرے دل میں خیال گزرا اور ہاتف نے سمجھایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ ترکِ شہوات کا اللہ تعالٰے سے وعدہ کیا اور اب پھر اس وعدہ کو توڑ کر شہوت رانی کر رہے ہو۔

ف: حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالٰے نے فرمایا: جو رات کو نیکی میں گزارتا ہے اسے دن کے لیے بھی نیکی کی توفیق ملے گی اور جو دن کو نیکی سے گزارتا ہے تو اسے رات کو نیکی کی توفیق نصیب ہوگی۔ جو شخص سچے دل سے ترکِ شہوت کرتا ہے، اسے اللہ تعالٰے کی طرف سے قوتِ ربانی نصیب ہوگی اور اللہ تعالٰے کی شان بلند ہے کہ وہ شہوت کے تارک کو ترکِ شہوت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ کرے۔

تقریر عجیب: سالک کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان کا ایک عجیب لطیفہ وہ ہے دراصل یہ اخلاق مذمومہ کا گنجینہ ہے کہ اس میں اللہ تعالٰے نے بُرے اخلاق امانت کے طور پر رکھے ہیں جو انسان کے تمام جسم کو محیط ہیں۔ دراصل یہ برائیوں کا خوگر ہے۔ اس لیے یہ برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ اس کی تخلیق بھی اس لیے ہوئی کہ یہ ان روحانی امور کے لیے سدِ راہ بنے جو الملکوت الاعلیٰ سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے کہ وہ امور روحانی انسان کو کارِ خیر کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ اور یہ نفس شیاطین ملکوتِ سفلی سے متعلق ہے اور شیاطین ہمیشہ برائی کا ہی حکم دیتے ہیں۔ اور ان کی طبیعت میں سرکشی اور انکار و استکبار ہی ہے یہی وجہ ہے کہ نفس نصیحت کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ الٹا سرکشی کا اظہار کرتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالٰے نے قصیدہ بردہ میں فرمایا ؎

فان امارتی بالسوء ما اتعظت

من جہلہا بنذیر الشیب والہرم

ترجمہ : بے شک میرا نفس امارہ اپنی جہالت کی وجہ سے بڑھاپے وغیرہ کے پیامبروں سے نصیحت نہیں لیتا۔

شرح : وہ نفس برائیوں اور عیوب کا حکم دیتا ہے وہ بڑھاپے کے پیامبر سے نصیحت قبول نہیں کرتا۔ باوجودیکہ بڑھاپے کی منزلیں طے کر رہا ہے لیکن گمراہی کی انتہا کر دیتا ہے اور نہ ہی ندامت کے ہاتھوں سے شہوت کے گھوڑے کی لگام تھامتا ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے نفس کو جہنم کی صورت میں پیدا فرمایا ہے پھر جہنم کے ہر طبقہ کی صفت پیدا فرما دی اور یہ شہوت اس جہنم کا ایک دروازہ ہے جس سے جہنم کے طبقات کے جس طبقہ میں جانا چاہتا ہے اور وہ سات طبقات کے صفات یہ ہیں :

۱۔ تکبر ۲۔ حرص ۳۔ شہوت
۴۔ حسد ۵۔ غضب ۶۔ بخل
۷۔ حقد (کینہ)

جو شخص اپنے نفس کو انہی صفات سے پاک اور صاف کرتا ہے تو وہ ان درکاتِ سفلیہ سے گذر کر کے بہشت کے بلند درجات کو پہنچ جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : (قد افلح من زکاھا) جس نے نفس کو ان صفاتِ رذیلہ سے پاک اور صاف نہ کیا تو وہ خائب و خاسر ہو کر جہنم کے درکات میں پڑا رہا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "قد خاب من دساھا" اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس امارہ کے مکر و فریب اور شیطان کے شر سے بچائے۔ اور جب تک ہمارے ابدان میں ارواح قرار پکڑتے رہیں ہمارے حالات کو اچھا رکھے۔ (آمین یا مستعان)۔

فصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہٖ خیر خلقہ و نور عرشہ و زینۃ فرشہ سیدنا و مولٰنا
محمد و علیٰ اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

قد تم الجزء الثالث فی الثانی والعشرین من شھر رجب فی الیوم الرابع من سنۃ ثلثمائۃ و ثلث وتسعین بعد الالف من ھجرۃ ذوی المجد والشرف صلی اللہ علیہ و اٰلہٖ وسلم الف الف مرۃ۔

والاٰن یلیہ الجزء الرابع انشاء اللہ تعالیٰ ثم انشاء رسولہ الاعلی علیہ التحیہ والثناء۔

حررہ الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ ـــــ بہاولپور۔

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر (۱۱۱)

لہ : حدیث شریف میں خون کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن موجودہ دور میں اکثر امراض کا علاج خون کی خرید و فروخت پر چل رہا ہے بلکہ بسا اوقات خون ہی سے موت و حیات کا نتیجہ نکلتا ہے یعنے خون مل گیا تو مریض کو نئی حیات نصیب ہو گئی ورنہ موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ اور پھر اپریشن کے وقت خون کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ ہسپتال ہی سے قیمتاً مل جاتا ہے تمام دنیا میں پھیلی ہوئی انجمن ہلال احمر (ریڈ کراس) جو نیکی کے کاموں کے لیے کرۂ ارض پر مشہور ہے وہ بھی خون قیمتاً بیچتی ہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے یہاں اختصار کے طور پر اتنا کہا جا سکتا ہے ؎

فریب خوردہ را بہانہ بسیار

ورنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے ضوابط و اصول ہمیں عطا فرمائے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وحی من اللہ ہیں جنہیں ہم رہتی دنیا تک اپنے لیے سرمایۂ حیات اور زندگی کا دستور العمل بنائیں۔ اسی میں ہمیں نہ صرف اخروی بلکہ دنیوی لاکھوں منافع نصیب ہوں گے۔ آج دنیا ہر معاملہ میں مصائب اور پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے ان کا حل سمجھ سے بالاتر ہوتا جا رہا ہے اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت تمام انسانوں کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے اصول عنایت فرما گئے۔ وہ ہم نے پس پشت ڈال کر اپنے عقول و فہوم کو دوڑانے لگے اور انسانی عقول و فہوم سراسر خسارے میں ہیں۔

خون حرام اور اس کی خرید و فروخت حرام، لیکن اس کے عارضی فوائد پر ہم خوش ہو گئے جیسے ایک نادان بچے کے آگے زہر رکھ دی جائے پہلے تو وہ اسے راحت جان سمجھے گا اور پھر ہزاروں آفتوں کا شکار ہو جائے گا۔ یہی ہمارا حال ہے کہ ہم ایک طرف خون و دیگر حرام اشیاء سے فوائد پا کر خوش ہو جاتے ہیں لیکن ان سے جو دیگر امراض اور خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ پھر ان کا علاج سوچا بھی نہیں جا سکتا بلکہ بسا اوقات علاج کا موقع ہی نہیں ملتا مثلاً غلط گروپ کا خون لگنے سے فوری موت وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہمارے مسلمان ڈاکٹر اس کا بدل سوچتے تو ہزاروں نعم البدل نظر و فکر کے سامنے گھوم جاتے، لیکن ان بیچاروں کو تو غیروں کی تقلید سے فرصت ہی نہیں کہ کچھ سوچ سکیں۔ خون کے کاروبار کی ہمہ گیری ایسے ہے جیسے سود کی لعنت۔ تو کیا اس کی ہمہ گیری جواز کی صورت پیدا کر لے گی تو پھر جیسے وہ ویسے یہ۔ (اویسی)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ○
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ
اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَمَنِ
افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫قف
فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ
لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ۚ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۬ۚ وَمَنْ
دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ
كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ○ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ
وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ
اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ یٰۤاَیُّهَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ
كٰفِرِیْنَ ○ وَكَیْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ
یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ ع

ترجمہ : تم ہرگز خیر بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو، اور تم جو کچھ خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے تمام طعام بنی اسرائیل کو حلال تھے مگر وہ جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا توریت نزول سے پہلے۔ تم فرماؤ توریت لاکر پڑھو اگر سچے ہو تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے تو وہی ظالم ہیں تم فرماؤ اللہ سچا ہے۔ تو ابراہیم کے دین پر چلو جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکوں میں نہ تھے بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کا مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا راہنما ہے اس میں کھلی نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں آئے امان میں ہو اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو اس تک چل سکے اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔ تم فرماؤ۔ اے اہل کتاب کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو اُسے جو ایمان لائے۔ اسے ٹیڑھا کیا چاہتے ہو۔ اور تم خود اس پر گواہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ اے ایمان والو اگر تم کچھ اہل کتاب کے کہنے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر چھوڑیں گے۔ اور تم کیونکر کفر کرو گے تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ اور تم میں اس کا رسول تشریف فرما ہے اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ

تفسیر عالمانہ

(حل لغات) نَالَہٗ ۔ نیلاً سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئے کو پالے۔ یعنی اے مومنو! تم اس نیکی کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے جس میں رغبت کرتے ہو اور نہ ہی اس کے اصلی منشا کو نہیں پا سکتے ہو اور نہ ہی تم نیک لوگوں کے زمرے میں شمولیت کا حق رکھ سکتے ہو۔ یا معنٰی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے احسان اور اس کے ثواب اور رحمت و رضا و جنت کو نہیں پا سکتے۔ حَتّٰی تُنْفِقُوْا یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر ڈالو اس رغبت میں جو اس کے ہاں ہے۔ مِمَّا تُحِبُّوْنَ اس میں سے جو محبت کرتے ہو۔ یعنی اُن اشیا کو جنہیں تم خود چاہتے ہو اور وہ تمہارا بہترین اموال میں شمار ہوتا ہے بلکہ تمہارے ہاں وہ محبوب ترین مال ہے یا آیت میں ما عموم کے لیے ہے وہ اموال ہوں یا اعمال جب کہ انفاق سے مطلق خرچ مراد ہو۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بِرّ ایک اونچا مرتبہ ہے جو قسمت والے کو نصیب ہوتا ہے وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو۔ وہ اچھا مال جو تمہیں محبوب ہے یا وہ خبیث شئے جس سے تم خود کراہت کرتے ہو۔ مِنْ شَیْءٍ جار مجرور کا محل علی التمیز ہے۔ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ پس بیشک اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ یہ جواب شرط کی علت ہے یعنی وہ تمہیں پوری جزاء دے گا۔ اگر اچھا مال ہے تو اچھی جزاء ہو گی اگر ردی ہو گا تو سزا ملے گی۔ کیونکہ وہ کریم جل شانہٗ

ہر شئے کو جانتا ہے تم جو کچھ خرچ کرتے ہو اس کا بھی اسے علم ہے اور اس کا اتنا علم کامل ہے کہ اس سے کوئی شئے مخفی نہیں ۔ شئے کی کنہ اور اس کی ذات و صفات کو ہر طرح جانتا ہے ۔

مسئلہ: آیت میں بہتر شئے خرچ کرنے کی ترغیب اور ردی شئے سے احتراز کرنے کی نصیحت ہے ۔

ف: اسلاف کی عادت تھی کہ وہ اپنی اچھی شئے کو چھپا رکھتے جب لوگوں کو اس کی اشد ضرورت ہوتی تو اسے اس وقت خرچ کرتے۔

نکتہ: انسان کی فطرت ہے کہ وہ اچھی شئے اس وقت خرچ کرتا ہے جب سمجھتا ہے کہ اسے اس سے اعلیٰ شئے نصیب ہو گی ۔

نکتہ: انسان دنیا میں اچھی شئے خرچ کرتا ہے جب سمجھتا ہے کہ مجھے قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونا ہے اور وہ میرے حال کو جانتا ہے اور اسے بہت بڑی قدر سے رکھتا ہے جب سمجھتا ہے کہ اس سے اسے بہتر صلہ ملیگا کیونکہ اسے یقین ہے کہ مر کر اٹھنا ہے اس کا حساب ہوگا ۔ اور اس کی جزاء ملے گی ۔ اگر اچھے عمل ہوں گے تو بہتر جزاء اگر برے عمل ہوں گے تو سخت سزا ۔

ف: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان دنیا میں ہر محبوب شئے کو خرچ کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے دوسرے اعمال بھی نیک ہوں ۔ آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو شخص بھی بہتر مال خرچ کرے اسے وہ نیک صلہ نصیب ہو اگرچہ باقی نیکیوں کو ہاتھ نہ لگائے ۔

حضرت ابو طلحہ کی عجیب داستان

مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت طلحہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا محبوب ترین باغ بیرحا ہے۔ (بیرحا مدینہ طیبہ میں ان کے باغ کا نام تھا اور وہ بالکل مسجد نبوی کے عین سامنے تھا ۔) اور عرض کی میں نے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا ۔ اب آپ کی جہاں مرضی ہو خرچ فرمائیں حضور علیہ السلام نے فرمایا واہ واہ ۔ یہ بہتر مال اور منافع والا مال ہے اے ابو طلحہ میری رائے یہ ہے کہ آپ اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمائیے ۔ حضرت ابو طلحہ نے اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرما دیا ۔

مسئلہ: ثابت ہوا کہ بہتر مال اپنے عزیز رشتہ داروں میں خرچ کرنا افضل ہے ۔

حکایت حضرت عمر بن عبد العزیز

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ کی اہلیہ محترمہ کی لونڈی تھی جو حسن و جمال میں بے نظیر تھی ۔ حضرت عمر کو اس لونڈی سے محبت ہو گئی ۔ آپ نے کئی بار اپنی اہلیہ سے وہ لونڈی طلب کی لیکن وہ انہیں نہیں دیتی تھیں ۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۃ المسلمین کے عہدے پر فائز ہوئے اور تخت خلافت پر بیٹھے تو آپ کی اہلیہ نے اس لونڈی کو ہار سنگار کر کے حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی کہ میں نے آپ کو ہبہ کے طور دے دی آپ نے از راہ تقویٰ فرمایا پہلے یہ بتا کہ یہ لونڈی تونے کہاں سے حاصل کی ۔ اس نے عرض کی کہ مجھے میرے والد عبد الملک (بادشاہ تھا) نے عنایت فرمائی تھی ۔ پھر آپ نے پوچھا کہ

اُنہوں نے کہاں سے اور کیسے حاصل کی۔ عرض کی گئی فلاں علاقہ کے حاکم پر اُن کا قرضہ تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو انہوں نے اپنے قرضہ کے عوض یہی لونڈی لی تھی۔ آپ نے اس حاکم کے عزیز دل کو بُلا کر اس لونڈی کی رقم اُن کے منہ مانگی ادا کر دی۔ آپ کو اس سے بہت محبت تھی اور چاہتے بھی تھے کہ یہ لونڈی میرے قبضہ میں ہو۔ چنانچہ اس سے قبل انہوں نے اہلیہ سے حصول کے لیے بہت جدوجہد بھی فرمائی تھی لیکن باوجود اینہمہ آپ نے لونڈی کو دیکھے بغیر فرمایا جامیں نے تجھے فی سبیل اللہ آزاد کیا۔ آپ سے عرض کی گئی کیوں حضرت اَب تو اس سے مال حرام کا شائبہ بھی ہٹ گیا۔ اور آپ نے اس شک و شبہ کو مٹانے کے لیے بڑی کوشش بھی فرمائی۔ اَب آپ پر یہ لونڈی ہر طرح سے حلال ہوگئی۔ آپ نے فرمایا میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جو اپنے نفس کی خواہشات پر غالب ہوں گویا انہوں نے اپنی محبوب ترین متاع اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی۔

حکایت حضرت ربیع رحمہ اللہ تعالیٰ پر فالج گرا۔ جب آپ کے دروازے پر سائل دستک دیتا تو آپ اپنی اہلیہ سے فرماتے کہ اسے گڑ دیجیئے اس لیے کہ آپ کی محبوب غذا گڑ تھی ایک دفعہ بیماری نے طول پکڑا عرصہ تک آپ اس مرض میں مُبتلا رہے آپ کے جی میں مرغی کے گوشت کی خواہش پیدا ہوئی۔ چالیس روز تک آپ اپنے نفس سے لڑتے رہے وہ مرغی کا گوشت مانگتا آپ اُس کے خلاف کرتے۔ ایک دن آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ چالیس دن ہوئے کہ میرا نفس مجھ سے مرغی کا گوشت مانگتا ہے لیکن میں بضد ہوں آخر یہ بھی نفس ہے یہ میری ایک بھی نہیں مانتا اب کیا کیا جائے۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی اس میں کونسا حرج ہے جب آپ کے لیے مرغی کا گوشت کھانا حلال ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حلال سے منہ موڑنا کون سی بہتری ہے آپ نے رضا کا اظہار کیا تو بی بی صاحبہ نے بازار سے مرغی منگوا کر اسے بہترین طریقہ سے پکا کر حضرت ربیع کی خدمت میں پیش کی تو باہر سے سائل نے صدا لگائی کہ اے خدا تعالیٰ کے بندو! اس کے لیے کچھ دو حضرت ربیع نے فرمایا کہ میرا یہی دستر خوان اس فقیر کے حوالے کردو۔ عرض کی گئی کہ آپ عرصہ سے بھوکے اور بیمار بھی ہیں۔ اور اس میں آپ کی صحت و عافیت کی اُمید بھی ہے ہم اس فقیر کو اس دستر خوان کے کھانے کی قیمت پیش کر دیتے ہیں اس سے وہ راضی بھی ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا اُس کی قیمت لے آؤ۔ بی بی صاحبہ نے دستر خوان کے کھانے کی قیمت لائیں۔ آپ نے فرمایا اَب یہ کھانا اور یہ رقم اس صَدا لگانے والے گدا کو دے دو۔ ناچار بی بی کو دینا پڑا۔

سبق: سبحان اللہ یہ تھی اللہ والوں کی بلند شان ؎

باحساں آسودہ کردن دِلے — بہ از الف رکعت بہر منزلے

ترجمہ: کسی دل کو احسان سے خوش کرنا ہر منزل پہ ہزار رکعت ادا کرنے سے بہتر ہے۔

کسی دوسرے شاعر نے کہا ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بُنیادِ خلیل آزر است — دِل نظرگاہ جلیل اکبر است

ترجمہ: دل خوش رکھ کہ یہی حج اکبر ہے کیونکہ ہزار کعبے سے ایک دل بہتر ہے کعبہ خلیل کی بنیاد ہے اور دل اللہ تعالےٰ کی نظر کرم کی جگہ ہے۔

(نکات) (۱) جب نیکی کو محبوب ترین شئے کے خرچ کئے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تو پھر نیکی والے کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جب بندہ حظوظ نفسانیہ کو اپنا مقصود سمجھے۔

(۲) حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا جو شخص نیکی کا طالب ہے وہ بعض مال کو خرچ کرے اور جو نیکی والے کا طالب ہے اسے تمام کا تمام محبوب مال خرچ کر ڈالنا ضروری ہے۔

(۳) حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ کی تفسیر میں فرمایا کہ جتنا تم اللہ تعالیٰ کے ہو گے اتنا وہ تمہارا ہوگا۔ چنانچہ اس نے خود حدیث قدسی میں مَنْ کَانَ اللّٰہُ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ دیکھئے پروانے کو شمع کی روشنی سے عشق ہے وہ اسے حاصل نہیں کر سکا جب تک اس نے اپنی پیاری جان اس میں فنا نہ کر دی۔

(۴) حضرت امام قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا قرب نیکی سے ہی حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے آپ کو ماسوی اللہ سے بری کرے۔ اس لیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ کو طلب کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب رہے گا۔ بلکہ وہ اصول طریقت پر شرک خفی میں مبتلا ہے جو غیر اللہ کی محبت میں گرفتار ہے ؎

ترا ہر چہ مشغول دارد ز دوست … اگر راست خواہی دلارامت اوست

ترجمہ: جو شئے تجھے دوست سے مشغول رکھے میرے نزدیک وہ بھی تیری محبوب ہے۔

خلاصہ: یہ کہ بندہ جب تک مال و متاع اور محبت غیر اللہ سے فارغ نہیں ہوگا صفات رذیلہ سے اپنے نفس کو فنا نہ کر ڈالے اسے قرب حق نصیب نہیں ہوگا ؎

اگر یاری از خویشتن دم مزن … کہ شرکست با یار و خویشتن

ترجمہ: اگر تم یاری لگاتے ہو تو اپنے ہونے کا دم نہ مارو۔ اس لیے کہ دوست کے سامنے اپنا ہونا ظاہر کرنا شرک ہے۔

تفسیر عالمانہ كُلُّ الطَّعَامِ:

شان نزول: جب آیت۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ الایۃ

اور آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الیٰ قولہٖ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ اتری تو یہودیوں نے انکار کر دیا بلکہ انہیں ان آیتوں سے غصہ دلایا۔ اور انہوں نے اپنی برأت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اور جو کچھ قرآن پاک نے ان کے متعلق فرمایا اس کے سراسر منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ طعام صرف ہمارے لیے حرام نہیں بلکہ ان کی حرمت تو قدیم سے چلی آ رہی ہے یہی طعام حضرت نوح علیہ السلام پر حرام تھا اور ابراہیم علیہ السلام پر بھی اور ان کے بعد ہم تک جتنے دیندار گزرے ہیں

سب پر حرام تھا۔ اس سے اُن کا مقصد یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو انہیں بغی و ظالم اور نیک راہوں سے روکنے اور سود کھانے اور دیگر اُن کی بُرائیاں بیان فرمائی ہیں (معاذ اللہ) غلط اور اُن پر سراسر بہتان ہے۔ ہاں چند ایک طعام اُن پر حرام کر دیئے گئے۔ جب وہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے اور وہ بھی انہیں سرزنش کے طور۔

ف: طیبات تمام مطعومات کو کہا جاتا ہے۔ اور مطعومات طعام کے جمیع انواع کا نام ہے۔ جب لفظ طعام مطلق ہو تو اس سے گندم (اس کے جمیع متعلقات) مراد ہوتے ہیں لیکن عرف میں طعام ہر کھانے پینے کی شئے یہاں تک کہ پانی بھی شامل ہے۔ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ہر طعام حلال تھا بنی اسرائیل کے لیے۔ یعنی اس کا کھانا اُن پر حلال تھا۔ اس لیے کہ صرف افعال المکلف کو ہی حلال و حرام سے موصوف کیا جاتا تھا نہ کہ اعیان کو۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کا پینا بالذات حرام ہے اور شراب کا عین بالعرض اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِہٖ یہ استثناء متصل ہے کَانَ کے اسم سے یعنی تمام طعام بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر وہ طعام جو اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام نے اپنے نفس پر حرام کیا۔ یعنی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بارہ لڑکے عطا فرمائے تو اُن میں سب سے آخر کو بیت المقدس میں قربان کروں گا۔ اور وہ بشرطیکہ خود صحیح و سالم اور تندرست ہو کر بیت المقدس تک پہنچ جائیں اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک فرشتہ انسانی بھیس بدل کر ملا اور کہا اے یعقوب علیہ السلام آپ مضبوط جوان اور پہلوان معلوم ہوتے ہیں کیا میرے ساتھ کشتی لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ دونوں نے لڑنا شروع کیا۔ لیکن کوئی بھی ایک دوسرے کو پچھاڑ نہ سکا۔ لیکن فرشتے نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جھنجوڑا تو آپ کو مرض عرق النساء (وہ درد جو ران سے شروع ہو کر گھٹنوں یا قدم تک پہنچتا ہے) پیدا ہو گیا۔ اس پر فرشتے نے عرض کی کہ اگر میں چاہتا تو میں آپ کو کشتی میں پچھاڑ دیتا۔ لیکن میں نے جھنجوڑنے سے آپ کو یہ تکلیف پیدا کر دی اس لیے کہ آپ نے نذر مانی ہے کہ اگر میں بیت المقدس تک تندرست ہو کر پہنچا تو میں اپنی اولاد سے آخری لڑکا قربان کروں گا۔ چونکہ اب آپ بیت المقدس تک نہیں پہنچیں گے اب اس بیماری کی وجہ سے آپ کو بچہ قربان نہیں کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد یعقوب علیہ السلام بیت المقدس میں حاضر ہوئے تو ارادہ کیا کہ نذر پوری کریں یعنی ایک بچہ قربان کریں۔ انہیں فرشتہ کی راستہ والی بات یاد نہ رہی۔ جب وہ بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے تو وہی فرشتہ حاضر ہوا اور اپنی پچھلی بات یاد دلائی اور کہا کہ میں نے آپ کو جھنجوڑا تھا اور آپ کو عرق النساء (بیماری) پیدا ہوئی۔ اب چونکہ آپ کی نذر کی شرط مفقود ہوئی فلہٰذا اب بیٹے کو ذبح کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اس بیماری میں مبتلا ہوئے جس سے آپ کو بہت سخت تکلیف ہوئی یہاں تک کہ رات کو درد کی وجہ سے نیند نہ آتی۔ اس پر آپ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے شفا دی تو میں اپنا محبوب ترین

طعام کھانا چھوڑ دوں گا ۔ اس بیماری سے شفا پائی تو اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ کھانا پینا چھوڑ دیا ۔ دینی غیرت یا نفس کو دبانے کی نیت پر آپ نے ایسے فرمایا تھا ۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کے حلال کو اپنے اوپر حرام کر دینا سب کے لیے جائز ہے لیکن اس عمل سے باز آنا لازمی اور کفارہ یمین ادا کرنا واجب مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ اس کا متعلق کَانَ حِلًّا ہے ۔

سوال : اس کے اور متعلق کے درمیان استثناء واقع ہوا ہے ۔

جواب : یہ جائز ہوتا ہے ۔ اس میں کسی قسم کا حرج بھی نہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان پر تمام طعام حلال تھے تورات کے نزول سے پہلے ۔ اس کے بعد جب انہوں نے بغاوت اور ظلم کا ارتکاب کیا تو اُن پر چند چیزیں حرام ہوئیں جب یہ بات ہے تو پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اطعمہ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام وغیرہما پر بھی حرام تھے ۔

مسئلہ : اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو طعام حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کیا وہی بنی اسرائیل پر حرام کیا گیا ۔

مسئلہ : اس میں یہودیوں کا رد ہے ۔ جب کہ وہ کہتے ہیں ہم نے نہ ظلم کیا اور نہ بغاوت ۔

مسئلہ : اس سے یہودیوں کو لاجواب کرنا مطلوب ہے جب وہ کہتے کہ کوئی حکم منسوخ نہیں ہوتا ۔

مسئلہ : اس طرح اُن کی تردید ہوئی جب وہ حضور نبی علیہ السلام کو مطعون کرتے کہ آپ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہوتے تو اُن کی شریعت کے خلاف اونٹ کا گوشت حلال نہ فرماتے اور نہ اس کا دودھ ۔ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَا اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے کہ لاؤ تورات اور اسے پڑھو ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ یہودیوں سے اُن کی کتاب سے ہی دلائل قائم فرمائیں کہ ان اطعمہ کی حرمت یہودیوں پر اس وقت ہوئی جب کہ انہوں نے بغاوت اور ظلم کیا آپ انہیں حکم فرمائیں کہ وہ اپنی تورات لائیں آپ انہیں تورات کا حوالہ دکھا کر اُن کے منہ پر لگام دیں اُن کے منہ پر پتھر پڑیں گے ۔ اور اُن کا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا جس سے اُن کا منہ کالا ہو گا) ۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور میرے سامنے پڑھو اور تمہارے صدق کا تقاضا بھی یونہی ہے کہ تم اپنی کتاب سے ہی اپنا دعوےٰ ثابت کرو ۔

ف : مروی ہے کہ یہودی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تورات سے دلیل پیش کرنے سے عاجز آ کر مبہوت ہو کر ذلیل و خوار ہو کر لوٹے ۔

مسئلہ : یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صداقت کی چمکتی ہوئی دلیل ہے نیز ثابت ہوا کہ احکام کا نسخ سابقہ شریعتوں میں بھی تھا ۔ اس سے یہودیوں کے غلط عقیدہ کی تردید ہوئی جب کہ وہ نسخ کے مطلقاً منکر ہیں ۔ فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ۔ پس وہ شخص جو اللہ پر جھوٹ تراشے یعنی بزعم خویش اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے کہ تورات کے نزول سے

پہلے بنی اسرائیل اور امم سابقہ پر اشیاء مذکورہ حرام تھیں مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ بعد اس کے جو مذکور ہوا جب انہیں کہا گیا کہ تورات لاؤ اور اُسے پڑھ کر سناؤ تو وہ منکر ہو گئے بلکہ یوں سمجھو کہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہو کر لاجواب ہوئے۔

فَاُولٰٓئِكَ پس یہی لوگ ہیں جو بجائے نادم ہونے کے اپنے افتراء پر اصرار کرنے والے ہیں جب کہ اُن کی حقیقت کھل گئی اور حجت بازی اور اُن کے جنگ وجدال کے تمام راستے بند ہو گئے هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہ لوگ ظالم ہیں یعنی ظلم اور زیادتی کرنے والے اور ان دونوں امور میں دور ہونے والے ہیں۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ یعنی تحریم کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا اس کا صدق واضح اور ثابت ہو گیا۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ پس تابعداری کرو ابراہیم علیہ السلام کی ملت یعنی اسلام کی۔ جو دراصل یہی ملت ابراہیم علیہ السلام ہے۔ اس لیے کہ تم بزعم خویش انہی کی اتباع کا دم بھرتے ہو۔ حَنِيْفًا یہ لفظ ابراہیم سے حال ہے یعنی تمام ادیانِ باطلہ سے روگردان تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور وہ نہ تھے مشرکین سے یعنی وہ نہ اصول میں ان مشرکین میں سے تھے اور نہ فروع میں۔

خلاصہ: اس آیت میں یہودیوں پر تعریض ہے کہ تم شرک جیسی لعنت میں مبتلا ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وارثت کا دم بھرتے ہو اور انہیں تو شرک سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ اور اے یہودیو! تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ذرہ برابر بھی نسبت نہیں۔ آیت سے اصلی غرض یہ ہے کہ حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی وارث ہیں کہ یہ اُن کی طرح توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام معبودان باطلہ سے بیزاری کا اظہار فرماتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام نجم الدین تاویلات میں فرماتے ہیں۔ کہ آیات مذکورہ سے تحقیقاً ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تین قسم ہے۔

(۱) فرشتے روحانی علوی لطیف اور نورانی۔ اُن کی غذا ذکر الٰہی ہے۔ اور انہیں صرف عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

(۲) حیوانی جسمانی سفلی کثیف اور ظلمانی۔ اُن کی غذا طعام ہے۔ لیکن انہیں عبرت اور خدمت کے لیے پیدا فرمایا

(۳) انسان ملکی روحانی اور جسمانی سے مرکب فرمایا۔ اُن کی روح کی غذا ذکر اور اُن کی جسمانی غذا طعام سے بنائی اور انہیں عبادت و معرفت و خلافت کے لیے پیدا فرمایا۔ پھر یہ انسان کئی قسم ہیں۔

(۱) اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے۔ ان کی روحانیت پر اُن کی جسمانیت کا غلبہ ہے۔ ایسے لوگ جسمانیت کی غذا میں بڑی جدوجہد کرتے ہیں لیکن روحانیت کی غذا سے قاصر رہتے ہیں یہاں تک کہ اُن کی روحانیت مردہ ہو کر رہ جاتی ہے اور حیوانیت کا دور دورہ ہوتا ہے یہ جانوروں کی طرح بلکہ اُن سے بدتر سمجھے جاتے ہیں ؎

مردہ دلے ہرچہ دل خواہدت — کہ تمکین تن نور جاں کاہدت

زوو راں لبسے نامرادی بُری | اگر ہر چہ باشد مرادت خوری
کند مرد را نفس امّارہ خوار | اگر ہوشمندی عزیزش مدار

ترجمہ :- (۱) جو دل میں آئے اس کے درپے نہ جا اس لیے کہ جسم کی تمکین تیری روح کے نور کو کم کر دے گی۔

(۲) زمانہ کے گرداب سے نامرادی پائے گا اگر دنیوی ہر مراد کو پورا کرے گا اور ارادہ کرے گا

(۳) انسان کو نفس امارہ خوار کرتا ہے اگر تو سمجھدار ہے تو اس سے پیار مت کر۔

۲ بعض اُن میں میانہ رو ہوتے ہیں۔ جن کی حیوانیت و رُوحانیت برابر ہو جاتی ہے۔ پھر ان ہر دونوں کی غذا اسے حاصل ہوتی ہے۔ یہ کبھی نیکیوں میں مست نظر آتے ہیں کبھی برائیوں میں منہمک۔ اُن کی قسمت یاوری کرتی ہے تو انہیں توبہ کا موقعہ میسر ہو جاتا ہے ورنہ مشکل۔

۳ نیکیوں میں سبقت کرنے والے جن کی حیوانیت پر روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہ ہمیشہ روحانیت کی غذا کے لیے کوشاں رہتے ہیں یعنی ذکر الٰہی میں مصروف اور حیوانیت کی غذا یعنی طعام کے لیے چنداں پرواہ نہیں کرتے یعنی طعام کے حصول کے درپے نہیں رہتے۔ یہاں تک کہ ایسے لوگوں کی حیوانیت فنا ہو کر رُوحانیت کو جلا نصیب ہوتا ہے۔ یہی تمام مخلوق سے بہتر و اعلیٰ متصور ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن پر ہر طعام حلال ہوتا ہے۔ جیسے ان سے پہلے نیک حضرات کے لیے ہر طعام حلال تھا۔ مگر وہ طعام بھی اُن پر حرام ہو جاتا ہے جو سابق بالخیرات نے نفس کو مٹانے اور قلب کو جلاء بخشنے اور اپنی روح کو غالب رکھنے کے لیے اپنے اوپر حرام کیا۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ وحی و الہام سے نوازا گیا۔ جیسے تصوف کا ایک قاعدہ مشہور ہے المجاہدات تورث المشاہدات۔ مجاہدہ سے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ پس وہ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرتا ہے بعد اس کے کہ اُسے حق کی طرف مجاہدۂ نفس کے بغیر ہدایت نصیب ہوئی۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ پس یہی لوگ ظالم ہیں جو کہ شئے کو غیر محل میں رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ) میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ میرے رب نے سچ فرمایا اس ارشاد میں کہ۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اُن کی ملت یہ تھی۔

(۱) مہمانوں پر مال و دولت لٹا دینا۔

(۲) آزمائش کے وقت روح کو راہ حق پہ قربان کر دینا۔

(۳) اُس کے قرب کے لیے سر تسلیم رکھنا یہی خلیل بننے کی ملت ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ دوسرا خلیل کھڑا کر کے شرک نہیں کرتے جب کہ دوسرے لوگ خلۃ حق میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے

تھے

اگر جز بحق میسرو دجادہ اَت　　در آتش فشانند سجادہ اَت

ترجمہ: اگر تیرا حق کے سوا کوئی اور راہ ہوگا تو تیری مسند جہنم میں پھینکیں گے۔

اولیاء اللہ وہی ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے۔

مسئلہ: اولیاء اللہ سے محبت کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے اُن کی محبت سے شرک کا شائبہ بھی نہیں

ف: حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم تو نے دُنیا میں زہد صرف اس لیے کیا کہ تیرے نفس کو آخرت میں راحت و قرار ملے اور تیرا میری طرف متوجہ ہونا بھی صرف اس لیے تھا کہ تیرے نفس کو عزت نصیب ہو۔ کیا تو نے کبھی میری خاطر کسی سے بغض و عداوت کیا یا میرے ولی (دوست) سے صرف میری خاطر محبت کی یا نہ۔

ف ملتہ ابراہیم کی اتباع بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تابعداری ہے۔ اسطرح ماسوی اللہ سے بیزاری اور اللہ کے ولیوں سے محبت اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے بغض و عداوت بھی طاعت حق ہے۔

ف: کسی بندے میں تمام طاعت کی ادائیگی کی عادت ہو۔ لیکن اس کے قلب میں خلوص و محبت نہ ہو تو سمجھو کہ وہ ٹھنڈے لوہے کو توڑ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز محبت نہیں کرتا جو اس کی محبت میں کسی دُوسری محبت کو شریک کرتا ہے خواہ وہ محبت شہوانی ہو یا کوئی اور۔

حکایت: حضرت محمد بن حسان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جبل لبنان میں سیر کر رہا تھا کہ اچانک میری ایک نوجوان پر نگاہ پڑ گئی۔ اسے دیکھا کہ اس کا جسم گرم ہواؤں سے جلا ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ پہاڑوں کی غاروں میں چھپنے کے لیے بھاگنے لگا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ میں نے اُن کے قریب پہنچ کر کہا جناب! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا۔ بس میری ایک بات یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے وہ اپنے بندے کے دِل کے اندر سوائے اپنے کسی دوسرے کی محبت کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ اس راہ پر چلنے کی جدوجہد کرے تاکہ منزل تحقیق تک رسائی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام (خواہ وہ خفی ہو یا جلی بڑا ہو یا چھوٹا) میں توفیق طلب کرنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ

حل لغات: البیت اس مکان کو کہتے ہیں جہاں کوئی رات گزارے پھر ہر مکان پر اس کا استعمال ہونے لگا وُضِعَ لِلنَّاسِ

شانِ نزول: جب قبلہ حسب منشاء نبوت کعبہ مقرر ہوا تو یہودیوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں طعنہ مارا کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے فلہٰذا وہی زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جائے اس لیے کہ اسے کعبہ سے پہلے ہی مقرر کیا گیا۔ اور وہ اس زمین میں واقع ہے جہاں محشر میں سب کو جمع ہونا ہے اور پھر یہ انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ ہے اور یہ وہی زمین مقدس ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے عالمین کے لیے برکتیں جمع فرمائی ہیں۔ اور اس میں وہی پہاڑ (کوہ طور) ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی کا شرف نصیب ہوا۔ ان دلائل

سے واضح ہوا کہ کعبہ کو قبلہ بنانا باطل ہے یہودیوں کے ان دلائل کے رد میں یہی آیت نازل ہوئی کہ بیشک یہی پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت کے واسطے مقرر فرمایا۔ وضع یہ فعل مجہول ہے اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ یہ اُن کی خبر ہے۔ یعنی وہ گھر جو مکہ میں ہے۔

حل لغات : بکہ بلد الحرام شریف کا علم ہے ربکہ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی پر ہجوم کرے اور اسے اس لیے بکہ کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ بہت بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ جب بھی کسی سرکش نے اسے ویران کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن توڑ کے رکھ دی۔

سوال : مروی ہے کہ حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد حرام (بیت اللہ شریف) کے اندر باندھا اور ابوقبیس کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر فلاخن کے ذریعے تیر پھینکا جس سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد حرام کے اندر شہید ہوئے اس ظالم کو بیت اللہ شریف کی بےحرمتی سے تو کچھ نہ ہوا۔

جواب : اس سے اُس ظالم کا ارادہ بیت اللہ کی بےحرمتی مطلوب نہ تھی اور نہ ہی اُسے نقصان پہنچانے کا ارادہ تھا۔ بلکہ صرف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ کی گرفتاری مقصود تھی۔ اس طریق سے اعتراض نہیں پڑتا۔

ف : مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا گیا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عبادت کے لیے کونسا گھر بنایا۔ آپ نے فرمایا مسجد الحرام یعنی کعبہ شریف۔ اس کے بعد بیت المقدس۔ پھر سوال ہوا کہ ان کے دونوں کی وضع کے درمیانی سالوں کا عرصہ کتنا ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس سال۔

ف : مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک گھر بنایا جسے بیت المعمور کہتے ہیں اور ملائکہ کرام کو حکم فرمایا کہ وہ اس کے اردگرد طواف کریں۔ پھر ان ملائکہ کو حکم ہوا جو زمین میں سکونت رکھتے تھے کہ اس بیت المعمور کے بالمقابل اس کی مثل ایک گھر بنائیں چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی تو پھر حکم ہوا کہ جو زمین پر رہتے ہیں اس گھر (مسجد الحرام کعبہ) کا طواف کریں جیسے آسمان والے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں۔

ف : مروی ہے کہ ملائکہ کرام نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے مسجد حرام یعنی کعبہ شریف کو تیار فرمایا جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو انہیں ملائکہ کرام نے عرض کی کہ کعبہ شریف کے اردگرد طواف کیجئے کہ ہم آپ کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل اس کا طواف کرتے رہے۔ ملائکہ کے کہنے پر آدم علیہ السلام نے کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد آپ کی اولاد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ اقدس تک اس کا طواف کرتی رہی۔ پھر جب طوفان نوح آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسے چوتھے آسمان پر اٹھالیا۔ وہ بیت المعمور اس کے بالمقابل ہے جس کے اردگرد آسمان کے فرشتے طواف کرتے ہیں۔

ف : مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے زمین پہ تشریف لاتے ہی سب سے پہلا گھر جو بنایا وہ یہی کعبہ

شریف تھا۔

تطبیق روایات ان روایات سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو مسجد حرام یعنی کعبہ کے بانی اول نہیں کہا جا سکتا ہاں انہیں یوں بانی اول کہا جا سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں کعبہ شریف کے بنانے کا حکم دیا تو انہوں نے مٹی ہوئی دیواروں کو کھڑا کیا اور اس کے جو نشانات مٹ گئے تھے بلکہ لوگوں کے ذہنوں سے اس کا نقشہ بھی اُتر گیا تھا تو انہوں نے اسے اسی پرانی وضع پر تیار کیا۔ اس بنا پر انہیں بانی اول (اضافی طور) کہنا بجا ہے۔ اس لیے کعبہ شریف تو طوفان کے بعد بالکل ختم ہو گیا تھا جب ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تجدید کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ وہ انہیں اس بیت الحرام کی نشاندہی کریں کہ وہ اس کے مطابق اس کی تعمیر کریں۔

ف: کعبہ کی بنا کا حکم دینے والا اللہ تعالیٰ خود ہے پھر اُس کی نشاندہی کرنے والے اور پورا نقشہ بنانے والے حضرت جبریل علیہ السلام اور اس کی بنا کرنے والے خلیل علیہ السلام اور اُن کی شاگردی میں ان کی معاونت کرنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

مسئلہ: اسی لیے کہا گیا کہ جمیع عالم میں کعبہ شریف کے سوا اور کوئی تعمیر افضل نہیں ٹھہرے گا بہت بڑی برکت والا ہے یہ ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہے مطلب یہ ہے کہ وہ گھر جو کہ بکہ میں ہے وہ بہت بڑی برکت اور بہت بڑے منافع پر مشتمل ہے اس لیے کہ جو بھی یہاں حج اور عمرہ کے لیے حاضر ہوتا ہے اور اس میں اعتکاف بیٹھتا اور اس کا طواف کرتا ہے تو اُسے بہت بڑا ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ وَ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ اور تمام جہانوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ کیونکہ وہ اُن کی عبادت گاہ اور اُن کا قبلہ ہے اور اس لیے کہ اس میں بہت بڑی آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت اور بہت حکمت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ فرمایا فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ اس میں کئی آیات واضحات ہیں۔ مثلاً عرصہ دراز سے دیکھا جا رہا ہے کہ پرندے قبلہ سے منحرف ہو کر گزرتے ہیں۔ ضرر دینے والے درندے عام پرندے کے ساتھ حرم شریف میں اکٹھا ہو کر گزارتے ہیں لیکن درندے پرندوں کو کچھ نہیں کہتے۔ جتنے سرکش لوگوں نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھی تو انہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کر ڈالا جیسے اصحاب فیل وغیرہ مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ یعنی وہ پتھر کہ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی تو اس پتھر پر حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشان پڑ گئے یا یہ نشان اس لیے پڑے کہ آپ نے اُس پر اپنا پاؤں مبارک رکھ کر اپنے سر مبارک دھویا تھا۔

واقعہ: مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لیے تشریف لائے جب یہاں مکہ معظمہ میں پہنچے تو اسماعیل السلام گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت اسماعیل السلام کی

نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ سواری سے اُتریئے تاکہ میں آپ کا سر مبارک دھو ڈالوں ۔ آپ سواری سے نہ اُترے لیکن وہاں سوار ہو کر کھڑے کھڑے سر دھلایا ۔ بی بی صاحبہ ہی پتھر لائیں آپ نے اپنا دایاں پاؤں اس پر رکھا ۔ جس سے بی بی صاحبہ نے سر کا دایاں حصہ دھویا ۔ اسی طرح بائیں طرف پتھر کو لائیں تو آپ نے بایاں پاؤں اس پتھر پر رکھا ۔ جس سے بی بی صاحبہ نے آپ کے سر مبارک کی بائیں جانب کو دھولیا ۔ اس وقت سے آپ کے قدموں کے نشانات اس پتھر پر پڑ گئے ۔

ف : یہ جملہ سابقہ آیات سے بدل البعض ہے ۔ وَمَنْ دَخَلَهٗ اور جو بھی اس بیت اللہ شریف کے حرم مبارک میں داخل ہوگا ۔ كَانَ اٰمِنًا ہوگا امن والا ۔ اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ ہوگا ۔

مسئلہ : سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حرم شریف کے احاطہ سے باہر حِل میں جس پر قصاص واجب ہو اور وہ حرم شریف میں آکر پناہ لے تو اسے حرم میں سزا نہ دی جائے گی ۔ یہاں تک کہ وہ حرم شریف کے احاطہ سے خود بخود باہر نکل جائے ۔ البتہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے کہ وہ احاطہ حرم سے باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے ۔ مثلاً اسے نہ طعام دیا جائے اور نہ ہی پانی ۔ اور نہ اُسے رہنے سہنے کے لیے جگہ ۔ اور نہ اس سے بیع و شرا کی جائے ۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر احاطہ سے باہر نکلے ۔

مسئلہ : یہ اُس کے حق میں ہے جو قصاص کے موجب کا ارتکاب حل یعنی حرم کے احاطہ سے باہر کر کے حرم میں پناہ لے ۔

مسئلہ : جو شخص حد کے موجب کا ارتکاب احاطہ حرم میں کرے تو اسے سزا دی جائے ۔ مثلاً حرم میں چوری کرے تو اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے یا اُس میں قتل کیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ " اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام شریف کے نزدیک قتل کرنا روا رکھا ہے جب کہ وہ ہمیں قتل کریں ۔ اسی طرح جو بھی حرم میں اس قتل کا ارتکاب کرے گا تو اُسے حرم میں قتل کیا جائے گا ۔ ہاں جو شخص قتل کا ارتکاب تو حرم شریف کے باہر کرے لیکن حرم شریف میں آکر پناہ لے تو پھر اسے حد کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا ۔ یہ ایسے ہے جیسے کفار ہمارے ساتھ حرم شریف میں لڑائی نہ کریں تو ہم بھی ان سے نہیں لڑیں گے ۔

فضائل حرمین شریفین

جو اس حرم شریف میں داخل ہوا تو اُسے نارِ جہنم سے امان مل گئی ۔

حدیث شریف : ہے کہ جو شخص بھی حرمین شریفین میں مرے گا تو وہ قیامت میں امن والا ہو کر اُٹھے گا ۔

حدیث شریف : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حجون اور بقیع کی دونوں طرفین بہشت میں ہیں حجون

اور بقیع مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے گورستانوں کے نام ہیں) یعنی اُن کے اندر ہیں مدفون لوگوں کو بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حرم کی گرمی پر صرف ایک پل بھی صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ دو سو سال کی مسافت پر اس سے جہنم کو دُور فرمائے گا۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ یہاں پر الناس سے مومن مُراد ہیں نہ کہ کفار۔ اس لیے کہ شرائع کی ادائیگی کے لیے وہ مخاطب نہیں۔ ہم احناف کے نزدیک یہی حق ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلاف فرمایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مومنین پر ثابت ہو چکا ہے۔ حِجُّ الْبَيْتِ بیت اللہ کا حج پڑھنا۔ اَلْبَیْت کی الف ولام عہد کا ہے۔

حل لغات: الحج اہل حجاز کی لغت میں فتح کے ساتھ اور اہل نجد کی لغت میں کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ بہر حال دونوں میں حج بمعنے القصد یعنی وجہ مخصوص اور مقرر وجہ پر زیارت کا ارادہ کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حق واجب ہے لوگوں کے ذمہ میں کہ ادائیگی کے بغیر اپنی ذمہ داری سے عُہدا برآ نہیں ہو سکتے مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ وہ جو راستہ کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ جملہ محلاً مجرور ہے اس لیے کہ للناس سے بدل البعض ہے اس کے عُموم کی تخصیص کرتا ہے اس کی ضمیر جو کہ مبدل منہ کی طرف عائد ہوتی ہے وہ محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْهُمْ۔ یعنی ہر شخص جو قادر ہے اور بیت اللہ شریف پہنچنے کی قدرت رکھتا ہے۔

مسئلہ: یہاں پر قدرت سے مُراد آلات و اسباب کی سلامتی مراد ہے۔

مسئلہ: زادِ راہ اور بیت اللہ شریف تک پہنچنے کی سواری بھی اسباب میں شامل ہے اور یہ قدرت فعل پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

ف: وہ استطاعت جو کہ وجوب الفعل کی شرط ہے اس سے یہی استطاعت مراد ہے نہ وہ استطاعت جو حصولِ فعل کے لیے شرط ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ تو فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ فعل کے وجود کی علت و سبب ہے اور جس کی شئے کی یہی صفت ہو تو فعل کے ساتھ ہوگی نہ کہ پہلے۔ نتیجہ نکلا کہ پہلی استطاعت وجوب کے لیے شرط ہوتی ہے اور دوسری حصول فعل کے لیے مَنْ كَفَرَ اور وہ جو کفر کرے۔

سوال: یہاں پر "وَمَنْ لَمْ يَحُجَّ" یعنی جو حج ادا نہ کرے) کے بجائے "وَمَنْ كَفَرَ" کیوں کہا گیا ہے۔

جواب: حج کے وجوب کی تاکید کی طرف اشارہ ہے اور اس کے تارک کو شدت کے ساتھ افہام و تفہیم کی گئی ہے کہ جو شخص بھی قدرت کے باوجود حج نہیں کرتا گویا وہ کفر کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اور وہ اس جیسا ہوگا۔ جو حج کے حکم سے کفر کرتا ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ پس بیشک اللہ تعالیٰ علمین سے بے پرواہ ہے۔ اُسے اُن کی عبادت کی ضرورت ہی نہیں۔ اور جو شخص حج کے امور سے کفر کرتا ہے تو وہ بھی منجملہ انہی سے ہے اور اس کا اُن میں داخل ہونا بدیہی ہے

اور شرط جزاء کے مابین رابط کی ضمیر کے لیے اس طریق سے اکتفا کیا گیا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پر حج فرض ہے نہ اسے کوئی ضرورت شدید ہ روکتی ہے اور نہ ہی اسے کوئی بیماری مانع ہے اور نہ اُسے حکومت کی طرف سے رکاوٹ ہے پھر بھی حج نہیں ادا کرتا تو وہ یہودی ہو کر مرا یا نصرانی ہو کر۔

سوال: یہودیت و نصرانیت کی تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ یہ دونوں حج کی فرضیت کے سرے سے قائل ہی نہیں اور نہ ہی وہ کعبہ شریف کی افضیلت کو مانتے ہیں گویا یہ شخص عملی طور انہیں میں سے ہو گیا۔

مختارِ کل نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسی زجر و توبیخ سنائی تو یہ وہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ماذون و مختار ہو۔

حکایت: حضرت علی بن الموفق رحمۃ اللہ نے ساٹھ حج پڑھے ایک سال انہیں خیال گزرا کہ میں نے اتنے حج پڑھے ہیں۔ نا معلوم میرے حج قبول ہوئے یا نہ۔ اس اثنا میں انہیں نیند آگئی۔ خواب میں سُنا کہ اے علی بن الموفق جس طرح تم اپنے گھر میں صرف اس کو دعوت دیتے ہو جو تمہارا محبوب ترین ہوتا ہے۔ اس طرح ہم بھی اپنے گھر کی دعوت اپنے دوستوں کو دیتے ہیں۔ یہ بات سُن کر حضرت علی بن الموفق بہت خوش ہوئے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ حج ادا کرنے کی طاقت تو ہے لیکن وہ حج کو جاتا نہیں تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی دعوتِ ضیافت کو ٹھکرا رہا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی دعوتِ ضیافت کو ٹھکراتا ہے اس جیسا محروم القسمۃ کون ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ شخص بہت قبیح الحال ہے جو اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے استحقاق کا خود کو اہل نہیں بناتا۔ بلکہ الٹا بغاوت و فساد کے ڈھانے کھڑے ہونے کی جدوجہد کرتا ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ ان امکنہ مبارکہ اور مقامات مطہرہ کی زیارت کو مخلوق جمع ہو تو اُن کے دلوں میں ان مکانات و مقامات کی محبت ڈال دی کہ ہر سال ہر ایک کا جی چاہتا ہے کہ کاش ہمیں دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعاء کا نتیجہ ہے جب کہ بارگاہ الٰہ میں عرض کیا۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ تہوی بمعنے تحب یعنی لوگوں کے دلوں کی محبت کا رخ ادھر یعنی کعبہ کی طرف پھیرے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ہے پھر جہاد فی سبیل اللہ پھر حج مبرور۔

مسئلہ: حج سے گناہوں کی مغفرت اور بہشت نصیب ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حج مبرور (مقبول) ہو۔

ف : حج مبرور دو امروں سے نصیب ہوتا ہے (۱) امر اول حج اعمال بر بجا لائے اور بر کا اطلاق تین امور پر ہوتا ہے۔ ۔ احسان للناس (۲) اطعام الطعام (۳) افشاء السلام (امر دوم) وہ اعمال کہ جن سے حج کی تکمیل ہو اور حج کی تکمیل رفث ۔ فسوق ۔ معاصی سے اجتناب سے ہوتی ہے ۔

ف : حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ۔ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ۔ (۱) وہ پرہیزگاری جو محارم الٰہی سے بچائے (۲) توسلہ جو اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رکھے ۔ (۳) احباب و رفقائے حج کی صحبت کے حقوق کی پاسداری ۔ ان تینوں امروں کا مسافر کو پابند ہونا ضروری ہے ۔ خصوصاً حج کو جانے والے کے لئے نہایت ضروری ہے جس نے ان تینوں کو مکمل طور ادا کیا اس کو حج کامل نصیب ہوا۔

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ عوام سے خوش خلقی سے پیش آئے ۔

از من بگو حاجی مردم گزا را   کو پوستین خلق بآزاری درد
حاجی تو نیستی شتر است از برائے آنکہ   بیچارہ خاری خورد و باری برد

ترجمہ (۱) لوگوں کے دل دکھانے والے حاجی کو میری طرف سے کہہ دو جب کہ وہ خلق خدا کا چمڑا ادھیڑ لیتا ہے ۔
۲ ۔ تو حاجی نہیں بلکہ اونٹ تیرے سے بہتر ہے جب کہ وہ کانٹے کھا کر بوجھ اٹھاتا ہے ۔

حج مبرور کی علامات : بعض مشائخ نے فرمایا کہ حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ حج سے واپسی پر دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رجوع ہو ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین کبریٰ نے اپنی تاویلات میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو بیت اللہ کو جانے اور ان میں امور حج بجا لانے اور ارکان حج و مناسک مقرر فرمائے ہیں ان میں تمام کے تمام سلوک کے ارکان اور سیر الی اللہ کے شرائط و آداب بیان فرمائے ہیں ۔ مثلاً حج کے ارکان میں سے احرام بھی ہے اس میں اشارہ ہے کہ سالک رسوم سے خارج ہو جائے اور نفسانی خواہشات کا ترک کرے اور دنیا و مافیہا سے بالکل فارغ ہو جائے اور نفس کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرے ۔ خصوصی وجہ کے ساتھ عبودیت کا احرام باندھے ۔ نیز حج کے ارکان میں سے وقوف بالعرفات بھی ہے اس میں اشارہ ہے کہ سالک معرفت کے عرفات پر ٹھہرے اور صدق التجاء و حسن العہد والوفاء سے عقبۂ جبل رحمت پہ بیٹھے اور اس کے ارکان میں سے طواف بھی ہے ۔ اس میں اشارہ ہے کہ سالک کو چاہیے کہ وہ کعبۂ ربوبیت کے اردگرد سات طوافوں سے امور بشریہ کی درندگی سے خارج ہو جائے اور اس کے ارکان میں سے سعی (دوڑنا) بھی ہے اس میں اشارہ ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ صفائے صفات اور مروۂ ذات کی طرف سیر کرے اور اس کے ارکان میں سے حلق (سر مونڈانا) بھی ہے اس میں اشارہ کہ سالک کے لیے ضروری ہے کہ انوار الٰہیہ کے موسیٰ سے آثار عبودیۃ ہٹا ڈالے ۔ اس پر تمام مناسک کا قیاس کیجئے ۔ نیز حج میں عین الطالب و القصد الی اللہ کی طرف اشارہ ہے بخلاف اسلام کے باقی ارکان کے وہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ استعداد طالب کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے صرف حج میں ہی اپنے بندوں سے لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ کا حکم فرمایا ہے دوسرے ارکان اور واجبات کے لیے اس طریق سے حکم نہیں فرمایا کہ کہیں کہا ہو وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ (الصلوٰۃ والصوم والزکوٰۃ وغیرہ وغیرہ) اس میں یہی نکتہ ہے کہ حج سے مقصود اعظم ذاتِ حق ہے اور باقی ارکان میں یا نجات مطلوب ہے یا درجات و قربات یا مقامات و کرامات اور مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا میں استطاعت سے جذبۂ حق مراد ہے جو ثقلین کے عمل کے برابر ہے اور سیر الی اللہ اور وصول اللہ کے مراتب صرف اس استطاعت سے ہی نصیب ہوتے ہیں۔ وَمَنْ کَفَرَ اور جو کفر کرتا ہے یعنی وجدانِ حق کا قائل نہیں اور نہ ہی الطافِ رب کے نفحات کی تلاش میں ہے اور نہ ہی جذباتِ الوہیت کے جذبات کا قرب حاصل کرتا ہے جیسا کہ اس کی طرف حج کے ارکان اشارہ کرتے ہیں۔ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ بیشک اللہ تعالیٰ عالمین سے بے پرواہ ہے یعنی اسے یہ ضرورت نہیں کہ وہ عبادت کریں گے تو اس کی ترقی ہوگی۔ ہاں البتہ عالمین کو اس کی ضرورت ہے کہ اس کے سوا انہیں کوئی چارہ نہیں (ہم سب کو اللہ تعالیٰ ان کاملین سے بنائے جو کعبہ یقین و تمکین تک پہنچ چکے ہیں)

تفسیر عالمانہ

قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ (اے اہل کتاب) اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

سوال: اہل کتاب سے صرف دو گروہوں کو کیوں موسوم کیا گیا حالانکہ ان کے علاوہ اور قوموں پر بھی کتابیں اور صحیفے اُترے ہیں۔

جواب: اس لیے کہ صرف یہ لوگ تحریف کر کے اپنی طرف سے گھڑے ہوئے مضامین کے مجموعہ کو خدائی کتاب کہتے تھے پھر اصلی (نقلی یعنی الفاظ رد حاملین اور محرف شدہ مجموعہ کے لحاظ سے اُن کی اس نام سے خصوصیت ہوگی۔ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے آیات سے تم کفر کیوں کرتے ہو) اس میں انہیں توبیخ کی جارہی ہے اور تنبیہ ہے کہ اُن کے ان آیات سے کفر کے اسباب میں سے کوئی سبب بھی نہیں تھا اور ثابت کرنا ہے کہ انہیں کفر سے پورے طور اجتناب کرنا ضروری تھا۔

ف: لفظ آیات میں عموم ہے خواہ آیات قرآنیہ ہوں (منجملہ اُن کے یہی آیات ہیں جو حج وغیرہ کے متعلق مذکور ہوئیں) یا وہ آیات جو تورات و انجیل میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے متعلق موجود تھیں۔ وَاللّٰہُ شَھِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے وہ کردار جو تم عمل میں لاتے ہو اور یہ تکفرون کے فاعل سے حال ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ تم لوگ کس سبب سے اللہ تعالیٰ کے آیات کے ساتھ کفر کرتے ہو حالانکہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اور اُن پر سزا دینے پر بھی بہت بڑی قدرت رکھتا ہے پھر شک کا ہے کا۔ جب تمہاری غلط کارروائیوں کے تمام راستے بند ہو گئے بلکہ اُن کے تمام اسباب منقطع ہو چکے قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو یعنی

پھیرتے ہو عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستے اور اس کے توحید سے اور ملت اسلام میرا ہے مَنْ اٰمَنَ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں۔ یہ تصدّون کا مفعول بہ ہے۔

شانِ نزول یہود و نصاریٰ کی عادت تھی کہ وہ مومنون کو فتنہ میں ڈالتے اور ان کو دین اسلام سے ہٹانے کی کئی قسم کی فریب کاریاں کرتے اور جو لوگ اسلام میں داخل ہونا چاہتے تھے تو سر کی بازی لگا کر انہیں اسلام کے داخلہ سے روکتے اور ساتھ یہ بھی کہتے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ کریمہ اُن کی کتابوں میں نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی تشریف آوری کی بشارت اُن میں موجود ہے۔ تَبْغُوْنَهَا ھا ضمیر کا لام حرف جارہ محذوف کر کے فعل کو براہِ راست ھا ضمیر کا عامل بنایا گیا۔ دراصل عبارت تَبْغُوْنَ لَهَا تھی۔ اس لیے کہ بغی صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں بغیت المال اور تَبْغُوْنَهَا کی ضمیر سبیل اللہ کی طرف راجع ہے اور لفظ سبیل مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی یعنی تم طلب کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے راستہ کو جو کہ تمام راستوں سے بہت زیادہ سیدھا ہے۔ عِوَجًا ٹیڑھا۔ یعنی میانہ روی اور استقامت سے ہٹا کر کہ لوگوں کے سامنے ایسے غلط طریقے سے اسے بیان کرتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کبھی منسوخ ہونے والی نہیں اور تم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مبارکہ کو اپنی کتابوں میں بدل ڈالا ہے۔ وغیرہ وغیرہ یہ جملہ تَصُدُّوْنَ کے فاعل سے حال ہے۔

حل لغات: العوج بکسر العین و فتحہا بمعنے المیل والانحراف۔ لیکن بالکسر صرف معانی میں اور بالفتح اعیان میں مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فی دینہ عوج (بالکسر) یہ معانی کی مثال ہے۔ اور کہا جاتا ہے ہے فی الجدار والقناۃ و شجر عوج (بالفتح) یہ اعیان کی مثال ہے وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ یہ تَصُدُّوْنَ کے فاعل سے حال ہے بایں اعتبار کہ وہ حال اُولیٰ سے مقید ہے یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے ٹیڑھا ہونے کا شائبہ تک بھی نہیں۔ اٹا تمہارا روکنا تمہارا اپنا نقصان ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں وہ جو تم اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکاوٹ ڈالتے ہو اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کریمہ بیان نہیں کرتے ہو تمہارے ان تمام کرتوتوں کو وہ خوب جانتا ہے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راہِ حق سے روکنے والے اہل کتاب کو زجر و توبیخ فرمائی تو اب ضروری ہوا کہ مومنین کو راہ حق سے روکنے والے لوگوں کی اتباع سے منع کیا جائے۔ اس لیے فرمایا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا۔ اے ایمان والو اگر تم اطاعت کرو گے ایک گروہ کی۔ صرف ایک گروہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اُن میں بعض حضرات تو دولتِ ایمان سے نوازے گئے مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ان لوگوں کی جو کتاب دیئے گئے ہیں تو وہ بعد تمہارے ایمان لانے کے تمہیں کافر بنا ڈالیں گے۔

ترکیب: کَافِرِیْنَ یَرُدُّوْكُمْ کا مفعول ثانی ہے اس لیے کہ رَدَّ بمعنی تصییر (بنا ڈالنا) کے ہے۔

شانِ نزول حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ آنے والی آیت شماس بن قیس یہودی کے حق میں نازل ہوئی۔ جب کہ اُس نے ایک ہی مجلس میں اوس و خزرج کا بے پناہ ہجوم دیکھا۔ اور ساتھ ہی اُن کی آپس کی محبت کا معائنہ کیا تو اُسے سخت غصہ آیا کہ یا یہ دونوں ایک دوسرے کے جان کے پیاسے تھے ابھی اسلام لائے ہیں اور پھر ایک دوسرے کو جان سے پیار رکھنے لگ گئے ہیں۔ اس نے یہ شرارت کی ایک نوجوان کو بھیجا تاکہ انہی کی مجلس میں بغاث کی جنگ کے اشعار سنائے (اور اس دن یہی ان دونوں قبیلوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی تھی جس پر اوس فتحیاب ہوئے تھے) نوجوان کے اشعار مذکور سنانے سے اُن کی پرانی عداوت کے زخم پھوٹے۔ جس کی وجہ سے وہیں پر اُن دونوں قبیلوں کا پھر جھگڑا شروع ہوگیا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی۔ آپ اُن کی صلح کی خاطر تشریف لائے اور یہ ارشاد گرامی سُنایا۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ اور تم کیسے کفر کرتے ہو۔ انکار و تعجب کی بنا پر استفہام لایا گیا وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں آیات اللہ سے قرآن مجید مراد ہے وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ اور تمہارے اندر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں یعنی تمہارے ہاں کفر کیسے گھس سکتا ہے جب کہ تمہیں قرآنِ پاک جیسی مجسم معجزہ کتاب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنایا جاتا ہے اور پھر ابھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درمیان زندہ موجود ہیں وہ تمہیں متنبہ کر سکتے ہیں تمہیں وعظ سناتے ہیں اور تمہارے شبہات کو دور فرما سکتے ہیں۔ انہی امور کے باوجود تمہارا ایمان سے ہٹنا اور کفر میں داخل ہو جانا بعید بات اور عجیب تر معاملہ ہے۔ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ اور وہ جو تمسک پکڑتا ہے اللہ تعالیٰ سے یا اس کے دین حق سے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے آیات بیان فرمائے اس سے اسلام اور توحید مراد ہے۔ جیسے اس سے قبل سبیل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے فَقَدْ هُدِيَ یہ شرط کا جواب ہے اور لفظ قد معنے کے تحقق کا فائدہ دیتا ہے۔ گویا ایسے شخص کو ہدایت حاصل بھی ہوگئی۔ پس وہ اللہ تعالیٰ اس حاصل شدہ امر کی خبر دیتا ہے۔ اور اس میں توقع کا معنیٰ ظاہر ہے اس لیے معتصم باللہ تعالیٰ ہے اور اسی سے ہدایت کی صرف امید نہیں بلکہ یقین ہے جیسے کریم کے قاصد کے بلانے پر اُمید بندھ جاتی ہے یعنی اُسے توفیق نصیب ہوگی اور ہدایت ملے گی۔ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھے راستے کی طرف یعنی وہ شخص اپنے مطلوب تک پہنچے گا۔

تفسیر صوفیانہ ظاہری طور تو اہل کتاب کو خطاب ہے اور درحقیقت علماء سوء سے خطاب ہے کہ دین بیچ کر دنیا حاصل کرتے ہیں اور وہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے اس لیے یہ حقیقی طور قرآنی احکام کے منکر ہیں۔ یعنی دنیا میں زہد اور ورع و تقویٰ سے اعراض کرتے ہیں۔ اور نفس کی خواہشات سے نہیں رُکتے اور بقاء پر فناء کو ترجیح نہیں دیتے اور اعراض عن الخلق و توجہ الی الحق کے عامل نہیں۔ مقصود کو حاصل کرنے کے لیے وجود کو فانی نہیں بناتے۔ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ اور وہ عمل جو تم کرتے ہو اُن کے ساتھ ہے اور انہیں دیکھتا ہے اور تمہارے اعمال خیر و شر کی نیات کو بھی جانتا ہے۔ قیامت میں ان پر تمہیں جزاء و سزا دے گا۔ اور وہ اپنے

دنیوی حرص اور اتباع شہوات کی وجہ سے اُلٹا اُن مومنین[1] جو کہ اُن کی اتباع کرنے کی سعادت سمجھتے ہیں اور انہیں اُن سے حسنِ ظن ہے اور اُن کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کے اعمال و احوال قواعد شریعت اور ضوابطِ طریقت کے مطابق ہیں، کو یہ لوگ راہِ خدا اور طریق حق سے روکتے ہیں۔ جب کہ وہ اس راہ کے طالب ہیں۔ جس کے لیے انبیاء علیہم السلام خلق خدا کو دعوت دینے پر مامور ہیں۔ یہ لوگ انہیں طریق حق کی سیر سے ہٹا کر طریق باطل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو راہِ حق کی یوں وصیت فرمائی کہ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ الخ یعنے اے ایمان والو اگر تم اُن کفر کرنے والوں کی اتباع کرو گے تو وہ تمہیں مرتد بنا دیں گے۔ یعنی تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں اپنی اتباع اور گندی عادتیں ڈال کر طریق حق سے پھیر دیں گے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ اور گمراہوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو گمراہ ہوئے اور بہتوں کو سیدھے راہ سے ہٹایا۔

علم و عمل کی بات

بہتر وہ علم ہے کہ جس کے ساتھ خشیت الٰہی ہو اس لیے کہ خشیت الٰہی صفات حق کے علم سے پیدا ہوتی ہے اور علم کا شاہد جو اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے اور وہ خشیت سے ہی حکم الٰہی بجا لائے جا سکتے ہیں اور وہ علم کہ جس میں خشیت نہ ہو بلکہ یہ امور ہوں (۱) دنیا کی رغبت (۲) دنیا داروں کی خوشامد۔ (۳) دنیا کے حصول کے لیے اپنی ہمت لگا دینا (۴) دنیا جمع کرنا (۵) اُسے ذخیرہ بنانا (۶) اس پر مخرد مباہات کرنا (۷) اس کی کثرت کی فکر میں رہنا (۸) لمبی لمبی آرزوئیں رکھنا (۹) آخرت کو بھول جانا۔ اس جیسا محروم عن العلم اور کون ہوگا۔ اسے انبیاء علیہم السلام کی وارثت کیا نصیب ہوگی جب کہ قاعدہ ہے کہ مورث کی وارثت وارث کو اس طریق سے ملتی ہے کہ جن اوصاف سے مورث کی وارثت ایسے بدبخت علماء کی مثال اس شمع جیسی ہے کہ وہ اپنے سر پر روشنی رکھ کر تمام عالم کو تو روشن کر رہی ہے لیکن اپنا بیڑا غرق کر رہی ہے ؎

ترک دُنیا بمردم آموزند ۔۔۔ خویشتن سیم و غلہ اندوزند

عالمے را کہ گفت باشد و بس ۔۔۔ چوں بگوید نگیرد اندر کس

ترجمہ: (۱) لوگوں کو تو ترک دنیا سکھاتے ہیں لیکن خود چاندی اور غلہ یعنی دنیا جمع کرتے ہیں۔

(۲) جس عالم دین کی صرف باتیں ہوں اور عمل نہ ہو تو وہ جو کچھ کہتا ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت پر ایک وقت آئے گا کہ اس میں اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ اور قرآن صرف رسم۔ اس

---

[1] انہیں علماء سُوء کے متعلق حضرت پیر مُلھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎
مُلاں تے مشعالچی دوہاں اِکو چت ۔ یہ لوکاں نوں کردے چانناں آپ اندھیرے وچ (ترجمہ اور ...)

زمانہ کے لوگوں کے دل ہدایت سے محروم ہوں گے یعنی اُن کی مساجد صرف نمائشی طور پر آباد اور درحقیقت برباد ہوں گی۔ آسمان کے نیچے سب سے زیادہ بڑے اس زمانہ کے علماء ہوں گے۔ انہیں سے فتنے برپا ہوں گے اور اور انہیں کی طرف لوٹیں گے۔

بدعمل علماء کی سزا کا بیان

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بدعمل علماء و حفاظ کو بُت پرستوں سے پہلے لایا جائے گا اور سب سے پہلے یہی لوگ جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

روحانی نسخے

داناپر لازم ہے کہ وہ علماء کے ظاہری ٹھاٹھ کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھائے۔ بلکہ اعتقاد اور اعمال پر کڑی نگرانی کرے اور انہیں غور سے دیکھے اگر اُن کے اعمال بُرے ہوں تو اُن سے بچے اور اُن کی سیرت کو چھوڑ کر نیک لوگوں کے طریقے کو اپنائے ماسویٰ اللہ سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کا بن جائے اور توحید حقیقی کو ہاتھ سے نہ جانے دے یہاں تک کہ اسے صراط مستقیم پہ چلنا نصیب ہو جائے۔ پس جو شخص فنا یا لوحدۃ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا تو اُسے اللہ تعالیٰ کا راستہ نصیب ہو گا۔ بلکہ وہی خود صراط اللہ بن جائے گا۔ نہ اسے کوئی اس راہ سے ہٹا سکے گا۔ اور نہ کوئی شئے اسے ضرر پہنچا سکے گی۔ اور نہ ہی کسی دشمن کا مکر و فریب اس پر اثر انداز ہو سکے گا۔ اور نہ ہی اُسے کوئی گمراہ کر سکے گا۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بن جاتا ہے اور وہی اُس کا حافظ و ناصر ہوتا ہے اور ایسا طریقہ ہر سالک کو نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ قادر اپنی قدرت سے جس بندے کا ہاتھ پکڑ کر اسے منزل مقصود تک پہنچا دے تو وہ مالک ہے اور یہ بھی ہے کہ بندہ اگر اپنی طلب میں مخلص ہے تو اللہ تعالیٰ کی قبولیت اس کا استقبال کرتی ہے اس لیے کہ جو بھی کسی شئے کو طلب کرتا ہے آخر ایک دن اسے حاصل بھی کر لیتا ہے۔ اور جو بھی کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے آخر اُس میں داخل ہونا نصیب ہو جاتا ہے ہم سب کو اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے مکر و فریب سے ہر آن محفوظ فرمائے۔ (آمین یا مستعان)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ ۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۗ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ ع

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور ہرگز نہ مرنا مگر اور تم مسلمان اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں پھٹ نہ جانا اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا اللہ تم سے یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے اور ان جیسا نہ ہونا جو آپس میں پھٹ پڑے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں آ چکی تھیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جس دن کچھ منہ اونجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان لا کر کافر ہوئے تو عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ اور وہ جن کے منہ اجالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم ٹھیک ٹھیک تم پر پڑھتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔

حل لغات: الاتقاء از باب افتعال ہے اس کا مادہ تقایۃ ہے یعنی بہت زیادہ بچانا حَقَّ تُقٰتِهٖ حق ڈرنے کا یعنی تقوٰی اور جو امور اس سے واجب ہیں کا حق کا پورا کرو (اصطلاح شریعت میں تقوٰی واجب کی ادائیگی ہیں حسب وسعت بشریہ جد و جہد اور محارم ربانی وغیرہ سے بچنے میں کوشش کرنا۔ یعنی یہاں تک تمہاری بشری طاقت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تقوی میں مبالغہ کرو یہاں تک کہ تمہاری طاقت کے حد درجہ تک کوئی شے ایسی نہ رہے جو تم نے تقوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اور نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو یعنی اپنے نفوس کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے بناؤ۔ اُن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی شرکت نہ ہو۔ یہ اعم الاحوال سے استثناء مفرغ ہے۔ یعنی تم نہ مرو۔ یہ جملہ احوال کے کسی حال میں مگر اس حال میں کہ تمہارا اسلام محقق اور اس پر ثابت قدم ہو۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اسلام میں

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط پکڑو۔ حَبْلُ اللّٰہ سے دین اسلام یا کتاب اللہ مراد ہے حبل بمعنے رسّی لیکن یہاں پر ان دونوں مطالب میں سے کسی ایک کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں حبل سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جیسے رسی ہلاکت سے نجات دیتی ہے۔ ایسے ہی یہ دونوں عذاب الٰہی کی ہلاکت سے بچاتے ہیں نیز جیسے رسّی کے ذریعے مطلوب تک پہنچا ہوتا ہے ان کی بدولت بھی مطلوب حقیقی کا وصال نصیب ہوتا ہے تم نے دیکھا کہ جو راستہ جان لیوا ہو کہ پاؤں پھسلتے ہی موت کے گھاٹ اُتر جاتا ہے تو اُس کی دونوں طرفوں پر رسی باندھ دی جاتی ہے تاکہ اس رسّی کو پکڑ کر آرام سے راستہ طے کر لیا جائے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی رضا اور سعادت ابدیہ کا راستہ بھی جانگداز وادی کی طرح ہے کہ ؎ "درین درطہ کشتی فرو شد ہزار" (ہزاروں کے یہاں قدم پھسلے اور مر کر مٹی میں مل گئے) اس لیے اس راہ کے قدم قدم پر گمراہی کے اسباب کا جال بچھا ہوا ہے۔ پھر جسے قرآن عظیم اور قوانین شرعیہ کا دامن نصیب ہو گیا۔ اور مرضیات ربانی کی رسی مل گئی تو وہ صراط مستقیم تک پہنچ گیا۔ اور گمراہی (جو نارِ جہیم میں لے جاتی ہے) سے بچ گیا۔ جیسے رسّی کو پکڑ کر جانگداز راستہ طے کرنے والا پھسل کر مر جانے سے بچ گیا جَمِیْعًا اِعْتَصِمُوْا سے حال ہے۔ یعنی حبل اللہ کو مضبوط پکڑنے میں سب کے سب اکٹھے ہو جاؤ۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا اہل کتاب کی طرح آپس میں اختلاف کر کے حق سے دور نہ ہو۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو عَلَيْكُمْ نِعْمَتَ اللّٰهِ سے متعلق ہے اِذْ كُنْتُمْ یہ ظرف ہے یعنی اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو۔ جب کہ اَعْدَآءً زمانہ جاہلیت میں تم ایک دوسرے کے دشمن اور بغض و عداوت سے بھرپور اور عرصہ دراز تک جنگوں میں گھرے ہوئے تھے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اوس و خزرج دونوں سگے بھائی تھے لیکن اُن کی اولاد میں جنگ کا غیر

منتہی سلسلہ جاری ہوا یہاں تک کہ ان کی ایک سو بیس سال تک خانہ جنگی رہی فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام لانے کی توفیق بخشی اور تمہارے میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کر دی فَاَصْبَحْتُمْ پس تم ہو گئے اللہ تعالیٰ کی نعمت سے (یہاں پر نعمت سے ان کا آپس میں محبت کرنا مراد ہے) اِخْوَانًا بھائی بھائی یہ اصبحتم کی خبر ہے یعنی آپس میں ایسے بھائی بھائی ہو کہ اب ایک دوسرے کے سوا تمہارا گزارا مشکل ہے۔ اخوت اسلامی کے پیش نظر آپس میں محبت اور ایک دوسرے پر رحم اور خیر خواہی کرتے ہو اور کلمہ حق کا متفق ہو۔ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ تم نارِ جہنم کے کنارے پر تھے۔

حل لغات:

شفا بمعنی گڑھا اور اس کا کنارہ یعنی تم نارِ جہنم کے کنارے پر بیٹھ کر اس کی طرف جھانک رہے تھے اور قریب تھا کہ تم اس میں گر جاتے فَاَنْقَذَکُمْ پس تم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف ہدایت دے کر بچا لیا اور جہنم سے نجات بخشی مِنْهَا اس گڑھے سے کَذٰلِکَ یہ اشارہ اس مصدر کی طرف ہے جو آنے والے فعل میں ہے یعنی مثل رسی واضح کے یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ اللہ تعالیٰ اپنے آیات یعنی دلائل بیان کرتا ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ ہدایت پا جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی پکڑنے والے دو گروہ ہیں۔

(۱) اہل صورت یہ لوگ اسباب کے محتاج ہوتے ہیں کہ ان کا مشرب صرف اعمال صالحہ ہیں۔

(۲) اہل معنے یہ لوگ اسباب کے محتاج نہیں ہوتے اس لیے کہ ان کا مذہب احوال ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰکُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کو حاصل کرو۔ اس لیے کہ وہی تمہارا مولا ہے یعنی وہی تمہارا اصلی مقصود ہے اور جو حضرات اسباب کے محتاج ہیں انہیں فرمایا۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی مضبوط پکڑو۔ یہاں پر رسی سے مراد وہ اسباب ہیں کہ جن کے ذریعے سالک اللہ تعالیٰ تک پہنچے جو شخص اللہ تعالیٰ کی رسی پکڑنے والا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا ہے۔ اعمال صالحہ اور قربت کے وسائط سے جب بھی اعتصام پایا جائے گا تو لازمًا عدم تفرق عن الجماعۃ کا سبب بنے گا۔ ظاہرًا تو اس لیے کہ اعتصام کے ترک سے مفارقۃ الجماعۃ

مسئلہ: جو جماعت حق میں تفرقہ پیدا کرے اسے ترک کر دینا ضروری ہوتا ہے وہ اگرچہ بہت بڑے مراتب کا مالک بھی ہو اور باطنًا ایسے شخص سے اندرونی طور خواہشات نفسانیہ سے ایسے بڑے افعال سرزد ہوں گے جو امت کے تفرقہ کا سبب بنیں گے۔

حدیث شریف: حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں صرف ایک نجات پائے گا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ علیہ وسلم آپ اس کی علامت بتا دیں۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ (اعتقادًا و اعمالًا) پر ہو گا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو پہلے تقویٰ کا حکم فرمایا پھر اعتصام کا پھر نعمتوں کو یاد رکھنے کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر بندے کا کام معلل بہ تعلیل ہوتا ہے اور وہ تعلیل یا رہبت سے ہوتی ہے یا رغبت سے اور قاعدہ ہے رہبت رغبت سے مقدم ہوتی ہے اس لیے کہ دفع ضرر نفع کی تحصیل سے مقدم ہوتا ہے جیسے تحلیہ سے تخلیہ پہلے ہوتا ہے یعنی پہلے صفائی پھر سنگار۔ اسی لیے اِتَّقُوا اللّٰہَ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف دلانے کی طرف اشارہ ہے پھر اس خوف کو تمسک بدین اللہ کے حکم کا سبب مقرر فرمایا ہے۔ اس کے بعد رغبت دلائی ہے چنانچہ فرمایا۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔

سبق سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکائے فرمانبرداری کرے اور اس کی مضبوط رسّی کو مضبوط پکڑے اور دین میں تفرقہ نہ ڈالے اسے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق ادا کرنا۔ کسی شاعر نے خوب فرمایا ہے ؎

متقی را بود چہار نشان — حفظ احکام شرع اول دان
ثانیًا آنچہ دسترس باشد — بر فقیراں ومسکیناں بخشد
عہد را بادفا کند پیوند — ہرچہ باشد ازاں شود خورسند

ترجمہ (۱) متقی کی چار نشانیاں ہیں (۱) شرع شریف کے احکام کی پابندی (۲) اگر وسعت ہو تو فقیروں اور مسکینوں کو عطا کرے۔ (۳) وعدہ کو ہمیشہ پورا کرے (۴) اپنے طور ہر ایک کو خوش رکھنے کی کوشش کرے۔

ف: یہی مطلب ہے حضرت شیخ نصر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کا کہ انہوں نے فرمایا کہ متقی کی چار نشانیاں ہیں۔ (۱) حفظ الحدود (۲) بذل المجهود (اپنی طاقت کو راہ حق میں خرچ کرنا) (۳) الوفاء بالعهود (وعدہ کا ایفاء) (۴) القناعة بالموجود جو کچھ مل جائے اُس پر شاکر و صابر رہنا۔

ف: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تقویٰ کا حق یہ ہے کہ امر حق سے نہ آگے بڑھے نہ کمی کرے۔ اس کے کئی مراتب ہیں (۱) اجتناب الزلة (لغزشوں سے بچنا) (۲) اجتناب الفضلة (فضولیات سے بچنا) (۳) ماسویٰ اللہ کی دوستی سے کنارہ کشی (۴) التنقي عن كل علة (ہر علت کی نفی) (۵) جب تقویٰ کے اوصاف نصیب ہو جائیں تو اپنے تقویٰ کا تصور دل سے ہٹالے یہی حق تقویٰ کا ہے۔ پس جس کے دل پر وجود کے اثرات سے کچھ معمولی تصور بھی باقی رہے گا تو اُسے شہود حقیقی نصیب نہیں ہوگا شیرازی حافظ فرماتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ۔ متیٰ تلق من تہویٰ دع الدنیا واہملہا

ترجمہ: اگر تمہیں اے حافظ محبوب کی حضوری چاہیے تو اس سے کسی وقت غائب نہ ہو۔ جب تجھے اُس کی ملاقات نصیب ہو جائے جس سے تمہاری محبت ہے تو دُنیا (واہل دُنیا) کو کلی طور ذہن سے اتار دے۔

نکتہ روحانی: حضرت ابو یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ان دو سالکوں کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ ایک تو

لے لغزشوں سے بچنا۔ (۲) فضولیات سے بچنا۔ (۳) ہر علت کی نفی

حور و قصور کا طالب ہے اور دوسرا چاہتا ہے کہ یار کا درمیانی پردہ ہٹ جائے اور دائمی حضوری نصیب ہو مبارک باد! اس سالک کو جو جذبات الٰہیہ سے تحقیق کے قدموں پر چلتا اور تجلی صفات ربانیہ سے توفیق کے پر پر اُڑتا ہے۔

بہتر بندہ اور بہترین دُعا: حضرت سہل بن تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بندے کا سہارا صرف اُس کا اپنا آقا ہے اور وہ بندہ بھی قابل ستائش ہے جس کا رجوع اپنے مولیٰ کے سوا کسی طرف نہ ہو جب اس سے غلطی ہو جائے تو عرض کرتا ہے اے اللہ تعالیٰ مجھے ڈھانپ لے۔ جب اس کے گناہ اللہ تعالیٰ ڈھانپ لے تو عرض کرے اے اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کیجئے۔ جب اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول کر لیتا ہے تو کہتا ہے اے اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے تاکہ میں نیک عمل کروں جب اللہ تعالیٰ اُسے نیکی کی توفیق دیتا ہے تو عرض کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ نیکی قبول فرما لے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط ہو کر تھامے۔

تفسیر عالمانہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اور چاہیے تم میں سے اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ایک گروہ ایسا ہو جو خیر کی طرف بلائے یعنی تم میں سے ایسی جماعت ہونی چاہیے جو داعی الی الخیر ہو خیر سے وہ دینی دنیوی امور مراد ہیں جن میں بھلائی ہی بھلائی ہو۔

ف: یہاں دُعاء سے افعال پر مکلف بنانا یا ان سے رُوکنا ہر دونوں مُراد ہیں۔ اس پر ایک خاص امر کا عطف ڈالا گیا ہے تاکہ اس کی فضیلت ظاہر ہو اور سب کو معلوم ہو کہ یہ فعل مہتمم بالشان ہے۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ المعروف ہر وہ امر جسے شرع اور عقل ہر دونوں مُستحسن سمجھیں یعنی شرع و عقل کے موافق عمل کرنا۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور وہ بُرائی سے روکتے ہیں۔ المنکر ہر وہ امر جسے شرع و عقل ہر دونوں قبیح سمجھیں یعنی امر الٰہی کی مخالفت کا نام منکر ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ یہ اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جو اوصاف مذکورہ کاملہ سے موصوف ہوں۔ اور کاف مفرد اس لیے ہے کہ اُن کا ہر ہر فرد انہی صفات کاملہ سے موصوف ہوتا ہے اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کا مستحق بھی ہوتا ہے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہی لوگ کامیاب ہوئے۔ یعنے یہی لوگ کمال فلاح کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ضمیر ”ھم“ فاصلہ کی ہے یہ فائدہ دے رہی ہے کہ یہ مسند صرف اس مسندالیہ سے خاص ہے اور منکم کا من تبعیضیہ ہے اگرچہ خطاب تمام مخاطبین کو ہے لیکن دعوت الی الخیر کا اسناد بعض کی طرف ہے۔

سوال: یہ عجیب منطق ہے کہ خطاب عام لیکن دعوت کا اسناد صرف بعض سے ہے۔

جواب: یہ عموماً ہوتا ہے جب قرینہ موجود ہو۔ یہاں پر بھی قرینہ موجود ہے کہ دعوت الی الحق بعض پر فرض ہے اسی لیے فقہائے کرام نے فرمایا تبلیغ فرض علی الکفایہ ہے۔ اگرچہ واجب سب پر ہے پھر جب ان میں سے بعض نے یہ

فریضہ ادا کرلیا تو تمام سے اُس کی فرضیت (وجوب) ساقط ہوگئی۔ اگر کسی نے بھی اُس پر عمل نہ کیا تو گناہ میں تمام شریک ہوں گے۔ بہرحال تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا سب پر لازم نہیں۔ علاوہ ازیں تبلیغ اُن اُمور سے ہے جو مہتم بالشان کہلاتے ہیں۔ اور ایسے ہی اہتمامی اُمور کو صرف عُلماء کرام سرانجام دے سکتے ہیں۔ کیونکہ عالم دین کو مراتب احتساب و کیفیت ادائے تبلیغ معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ جاہل بیچارہ[۱] تو قدم قدم پہ ٹھوکریں کھائے گا۔ جہاں امر بالمعروف کی ضرورت ہے وہاں نہی کو عمل میں لائے گا۔ یعنی نیکی مطلوب تھی لیکن وہ الٹا نیکی سے روکے گا۔ اور جہاں نہی عن المنکر کی ضرورت ہوگی وہاں امر کو عمل میں لائے گا۔ یعنے وہ اُلٹا برائی کا حکم صادر کرے گا یا کہیں سختی سے کام لینا ہے تو وہ نرمی کرے گا اور اگر کہیں نرمی کرنی ہے تو وہ سختی کرے گا۔ الٹا اس بیمار کے زخموں پر نمک چھڑکیگا۔ جسے برائی سے روکیگا الٹا اس کی سرکشی بڑھے گی یا برائی سے روکنے سے وہ کسی قسم کا اثر قبول نہیں کرے گا ۔ اصحاب المعاصی والجرائم کو برائی سے روکا جائے تو وہ اپنی دُھن کے ایسے پکے ہیں کہ وہ سُنی کو ان سُنی کے کھاتے میں لکھ دیتے ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مِن تبیینیہ ہے اور کَانَ ناقصہ ہے اب عبارت یوں ہوگی وَلْتَكُونُوا أُمَّةً يَدْعُونَ الخ " یعنی مذکورہ بالا سوال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب میں عام استعمال ہے کہ خطاب عام ہو لیکن مراد ان میں سے بعض ہوں چنانچہ جہاد فرض کفایہ ہے لیکن اس میں بھی خطاب عام لیکن ان میں سے بھی بعض مراد ہیں۔

تبلیغِ حق کے فضائل

حدیث : (۱) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممبر پر رونق افروز ہو کر وعظ کر رہے تھے کہ کسی نے پوچھا حضرت! بتائیے کہ خلقِ خدا میں کون شخص بڑی فضیلت رکھتا ہے آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو نیکی کی تبلیغ کرتا اور برائی سے روکتا ہے اور خوفِ خدا اس کے دل میں ہو اور صلہ رحمی بھی کرتا ہو۔

حدیث : (۲) جو شخص لوگوں کو نیک باتوں کی تلقین کرتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے یعنی وعظ و تبلیغ فی سبیل اللہ کرتا ہے تو وہ زمین پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور کتاب اللہ کا نائب ہے۔

حدیث : (۳) عنقریب میری اُمت پر ایک زمانہ آنے والا ہے کہ نیکی کی رغبت دینے والا اور برائی سے روکنے والا مردار گدھا سے بھی گیا گزرا نظر آئے گا۔

حدیث : (۴) حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جو اپنے ہمسائیگاں سے محبت کرتا ہے یعنی

---

[۱] ہمارے دور میں تبلیغی جماعت (وہابی۔ دیوبندی فرقہ) کے چند جاہلوں کو ملا کر تبلیغ کیلئے بھیجا جاتا ہے ان کو استنجاء کرنے کا بھی علم نہیں ہوتا یہ ان کی شرعی تبلیغ نہیں بلکہ سیاست کا دھندا اور وہابیت پھیلانا ہے ۱۲ ۔ اویسی ۔

خالی محبت ہے لیکن انہیں حق کی بات نہیں کہتا اور اپنے بھائی کی نظروں میں بہت محبوب ہے (بوجہ حق نہ سمجھانے کے) تو سمجھو کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام میں چشم پوشی کرنے والا ہے۔

حدیث: (۵) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مداہن اور اللہ تعالیٰ کے حدود کی خلاف ورزی کرنے والے کی مثال یوں ہے کہ ایک قوم کشتی پر سوار ہو وہ کشتی اوپر نیچے بھری ہوئی ہے لیکن اوپر والے نیچے والوں کو دکھ پہنچاتے ہیں۔ مثلاً ان کی پانی کی ضروریات پوری نہیں کرتے نیچے والے غصے میں آکر کشتی کو کلہاڑے سے توڑنا شروع کر دیں جب اوپر والے ان کی حمایت دیکھیں تو آکر روکیں اور یہ کہیں کہ یہ حماقت کیوں۔ نچلے حصہ والے کہیں کہ تم ہمیں پانی وغیرہ نہیں دیتے ہو اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے ہو ہمیں بھی غصہ آگیا ہے بنابریں ہم کشتی کو سوراخ کر کے دریا کا پانی پی لیں گے کیونکہ پانی کے بغیر زندگی بسر کرنا ناممکن ہے اب اوپر والے نیچے والوں کو اس حرکت سے باز رکھیں گے تو سبھی نجات پا جائیں گے۔

حدیث: (۶) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ برائی کو دیکھ کر لوگوں کو برائی سے نہیں روکتے تو جب اللہ تعالیٰ کا عذاب عام ہو جائے گا تو وہ انہی مجرموں کی طرح عمومی عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

حدیث: (۷) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل قیامت میں جب تمام لوگ میدان حشر میں جمع کئے جائیں گے تو میری اُمت کے بعض لوگ ایسے حاضر ہوں گے جن کے چہرے بندروں اور ریچھوں جیسے ہوں گے۔ وہ صرف اس لیے کہ انہوں نے برائی میں دوسرے ہمجولیوں سے چشم پوشی کی اور انہیں برائی سے نہ روکا حالانکہ انہیں روکنے کی طاقت بھی تھی۔

سبق انسان کو چاہیے کہ وہ نفس کو صبر پر اطمینان و تسلی دلائے اور علائق و عوائق سے دور بھاگے اور خلائق سے قطع تعلق اور ان سے طمع کرنے کی جڑ کاٹے یہاں تک کہ مخلوق سے موافقت کا تصور بھی پیدا نہ ہو۔

حدیث: (۸) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سابقہ اُمم میں جب ایک بستی کو برباد کیا گیا تو اس وقت اس میں اٹھارہ ہزار ایسے قدسی صفات بھی تھے کہ جن کے اعمال انبیاء علیہم السلام جیسے تھے لیکن وہ دوسروں کے ساتھ مارے گئے۔ عرض کی گئی یہ کیسے آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کو ناراض تو نہیں کرتے تھے لیکن امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کتراتے تھے۔

مسئلہ: امر کی قوت و ضعف کا دار و مدار مامور بہ کی قوت و ضعف پر ہے اگر مامور بہ واجب ہو تو امر بالمعروف بھی واجب ہے اگر وہ مندوب ہے تو امر بالمعروف بھی مندوب ہے۔

مسئلہ: نہی عن المنکر ہر اعتبار سے واجب ہے اس لیے کہ اس کے جملہ افراد قبیح ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا ترک

بھی واجب ہے۔

ف: طریق وجوب دو چیزیں ہیں (۱) سمع (۲) عقل بعض کے نزدیک ایک یعنی سمع صرف۔

ف: منہی عنہ سے نہی کی شرط یہ ہے کہ وہ شئے (جس سے روکا جارہا ہے) فی الواقع وہ منہی عنہ نہ ہو ورنہ وہ اگر فی الواقع منہی عنہ ہے تو اس سے نہی کے بجائے اُس کی مذمت کی جاتی ہے اور اس سے یوں روکا جاتا ہے کہ کہیں وہ خرابی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ مثلاً ایک نوجوان کو دیکھا جائے کہ وہ شراب پینے کے لیے تیار بیٹھا ہے اور شراب کے برتن وغیرہ اُس کے سامنے پڑے ہیں۔ تو اس وقت اسے شراب سے بچنے کے لیے نہی استعمال کی جائے گی یعنی اُسے کہا جا سکتا ہے کہ لَا تَشْرَبْ یا اس پر یہ گمان غالب ہو کہ اگر میں تبلیغ کردوں اور انہیں روکوں تو یہ مجھے سخت نقصان پہنچائیں گے تو بھی امر بالمعروف وغیرہ معاف ہے۔

سوال: بُرائی سے روکنے کے بجائے خاموشی اختیار کرنے کا کیا معنیٰ۔

جواب: خاموشی اختیار کرنا بایں معنی ہے کہ ایسے لوگوں کو پہلے ایسا عمل بتایا جائے کہ جس سے اسے برائی سے رُکنا آسان ہو۔ اگر اس سے بھی اس کا کام نہیں بنتا اور وہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا تو پھر اس سے کچھ اور سختی ہو یہاں تک کہ وہ بندہ برائی سے بچ جائے اس لیے اُن سے اصلی غرض تو برائی سے روکنا ہے خواہ جس طریق سے روکا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآنی احکام نازل فرمائے تو پہلے حکم فرمایا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا[1] جب اصلاح سے کام نہ بنا تو پھر فرمایا۔ قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ[2]، اس طریقہ سے ایماندار انسان برائی سے باز آجائے گا۔ نہی عن المنکر کے ایسے شرائط اس لیے ہیں کہ فقہا کا اتفاق ہے کہ تارک نماز کو ترک نماز پر عن المنکر کا فریضہ پورا کرنا ضروری ہے اس لیے کہ ترک صلوٰۃ کا قبح ہر ایک کو معلوم ہے۔

مسئلہ: وہ برائیاں کہ جن کا انسداد قتل کے بغیر نہیں ہو سکتا تو عوام اور علماء کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ لسے عن المنکر سمجھ کر غلط کار کو قتل کر ڈالیں بلکہ یہ کام وقت کے امام یا اُس کے خُلفاء (اسلامی حکومت) کا ہے کیونکہ یہی لوگ سیاسی امور سے زائد واقفیت رکھتے ہیں پھر اُن کے پاس سزا دینے کی قدرت بھی ہے اور سزا کے موافق اُن کے پاس ساز و سامان بھی ہے۔

سوال: امر بالمعروف وغیرہ کس کو کیا جائے اور کس کو نہ کیا جائے۔

جواب: ہر مکلف وغیر مکلف (بالغ و نابالغ) کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے لیکن غیر مکلف (غیر بالغ) کو زجر و توبیخ یا حکم ضروری ہو جاتا ہے جب کہ اُس کی وجہ سے دوسروں کو ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو مثلاً چھوٹے بچے

---

[1] تو ان میں صلح کراؤ۔ ۱۲۔

[2] مشرکین سے جنگ کرو۔

اور پاگل لوگوں کو برائی سے روکا جانا ہے تاکہ سن بلوغ کے بعد اس کی بُری عادت سر نہ اٹھا سکے۔ جیسے بچوں کو سن بلوغ سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ نماز اُن کے اندر گھر کر جائے تاکہ بعد بلوغ نماز کی ادئیگی ان کو بوجھ محسوس نہ ہو۔

مسئلہ: گناہ کے مُرتکب (عاصی) کو اس گناہ کے ارتکاب سے روکنا واجب ہے اس لیے کہ اسے اس برائی سے بچنا لازمی ہے اور نہی عن المنکر ہمارے لیے واجب نہیں لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ اُس کے نہ ہونے سے مرتکب گناہ سے ان دونوں کا وجوب بھی نہ رہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کی اعانت فاسق و فاجر کے ذریعے کراتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے سچے کلام میں ہے۔[۱] اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آیت میں زجر و توبیخ اپنے نفوس کو بھلا دینے پر ہے یعنی اپنے علم پر عمل نہ کرنے پر زجر و توبیخ ہے نہ کہ امر بالبر کی وجہ سے۔

مسئلہ: اسلاف نے فرمایا کہ دوسروں کو سُناتے رہو اگرچہ خود کسی مجبوری شرح کے تحت نہیں کر سکتے۔

مسئلہ: جو شخص کسی کو برائی سے روک نہیں سکتا تو تین بار کہے اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا مُنْكَرٌ یا اللہ تعالیٰ یہ بُرا عمل ہے میں اس سے بَری ہوں۔ اتنا کہنے سے جو اس پر امر بالمعروف وغیرہ کا وجوب ہے وہ ساقط ہو جائے گا۔

گرت نہی منکر بر آید ز دست	نشاید چو بے دست و پایاں نشست

چو دست و زبانرا نماند مجال	بہمت نمایند مردی رجال

ترجمہ: (۱) اگر تجھے منکر (برائی) سے روکنے کی طاقت ہے تو پھر تمہیں بے دست و پا کی طرح لنگڑا لنجہ بن کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔

(۲) جب اللہ کے بندوں کو ہاتھ پاؤں کی طاقت نہیں ہوتی تو پھر وہ حضرات دعاؤں سے کام لیتے ہیں۔

یعنی تمہیں زبان اور ہاتھ سے امر بالمعروف وغیرہ کی طاقت نہیں تو اسے دل سے ادا کرے۔ اس لیے جوانمرد اپنی دعاء سے ہی جوانمردی کے جوہر دکھاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑاتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ یہ برائی ہماری زبان اور ہاتھ سے ہٹنے کی نہیں تو پھر دُعا کے ذریعے کام بناتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ حق عملی طور حق کی دعوت دیتے ہیں درحقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی وعید سے بچ گئے جن کے متعلق حکم ہے کہ وہ دوسروں کو تو امر بالمعروف کرتے

---

[۱] کیا نیکی کا حکم کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو۔

ہیں ۔ لیکن خود بے عمل ہیں ۔

حدیث شریف : حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سُنا کہ قیامت کے میدان میں ایک مرد بلا حساب وکتاب جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جہنم میں جاتے ہی اُس کی انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل پڑیں گی۔ پھر وہ اپنی آنتوں کے ارد گرد ایسے چکر لگائے گا جیسے گدھا آٹا پیسنے والی چکی کے ارد گرد چکر لگاتا ہے اس کی زبوں حالی کو دیکھ کر اُسے تمام دوزخی دیکھنے آئیں گے اور کہیں گے جناب آپ تو ہمیں بڑے وعظ سنایا کرتے اور برائیوں سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے ۔ اب تمہارا حال کیوں بُرا ہے ۔ وہ جواباً کہے گا ۔ افسوس ہے کہ میں نیکی کا حکم تو سنا دیتا لیکن عمل سے محروم تھا اور برائی روکتا تو تھا ۔ لیکن اس برائی کا ارتکاب مجھ سے بھی ہوتا ۔

ف : آمر بالمعروف وغیرہ درحقیقت یہی مشائخ طریقت (باعمل پیر) ہیں ۔ اس لیے کہ جو خدا تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا وہ خیر کو کیا جانے ۔ اس لیے مطلق خیر سے وہی مطلق کمال مُراد ہے جو صرف حضرت انسان کو نصیب ہوتا ہے لیکن اتنی مقدار پر جتنی اسے معرفتِ الٰہی سے حصہ نصیب ہوگا ۔ اور جس قدر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور تک رسائی رکھتا ہو گا جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عرفان حق مکمل طور تھا اور خیر اضافی ہے ۔ یعنی جس کے ذریعے خیر مطلق حاصل کی جائے ۔

ف : وہ خیر کہ جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین (علماء) دعوت دیتے ہیں ۔ وہ خود عین ذات حق مُراد ہے یا وہ راستہ کہ جس کی بدولت ذات حق تک رسائی ہو سکے ۔

ف : المعروف ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے اور المنکر ہر وہ عمل کہ جس سے ذات حق سے بعیدی حاصل ہو جس کے ہاں توحید و استقامت (علی الاسلام) نہیں وہ دعوت کے مقام سے محروم ہے ۔ اور آمر غیر مستقیم اگرچہ جیسا بھی ہو تب بھی دعوت بیکار ہے ۔ اس لیے کہ بسا اوقات کسی فعل کو نیکی سمجھ کر امر کرے گا لیکن درحقیقت برائی ہو گی ۔ اسی طرح بسا اوقات وہ برائی سے روکے گا حالانکہ وہ اس کے نزدیک برائی ہو گی اور درحقیقت وہ نیکی ہو گی ۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ وہ مقام جمع تک تو پہنچ گیا وہ اگرچہ خلق خدا سے تو محجوب ہے لیکن حق تک پھر بھی رسائی نہیں ہوئی ایسا شخص غلطی سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہے گا یہ لوگ اہل الحجاب کہلاتے ہیں اور اہل فلاح مطلقاً درحقیقت وہ حضرات ہیں کہ جن کے آگے کسی قسم کا پردہ نہیں ۔ یہی حضرات زمین پر خلفاء اللہ کہلاتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقۃ الحال کی معرفت نصیب فرمائے اور اپنی بارگاہ تک پہنچنے کی توفیق بخشے ۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا ۔ (اور نہ ہی ہو جاؤ تم ان لوگوں سے جو تفرقہ ڈالتے ہیں) اس سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ مراد ہیں کہ جنہوں نے یہودیت و نصرانیت کے درجنوں فرقے بنا ڈالے وَاخْتَلَفُوا اور مختلف ہوئے یعنی آپس میں ایک دوسرے کے دلوں سے محبت و پیار کو نکال ڈالا اور تورات و

انجیل کی اکثر آیات کو چھپا دیا اور ان کے معانی و مطالب تبدیل کر دیئے صرف دنیائے خسیس کے حصول کی لالچ میں ایسے غلط کام کیے۔

ف: حضرت امام رازی نے فرمایا کہ اس سے ان کی معنوی تعریف مراد نہیں بلکہ ظاہری تغیر و تبدل مراد ہے وہ اس طرح کہ ان کا ہر ہر شہر کا مولوی رئیس اعظم بن گیا۔ اس کے بعد پھر لگے ایک دوسرے پر حملے کرنے۔ ہر ایک کہتا میں حق پر ہوں اور فلاں باطل طریقہ پر ہے وغیرہ وغیرہ۔ صاحب روح البیان فرماتے ہیں اگر انصاف کی نگاہ ہو تو ہمارے زمانہ کے علماء بھی اسی روش پر چل رہے ہیں[1] (ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و رحمت کے طالب گار ہیں)۔

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بعد اس کے کہ ان کے پاس آیات بینات آئی ہیں اور وہ حق پر قائم اور متحد رہنے کو ثابت کرتی ہیں۔ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور یہ وہی ہیں جنہیں بڑا دردناک عذاب ہو ہوگا (آخرت میں) ان کے متفرق ہو جانے کی وجہ سے کہ جیسے ان کا تفرقہ دائمی تھا ایسی طرح انہیں عذاب بھی دائمی و غیر منقطع ہوگا۔

ربط آلایات: جب اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ والثناء کو امر بالمعروف وغیرہ کا حکم فرمایا ہے تو لازمی طور ماننا پڑے گا کہ امر بالمعروف کا کام وہ شخص انجام دے سکتا ہے جسے قدرت حاصل ہو کہ امور عوام اور ظالمین اور باغیوں پر نافذ کر سکے۔ یہ قدرت اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اہل حق کو آپس میں محبت و الفت ہو اسی لیے ضروری ہوا کہ انہیں تفرقہ بازی اور اختلاف کی خرابیوں سے آگاہ کیا جائے تاکہ یہی تفرقہ اور اختلاف ان کے امور کے قائم کرنے سے عاجز نہ کر دیں۔

اتحاد و اتفاق کی جامع تقریر عوام مومنین پر لازم ہے کہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیش نظر امام وقت کی اتباع سے روگردانی نہ کریں اور نہ ہی کسی غیر اسلامی کلمہ پر اتفاق رائے قائم کریں کہ جس سے وہ آپنی دینی اسلامی نظام سے ہاتھ بیٹھیں۔ اگر اسلامی ضوابط و قواعد کے مطابق انہیں امام و مقتدی میسر نہیں تو کم از کم عقائد و اعمال و عادات اور آراء میں یکجہتی کا مظاہرہ کریں کہ ہر قدم حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر اٹھے ان کی ہر دوسری بات پہلی بات سے زیادہ واضح ہو اور دیکھنے والے محسوس کریں کہ یہ لوگ اپنے نظام شریعت سے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ جس راہ پر وہ چل رہے ہیں وہ منجانب اللہ ہے فلہٰذا ان سے چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں جیسے حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کا طریقہ تھا کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا۔ کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ لباس و خوراک وغیرہ وغیرہ سیرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زندہ تصویر تھی۔ سر مو بھی فرق محسوس نہ ہوتا اسی لیے انہوں نے شیطان

---

[1] فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ ہمارے دور کے بعض فضلاء چند قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ ۱۲

گمراہ کرنے کے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ جیسے بکریوں کے ریوڑ کو بھیڑئے سے بچانے کے لیے ایک محفوظ قلعہ یا سرائے میں بند کر دیا جاتا ہے اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ لوگوں کو اپنا ایک امام (امیر) منتخب کرنا ضروری ہے۔ وہ امیر نیک ہو۔

طریقہ نبویہ علی صاحبہا السلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کہیں دو آدمیوں کو بھیجتے تو حکم فرماتے کہ آپس میں ایک دوسرے کو امیر منتخب کر لینا یا خود امیر منتخب فرما دیتے۔ پھر جو دوسرے کو فرمان دے گا تم اس کی اطاعت کرنا وہ بھی صرف اس لیے کہ اتحاد و اتفاق قائم رہے اور نظم نسق میں خلل واقع نہ ہو۔

اگر اہل اسلام اتحاد و اتفاق کو مدنظر نہیں رکھیں گے تو ان میں خانہ جنگیاں شروع ہو جائیں گی۔ دین و دنیا کے امور میں گڑبڑ پیدا ہو کر معاش و معاد کا نظم و نسق بگڑ جائے گا۔

حدیث شریف (۱): حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جماعت سے بالشت برابر علیحدہ ہو گا تو اسے بہشت دیکھنی تک نصیب نہیں ہو گی۔

حدیث شریف (۲): فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (قدرت ایزدی) جماعت پر ہے اور شیطان ہر اس شخص کو گھیر لیتا ہے جو جماعت سے علیحدہ ہو کر اپنی ڈیڑھ انچ اینٹ کی مسجد کھڑی کرنا چاہتا ہے۔ شیطان دو سے دور بھاگتا ہے لیکن ایک کے ساتھ ہوتا ہے (مثال کے طور) دیکھئے جب جمعیتہ انسانیہ ریاست قلب اور طاعۃ عقل سے نکل جاتی ہے تو اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور فتنہ و فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور ایسا تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے جو دنیا و آخرت کے گھاٹے ہی گھاٹے نصیب ہوتے ہیں۔

ف: جب آیت[۱] وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہی راہ ہدایت کی لکیر ہے۔ اس کے بعد اس لکیر کے دائیں بائیں کئی لکیریں کھینچ کر فرمایا کہ یہ مختلف راستے دیکھیئے ان کے ہر ہر راستہ پر شیطان کھڑا ہے جو تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ راہ توحید اور اس کے لوازم و حقوق پر گامزن ہو۔ اور شیطان کے راستوں اور ان کے جمیع اسباب سے دور رہے۔

---

[۱] بیشک یہ میرا راستہ سیدھا ہے اسی کی اتباع کرو اور مختلف راہوں کی اتباع نہ کرو وہ تمہیں سیدھے راستے سے ہٹا دیں گے۔ ۱۲۔

حدیث شریف نمبر۳: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ فرمایا: پھر ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انہوں نے کلمہ گوئی کے باوجود کیسے غلط عقائد پھیلائے۔ مثلاً مشرک اسے تو سرے سے توحید نصیب ہی نہیں ہوتی۔ اگر اللہ کو مانتا ہے تو اُس کے مقابلے میں دوسرے معبود کے وجود کا قائل ہے (اور معطّل (فرقہ معطلہ سے تعلق رکھنے والا) اگرچہ توحید کا اقراری ہے لیکن وہ وجود باری تعالیٰ کو بیکار سمجھتا ہے۔ مشرک کو چونکہ توحید سے حصہ نصیب نہ ملا۔ اس لیے وہ معطلہ فرقہ کے ساتھ جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ اور جہنم میں تو صرف منافقین جائیں گے۔ اُن کی بھی کیفیت یوں ہوگی کہ انہیں دور سے بہشت اور اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی۔ وہ دیکھ کر للچائیں گے کہ ابھی ہمیں بہشت میں بھیجا جائے گا اور انہیں اتنا فقد بہشت سے حصہ ملا کہ انہوں نے بہشت کو دیکھ لیا پھر انہیں جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

مسئلہ: یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عدل میں شامل ہے کہ جیسے عمل کئے ویسے ہی سزا ملی۔

مسئلہ: صراطِ مستقیم شریعت مصطفویہ علی صاحبہا السلام کا نام ہے۔ اس صراط مستقیم کو ہم ہر دوگانہ میں در بار مانگتے ہیں۔ یعنی ہر دوگانہ کی ہر رکعت میں ہم کہتے ہیں[1] اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔

ف: پُل صراط عجیب وغریب ہے کہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہے۔ اہل علم وکشف کے آگے وہ ظاہر و باہر ہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اگر پردے کھل جائیں تو یقین میں اضافہ ہوگا۔

ف: جو شخص بھی شریعت اور قرآن پر عمل کرے اور راہ مستقیم پہ چلے اور تفرقہ بازی سے دور رہے (جو عذاب الیم کا موجب ہے) تو ایسے شخص سے نہ حساب ہوگا اور نہ آخرت میں اسے پُلصراط پر گزرنا ہوگا۔ بلکہ وہ براہ راست بہشت اور اس کی نعمتوں سے انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمُ السلام کی رفاقت میں مالا مال ہوگا۔

قاعدہ: جو شخص دُنیا میں شرعی امور کے عمل سے دور رہا وہ آخرت میں پُل صراط سے چلتے ہوئے جہنم میں گر جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی۔ یعنی جو شخص بھی محجوب اور اللہ تعالیٰ کے وصال سے محروم رہے گا وہ آخرت میں بھی محجوب ومحروم رہے گا۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

حدیث شریف نمبر۴: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پُل صراط سے گر کر جہنم میں گر پڑنے والے اکثر عورتوں کی ہوں گے۔ اکثریت ان میں عورتوں کی ہوگی۔

حدیث شریف نمبر۵: فرمایا کہ میں نے دوزخ کا معائنہ فرمایا تو ان میں اکثر عورتیں تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں لعنت کرنے میں بیباک ہیں۔ اور اپنے شوہروں کی اکثر وبیشتر نافرمان رہتی ہیں۔ اگرچہ انہیں زندگی بھر ناز ونعم سے پالو لیکن

---

[1] اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ پر چلا۔

جو ہنا معمولی طور کچھ کمی دیکھیں گی تو کہتی ہیں کہ مجھے تو زندگی بھر تجھ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ پھر ایسی نمک حرامی کی بنا پر اُن کے اقدام پل صراط سے گرنے کے زیادہ حقدار ہیں ۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ دُنیا میں جادۂ شریعت سے ہٹ گئیں تو اللہ تعالے انہیں سزا کے طور جہنم میں بھیجے گا ۔ حضرت جامی نے فرمایا لیکن واہ خوب فرمایا ؎

عقل زن ناقص است و دینش نیز — ہرگزش کامل اعتقاد مکن
گر بد است از بدے اعتبار مگیر — ور نکو بر وے اعتماد مکن،

ترجمہ: (۱)۔ عورت کی عقل اور دین ناقص ہے اسی لیے اس پر مکمل اعتماد نہیں ہونا چاہیے ۔
(۲) اگر وہ بُری ہے تو بھی اعتبار نہ کر اگر نیک ہے تب بھی اعتماد کے لائق نہیں۔

سبق اے سالک جب یہی کیفیت ہے تو تمہیں حضرات انبیاء کرام اور کاملین اولیاء (علی نبینا وعلیہم السلام) کی متابعت و موافقت میں جدوجہد لازمی ہے بلکہ کسی شیخ کامل عارف و واصل کا دامن تھامنا ضروری ہے اس سے امید ہے کہ وہ کامل تیرا ہاتھ پکڑ کر تیری اصلاح فرما دیں کہ کہیں تمہیں وصال یار نصیب ہو جائے اور حوادث دنیا کی جتنی خرابیاں ہیں وہ دور ہو جائیں اور قاعدہ بھی ہے کہ اَن دیکھا راہ راہبر و مرشد کی رہبری کے بغیر منزل ہوتا ہے ورنہ ہلاکت کے لیے تیار ہو جاؤ (اللہ تعالے ہم سب کو خلاف و اختلاف سے بچائے اور اسلاف کرام کی راہ پر چلائے اور مرتے دم تک اس نیک اعتقاد پہ ثابت قدم رکھے اور ہمارا حشر اہل فضل و کمال کے ساتھ ہو (آمین) ۔

تفسیر عالمانہ

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ (یاد کرو اے مومنو کہ اس دن یعنی قیامت میں بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے لوگوں کے سیاہ) اور چہرے کا سفید و سیاہ ہونا مسرور و بشاشت سے اور خوف سے کملا جانے سے کنایہ ہے ۔ مثلاً ہر وہ شخص جو اپنے مقصد کو پائے اور اپنے مطلوب کے حصول میں کامیاب ہو جائے تو اس کے لیے کہتے ہیں ۔ اِبْيَضَّ وَجْهُهٗ اَىْ اِسْتَبْشَرَ خوش ہوا اور جس شخص کو دُکھ اور درد پہنچے تو اس کا رنگ فق ہو جاتا ہے ۔ اور صورت بگڑ جاتی ہے ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہو کہ قیامت میں مومن حاضر ہو کر اپنے عمل نامے کو دیکھے گا ۔ اگر اس میں اس کی نیکیاں ہوں گی تو وہ خوش ہو گا اور اسے اللہ تعالی کی نعمتوں اور فضل و کرم سے نوازا جائے گا ۔ اور جس وقت کافر اپنے عمل نامے میں اپنے کرتوت دیکھے گا تو اس کا حزن و غم اور ملال بڑھ جائے گا ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ چہرے کی سیاہی و سفیدی حقیقی طور ہو گی ۔ اہل حق کے چہروں میں نور ہی نور ہو گا اور ان کے آگے اور دائیں جانب بھی نور ہو گا اور اہل باطل اس کے برعکس ہو گا کہ ان کا چہرہ بھی سیاہ اور دائیں بائیں آگے پیچھے تاریکی چھائی ہو گی بلکہ تمام جسم سیاہ ہو جائے گا۔

نکتہ: یہ اس لیے ہو گا کہ نیک بخت کا جب چہرہ بلکہ تمام جسم نورانی ہو گا تو وہ اپنی سعادت سے خوش ہو کر قوم کے ہاں نمایاں ہو جائے گا۔ اور وہ تمام اُس کی صورت سے یقین کر لیں گے کہ یہ اہل سعادت سے ہے اور اسی سے خبر دیتے ہوئے حکایۃً اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ اور بد بخت کا بُرا حال ہو گا وہ اہل سعادت کے برعکس ہو گا اور قوم کی نظروں میں زبون حال اور ذلیل و خوار ہو گا۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ (بہر حال وہ لوگ کہ جن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے تو انہیں کہا جائے گا)۔ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ۔ (کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے) یہ ہمزہ توبیخ کے لیے ہے اور ان کے حال سے اظہار تعجب ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ وہی یہود و نصاریٰ ہوں گے اور ان کا ایمان کے بعد کفر کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے نبیوں علیہم السلام پر ایمان رکھتے تھے (اور حضور علیہ السلام پر بھی لیکن بعثت سے پہلے تو ان پر ایمان لائے) پھر جب حضور علیہ السلام تشریف لائے تو منکر ہوئے اس لیے فرمایا۔ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ بعض مفسرین نے فرمایا۔ اس سے تمام کفار مراد ہیں اس لیے کہ انہوں نے یوم میثاق میں توحید کا اقرار کیا لیکن عالم دُنیا میں پہنچ کر منکر ہو گئے۔ اس لحاظ سے انہیں فرمایا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ پس چکھو وہ عذاب تو تمہیں پہلے معلوم ہے یعنی بڑا عذاب بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ بسبب تمہارے کفر کرنے کے جو تم حضور نبی علیہ السلام اور ان کی لائی ہوئی کتاب یعنی قرآن کو نہیں مانتے وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔ (اور بہر حال کہ جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے زیر سایہ ہوں گے۔ یعنی بہشت اور ہمیشہ کی نعمتوں میں) اسے رحمت سے تعبیر کرنے میں مومن کو تنبیہ ہے کہ وہ اگرچہ تمام زندگی عبادت و طاعت میں گزار دے لیکن اس کا عقیدہ یہ کہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بخشش ہو گی۔ اعمال پر اُسے خس برابر بھی سہارا نہ ہو۔ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا سوال یہ ہوا کہ ان لوگوں کا پھر کیا ہو گا۔ جواب میں فرمایا کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کہ انہیں کبھی وہاں سے نکالا نہیں جائے گا اور نہ ہی اُن کو موت آئے گی۔ تِلْکَ یہ ان آیات کی طرف اشارہ ہے جن میں نیک لوگوں کو نعمتوں سے نوازنے اور کفار کو عذاب میں مُبتلا کئے جانے کا بیان ہے اور یہ مُبتدا ہے اور آیات اللہ اُس کی خبر ہے نَتْلُوْھَا آیات سے حال ہے عَلَیْکَ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ کو آیات سناتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے بِالْحَقِّ حق کے ساتھ۔ یہ حال مؤکدہ ہے نَتْلُوْھَا کے فاعل یا اُس کے مفعول سے۔ یعنی وہ آیات حق و عدل سے ملانے والی ہیں یا وہ آیات حق و عدل سے ملی ہوئی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں عدل ہی عدل ہے۔ اس کے فیصلوں میں جور و ستم کا شائبہ تک بھی نہیں۔ کہ نیک کی نیکی میں کمی کرے یا مجرم کی سزا میں زیادتی کرے یا کسی غیر مجرم کو مجرمانہ سزا دے۔ بلکہ ہر ایک کو اُس کے حق کے

---

[1] اے کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش کر عزت والوں کے ساتھ کر دیا۔

مطابق جزاء و سزا دیتا ہے جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی وعدہ یا وعید ہونگے وَ مَا اللّٰہُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا (اور اللہ تعالیٰ ظلم کے کسی قسم میں سے ہی ارادہ نہیں کرتا۔ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ عالمین کے لیے یعنی اپنی مخلوق میں کسی پر ظلم نہیں کرتا اس لیے کہ ظلم کہتے ہیں غیر کے ملک میں تصرف کرنا اور اللہ تعالیٰ تو ہر شئے کا مالک ہے۔ یا ظلم بمعنے شئے کو غیر محل میں استعمال کرنا یہ دو قسم ہے۔

۱۔ مستحق کو استحقاق سے مانع ہونا۔

۲۔ ممنوع امر کو عمل میں لانا اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے لیے متصور نہیں ہو سکتیں جب حق تعالیٰ کے متعلق یہ باتیں غیر متصور ہیں تو ثابت ہوا کہ اس سے ظلم کا تصور بھی محال ہے۔ پھر کون ہے وہ کہ جس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے نہیں دیتا۔ اسی طرح کون ہے وہ جو کہ اسے کسی بات سے روکے اور وہ اس کے منع کرنے پر بھی دیدے تاکہ اُس کے لیے ظلم کا شُبہ ہو سکے۔ بلکہ وہ تو علی الاطلاق مالک ہے اور اس کے تمام افعال حکمت پر مبنی ہیں۔ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ اور اللہ تعالیٰ کا ملک ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمینوں میں ہے۔ وہ اکیلا تمام آسمانی اور زمینی اشیاء کا مالک ہے۔ کوئی بھی اس کا ان میں شریک نہیں کیونکہ تمام املاک کی ملکیت (ملکاً و خلقاً) اس سے مختص ہیں زندگی اور موت دینے میں اسی طرح ثواب و عذاب دینے میں واحد مالک ہے۔

سوال: مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ میں لفظ ما واقع ہے اور اُس کا اطلاق صرف غیر ذی العقول کے لیے آتا ہے حالانکہ وہ جیسے غیر ذوی العقول کا مالک ہے اسی طرح ذوی العقول کا بھی۔

جواب: یہ تغلیب کے قبیل سے ہے چونکہ اکثریت غیر ذی العقول کی ہے اس لیے تغلیباً لفظ ما مستعمل ہوا ہے۔

جواب نمبر ۲: ذات حق کی عظمت کے پیش نظر غیر ذوی العقول کی حیثیت سے مانا گیا ہے کہ اگرچہ ذوی العقول ذو عظمت سہی لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے لاشئی ہیں اس حیثیت سے اس لفظ کا استعمال صحیح ہے۔ وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ اور اللہ تعالیٰ یعنی اس کی قضاء اور اُس کے حکم کی طرف (نہ کہ اس کے غیر کی طرف کہ کسی کو اس کے ساتھ شرکت ہو یا کسی دوسرے کو استقلالاً ملکیت حاصل ہو) تمام اُمور لوٹائے جائیں گے۔ یعنی تمام امور اُسی کی طرف راجع ہیں پھر اُن کو حسب وعدہ وعید جزاء و سزا دے گا۔ لیکن اُس کے حکم میں کسی کو دخل نہیں۔

سوال: رجوع کا اطلاق یوں ہوتا ہے کہ کوئی وہاں اُس کے ہاں تھا پھر اُسے اس کی طرف لوٹایا گیا۔

جواب: اِن امور کو پہلے مٹایا جائے گا پھر بعد ہلاکت اسی کی طرف جائیں گے۔ اس لیے کہ دُنیا میں تدبیر کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی کسی کے ملک میں ضرور تھی لیکن آخرت میں واحد وہی مالک ہو گا۔ اس اعتبار سے امور کو رجوع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جن کے قیامت میں چہرے سفید ہو جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے قلوب دُنیا میں نورِ ایمان اور جمعیت اور وفاق مع اللہ سے نُورانی ہوں گے اور جن کے قیامت میں روسیاہ ہو جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دِل کفر اور تفرق و اختلاف من اللہ کی وجہ سے سیاہ ہوں گے اس لیے کہ قیامت میں چہرے دنیوی قلوب کی رنگت کے مطابق ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یعنی جو چیزیں قلوب پر اثر انداز ہوں گی انہیں قیامت میں ظاہر کر دیا جائے گا ؎

زر اندود کانرا باتش برند پدید آید آن کہ مس یا زر زند

ترجمہ: سونے کی مصنوعی شے کو اس لیے آگ میں ڈالتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ تانبا ہے یا سونا۔

ف: جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے انہیں کہا جائے گا۔ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ یعنی یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جو سیر الی اللہ کے طالب ہو کر نفس صحرانوردی میں شہوات کے اُلّو کے پیچھے لگ کر بہ رجعت تھقری (الٹے پاؤں) ظلمات کے گڑھے میں جا پڑے۔ انہیں کہا جائے گا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ یعنی عذاب الٰہی کا مزہ چکھو بسبب اُس کے کہ تم حق کو باطل سے چھپاتے تھے اور حق سے روگردان ہو کر باطل کی طلب میں منہمک ہوئے تمہیں دُنیا میں جدائی اور دوری کا عذاب تو دیا گیا لیکن آخرت کا عذاب تمہیں چکھایا نہیں گیا تھا اب وہ بھی چکھ لو۔

نکتہ: دُنیا میں اس لیے عذاب نہیں چکھایا گیا کہ دراصل یہ لوگ عالم دُنیا میں غفلت کی نیند میں گزارتے ہیں اور نیند والے کو زخموں کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ جب تک کہ بیدار نہ ہو۔ یہ لوگ بھی اب دنیا میں غفلت کے نشے میں اس درد کو محسوس نہیں کرتے۔ جب موت آئے گی تو پھر یہ جاگ اٹھیں گے۔ اس پر انہیں جدائی اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کے عذاب کا درد محسوس ہوگا۔ بہر حال وہ لوگ کہ جن کے چہرے نُورانی ہو جائیں گے وہ دُنیا میں تو جمعیت کی رحمت اور وفاق مع اللہ میں گزارتے رہے جب وہ مریں گے تو انہیں آخرت میں اسی رحمت میں رکھا جائے گا۔ اور وہ اس میں ہمیشہ تک رہیں گے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ قیامت میں ہر انسان کا حشر اسی پر ہوگا جس پر انہوں نے زندگی بسر کی۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کا حشر اس کے عمل پر ہوگا جس پر اُس نے زندگی بسر کی۔

حدیث شریف نمبر (۲): فرمایا کہ جو شخص نشہ میں ہو کر مرتا ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام مخمور نظر آتے ہیں پھر اسی طرح منکر نکیر پھر اُسے جہنم کے گڑھے میں ڈالا جائے گا تو مخمور و مست ہوگا۔ اور وہ گڑھا جہنم کے وسط میں ہے اس کا نام بھی سکران (مخمور ہے) جس میں ایک چشمہ ہے اس سے خون ہی خون بہتا ہے۔ اس میں نہ کھانے کی اشیاء ہوں گی اور نہ پینے کا پانی۔ اگر اسے کچھ کھلایا پلایا جائے گا تو اسی خون سے (معاذ اللہ)

حدیث شریف نمبر(۳) : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ ہر مومن کے لیے لا الہ الا اللہ موت کے وقت اور قبر میں ساتھ ہوگا جب وہ قبر سے اُٹھے گا تو یہ کلمہ اس سے انس پیدا کرے گا ۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ آپ اگر اسے دیکھیں تو وہ اپنی قبور سے بھاگتے ہوئے آئیں گے اور وہ اپنے سر کے بالوں کو جھاڑتے ہوئے کہیں گے لا الہ الا اللہ تو اُن کے چہرے نورانی ہو جائیں گے اور وہ لوگ جو کافر ہیں وہ کہیں گے ہائے ہائے ۔ ہم نے غلطی کی کاش ! اچھے عمل کر لیتے ۔ اس پر ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے ۔

حدیث شریف نمبر(۴) : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت پر رونا جاہلیت کے رسوم سے ہے اور رونے والی عورت اگر توبہ کئے بغیر مرگئی تو اسے قیامت میں جہنم کی چادریں پہنائی جائیں گی ۔ اُس کے اوپر پھر اور آگ کی چادر چڑھائی جائے گی جس سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوں گے ۔ قرآن مجید میں ہے۔[۱] اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ بعض مفسرین فرماتے ہیں ۔ کہ یہ لوگ سب کے سب قیامت میں مجنون (پاگل) ہو کر اٹھیں گے ۔ یہ اُن کے لیے سزا اور ایک قسم کی زجر و توبیخ ہو گی تا کہ اہل محشر اُن کی رسوائی دیکھیں۔ یہ علامت خصوصی طور سود کھانے والوں کے لیے ہے ۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے پیٹ کو سودی کاروبار سے پُر کیا ۔ اس وجہ سے ان کا پیٹ پھول جائے گا جب وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو کبھی اٹھ کھڑے ہوں گے اور کبھی گر جائیں گے ۔ اس لیے کہ وہ اپنے پیٹ کے بوجھ کو نہیں اُٹھا سکیں گے ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُنیا و آخرت میں ستر عیوب کی دُعا مانگتے ہیں ۔ اور صالح اعمال و افعال کی توفیق چاہتے ہیں ۔

---

[۱] وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں نہیں اٹھیں گے مگر اس کی طرح کہ جسے شیطان (مخبوط الحواس کردے ۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○
لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ○
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ قف لَيْسُوْا
سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي
الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
بِالْمُتَّقِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً
مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ج قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ج
وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰۤاَنْتُمْ
اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ج وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا صلے
وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ○ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ز وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ
وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○ ع

ترجمہ: تم بہتر ہو تمام امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے
ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ
کافر وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے مگر یہی ستانا اور اگر تم سے لڑیں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر
جائیں گے پھر ان کی مدد نہ ہوگی ان پر جمادی گئی خواری جہاں ہوں امان نہ پائیں مگر اللہ کی رسی اور آدمیوں
کی رسی سے اور غضب الٰہی کے مستحق ہوئے اور ان پر جمادی گئی محتاجی اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر

کرتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے یہ اس لیے کہ بے فرمان اور سرکش تھے سب ایک سے نہیں اہل کتاب میں کچھ وہ ہیں کہ حق پر قائم ہیں اللہ کی آیات پڑھتے ہیں رات کی گھڑیوں میں اور سجدہ کرتے ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں اور یہ لوگ لائق ہیں اور وہ جو بھلائی کریں ان کا حق نہ مارا جائے اور اللہ کو معلوم ہیں ڈر والے وہ جو کافر ہوئے ان کے مال اور اولاد ان کو اللہ سے کچھ نہ بچالیں گے اور وہ جہنمی ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا کہاوت اس کی جو اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو وہ ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پڑی جو اپنا ہی برا کرتے تھے تو اسے بالکل مار گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اسے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں بڑا ہے ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو سنتے ہو یہ جو تم ہو تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے اور حال یہ کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصے سے تم فرما دو کہ مرجاؤ اپنی گھٹن میں اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا بیشک ان کے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں۔

تفسیر عالمانہ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (تحقیق کان ناقصہ) یہاں پر کُنتم میں کان ناقصہ ہے اس کی خبر اس کے اسم میں کسی شئے کے لیے صفت کا تحقق کرتی ہے۔ جس میں سابق ولاحق پر کسی قسم کی دلیل نہیں ہوتی پھر مقالہ کی مناسبت پر اور قرائن کی دلالت سے دوام وعدم انقطاع پر مستعمل ہوتا ہے۔ اس لیے "کان زید قائما" کو انقطاع پر محمول کیا جاتا ہے اور آیت میں كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کو دوام پر محمول کیا جاتا ہے یہاں کان دوسرے معنے سے ہے۔ اب معنی یوں ہوا کہ تم ہمیشہ بہترین امت ہو۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یہ "اُمَّةٍ" کی صفت ہے یعنی لوگوں کی مصلحت اور نفع کے لیے ظاہر کیے گئے ہیں تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو) یہ جملہ مستانفہ اور سوال کا جواب ہے گویا کسی نے کہا کہ یہ امت خیر امۃ کیوں اور ان کا خیر امۃ ہونے کا سبب کیا ہے اس کا جواب دیا کہ ان کا خیر امۃ ہونے کا سبب یہی ہے کہ ان کی عادات اور خصائل اچھے ہیں۔ یہ ان کے خیر ہونے کی علت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ زید کریم یطعم الناس ویکسوھم (زید وہ کریم ہے جو لوگوں کو طعام کھلانا اور کپڑے پہنانا ہے) یہ اس لیے کہ وہ حکم جو اپنی صفت مناسبہ سے مقرون ہو تو وہ علت پر

دلالت کرتا ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو) یعنی ایمان لاتے ہو اُن پر جن پر ایمان لانے کا حکم ہے یعنی رسول و کتاب و حساب و جزاء پر ایمان لاتے ہو۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ط (اور اگر وہ اہل کتاب ایمان لائیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا)۔ یعنی اگر وہ لوگ تمہاری طرح ایمان لائیں تو اُن کیلئے اس سے بہتر ہے جو کہ انہیں دنیوی جاہ و حشمت کی لالچ ہے۔ اور اس برائی میں ہیں کہ عوام اُن کے پیچھے ہیں اور وہ روز بروز اس مرتبہ پر ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور لذاتِ دنیاوی میں سرمست ہیں اس لیے انہیں آخرت کی جزاء (باوجودیکہ انہیں دوہرے اجر و ثواب کا وعدہ دیا گیا ہے) کا خیال دل میں نہیں لاتے۔ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ (بعض ان میں مومن ہیں) یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ اہل کتاب سب کے سب کافر ہیں یا اُن میں بعض ایماندار بھی ہیں۔ تو اس کے جواب میں فرمایا بعض ان میں مؤمن ہیں لیکن چند گنتی کے وہ سب کو معلوم ہیں کہ وہ دارین کی خیر و برکت پر فائز المرام ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) وَاَکْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (اور اکثر اُن کے فاسق ہیں) یعنی کفر میں منہمک اور حدود شرعیہ سے خارج ہیں۔ لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی ط یہ استثناء مفرغ ہے اس کا مستثنیٰ منہ وہ مصدرِ عام ہے جو وَلَنْ یَّضُرُّوْا الخ میں ہے۔ یعنی وہ تمہیں ہرگز کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر صرف اتنا کہ وہ تمہیں گالی دیں گے اور یہ کوئی معتد بہ ضرر نہیں سمجھا جاتا اگرچہ زور شور سے گالیاں دیں یا ڈرائیں دھمکائیں جس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ (اور اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے) یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلیں گے۔ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ قف (یہ الادبار یولوا کا مفعول ثانی ہے) (تو پیٹھ پھیر جائیں گے) یعنی وہ لوگ اپنی پیٹھ تمہارے بالمقابل کر لیں گے اور شکست کھا کر پیٹھ دے کر بھاگ نکلیں گے اور تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے نہ وہ تمہیں قتل کر سکیں گے اور نہ قیدی بنا سکیں گے ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ۔ (پھر وہ مدد نہیں دیئے جائیں گے) اس جملہ کا عطف جملہ شرطیہ پر ہے یہ ثم تراخی فی المرتبہ کے لیے ہے یعنی کوئی ایک بھی ان کی مدد کے لیے نہیں نکلے گا۔ اور نہ ہی وہ تمہارے قتل اور قید کرنے کو روک سکیں گے

ف: اس آیت میں اہل کتاب کے اُن حضرات کو ثابت قدم رہنے کی تلقین ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا اقرار کر کے پکے سچے مسلمان ہو گئے تھے تمہاری برادری کے لوگ تمہارے ساتھ مذاقیں اڑائیں یا ڈرائیں دھمکائیں یا گمراہ کرنے کی کوشش کریں تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اس میں انہیں مبارکبادی و مژدہ بہار ہے کہ گمراہ اہل کتاب) تمہارے اُوپر دست درازی نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ گالی بکیں گے اور یہ کوئی اتنا سنگین معاملہ نہیں جو تمہارے لیے نقصان دہ ہو۔ علاوہ ازیں اہل اسلام کو وعدہ دیا گیا ہے کہ تم اُن اہل کتاب پر غلبہ پا جاؤ گے اور پھر انہیں قبضہ میں لے کر بدلہ لے سکو گے اور آخر کار انہیں رسوائی و ذلت نصیب ہوگی۔ پھر ہمیشہ ہمیشہ تک بے یار و مددگار رہیں گے اور انہیں اتنی ہمت نہیں ہوگی کہ وہ تم پر حملہ کر سکیں جیسا کہ بنی قریظہ اور نضیر اور یہودان خیبر کا حشر ہوا۔ ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا (اُن پر ذلت و رسوائی مسلط کی گئی جہاں بھی جائیں گے) یعنی

اسی طرح ان پر ذلت و خواری محیط ہو چکی ہے۔ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ یہ استثناء اعم الاحوال سے ہے کہ ان کو قبہ کی طرح ذلت محیط ہو چکی ہے کہ جیسے قبہ اپنے ما فیہا کو محیط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان پر ہر حال میں ذلت گھیراؤ لیے ہوئے ہے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم یا اہل اسلام کے ذمہ میں پناہ لیں۔

ف: اللہ تعالیٰ اور اہل اسلام کے ذمہ کو حبل (رسی) سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا ذمہ و عہد کریم نجات اور کامیابی کا سبب ہے جیسے رسی مقصد کے حصول کا ایک مضبوط سبب ہے۔

ف: حَبْلٍ من الناس کا جملہ من اللہ پر عطف دلالت کرتا ہے کہ ان دونوں میں لفظی مغایرت ہے۔

نکتہ: حضرت امام رازی نے فرمایا کہ ان دونوں کی مغایرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ امان جو ذمی کافر کے لیے شرعاً متعین ہے دو قسم ہے:-

۱۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نص کر کے فرمایا یعنی کفار سے جزیہ لے کر امان دی جائے۔

۲۔ جو امام وقت کی رائے اور اس کے اجتہاد پر مبنی ہے۔ کبھی تو مفت امان دینا مناسب ہوتا ہے کبھی متعین صورت سے زاید کیا جاتا ہے اور کبھی کم جیسا کہ امام وقت کی صوابدید کا تقاضا ہو۔ قسم اول کو حبل من اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور قسم ثانی کو حبل من الناس سے۔ لیکن چونکہ ان دونوں میں اعتباری مغایرت ہے اسی لیے درمیان میں حرف عطف لایا گیا۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور انہوں نے رجوع کیا غضب کی طرف جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے والا ہے جو وہ اپنی غلط کاری کی وجہ سے اپنے اوپر واجب کرنے والے تھے۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اور ماری جائیں گی ان پر مسکینی یعنی فقیرانہ صورت میں گزارنے والے ہوں گے کہ وہ مسکینی انہیں ہر طرف سے گھیرا کرنے والی ہوگی

ف: یہودی اکثر مسکینی میں گزارتے ہیں یا انہیں مسکینی فی نفس الامر ہوتی ہے یا خود ظاہر کرتے رہتے ہیں اگرچہ فی الواقع غنی ہوں۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ ضرب الذلہ والمسکنۃ کی طرف ہے۔ البوء بمعنی الغضب العظیم بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ یعنی وہ ذلت و مسکینی جو ابھی مذکور ہوئی وہ اس سبب سے ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے آیات کا انکار کرتے ہیں اور وہ آیات حضور نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر واضح طور دلالت کرتی ہیں بلکہ تمام قرآنی آیات کی تحریف کرتے ہیں۔ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو ناحق شہید کرتے تھے اور ان کا یہی اعتقاد تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنا واجب ہے اگرچہ متاخرین یہود کو کسی نبی علیہ السلام کو قتل کرنے کا موقعہ نہیں ملا لیکن وہ اپنے اسلاف کے اس کارنامے پر راضی ہیں اور ان کے اس فعل قبیح کو صواب (اچھا) جانتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی اگر انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنے کا موقعہ پائیں تو نہیں رکیں گے۔ اس لیے قتل کو ان کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوا ذٰلِكَ یہ اشارہ ان کے کفر و قتل

کی طرف ہے ۔ بِمَا كَانُوا يَعْتَدُونَ بسبب اس کے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے یعنی یہ فعل قبیح ان سے اس لیے سرزد ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حدود سے تجاوز کرتے تھے۔

مسئلہ: صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے یا اس کے ارتکاب کا سبب بن جاتا ہے اور کبیرہ پر مداومت کرنے سے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

نکتہ: جو شخص صغیرہ گناہ کا مرتکب ہو اس پر مداومت کرتا ہے تو اس کے قلب پر رفتہ رفتہ ظلمات المعاصی ہجوم کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے دل کا نور آہستہ آہستہ بجھتا رہتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے قلب سے نورِ ایمان چھن جاتا ہے اور ظلماتِ کفر چھا جاتی ہے۔ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) اس مضمون کی طرف عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ اشارہ ہے۔

نکتہ: ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا عِلَّةُ العِلَّة کی طرف اشارہ ہے اس لیے ارباب تصوف نے فرمایا کہ جس شخص کو مستحبات کے ترک کرنے کی عادت ہوتی ہے اس سے لامحالہ سنتیں چھوٹنے لگیں گی۔ جب سنتوں کے ترک کی عادت پڑے گی تو اس سے فرائض چھوٹ جائیں گے۔ جو فرائض کے ترک کا عادی بنتا ہے تو وہ شرعی امور کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ جس سے شریعت کے امور کی حقارت سرزد ہوئی اس کی کفر تک نوبت پہنچتی ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ اپنے اوپر کسی گناہ کا دروازہ نہ کھولے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ امور کہ جن کے متعلق شریعت نے اباحت کا حکم فرمایا ہے انہیں بھی ترک کرنے کی عادت نہ بنائے۔ اسے کمال تقویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف نمبر ۱: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ متقی کمال تک اس وقت پہنچتا ہے جب وہ امور مباح کو بھی ترک کرے اس خوف سے کہ کہیں مجھ سے بڑی خطا سرزد نہ ہو۔

حدیث شریف نمبر ۲: فرمایا کہ حلال و حرام دونوں ظاہر ہیں۔ اُن کے مابین امور مشتبہات ہیں جو شخص ان مشتبہات سے بچتا ہے تو اس کا دین کامل ہے اور جو مشتبہات کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ محرمات کے ارتکاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چرواہا چراگاہ کے کنارے اپنے مویشی چرائے تو لامحالہ کنارہ پر رہنے سے چراگاہ میں مویشیوں کا پڑنا کثیر الوقوع امر ہے۔

سبق: مشتبہات سے بچنا سبب ہے محرمات سے بچنے کا اسی لیے محرمات سے بچنے کی خاطر مشتبہات (جو محرمات کے اسباب ہیں) سے بچنا ضروری ہے۔

عارف باللہ کی علامت عارفِ باللہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا چاہتا ہے تو فوراً اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ سے حیا کا غلبہ ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے ارادہ سے ہٹ جاتا ہے اور پھر

پختہ ارادہ کرتا ہے کہ عبادت الہٰی میں گزاروں گا چنانچہ پھر وہ عبادت الہٰی میں لگ جاتا ہے۔

نکتہ: سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عبادت عارفین کے سروں پر دینوی بادشاہوں کے سروں کے تاج کی طرح ہوتی ہے۔

حکایت: حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں مسبحہ دیکھی گئی تو عرض کیا گیا کہ آپ نے مسبحہ کیوں لے رکھی ہے آپ تو ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں پھر آپ کو مسبحہ کی کیا ضرورت۔ آپ نے فرمایا یہ ایسا ہتھیار ہے کہ جس کی بدولت ہمیں وصالِ حق نصیب ہوا ہے پھر ہم اسے کیسے ترک کر سکتے ہیں۔

روحانی نسخے حضرت شیخ ابو طالب مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اوراد و وظائف پر مداومت کرنا مومنین کا بہترین اخلاق اور عابدین کا طریقہ اور نور ایمان میں اضافہ کا سبب اور ایقان کی علامت ہے

حکایت: حضرت شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد مکرم سے پوچھا کہ یا حضرت! محققین عارفین کے اوراد و وظائف کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا کہ یہ خواہشاتِ نفسانیہ کو مٹانے والے ہیں اور محبت الہٰی کی علامت اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے محب کو غیر محل میں استعمال نہ کرے نیز یہ اوراد و وظائف اکثر اوقات مومن کو باطل سے ہٹا کر حق کی طرف پہنچاتے ہیں۔

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اوراد و وظائف پر مداومت کرے اور طاعات میں وقت بسر کرے اور گناہوں اور خطاؤں سے بچے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ سے خوب حیاء کرو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بحمدہ تعالیٰ بہت حیاء کرتے ہیں آپ نے فرمایا زبانی طور حیاء کا حق ادا نہیں ہوتا اللہ سے حق حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے سر اور اس کے اندر کے تصورات کی حفاظت کرے اور پیٹ کو حرام سے بچائے اور موت کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور یہ سمجھے کہ میں نے مرکر مٹی میں جانا ہے جو شخص آخرت کا طالب ہے وہ دنیا کی زینت سے دور رہتا ہے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے وہ ان امور عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے ؎

مبر طاعت نفس شہوت پرست کہ ہر ساعتے قبلۂ دیگر است

ترجمہ: نفس شہوت پرست کی بات مت مان اس لیے اس کا ہر لمحہ نیا قبلہ ہے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دو سو سال بھی عمر بسر کرے لیکن اگر اسے ان چار باتوں کا علم نہیں ہوا تو اس کی تمام زندگی ضائع گئی بلکہ وہ جہنم کے عذاب کا مستحق ہے۔

۱۔ ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کی معرفت۔ وہ اس طرح کہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کے سوا کوئی دینا ہے نہ منع کرنا ہے

۲۔ معرفۃ عمل باللہ بایں طور کہ اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول کرتا ہے جو صرف اس کی رضا کی خاطر کیا جائے۔
۳۔ معرفۃ النفس یعنی یقین کرے کہ نفس نہایت ضعیف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کو نہیں روک سکتا
۴۔ اللہ تعالیٰ اور اپنے نفس دشمن کی پہچان۔ ایسے دشمن سے معرفت الٰہی کے ساتھ ایسا مضبوط ہو کر مقابلہ کرے کہ اسے شکست دے کر چھوڑے اس لیے کہ معرفت الٰہی مؤمن کا بڑا زبردست ہتھیار ہے۔ جس کے پاس معرفتِ حقیقی کا سرمایہ ہے وہ اپنے ظاہری و باطنی دشمنوں پر غالب رہتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی مراد کو حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ نفس ہی بہت بڑا دشمن ہے۔

سبق: ہر سالک کو ضروری ہے کہ وہ نفس کے شر اور اس کی جنگ کو ذکرِ الٰہی اور فکر و تدبر اور عملِ صالح کے ذریعے مٹائے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو شرورِ نفس و شیطان سے محفوظ رکھے آمین)

تفسیر عالمانہ لَیْسُوْا سَوَآءً (نہیں اہل کتاب برابر) یعنی برائیوں اور بد کرداریوں میں سب کے سب برابر نہیں۔ (ازالۂ توہم) قبائح مذکورہ سے موصوف ہونے کی بالکلیہ نفی ہے نہ یہ کہ وہ قبائح سے موصوف تو ہیں لیکن کچھ فرق ہے کہ دوسرے اہل کتاب اپنی برائی سے قبائح میں کم مرتبہ ہیں اور وہ بلند مرتبہ مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ یہ جملہ مستانفہ ہے ان کے عدم مساوات کا بیان ہے۔

سوال: کلام کی تکمیل کا تقاضا تو یوں ہے۔ کہ اس کے بعد کہا جائے۔ وَمِنْھُمْ اُمَّۃٌ مَذْمُوْمَۃٌ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے دو گروہ تھے نیک اور برے۔

جواب: واقعی درست ہے کہ اس کے بعد کہا جائے وَمِنْھُمْ اُمَّۃٌ مَذْمُوْمَۃٌ۔ لیکن بلاغت اسی میں ہے ضدین میں سے ایک ذکر سے دوسرے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یعنی اہل کتاب میں سے ایک گروہ قائم ہے یعنی مستقیم اور عادل ہے۔ قائمۃ اُقمت العود فقام کے محاورہ سے لیا گیا ہے بمعنے استقام۔ اس سے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔

شانِ نزول نمبر (۱): یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جب یہودیوں کے بڈوں سے پوچھا گیا کہ حضرت عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں تو لیڈروں نے کہا وہ بہت بڑے بدبخت اور شر پسند ہیں۔ اگر اچھے ہوتے تو وہ اپنے آباء کے دین کو کیوں چھوڑتے۔

شانِ نزول نمبر ۲: یا ان نمازیوں کی مدح میں نازل ہوئی ہے جو مغرب کی نماز کے بعد بارہ رکعت اوابین پڑھا کرتے یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآنِ کریم پڑھتے ہیں۔ یہ اُمَّۃٌ کی صفت

۱۔ میں نے لکڑی کو اٹھایا تو درست ہو گئی۔

ثانی ہے۔ آنَآءَ الَّیۡلِ یہ یتلون کی ظرف ہے یعنی رات کی گھڑیوں میں آناء اُنی بر وزن عصا کی جمع ہے۔ وَھُمۡ یَسۡجُدُوۡنَ اور وہ سجدے کرتے ہیں یتلون کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ نماز ادا کرتے ہیں اس لیے کہ سجدہ میں تلاوت نہیں ہوتی۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا " میں روکا گیا ہوں کہ بحالت سجدہ رکوع قرآن مجید کی تلاوت کروں۔

نکتہ : سجدہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ نماز کے دیگر ارکان بہ نسبت اس میں کمال خضوع ہے اور ان کی اس نماز سے تہجد مراد ہے اس لیے کہ ان کی مدح میں اسے زیادہ دخل ہے اور اسے انفرادی طور ہر ایک نمازی قرآن پاک کی تلاوت کرے گا ورنہ فرضی نمازوں کی نماز باجماعت کی حالت میں صرف امام ہی تلاوت کرتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ سب کی مدح نہ ہوگی۔ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر اسی طرح ایمان لاتے ہیں جیسے شریعت پاک نے حکم فرمایا ہے۔ یہ یہودیوں پر تعریض کے طور کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر تو ایمان رکھتے ہیں لیکن وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے اور بعض نبیوں اور کتابوں کو بھی نہیں مانتے اور یوم آخرت کا مفہوم بھی شرع حکم کے خلاف ہے بنا بریں انکا اللہ تعالیٰ ویوم آخرت پر ایمان لانا نہ لانے کے برابر ہے۔

وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وہ نیکی کا حکم دیتے۔ اور برائی سے روکتے ہیں۔ اس میں بھی یہودیوں پر تعریض ہے کہ وہ الٹا نیکیوں کے مخالف ہیں بلکہ حکم الٰہی کے سراسر الٹا کرتے ہیں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں سیدھے راستہ سے روکتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا معاملہ برعکس ہو گیا کہ وہ برائی کا حکم دیتے اور نیکی سے روکتے ہیں وَیُسَارِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ اور خیرات میں عجلت کرتے ہیں۔ المسارعۃ فی الخیرات یعنی نیک کاموں کی بہت بڑی رغبت رکھتے ہیں۔ اسے مسارعت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جو شخص کسی فعل کی رغبت رکھتا ہے تو اس کے حصول میں بڑی تیزی کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جلد از جلد وہ شئے حاصل ہو جائے۔ تراخی پر عجلت کو ترجیح دیتا ہے یعنی خیرات کی جمیع انواع (لازمہ ہوں یا متعدی) کے لیے رغبت کمال کے ساتھ عجلت کرتے ہیں۔ اس میں بھی یہودیوں پر تعریض ہے کہ وہ نیکی کے کاموں کی کوئی رغبت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی رغبت ہے تو پھر ان کے حصول میں عجلت نہیں کرتے بلکہ بڑی سست رفتار رکھتے ہیں اس کے برعکس شر پھیلانے کے استاد ہیں وَاُولٰٓئِکَ اور یہ لوگ کہ ابھی ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں وہ اپنے ان صفات سے موصوف ہونے کی وجہ سے مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ نیک لوگوں سے ہیں۔ یعنی یہ بھی منجملہ انہی حضرات سے ہیں جن کے احوال اللہ تعالیٰ کے ہاں صلاحیت سے مزین اس کی رضا و ثنا کے مستحق ہیں۔ وَمَا یَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ۔ اور وہ جو نیکی کا کام کرتے ہیں یعنی ہر قسم کی نیکی (جس کا بیان ہوا یا نہ) فَلَنۡ یُّکۡفَرُوۡہُ ؕ تو ان کی نیکیاں ضائع نہیں کی جائیں گی) کہ ان کو نیکی کا ثواب نہ ملے یا ملے تو بہت کم۔

سوال : منع الثواب اور اس کی کمی کو کفران سے کیوں تعبیر کیا گیا۔ علاوہ ازیں اسے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ پر نہ کسی کی نعمت ہے اور نہ اس سے ناشکری کا وہم کیا جاتا ہے۔

جواب : چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں نیکی پر مکمل جزاء و ثواب دینے کا نام شکر رکھا۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ[1] بنا بریں جب ثواب دینے کو مجازاً شکر سے تعبیر کیا تو کسی سے ثواب روکنا یا پوری جزاء نہ دینے کو بھی مجازاً کفران سے تعبیر کیا ہے اور یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہاں پر دونوں فاعل کے قائم مقام ہیں اور اس کے آخر میں ہٗ ضمیر اس لیے لائی گئی کہ کفران حرمان کے معنے کو متضمن ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو خوب جانتا ہے) آیت میں اہل اسلام کو بہت بڑے ثواب عنایت کرنے کی بشارت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ تقویٰ تمام بھلائیوں اور اچھے اعمال کا مبدا و اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی کامیاب صرف اہل تقویٰ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ میں اشارہ ہے کہ نیکی انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ جب اس بندے کی نیکی کو قبول کرتا ہے تو اسے اپنے قریب کر دیتا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے جو شخص میرے ہاں ایک بالشت برابر قریب ہوتا ہے تو میں اسے ایک ہاتھ اپنے قریب کر دیتا ہوں اور فرمایا کہ میں اس کا ساتھی ہوں جو میرا شکرگزار ہو اور میں اس کی بات مانتا ہوں جو میری اطاعت کرتا ہے (شرح الحدیث) اگر تم میری اطاعت کرو گے یعنی اپنی استعداد و توجہ خالص میری طرف لگا دو گے تو میں بھی تمہاری استعداد کے مطابق تمہیں فیضیات فرماؤں گا اور تمہاری طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس خطرے میں رہتے کہ کہیں وہ تجلیات حق سے محجوب نہ ہو جائیں پھر جتنا قدر بندے سے حجابات اٹھتے جاتے ہیں اتنا قدر اس پر تجلیات وارد ہوتے جاتے ہیں

حکایت : حضرت ابوبکر الکتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک نوجوان کو خواب میں دیکھا اور یقین مانیئے کہ میں نے زندگی بھر اس جیسا کوئی حسین ترین نہیں دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے کہا مجھے تقویٰ کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا تم کہاں رہتے ہو۔ اس نے کہا قلب حزیں میں۔ اس کے بعد اچانک میری نگاہ ایک ایسی عورت پر پڑی جو نہایت سیاہ اور ڈراونی شکل میں تھی۔ میں نے پوچھا تو کون ہے اس نے کہا مجھے ضحک (ہنسی) کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا تمہارا بسیرہ کہاں ہے۔ اس نے کہا ہر اس دل میں جو خوشی اور راحت کا طلب گار ہو اس کے بعد جب بیدار ہوا تو میں نے تہیہ کیا کہ غلبہ ضحک کے سوا بوجہ مجبوری کبھی نہیں ہنسوں گا۔

---

[1] بیشک اللہ شاکر ہے علیم ہے۔ ۱۲۔

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے اور دُنیا میں صرف اس کے ساتھ وابستہ رہے تاکہ قبر و حشر میں یہی تقویٰ اُس کا بہترین ساتھی ثابت ہو۔

ف : تقویٰ دراصل صالحین کا بہترین شعار ہے اور صالحین سے وہ حضرات مُراد ہیں جو زندگی بھر نیکیوں کے حصول کے در پئے رہیں۔

ف : حضرت الشیخ ابُوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ کا سب سے افضل سوال جو اللہ تعالیٰ سے کرے خیرات الدین ہے اور خیرات الدین میں خیرات آلاخرہ بھی ہے اور خیرات آلاخرہ میں خیرات الدنیا بھی ہے۔ بنابریں سالک کا خیرات الدین کا سوال افضل ترین سوالوں میں سے ہوگا۔

ف : اولیاء اللہ کے خصائص خیرات الدُنیا میں یعنی جس سے یہ امور سرزد ہوں سمجھ لینا کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔

(۱) عبودیت۔

(۲) نعوت الربوبیۃ۔

(۳) ماکان وما یکون کی طرف متوجہ رہنا۔

(۴) بارگاہِ حق کی حاضری اور اس سے واپسی یہ دن میں کم از کم ستر بار ضروری ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قلب مبارک پر کچھ واردات ہوتے ہیں۔ اس لیے میں دن میں ستر بار استغفار پڑھتا ہوں۔

شرح الحدیث : یعنی ہر وہ مرتبہ جو پہلے مرتبہ سے کچھ اونچا تھا۔ جب آپ دوسرے مرتبہ پر پہنچتے ہیں تو پہلی کمی پر استغفار پڑھتے ہیں۔ اور یہ بھی بوجہ تقاضائے بشریت تھا کہ اس کمی کا ازالہ سوائے استغفار کے اور کسی طریق سے ناممکن تھا۔ اس کی ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ اپنی دو حالتوں کے مابین فرق بتانے کے لیے استغفار کرتے تھے کہ قطع نظر حقیقت محمدیہ کے میں اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہوئے استغفار کر رہا ہوں ورنہ نبوت میں نقص محال ہے اور ان کے کسی حال میں کمی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں ہاں اُن کے لیے حسنات الابرار سیئات المقربین کی مشہور تاویل کی جائے گی۔

سبق : سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس پر کنٹرول کرتے ہوئے اس سے کسی قسم کی غلطی نہ ہونے دے ہر وقت اسے ذکر و فکر اور شکر میں مصروف رکھے۔ ہاں جب کبھی اپنے اندر کمی محسوس کرے تو اس کا ازالہ استغفار سے کرے۔

روحانی نسخے : ذکر اللہ ایمان کی علامت ہے اور منافقت سے برأت کا سبب اور شیطان سے محفوظ رہنے کا مضبوط قلعہ اور جہنم سے بچنے کی بہترین تدبیر ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا (علی نبینا علیہما السلام) کو پنی اسرائیل

کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا تو فرمایا کہ اے یحییٰ علیہ السلام تم بنی اسرائیل کے پاس پہنچ کر انہیں پانچ باتوں کا حکم دیجئے اور ہر حکم کے ساتھ ایک مثال بھی انہیں سنائیے۔

(۱) صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنائیں اور اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی ایک بندہ خریدے اور اسے اپنے گھر میں ٹھہرائے اور اس کا نکاح کرائے اس کے بعد اسے بہت سامال دے کر فرمائے کہ اس سے تجارتی کاروبار چلا اور بقدر ضرورت اسے کھا بھی۔ اس مال سے کچھ نفع بچ جائے تو مالک کو واپس کرنا ہے اب وہ نوکر یوں کرے کہ جتنا نفع کمائے وہ تمام مالک کے دشمن کے حوالے کرے اور مالک کو اولاً تو کچھ نہ دے اگر کچھ دے بھی تو معمولی طور۔ تو بتائیے ایسے نوکر سے مالک خوش ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ایسا بندہ مالک کے سخت عتاب کا مورد بن کر سخت سزا پائے گا۔ ایسے ہی اہل شرک کا حال ہے۔

(۲) نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ سے ملاقات کی اجازت چاہے اور وہ بادشاہ اسے ملاقات کی اجازت دیدے لیکن وہ شخص بادشاہ کے محل میں جاتے ہی بجائے بادشاہ سے گفتگو کرنے کے ادھر ادھر دیکھے اور بادشاہ اس کی طرف متوجہ ہے لیکن وہ دائیں بائیں تکتا ہے پھر یہی ہوگا کہ بادشاہ اسے آوارہ سمجھ کر اس کا مقصد بھی پورا نہ کرے گا بلکہ اس سے منہ پھیر کر دروازے سے باہر نکال دینے کا حکم صادر فرمائے گا۔ ایسے ہی اس نمازی کا حال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر متوجہ ہے۔

(۳) روزہ رکھنے کا حکم اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ جنگ کرنے کے لیے لوہے کا لباس پہنے اور لڑائی کا سازو سامان اٹھائے لیکن نہ وہ دشمن تک پہنچا اور نہ ہی دشمن پر ہتھیار چلانے کا موقعہ ملا۔ یعنی روزہ رکھنے کے بعد غلط کاریوں سے باز نہیں آتا۔

(۴) انہیں صدقہ کا حکم دیں اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ کسی نے اپنا نفس ثمن معلوم سے خریدا لیکن وہ ادائگی ثمن کا کسب اس شہر سے تلاش کرتا ہے بالآخر وہ اپنے نفس کو آزاد کرانے میں آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح صدقہ دینے والے نے کونسا کمال کیا کہ وہ جو مال صدقہ دیتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے نام پر دینا کونسا اچھا معاملہ ہے لیکن اس کریم کی مہربانی ہوتی کہ صدقہ کرنے والے کے درجات بلند کر دیتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حکم ذکر کرنے والے کی مثال اس شخص کی ہے کہ قوم کا اپنا ایک مضبوط قلعہ ہو لیکن ان کے قریب ہی ان کی دشمن قوم رہتی ہے جب دشمن وار کرتا ہے تو یہ لوگ اپنے مضبوط قلعہ میں گھس جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قوم دشمن کے حملوں سے بچ جاتی ہے یہی حال ذکر الٰہی کرنے والا کا ہے کہ وہ ہر وقت دشمن نفس و شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں بھی تمہیں انہی پانچ خصلتوں کا حکم دیتا ہوں جیسے یحییٰ علیہ السلام نے

اپنی قوم کو حکم سنایا اور وہ تم سن چکے ہو۔ اب میں اپنی طرف سے پانچ اور خصلتوں کا حکم دیتا ہوں۔

(۱) جماعت کے ساتھ رہو۔
(۲) امیر کا حکم سنو۔
(۳) اور مانو۔
(۴) ہجرت۔
(۵) جہاد فی سبیل اللہ۔

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ خیرات و حسنات اور حالات کے حصول کے لیے عجلت کرے اور یہ صرف ان لوگوں کو نصیب ہو سکتا ہے جو ارباب ارادات و اصحابِ مجاہدات ہیں ؎

نیاید نکوکاری از بدرگاں	محالست دوزندگی از سگاں
تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ	ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ،
کوشش نہ روید گل از شاخ بید	نہ زنگی بگرمابہ گردد سفید

ترجمہ: (۱) بداصل سے بھلائی ہرگز نہ ہوگی جیسے کتے سے سلائی مشکل ہے۔
(۲) شیشے سے تو زنگ اتارنا آسان ہے لیکن پتھر سے شیشہ بنانا مشکل ہے
(۳) کوشش سے بید کی ٹہنی سے گلاب پیدا نہ ہوگا نہ زنگی کو نہلانے سے سپیدی آسکتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بے شک جن لوگوں نے اس کا انکار کیا جو انہیں اس پر ایمان لانا واجب تھا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ ہرگز ان سے نہیں دفع کر سکیں گے اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ تعالیٰ کے عذاب سے اُن کے اموال اور نہ اولاد۔

شانِ نزول اس میں کفار کا رد مطلوب ہے جب کہ وہ اپنے اموال و اولاد پر فخر کرتے تھے اور کہتے کہ ہمارے پاس مال و اولاد کی فراوانی ہے فلہٰذا ہمیں کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا بلکہ اس غلط خیالی کے پیش نظر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو فقر و فاقہ پر عار دلاتے اور کہتے کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہوتے تو اُن کا خدا تعالیٰ انہیں فقر و فاقہ اور تنگدستی و شدت میں نہ چھوڑتا۔

نکتہ: اموال و اولاد کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور انسان اپنے آپ کو انہی دو چیزوں سے بچاتا ہے مال کو فدیہ اور اولاد سے مدد کے طور انسان کے لیے حیوانات میں اولاد زیادہ نافع ہے اور جمادات میں اموال۔ جب نافع ترین اشیاء کا ذکر کیا گیا تو ادنیٰ بطریق اولیٰ داخل ہو گئیں وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ اور یہی لوگ جہنمی ہیں۔ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ تک رکھے جائیں گے۔

ربطِ آیات: جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کفار کو اموال بچا سکیں گے نہ اولاد۔ پھر فطری طور خیال گزرتا ہے کہ وہ اموال جو انہوں نے کارِ خیر میں صرف کیے ان سے بھی انہیں کچھ فائدہ ہوگا یا نہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ فرمایا اور واضح کر دیا کہ کتنا ہی کارِ خیر میں انہوں نے مال خرچ کیا ہو انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا چنانچہ فرمایا۔

مَثَلُ مَا یُنۡفِقُوۡنَ فِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا اس دنیا میں خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے یعنی کفار نے جو مال قربتِ الٰہی کی نیت یا فخریہ طور پر یا مشہوری کے خیال پر یا مسلمانوں کی عداوت میں جتنا مال خرچ کیا جیسے بدر و احد میں ابو سفیان (قبل از اسلام) اور اس کے ساتھیوں نے اپنے ہم ملت پر بہت زیادہ مال خرچ کیا تو ان کا حال یوں ہوگا کَمَثَلِ رِیۡحٍ فِیۡهَا صِرٌّ مثل ہوا کے اس میں بہت سخت ٹھنڈک اور مہلک سردی ہو۔ صِرٌّ دراصل مصدر ہے پھر اس کا ٹھنڈی ہوا پر اطلاق ہوتا ہے۔ صرصر کی طرح۔ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ جو قوم کی کھیتی پر چلے۔ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جنہوں نے اپنے نفسوں پر گناہ یا کفر کی وجہ سے ظلم کیا پھر وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آگئے۔

نکتہ: انہیں اس صفت سے موصوف کر کے عذاب کا نشانہ بنانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جسے غصہ سے ہلاک کیا جائے وہ دوسرے عذابوں سے شدید ترین اور زیادہ ڈراونا ہوتا ہے۔ فَاَهۡلَکَتۡهُ پس وہ ہوا اس کھیتی کو ہلاک کر دے کہ اس کھیتی کا نام و نشان تک نہ چھوڑے اس سے تشبیہہ مطلوب ہے کہ کفار جتنا بھی خرچ کریں گے سب کا سب ضائع اور برباد جائے گا انہیں اس خرچ سے کسی قسم کا نفع نہ ہوگا۔ جیسے وہ کھیتی کہ اسے ہوا تباہ و برباد کر ڈالے کہ اس سے کسی قسم کے فائدے کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ یہ تشبیہہ مرکب کے قبیل سے ہے وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ۔ ان کے اموال کے ضائع کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ وَلٰکِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ۝ لیکن وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے اور اموال کو ایسے مواقع پر خرچ کیا جہاں خرچ کرنا مناسب نہ تھا۔

ف: یہاں پر مفعول کی تقدیم صرف آیات کے اصل کی وجہ سے ہے نہ کہ تخصیص کے لیے۔

خلاصۃ التفسیر: کفار نے جو اموال خرچ کیے ان کی غرض یا دنیوی منفعت مطلوب تھی یا اخروی منفعت مقصود تھی۔ اگر وہ منافع دنیویہ کے لیے خرچ کرتا رہا تو ایسے خرچ کا ثواب تو مسلمانوں کو بھی نہیں ملتا چہ جائیکہ کافروں کو کچھ حاصل ہو اور اگر منافع اُخرویہ کے لیے خرچ کرتا رہا چنانچہ ایسے ہی بعض کفار و مُرتدین کارِ خیر میں اس قسم کے بہت بڑے خرچ کرتے ہیں۔ مثلاً سرائیں بنانا اور پلیں تیار کرنا اور ضعیفوں یتیموں اور بے شوہر عورتوں کی مدد کرنا ایسے اخراجات سے اسے قیامت میں خیر کثیر کی امید ہوتی ہے۔ لیکن وہ جب آخرت میں پہنچے گا تو کفر نے اس کی تمام خیرات کو ملیامیٹ کر دیا ہوگا جیسے کسی کسان نے کھیتی باڑی میں بہت بڑی محنت کی ہو اور اسے امید ہو کہ اس دفعہ بہت کچھ سرمایہ حاصل ہوگا۔ لیکن اچانک سخت آندھی آکر تمام کھیتوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر مٹی میں ملا دے تو کسان کو سوائے حسرت اور حزن و ملال کے کیا حاصل ہوگا ایسے ہی آخرت میں حسرت و یاس کے سوا کافروں کو اور کچھ نصیب نہ ہوگا۔ تیسری صورت

اور ہے وہ یہ کہ بزعم خویش نیکی سمجھ کر مال خرچ کرے جیسے کفار نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کے منصوبے بنائے اور بہت بڑا خرچ کیا یا مؤمنین کے قتل کرنے پر زر در لگایا یا اُن کے گھروں کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی تو ایسے اخراجات پر انہیں سخت سے سخت تر عذاب ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے خرچ کرنے کے متعلق فرمایا [1]

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا من عمل فجعلنٰه هباءً منثورا ۔

مسئلہ: اس میں وہ خرچ بھی داخل ہے جو کسی نیک مرد کے شہر بدر کرنے یا اُسے ایذاء پہنچانے یا اسے قتل کرنے پر خرچ کیا جاتا ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں ہر انسان سے چار چیزوں کا سوال ہوگا۔

۱۔ زندگی کن اعمال میں بسر کی۔

۲۔ جسم کن باتوں پہ صرف ہوا۔

۳۔ علم پڑھ کر عمل کیا یا نہ۔

۴۔ مال کیسے کمایا اور کس طرح خرچ کیا۔

سبق: مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکی پر مال خرچ کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور عمل میں اخلاص کو مدِ نظر رکھے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندوں کے اعمال سر بمہر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لائے جائیں گے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھولا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا فلاں فلاں اعمال بندہ کے منہ پر مار دو اور فلاں اعمال اس کے قبول ہیں۔ ملائکہ عرض کریں گے اے الہ العلمین ہمیں تو اس کے تمام اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا مجھے زیادہ علم ہے میں تو اس کے وہی اعمال قبول کروں گا جو اس نے صرف میری رضا میں کئے تھے ؎

ز عمرو اے پسر چشم اُجرت مدار | چو در خانۂ زید باشی بکار
چہ قدر آورد بندۂ حور دیس | کہ زیر قبا دارد اندام پیس

ترجمہ: (۱) عمرو سے اجرت کی امید رکھنا غلط ہے جب کہ تم زید کے گھر میں کام کرتے ہو۔

(۲) وہ بندہ کیا قدر و منزلت پائیگا جس کا ظاہر تو حسین وجمیل ہو لیکن کپڑوں کے اندر میل و کچیل وغیرہ سے پُر ہو۔

حکایت: حضرت منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میرا ایک دینی بھائی تھا اسے میرے ساتھ خوش عقیدت تھی۔ دُکھ سُکھ کا ساتھی کثیر العبادہ تہجد گزار اور رب تعالیٰ کے خوف سے زار و قطار رونے والا تھا چند روز

---

[1] اور جو کچھ انہوں نے کام کئے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔

ہوئے وہ میرے پاس نہ آیا۔ میں نے پوچھا تو لوگوں نے کہا وہ گھر میں عرصہ سے بیمار پڑا ہے میں اس کی طبع پرسی کیلئے حاضر ہوا۔ دروازہ کھٹکایا تو اس کی لڑکی باہر آئی اور مجھے وہاں لے گئی۔ میں نے دیکھا گھر کے وسط میں بستر مرگ پر پڑا ہے لیکن اس کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا ہے آنکھیں زرد اور لب خشک ہو گئے ہیں میں نے کہا کلمہ لا الہ الا اللہ کی کثرت کیجئے میرے کہنے پر آنکھ کھولی اور مجھے گھور کر دیکھنے لگا۔ میں نے کہا بھائی اگر تم یہ کلمہ نہ پڑھو گے تو میں تجھے نہلاؤں گا نہ کفناؤں گا اور نہ تیری نماز جنازہ پڑھوں گا۔ اُس نے سُن کر کہا بھائی منصور مجھ سے یہ کلمہ پڑھا نہیں جاتا۔ میرے لیے کلمہ شریف کے آگے پردہ لٹکا دیا گیا ہے۔ میں نے کہا۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ تیری نماز اور روزہ اور تہجد اور شب بیداری کہاں گئے۔ اس نے کہا بھائی دراصل میری وہ تمام عبادت بر ریا تھی۔ وہ عبادت صرف اس نیت پر کی جاتی کہ لوگ مجھے بہت بڑا نیک کہیں ورنہ جب میں تنہائی میں ہوتا تو دروازہ بند کر کے ایسے فاحش اور بُرے گناہ کرتا کہ پناہ بخدا ۔

در آوازہ خواہی در اقلیم فاش ۔۔۔ برون حلہ کن گو درون حشو باش

ترجمہ: اگر تم شہرت چاہتے ہو تو باہر سے لباس اچھا ہو اگرچہ اندر سے بیکار ہو۔

تفسیر صوفیانہ دانا اپنی عبادت پر غرور نہیں کرتا اور نہ ہی اعمال و اولاد و اموال کی کثرت سے دھوکہ کھاتا ہے جب کہ نیت صحیح نہ ہو جتنی زندگی گزارتا ہے محض طلبِ مولا ہیں۔ اسے دُنیا کا غم نہ آخرت کی فکر انہیں دولتمندی سے فقر و فاقہ کئی گنا زیادہ مرغوب ہوتا ہے عزت سے ذلت کو ترجیح دیتا ہے۔ بلکہ اسے اس حال میں لذت محسوس ہوتی ہے اپنی اولاد و اموال کے علاوہ جان تک اللہ کے راہ میں لٹا دیتا ہے۔ واللہ ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن پڑھا[۱] اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ اس کے بعد فرمایا کہ بعد از مرگ بنی آدم کہتا ہے ہائے میرا مال تو اسے کہا جاتا ہے تیرا مال تو وہی تھا جو تو نے کھایا اور ختم ہو گیا اور جو تو نے پہنا اور اسے پرانا کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے راہ میں صرف کیا۔ اور مر گیا۔ اب تیرا مال کہاں؛

حدیث شریف نمبر (۲): حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ اگر تو بعد از مرگ میری رفاقت چاہتی ہے تو دُنیا میں اتنا قدر اپنے پاس رکھنا جتنا مسافر اپنی ضرورت کا سفر خرچ ساتھ رکھتا ہے۔ اور دولتمندوں کی صحبت سے دور رہنا اور کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ سمجھنا جب تک کہ اسے ٹانکے نہ لگائے جائیں۔

---

[۱] تمہیں کثرت نے غافل کیا یہاں تک کہ تم قبروں کو جا ملے۔

حدیث شریف نمبر۳۱ : فرمایا اے اللہ تعالیٰ جو بندہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو اسے پاک دامنی اور کفایت شعاری نصیب فرما، اور میرے ساتھ جو بغض رکھتا ہے اُسے دُنیا کے مال سے مالا مال کرے اور اُس کی اولاد بڑھادے

سبق : اے برادر! دیکھ لیا تُو نے حقیقت حال کو کہ مال تو انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ذرہ برابر بھی نہیں بچا سکتا۔ للہٰذا تجھے قناعت و کفایت شعاری پر عمل کرنا چاہیے اور دُنیا میں اتنا لینا چاہیے جتنا ضرورت ہو اور دنیادار دل اور اُن کی جاہ و حشمت کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا ؎

ازپے ذکر و شوق حق مارا ۔ در دو عالم دِل و زبانے بس

وز طعام و لباس اہل جہاں ۔ کہنہ دَلقے و نیم نانے بس

ترجمہ : ۱۔ ذکر حق کے شوق میں ہمیں دونوں عالم میں دل اور زبان چاہیے۔

۲۔ ایسے لوگوں کے طعام و لباس کے لیے کہنہ گدڑی اور آدھی روٹی کافی ہے۔

تفسیر عالمانہ : یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔

شان نزول : یہ آیت اُن (اہل اسلام) کے حق میں نازل ہوئی جو منافقین سے دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں منافقین کی دوستی سے روکا۔ چنانچہ فرمایا۔ اے ایمان والو لَاتَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً (نہ بناؤ تم دوست)۔

حل لغات : بطانہ اس صاحب اسرار دوست کو کہا جاتا ہے جو کسی کے اندرونی بھید سے واقف ہو۔ دراصل اس کپڑے کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو پیٹ سے متصل ہو۔ جیسے شعار کپڑے کے اندرونی حصہ کو کہا جاتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ الانصار شعار والناس دثار۔ یعنی انصار میرے شعار ہیں اور باقی لوگ دثار یعنی باہر والا حصہ۔ چونکہ اس دوست پر انسان کو ہر طرح کا اعتماد ہوتا ہے اس لیے ایسے دوست کو بطانۃ سے تشبیہہ دی گئی ہے مِن دُوْنِکُمْ اپنے ماسوا کے ماسوا یہ لاتتخذوا سے متعلق ہے۔ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ط۔

حل لغات : لا یالون الا فی الامر سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی امر میں کوتاہی کرے پھر یہ بدد مفعول ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے لا آلوک نصحا یعنی میں تیری خیر خواہی میں کوتاہی نہ کروں گا یہ منع کے معنے کو متضمن ہے ای لا امنعک نصحا یعنی میں اپنی خیر خواہی تجھ سے نہیں روکوں گا۔ اور الخبال بمعنے الفساد یعنی وہ منافقین تمہارے لیے نقصان پہنچانے میں مکر و فریب اور دھوکہ کے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی اس جدوجہد میں کمی کرتے ہیں۔ جو تمہارے لیے موجب دکھ اور تکلیف ہو۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ تمہارے دکھ اور تکلیف کی تمنا میں رہتے ہیں کہ تمہیں دین و دُنیا میں مشقت ہی مشقت اور ضرر ہی ضرر رہے پہلے اور اس جملہ میں فرق یہ ہے کہ اولاً اس جدوجہد میں رہتے ہیں کہ تمہیں دینی و دنیوی ضرر پہنچائیں اگر یہ میسر نہیں تو تمہارے لیے دُکھ اور تکلیف میں مبتلا ہونے کی آرزو تو ہر وقت دل پر رکھتے ہیں قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ البغضاء غضب کا

مبالغہ ہے یعنی سخت سے سخت غصہ یعنی اب ان کا بغض و عداوت واضح ہو چکی ہے۔ کہ جو کچھ دل میں رکھتے تھے اب ان کی باتوں سے وہ کھل کر ظاہر ہو گئی ہے۔ اب وہ زور لگاتے ہیں کہ کسی طرح تمہارے بغض کو دل میں ہی رکھیں لیکن ان سے رہا نہیں جاتا۔ آخر کسی نہ کسی وقت اُسے ظاہر کر ہی دیتے ہیں کہ بیساختہ اُن کے دل کے راز زبان پہ آ ہی جاتے ہیں وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ اور وہ جو اُن کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے کئی گنا زائد ہے اس لیے کہ جو کچھ ظاہر ہو جاتا ہے وہ بے بسی سے ظاہر کرتے ہیں کہ اسے کسی طریق سے روک نہیں سکتے۔ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ۔ بیشک ہم نے تمہارے لیے آیات بیان کئے ہیں یعنی یہ آیات جو دلالت کرتی ہیں کہ دین میں خلوص پیدا کرو اور دوستی صرف مؤمنین سے ہو اور منافقین کا فریب سے دُور رہو۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ اگر تم عقل رکھتے ہو تو جو کچھ ہم نے تمہارے لیے بیان کیا ہے اُس پر عمل کرو۔

ف : ظاہر ہے کہ لَا يَاْلُوْنَكُمْ سے یہاں تک تمام علی وجہ التعلیل تمام جملے متانع ہیں۔ یعنی منافقین کو ہرگز دوست نہ بناؤ۔ هٰاَنْتُمْ اُولَاۗءِ خبردار اے مؤمنو! تم وہی تو ہو کہ منافقین سے دوستی کا دم بھر کے خطا کرنے والے ہو۔ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ تم اُن سے محبت کرتے ہو لیکن وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ تمہارا اور ان کا دین علیحدہ علیحدہ ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ یہاں پر جنس کتاب مراد ہے اور یہ جملہ لَا يُحِبُّوْنَكُمْ کی ضمیر مخاطب سے حال ہے اب معنے یوں ہوا کہ وہ تمہیں دوست نہیں سمجھتے حالانکہ تم اُن کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ پھر تمہارا کیا حال ہے کہ تم اُن سے محبت کرتے ہو اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے۔ اس میں اہل اسلام کو زجر و توبیخ ہے کہ وہ باوجودیکہ اہل باطل ہیں لیکن وہ اپنے بطلان میں متصلب ہیں۔ اور تم اہل حق ہو کر اپنی حقانیت پر اتنا پختہ نہیں ہو۔ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور جب وہ تمہیں ملتے ہیں تو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں اور یہ بربنائے منافقت کہتے ہیں۔ وَاِذَا خَلَوْا اور جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں۔ عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ تو تمہارے اُوپر غصہ کرتے ہوئے اپنی اُنگلیاں چباتے ہیں۔ یعنی غصے سے حسرت اور افسوس کرتے ہوئے کہ کہیں تمہارے اُوپر غصہ اتار کر شفا پائیں۔

حل لغات : الانامل انملہ بضم المیم کی جمع ہے انگلی کے اوپر والی طرف کو کہا جاتا ہے اور الغیظ بمعنے شدۃ الغضب۔ حضرت امام رازی فرماتے ہیں کہ وہ کسی ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں تو مؤمنین پر سخت غصہ کا اظہار کرتے ہوئے انگلیوں کو چبانے لگ جاتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی کسی پر سخت رنج ہو جائے یا اُس سے کوئی مقصد فوت ہو جائے تو ایسے ہی کرتا ہے پھر چونکہ عام طور اس کا اطلاق سخت غصے پر ہوتا ہے اسی لیے یہ جملہ بول کر اس سے سخت غصہ مراد لیتے ہیں۔ مثلاً سخت غصے والے کے لیے کہا جاتا ہے بعض یدہ غیظاً یعنی وہ غصے سے انگلیاں چباتا تھا۔ اگرچہ اُس سے انگلیوں کا چبانا سرزد بھی نہ ہوا۔ منافقین کو یہ غصہ اس لیے ہوا کہ جب اہل اسلام کو دیکھا کہ وہ آپس میں پیار و محبت

کرتے ہیں اور ایک ہی بات پر تمام کا اتفاق ہے اور ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ط اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم انہیں فرمائیے کہ اپنے غصے میں مر جاؤ۔ یہ کلمہ بد دعا کے لیے ہے کہ تمہارا غصہ بڑھتا رہے گا۔ جب کہ اسلام کو ترقی ہوتی رہے گی۔ اور اسلام کے ماننے والے ایسے ہی بڑھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اے منافقو! تم فنا ہو جاؤ گے۔ یا ان کی یہ ترقی تمہیں اے منافقو! برباد کر ڈالے گی۔

ف: اس سے ان کی لعنت اور پھٹکار کا اظہار ہے نہ یہ کہ یہ امر ایجابی ہے ورنہ وہ اس جملہ کے بعد فوراً مر جاتے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کو جانتا ہے۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم انہیں فرما دیجئے کہ اے منافقو! تم جیسے کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے بغض و عداوت کو خوب جانتا ہے اور اسے علم ہے کہ تمہارے دل مسلمانوں کے لیے بغض و عداوت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ اگر تمہیں نیکی پہنچتی ہے۔ یعنی اے مومنو! تمہارا دشمنوں پر فتحیاب ہونا اور وہ غنیمت جو تمہیں کفار پر فتح و نصرت کے بعد حاصل ہوتی ہے اسی طرح لوگوں کا تمہارے دین میں جوق در جوق داخل ہونا اور تمہاری خوشحالی کو یہ منافقین نہیں دیکھ سکتے۔ تَسُؤْهُمْ انہیں بری لگتی ہیں کہ اہل اسلام کو اتنا خیر و برکت اور منافع کیوں حاصل ہوئے وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر تمہیں برائی پہنچتی ہے۔ مثلاً تمہارے جنگی فوجی کہیں مقید ہو جاتے ہیں یا تمہیں کسی دشمن سے دکھ پہنچا ہے یا تمہارا آپس میں اختلاف ہو جاتا ہے یا تم قحط اور تنگ دستی کے شکار ہو جاتے ہو تو یہ لوگ يَّفْرَحُوْا بِهَا ط خوشیاں مناتے ہیں۔ تمہاری پریشانیوں کی داستانیں سن کر شادیانے بجاتے ہیں۔

ف: حسنۃ میں مسّ اور سیئۃ میں اصابۃ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہاری حسنہ کے بالمقابل سیئہ کوئی نسبت بھی نہیں رکھتی علاوہ ازیں ان کی فرحت کا دار و مدار مکمل طور برائی پہنچنے کی وجہ سے ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم ان کی عداوت اور تکالیف و مشقتوں پر صبر کرو۔ وَتَتَّقُوْا اور بچو ان چیزوں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام کیں اور در کا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ تمہیں ان کا مکر و فریب جو انہوں نے تمہارے مٹانے کے لیے تیار کیا ہے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اَلْكَيْدُ لطیف حیلے کو کہا جاتا ہے مکید بہ (جس کے ساتھ مکر کیا جا رہا ہے) کو آسانی سے پھنسایا جا سکتا ہے شَيْئًا ط اس کا منصوب بر بنائے مصدریۃ (مفعول مطلق) کے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے موعودہ (کہ صابرین اور متقین کی حفاظت کی جائے گی) کی وجہ سے ان کا داؤ پیچ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس لیے کہ حکم الٰہی کا پابند اور اتقاء و صبر کا خوگر دشمن پر حملہ کرنے کی بہت بڑی جرأت رکھتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ ساتھ اس کے کہ وہ جو تمہارے ساتھ دشمن کر کے مکر و فریب کر رہے ہیں۔ مُحِيْطٌ ع خوب جانتا ہے پھر اس بد عملی کی انہیں سزا دے گا۔ الاحاطہ بمعنے ادراک الشئی بکمالہٖ شئے کو مکمل طور پا لینا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے کنارہ کش رہے اور ان کے دکھ درد پہنچانے پر صبر کرے

اس لیے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا امتحان ہوتا ہے دشمن صرف زبان سے گالی بکتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں کسی قسم کی جرأت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی ویسے دشمنوں کی طعن تشنیع سے تو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی نہیں چھوٹے پھر تو کس بائی کی مُولی ہوے

تو روئے از پرستیدن حق مپیچ	مہل تا نگیرند خلقت بہیچ

رہائی نیابد کس از دست کس	گرفتار راہ چارہ صبر است بس

ترجمہ : (۱) تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ نہ پھیرو اور نہ ہی عبادت ترک کرو، کہ خلق خدا کی نظروں سے نہ گر جاؤ۔

(۲) کسی سے نجات نہ پائے گا گرفتار کو سوائے صبر کے چارہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ میں اشارہ ہے کہ انسان کا ہمراز اس کا ہم جنس ہونا لازمی ہے اور وہ اس پر پورے طور اعتماد رکھتا ہو اور اسے یقین ہو کہ یہ میری راز داری میں خیانت نہیں کرے گا۔ ورنہ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ کسی نااہل کو اپنا راز بتا دیا جائے تو وہ پھر ہر ایک کے سامنے بیان کرتا رہتا ہے جس سے بہت شرمساری اٹھانی پڑتی ہے۔

ان الرجال صادیق مقفلۃ	وما مفاتیحھا الا التجارب

ترجمہ : مردانِ خدا کے سینے مقفل صندوقیں ہیں اور ان کی چابیاں صرف تجربہ ہے اور بس۔

تنبیہ : ہر انسان کے ظاہر کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ جب تک اسے پورے طور آزما یا نہ جائے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک کسی کی پورے طور جانچ پڑتال نہ کر لو اس کے ساتھ دوستی کا دم نہ بھرو۔ مثلاً ایک عرصہ تک کسی جگہ اس کے ساتھ گزارو۔ پھر اس کی نشست برخاست دیکھو اس کے ذمہ کاروبار لگاؤ اس کی دیانت وخیانت پر کڑی نگرانی رکھو۔ چند روز اسے انہیں تصرفات سے ہٹا دو۔ پھر کاروبار میں لگا دو اس طریقہ سے اسے دولتمند بنا کر اس کی دولتمندی آزماؤ۔ اسے بھوکا رکھو۔ اس کی بھوک میں اس کا کردار دیکھو۔ اسے سفر پر ساتھ لے جاؤ آزما کر دیکھو دراہم و دنانیر کا مالک بنا کے کاروبار سپرد کرو۔ کبھی خود اتنا تنگدست بن جاؤ کہ تمہیں صرف اس کی ضرورت ہو اور اس سے اپنی ضروریات مانگو۔ پھر دیکھو کہ وہ احسان فراموش ہے یا تمہارے احسان کو یاد رکھتا ہے اتنے بہت بڑے تجربہ کے بعد اگر وہ تجھ سے سن میں بڑا ہے تو اسے بمنزلہ باپ کے سمجھو اگر چھوٹا ہے تو اسے بیٹا بنا لو اگر ہمسن ہے تو اسے بھائی مقرر کر لو۔

روحانی علاج اگر تمہیں کسی دوست سے تمہاری غیبت کی شکایت پہنچے یا وہ کسی تکلیف اور پریشانی کا سبب بنا ہے یا کوئی ایسا معاملہ ہو کہ جس سے سخت صدمہ پہنچائے تو ایسے امور میں ضروری ہے کہ ان

کے معاملات کو اللہ تعالٰی کی طرف سپرد کرو ۔ بدلہ لینے کے لیے تدابیر ترک کرو۔ اس سے خواہ مخواہ پریشانی رہتی ہے الٹا درد میں اضافہ ہوگا اور ایسے غلط مشاغل میں زندگی ضائع جائے گی زمحشری نے کیا خوب نصیحت کی ہے بیوقوف کی غلط کاری کا بہتر جواب رد گردانی اور اسے تابع کرنے کے بجائے بہترین علاج اس سے درگزر کرنا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

اصبر علی مفض الحسو دنان صبرک قاتلہ　　　　والنار تاکل کل نفسہا ان لم تجد ماتاکلہ

ترجمہ: دشمن حاسد کے دکھ پہنچانے پر صبر کیجئے۔ اس لیے کہ تیرا صبر اسے کھا جائے گا۔ جیسے آگ اپنے آپ کو کھا جاتی ہے جب کہ اسے وہ چیز نہ ملے جسے وہ کھائے ۔

سبق: صبر کرنا نیک بختوں کا کام ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم اپنے دوستوں کی جماعت میں تھے دن کو مزدوری کر کے رات کو اپنے انہی یاروں پر خرچ کرتے اور اُن کے دوستوں کی عادت تھی کہ وہ روزے دار رہتے اور رات کو ایک جگہ جمع ہو کر روزہ افطار کرتے حضرت ابراہیم کی عادت تھی کہ ہمیشہ دیر سے تشریف لاتے ۔ ایک دن اُن کے دوستوں کو اس کی اس غلطی سے ناراضگی ہوئی اور طے کیا کہ آج اس کا انتظار نہ کرو۔ جو کچھ ساتھ ہے افطار کر لو اور وقت پر سو جاؤ ۔ جب تک اس طرح سزا نہ دو گے وہ اپنی غلطی سے باز نہیں آئے گا ۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ وہ صاحبان شام کے وقت روزہ افطار کر کے اپنے وقت پر سو گئے ۔ آپ نے سمجھا کہ اُن کے پاس ممکن ہے کوئی چیز نہ ہو وہ بھوکے سو گئے ہوں اس لیے تھکان کے باوجود چولہا گرم کیا ۔ آٹا گوندھا ۔ آگ پھونکنے پر اُن کی داڑھی مٹی میں رگڑی جا رہی تھی ۔ جماعتِ فقراء بیدار ہوئی دیکھا کہ اتنا بڑا ولی آگ پھونکنے پر داڑھی زمین پر رگڑ رہا ہے اسے اس کی پرواہ نہیں کہ اس سے میری توہین ہو رہی ہے ۔ سب نے دست بستہ عرض کی حضرت یہ کیا ۔ آپ نے فرمایا میں دیر سے پہنچا اور خیال گزرا کہ آپ حضرات کو افطار کے لیے کوئی شئے میسر نہ ہوئی اور بھوکے سو گئے ہوں اسی لیے میں بجائے سو جانے کے آپ حضرات کے لیے طعام کا انتظام کر رہا ہوں ۔ سب ایک دوسرے کو شرمساری کے مارے دیکھنے لگے کہ ہم نے اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا اور وہ ہمارے ساتھ کتنا احسان فرما رہے ہیں ۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء　　　　اگر مردی سہل احسن الی من اساء

ترجمہ: برائی کی برائی سزا آسان ہے اگر تو جوانمرد ہے تو برائی کرنے والے کو اچھی جزا دے ۔

روحانی نسخے: حضرت ذوالنون رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم کی اور خلق خدا سے خیر خواہی کی اور نفس کے ساتھ مخالفت کی اور شیطان سے عداوت و دشمنی کی عادت بنا دے۔

(دیگر) سالک پر ضروری ہے کہ وہ خلق خدا سے خلقی اور نفس کو تکالیف و مصائب پر صبر کی تلقین کی عادت ڈالے تاکہ دوسرے

کامیاب ہونے والے حضرات کے ساتھ اسے بھی کامیابی نصیب ہو۔
حکایت : کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں نے ایک فقیر کو دیکھا کہ وہ مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ کے اردگرد طواف کرتا ہوا جیب سے چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا نکال کر دیکھ لیتا ہے پھر طواف کرتا ہوا باہر نکل جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا روزانہ معمول تھا۔ میں بھی ایک عرصہ تک اس کی حالت کو دیکھتا رہا۔ ایک دن حسب دستور طواف کرکے اس کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھا۔ اور مطاف سے ہٹ کر بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں وہاں پہنچا اور اس کے کاغذ کے ٹکڑے پر لکھے ہوئے کو دیکھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا اللہ تعالےٰ کے حکم پر صبر کیجئے کہ تم ہر وقت اپنے رب تعالےٰ کے سامنے ہو۔
حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی وصیت میں فرمایا کہ اگر تجھے اللہ تعالیٰ کو بالیقین راضی کرنے کی طاقت ہے تو خوب کوشش کرو ورنہ ہر دکھ اور تکلیف میں صبر کرنا بہت بڑی خیر و برکت ہے نیز مجاہدات میں نفس کو دبانا اور اس کی مخالفت کرنا شہوات و لذات کو ترک کرنا و فقر و فاقہ پر صابر و شاکر رہنا اور مکروہات پر صبر کرنا سلف صالحین نیک بخت اکابرین کے عادات میں سے ہے۔ اگرچہ نفس امارہ کے غلاموں سے ایسے بزرگوں کی بغض و عداوت کی علامات ظاہر ہوتی ہیں لیکن درحقیقت اس کا ضرر خود انہیں پر لوٹتا ہے اور نیک مرد کو جتنا اعتراضات اور غلطیوں کا نشان بنایا جائے گا اور وہ غلطیاں اس میں ہیں بھی نہیں تو اُسے ان اعتراضات کا اجر و ثواب نصیب ہوگا۔
ف : لوگوں کا برائی اور نیکی میں مختلف طریق سے ہونا بھی خیر و برکت ہے اس سے دلنا عبرت پکڑتا اور اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے۔
حرف آخر : اے نیک بختو۔ بدبختوں سے مت گھبراؤ۔ وہ صرف تمہیں طعن و تشنیع یا صرف نقصان پہنچانے کا نشانہ بنا سکتے ہیں اور بس۔ ورنہ اللہ سے ڈرنے والوں کی اللہ تعالیٰ خود حفاظت فرماتا ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع

ترجمہ: اور یاد کرو اے محبوب جب تم صبح کو اپنے دولت خانہ سے باہر آئے مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کرتے اور اللہ سنتا جانتا ہے جب تم میں سے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ بزدلی دکھائیں اور اللہ ان کے سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکر گزار ہو جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتے نازل کر کے ہاں کیوں نہیں۔ اگر تم صبر و تقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا اور یہ فتح اللہ نے نہ کی مگر تمہاری خوشی کے لیے اور اسی لیے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے اور مدد نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے اس لیے کہ کافروں کا ایک حصہ کاٹ دے یا انہیں ذلیل کرے کہ نامراد پھر جائیں یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ غَدَوْتَ:

اور اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے یاروں کو یاد دلائیے۔ جب تم صبح کے وقت نکلے تھے (غدوۃ) دن کے پہلے حصے کو کہتے ہیں۔ یعنی انہیں یاد دلاؤ کہ غزوہ احد میں تمہارے ساتھ کیا گزری جب کہ

تم نے بے صبری سے کام لیا۔ پھر جب تم نے سنبھل کر صبر اور تقوی کا دامن پکڑا تو پھر دیکھ لیا کہ کفار کا کوئی داؤ پیچ تمہیں نقصان نہ پہنچا سکا مِنْ اَھْلِكَ اپنے دولتکدہ سے یعنی مدینہ شریف میں بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مقدسہ سے۔ (رد شیعہ) ثابت ہوا کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا۔ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔ اس سے واضح ہوا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر قبیح فعل اور برائی اور جملہ عیوب سے بری اور طاہرہ و مطہرہ ہیں۔ تیسری اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر بی بی صاحبہ میں (معاذ اللہ) کچھ خامی ہوتی تو اللہ تعالیٰ فوراً اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ فرماتا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے سے کفر سرزد ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حتمی فیصلہ فرما دیا کہ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ اور لوط علیہ السلام کی اہلیہ مائل بہ کفر ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بھی واضح الفاظ میں اظہار فرما دیا۔ (لیکن بی بی کے بارے میں بجائے ایسے سخت کلمات کے اظہار کے جا بجا مدح و ثنا فرمائی تُبَوِّیْ الْمُؤْمِنِیْنَ آپ مومنین کو تیار کرتے تھے۔ یعنی آپ انہیں اتارتے تھے۔

مقاعد: جو مورچے تیار کئے گئے لِلْقِتَالِ جنگ کے لیے للقتال تبوی کے متعلق ہے۔ یعنی آپ وہ مورچے مراکز جنگ کی خاطر تیار کرتے تھے۔ اور المقاعد المقعد کی جمع ہے قعود کا اسم مکان ہے یہ ان مقامات سے عبارت ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور علیہ السلام نے رات گزارنے کے لیے متعین فرمایا تھا مقعد کو سعاً ایسے ہی استعمال کیا گیا ہے یا قطع نظر اس کے کہ مقعد بمعنے بیٹھنے کی جگہ ہے لیکن عرفاً وہ عام ہے کہ وہاں کوئی بیٹھے یا سوئے۔ مطلقاً قرارگاہ کا مراد ہوتی ہے جیسے فی مقعد صدق میں مطلقاً قرارگاہ مراد ہے یا اپنی حقیقی معنی پر مستعمل ہے کہ ہر صحابی کو اپنے اپنے مقام پر بیٹھنے کی تلقین کی گئی کہ یہاں بیٹھ کر دشمن کے تاک میں رہو کہ جب دشمن ان راہوں سے گزرے تو پھر وہ دوسروں مورچوں کو مطلع کریں۔ اور خود بھی اس وقت جنگ کے لیے کھڑے ہو جائیں اس بنا پر ان کو مقاعد سے تعبیر کیا گیا ہے

واقعہ غزوۂ احد

مروی ہے کہ مشرکین مکہ احد میں بدھ کے دن اترے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا اور عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کو بھی بلایا۔ اس سے قبل آپ نے اسے مشورہ کے لیے کبھی طلب نہیں فرمایا تھا۔ جب تمام جمع ہو گئے تو عبداللہ مذکور اور انصار نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مدینہ شریف میں ٹھہریں۔ احد میں تشریف نہ لیجائیں کیونکہ جب بھی ہم ان کے مقابلہ کے لیے گئے شکست کھا کر لوٹے ہیں۔ پھر آپ ان سے کیسے لڑ سکتے ہیں۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیئے۔ پھر اگر وہ وہاں ٹھہرے رہے تو نقصان اٹھائیں گے۔ اگر مدینہ میں داخل ہوں گے تو مدینہ شریف کے بچے عورتیں انہیں پتھر مار مار کر بھگا دیں گے۔ لیکن بعض حضرات عرض کرتے تھے کہ آپ ضرور چلئے ہم ان کتوں کا مقابلہ ضرور کریں گے۔ اگر ہم ان کے مقابلہ میں تیار نہ ہوئے تو وہ ہماری بزدلی پر محمول کریں گے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سامنے گائیں ذبح ہوئی پڑی ہیں۔ میں نے اس

سے یہ سمجھا ہے کہ ہمیں فتح و نصرت ہو گی۔ پھر میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار کی نوک ٹوٹ گئی ہے۔ اس سے شکست کا اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں نے اپنی زرہ کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا ہے اس سے یہ تعبیر معلوم ہوتی ہے کہ ہم مدینہ شریف واپس لوٹیں گے۔ اب تمہاری مرضی چاہو تو مدینہ شریف میں رہ جاؤ چاہو تو جنگ کی تیاری کر لو۔ اس پر چند ایک مسلمانوں (یعنی وہ لوگ جو بدر میں فتحیاب ہوئے اور دولت شہادت کے خواہاں تھے) (پھر بھی حضرت احد میں شہید ہوئے) نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ان دشمنوں کے مقابلہ میں جانے دیجئے تاکہ ہم بھی شہادت کی سعادت سے نوازیں جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام نصیب ہوں۔ یہ لوگ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کو جنگ کرنے کا بار بار عرض کرتے رہے۔ بالآخر حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے دولتکدہ میں تشریف لیجا کر زرہ پہنی یعنی جنگ کی تیاری فرمائی اور باہر تشریف لائے تو آپ پر جنگی لباس تھا۔ جب روکنے والوں نے دیکھا کہ آپ جنگ کی تیاری کر کے تشریف لائے ہیں تو اپنے کیے پر سخت شرمسار ہوئے اور کہنے لگے ہم نے غلطی کی ہم کون لگتے ہیں جو نبی علیہ السلام کو جنگ سے روکیں ان کے پاس وحی ربانی آتی ہے نادم ہو کر عرض کرنے لگے حضور علیہ السلام جیسے آپ چاہیں ہم حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا نبی (علیہ السلام) کی شان کے خلاف ہے کہ جب وہ جنگی لباس پہن لیں تو پھر وہ کسی مصلحت کے ماتحت اسے اتار دیں۔ جب تک جنگ نہیں کریں گے ہم اپنا لباس جنگی اتار نہیں سکتے۔

اُدھر مشرکین کو بدھ کے دن سے دو روز للکارتے گزر گئے۔ آپ نے اپنی تیاری کی اطلاع بھیج دی اور تیسرے روز جمعہ کے دن روانگی کا پروگرام بنا لیکن آپ جمعہ کی ادائیگی سے پہلے سفر کے لیے کہیں نہیں جاتے تھے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ اس کے بعد مدینہ میں ایک مسلمان فوت ہوا اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر ہفتہ کی صبح کو احد کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ پندرہ [۱۵] شوال ۳ھ کا دن تھا۔ آپ اپنی سواری پہ سوار ہوئے تھے اور وہاں پہنچ کر فوجیوں کی صفیں تیار فرمائیں اور صف بندی میں اتنا اہتمام فرمایا کہ اگر کسی کا معمولی سا سینہ صف سے آگے دیکھا تو فرمایا ذرا پیچھے ہٹ جاؤ۔ وادی کے کنارے اگلے اور آپ کی فوج اور ان کی پیٹھ احد کی جانب تھی۔ آپ نے تیراندازوں کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور انہیں فرمایا کہ تیروں کے ذریعے ہم سے دشمنوں کو ہٹاؤ۔ وہ تمہارے اس راہ سے ہمارے ہاں نہ پہنچ سکیں لیکن خبردار! تم اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ اگر وہ تمہیں دیکھ کر شکست کھا کر بھاگیں تو تم ان کا پیچھا نہ کرنا۔

آپ جب فوج کو لیکر احد میں پہنچے تو راستہ میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے مخالفت کی۔ آپ کو سخت صدمہ ہوا اور فرمایا کہ دیکھئے اس کے بچوں نے میری اطاعت کی لیکن وہ مخالفت کر رہا ہے طوعاً و کرہاً ساتھ چل پڑا۔

اس کے بعد آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ بیشک ہمیں دشمنوں پر فتح ہو گی اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھ لینا جب تمہارے دشمن تمہیں دیکھیں گے تو وہ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے پھر وہ تمہارے ہو کر رہیں گے۔ لیکن معاملہ برعکس ہوا۔ جب حق و باطل کا سامنا ہوا تو عبداللہ بن ابی سلول اپنے منافقین ساتھیوں کو لیکر بھاگ نکلا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میدان کارزار میں تشریف لائے تو اس وقت آپ کے پاس ایک ہزار سات [۱۹۵] سو فوجی تھے

لیکن عبداللہ بن ابی بن سلول تین ۳۰۰ سو کو لیکر نکل گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہتا تھا - ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اور بچوں کو اپنے ہاتھوں مروا ڈالیں - اس کے بعد ابو جابر سلمی اس کے پیچھے چلا اور کہنے لگا - میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم اپنے نبی علیہ السلام کو چھوڑ کر نہ جاؤ - عبداللہ بن ابی بن سلول نے جواب دیا اگر ہم جنگ میں بھلائی دیکھتے تو ساتھ رہتے - اس میں کسی قسم کی بھلائی نہیں اس لیے ہم جا رہے ہیں -

اس جنگ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ انصار کے دو قبیلے بھی تھے -

(۱) بنو سلمہ کا قبیلہ خزرج سے اور (۲) بنو حارثہ اوس سے یہ دونوں قبیلے حضور علیہ السلام کے لشکر کے دو پر تھے - اگر چہ یہ بھی عبداللہ بن ابی ابن سلول کے ساتھیوں سے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا اور جنگ کے لیے حضور علیہ السلام کے ساتھ چل پڑے - یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو فتح و نصرت ہوئی اور مشرکین شکست کھا گئے - جب مسلمانوں نے دیکھا کہ بدر کی طرح یہ بھی ہماری فتح و نصرت اور مشرکین کو شکست ہے تو بھاگنے والے (مشرکین) کے پیچھے پڑ گئے اور وہ مورچے چھوڑ گئے جہاں انہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرمایا اور تلقین فرمائی تھی کہ اس مرکز کو ہر گز نہ چھوڑنا لیکن وہ مراکز کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے - اور حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی کی مخالفت کی - اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انہیں اس غلطی کی سزا دے تاکہ آئندہ پھر ایسی غلطی نہ کر سکیں اور یہ بھی انہیں معلوم ہو کہ بدر میں بھی فتح و نصرت ان کی ہمت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی برکت سے ہوئی تھی - جب مسلمانوں نے مشرکین کا پیچھا کیا اور اپنے اپنے مراکز نہ سنبھال سکے تو کفار کے دلوں سے مسلمانوں کا رعب ہٹا لیا وہ اس وقت تین ہزار تھے یکبارگی مسلمانوں پر حملہ کر دیا - مسلمانوں کا لشکر تتر بتر ہو گیا - حضور علیہ السلام کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو قریشی رہ گئے باقی سب بھاگ گئے پھر کفار نے حضور علیہ السلام کی طرف رخ کیا تو آپ کے سر مبارک کو زخمی کیا اور آپ کے دانت مبارک بھی شہید ہوئے - اس وقت حضرت طلحہ نے حضور علیہ السلام کی حفاظت کی اور ثابت قدمی دکھائی آپ کو وہ اپنے ہاتھوں سے بچاتے رہے - یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں شل ہو گئیں حضور علیہ السلام کو جب زخم شدید پہنچے اور دانت مبارک بھی شہید ہوئے تو آپ پر غشی طاری ہو گئی - حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اٹھایا اور چل پڑے جہاں کوئی مشرک آپ کو تکلیف دینا چاہتا تو حضرت طلحہ آپ کو نیچے بٹھا کر ڈٹ کر مقابلہ کرتے پھر اٹھا کر چل پڑتے یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رو بصحت ہوئے اور فرمایا کہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اوپر بہشت واجب کر لی -

اس اثنا میں افواہ پھیل گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہید ہو گئے لشکر میں ایک انصاری تھا جن کی کنیت ابو سفیان تھی) اس نے بڑے زور سے نعرہ لگایا اور فرمایا لو دیکھو یہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں - یہ نعرہ سن کر انصار و مہاجرین کے دل بندھ گئے اور واپس ہوئے -

اس جنگ میں ۷۰ ستر مسلمان شہید ہو گئے - اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی بزرگیوں سے نوازا اور بڑے بڑے اکرام انعام

عنایت فرمائے۔ اس جنگ میں سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اور آپ کا مثلہ بھی اس جنگ میں ہوا اور بہت لوگ زخمی ہوئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مبارک ہو اُسے جو جنگ میں بھائی کے کام آیا اور اُسے مشرکین کے نرغہ سے بچایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شہداء اور زخمیوں کو اُن کے سامنے کردیا۔ اور ایسی مدد فرمائی کہ اہل اسلام کو فتح و نصرت ہوئی اور کفار و مشرکین شکست کھا گئے یہ تمام مضمون اِنْ تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئا سے مؤکد ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہوا وہ جنگ میں شریک رہا اور جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا وہ بھاگ گئے اللہ تعالیٰ سے عصمت کی توفیق کی دعا ہے وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اسے تمام علم ہے جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ سے جنگ کا مشورہ لیا۔ پھر بعضوں نے کہا کہ مدینہ سے باہر نہ جائیے اور بعض کہتے جنگ کرنی چاہیے۔ اس میں ہر ایک کا اپنا کوئی نہ کوئی مقصد تھا ان میں بعض منافقت سے کہہ رہے تھے اور بعض موافقت سے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی بات کو سُن رہا تھا جو وہ زبان سے کہتے تھے اور اسے علم تھا جو دل میں چھپاتے تھے۔

اِذْ هَمَّتْ یہ اِذْ غَدَوْتَ سے بدل ہے یاد دلانے کا جو اصلی مقصد تھا اسے یہاں بیان کیا گیا ہے یعنی یاد دلایئے جب کہ ارادہ کیا[1] اللھم بمعنی تعلق الخاطر بما لہ قدر طَآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اے مومنو! تم میں دو گروہوں نے (بنو سلمہ خزرج سے اور بنو حارثہ اوس سے) اَنْ تَفْشَلَا یہ کہ بزدل اور ضعیف ہو کر واپس لوٹیں چونکہ وہ بزعم خویش اس لوٹنے کو بہتری سمجھتے تھے۔ الفشل بمعنے الضعف۔ لیکن یاد رہے کہ اُن کا یہ ارادہ عزم بالجزم سے نہیں تھا۔ اور نہ ہی واپس لوٹنے کا وہ پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ بلکہ وسوسہ نفسانی تھا۔ جیسا کہ مصائب اور شدائد کے وقت عموماً نفس پر وارد ہوتے ہیں۔ پھر جب انسان اس کے برعکس ثابت قدم ہو جاتا ہے اور شدائد و مصائب کو سر پر اٹھانے کے لیے تُل جاتا ہے تو نفس سے وہ خیالات دفع ہو جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا کہ وہ ان خطرات و وساوس کے حملوں سے محفوظ ہو گئے یہ جملہ معترضہ ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ پر نہ کہ اس کے ماسوا پر فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ مؤمنین کو توکل کرنا چاہیئے اپنے تمام امور میں صرف اسی پر بھروسہ ہو۔ کیونکہ انہیں صرف وہی کافی ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ توکل کے اسباب و موجبات سے ایمان کو موصوف کیا جا سکتا ہے۔

ف: توکل بمعنے الاعتماد علی الغیر واظہار العجز۔ (غیر پر اعتماد کو ظاہر کرکے)

تفسیر صوفیانہ حضرت امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو جو شئے عارض ہو مکروہ یا آفت تو اسے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے دفع کرنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس سے بھی توکل کے ذریعے جزع و فزع کو دور رکھے۔

---

[1] دل کا اس سے متعلق ہونا جس کی اس کے ہاں قدر و منزلت ہے۔ ۱۲

توکل کی رفعتِ شان حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عبادت کے ابواب میں سے علم ایک ادنیٰ دروازہ ہے۔ پھر پرہیزگاری کے ابواب میں سے عبادۃ ادنیٰ دروازہ ہے پھر تمام تقویٰ وطہارت زہد ادنیٰ باب ہے پھر زہد توکل کے ابواب میں سے ادنیٰ باب ہے اور فرمایا کہ توکل کی تین علامت ہیں۔

۱۔ کسی سے سوال نہ کرے۔[لے]

۲۔ مل جائے تو رد نہ کرے۔

۳۔ جو بچ جائے اُسے ذخیرہ نہ بنائے۔

حکایت: حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ توکل میں مشہور تھے لیکن ہر وقت (۱) سوئی (۲) دھاگا (۳) لوٹا (۴) مقراض اپنے پاس رکھتے۔ کسی نے کہا حضرت آپ تو متوکل علی اللہ ہیں پھر ان چیزوں کو اپنے پاس رکھنے کا کیا معنیٰ۔ آپ نے فرمایا ان چیزوں کو اپنے پاس رکھنے میں توکل نہیں ٹوٹتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہمارے اوپر کچھ فرائض ہیں۔ مثلاً نماز کی ادائیگی اور فقیر کے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہوتا ہے اگر وہ کہیں پھٹ جائے اور سوئی تاگہ ساتھ نہ ہو اگر اسے نہ سیئے تو پھٹے کپڑے سے ستر عورت نہ رہے گا۔ جس سے نماز فاسد ہو جائے گی اس لیے اِن اشیاء کا ساتھ ہونا توکل کے خلاف نہیں بلکہ تکمیل عبادت کے لیے جائز ہے۔

حکایت: حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حج کو جا رہا تھا تو ایک کنوئیں میں گر پڑا۔ مجھے نفس نے کہا کہ فریاد کیجیے تاکہ کوئی تجھے نکال لے۔ لیکن میں نے توکل کے خلاف سمجھ کر نفس کی اس بات کو ٹال دیا۔ اس کے بعد چند آدمی کنوئیں کے اُوپر سے گزر رہے تھے۔ کنوئیں کے متعلق مشورہ کیا کہ کیوں نہ ہم اس کوئیں کو بند کر دیں تاکہ آئندہ کوئی بھی اس میں نہ گر سکے۔ میرے نفس نے کہا اب تو جان جاتی ہے فریاد کیجیے تاکہ تمہیں نکال لیا جائے۔ میں نے یہ بھی نفس کی شرارت سمجھ کر ٹال دیا۔ اور کہا انہیں کیوں کہوں جب میرا مالک مجھ سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہ کافی ہے نفس کی شرارت سے بچ کر میں آرام سے بیٹھ رہا۔ اچانک دیکھا کہ کنوئیں کے اُوپر سے پردے ہٹنے لگے اور کسی شئے کو دیکھا کہ اس کنوئیں کے اوپر بیٹھ کر اپنا پاؤں نیچے لٹکا دیا۔ گویا وہ مجھے کہہ رہی ہے کہ اس پاؤں کو پکڑ کر باہر آجائیں اس

لے اسی کو کسی نے فارسی میں یوں کہا کہ بہش کسے طمع مکن ۔ چوں آید منع مکن ، چوں پیش آید جمع مکن ۱۲ اویسی غفرلہ۔

شنئے کے پاؤں کو پکڑ کر باہر آیا تو دیکھا کہ وہ ایک خونخوار جانور تھا جو مجھے نکال کر کنویں سے چلتا بنا۔ اور مجھے ہاتف غیبی نے کہا ہم نے توکل کی برکت سے تجھے دو آفتوں سے بچالیا۔ ایک کنویں میں صبر کرنے پر دوسرے اس درندے کے شر سے۔

ف: بزرگوں کا فرمودہ ہے کہ جب انسان توکل کا دامن تھام لیتا ہے تو پھر اس کی منہ مانگی باتیں نئی دلہن بن کر اسے حاصل ہوتی ہیں۔

حکایت: سیدنا ابراہیم علی نبینا و علیہ السلام کو جب فلاخن کے ذریعے آگ کے شعلوں میں پھینکا جا رہا تھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہوکر عرض کی کہ کوئی ضرورت ہو تو بتائیے۔ آپ نے فرمایا ضرورت ہے لیکن تیرے بتانے کی نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے کی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا تو پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے۔ آپ نے فرمایا وہ میرے کہے بغیر میرے سوال کو خوب جانتا ہے فلہٰذا میں اسے بھی نہیں کہتا پھر توکل کی برکت ہوئی کہ نار گلزار بن گئی۔

قدسی حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسے میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے روکتا ہے تو میں اسے سائلین کے سوال سے بھی زیادہ دوں گا۔

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور اپنے جملہ امور اس کی طرف سپرد کرے اس لیے کہ اس کی قضاء و قدر کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی زور لگائے ؎

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد　　　وگر ناخدا جامہ برتن درد

ترجمہ: قضائے الٰہی کشتی جہاں چاہے لے جاتا ہے اگرچہ کشتیاں کپڑے پھاڑ ڈالے۔

ف: اے سالک تجھے اللہ تعالیٰ کی نگہداشت کافی ہے فلہٰذا اسباب سے نظر ہٹا کر صرف اس کی طرف نگاہ رکھے۔ کشادگی نصیب ہوگی تو صرف اسی ذات مفتح الابواب سے ؎

مکن سعدیا دیدہ بردست کس　　　کہ بخشندہ پروردگار ست بس

اگر حق پرستی ز در ہا بست　　　کہ گر دے براند نخواہد کست

ترجمہ: (۱) اے سعدی (رحمہ اللہ) کسی کا دست نگر نہ ہو اس لیے کہ بخشنے والا پروردگار کافی ہے۔

(۲) اگر تم حق پرست ہو تو تجھے ایک دروازہ کافی ہے اگر وہ ہٹا دے تو تجھے کوئی نہ چاہے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ۔

(اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدر میں مدد فرمائی)

ربط: ان باتوں کی یاد دہانی کرانا مقصود ہے کہ انہیں توکل نے فائدہ پہنچایا۔

ف: بدر ایک کنوئیں کا نام ہے جو مکہ شریف و مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے اسے ایک مرد نے کھودا جس کا نام بدر تھا اسی کے نام سے یہ کنواں مشہور ہو گیا۔ غزوہ بدر ۱۷ رمضان ۲ھ میں پیش آیا۔ وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اور تم کمزور تھے یہ کم ضمیر سے حال ہے اور اَذِلَّة ذلیل کی جمع ذلت ہے (جمع کثرت کے صیغہ پر یعنی دلائل) نہیں فرمایا کہ معلوم ہو کہ وہ گنتی کے لحاظ سے بہت تھوڑے تھے۔ علاوہ ازیں پھر ضعف الحال وقلۃ السلاح والمال اور سواریوں کی کمی کے لحاظ سے بھی نہایت کم درجہ تھے کہ جب وہ غزوہ بدر کے لیے گھر سے نکلے تو ان کے پاس معمولی چند سواریاں تھیں چنانچہ وہ باری باری سوار ہوتے رہے اور صرف ایک گھوڑا حضرت مقداد بن الاسود کا تھا یہی وہ پہلا گھوڑا ہے جس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ لڑی گئی اور ستر اونٹ اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور کل تین سو تیرہ نفوس مقدسہ تھے ان میں ۷۷ مہاجرین اور باقی انصاری تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور ان کے بالمقابل دشمنوں کی حالت کا اندازہ لگائیے کہ ان کے ایک ہزار جنگی فوجی تھے۔ اُن کے ساتھ ایک سو گھوڑا اور پھر ساز و سامان کا کیا کہنا۔ اس غزوہ بدر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دستِ پاک میں اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا فَاتَّقُوا اللّٰهَ بس اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہو۔ جیسے تم نے غزوہ بدر میں خوفِ خدا دل میں رکھ کر ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ امید بھی وابستہ رکھو کہ تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ جس سے تمہیں شکر گزار ہونا ہوگا۔

اِذْ تَقُوْلُ یہ نصرکم کا ظرف ہے (یعنی یاد کرو اُس وقت کو جب تم کہتے تھے۔ لِلْمُؤْمِنِيْنَ مومنین کو جب انہوں نے جنگ کرنے پر عاجزی کا اظہار کیا۔ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ کیا تمہیں یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ۔

حل لغات: الکفایہ بمعنیٰ کمی پوری کرنا کسی کے معاملہ کا مکمل انتظام کرنا بمعنے لشکر کے ذریعے مدد کرنا آپ آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا تمہیں انکار ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مقدار پر تمہاری مدد نہیں فرمائے گا۔ اور کلمہ اَلَنْ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ اپنے ضعف وقلت اور دشمنوں کی قوت وکثرت کے پیش نظر بالکل ناامید ہو چکے تھے۔ مُنْزَلِيْنَ تم اس حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ آسمان سے اُتر رہے تھے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتہ بھیج کر مدد فرمائی پھر تین ہزار ہو گئے اس کے بعد پانچ ہزار۔

نکتہ: ملائکہ کے نزول کے وعدہ کو پہلے بیان کرنے میں یہ حکمت ہے کہ خوش خبری سن کر اُن کے دل مضبوط ہو جائیں اور ثابت قدمی کا عزم بالجزم کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد سے قوت پالیں۔ بَلٰٓی یہ لفظ اُن کے مابعد کے لیے ایجاب اور اس کے مضمون کی تحقیق کے لیے ہے۔ یعنی ہاں وہ تمہاری کفایت کرے گا۔ پھر اُن سے زائد کا وعدہ فرمایا ہے بشرطیکہ وہ لوگ

صبر کریں اور تقویٰ کا دامن تھامیں۔ صبر و تقویٰ پر برانگیختہ کرنے اور ان کے دِل مضبوط کرنے پر فرمایا اِنْ تَصْبِرُوْا اگر تم دشمنوں کے ملنے اور ان کے مقابلہ کے وقت صبر کرو گے۔ وَتَتَّقُوْا اور اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے ڈرو گے۔ وَیَاْتُوْکُمْ اور تمہارے پاس مشرکین آئیں گے مِنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا اس گھڑی میں یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ تو تمہارا رب تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا۔ جب وہ کفار تمہارے ہاں آئیں گے تو پانچ ہزار فرشتے اسی وقت نازل ہو جائیں گے اس کی مراد یہ ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ جلد از جلد فتحیاب فرمائے گا۔ اور فتح یابی تمہارے لیے آسان ہو جائیں گی۔ بشرطیکہ تم نے صبر کیا اور پرہیزگاری کی مُسَوِّمِیْنَ۔ تسویم سے مشتق ہے بمعنے شئے کی علامت کو ظاہر کرنا یعنی وہ فرشتے اپنے نفسوں کو نمایاں کر کے یا اپنی سواریوں کی علامت کے ساتھ آئیں گے کہ اُن کے گھوڑوں کے کانوں اور پیشانیوں میں سفید داغ ہوں گے۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا۔ علامت بناؤ۔ اس لیے کہ فرشتے بھی اپنی ایک علامت سے آئے ہیں۔

حدیث شریف نمبر (۲): مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس دن ملائکہ کے سروں پہ سفید پگڑیاں تھیں سوائے حضرت جبریل السلام کے کہ اُن کے سر پر زرد رنگ کی پگڑی تھی۔ حضرت زبیر بن العوام کی پگڑی باندھ کر اور ابلق گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اس سے ان کا حضرت مقداد اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اعزاز و اکرام مطلوب تھا۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے یعنی فَاَمَدَّکُمْ اور اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعہ کھلم کھلا مدد فرمائی۔ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ مگر تمہارے خوش کرنے کے لیے وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ بِهٖ اور امداد سے تمہارے دل سکون پکڑیں۔ جیسے نزول سکینہ بنی اسرائیل کے قلوب کے لیے سکون کا سبب بناؤ۔ مَا النَّصْرُ اور نہیں ہونے والی تھی مدد اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ کہ سازو سامان سے اور نہ ہی لشکر کی کثرت سے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ مدد دینے کے لیے کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی سبب بنایا گیا ہے تو وہ تمہارے خوش کرنے کے لیے ہے تاکہ تمہارے دِل مضبوط ہو جائیں یعنی اسباب اس لیے بنائے گئے کہ عوام کے دِل اسباب دیکھ کر ہی خوش ہوتے ہیں مومن کو چاہیے کہ کسی سبب پر سہارا نہ کرے اللہ تعالیٰ کی مدد بغیر کسی سبب کے بھی پہنچ سکتی ہے۔

اَلْعَزِیْزُ غالب ہے کہ اس کے حکم اور فیصلہ پر کسی کو غلبہ نہیں ہو سکتا اَلْحَکِیْمُ حکمت والا ہے اس کا ہر کام مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔ لِیَقْطَعَ یہ نصرکم سے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں تمہاری اس لیے مدد فرمائی تاکہ ہلاک کر دے اور گھٹا دے طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کفار کے ایک گروہ کو قتل کر کے یا قید کر کے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ اُس دن اُن کے ستر بڑے سردار پچھاڑے گئے اور ستر قیدی ہوئے اَوْ یَکْبِتَهُمْ یا انہیں ذلیل و خوار کر کے یعنی انہیں رسوا کر دے اور شکست دے کر غیظ و غضب میں جلا دے اس لیے کہ الکبت شدۃ غیظ کو کہتے ہیں یا وہ بزدلی کہ دل میں واقع

ہو یہ کبتہ سے مشتق ہے بمنے کبدہ یعنی غیظ و غضب اور دل کی جلن سے سینہ کوبی کرنا۔ یہاں پر لفظ او تنویعیہ ہے نہ کہ تردیدیہ فَيَنقَلِبُوا خَآئِبِينَ پس گھاٹا پانے والے ہو جائیں گے۔ یعنی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوں گے اور شکست کھا کر اپنی تمام آرزوؤں سے ناامید ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ الخیبۃ بمعنے الحرمان من المطلوب ہے الخیبۃ والیاس میں یہی فرق ہے کہ خیبہ صرف توقع کے بعد ہی ہوتی ہے اور یاس عام ہے کہ کبھی توقع سے پہلے اس لیے کہ الیاس کی نقیض الرجاء اور الخیبۃ کی نقیض الظفر آتی ہے۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ یہ جملہ معترضہ ہے تمہارے لیے کسی قسم کا (ذاتی) اختیار نہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ اس کا عطف او یکبتہم پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی علی الاطلاق جملہ امور کا خود مالک ہے ذلیل و خوار کرے تو مالک ہے ان کی توبہ قبول کرے تو بھی مالک ہے۔ اگر مسلمان ہو جائیں یا انہیں آخرت کا سخت سے سخت عذاب پہنچائے۔ اگر گناہوں پر اصرار کریں آپ کا (ذاتی طور) اس میں کسی قسم کا دخل نہیں۔ بیشک آپ تو اس کے پیارے عبد مقدس ہیں۔ آپ تو صرف انہیں ڈرانے کے لیے یا پھر جہاد کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ بیشک وہ ظالم ہیں۔ وہ اپنے ظلم کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوئے ہیں وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ پیدائش اور ملکیت کے لحاظ سے جتنے موجودات ہیں آسمانوں یا زمینوں میں سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اس کے سوا (ذاتی طور) کسی کو بھی دخل نہیں۔ تمام امور اسی کے ہیں يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ (بخشتا ہے جسے چاہتا ہے) یعنی جسے بخشنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے اور اس کی مشیت ہزاروں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتی ہے وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ اور جسے عذاب دینا چاہتا ہے تو اسے عذاب دیتا ہے مغفرت کو عذاب پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ اس کی رحمت و مغفرت اس کے غضب سے سابق ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اس بندے پر کسی قسم کا عذاب نہیں جو توبہ کر کے مرے جو توبہ کے بغیر مرے تو اسے لازماً عذاب ہوگا وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ یعنی اپنے بندوں کو بخش دیتا ہے۔

مسئلہ: اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل مبنی بر حکمت و مصلحت ہوتا ہے لیکن اس کی رحمت و مغفرت کو غلبہ حاصل ہے۔ وہ بھی علی سبیل الوجوب نہیں بلکہ علی سبیل الفضل والاحسان ہے۔

سبق سمجھدار انسان کو چاہیے کہ وہ ایسے ایمان و اعمال کے لیے جدوجہد کرے کہ جن سے اللہ تعالےٰ کی رحمت کا مستحق ہو جائے۔ ویسے بھی اللہ تعالےٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس لیے کہ اس کی رحمت سے صرف کفار ہی ناامید ہوتے ہیں۔

حکایت: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد (علیہ السلام) آپ گنہگاروں کو خوشخبری دیں اور نیک لوگوں کو ڈرائیں۔ عرض کی اے اللہ العالمین یہ الٹی چال کیوں۔ گنہگاروں کو ڈرایا جاتا ہے نہ کہ خوشخبری سنائی جاتی ہے اس طرح نیک لوگوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے نہ کہ انہیں ڈرایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گنہگاروں کو اس لیے خوشخبری

سنائی جائے تاکہ انہیں معلوم ہو میرے ہاں کوئی مشکل امر نہیں ۔ کتنا بڑا گناہ کیوں نہ ہو تب بھی میں بخش دیتا ہوں۔ اور نیک لوگوں کو اس لیے ڈراؤ کہ وہ اپنے نیک اعمال کے گھمنڈ میں نہ رہیں ۔ ہاں جب کسی کے ساتھ عدل وانصاف کی ترازو رکھتا ہوں یا حساب کتاب کرتا ہوں تو سمجھ لینا کہ وہ ہلاک و برباد ہوا ۔

حدیث شریف : ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گریہ فرما رہے ہیں ۔ عرض کی یا حضرت ! یہ رونا کیسا ۔ آپ نے فرمایا ابھی میرے ہاں جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اس بندے سے شرم آتی ہے جو اسلام میں بوڑھا ہوا پھر اُسے بھی اللہ تعالیٰ سے شرم کرنی چاہیے کہ ایسے کریم کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے ۔

سبق : بوڑھے بابا کو چاہیے کہ اس کرامت کو سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور اس بڑھاپے میں اپنے کریم اور کراماً کاتبین سے حیا کرتے ہوئے گناہ سے بچے ۔ بلکہ اپنے مالک کی اطاعت و فرمانبرداری میں وقت بسر کرے اس لیے کہ اب اُس نے قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں ۔

حکایت : مروی ہے کہ حجاج بن یوسف (ظالم) جب عراق پر مسلط ہوا تو اہالیان عراق کو ڈرا دھمکا کر اپنا پورا تسلط جما لیا۔ لیکن چند دنوں کے بعد اس پر عبدالرحمٰن بن اشعث نے اہل عراق سے مل کر حملہ کر دیا ۔ حجاج کی امداد کے لیے عبدالملک بن مروان نے علاقہ شام سے کافی لشکر بھیجا ۔ حجاج اور عبدالرحمٰن بن اشعث کے درمیان صرف چھ ماہ میں اسّی جنگیں ہوئی بالآخر دیرالجماجم میں عبدالرحمٰن بن اشعث شکست کھا کر بھاگ نکلا ۔ اس کے ساتھ دو لاکھ سے بھی زائد لشکری تھے لیکن شکست ہو گئی ۔ اس پر حجاج نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کا پیچھا مت کرو ۔ جہاں چاہیں جانے دو ۔ اس حکم کے جاری کرنے کے بعد کہا کہ بھاگنے والوں کو یہ بھی سُنا دو کہ جو ہمارے ہاں آجائے اُسے امان ہے اور نہایت عافیت و سلامتی کے ساتھ اُسے کوفے جانے کی اجازت ہو گی ۔ چنانچہ جب یہ اعلان ہوا تو بھاگنے والوں سے کثیر التعداد لوگ واپس ہو کر حجاج بن یوسف کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگے ۔ جب بھی کوئی اُس کے ہاتھ پر بیعت کرتا تو اسے کہلواتا کہ اپنے لیے کفر کی گواہی دے ۔ اس کے بعد تائب ہو جا کوئی اُس کی بات مان لیتا تو اُسے چھوڑ دیتا ۔ ورنہ قتل کر دیتا ۔ اندریں اثناء خشعم قبیلے کا ایک بوڑھا اس کے پاس لایا گیا ۔ حجاج نے اس سے یہی الفاظ کہلوانے چاہے ۔ لیکن اس نے دلیری کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اپنے رب کی بندگی کرتے ہوئے اسّی سال گزر گئے اب میں موت کا انتظار کر رہا ہوں آخری دم کفر کر کے میں لعنت کا طوق گلے میں ڈالنا نہیں چاہتا ۔ تھوڑی سی لالچ میں اگر میں خدا تعالیٰ کا باغی بن جاؤں تو پھر میرے بندے ہونے پر حیف ہے ۔ میری عمر کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے ۔ مجھے کفر بکنا منظور نہیں ۔ حجاج نے کہا اس بوڑھے کی گردن اُڑا دو ۔ چنانچہ اُسے اسی وقت موت کے گھاٹ اتارا گیا ۔ اس کے بعد دوسرے بوڑھے بابا کو لایا گیا ۔ اس کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ یہ بھی پہلے بوڑھے بابا کی طرح اپنے ایمان پر استقلال دکھائے گا ۔ لیکن اس بوڑھے بابا کو جب کفر

- بکنے کے لیے کہا گیا۔ تو اُس نے کہا اے حجاج میں اپنے نفس کی شرارتوں کو خوب جانتا ہوں لیکن سُن لو کہ میں تو فرعون و ہامان سے بڑا کافر ہوں۔ اس پر حجاج خوب ہنسا اور کہا اس بوڑھے بابا کو چھوڑ دو۔

سبق غور کیجئے کہ اس بوڑھے بابا نے ضعفِ ایمانی پر کمال کر دیا۔ حالانکہ اب اس کے پاس بڑھاپے میں موت کے سوا باقی کیا رکھا تھا۔ لیکن اتنی زندگی بسر کرنے کے باوجود بھی ایمان کو ہاتھ سے دیکر جان بچانے کی کوشش کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

تفسیر صوفیانہ سالک کو لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کو ایمان پہ مطمئن رکھے اور کوشش کرے کہ مقام یقین تک پہنچ جائے پھر قوتِ یقین کی منزل طے کرتے ہوئے مقام توحید تک پہنچے۔ مقام توحید یہ ہے کہ تمام اشیاء کو مسبب الاسباب سے سمجھے اور ان اسباب اور وسائل کو اُس کے تابع مانے اور اس میں شک نہیں کہ قوتِ یقین کدورات نفس کو صاف کر کے قلب کو بخشتی ہے۔

چو پاک آفریدت بہش باش و پاک — کہ ننگست ناپاک رفتن نجاک

پیاپے بیفشاں از آئینے گرد — کہ صیقل نہ گیرد چوں زنگار خورد

ترجمہ: ۱۔ جب تجھے اللہ تعالیٰ نے پاک پیدا فرمایا ہے فلہذا ہوش کے ساتھ اور پاک ہو کر زندگی بسر کر اس لیے کہ ناپاک قبر میں جانا ننگ اور عار ہے۔

۲۔ پے در پے لوہے سے گرد و غبار صاف کیجئے اس لیے کہ اس لوہے کی صفائی نہیں ہوتی جب اس پر زنگ غالب ہو جائے۔

روحانی نسخے: قلب کا جلا تین چیزوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ ذکر اللہ تعالیٰ۔ ۲۔ تلاوۃ القرآن۔

۳۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنا۔ اور تمام اذکار سے بہتر ذکر کلمہ توحید ہے۔ دراصل یہی عروہ وثقیٰ ہے۔

دیگر: حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ نے فرمایا کہ بیمار قلب کا علاج پانچ چیزوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ تلاوۃ القرآن لیکن تدبر کے ساتھ۔ ۲۔ پیٹ کو طعام سے خالی رکھنے سے۔ ۳۔ رات کو نوافل کا قیام۔

۴۔ سحر کے وقت تضرع الی اللہ تعالیٰ۔

۵۔ نیک بخت لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا۔

سبق: اے سالک انہی عادات پر مواظبت کرو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ذوالجلال والاکرام کے فضل و کرم سے تمہیں مقام تزکیہ اور درجۂ کمال نصیب ہو جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۚ○ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ○ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ○ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ
الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ○ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ
الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ○ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا
فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ
الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ
جَزَاۗؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ
وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۭ○ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ
لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اِنْ
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ
النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ
الظّٰلِمِيْنَ ۙ○ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ○ اَمْ حَسِبْتُمْ
اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○
وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ
تَنْظُرُوْنَ ○ ع

ترجمہ:

اے ایمان والو سود کئی گنا زائد نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے اور اس
آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کر رکھی ہے اور اللہ اور رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم
کئے جاؤ اور اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان

اور زمین آجائیں پرہیزگاروں کے لیے تیار رکھی ہے وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور اللہ کے سوا گناہ کون بخشے اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں ایسوں کو بدلہ ان کے رب کی بخشش اور جنتیں ہیں ان کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور نیک کام والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آچکے ہیں تو زمین میں چل کر دیکھو۔ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہے اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تم غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں اور اس لیے کہ پہچان کرادے ایمان والوں کی اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لیئے کہ اللہ مسلمانوں کو نکھار دے اور کافروں کو مٹا دے کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی اور تم تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس کے ملنے سے پہلے تو اب وہ تمہیں نظر آئی آنکھوں کے سامنے۔

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا۔ اے ایمان والو سود نہ کھاؤ۔ یہاں پر نہ کھانے سے۔ سود نہ لو مراد ہے اخذ کو کل سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انسانی ضروریات میں مہتم بالشان کھانا ہے۔ علاوہ ازیں سودی کاروبار زیادہ تر کھانے پینے کے لیے چلتا ہے پھر کھانے کی باتوں میں ہی زیادہ ملامت پڑتی ہے اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً (زیادہ سے زیادہ) یعنی زیادات مکررہ کرکے۔ زمانۂ جاہلیت میں مرض عام تھا کہ کسی کے اگر کسی پر سو درہم میعاد مقرر تک قرض ہوتا تو قرضدار اس مدت تک ادا نہ کرسکتا تو قرضخواہ کہتا کہ جتنی میعاد تک قرض ادا نہ کرے گا اتنی مقدار قرض بڑھتا رہے گا۔ کبھی سو درہم کی بجائے دو سو درہم تک نوبت پہنچ جاتی۔ اس میعاد تک بھی ادائیگی نہ ہوتی تو پھر اور مقدار بڑھا دی جاتی یہاں تک کہ ایک سینکڑے کی بجائے کئی سینکڑے وصول کیے جاتے۔

ف: اضعاف ضِعف کی جمع ہے۔ الربوا سے حال ہے مضاعفہ اسم مفعول ہے نہ کہ مصدر اور یہ حال نہی ربوا کے لیے قید نہیں کہ اس سے ربوا کی حرمت ختم ہو جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس برے فعل سے روکا گیا ہے اس سے پورے طور رک جائیں گویا اس سے انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے وَاتَّقُوا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو) کہ جس سے کہ تمہیں روکا گیا ہے۔ خصوصاً سودی کاروبار اور اس کے متعلقات لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) یعنی اس عمل سے رک جانے سے

فلاح کی امید رکھو۔ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۔ (اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے) یعنی اُن کی نابعداری سے کنارہ کشی کرو۔ اور ان کے کردار سے بچو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ بالذات نار کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور بالتبع گنہگاروں کے لیے۔

نکتہ: سیدنا ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ قرآن میں سب سے زیادہ یہی آیت زیادہ خوف والی ہے کہ اس میں نار سے مؤمنین کو ڈرایا گیا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تمام اُن امور میں جن سے اس نے تمہیں روکا ہے اور جن کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے وَ الرَّسُوْلَ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو جو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر و نواہی کے پیغامات لائے ہیں لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدوار ہو جاؤ۔

مسئلہ: لعل و عسیٰ اور ان جیسے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی خبر سے اُن کے اسماء کی عزت افزائی مطلوب ہے۔

نکتہ: جناب قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سودی کاروبار کرنے والے کی تہدید میں سخت مبالغہ کیا گیا ہے کہ فلاح کی امید دلائی ہے ہر اُس شخص کو جو ربا سے بچتا اور کنارہ کش رہتا ہے اس سے خود بخود واضح ہوتا ہے کہ ہر اس شخص کے لیے فلاح ممتنع ہے جو سودی کاروبار سے نہیں بچتا اور نہ اس سے کنارہ کش رہتا ہے اس سے خود بخود واضح ہوتا ہے کہ یہ اس شخص کیلئے فلاح ممتنع ہے جو سودی کاروبار سے نہیں بچتا اور نہ اس سے کنارہ کش ہے۔ اگر دولتِ ایمان بھی پاس رکھتا ہو۔ اس کے بعد انہیں اس جہنم کا ڈر سنایا گیا ہے جو صرف کافروں کے لیے تیار کی گئی اس سے شدید ترین اور کونسی مصیبت ہوگی جو آگ کافروں کیلئے تیار کی گئی تھی وہ بدعمل اہل ایمان پر استعمال کی جائے۔ اور سخت سے سخت تغلیظ سنائی گئی ہے۔ ایسے بدعمل لوگوں کو جو سودی کاروبار کرتے ہیں

ربط: اس کے بعد اسے طاعۃ اللہ اور طاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملایا گیا ہے تاکہ یقین ہو جائے کہ سود کھانے والے گناہوں میں ایسے منہمک ہیں کہ اُن کے لیے طاعتِ الٰہی کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر مؤمنین کی امید طاعت اللہ تعالیٰ و طاعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ مؤمن ہو کر ایسے گناہ میں مبتلا ہے تو اُسے یقین کر لینا چاہیئے کہ اسے رحمتِ الٰہی ہرگز نصیب نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ ایسے گناہ کے مبتلا ہونے والے کو رحمت سے محروم رکھا گیا ہے۔

اشتباہ: غور کیجئے کہ تغلیظ و تہدید کو ملا کر اشارہ کیا گیا ہے کہ سودی کاروبار کرنے والے سزا و عقاب میں کفار کے شریک کار ہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کی گواہی دینے والے اور سودی امور لکھنے والے اور اسے حلال سمجھنے والے پر۔

سود کسے کہتے ہیں: مال پر وہ زیادتی طلب کرنا جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ یہ دو قسم کا ہے۔

اُدہار کے طور

۲۔ اصل مال سے زائد لینا۔

ادھار کے طور کو تو اہل جاہلیت کے ہاں رواج تھا اور اسے عام طور اپنے میں جاری رکھتے تھے۔ اس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے اور اصل مال سے زائد لینے کی صورت یہ ہے کہ جنس کے مقابلہ میں اسی جنس کو نقد اور زائد وصول کر لینا۔ مثلاً ایک من گندم کے عوض نقد اسی جنس کے دو من گندم وصول کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان ہر دونوں قسموں کی حرمت پر جمہور علماء نے اتفاق کیا ہے۔

نکتہ: سودی کاروبار بندے کو ذخیرہ اندوزی اور دُنیا سمیٹنے پر حریص بنا دیتا ہے اور اس سے ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ جس کا کوئی انتہا نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے لیے دو وادیاں سونے کی ہوں تو وہ تیسری وادی کی تلاش میں مارا مارا پھیرے گا۔ اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی پُر کرے گا۔

ف: حرص جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ اور نارِ جہنم سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

قناعت کن اے نفس بداندکے   که سلطان و درویش بینی یکے

ترجمہ: اے نفس بد تھوڑے پر قناعت کر کہ تیری نظر میں سلطان اور درویش (فقیر) برابر ہو۔

دُنیا کے حصول اور اس کی کوشش اور اسے جمع کرنے کا حرص بہرحال مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا ہے ہاں دنیا کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنا اور اسے ترک کرنا اور قناعت بہرحال اچھا عمل ہے۔ اور اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم بھی فرمایا ہے چنانچہ فرمایا[1] يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔

مسئلہ: جو شخص صرف ذخیرہ اندوزی کی نیت پر بلا ضرورت سود حاصل کرتا ہے اس کا اتنا گناہ ہے جیسے اس نے اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا۔ (نعوذ باللہ)

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ سود کے ستر گناہ لکھے جائیں گے ان میں سب سے چھوٹا گناہ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو کر اپنی ماں سے زنا کرے (تنبیہ الغافلین)۔

مسئلہ: اگر شرعی طریقہ سے کوئی طریقہ جواز کا ملے اور اس طریقہ سے سودی کاروبار کرے تو جائز ہے۔ لیکن تقویٰ فتویٰ پر غالب ہے۔ ہاں حیلہ شرعی بھی بوقت ضرورت جائز ہوتا ہے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے سود کو بے برکت بناتا ہے اور صدقات میں برکت بخشتا ہے۔

سود اور حیلہ شرعی[1] قاضی خاں نے ذکر فرمایا ہے کہ کسی پر کسی کے دس درہم قرض ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ اس سے تیرہ درہم وصول کرے تو فقہا نے اس کے لیے ایک طریقہ بتایا ہے وہ یہ کہ قرضدار اپنے قرضخواہ سے کوئی چیز دس درہم میں خرید لے اور وہ اس کو قبضہ میں بھی لے لے پھر وہی شئے اپنے قرضخواہ کے ہاتھوں تیرہ درہم میں سال کی مہلت دیکر بیچ ڈالے۔ اس طریق سے حرام کے ارتکاب سے بچ جائے گا۔ اسی طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی قرض لینے کا محتاج ہے لیکن جس سے قرضہ لیتا ہے وہ سود کے بغیر قرضہ نہیں دیتا۔ اس کا گناہ سود لینے والے کو ہوگا نہ کہ دینے والے کو۔

ف: اس لیے کہ اس غریب کو تو ضرورت ہے اس لیے وہ اپنی محتاجی کی وجہ سے معذور ہے۔ یہ بھی اس وقت ہے جب سود لینے والا دولتمند ہو جیسے بیان ہوا۔ لیکن نیک بخت ایسے معاملات سے دور رہتا ہے۔

سود کے نقصانات سود مومن کے ایمان کو نقصان دیتا ہے اگرچہ بظاہر اس سے مال میں اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں مال میں خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والے آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ سود کھانے والے پر لعنت برستی رہتی ہے اور نیک لوگ اسے بد دعا کرتے ہیں اور یہی وہ ایسی باتیں ہیں کہ جن کے سبب سے مال سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے نہ صرف اس کے مال سے بلکہ اس کی عزت و حرمت بھی گھٹ جاتی ہے اور لوگوں کی نظروں میں وہ گر جاتا ہے اور الٹا اس کی مذمت ہوتی رہتی ہے اور اس کا دل سخت سیاہ اور کھوٹا ہو جاتا ہے۔ سود خوار کی کوئی خیرات قبول نہیں ہوتی بلکہ ہر نیکی یہاں تک کہ جہاد اور نماز جیسے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا بہشت میں فقرا اغنیا سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے۔

انتباہ: جب یہ دولت مند ہوگا جس نے دولت حلال مال سے حاصل کی ہو گی پھر اس کا کیا حال ہوگا جس نے دولت حرام مال سے دولت جمع کی ہو۔

ف: ہر وہ بندہ جو فقر و فاقہ کے باوجود اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے بندوں سے احسان و مروت کرتا ہے تو وہ کریم ایسے بندے کو دنیا میں کب بھوکا اور ضائع چھوڑے گا۔ ہر روز اس کی عزت افزائی فرمائے گا۔ اور دنیا والوں کی نظروں میں شان بلند اور نیک شہرت ہوگی اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت و عظمت گھر کر جائیں گی۔ اگر اس کے برعکس معاملہ ہو تو اسے دنیا و آخرت میں دکھ اور تکلیف ہوگی اور برے اعمال سے مرتے وقت خاتمہ برباد ہوگا۔ اور ایسا آدمی

---

[1] یہ حیلہ شرعی پڑھ کر اس کے بعد والی حدیث شریف ضرور پڑھیں ۱۲۔ اویسی غفرلہ۔

کفار کی طرح ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)

مسئلہ: سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ابوبکر وراق رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے بسا اوقات انسان کا موت کے وقت ایمان صحیح نہیں رہتا۔ بالخصوص ظالم کا ایمان موت کے وقت بہت جلد چھن جاتا ہے۔

سبق: اے مومنو اللہ سے ڈرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اموال لوٹ کر ان پر ناحق ظلم نہ کرو۔ اس لیے کہ یہ بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو برے خاتمہ سے بچائے۔

تفسیر عالمانہ

وَسَارِعُوْٓا - اور جلدی کرو اِلٰى مَغْفِرَةٍ مغفرت کی طرف مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ اپنے رب سے اور جنت کی طرف یعنی ایسے اعمال کی طرف عجلت کرو جو تمہیں مغفرت و جنت کے مستحق بنا دیں۔ مثلاً اسلام و توبہ و اخلاص اور اداء الواجبات و ترک المنکرات عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وہ بہشت کہ جس کی چوڑائی ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ہیں۔ یہ جملہ جنت کی صفت ہے اور چوڑائی کا بیان مبالغہ کے طور سے اور یہ بطریق تمثیل کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ عرض طول سے ادنیٰ ہوتا ہے۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے یہ جنت کی دوسری صفت ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہشت اب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے لیکن وہ اس عالم سے خارج ہے پہلے مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ اُسے صیغۂ ماضی سے ذکر کیا گیا ہے دوسرے مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ جس شئے کا عرض یہی عالم ہے تو لازماً وہ اس عالم سے خارج ہو۔

حکایت: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہرقل کا قاصد حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ ہمیں اُس بہشت کی دعوت دیتے ہیں جس کا عرض چودہ طبق ہیں تو پھر جہنم کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا۔ سبحانہ اللہ جب دن آتا ہے تو بتائیے رات کہاں چلی جاتی ہے۔

نکتہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دورِ فلک سے عالم کے کنارے دن ہے تو دوسرے کنارے رات واقع ہے اسی طرح چودہ طبقات کی بلندی کے کنارے بہشت ہے تو نیچے کے کنارے جہنم ہے اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ وہ جو خرچ کرتے ہیں۔ انفاق سے ہر وہ چیزیں مراد ہیں جو خرچ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور یہ متقین کے لیے صفت مادحہ ہے وَالسَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ - سکھ راحت اور رنج یعنی غناء و فقر اور نرمی و سختی کی حالتوں بلکہ تمام حالات میں کیونکہ انسان خوشی اور رنج سے خالی نہیں رہ سکتا۔ یعنی ہر حال میں جتنا اللہ تعالیٰ قدرت فرمائے۔ قلیل یا کثیر خرچ کرنے سے خالی نہ رہیں وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ بمعنی حبس الغیظ غضب سے قلب کی حرارت کا بھڑک اٹھنا یعنی غصے کو روکنے والے۔ باوجودیکہ اس کو جاری کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن اسے جاری نہیں کرتے وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ المحسنین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی بر ہیں۔ اور ان کے فضائل مکمل ہو چکے ہیں اور المحسنین کی لام جنس کی ہے اس میں مذکور لوگ بھی داخل ہو گئے۔ اگر لام عہد کا ہو تو اس سے صرف یہی لوگ مراد ہوں گے جو مذکور ہوئے۔

خلاصۃ التفسیر: کسی پر احسان کرنا دو قسم ہوتا ہے۔

۱ کسی کو نفع پہنچانا۔

۲۔ کسی سے ضرر دفع کرنا۔

نفع پہنچانا آیت اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ میں مراد ہے۔ اس میں جہلاء کو تعلیم دینے کا خرچ کرنا بھی داخل ہے کہ کوئی شخص جہلاء کے پڑھانے اور انہیں ہدایت دینے میں مصروف ہو تو وہ بھی خرچ کرنے والوں میں ہے۔ اس طرح جو اپنے اموال خیرات و عبادات کے اسباب میں خرچ کرتے ہیں۔

حدیث شریف نمبر[۱]: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخی اللہ تعالیٰ اور بہشت اور لوگوں کے قریب ہے اور دوزخ سے بعید اور بخیل اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے دور جہنم کے قریب ہے۔ کسی سے ضرر دفع کرنا دو قسم ہے۔

۱۔ دنیا میں وہ یہ کہ کسی کو برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے۔ کظم الغیظ کا یہی مطلب ہے۔

۲۔ آخرت میں کسی سے نقصان دفع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اپنے حقوق و مطالبات آخرت میں معاف کر دینا یہی مراد ہے والعافین عن الناس سے۔

حدیث شریف نمبر[۲]: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کسی سے غصہ پی جائے حالانکہ اسے غصہ اتارنے کی قدرت حاصل تھی تو اللہ تعالیٰ اس کا قلب امن و امان سے پر کر دے گا۔

حدیث شریف نمبر[۳]: معافی دینے والے لوگ میری امت میں بہت تھوڑے ہیں مگر جسے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ البتہ پہلی امتوں میں بہت لوگ ایسے گزرے ہیں۔

ف: آیت میں احسان کے جمیع اقسام کا بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ تمام احسان الی الغیر کے مفہوم میں مشترک ہیں اس لیے تمام کا ثواب یکجا ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا واللہ یحب المحسنین اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے محبت کرنے سے بہت بڑا اجر و ثواب یا مرتبہ مراد ہے۔

نکتہ: احسان کی وجہ سے احسان کرنا تو بدلہ تھا۔ اسی طرح برائی کا بدلہ برائی کرنا بھی بدلہ ہے البتہ برائی کرنے والے پر احسان کرنا جود و کرم ہے نیز احسان کرنے والے سے برائی کرنا بھی بدبختی و کم بختی ہے۔

حکایت: ایک خادم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ اپنے مہمانوں کی مہمانی میں مصروف تھے۔ اور مہمانوں کیلئے دستر خوان کریمانہ بچھا ہوا تھا۔ خادم سے ایک پیالہ ہاتھ سے گرا پیالہ کے اندر جو شے تھی وہ حضرت

حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کپڑوں پر گری۔ تو اُس نے پڑھا۔ الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میں نے معاف کیا تو اُس نے کہا واللہ یحب المحسنین آپ نے فرمایا تجھے میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد کیا۔ اور تیرے ساتھ فلاں لونڈی کا نکاح بھی کر دیا۔ اور جو تمہاری ضروریات ہوں گے وہ بھی میرے ذمہ رہیں گیں۔ حضرت فاضل عارف جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا ؎

جوانمرد را جوانمری بیاموز ۔۔۔ ز مردان جہاں مردی بیاموز

درُوں از کین کین جویاں نگہدار ۔۔۔ زباں از طعن بدگویاں نگہدار

نکوئی کن باآں کو باتو بدکرد ۔۔۔ کہ آں بدرخنہ در اقبال خود کرد

چوں آئین نکوکاری کنی ساز ۔۔۔ نگردو جز بتو آں نکوئی باز

ترجمہ: (۱) جوانمردی جوانمرد سے سیکھ لے مردان خدا سے مروت سیکھ۔

(۲) دل کو کینہ رکھنے والوں کے کینہ سے دور رکھ زبان کو زبان دراز لوگوں سے نگاہ رکھ۔

(۳) اس سے بھلائی کر جو تیری برائی کرتا ہے اس لیے کہ اپنے اقبال میں خود رخنہ ڈال رہا ہے۔

(۴) جب تو نیکوکاری کا کام کرے گا تو وہی نیکی سوائے تیرے اور کہیں نہیں جائے گی۔

سبق: دانا پر لازم ہے نیکیوں کی عادت ڈالے۔ خصوصاً کسی سے احسان کرنا و دیگر اچھے اچھے کام۔ لیکن بہت جلدی موت سے پہلے یہ کام کرے اس لیے کہ تاخیر میں بہت آفات ہیں ؎

کنوں وقت تخمست اگر پروری ۔۔۔ گر امیدواری کہ خرمن بری

ترجمہ: ابھی وقت بیج کا وقت ہے اگر تو خرمن اٹھانے کی امید رکھتا ہے۔

یعنی اگر تم بہشت کے امیدوار ہو تو تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زندگی بسر کرو۔ اس لیے کہ آج اللہ تعالیٰ نے فرصت بخشی ہے۔ اس لیے کہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔ سیر الی اللہ سے تاخیر کرنا خسارہ ہی خسارہ ہے کسی نے کہا۔ (بیا ساقی کہ فی التاخیر آفات) جو اپنی زندگی ہوا و ہوس میں ضائع کر رہا ہے وہ کل قیامت میں حسرت و ندامت سے آنسو بہائے گا ؎

بمایہ تواں اے پسر سُود کرد ۔۔۔ چہ سود آید آنکہ سرمایہ خورد

ترجمہ: سرمایہ سے ہی نفع کمایا جا سکتا ہے اسے کیا حاصل ہوگا جس نے اصل سرمایہ بھی کھا لیا۔

مولوی غلام رسول کوٹلہ عالم پوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

جے تدھر قدم غلام رسولا اک ریا ادھوائے

ضائع گئی گیا ندھ ہتھیں سرمایہ وچہ گھاٹے

اے ساقی کہ دیر میں آفات ہیں۔

اویسی غفرلہ

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یا بہشت اور اس کے درجات کے لیے یا پھر دوزخ اور اس کے درکات کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اس کے بعد پیغمبران عظام علی نبینا وعلیہم السلام کو بہشت کی خوشخبری یا دوزخ سے ڈرانے کے لیے بھیجا۔ بلکہ دوزخ سے بچنے کے لیے خوب اور بار بار سمجھایا۔ چنانچہ فرمایا وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ اور بہشت میں پہنچنے کے لیے بہت جلدی سے جانے کی ترغیب دلائی چنانچہ فرمایا۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ یعنی تقویٰ سے قرب ربانی کے مقامات تک پہنچنے میں جلدی کرو۔ جَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ یعنی جس بہشت کی چوڑائی چودہ طبق ہیں اس کا طول نا معلوم کہاں تک ہوگا اس میں اشارہ ہے کہ بہشت کا داخلہ تب نصیب ہو سکتا ہے جب چودہ طبقات کے ملک طے کر لیے جائیں اور یہ چونکہ محسوسات سے متعلق ہیں اور انہیں حواس خمسہ سے تعلق ہے اور ان کو تقویٰ کے قدم سے عبور کیا جا سکتا ہے اور تقویٰ تزکیہ نفس کو کہتے ہیں یعنی نفس کو اخلاق مذمومہ سے پاک کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ اس لیے کہ قدم تقویٰ کی وجہ سے ملکوت السمٰوات سے پہنچا جا سکتا ہے۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ملکوت السمٰوات میں دو ولادتوں کے بعد داخلہ ملتا ہے۔ ولادتِ ثانیہ یہی ہے کہ انسان تزکیہ سے صفات حیوانیہ سے خارج ہو جائے اور ملکوت کے داخلہ کا یہی مطلب ہے کہ انسان صفاتِ روحانیہ سے آراستہ ہو جائے۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ یہاں پر متقین سے وہی لوگ مراد ہیں جو بہشت کے لیے مخصوص ہو چکے ہیں اور ان کے لیے بلند درجات کے مراتب متعین ہو چکے اور وہ مراتب تقویٰ وتزکیۂ نفس کی مقدار کے مطابق نصیب ہوں گے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس کے شر اور گناہوں سے بچا کر مقامات ابرار واخیار نصیب فرمائے۔ (آمین)۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً (اور وہ لوگ جنہوں نے برا عمل کیا) فاحشہ ہر وہ فعل جو قبیح کے انتہائی درجہ کو پہنچ جائے۔ جیسے زنا اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ (یا انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا) یعنی ایسے گناہوں کے مرتکب ہوئے جن کا انسان سے مواخذہ ہو گا یا اَلْفَاحِشَۃ سے کبیرہ اور ظلم نفس سے صغیرہ گناہ مراد ہے یا الفاحشہ وہ گناہ جس میں تعدی ہو اور ظلم النفس جس میں تعدی نہ ہو۔ ذَکَرُوا اللّٰہَ (اور اللہ تعالیٰ کو یاد کیا) یعنی اس کے بہت بڑے حقوق کو یاد کیا یا اس کے جلال وخشیت وحیاء (جو اس کی وعید کا موجب ہیں) کو مدِ نظر رکھے۔ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ۔ تو انہوں نے اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔ یعنی جو غلطی ہو گئی اس پر نادم ہو کر آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے پر پختہ ارادہ کیا۔

مسئلہ: صرف زبانی استغفار سے دل پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی اس سے گناہ زائل ہوتے ہیں۔ وہ تو صرف زبان کی لذت کے لیے ہوتا ہے اور اسے کذابوں کی توبہ کہا جاتا ہے۔ یعنی جھوٹی توبہ وَمَنْ یہ استفہام انکاری ہے بمعنے نفی کے یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ (کوئی گناہ نہیں بخشتا) یہاں پر ذنوب سے ہر قسم کا گناہ مراد ہے اِلَّا اللّٰہُ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا

یہ یغفرُ کی ضمیر مستتر سے بدل ہے یہ معطوف و معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے ۔ اور اس میں توبہ کرنیوالے کو صحیح راہ بتلانا اور ان کے قلوب کو بشارت دینا مطلوب ہے کہ جس ذات سے مغفرت طلب کی جارہی ہے اس کی رحمت بے پایاں اور اس کی مغفرت بے حساب ہے اور ان کے دلوں میں اس کی بزرگی بٹھلانا مقصود ہے اور بتلانا ہے کہ وہ ذات بلند قدر ہے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ گنہگاروں کی جائے پناہ صرف اسی کا فضل و کرم ہے ۔ منجملہ اس کے فضل و کرم کے یہ ہے کہ توبہ کرنیوالا گناہوں سے ایسا پاک اور صاف ہو جاتا ہے کہ گویا اس کے کوئی گناہ تھے ہی نہیں ۔ بندہ جب اپنی حسبِ مقدور اس سے اپنے گناہوں کا عذر پیش کرتا اور نہایت ہی خشوع و خضوع سے نادم ہوتا ہے تو وہ کریم اسے معاف کر کے اس کے گناہ بخش دیتا ہے ۔ اگرچہ بندہ کے کتنے ہی بہت بڑے گناہ کیوں نہ ہوں ۔ اس لیے کہ اس کا عفو بہت بڑا اس کا کرم بہت وسیع ہے ۔

مسئلہ : اس میں بندے کو توبہ کی ترغیب اور رحم و فضل پر امید کی تحریص اور یاس دنا امیدی سے دور رکھنے کا سبق دیا گیا ہے ۔ وَلَمْ يُصِرُّوا اور اس کا عطف فاستغفروا پر ہے یعنی اپنے گناہوں پر مداومت نہیں رکھتے عَلٰی مَا فَعَلُوْا ۔ اوپر اس کے کہ جو انہوں نے کیا گناہوں میں سے وہ کبیرہ ہیں یا صغیرہ ۔ یعنی وہ لوگ گناہ کر کے پھر توبہ استغفار نہیں کرتے ۔

حدیث شریف : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ۔ جس نے گناہوں سے استغفار کی اس نے گویا گناہ ہی نہیں کیا اگرچہ اس سے دن میں ستر بار بھی غلطی ہوئی ہو (خطاءً نہ عمداً) ۔

مسئلہ : توبہ استغفار سے گناہ کبیرہ معاف ہو جاتا ہے ۔

مسئلہ : صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (اور وہ جانتے ہیں) یہ لَمْ يُصِرُّوْا سے حال ہے یعنی اپنے کئے ہوئے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے ۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل قبیح ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور اس کے ارتکاب پر وعید شدید ہے ۔

نکتہ : وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ سے اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ کبھی اسے معذور سمجھا جاتا ہے جو لاعلمی سے ایسی کوتاہی کرے لیکن تحصیل علم کی کوتاہی غیر مقبول ہے اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو ان صفات سے موصوف ہیں ۔ جَزَآؤُهُمْ ان کا ثواب مَّغْفِرَةٌ مغفرت ہے جو عطا ہونے والی ہے ۔ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ان کے رب سے اور باغات کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے) یعنی انہیں وہ ذخیرہ نصیب ہوگا کہ اس میں کبھی کمی نہیں ہو گی ۔ اور ایسا اجر ملے گا کہ اس میں نقص نہیں ہوگا ۔ اور ایسے باغات حاصل ہوں گے جن کی کوئی انتہا نہ ہو گی اور ایسی لذات پائیں گے جو کبھی ختم نہ ہوں گی ۔ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ایسے نیک عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے اس کا مخصوص بالمدح محذوف ہے اور نعم اجر العاملین ذٰلک اور وہ وہی جو مذکور ہوا یعنی مغفرت وجنات ۔

نکتہ: اسے اجر سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ مغفرت وجنات کے عمل صالح کی وجہ سے مستحق ہیں (اگرچہ وہ بھی اس کا محض فضل وکرم ہوگا) تاکہ لوگوں کو طاعات پر ترغیب ہو اور گناہوں سے زجر وتوبیخ۔

حدیث قدسی حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم جب تو مجھ سے امید کرکے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں تیرے تمام گناہ بخش دیتا ہوں اے ابن آدم اگرچہ تو روئے زمین کی مقدار گناہ لائے گا تو میں تجھے اس کی مقدار مغفرت فرماؤں گا۔ بشرطیکہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اے ابن آدم اگرچہ تو اتنا گناہ کرے کہ وہ آسمان تک پہنچ جائیں۔ تو مجھ سے گناہ کی معافی طلب کرے گا تو بھی میں تجھے بخش دوں گا۔

حکایت: حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب آیت وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً (الآیۃ) نازل ہوئی تو شیطان ابلیس بہت رویا۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی کہ وہ بندہ بڑا بے حیا ہے کہ ادھر تو مجھ سے بہشت کی امید رکھتا ہے لیکن پھر گناہ میں بھی مصروف ہے اور فرمایا کہ میں بہت بڑا کریم ہوں کہ باوجود یہ کہ بندہ میری نافرمانی کرتا ہے لیکن میں اسے اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتا۔

مسئلہ: حضرت شہر بن حوشب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی منجملہ گناہوں کے ایک گناہ ہے کہ عمل کے بغیر بہشت کی طلب کی جائے اور سبب کے بغیر شفاعت کی امید رکھی جائے اور یہ بھی ایک دھوکہ ہے اور اطاعت کے بغیر رحمت کی امید رکھنا حماقت (وجہالت) ہے حضرت رابعہ بصریہ ہمیشہ پڑھا کرتی تھیں ۔

ترجوالنجاۃ ولم تسلک مسالکھا ۔۔۔ ان السفینۃ لا تجری علی الیبس

ترجمہ: اے انسان نجات کے راستہ پر تو نہیں چلتے ہو لیکن نجات کے طالب ہو۔ کیا کبھی کشتی بھی خشکی پر چلتی ہے۔

ف: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظالموں سے فرمادو کہ خبردار مجھے یاد مت کرو اور میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔ لیکن ظالموں کا ذکر لعنت سے کرتا ہوں۔

ف: یاد رکھو کہ اعمال سے عمدہ عمل ایمان ہے اور ایمان اس توحید کا نام ہے جو شرک سے خالی ہو۔ یہی توحید توبہ استغفار کی توفیق بخشتی ہے۔ متقی مؤمن کا بہترین سرمایہ توبہ استغفار ہے اور یہی بہشت کے داخلہ کا سبب ہے بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے خیالات فرمانبرداری کی طرف پھیرے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ وہی اس کا خالق ہے۔ اگرچہ عمل کی توفیق بھی اسی سے ہے اور اس کی عنایت شامل ہو تو ۔۔۔

نخست او ارادت بدل در نہاد پس ایں بندہ بر آستاں سر نہاد

ترجمہ: پہلے اس نے اپنا ارادہ دل میں ڈالا تو پھر بندے کو آستاں پر سر رکھنے کا موقعہ بخشتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن اعمال کی توفیق بخشے جنہیں وہ پسند کرتا ہے اور جن سے وہ راضی ہو اور بیمار قلوب کا علاج اپنے لطف و کرم سے فرمائے۔ اس لیے کہ اصلاح اور مقصد کی ظفر و فلاح کی چابیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

حکایت: شنیدستم کہ ابراہیم بن ادہم شبے بر تخت دولت خفت خرم زسقف خود شنید آواز پائے۔ زجا برجست چوں آشفتہ رائے بہ تندی گفت او کین کیست بر بام کہ دار د بر سپہر ما کام۔ جواب آمد کہ اے شاہ جہانگیر۔ شتر گم کردہ مرد مفلسم پیر زخندہ گشت شہ بر جائے خود است کہ بر بام آدمی ہرگز شتر جست و گر بارہ پاسخ آمد کامے جواں بخت۔ خدا جوئے کسی کردست بر تخت خدا جوئی د نور د د خواب د آرام۔ شتر جوئی بود برگوشہ بام۔ چو بشنید ایں پیام از ہاتف غیب۔ فراغت کرد از دنیا بلا ریب رسید از راہ تجریدی از منزل۔ پس از اد بار شد مقبول و مُقبل۔

خلاصہ حکایت: حضرت ابراہیم اپنے محل سرا میں آرام فرما تھے کہ چھت پر کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی پوچھا کون ہے۔ آواز آئی اُونٹ گم ہو گیا ہے۔ اُسے تلاش کر رہا ہوں۔ ابراہیم نے فرمایا کہ شاہی محل میں بھی اونٹ تلاش کئے جاتے ہیں۔ جواب ملا کہ شاہی محلوں میں خدا بھی نہیں ملتا۔ اس وقت سے شاہی محل کو چھوڑ کر خدا جوئی میں لگ گئے اور چند روز کے بعد اللہ تعالیٰ کے ولی کامل بن گئے۔

سبق: طالب مولا کے لیے ضروری ہے کہ وہ ادب کو ملحوظ رکھے تاکہ بہت بڑے مراتب کو حاصل کرے۔ دیکھئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے بڑے مراتب کے باوجود روزانہ اللہ تعالیٰ سے ستر بار استغفار فرماتے حالانکہ آپ ہر طرح سے معصوم تھے۔ اس کمال ادب سے آپ کو وہ شان ملی کہ نہ کسی کے وہم میں ہے نہ گمان میں۔ یہاں تک کہ آپ کی تابعداری سے بندوں کو محبوبی شان نصیب ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اس کے باوجود آپ کی خوف و خشیت انتہاء پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس طرح اس پر ادب ضروری ہے جو ان کی اقتداء و اتباع میں رہنا چاہتا ہے۔ اگرچہ نیکی پر بہت بڑا انعام کا وعدہ ہے لیکن گناہوں کے اصرار سے بچتا ہے مبارک باد ہو اس انسان کو جو ہر وقت اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتا رہتا ہے۔ اس سے مرتبہ احسان کو پہنچے گا۔ اور ایسے ہی اعمال سے رب رحمٰن کے ہاں محبوبی شان حاصل کرے گا۔

تفسیر عالمانہ

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (بیشک گزرے تمہارے سے پہلے طریقے)

---

[1] فرمائیے اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ تمہیں اللہ محبوب بنائے گا۔

حل لغات : خلت خلو سے ہے بمعنے الانفراد) مکان خالی بھی ہر اس مکان کو کہتے ہیں کہ وہ منفرد ہے اس سے کہ اس میں کوئی سکونت پذیر ہو۔ خالی کا لفظ زمانہ ماضی پر بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جو زمانہ گزر گیا ہے تو وہ گویا وجود سے منفرد اور خالی ہو گیا۔ اسی طرح گزری ہوئی قوموں کو الامم الخالیۃ" کہا جاتا ہے اور السنن بمعنے الوقائع یعنی گزشتہ لوگوں کے حالات۔ یعنی تمہارے زمانہ سے پہلے بہت سے واقعات گزرے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں میں طریقے مقرر فرمائے۔ یعنی ان میں ایسا طریقہ وضع فرمایا جو ان کے مطابق تھا یعنی حکمت سے اپنا حکم نافذ فرمایا۔ سُنَنُ اللہ سے۔ جھٹلانے والی قوموں سے تباہی و بربادی کے معاملات مراد ہیں۔ چنانچہ آیت فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ دلالت کرتی ہے۔ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ پس تم زمین کی سیر کرو۔ یعنی اگر تمہیں اس میں شک ہے تو تم زمین کی سیر کر کے خود ملاحظہ کر لو۔ اگر وہ مقصد زمین پر چلنے کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو پھر وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔

نکتہ: سیر فی الارض اس لیے بیان کیا گیا کہ دیکھی اور سنی ہوئی بات میں بہت بڑا فرق ہے۔ جیسے عربی کا ایک مقولہ مشہور ہے[1] اَلْخَبَرُ لَيْسَ كَالْمُعَايَنَةِ اس معنے کے مطابق کسی شاعر نے کہا ہے ؎ ان آثارنا تدل علینا۔ فَانْظُرُوْا بعدنا اِلَى الْاٰثَارِ ۔ ہمارے نشانات ہی ہمارے وجود پر دلالت کریں گے۔ ہمارے بعد تو پھر صرف ہمارے نشانات ہی دیکھتے رہو گے۔

فَانْظُرُوْا۔ پس اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو کیف یہ کان کی خبر مقدم ہے اُنْظُرُوْا کے متعلق ہے نزع الخافض کے طور جملہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ اس کا استعمال حرف جر سے ہوتا ہے كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ہ کیسے انجام ہوا ان لوگوں کا جو میرے پیغمبران عظام (علی نبینا وعلیہم السلام والصلوٰۃ) اور اولیاء کرام کو جھٹلاتے رہے هٰذَا یہ اشارہ اس طرف ہے جو مضمون پہلے گزرا ہے یعنی قد خلت الخ بَيَانٌ لِّلنَّاسِ ۔ لوگوں کے لیے بیان ہے یہاں پر الناس سے تکذیب کرنے والے مراد ہیں یعنی ان کے بد انجام کو واضح بیان اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ان کی تکذیب کا حال سب کو معلوم ہو۔ اگرچہ نظر کرنے اور سیر کا حکم صرف مومنوں کو ہے۔ لیکن اس کا موجب پر عمل کرنا کسی مخصوص جماعت سے خاص نہیں۔

مسئلہ : اس میں خود مکذبین کو بھی عبرت کی دعوت ہے کہ ان سے پہلے لوگوں کا بد انجام ہوا تو ان کا بھی ایسے ہی ہو گا تاکہ ان کی تباہی و بربادی کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ اگرچہ یہ کلام ان کے لیے بیان نہیں کیا گیا۔

ف : بیان دلالت علی الحق کو کہتے ہیں۔ وہ جس معنے میں بھی ہو تاکہ کلام میں جتنا شبہات ہوں وہ اس سے مٹ جائیں۔ وَهُدًى اور ہدایت ہے یعنی بصیرت کی زیادتی اور یہ مخصوص ہے اس دلالت و ارشاد سے جو دین قویم اور صراط مستقیم

---

[1] بمعنے شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ یعنی سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی جیسی کیسے ہو سکتی ہے۔

کی طرف رہبری کرے تاکہ سالک صرف اس راہ پہ گامزن ہو اور اس پر اپنی سیرت کو ڈھالے وَمَوْعِظَةٌ (اور نصیحت ہے) موعظہ ہر اس کام کو کہا جاتا ہے جس میں دین کے خلاف عمل سے زجر و توبیخ مطلوب ہو لِلْمُتَّقِيْنَ (متقیوں کے لیے) اس میں حکم کی علت کا اظہار بھی ہے اور حکم بھی - اس لیے کہ ان کی ہدایت و موعظہ کا دارو مدار ان کے تقویٰ پر ہے -

خلاصہ تفسیر سابقہ اُمتیں اپنے انبیاء علیہم السلام سے دنیوی حرص کی وجہ سے مخالفت کرتی رہیں اور جب وہ دُنیا سے مٹ گئے تو ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا - البتہ لعنت کا طوق ان کے گلے کا ہار بنا اور آخرت کا سخت عذاب ہوا - اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے والوں کو ترغیب دلائی کہ گزشتہ اُمتوں کے حالات دیکھیں تاکہ ان کے احوال سے انہیں رجوع الی اللہ کی دولت نصیب ہو - اور حظوظ نفسانیہ اور لذات دُنیا فانیہ سے روگردانی کا موقع میسر ہو اس لیے کہ دنیا آنی جانی ہے نہ اس نے مؤمن سے وفا کرنا ہے اور نہ ہی کافر سے مرنے کے بعد دُنیا میں مومن کی ہمیشہ تعریف ہوتی رہتی ہے اور آخرت میں ثواب کی دولت علاوہ اور کافر کو دنیا میں ملامت اور آخرت میں عذاب نصیب ہو گا -

سبق : اس سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہم ایسے امور کے لیے جدوجہد کریں جو نفع بخش اور ہمیشہ رہنے والے ہوں ہمیں دنیا کی رنگینیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے -

ربط المضمون اس میں مؤمنوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اگرچہ انہیں غزوہ اُحد میں شکست ہوئی اور کفار کو فتح و نصرت ملی تو اس میں بھی حکمت ایزدی تھی - جس کا نتیجہ یہی نکلا کہ نیک انجام اہل ایمان کو ہی نصیب ہونا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ[1] وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ -

اور فرمایا[2] وَاَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ -

نکتہ : اگر ہر بار اہل ایمان کو ہی غلبہ ہونا ہے تو پھر ایمان تو بدیہیات سے ہو جائے گا - اور یہ حکمتِ الٰہی کے تقاضوں کے خلاف ہے - اس لیے کہ اس طرح سے بندوں کی آزمائش نہیں ہو سکے گی -

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دے اور بصیرت کی آنکھ سے ہی مخفی امور سے عبرت حاصل کرے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ سے اے عقل والو عبرت حاصل کرو -

---

[1] - بیشک ہمارا کلمہ سبقت کر گیا ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے بیشک وہی منصور ہیں اور بیشک لشکر ہی غالب ہے - ۱۲ -

[2] - اور بیشک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہیں ۱۲ -

نرود مرغ سوئے دانہ فراز ۔ چوں دیگر مرغان بیند اندر بند
پند گیر از مصائب دگراں ۔ تا نگیرند دیگراں از تو پند

ترجمہ: (۱) وہ پرندہ دانہ کی طرف نہیں جاتا جب دیکھتا ہے کہ دوسرے زنجیر ہیں۔
۲۔ دوسروں کی مصیبتوں سے نصیحت لے ایسا نہ ہو کہ دوسرے تجھ سے نصیحت لیں۔

مسئلہ: خاتمہ کے خطرات سے ڈرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا طریقہ ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ کسی ایک بندے کو ہزار سال تک جہنم کے عذاب میں مُبتلا رکھا جائے گا۔ اس کے بعد اُسے بہشت میں بھیجا جائے گا۔

ف: اس حدیث کو پڑھ سُن کر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے خدا کرے وہی میں ہوں یہ بھی محض خاتمہ کے خطرات سے اظہار خوف سے اور تقریباً تمام نیک بخت لوگوں کا یہی طریقہ رہا کہ وہ اپنے خاتمہ کے خطرات سے ڈرتے رہتے۔ حضور علیہ السلام ہمیشہ یہ دُعا پڑھا کرتے۔ یا مقلب القلوب[1] ثبت علی قلبی علی طاعتک بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی حضور! یہ دُعا اکثر طور آپ کیوں پڑھتے ہیں۔ کیا آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ میں کس طرح بےخوف رہوں جب کہ بندوں کے دِل رب رحمان کی دو انگلیوں میں ہیں۔ پھر وہ انہیں جس طرح پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

حکایت: حضرت سدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کہ میں اپنا چہرہ ہر روز کئی بار دیکھتا ہوں۔ صرف اس خطرہ پر کہ کہیں میرا منہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔

تفسیر صوفیانہ ان ہر دو آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ دُنیا کے وطن کو ترک کر کے اور دوستوں اور مجبوں سے جدا ہو کر اور بھائیوں عزیزوں اور اقارب سے مفارقت اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے والوں کو اس امر پر خصوصیت بخشی ہے کہ اسلاف کے حالات کو پڑھ اور سن کر عبرت پکڑیں۔ چنانچہ فرمایا قد خلت سنن من قبلکم یعنی ان قوموں کے کردار تھے۔ تم صرف اُن کے طریقوں کو اپناؤ۔ جو اہل سنن تھے۔ اپنے نفوس حیوانیہ کی زمین پر چل کر ان کے بُرے اخلاق سے ہٹ کر رہو۔ اور جو اُن کے گندے اخلاق تھے اُن سے یک لخت بیزار ہو جاؤ۔ تاکہ تم اپنے قلوب کے رُوحانی آسمان تک پہنچ سکو۔ اور تمہیں وہ اخلاق نصیب ہوں جو ربانی اخلاق کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد غور کرو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ان امور روحانیہ اور نفوس قدسیہ کے مقامات کی تکذیب کرتے تھے۔ اس طرح وہ مکاشفات ربانیہ کے بھی منکر تھے۔ یہ تمہیں اس وقت معلوم ہو گا

---

[1] اے قلوب کے بدلنے والے میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت رکھ ۱۲۔

بب خود تم ان مقامات پر پہنچ جاؤ گے۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ یہ اُن اہل غفلت و غیبت اور ان لوگوں کے لیے بیان ہے جنہوں نے عہد میثاق کو فراموش کر دیا۔ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی جس طرح یہ متقین کے لیے ہدایت و موعظت ہے۔ اسی طرح اہل ہدایۃ و شہود اور ان لوگوں کو معائنہ کراتی ہے جو ان وعدوں کو یاد رکھتے ہیں اور جنہیں اس قسم کے بہت سے تجربے ہوئے اور ما سویٰ اللہ سے بچ کر پورے طور نصیحت پذیر ہوئے۔

سبق اے سالک برائیوں سے رُک جا اور غور کر کہ تو نے کل کیا کیا اور آج کیا کر رہا ہے اور ان لوگوں سے نصیحت حاصل کر جو اس دار فانی کو چھوڑ گئے۔ ایک دن تو بھی اُن کی طرح قبر میں جا کر سوئے گا۔ اے غافل دارِ فانی کو چھوڑ کر جانے والوں کے لڑنے جھگڑنے اور اُن کے رہنے سہنے کے مقامات کو غور سے دیکھ اب وہ کہاں ہیں۔ جنہوں نے اپنے نفس کی غلط خواہشات کو پورا کر کے اپنے آقا و مولیٰ کو ناراض کیا۔ کہاں ہیں جنہوں نے اپنے نفس کی ان خطا کاریوں میں اپنی قیمتی عمر ضائع کی۔ اب بتائیے اُن جانے والوں کو کسی دوست نے فائدہ پہنچایا یا کسی نے اُن کا دُکھ دور کیا۔ انہوں نے عمل کسی کے مطابق کیا ہو گا۔ یا وہ اپنے طور گزار گئے ہوں گے۔ اگر ان کے کردار غلط تھے اور تم نے اُن کے مطابق عمل کئے تو تم بھی اُن کی طرح نقصان اٹھاؤ گے۔ کچھ تو سوچئے تم بھی پھر ان جانے والوں کے ساتھ جا کر گزار دو گے۔ اپنی قبر کو نیک اعمال سے سنوار دو۔ پھر ہمیشہ ہمیشہ مسرور و مفروح ہو کر گزار دو گے۔ قبر میں جانے والو عنقریب تمہاری قبر کی ملاقات ہو گی۔ اپنے اعمال کا ابھی سے محاسبہ کر لو۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم نے قبر میں جانا ہو گا۔ اسی لیے تمہیں چاہیے کہ آج ہی تزکیہ نفس کر لو۔ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا سیکھو۔ پھر تمہیں اعمال صالحہ کا اجر بہشت میں وہی ملے گا جو تم چاہو گے۔ وہاں بہترین باغات ہیں اور بہتر سے بہتر نہریں ہیں۔ وہ تمہیں نیک اعمال کی بدولت نصیب ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اعلیٰ مراتب اور سب سے بڑی دولت دیدار رب کریم نصیب ہو گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا[1] تمہیں بہشت میں صالحین کی رفاقت انہی اعمال کی وجہ سے نصیب ہو گی۔ اے برادر بھلا بتائیے کیا تم کو ان جہال کی سنگت چاہیے جو حد سے تجاوز کرتے ہیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ جیسے کرو گے ویسے بھرو گے (اللہ تعالیٰ ہم سب کے احوال اچھے بنائے اور ہمارے اقوال و افعال صحیح فرمائے اور ہمیں وہی کچھ عطا فرمائے۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اور جب ہم دنیا سے کوچ کریں تو ہمارا خاتمہ ایمان پہ ہو۔ (آمین)۔

تفسیر عالمانہ

(وَلَا تَهِنُوْا)

حل لغات: الوهن۔ بمعنے الضعف یعنی وہ زخم جو تمہیں غزوہ احد میں پہنچے ہیں۔ اُن کی وجہ سے جہاد میں کمزوری نہ کرو۔

---

[1] وہ جو دیدار الٰہی کی امید ہے اسے چاہیے نیک عمل کرے۔

وَلَا تَحْزَنُوْا ۔ اور نہ ہی اُن پر غم کھاؤ جو تمہارے لوگ غزوۂ احد میں شہید ہوئے یہ دونوں صیغے نہی کے ہیں ۔ تسکین و تصبیر (صبر کی تلقین) کے لیے ہیں نہ یہ کہ انہیں حزن سے روکا گیا ہے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۔ حالانکہ تم ہی اعلیٰ اور غالب ہو نہ کہ تمہارے دشمن کافر ۔ اس لیے کہ اُن کا انجام بربادی و تباہی ہے ۔ جیسا کہ تم نے اُن کے اسلاف کے حالات کو دیکھ اور سن پایا ۔ کیونکہ آخر کار باطل مٹ کر رہتا ہے ۔

حل لغات : اعلَونَ دراصل اعلیُونَ تھا ۔ اہل صرف نے یاء و واؤ کے اجتماع کو مکروہ سمجھا ہے اسی لیے یاء کو حذف کر دیا (جیسے فنِ صرف میں اس کی تفصیل ہے) اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ اس کا جواب محذوف ہے ۔ جس پر مذکورہ دو جملے دلالت کرتے ہیں ۔ یعنی اگر تم مؤمن ہو تو کمزوری نہ کرو اور نہ ہی غم کھاؤ اس لیے کہ ایمان قلبی قوت بخش اضافہ اور اللہ تعالیٰ کے کاموں پر بھروسہ رکھنے کی اعانت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ تمہارے اعداء تمہاری نظروں میں کچھ بھی نہیں اور اس کا سابقہ نہی کے دونوں جملوں سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ جزاء شرط سے مقدم نہیں ہوا کرتی کیونکہ شرط و جزاء ایک ہی کلمہ متصور ہوتے ہیں ۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ اگر تمہیں پہنچے قَرْحٌ ۔

حل لغات : بالفتح و بالضمہ بمعنے الجراحۃ (یعنی زخم) فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ تو تحقیق بدر کی جنگ میں کفار کو پہنچے تھے قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۔ زخم اس جیسے ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے کفار کے ستر آدمیوں کو قتل اور ستر کو قید کیا ۔ پھر اسی طرح غزوۂ احد میں کفار نے ستر مسلمانوں کو قتل کیا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تمہیں اُحد کی جنگ میں کچھ تکلیف پہنچی ہے تو تم نے بھی تو غزوۂ بدر میں انہیں اسی قدر پہلے تکلیف پہنچائی تھی ۔ پھر تم ضعف قلبی کا شکار کیوں ہوئے ہو اور کیوں کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے گھبرائے ہوئے ہو ۔ بلکہ تم اولیٰ و اعلیٰ ہو ۔ فلہٰذا کمزوری مت دکھاؤ اس لیے کہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر لاکھوں اُمیدیں ہیں اور وہ بیچارے تو رحمتِ ایزدی پر اُمید ہی نہیں رکھتے ۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ (اور یہی وہ دن ہیں) یہ اُن ایام کی طرف اشارہ ہے جو اُمم سابقہ پر گزرے اور جو آئندہ آئیں گے ۔ خاص ایام کی طرف اشارہ نہیں کہ اُن سے صرف غزوۂ بدر یا غزوہ احد کے ایام مُراد لیے جائیں یا ایام کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں ۔ ویسے اُن سے فتح و نصرت اور غلبۂ اسلام کے ایام مُراد ہیں ۔ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ ہم انہیں لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں یعنی ہم اُن ایام کو پھیرتے ہیں کہ کبھی فتح و نصرت اور غلبہ کی تمہاری باری اور کبھی اُن کی جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ۔

فیوماً علینا و یوماً لنا   و یوماً النساء و یوماً نسر

ترجمہ : کبھی ہمیں دُکھ پہنچتا ہے اور کبھی فتح و نصرت کیونکہ ایام رنج و راحت کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں ۔

حل لغات : المداولۃ بمعنے نقل الشئی من واحد الی واحد یعنی کسی شئے کو کبھی ادھر کبھی اُدھر پھیرنا ۔ اہل عرب کہتے ہیں

تَدَاوَلَتہُ الْاَیْدِیْ یعنی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ یعنی ایک ہاتھ سے نقل کر کے دوسرے ہاتھ کو دیا۔

انتباہ:

اس سے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ فتح و نصرت کبھی مؤمنوں کو عنایت فرماتا ہے اور کبھی کافروں کو۔ اس لیے کہ کفار کے لیے فتح و نصرتِ الٰہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ فتح و نصرت ایک عظیم منصب ہے وہ صرف اہل ایمان کو عطا فرماتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سخت دن کبھی مؤمنوں کے لیے بنا دیتا ہے اور کبھی کفار کے لیے اس لیے کہ اگر ایسے ہو کہ ہر دفعہ کفار پر سختی ہی سختی اور اہل ایمان کو غلبہ ہی غلبہ ہو تو پھر یہ امر بدیہی ہو جائے گا کہ اسلام حق ہے اور کفر باطل۔ ظاہری طور یونہی ہو تو اسلام کا مکلف بنانا اور سزا جزاء کا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اہل اسلام کو دُکھ میں مبتلا کر دیتا ہے اور کبھی اہل کفر کو تاکہ شبہات کا باب مفتوح رہے اور انسان ان شبہات کو دلائل سے سمجھے کہ اسلام حق ہے اور کفر باطل۔ اس اعتبار سے اُسے ثواب سے وافر حصہ نصیب ہوگا۔

مسئلہ: مؤمن جب گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اُسے دنیا میں مصائب و حوادثات کا شکار بنایا جاتا ہے اور کفار کے لیے تو حوادث و مصائب عذاب ہی عذاب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی یہی علامت ہے۔ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ عطف جملہ محذوفہ پر ہے اَیْ نُدَاوِلُہَا بَیْنَکُمْ لِیَکُوْنَ من المصالح کیت وکیت وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الخ یعنی اس میں اشارہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کیا گیا ہے اس کی کئی علتیں ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ مومن کو اس سے بیشمار فوائد نصیب ہوتے ہیں جن کا اسے علم تک نہیں۔

سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے قبل کوئی علم نہیں ہوتا (جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے)

جواب ۱: یہ بطور تمثیل کے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اس شخص جیسا معاملہ کرتا ہے جس کا ارادہ ہو کہ وہ معلوم کرے کہ تم میں مخلص اور ثابت علی الایمان کون ہے اور اس کے برعکس کون۔

جواب نمبر ۲: یہاں مجازاً علم بمعنے تمیز ہے بطریق اطلاق اسم السبب علی المسبب کے اب معنی یہ ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے کہ تم میں مخلص اور ثابت علی الایمان کون ہے اور اُس کے برعکس کون۔

جواب نمبر ۳: یہ اپنے حقیقی معنی پر ہے لیکن اس حیثیت سے کہ جب وہ معلومات سے متعلق ہو بایں معنی کہ موجود بالفعل ہے کہ اس سے جزاء کا دار و مدار ہے نہ اس حیثیت سے کہ وہ موجود بالقوہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ اللہ تعالےٰ اہل ایمان کو جانے اس حیثیت سے کہ اُن سے جزاء متعلق ہو۔ وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ اور بنائے تم میں سے شُھَدَآءَ شہید کی جمع ہے یعنی تم میں سے بعض حضرات کو شہادت کی سعادت سے نوازے۔ اس سے اُحد کے شہداء مراد ہیں۔

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور اللہ تعالےٰ ظالمین سے محبت نہیں کرتا۔ نفی المحبت سے اس کا غضب مراد ہے یعنی اللہ تعالےٰ کا اُن پر غضب ہے جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ سیاق سے کفار مراد ہیں یہ جملہ معترضہ ہے

مسئلہ: تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت کفار کی مدد نہیں کرتا۔ اگر کسی وقت وہ غلبہ پا جاتے ہیں تو وہ اُن کے لیے استدراج اور اہلِ ایمان سے آزمائش کے طور ہوتا ہے وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اس کا عطف (وَيَتَّخِذَ) پر ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو گناہوں سے پاک وصاف کرے۔ اگر ان پر کفار کا غلبہ ہو جائے۔ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ اور کفار کو مٹاتا ہے اور انہیں تباہ و برباد کرتا ہے جب وہ مغلوب ہو جائیں۔

حل لغات: المحق بمعنے نقص الشیٔ قلیلا قلیلاً۔ یعنی شئے کو تھوڑا تھوڑا کرکے گھٹانا۔ اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو غزوہ اُحد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ کے لیے آئے تھے اور پھر کفر پر اصرار کرتے رہے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کو مٹا دیا۔

ف: امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہلِ ایمان کو آزمائش میں چند فوائد نصیب ہوتے ہیں مثلاً وہ کمالات جو ان میں پوشیدہ ہیں وہ کھل کر آجائیں۔ جیسے صبر و شجاعت و قوۃ الیقین۔ اور نفس کی کسی قسم کی پرواہ نہ کرنا۔ اور روحانیت کو نفسانیت پر غلبہ اور قضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین الکبریٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا تَهِنُوْا اے اللہ کی طرف سیر کرنے والو سستی نہ کرو وَلَا تَحْزَنُوْا اور نہ ہی دنیوی نعمتوں کے چھوٹ جانے اور اُخروی کرامات نہ ملنے پر غم کھاؤ۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اور تم اللہ تعالیٰ کے ہاں مراتب میں دنیا و آخرت میں سب سے اونچے ہو اگر تم خبروں پر عمل کر کے سچے دل سے تصدیق کرو اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ اگر تمہیں اثنائے سیر الی اللہ میں مجاہدات یا بلاء ابتلاء وغیرہ کی تکلیف پہنچے تو صبر کرو۔ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ تمہارے سے پہلے حضرت انبیاء کرام و اولیاء (علی نبینا و علیہم السلام) کو اسی طرح تکلیفیں اور مشقتیں پہنچیں۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ اور یہ محنتوں و مشقتوں اور بلاء و ابتلاء کے ایسے ایام ہیں کہ ندا ولہا کہ ہم انہیں سائرین الی اللہ کے لیے رد و بدل کرتے رہتے ہیں۔ کبھی دکھ اور تکلیف اور کبھی نعمت و راحت کبھی عطا کبھی بلاء و ابتلاء اور اللہ تعالیٰ امتحان لے کر ان کی آزمائش کرنا اور ان میں مقام شہادت کی استعداد پیدا فرماتا ہے اور تمہیں بھی اے سائرین الی اللہ اثنائے سیر میں محنت و مشقت اور لحت و رحمت سے نواز کر اربابِ شہود و مشاہدہ سے بنائے گا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت نہیں کرتا جو اپنی استعداد کو طلب غیرِ حق اور رجوع الی الغیر میں صرف کرتے ہیں۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی ہر غم و الم اور مصیبت جو ہم مؤمنین کو حق کے راستہ پر دیتے ہیں۔ وہ اُن کے گناہوں کا کفارہ اور قلوب کی صفائی اور ارواح کی تطہیر اور اسرار کا تزکیہ بنتے ہیں۔ اور جو کفار کو نعمت و دولت اور راحت عطا کرتے ہیں تو وہ اُن کے گناہوں کا سبب اور اُن کی گمراہی میں اضافہ اور اُن کے قلوب پر پردہ اور اُن کے نفوس میں سرکشی اور اُن کے ارواح میں بطلان اور اُن کے اسرار کے لیے دوری کا سبب بنتا ہے۔ بہرحال اہلِ محبت و معرفت آزمائش سے خالی نہیں ہوتے یا انہیں ذلت و خواری میں یا دکھ اور درد اور بیماری میں مبتلا کیا جاتا ہے اور حکمتِ الٰہیہ کا

تقاضا یوں ہی ہے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اشد البلاء علی الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل یعنی سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے اُن کے بعد اولیاء سے پھر اُن کے بعد درجہ بدرجہ ۔

حکایت : سیدنا عیسیٰ (علی نبینا و علیہ السلام) کا ایک پہاڑ سے گزر ہوا ۔ وہاں ایک عابد عبادت میں مصروف بیٹھا دیکھا اس کے پاس ایک چشمہ تھا تاکہ وہ اس سے طہارت حاصل کرے اور پانی پیئے اس کے قُرب میں ایک باغ تھا جس میں تربوز تھے تاکہ وہ اُس سے کھائے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے سلام کیا ۔ اس نے سلام کا جواب دیا ۔ آپ نے اُس سے پُوچھا کہ تجھے یہاں عبادت کرتے کتنا عرصہ گزرا ہے ۔ عرض کی اسّی سال ہوئے اور کہا مجھے اللہ تعالیٰ سے اتنی مُدت سوال کرتے گزرا ہے میرا وہ سوال تاہنوز پورا نہیں ہوا ۔ آپ نے فرمایا ۔ کیا سوال ہے عرض کی میں چاہتا ہوں کہ مجھے ایک رتی عشق اور معرفت نصیب ہو ۔ چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی (علیہ السلام) ہیں ۔ فلہٰذا آپ ہی میرے لیے یہ سوال پورا کرا دیجئے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی چشمہ سے وضوء کیا اور دُوگانہ پڑھ کر اس کا سوال بارگاہ حق میں پیش کیا اور چل دیئے ایک عرصہ تک سفر میں رہ کر پھر وہاں تشریف لائے جہاں وہ عابد رہتا تھا لیکن اب نہ وہ عابد ہے اور نہ چشمہ اور باغ بھی ویران پڑا ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ حق میں عرض کی الہ العلمین یہ کیا ماجرا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی تو آپ کی دُعا کا نتیجہ ہے جب آپ نے اس عابد کے لیے معرفت اور ایک رتی عشق کی دعا مانگی تو میں نے اُسے دُنیا سے اٹھالیا ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ علیہ السلام کیا تم نہیں جانتے کہ دُنیا کی بربادی سے ہی میری معرفت اور عشق نصیب ہوتا ہے ۔ جسے میرا عرفان اور عشق نصیب ہوتا ہے تو پھر سوائے میرے اُسے کہیں قرار نہیں ملتا ۔ اور نہ ہی اُسے کوئی سکون میسر ہوتا ہے ۔ اے عیسیٰ علیہ السلام اگر تم اس عابد کو دیکھنا چاہو تو اس وادی کے اندر جھانک کر دیکھو ۔

حکم سنتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وادی کے اندر جھانک کر دیکھا تو عابد بیٹھا تھا ۔ عقل زائل تھی ۔ حیران صُورت تھا ۔ زبان نکل کر سینہ پر پڑی تھی ۔ آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں ۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اسے پکارا لیکن وہ سنتا ہی نہیں پھر آپ نے اسے جھنجوڑا اور پکارا لیکن وہ سمجھتا ہی نہیں ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر اس عابد کو ٹکڑے کر دیا جائے تب بھی کوئی بات نہیں سمجھے گا اس لیے کہ میں نے اُس کے قلب کو عشق و معرفت سے بھر دیا ہے حالانکہ اسے ایک معمولی سا قطرہ نصیب ہوا ہے اگر اس سے ذرہ برابر بھی بڑھاؤں تو یہ زمین سے اڑ کر آسمان کی طرف چلا جائے پھر وہ اس حالت سے زیادہ متحیر و مضمحل نظر آئے گا ۔

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی دنیا میں دکھ اور تکلیف سے گزرتی ہے ۔ اس لیے کہ وہ قسم و قسم

آزمائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اے سالک! تجھے بھی اس معاملہ میں بہت زیادہ جدوجہد کرنی چاہیئے تاکہ تیرا دین صحیح ہو۔ اس طریق سے امید ہے کہ تجھے مقام یقین وتمکین نصیب ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ "مجاہدات سے مشاہدات حاصل ہوتے ہیں ؎

چو یوسف کسے در صلاح وتمیز ۔۔۔ بسے سال باید کہ گردد عزیز

ترجمہ: یوسف علیہ السلام کی طرف صلاح وتمیز ہو تو بھی بہت سال کے بعد ہی عزیز ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ حَسِبْتُمْ یہ ام منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار و استبعاد کے لیے ہے حسبتم حُسبان سے مشتق ہے بمعنیٰ ظن بہ خطاب ان لوگوں کو ہے جنہیں اُحد میں شکست ہوئی (یعنی بلکہ تم نے گمان کیا ہے) اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کہ تم بہشت میں داخل ہو کر اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو گے وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ۔ یہ جملہ اَنْ تَدْخُلُوْا کی ضمیر خطاب سے حال ہے انکار کی تاکید کرتا ہے اس لیے کہ عمل کے بغیر اجر و ثواب کی امید محال اور بعید از قیاس ہے۔ کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اجر و ثواب کا دار و مدار عمل پر ہے اور عقلاً بھی محال ہے کہ کام کے بغیر مزدوری نہیں ملا کرتی۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی لاعلمی کا کیا معنیٰ۔

جواب: یہاں پر معلوم کی نفی ہے نہ کہ علم کی اَیْ لَمَّا تُجَاهِدُوْا اس لیے کہ وقوع الشئی اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو اور قاعدہ ہے کہ لازم کی نفی کو مستلزم ہے اس لیے علم کی نفی سے جہاد کی نفی مراد لی گئی ہے اس لیے محض تاکید اور مبالغہ مطلوب ہے اور بس۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ انتفاء اللازم انتفاء الملزوم کیلئے بُرہان ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اشیاء کی تحقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ [1] مَا عَلِمَ اللّٰهُ فِيْ فُلَانٍ خيرا يريد ما فيه خير حتى يعلمه۔

ف: یہاں پر لَمَّا بمعنے لَمْ ہے صرف فرق یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کی توقع مراد ہے۔ کیونکہ اس میں دلالت ہے کہ تمہارے ماضی میں تو جہاد منتفی ہوا لیکن آئندہ کی تمہارے لیے امید کی جا سکتی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے کہ "وعدنی ان یفعل کذا ولما یفعل وانا الوتم فعلہ" یعنی فلاں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں یونہی کروں گا لیکن اس نے ابھی تک ایفائے عہد نہیں کیا لیکن مجھے امید ہے کہ وہ اسے کریگا ضرور۔ ویعلم الصّٰبرین۔

---

[1] اللہ تعالیٰ فلاں میں بھلائی نہیں جانتا اس سے اس کی مراد یہ ہوئی اس میں بھلائی نہیں پھر جانے کیا ہے اس میں بھی معلوم ہے علم کی نہیں ایسے نوح علیہ السلام کے واقعہ میں بھی معلوم کی نفی ہے علم کی نہیں ۱۲۔

بعلم منصوب ہے۔ اس لیے کہ یہاں اَنْ مقدر ہے اور واؤ جمع کی ہے اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ کیا تم بہشت میں داخلہ کا خیال رکھتے ہو حالانکہ تا حال جہاد اور شدائد پر صبر تمہارے میں جمع نہیں ہوئے۔ پس لائق یونہی ہے کہ تم بہشت میں داخلہ کا گمان مت کرو جیسے وہ لوگ بہشت میں داخل ہوئے جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور اپنی اپنی جان و مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دی اور ہر دکھ اور درد پر ثابت قدم رہے جب تک تم اُن کی طرح وہ راستہ اختیار نہ کرو گے اور ان کی طرح صبر نہیں کرو گے اُن کے مراتب کو نہیں پہنچ سکو گے۔ اور یہ تو بعید از قیاس ہے کہ انسان سعادت اور بہشت کو ان اعمال کے بغیر حاصل کرے وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ (اور بے شک تم موت کی تمنا کرتے تھے) موت سے مراد حرب ہے اس لیے کہ حرب ہی تو موت کی مبادی سے ہے اور موت سے ہی انہیں شہادت نصیب ہو گی اور یہ خطاب اُن حضرات کو ہے جو غزوۂ بدر میں حاضر نہ تھے اس لیے کہ وہ آرزو رکھتے تھے کہ کاش وہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جنگ میں حاضر ہو کر وہ مراتب علیاء حاصل کرتے جو شہدائے بدر کو نصیب ہوئے اسی لیے ان حضرات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ جنگ کے لیے تشریف لے چلئے لیکن اس کے باوجود اُن سے اس کا خلاف واقع ہوا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ قبل اس کے کہ تم اسکا مشاہدہ کرتے اور تمہیں جنگ کے شدائد و تکالیف معلوم ہوتیں فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ پس تم نے اسے دیکھا یعنی موت کے وہ اسباب کہ جن کی تمہیں آرزو تھی یا موت کو دیکھا اور اُس کے اسباب کا مشاہدہ کرکے۔

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ اور تم اس کا آنکھوں سے ملاحظہ کر رہے تھے۔ جب تمہارے دوسرے بھائی اور اقارب تمہارے سامنے شہید ہو رہے تھے اور تم خود بھی موت کے دھانے پر تھے۔ پھر تم نے وہی کیا جو تم میں سے ہونا تھا۔ یعنی جنگ سے بھاگنا۔

خلاصہ تفسیر

اس میں زجر و توبیخ ہے کہ اولاً تو انہوں نے جنگ کی تمنا کی پھر اس کے اسباب کے لیے بھرپور تیاری کی لیکن جب وہ وقت آیا تو شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ انہیں شہادت کا شوق نہیں تھا۔ بلکہ یہ خیال تھا کہ کسی طریقہ سے کفار اہل اسلام پر غلبہ پا جائیں۔ ورنہ جسے شوقِ شہادت ہوتا ہے وہ اس قسم کے خیالات دل میں نہیں لاتا اور نہ ہی عتاب کا مستحق ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نصرانی طبیب کے ہاتھ سے دوائی اس غرض سے پیئے کہ اسے اس دوائی سے شفا ملے گی۔ جیسے اس شفا کے طالب کو ایسی دوائی پینے میں کسی قسم کی جھجک نہیں ہوتی۔ ایسے ہی شہادت کے شوقمند کو بھی میدانِ جنگ میں کسی قسم کا خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ اس میں نفع ہو تو بھی نقصان ہو تو بھی۔ اسے اس سے کیا غرض کہ جنگ سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقعہ دے۔

تفسیر صوفیانہ خلاصہ یہ کہ سعادتِ دارین کے ساتھ دُنیا کی محبت کا اجتماع مشکل ہے جتنا اندر ان میں ایک بڑھے گی دوسری لازماً کم ہو گی اس لیے کہ دُنیا کا حصول تب ہوگا جب کہ دل کو صرف اس کے حصول میں لگا دے۔ اور اُخروی سعادت بھی صرف اس وقت نصیب ہو گی جب کہ قلب بالکل فارغ از علائق دُنیویہ ہو وہ ماسویٰ سے ہٹ کر صرف حبِ الٰہی میں مستغرق ہو اور یہ دونوں امر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

نکتہ: یہی لاز ہے کہ آیت میں دونوں کے اجتماع کو بالکل بعید سے بعید تر بنایا گیا ہے۔

مسئلہ: یاد رہے کہ حبِ آخرت اور عشقِ الٰہی صرف زبانی جمع خرچ سے نصیب نہیں ہوتے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر مُدعی اپنے دعوئی میں سچا ہو۔ سچے جھوٹے کا فرق اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب مکروہات و محرمات کا سامنا ہو۔ سچی محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ جفا سے کم نہ ہو اور وفا یعنی عطیۂ انعامات پر نہ بڑھے۔ جب اس پر مصائب و بلیّات کی بھرمار ہو تب بھی وہ اپنے مقام پر باقی ہو تو سمجھ لو کہ سچی محبت ہے ورنہ وہ صرف مدعی ہے اور جھوٹا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی کیا تمہارا یہی گمان ہے کہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق سے تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے نہ تو ابھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہاد سے آزمایا ہے اور نہ ہی تمہیں شدائد و مصائب میں مُبتلا کیا ہے۔

ف: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اس گمان میں ہو کہ میں دربارِ اعلیٰ میں بغیر مصائب وتکالیف کے پہنچ جاؤں گا تو اسے یہ خیالی تصوّرات ہلاکت کے گڑھے میں تباہ و برباد کر دیں گے۔ ہاں جسے اپنے مطلوب کی قدر ہے تو پھر اس پر جان گنوانا آسان ہو جاتا ہے۔ کسی شاعر نے فرمایا ہے ؎

وَمَا جَادَ دهر بلذاته   علی من بضن بخله العذار

ترجمہ: زمانہ اپنی لذتوں کو اس پر صرف نہیں کرتا۔ جو اپنی جان پر کھیلنے کی عادت نہیں رکھتا۔

ف: یاد رہے کہ دولتِ عُظمیٰ سعادتِ اُخروی کا نام ہے اس لیے کہ یہ دولت غیر فانی ہے اور دولتِ دُنیا تو لاشئ اور فانی ہے۔ کسی نے خوب فرمایا ؎

جہاں منالِ چراغیست در گذر کہ باد   غلام ہمت آنم کہ دل برو ننہاد

ترجمہ: جہان ایک دیئے کی طرح ہے اس سے جلد گذر دیں اس کا غلام ہوں جو اس میں دل نہیں لگاتا۔

ف: حضرت شبلی رحمہ اللہ سے عارف کی علامت کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی زبان ذکرِ الٰہی میں ناطق اور اس کا دل حجۃ اللہ میں صادق اور اس کا سرّ اللہ تعالیٰ پر واثق اور اس کی رُوح اللہ تعالیٰ کے راستہ پر سابق اور وہ خود دائمی طور اللہ تعالیٰ کا عاشق ہو۔ خلاصہ یہ کہ عارف وہ ہے جو ترک دعوئی اور اقبال الی المولیٰ کرے اور روح اس کے راہ پر قربان کر دے۔

فیہ نظر۔ ستر قبیلوں کا مسئلہ قابل غور ہے اسکی تائید اور کہیں نہیں ملتی

حکایت: حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہماری ترکیوں (کافروں) سے ایک عرصہ سے مخاصمت چل رہی تھی ایک روز مجھے تُرکی (کافر) نے دیکھا تو مجھ پر تیر پھینکا۔ میں اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑا وہ اپنی سواری سے اُتر کر میرے سینے پر چڑھ گیا۔ اور داڑھی نوچ لی اور جیب سے چاقو نکال کر میری گردن پر چڑھ گیا۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ مجھے نہ تو اُس کے سینہ پر سوار ہونے کا خوف تھا اور نہ ہی اُس سے خطرہ محسوس ہوا۔ میں ساکت صامت دل ہی دل میں اپنے آقا (رب تعالیٰ) سے کہہ رہا تھا کہ الٰہ العالمین میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا ہے۔ اگر یہ کافر مجھے ایسے ہی قتل کر دے اور تو اس پر راضی ہے تو بسر و چشم ورنہ تجھے معلوم ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میری جان تیرے قبضۂ قدرت میں ہے تو جس طرح چاہے میں راضی ہوں۔ میں یہی بات دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ کسی مسلمان بھائی نے دُور سے زور سے تیر مارا۔ اور میرے سینہ پر بیٹھنے والے کافر کے حلق پر لگا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ وہ غش کھا کر نیچے گرا میں نے فوراً اُٹھ کر اسی کے چاقو سے اُس کی گردن اڑا دی۔

سبق دوستو! اپنا دل اپنے مولیٰ کے ہاتھ دے دو۔ پھر قدرت کے وہ عجائب و غرائب دیکھو گے کہ نہ ماں سے اس طرح کے لطف و کرم دیکھ پاؤ گے اور نہ باپ سے۔ اور یقین کرو کہ تسلیم و رضا کو اپناؤ کامیاب رہو گے جو اس سے بھاگتا ہے وہ مار کھاتا اور نقصان اٹھاتا ہے۔ سب سے بڑا مددگار مصائب و تکالیف کے وقت صبر کرنا ہے ؎

تحمل چو زہرت نماید نخست — ولے شہد گردد چو در طبع رست
زعلت مدار اے خردمند بیم — چو داروئے تلخت فرستد حکیم

ترجمہ: ۱۔ حوصلہ پہلے تو زہر کی طرح نظر آتی ہے لیکن شہد بن جاتی ہے جب وہ طبع میں راسخ ہو جاتی ہے
۲۔ اے دانشور بیماری سے خوف نہ کھا جب تجھے طبیب کڑوی دوائی دے۔

ہم سب کو اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ع

ترجمہ: اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم لٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو لٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور عنقریب اللہ شکر والوں کو انعام دے گا اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا سب کا وقت لکھا ہوا ہے اور جو دنیا کا انعام چاہے ہم اس میں سے اسے عطا فرمائیں اور جو آخرت کا انعام چاہے ہم اس میں سے اُسے عطا فرمائیں اور قریب ہے کہ ہم شکر والوں کو انعام عطا کریں اور کتنے ہی انبیاء نے جہاد کیا ان کے ساتھ بہت خدا والے تھے تو سست نہ پڑے ان مصیبتوں سے جو اللہ کی راہ میں انہیں پہنچیں اور نہ غمزدہ ہوئے اور نہ دبے اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں وہ کچھ بھی نہ کہتے تھے سوا اس دعا کے کہ اے رب ہمیں بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے اعمال میں کیں اور قدم مضبوط کر دے اور ہمیں ان کافروں پر مدد دے تو اللہ نے انہیں دنیا کا انعام دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی اور نیکی والے اللہ کو پیارے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا مُحَمَّدٌ محمد اسے کہتے ہیں جو محامد کا جامع ہو۔ کیونکہ حمد کا مستحق وہ ہوتا ہے جو صاحب کمال ہو اور تحمید اس کا مبالغہ ہے پس اس کا مستحق وہ ہونا چاہیے جو کمال کے انتہائی مقام پر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب و صفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو اسموں کو اپنے اسم گرامی سے مشتق فرمایا ہے یعنی محمد و احمد صلی اللہ علیہ وسلم

شانِ نزول

اِلَّا رَسُوْلٌ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ اُحد کے دن سات سو افراد کو لیکر جنگ کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پچاس مردوں کا امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ تم اس پہاڑ پر جمے رہو اور مدافعت کرتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار ہمارے پیچھے سے

جائے اور حملہ کردیں تم اس پہاڑ کو نہ چھوڑنا جب تک ہمارا حکم ثانی نہ پہنچے اور تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ ہم کفار پر غالب رہیں گے جب تک تم اس پہاڑ پر ڈٹے رہے۔ آپ ان کی ہدایت سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ جنگ شروع ہوگئی اور پورے جوش خروش سے آمنا سامنا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار لے کر فرمایا۔ اس کا کون حق ادا کرتا ہے۔ ابودجانہ نے تلوار کو اٹھالیا اور چند ساتھیوں کو لے کر خوب لڑے اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ ان کی عین لڑائی میں تلوار ٹیڑھی ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑائی کے لیے آئے۔ اس موقعہ پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے تھے[1] ارم فداك ابى وامى یہی ارشاد مبارک سن کر حضرت سعد اور ان کے ساتھیوں نے کفار پر یکبارگی ہلہ بول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ کفار شکست کھا کر بھاگے۔ جب حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں نے یہ منظر دیکھا (کہ کفار شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں) تو مرکز کو چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے کے درپے ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں بہت سمجھایا کہ مرکز کو مت چھوڑو جب کہ تم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کر چکے ہو اور آپ تمہیں اس کی تاکید بھی فرما گئے ہیں) لیکن انہوں نے حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ کی ایک نہ سنی۔ اور مال غنیمت کے جمع کرنے میں ٹوٹ پڑے مرکز پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے سات ساتھی ادر ٹھہر گئے باقی سب چلے گئے۔ خالد بن ولید نے (جو اس وقت کفار کے ساتھ تھے) اڑہائی سو[250] جنگی سوار لے کر اچانک اس پہاڑ کی طرف سے لشکر اسلام پر حملہ کردیا۔ اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو شہید کر ڈالا اور اس مرکز سے پیش قدمی کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا تو لشکر اسلامی کو شکست ہوئی۔ ابن قمیئہ نے حضور نبی پاک کو پتھر مارا تو آپ کے دانت مبارک ٹوٹ پڑے اور آپ کا چہرہ مبارک لہو لہان ہوگیا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللهَ اَرْسَلَ عَبْدَهٗ　　　بِبُرْهَانِهٖ وَاللهُ اَعْلٰى وَاَمْجَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ　　　فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: (۱) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مقدس کو برہان دے کر بھیجا اور وہ اللہ تو اعلیٰ اور بزرگتر ہے

۲۔ اور اپنے اسم گرامی سے ان کا اسم گرامی مشتق فرمایا تاکہ انہیں بزرگی بخشے۔ پس عرش والا محمود ہے اور یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں۔

اس شکست پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کی جماعت منتشر ہوگئی۔ ابن قمیئہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی غرض سے آگے بڑھا۔ لیکن حضرت مصعب بن عمیر صاحب الرایہ (رضی اللہ عنہ) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بن گئے۔ ابن قمیئہ نے آگے بڑھ کر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے پیچھے ہٹ گیا اس گمان پر کہ اس نے (معاذاللہ) حضور علیہ السلام کو شہید کر ڈالا ہے اور پکار کر کہا قَدْ قَتَلْتُ مُحَمَّدًا۔ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا ہے۔ اس پر ایک نے چیخ کر پکارا کہ الا ان محمدا قد قتل خبردار

۱۔ [illegible] الباری [illegible] ۱۲

۴۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شہید ہو گئے اور یہ چیخنے والا ابلیس تھا۔ یہ سُن کر لشکر اسلام شکست خوردہ ہو کر متحیر ہوئے حضرت انس بن نضیر (حضرت انس بن مالک کے چچا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے۔ اسی طرح حضرت طلحہ بن عبداللہ اور ان کے ساتھی انصاری اور مہاجرین آ گئے اور انہیں فرمایا کہ جنگ سے کیوں رُک گئے ہو۔ انہوں نے کہا حضور علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں تو اب تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ تم بھی اُن کی طرح اسلام پر جان دیکر باعزت مر جاؤ۔ یہ کہہ کر حضرت انس بن نضیر دشمنوں میں گھس گئے اور خوب لڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سب سے پہلے میں نے ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو محاذ جنگ میں زندہ دیکھا اور آپ کی آنکھیں مبارک خود کے نیچے چمکتی ہوئی نظر آئیں اور آپ بہت زور سے اپنے یاروں کو پکار کر فرما رہے ہیں۔

اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میری طرف آ جاؤ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جونہی آپ کی آواز مبارک سنی تو سب آپ کے ہاں جمع ہو گئے۔ آپ نے اس شکست پر ملامت کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی ہم اور ہمارے آباؤ امہات آپ پر قربان ہم نے آپ کے متعلق بد خبر سُنی تو ہمارے دل بجھ گئے اور شکست خوردہ ہو کر بھاگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زجراً فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط آپ سے پہلے رسل (علیہم السلام) بھی دُنیا سے کوچ کر گئے اور آپ بھی آخر دُنیا سے کوچ کریں گے۔ پھر جیسے ان کے تابعدار اُن کے وصال کے بعد دین پر مضبوط اور پختہ رہے تمہیں بھی ضروری ہے کہ تم بھی اُن کے دین پر ڈٹ جاؤ۔ اگرچہ اُن کا وصال بھی ہو جائے اس لیے کہ رسل کرام علیہم السلام کو تو صرف احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ توحید الٰہی کی حجت قائم کریں نہ یہ کہ وہ دائمی طور اپنی اُمت میں زندہ رہیں۔ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ۔ کیا اگر وہ فوت بھی ہو جائیں پھر کیا تم اپنے گنوں پر لوٹ آؤ گے یہ اُن کے ارتداد اور ان کے دین سے پھر جانے پر انکار ہے کہ جب رسول علیہ السلام کا وصال ہو یا شہید ہو جائیں تو کیا تم دین سے پھر جاؤ گے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام بھی تشریف لائے۔ پھر اُن کا وصال ہوا تو ان کی اُمتیں اُن کے دین پر قائم اور مضبوط رہیں) وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ اور جو شخص بھی اپنے گنوں کی طرف لوٹے گا کہ رسول علیہ السلام تو اُسے جہاد وغیرہ کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ اس کے خلاف کرتا ہے شَيْئًا فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ تو اس کا عملی اور اعتقادی طور خلاف کرنا اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا نقصان نہیں دے گا۔ شَيْئًا (ضرر وغیرہ مُراد ہے) بلکہ اس کا نقصان وہ خود اٹھائے گا کہ اُس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کے سامنے پیش کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ تو نفع و نقصان سے منزہ ہے۔ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (اور اللہ تعالےٰ شاکرین کو نیک جزا دے گا) یعنی وہ دین اسلام پر ثابت قدم رہتے ہیں جو کہ اللہ تعالےٰ کی بڑی نعمتوں اور نہایت ہی اعلےٰ نیکیوں سے ہے۔

سوال : نعمت کو شکر سے تعبیر کرنے کا کیا معنیٰ ۔

جواب : چونکہ دین پر ثابت قدم رہنا اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمت ہے۔ اس لیے اُسے شکر سے تعبیر کیا گیا ہے اور چونکہ دین پر ثابت قدم رہنا اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کی ایک قسم ہے اس لیے اسے شکر سے موسوم کیا گیا۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ دین سے پھر جانا کفرانِ نعمت ہے۔

واقعہ عجیبہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام مختلف الحال ہو گئے بعض تو ان میں مدہوش تھے۔ بعض ان میں بے حس و حرکت ہو گئے (کہ اپنی جگہ سے اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے) بعض کی زبانیں بالکل بند ہو گئیں کہ بولنے پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ بعض نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کا بالکل انکار کر دیا یہاں تک کہ آیت مذکورہ بالا حضرت عمر رضی اللہ کے ذہن سے اتر گئی اور تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ منافقین نے بے پر کی اڑائی ہے (کہ حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا ہے) یہ بالکل غلط ہے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس گئے ہیں۔ چند روز غائب رہیں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کے پاس گئے اور چالیس روز تک واپس نہ لوٹے تھے پھر میعاد مقررہ کے بعد واپس تشریف لائے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام بھی ضرور واپس تشریف لائیں گے جو شخص یہ کہے گا کہ حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا میں اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا۔ اور اس کو بار بار دہراتے رہے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھے اور اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا بجا لا کر فرمایا کہ اے لوگو! جو بھی تم میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہو اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے اور جو شخص تم میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اُس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ راوی کہتے ہیں کہ بخدا ہمیں ایسے محسوس ہوتا تھا کہ گویا یہ آیت حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہی نہیں ہوئی تھی جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت پڑھی تو تمام لوگوں کو حضور علیہ السلام کے وصال کا یقین ہو گیا۔

جدائی کا غم اور استن حنانہ کا قصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر پتھر بھی پھٹنے کو آ گئے اندازہ کیجئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا کیا حال ہو گا۔ اور استن حنانہ (کھجور کا ستون) حضور علیہ السلام کی جدائی سے کس قدر رویا تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ منبر شریف کے بننے سے پہلے آپ اس کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے لیکن جب منبر شریف تیار ہوا تو آپ اسے چھوڑ کر منبر شریف پر تشریف لے گئے تو وہ چیخا۔ جیسے بچہ ماں کو نہ پا کر چیختا ہے بالآخر آپ منبر سے اُترے اور اسے گلے لگا لیا اور اسے تھپکیاں دے رہے تھے۔ جیسے ماں روتے ہوئے بچے کو تھپکیاں دیتی ہے تاکہ رونے سے اسے سکون ملے پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اسے گلے نہ لگاتا تو وہ قیامت تک ایسے روتا رہتا۔[1]

---

[1] استن حنانہ کا مفصل واقعہ و دیگر عجائبات فقیر کی شرح مثنوی میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ۔

ف : احباب کی جدائی ویسے بھی زندگی کے لیے کڑوے گھونٹ ہیں خصوصاً ایسا محبوب کہ جس کا دیدار حیات قلوب ہو۔

وصال شریف اور بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وصال شریف سے پہلے جب حضور علیہ السلام پر غشی طاری ہوئی تو بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا " واکرب ابناہ "

ہائے اباجی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دکھ۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا " لیس علی ابیک کرب بعد الیوم " اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تیرے باپ پر آج کے بعد کوئی بھی دکھ نہیں۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا " یا ابتاہ احباب ابا دعاہ یا ابتاہ جنۃ الفردوس ماواہ " ہائے اباجی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپکا ٹھکانا تو جنت الفردوس ہوگا۔ جب حضور علیہ السلام کو دفن کیا گیا تو بی بی نے کہا " اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ تم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال رہے ہو۔ حضور علیہ السلام کے بعد بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف چھ ماہ زندہ رہیں۔ اس کے بعد انکا وصال ہو گیا ؎

جہاں اے برادر نماند بکس　　　دل اندر جہاں آفریں بند و بس

ترجمہ : ا۔ اس جہان میں کسی نے نہیں رہنا فلہٰذا پیدا کرنے والے سے ہی لو لگانا چاہیے۔

سبق سمجھدار انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنے حال کو سنوارے تاکہ کل قیامت میں لوگوں کے سامنے رسوائی نہ ہو۔ اور وہ اعمال صالحہ کی کوشش کیوں نہیں کرتا جب کہ اسے معلوم ہے کہ قیامت کا وہ دن ہے کہ جہاں انبیاء و اولیاء کو بھی گھبراہٹ ہو گی ؎

دراں روز کز فعل پرسند و قول　　　اولوالعزم را تن بلرزد ز ہول[1]

بجائے کہ دہشت خورد انبیاء　　　تو عذر گناہ را چہ داری بیا

ترجمہ (۱) اس دن کہ جس میں اعمال کی پرسش ہو گی تو اولوالعزم بھی خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔

(۲) جہاں انبیاء علیہم السلام کو بھی وحشت ہو گی اب تیرا کوئی عذر ہے تو لائیے۔

یعنی تو کس بھروسہ پر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور تجھے کس بات کا سہارا ہے تو اپنے لیے قیامت کا سامان نہیں تیار کرتا ہے

ف : کامیابی و کامرانی ایمان تحقیقی میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان تقلیدی بیکار ہے اس لیے کہ مقلد اپنے نبی کی عدم موجودگی میں ایمان سے پھر جاتا ہے۔

---

[1] کسی بزرگ نے فرمایا ہے حد دوزخ داور موجب ہے۔ سب خلقت ڈرے دل ڈولن گے۔ سب نفسی نفسی ڈرن گے۔ پر نبی پاک فرماون گے۔ یا امتی یا امتی۔

(بقیہ حاشیہ صد ۱۰۳)

یہی وجہ ہے کہ جس کا ایمان والدین یا اُستاد اور شہر والوں کی تقلید پر ہو اور ابھی ایمان اس کے دِل میں جاگزیں نہیں ہوا اور نہ ہی نورِ اسلام سے اس کا سینہ کھلا ہے تو موت کے وقت تو یہ اسباب مقلدہ منقطع ہو جائیں گے۔ پھر منکر نکیر کے سوال سے عاجز ہو جاتا ہے۔ جب وہ کہتے ہیں "مَنْ رَّبُّكَ" تو وہ کہے گا "هَاهْ لَا اَدْرِىْ" اور جب اس سے پوچھیں گے "مَا تَقُوْلُ فِىْ هٰذَا الرَّجُلِ" تو بھی کہے گا "هَاهْ لَا اَدْرِىْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا قَالَ النَّاسُ" تو اسے نکیرین کہیں گے لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ یعنی تو کچھ بھی نہیں جانتا۔

زدانندگاں بشنو امروز قول — کہ فردا نکیرت بپرسند بہول
غنیمت شمار ایں گرامی نفس — کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس

ترجمہ: (۱) علماء سے ابھی بات یاد کرلے اس لیے کہ نکیرین سختی سے سوال کرتے ہیں۔
(۲) زندگی کے مقدس لمحات کو غنیمت جان کیونکہ مرغ کے بغیر پنجرہ بیکار ہے۔
یعنی جسم کی رُوح کے بغیر کوئی قدر و منزلت نہیں سمجھ دار انسان کو چاہیے کہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کرے۔ ورنہ جب رُوح جسم سے پرواز کرے گی تو پھر افسوس کے ہاتھ ملے گا لیکن ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

تفسیر عالمانہ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ کسی کو موت کسی سبب سے واقع نہیں ہوتی سوائے مشیت ایزدی کے وہ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) کو حکم فرمائے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت لے کر اس رُوح کو قبض کریں۔

خلاصہ تفسیر ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے نہ کوئی اپنے وقت سے پہلے مرتا ہے اور نہ ہی اُسے وقت معین سے مہلت ملتی ہے نہ وہ جنگ سے بھاگنے سے رکتی ہے اور نہ ہی جنگ میں لڑنے سے آتی ہے۔

بقیہ صفحہ حاشیہ نمبر ۱۰۲: پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو یوں فرماتے ہیں۔

اَجکل تیرا مکلاوا نی — انڈھیاں نال ملاوانی — کیوں سُستی ہیں کی دعوے نی
وِس پینگی سس ننان کڑے — کر کتن ول دھیاں کڑے — کر کتن ول دھیاں کڑے
دیاں سِتاں کملی جھلی نوں — جد پویٹے گا وخت اگلی نوں — تاں ہائے ہائے کرسی جان کڑے
کر کتن ول دھیان کڑے

ے یہ مسئلہ کہ قبر میں حضور علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے۔ اختلافی ہے فقیر نے اس پر ایک تحقیقی کتاب "الاقول المؤید" لکھی ہے۔

ف: آیت میں اہل اسلام کو جنگ کرنے کی ترغیب اور جذبہ شجاعت پیدا کرنا مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر طرح حفاظت ہو گی اور اشارہ ہے کہ اُن کی موت کو ابھی دیر ہے اس میں منافقین کی تردید ہے۔ جب کہ انہوں نے کہا کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا یعنی اگر شہید ہونے والے ہمارے ہاں رہ جاتے اور جنگ پر نہ جاتے تو وہ نہ مرتے نہ ہی مارے جاتے۔

ف: مجاہد اپنی موت سے پہلے نہیں مرتا اور نہ ہی جہاد سے کنی کترانے والا آئی ہوئی موت سے بچ سکتا ہے ؎

بروز اجل نیزہ جوشن درد ۔۔۔ ز پیراہن بے اجل نگذرد

ترجمہ: ۱۔ اجل آجاتی ہے تو زرہ پھٹ جاتی ہے اجل کا وقت نہ ہو تو پیراہن سے بھی تیر نہیں گزر سکتا۔

کِتٰبًا یہ مصدر اپنے ماقبل کی تاکید کرتا ہے معنیٰ یہ ہے کہ موت لکھی ہوئی ہے۔ مُؤَجَّلًا مقرر کردہ ہے اس کا ایک وقت معین ہے کہ وقت سے پہلے آتی ہے نہ بعد کو[۱] کہ موت و حیات کا دار و مدار صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے۔ اس میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں اور اشارہ کیا گیا ہے کہ اعمال کے ثمرات ان کے اپنے ارادے میں انہیں چاہیے کہ اعمال کے ثمرات کو اغراض دنیاوی سے ہٹا کر بہترین مطالب (اُخروی) میں لگا دیں۔ چنانچہ فرمایا۔ مَنْ یُّرِدْ اور جو شخص اپنے عمل سے ارادہ کرتا ہے ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا دنیا کے ثواب سے ہم جسے چاہیں عطا کریں۔ اس میں ان لوگوں پر تعریض ہے غزوہ احد میں غنیمت کے حصول کے درپے ہوگئے۔ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا اور جو آخرت کے ثواب کا ارادہ رکھتا ہے ہم اسے عطا فرمائیں گے قسم قسم کا اجر و ثواب (جیسا کہ اس کریم کا وعدہ کریمہ ہے)۔

وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ اور ہم شکر گزار لوگوں کو جزا دیں گے یعنی نعمتِ اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کو اور وہ لوگ جو اپنی تمام طاقت و ہمت کو اسلام کی اُن راہوں پر صرف کرتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا کی گئی ہیں انہیں ان قوتوں و طاقتوں کو راہِ اسلام پہ خرچ کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

مسئلہ: الشاکرین میں وہ مجاہدین مراد ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے اور عمومی طور تمام مجاہدین فی سبیل اللہ داخل ہیں۔

قاعدہ: یہ آیت اگرچہ جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق وارد ہوئی ہے لیکن عمومی طور تمام اعمال صالحہ کو شامل ہے اس لیے کہ طلبِ ثواب و عقاب میں اعمال کے مقاصد و دواعی مطلوب ہوتے ہیں نہ کہ اعمال کے ظواہر۔ مثال کے طور جو شخص بوقتِ نماز (ظہر یا عصر کے وقت) اپنا سر زمین پر رگڑتا ہے حالانکہ سورج اُس کے آگے ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے اس لیے یہ اسلام کے بہترین شعائر سے گنا گیا ہے۔ اور جو شخص سورج پرستی کے طور زمین پر سر رکھتا ہے تو اس کا وہی فعل کفر کے بہت برے شعار سے شمار کیا گیا ہے۔

---

[۱] کسی بزرگ نے خوب فرمایا۔ رائی گھٹے نہ تل بڑھے جو لکھیا غفار۔ ایویں مُورکھ نہ بنیں کر تدبیراں کار۔

ریاکار کی سزا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں مجاہد کو بلا کر فرمائے گا کہ تو کس لیے مارا گیا تو وہ عرض کرے گا۔ اے العٰلمین تو نے ہمیں جہاد کا حکم فرمایا۔ میں تیرے فرمان کے پیش نظر کفار سے لڑا اور مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے اس لیے کہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ لوگ تجھے بڑا جنگجو کہیں سو تیرے لیے یہ بات ہوگئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔

ف: مجاہد حقیقی وہ ہے جو صرف اس لیے لڑتا ہے کہ کلمۃ اللہ کو سربلندی حاصل ہو اپنی شہرت مطلوب ہوتی ہے نہ ہی طاقت کے جوہر دکھلانا مقصود ہوتا ہے اور نہ تحصیل غنیمت ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست	دگرنہ چہ آید نے بے مغز پوست
برائے ریا خرقہ سہلست دوخت	گرش با خدا در توانائی فروخت

ترجمہ: ۱۔ وہ عبادت بہتر ہے جو خلوص نیت سے ہو ورنہ وہ جو ثمر لائے گا جو صرف پوست ہے۔

۲۔ ریا کا خرقہ پہننا آسان ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچتا ہے۔

نیک نیتی کے فضائل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی نیت آخرت کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو استغناء سے پُر کر کے اُس کی پراگندگی دور فرمائے گا۔ اور دنیا ذلیل ہو کر اُس کے قدموں میں گرے گی اور جس کی نیت صرف دنیا طلبی ہو تو فقر و فاقہ اُس کی آنکھوں میں ڈال دے گا۔ اور اُس کے معاملات پراگندہ ہو جائیں گے اور اُسے ملے گا بھی وہی جو اُس کی قسمت میں لکھا ہے۔ اور فرمایا کہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اُس کی نیت ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی نیت ہو تو یقیناً اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کا مقام نصیب ہوگا اور جس کی نیت میں ہجرت اس لیے ہے کہ وہاں جا کر دنیا حاصل کرے گا یا نکاح کرے گا تو اُسے وہی ملے گا۔ جو اُس نے نیت کی ہے پس جو شخص نیک عمل بہشت کے شوق میں کرتا ہے تو وہ ضرور بہشت کو نعمتوں کو پائے گا اور آخرت کے ثواب سے بھی مالا مال ہوگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت میں عمل کرے گا تو اُسے منعم حقیقی کی زیارت سے شرف نصیب ہوگا۔ اُسے دنیا میں بھی ثواب ملے گا۔ اس لیے کہ وہ منعم حقیقی یہاں بھی موجود ہے۔ وہ غائب تو ہے نہیں اور وہ قریب ہے کسی سے دور نہیں اور بندوں کے ہر وقت ساتھ ہے جہاں بھی ہوں۔

حدیث قدسی: اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص میرا طالب ہے وہ مجھے ضرور ملے گا اور جو شخص بالشت کے برابر میرے قریب ہوتا ہے تو میں اُس کے ہاتھ برابر قریب ہو جاتا ہوں ؎

خَلِیْلِیْ ھَلْ اَبْصَرْتُمَا اوسمعتما   یاکریمہ ھولی تمشی الی عبد

انی زائر من غیر عدو قال لی   اجلک عن تعذیب قلبک بالوعد

ترجمہ : اے میرے دوستو! کیا تم نے کوئی ایسا آقا دیکھا یا سنا ہے جو اپنے بندے کی طرف خود چل کر جائے۔ وہ وعدہ دیئے بغیر ہی تشریف لاکر مجھے فرماتا ہے کہ میں تیرے پاس وعدہ کے بغیر آگیا تاکہ تیرا قلب وعدہ کے انتظار کے عذاب سے بچ جائے

سبق

سالک کو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرکے اس کی راہ میں بلا خوف لومۃ لائم مجاہدہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وصال سے سرشار ہوکر اضطرار سے بچ جائے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت امام قاشانی اپنی تاویلات میں لکھتے ہیں کہ جسے سرِّ قدرت سے آگاہی ہے تو وہ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاَثَرِ اللّٰہِ " کے معنیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہی سب سے بہت بڑا بہادر ہے۔

حکایت : حضرت حاتم اصم حضرت شفیق بلخی کی معیت میں خراسان کی ایک جنگ میں حاضر تھے اور فرمایا کہ مجھے حضرت شفیق اس وقت ملے جب لڑائی زوروں پر تھی۔ مجھ سے حضرت شفیق نے پوچھا۔ حاتم اس وقت تیرا دل کس حال میں ہے۔ میں نے کہا میری آنکھوں سے نیند نکل چکی ہے بیقراری و بے آرامی کا زور ہے۔ حضرت شفیق نے میری یہ بات سنتے ہی ہتھیار اتار دیے اور فرمایا میرا حال تو ہے اپنا سر مبارک ڈھال پر رکھ لیا اور میدان جنگ کی عین لڑائی میں سو گئے یہاں تک کہ آپ کے خراٹے سنے گئے اسے کہتے ہیں سکون القلب الی اللہ اور اس پر پورا بھروسہ۔

سبق : جب بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے باطن کو خالص کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر دکھ اور تکلیف آسان بنا دیتا ہے بلکہ جن باتوں سے بظاہر خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ اس کے لیے مسخر فرما دیتا ہے۔

حکایت : حضرت ابراہیم الرقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوالخیر خراسانی کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ لیکن انہوں نے نماز میں فاتحہ نہ پڑھی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ افسوس نماز ضائع گئی۔ اتنا لمبا سفر کیا سب رائیگاں گیا۔ نماز کا سلام پھیر کر میں نے تجدید وضو کا ارادہ کیا۔ جب مسجد کے دروازہ سے باہر نکلا تو دیکھا شیر کھڑا ہے اور مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے میں اس کے ڈر کے مارے گھبرا کر واپس لوٹا تو حضرت ابوالخیر رضی اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ مجھ پر شیر حملہ کرتا ہے۔ آپ نے مسجد سے باہر نکل کر شیر کو للکارا اور فرمایا میں نے تجھے بارہا سمجھایا کہ میرے مہمانوں کو کچھ نہ کہا کرو۔ اب یہ حرکت کیوں۔ شیر حضرت ابوالخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم سنتے ہی پیچھے ہٹ کر بھاگا۔ اور میں نے باطمینان ہو کر وضو کیا۔ جب واپس لوٹا تو آپ نے فرمایا بھائی تم ظاہر کے سنوارنے میں رہ کر بھی

شیروں سے ڈرتے رہو۔ ہم باطن کی صفائی کرتے ہیں ۔ اس لیے ہم سے شیر ڈرتے ہیں ؂

اولیاء محبوب اللہست و آن کس نیاز اردجستن درجہاں

ترجمہ : اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا محبوب جان اسی لیے کوئی شئے انہیں ضرر نہیں پہنچا سکتی ۔

تفسیر عالمانہ وَكَاَيِّنْ یہ دراصل ای تھا ۔ اس پر کاف داخل ہوا ہے تو اس میں کثرت کا معنیٰ پیدا ہو گیا ہے اب بمعنے کم خبریہ کے ہے مِنْ نَّبِیٍّ یہ کاین کی تمیز ہے اس کی تمیز اکثر مجرور ہو کر آتی ہے قرآن پاک میں ہر جگہ یونہی مستعمل ہوا ہے کاف کی وجہ سے اس پر جر گا ہونا ممتنع ہے ۔ اس لیے کہ اس کے آخر میں تنوین ہے اور تنوین اضافت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ یہ کاین کی خبر ہے اس لیے کہ وہ مبتدا ہے اور فعل بظاہر اس کا مسند ہے ۔

حل لغات : الربی ربانی کی طرح رب کی طرف منسوب ہے تغیرات نسب کی وجہ سے اس کی را مجرور ہے کیونکہ جب ایک شئے دوسری شئے کی طرف منسوب ہوتی ہے تو اس میں تغیر آ ہی جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے بصری منسوب الی البصرہ یا ربۃ کی طرف منسوب ہے ۔ اس لیے کہ ربۃ بمعنے جماعۃ آتا ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کے اعزاز کی خاطر علماء اتقیاء یا بہت بڑی جماعتیں جنگوں میں شریک رہیں ۔

فَمَا وَهَنُوْا اس کا عطف قاتل پر ہے (یعنی نہ تو وہ ڈھیلے پڑے اور نہ ہی ہمت ہارے) لِمَآ اَصَابَهُمْ کہ انہیں جنگوں میں بہت بڑے مصائب ٹوٹ پڑے یہ منفی کی علت ہے نہ کہ نفی کی فی سبیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) جمع کی ضمیر میں دو تقریریں ہیں ۔

۱۔ یہ ضمیر تمام ربیوں کی طرف راجع ہے ۔ اب اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جو قتل کے ماسوا جو زخم اور باقی تمام تکالیف جو انہیں اثناء حرب میں پہنچیں ۔

۲۔ یہ ضمیر ان باقیماندہ حضرات کی طرف راجع ہے جو جنگ کے بعد زندہ رہے تو اب مطلب یوں ہو گا کہ وہ پریشانیاں جو انہیں اپنے اعزہ واقارب کی شہادت سے پہنچیں یا انہیں الوجوہ سے دکھ اور درد پہنچے وغیرہ وغیرہ وَمَا ضَعُفُوْا اور نہ ہی وہ دشمنوں یا جہاد سے یا دین کے معاملات میں کمزور ہوئے وَمَا اسْتَكَانُوْا اور نہ ہی دشمن کے سامنے جھکے ۔

حل لغات : یہ دراصل استکن سکون سے ہے اس لیے کہ جھکنے والا اپنے ساتھی کے سامنے سر جھکا دیتا ہے تاکہ وہ جس طرح چاہے کرے اس کا الف فتحہ کی اشباع کا ہے یا یہ کون سے ہے ۔ اس لیے کہ وہ جھکنے والا اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کے سامنے نہ جھکے ۔ اس میں تعریض ہے ان حضرات کے لیے جنہیں کفار کے غلبہ سے سستی اور غفلت ہوئی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر کفار آمادہ ہوئے تو انہیں چھوڑ کر بھاگ نکلے اور

مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ڈھیلے پڑ گئے اور ان کے سامنے عجز و انکسار کا مظاہرہ کیا بلکہ اتنے کمزور ہوئے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین خبیث کو اپنا قائد بنا کر ابو سفیان (جب کہ کفار کے سردار تھے) سے امان کی طلب کا مشورہ کر رہے تھے وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ اور اللہ تعالیٰ صابرین سے محبت کرتا ہے۔ جب کہ شدائد و مصائب کے وقت صبر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دکھ اور تکالیف کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی عزت و عظمت بڑھاتا ہے وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اور قولہم کا منصوب ہونا کان کی وجہ سے ہے اور اس کا اسم اَن اور اُس کا مابعد ہے جو اس مضمون میں ہے اِلَّآ اَنْ قَالُوْا یہ اعم الاشیاء سے استثناء مفرغ ہے یعنی وہ حضرات دشمنوں کے مقابلہ اور جنگ کی سختی سے سخت کاروائیوں اور شدائد و مصائب کے وقت جو کہ جنگ کے باعث ان پر پہنچیں تو صرف یہی کہتے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے ہمارے رب ہمارے صغیرہ گناہ بخش دے۔ وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا اور کبائر کے ارتکاب میں تجاوز عن الحد کر جانا۔

سوال: ان حضرات نے غلطیوں کے ارتکاب کا اعتراف کیوں کیا۔ حالانکہ وہ تو ایسی خامیوں سے پاک تھے۔

جواب: کسر نفسی کی بنا پر یا اپنے کو قصور دار سمجھ کر اور مصائب کا نشانہ اعمال کی وجہ سے خیال کر کے ان غلطیوں کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔

سوال: مغفرت کو دعا سے کیوں مقدم کیا۔

جواب: اس لیے کہ اس حال کو زیادہ اہمیت اس میں تھی کہ دعاء سے مغفرت کو مقدم کیا جائے اور دعا کا مضمون یہ ہے وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمیں جنگ کے میدان میں ثابت قدم رکھ کہ ہمارے ہاتھ سے تقویٰ کا دامن نہ چھوٹے اور ہر وقت تیری طرف سے تائید غیبی ہمارے شامل حال رہے یا یہ کہ ہمیں اپنے دین حق پر ثابت قدم رکھ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۔ اور ہمیں قوم کفار پر فتح و نصرت عطا فرما۔ یہ کلمات اس لیے کہے گئے تاکہ استجابۃ دعا قریب تر ہو۔ اس لیے کہ وہ دعا جس میں خشوع و خضوع و صفائی اور طہارت قلب ہو وہ اقرب الی الاستجابۃ ہوتی ہے معنیٰ یہ ہے کہ وہ حضرات ایسی دعا پر مواظبت کرتے اور اُن سے کوئی کلمہ ہرگز نہیں صادر ہوتا تھا کہ جس میں میدان جنگ یا دین کے امور میں کسی قسم کی جزع یا تزلزل کا شائبہ ہو اس میں شکست کھا کر بھاگنے والوں پر تعریض ہے جیسا کہ ظاہر ہے فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی وجہ سے یہ جملہ امور عطا فرمائے۔

ثَوَابَ الدُّنْیَا ثواب دنیا سے فتح و نصرت اور عزت نیک نامی مراد ہے وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ اور ثواب الآخرۃ سے بہشت اور دائمی نعمتیں مراد ہیں آخرت کے ثواب کو حسن سے مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ دلالت ہو کہ آخرت کے ثواب میں تزاید اور خصوصیت سے فضل الٰہی شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی یہی ثواب معتبر ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے محبت کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے بندے سے راضی اور اُس کے ساتھ خصوصی بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ دراصل یہی ہر سعادت کا مبداء ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے اپنے اوصاف کریمہ سے موصوف کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اپنے سے جنگ و جلال میں مبتلا کر دیتا ہے پھر اُسے دُشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھتا ہے پھر اُن کی ذوات سے بہترین جواہر ظاہر کرتا ہے یعنی اعلےٰ صفات سے موصوف بناتا ہے کہ جن اوصاف سے بنو آدم مکرم و معظم ٹھہرتے ہیں اور انہیں صبر و احسان کی توفیق عنایت فرماتا ہے جو یہ بھی منجملہ اللہ تعالیٰ کے صفات کا حامل ہو جائے اس سے محبت کرتا ہے اس لیے فرمایا واللہ یحب الصابرین اور فرمایا واللہ یحب المحسنین۔

ف: حضرت امام رازی نے واللہ یحب المحسنین کی تفسیر میں فرمایا کہ اس میں بہترین اور عجیب و غریب لطیفہ ہے وہ یہ کہ ان لوگوں نے اپنے مجرم ہونے کا اعتراف کیا جب کہ انہوں نے کہا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا جب انہوں نے یہ اعتراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مُحسنین کے نام سے موسوم فرمایا۔ گویا انہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو جب تم نے اپنی برائی و عاجزی کا اعتراف کیا تو میں تمہیں احسان کی صفت سے موصوف کرتا ہوں اور میں صرف تمہیں اپنا محبوب بناتا ہوں تاکہ معلوم ہو کہ بندہ اپنے مولیٰ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک عجز و انکساری اور مسکینی و ذلت کا اظہار نہ کرے[1]۔

کنوں بایدت عذر تقصیر گفت | نہ چوں نفس ناطق ز گفتن بخفت
تو پیش از عقوبت درِ عفو کوب | کہ سودے ندارد فغان زیر چوب

ترجمہ: ا۔ تقصیر کا عذر تمہیں ابھی کرنا چاہیئے نہ جب نفس بولنے سے سو جائے۔

۲۔ سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکٹائیے۔ بوجھ سر پر پہنچنے کے بعد فریاد کا کوئی فائدہ نہیں۔

حکایت: آصف بن برخیا سے ایک گناہ ہوگیا تو وہ حضرت سلیمان بن داؤد (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ دُعا فرمائیے تاکہ اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرمادے۔ انہوں نے آصف کے لیے دُعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے گناہ معاف فرمادیئے پھر دوبارہ ان سے گناہ ہوگیا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) کے عرض

---

[1] حضرت مولانا کوٹلہ عالم پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

حمد چراغ دلاں تاریکاں مشعل شب مہجوراں | ہر ہر ذرہ جس تھیں چمکیا وچہ افراز تصوراں۔ اُویسی غفرلہ

کہ نے پر اُن کا گناہ معاف فرمادیا۔ اسی طرح انکا یہ معاملہ کئی بار ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اب اس سے غلطی ہوئی تو دُعا نہ مانگنا ورنہ دُعا قبول نہ کروں گا۔ چنانچہ پھر اُس سے غلطی ہوئی تو سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دُعا کا عرض کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سارا ماجرا سنایا۔ تو وہاں سے آصف عصا لے کر اٹھا اور جنگل میں چلا گیا اور عصا کو زمین پر رکھ کر ہاتھ اُٹھا کر اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی الٰہ العالمین تو مغفرت کرنے کے لیے ہے اور میں گناہ کرنے کے لیے ہوں۔ میں ضعیف مُجرم ہوں اور تو غفور رحیم ہے اگر تو مجھے گناہوں سے نہ بچائے گا تو میں بار بار گناہ کروں گا۔ اسی طرح اس کلمہ کو دہراتا رہا۔ یہاں تک کہ بیہوش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ اپنے خالہ زاد بھائی (آصف) کو فرمائیے اب تم گناہ کرتے جاؤ میں بخشتا جاؤں گا۔ اسی طرح بار بار فرمایا کہ میں بخشتا جاؤں گا۔ اس لیے کہ میں غفار (گناہ بخشنے والا) ہوں۔

کنونت کہ چشمت اشکے بیار　　زباں در دہانست عذرے بیار

فرا شو چو بینی در صلح بار　　کہ تا کہ در توبہ گردد فراز

مرو زیر بار گناہ اے پسر　　کہ حمال عاجز بود در سفر

ترجمہ: ۱۔ ابھی تیری آنکھ میں آنسو موجود ہیں اور زبان منہ میں ہے فلہذا عذر بارگاہ حق میں پیش کر۔

۲۔ ابھی توبہ کر لے اس لیے کہ صلح کا دروازہ کھلا ہے غفلت نہ کر ممکن ہے توبہ کا دروازہ بند نہ ہو جائے۔

۳۔ گناہ کے بوجھ کے نیچے مت جا اس لیے کہ سفر میں بوجھ تکلیف دیتا ہے۔

سبق: اے سالک تجھے شیطان دُنیا کی رنگینیوں سے دھوکہ میں نہ ڈالے۔ اس لیے کہ تو جانتا ہے کہ دُنیا فانی ہے۔

نصیحت ربانی اللہ تعالیٰ نے داؤد علی نبینا و علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں تجھے اور تیری اولاد کو ایک محل میں بسانے والا ہوں جس محل کے چار رکن ہیں۔

۱۔ جس مکان کی تم تعمیر کرو گے۔ میں اسے خراب کر ڈالوں گا۔

۲۔ جسے تم جوڑو گے میں اسے توڑوں گا۔

۳۔ جتنا اولاد تم جنو گے میں اُسے مار ڈالوں گا۔

۴۔ جتنا تم جمع کرو گے میں اسے مٹا ڈالوں گا۔

(اللہ سے ہی عصمت اور توفیق الی سواء الطریق کی درخواست ہے)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا
خٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ
وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَصَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى
اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ
مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ
وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ
عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا
عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ
يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ
اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ
الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا
اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ع

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم ان کے پیچھے لگے جو راہِ کفر اختیار کر چکے ہیں تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف)
لوٹا دیں گے پھر گھاٹا کھا کے پلٹ جاؤ گے بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے۔ ہم
کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا جس پر اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری
اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا بُرا ٹھکانا ہے ظالموں کا اور بے شک اللہ نے تمہیں اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب
کہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم لے نافرمانی کی اور حکم میں جھگڑا ڈالا۔ اور
نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تمہیں دکھا چکا تھا تمہاری خوشی کی بات تم میں سے بعض دنیا کے خواہش مند
ہو گئے اور بعض نے آخرت کی خواہش کی پھر تمہارا رُخ ان کی طرف پھیر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور بے
شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مسلمانوں پر فضل کرتا ہے جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے

اور پیٹھ پھیر کر کسی کو نہ دیکھتے اور دوسری جماعت میں ہمارے رسول تمہیں پکارتے تھے تو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا اور معافی اس لیے سنائی کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو افتاد پڑی اس کا رنج نہ کرو اور اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اتاری کہ تمہاری ایک جماعت کو گھیرے ہوئے تھی اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اللہ پر بے جا گمان کرتے تھے جاہلیت کے سے گمان کہتے کیا اس معاملہ میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے تم فرما دو کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے تم فرما دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے جب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا اپنی قتل گاہوں تک نکل کر آتے اور اس لیے کہ اللہ تمہارے سینوں کی بات آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے کھول دے اور اللہ دلوں کی بات جانتا ہے بے شک وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں انہیں شیطان ہی نے لغزش دی ان کے بعض اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرمایا بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا)،

شان نزول یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی۔ جب کہ انہوں نے اہل ایمان کو شکست کے وقت کہا اب اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ اور روٹھے ہوئے بھائیوں سے مل جاؤ۔ اگر نبی (علیہ السلام) سچا ہوتا تو وہ مغلوب ہوتا نہ شہید۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ایمان والو اِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا اگر تم ان کافروں کی اطاعت کرو گے انہیں کافر اس لیے کہا گیا ہے تاکہ ان سے مزید نفرت اور ان کی بات سے بچنے پر تنبیہ ہو۔ يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ (تمہیں اپنے گنوں پر لوٹا دیں گے) یعنی وہ تمہیں اپنے دین میں داخل کر دیں گے۔ لوٹانے کی نسبت اُن کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ وہی اس کے مُدعی تھے اور ارتداد علی العقب سے دو امور میں برعکس ہو جانا یعنی کفر میں پھنس جانا اور یہ اس وقت بھی ہوتا ہے جب کہ بندے کو فائدہ کے بعد نقصان اٹھانا پڑے فَتَنْقَلِبُوا خٰسِرِينَ پس لوٹو گے خسارہ والے ہو کر یعنی دُنیا کی عزت چھن جائے گی۔ اور آخرت کی سعادت سے محروم ہو جاوگے۔ دُنیا کی عزت اس لیے سَلب ہو جائے گی کہ انسان کو اس سے اور کون سی ذلت ہوگی جب کہ دشمن کے تابع ہو کر گزارے اور اس کا نیازمند رہے اور ہر ضرورت کے لیے اُس کے آگے ہاتھ پھیلائے اور آخرت سے محرومی یہی ہے کہ وعدہ دیئے ہوئے ثواب سے محروم ہو کر دائمی عذاب میں مُبتلا رہے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ بلکہ تمہارا اللہ تعالیٰ مددگار ہے وہ تمہارے مددگار نہیں اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو

تو تمہاری مدد نہ کریں گے۔ تمہاری مدد کرنے والا تو تمہارا رب تعالیٰ ہے نہ کہ کوئی دوسرا اس لیے صرف اسی کی اطاعت کرو اس کی مدد پر بھروسہ کر کے دوسروں سے مستغنی ہو جاؤ۔ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ اور وہی تمہارا مددگار ہے فلہٰذا اس کو اطاعت و استعانت کا حقدار سمجھو۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ عنقریب کافروں کے دِل پر رُعب ڈالوں گا۔ چنانچہ غزوہ اُحد میں ان کے دل میں خوف ڈالا گیا جس کی وجہ سے بلا وجہ وہ جنگ کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ حالانکہ انہیں اس وقت زبردست طاقت بھی حاصل تھی اور غلبہ بھی۔ اور رُعب اُس خوف کو کہتے ہیں۔ جو کسی کے دِل میں ڈالا جائے۔ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ اُن کے شرک کی وجہ سے اُن کے دِل میں رُعب ڈالا گیا اس لیے کہ یہی شرک اُن کی رسوائی اور مومنین کی فتح و نصرت کا سبب بنتا ہے مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے شریک ٹھہرانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سُلْطٰنًا بمعنے حجت و برہان اور لفظ مَا اَشْرَكُوْا کا مفعول بہ ہے اس لیے کہ اَشْرَكُوْا اس پر واقع ہوا ہے۔ اور اس سے اُن کے معبود باطلہ مراد ہیں۔ یعنی نہ اُن کے شرک کرنے پر کوئی حجت ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی دلیل ہے۔ سلطان دراصل قوت کو کہتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے سلطان الملک یعنی اس کی قوت اس لیے مدعی کی دلیل کو بھی سلطان کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ اس کی وجہ سے باطل مدعی کا دعوےٰ توڑتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ دلیل وہی مفید ہے جو من جانب اللہ ہو نہ کہ اپنے خیالات فاسدہ اور قیاسات باطلہ سے وَمَاْوٰىهُمُ اور اُنکا ماویٰ جہنم ہے۔ ماویٰ ہر اُس شئے کو کہتے ہیں جس کی طرف آخرت میں وہ لوگ رجوع کریں گے النَّارُ جہنم ان کا ٹھکانا ان کے لیے جہنم کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہوگی وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ اور ظالمین کے لیے وہ بہت برا ٹھکانا ہے اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے یعنی نار۔

سوال: ماویٰ کہنے کے بعد مثویٰ کو کیوں لایا گیا۔

جواب: اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ وہ کفار دائمی طور جہنم میں رہیں گے اس لیے کہ مثویٰ انسان کی ہر وہ اقامت گاہ ہے جہاں وہ ہمیشہ ٹھہرے اور ماویٰ ہر وہ جگہ جہاں چند لمحات آرام کے لیے ٹھہرے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دِلوں میں رُعب اور امن و رغبت اور خوف وغیرہ ڈالتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ بندوں کے دِل اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ انہیں پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور فرمایا کہ بندہ کا دِل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں (قدرت) میں سے صرف دو انگلیوں میں بندھا ہوتا ہے وہ چاہے تو اپنے بندے کے دِل کو صحیح رکھے اور چاہے تو اسے ٹیڑھا کرے اس لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف عجز و زاری کرے اور دُعا مانگے تاکہ وہ اسے نفوس کافرہ خصوصاً نفس امارہ پر غلبہ عطا فرمائے اس لیے اگر کسی نے اس نفس امارہ کا کہا مانا جیسا کہ وہ چاہتا ہے تو اُسے نفس امارہ شریعت کے بہت گہرے

گڑھوں کی طرف دھکیل دے گا۔ جس کی وجہ سے وہ بندہ سخت سے سخت نقصان اٹھائے گا ؎

نمی تازد ایں نفس سرکش چناں | کہ عقلش تواند گرفتن عناں
کہ بانفس و شیطان برآید بزور | اوصاف پلنگاں نیاید زمور

ترجمہ: ۱۔ نفس قابو میں نہ آئے گا اور عقل بھی اس کی باگ نہیں موڑ سکتا نفس شیطان سے زور آزمائی کون کرسکتا یہ ایسے ہے جیسے چیونٹی شیر چیتے کے ساتھ زور آزمائی کرے۔

رُوحانی بیماریاں اور اُن کا علاج حضرت الشیخ ابو علی الرودباری قدس سرہ نے فرمایا آفت رُوحانی تین بیماریوں کی وجہ سے آتی ہے۔

۱۔ طبیعت ۲۔ ملازمۃ العادۃ ۳۔ فساد الصحبتہ۔ آپ سے پوچھا گیا کہ طبیعت کی بیماری کی کیا علامت ہے۔ آپ نے فرمایا اکلِ حرام پھر سوال ہوا کہ ملازمۃ العادۃ کے علامات بتائیے۔ آپ نے فرمایا جن اشیاء کا دیکھنا سننا حرام ہے انہیں دیکھنا اور سُننا جیسے غیبت پھر پوچھا گیا کہ فساد الصحبت کی کونسی نشانیاں ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے کہ نفس میں کوئی شہوت ابھرتی ہے تو وہ نفس اُس کے پُورا کرنے کے درپئے ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر توفیق ربانی مدد نہ کرے تو وہ شخص نفس کی اندھیریوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے یعنی وہ تمہیں بشریت کی تاریکیوں سے نکال کر انوارِ ربوبیت کی طرف لے جاتا ہے پس جو شخص اپنے نفس کو اپنا مولیٰ بنا لیتا ہے تو اُس کا ظلمات نفسانیہ سے نکلنا مشکل ہوجاتا ہے۔

قاعدہ رُوحانیہ: اس میں ضابطہ یہ ہے کہ انسان پورے طور اپنے مولیٰ حقیقی کا ہوکر رہے سوائے اُس کے کسی کی عبادت نہ کرے۔

حکایت: حضرت اصمی فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان حسین و جمیل سفر کو روانہ ہوا تو جنگل کا راستہ طے کرنا پڑا اتفاقیہ اُس کی ہم سفر ایک عورت ہوگئی وہ اس نوجوان پر عاشق ہوگئی۔ راستہ کاٹتے ہوئے اس عورت نے کہا۔ اے چلنے والے مسافر کیا تم کوئی شعر بھی پڑھ سکتے ہو۔ نوجوان نے کہا ہاں۔ اس عورت نے کہا تو پھر سنایئے۔ نوجوان نے یہ شعر پڑھا ؎

وَلست من النساء ولسن منی | لا ابغی الفجور الی الممات
فلا تطمعنی فیما لدینا | ولو قد طال سیر فی الفلاۃ
فان اللہ یبصر فوق عرش | ویغضب للفعال الموبقات

ترجمہ: نہ میں عورتوں میں اور نہ وہ مجھ سے ہیں۔ میں تو مرتے دم تک زنا نہ کروں گا۔ فلہٰذا اے ساتھ چلنے والی عورت میرے سے اس فعل کا طمع دل سے نکال دے۔ اگرچہ تمہارا اور میرا اس جنگل میں ساتھ چلنا ایک عرصہ دراز

تک بھی کیوں نہ ہو۔
اس لیے کہ میرا رب عرش سے مجھے دیکھ رہا ہے اور وہ ایسی غلط کاریوں اور تباہ فعلیوں سے ناراض ہوتا ہے۔
اس عورت نے کہا چھوڑیئے اس شعر کو بھلا بتائیے تم قرآنی آیات بھی سنا سکتے ہو۔ نوجوان نے کہا کیوں نہیں
اس عورت نے کہا کیجئے بسم اللہ۔ اس نوجوان نے پڑھا[1] "الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما"
اس عورت نے کہا یہ تم نے کیا پڑھ لیا۔ چھوڑیئے اب مجھے رخصت دیجئے۔ اس نوجوان سے مطلب نہ پا سکی خائب و خاسر ہو کر لوٹی۔

سبق: دیکھئے اس نوجوان نے کس طرح نفس کی شرارت اور شہوت کے غلبہ سے نجات پائی اور کیسے گناہ سے بچنے کی تدبیر بنائی اور بہت بڑے گناہ کے ارتکاب سے بچ گیا۔ اس نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ بھی صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

جواں چست می باید کہ از شہوت بپرہیزد
کہ پیرست رغبت را خود آلت برنخیزد

ترجمہ: جوان کو چاہیئے کہ وہ چالاک و چست ہو کہ اسے شہوت سے پرہیز کرے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے ابتدائی حال میں مجاہدہ کی عادت نہیں رکھتا تو وہ طریقت و معرفت کی خوشبو تک بھی نہیں سونگھے گا۔ اس لیے کہ چالیس سال کے بعد زہد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اس وقت کی عمر سے فوائد و منافع سے چنداں ثمرات حاصل نہیں ہوتے۔ اور تجھے یہ خبر (بڑھاپے کی فضیلت کی حدیث) بھی دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ ہی اس پر سہارا کر کے عبادت میں سستی کا شکار ہو جائے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مرد کو کوئی ایسا مقام نہیں ملتا اور نہ ہی اس عمر تک پہنچتا ہے کہ اس سے امر و نہی ساقط ہو جائیں بلکہ مقصد تو یہ ہے کہ بندہ عبادت میں ایسی جدوجہد کرے کہ اسے مقام یقین نصیب ہو۔ ورنہ عبادت بجالانے میں بوڑھا و نوجوان برابر ہیں۔ اس لیے کہ ہر دونوں اوامر و نواہی میں مکلف ہیں بلکہ ہر وہ امور جو جوانی میں نہیں پورے کئے جا سکے وہ بڑھاپے میں پورے کئے جا سکتے ہیں حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

اے دل شباب رفت و نچیدی گلے ز عمر
پیرانہ سر بکن ہنرے ننگ و نام را

ترجمہ: اے دل جوانی گئی لیکن تو نے زندگی کے باغ سے کوئی پھول نہ لیا۔ بڑھاپے میں کوئی ایسا کام کر جو تیرا نام روشن رکھے۔

---

[1] زانی مرد اور عورت دونوں کو درے مارو۔ ۱۲

تفسیر عالمانہ (وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ)
(بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا) وَعْدَہٗ بظاہر صدقکم کا مفعول ثانی ہے۔ یا بطور نزع الخافض کے منصوب ہے کہ دراصل فی وعدہ تھا۔

شان نزول یہ ان مومنین کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے مدینہ شریف کی طرف واپسی پر کہا کہ اس جنگ (احد) میں ہمیں شکست کیوں ہوئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے تیر اندازوں کو فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرے رہنا۔ انشاء اللہ تعالیٰ فتح و نصرت ہمیں حاصل ہوگی بشرطیکہ تم اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ اس کے بعد ہوا بھی ایسے ہی کہ جب مسلمانوں نے کفار پر دوبارہ حملہ کیا تو تیر انداز اپنے تیروں سے اور باقی حضرات تلواروں سے کفار کو مارتے رہے یہاں تک کہ کفار شکست کھا کر بھاگے۔ پھر مسلمان ان کے پیچھے چلتے ہوئے انہیں تیزی سے قتل کررہے تھے۔ چنانچہ فرمایا اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ جب کہ تم محسوس کررہے تھے کہ تم انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کررہے تھے۔

حل لغات: تحسونہم یہ حسٌّ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ فعل کے گمان سے حس باطل منصور ہو اور یہ عموماً بوجہ قتل و حزن کے ہوتا ہے اور یہ جملہ" صدقکم کا ظرف ہے بِاِذْنِهٖ اس کی مشیت اور اس کی تیسیر و توفیق سے" یہ جملہ تحسونہم سے حال ہے حَتّٰی) یہ ابتدائیہ اور جملہ شرطیہ پر داخل ہے اِذَا فَشِلْتُمْ جب کہ تم بزدل ہوئے اور تمہاری رائے کمزور پڑ گئی یا یہ کہ تم مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے اس لیے کہ حرص ضعف تلبی کی وجہ سے ہوتا ہے وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ اور تم حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کے متعلق آپس میں جھگڑتے تھے۔ ان میں بعض تو کہتے تھے کہ اب کفار شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرچکے ہیں۔ اور ہمارے مسلمان بھائی ان کا پیچھا کئے ہوئے اور ان کی گردنیں اڑا رہے ہیں۔ پھر ہمارا یہاں ٹھہرنا بے سود ہے۔ ان کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہم حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہرگز نہیں کریں گے۔ وہ وہاں چند ساتھیوں سمیت ٹھہرے رہے جن کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ باقی مال غنیمت کو جمع کرنے کے لیے مرکز کو چھوڑ کر مال غنیمت پر جھپٹ پڑے چنانچہ فرمایا وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ۔ اور تم نے نافرمانی کی بعد ازاں جب کہ فتح ونصرت اور مال غنیمت اور کفار کی شکست نظر آئی۔

بقایا واقعہ جب کفار نے دیکھا کہ مسلمانوں نے مرکز چھوڑ دیا ہے تو پہاڑی کی اوٹ سے لشکر اسلام پر حملہ کردیا۔ جس سے تیر اندازوں کے سردار اور ان کے تمام ساتھیوں کو شہید کردیا۔ جیسا کہ پہلے واقعہ تفصیل سے گزرا ہے۔

سوال: عصیان کو مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ سے کیوں مقید کیا گیا ہے۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ یہی ان کا بہت بڑا گناہ ہے اس لیے کہ جب انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے۔ اب اُن کا فرض منصبی تھا کہ وہ گناہ سے بچ جاتے نہ کہ اُلٹا گناہ کا ارتکاب کرتے۔

ف اذا کا جواب محذوف ہے ای منعکم نصرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد تم سے روک دی مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا بعض تم میں وہ تھے جو صرف دُنیا کا ارادہ رکھتے تھے۔

شانِ نزول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس جملہ کے بعد مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ ہم میں کون حصول دُنیا کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ دوسرا جملہ نازل ہوا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ اور بعض تم میں وہ تھے جو کہ صرف آخرت اُن کی مراد تھی۔ اُن سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے مرکز کو نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمایا ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ (پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُن سے پھیرا) اس کا جملہ محذوفہ پر عطف ہے جیسے پہلے بتایا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار سے روکا اور تمہیں شکست ناش سے بچا کر فاتح و غالب بنا دیا۔ اس لیے کہ ان پر دبور کی ہوا چلی حالانکہ اس سے قبل صبائی ہوا چل رہی تھی۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ تاکہ تمہاری آزمائش کرے یعنی تاکہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جیسے کسی سے آزمائش کے وقت کیا جاتا ہے تاکہ مصائب کے وقت تمہاری ثابت قدمی کا اظہار ہو وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ بیشک اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے تمہیں معاف فرما دیا جب کہ تمہیں دیکھا کہ تم اپنے کئے پر سخت نادم ہو۔ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بڑا فضل فرماتا ہے۔ یعنی اُس کی شان بھی یہی ہے کہ وہ انہیں اپنے فضل وکرم سے معاف فرماتے یا یہ کہ اہل ایمان پر ہر حال میں فضل وکرم کرے نعمتوں سے نوازے تب بھی اس کا فضل وکرم ہوتا ہے اگر مصائب میں مبتلا کرے تب بھی۔ اس لیے کہ انہیں مصائب میں مبتلا کر دینا بھی اس کی رحمت ہوتی ہے جب کہ اُن کے اُس وقت کے حالات کے مناسب یونہی ہوتا ہے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ یہ صرفکم کے متعلق ہے اور الاصعاد بمعنی الذھاب والابعاد فی الارض ہے یعنی جب کہ تم میدان جنگ چھوڑ کر بہت دُور نکل چکے تھے

وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ اور پیچھے کی طرف تم مڑ کر دیکھتے بھی نہیں تھے اور نہ پیچھے کی طرف تمہیں کچھ التفات تھا بلکہ تمہارا کوئی کسی دوسرے ساتھی کے لیے ٹھہرتا بھی نہیں تھا وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں بلاتے ہیں چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پکار کر فرماتے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ انا رسول اللہ من یکر فلہ الجنۃ اے اللہ تعالیٰ کے بندو میرے ہاں آجاؤ میں ہی اللہ تعالیٰ کا رسول زندہ ہوں۔ جو شخص واپس لوٹے گا اسے انعام میں بہشت نصیب ہو گی۔

ازالۂ وہم حضور علیہ السلام کا انہیں بلانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنا پر تھا۔ یعنی اس بات کی نہی کہ وہ شکست کھا کر بھاگ رہے ہے اور کفار سے جنگ کرنے کو چھوڑے جا رہے تھے نہ یہ کہ حضور علیہ السلام کو ان کی

ضرورت تھی کہ بطور استعانت کے انہیں بلاتے تھے فِیۤ اُخْرٰىكُمْ تمہاری پچھلی صف اور آخری جماعت ہیں۔
آیت کا معنی یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگ کی آخری صف میں کھڑے ہو کر انہیں بلاتے تھے انہیں آخری کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ جب رہ بھاگے تو گویا وہ حضور علیہ السلام سے آگے ہو گئے فَاَثَابَكُمْ اس کا عطف صَرَفَكُمْ پر ہے یعنی پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے کئے ہوئے عمل کی جزاء عطا فرمائی (غَمًّا) غم (بِغَمٍّ) غم کے عوض پہنچا۔ مثلاً ان حضرات میں سے بعض کی شہادت اور بعض کے زخمی ہونے اور کفار کے کامیاب ہو جانے اور حضور نبی علیہ السلام کے شہید ہونے پر آمادگی کی وجہ سے انہیں غم لاحق ہوا یا یہ معنی ہے کہ تمہیں اس وجہ سے غم پہنچا کہ تم نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے ان کا دل دکھایا۔ لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ تاکہ تم فوت شدہ منافع اور پہنچی ہوئی تکالیف و مصائب پر غم نہ کھاؤ یعنی شدائد پر صبر کرنے کی مشق کرو اور غم کے گھونٹ پینے کی عادت ڈالو تاکہ جانے والے منافع یا آنے والے نقصانات سے غم نہ کھاؤ۔
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے یعنی وہ تمہارے اعمال و مقاصد کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جان لو کہ صبر و یقین اور توکل علی اللہ اور دنیا کی طرف نہ جھکنے اور اس کے نقوش اور رنگینیوں کی طرف میل نہ کرنا اور حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے بچنا مدد الٰہی اور فتحمندی کو مستلزم ہیں۔ اور بزدلی اور آپس کا جھگڑا اور دنیا کی طرف جھکاؤ اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی آزمائش اور دشمنوں سے بھاگنے کے سبب بنتے ہیں۔

نسخہ فتح و نصرت جو شخص ظاہری و باطنی دشمنوں پر کامیابی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ صرف وہ راستہ اختیار کرے جس پر شرع مطہرہ نے چلنے کا حکم فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر آزمائش پر راضی ہونا اور آخرت کا غم نہ کرنا فتح و نصرت کا نسخہ ہے بلکہ صرف غم ہو تو طلب حق کا ہو۔ کیونکہ یہی غم دنیا و آخرت کی تمام لذتوں سے لذیذ تر ہے اور دین کے بارے میں ہر دکھ درد پر صبر کرے ؎

صبر آرد آرزو را نہ شتاب
صبر کن واللہ اعلم بالصواب،

ترجمہ: صبر کو کام میں لا آرزو کے مطابق کام نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اس پر بس صبر ضروری ہے اللہ بھلائی کو خوب جانتا ہے۔

روحانی نسخہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرید کے سلوک کے منازل کی ادنیٰ منزل یہ ہے کہ اگر اسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل کرے اور جہنم کا عذاب ہر طرف سے کھول دے تو بھی اس کی محبت الٰہیہ اور انس ربانی اور شوق یزدانی میں بال برابر کمی نہ آئے بلکہ اس وقت اس کی نظروں میں اس نعمت

(اگرچہ دوزخ دوسروں کے لیے عذابِ عظیم ہے) کے مقابلہ میں بہشت اتنا حقیر ترین نظر آئے جیسے رائی کے دانہ کو آسمان وزمین سے نسبت ہے ۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس کو طاعت کے کڑوے گھونٹ پلائے اور اسے بابِ تسلیم درضا میں مقید رکھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر ومنزلت ہو۔

حکایت : حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے خلیفۃ المسلمین حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ نے یہ بہت بڑا بلند مرتبہ کیسے پایا کہ آپ ہم سب سے فضائل وکمالات میں بڑھ گئے ہیں ۔ انہوں نے فرمایا پانچ چیزوں سے ۔

(۱) لوگوں کو میں نے دو طرح پایا۔ (۱) دنیا کے طالب (۲) آخرت کے طالب ۔ میں نے طالب عقبیٰ بننے کی کوشش کی ۔

(۲) جب سے دولتِ اسلام نصیب ہوئی میں نے دُنیا کے طعام سے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ اس لیے کہ معرفت الٰہی نے مجھے دُنیا کے لذیذ طعاموں سے باز رکھا۔

(۳) جب سے میں نے اسلام قبول کیا دُنیا کی بہترین مشروبات پانی وغیرہ سے پیٹ کبھی نہیں بھرا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجھے دُنیا کی تمام مشروبات سے بے نیاز کر دیا ہے ۔

(۴) جونہی میرے سامنے دُنیا وآخرت کے معاملے پیش ہوئے تو میں نے آخروی معاملہ کو دنیوی معاملہ پر ترجیح دی ۔

(۵) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا حق ادا کیا اور دل میں عہد کر لیا کہ آپ کی رفاقت سے ایک پل بھی محروم نہ رہوں ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ واقعی انہوں نے حضور علیہ السلام کی صحبت کا حق ادا کیا کہ پل بھر بھی ان سے جدائی گوارا نہ کی ۔ یہاں تک کہ اگر آپ غار میں تشریف لے گئے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ساتھ تھے اور پھر اس غار میں بہت بڑے دکھ درد جھیلے لیکن اس کے باوجود آپ کی صحبت ورفاقت میں ذرہ برابر کمی نہ ہوئی اور نہ ہی ان سے کبھی مخالفت نبوی سرزد ہوئی ۔ جیسا کہ بعض اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کبھی کبھی (اگرچہ سہواً یا خطاً) مخالفت واقع ہو گئی ۔ جیسے غزوہ اُحد میں بعض حضرات شکست کے وقت بھاگ نکلے ۔

کیست دانی صوفی صافی زرنگ تفرقہ،
آنکہ دارد در دیک رنگی دریں کاخ دو رنگ

نگسلد سررشتہ سرش زجاناں گر بسرض
رُوبرد گیرد زیک سو شیر و دیگر سو پلنگ

ترجمہ ۱: تمہیں معلوم ہے کہ صوفی صافی کون ہے وہ ہے جو اس دو رنگی دنیا میں صرف ایک کی طرف اپنی توجہ رکھتا ہے۔
ترجمہ ۲: محبوب سے تعلق ہرگز نہیں توڑتا اگرچہ آپ ایک طرف سے شیر پھاڑنے کو کھڑا ہو دوسری طرف چیتا۔

وحی جلیل بسوئے حضرت خلیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے ابراہیم تو میرا خلیل اور میں تیرا خلیل ہوں۔ دیکھنا کبھی ایسا نہ ہو کہ تیرا راز کسی دوسرے سے ہو۔ یاد رکھنا اگر کبھی میں نے تیرا راز میرے غیر میں پایا تو میری اور تیری خلت قائم نہیں رہے گی۔ میرا ضابطہ ہے کہ میرا خلیل وہ ہے کہ اگر میں اسے آگ سے جلا دوں تب بھی اس کا راز میرے غیر سے نہ ہو۔ میری عزت و عظمت کی بزرگی اس کے قلب پر غالب ہو۔ اس لیے کہ ہر وہ راز جو تِل برابر منقطع ہو جائے تو پھر وہ میرے ساتھ ہم کلامی اور دیدار کا اہل نہیں رہتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَسْلِمْ۔ تسلیم و رضا کے لیے سر جُھکا دے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں نے رب العالمین کے لیے سر جھکا دیا۔ اس کے بعد انہیں نلاخن کے ذریعے آگ میں ڈالا گیا لیکن ایسا صبر دکھایا کہ اتنی بہت بڑی مصیبت کے باوجود اُف تک نہ کی بلکہ اپنا معاملہ اس کی طرف سپرد کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلّت سے نوازا اور آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا۔

رُوحانی نسخے وہ خوشنودی جو رب تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو نصیب ہو وہی اس کو بلند مقامات اور بہترین حالات تک پہنچا دیتی ہے اس میں سب سے اعلیٰ درجہ توحید کا ہے اس سے ہی بندے کو قوتِ یقین اور مقام ولایت تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

ولی اللہ کے علامات: حضرت یحییٰ بن معاذ سے سوال ہوا کہ ولی اللہ کی علامات کیا ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔

(۱) صبر اُس کا اوڑھنا۔
(۲) شکر اس کا بچھونا۔
(۳) فقر اس کی آرزو۔
(۴) تقویٰ اس کی سواری۔
(۵) حکمت اس کی علم۔
(۶) توکل اس کا ساتھی۔
(۷) غربت پر اس کی ملازمت۔

(۸) حزن اس کا رفیق۔

(۹) ذکر الٰہی اس کا دوست۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ اُس کا انیس ہو۔ (۱۱) قرآن مجید اس کا ساتھی۔

قوت رُوح اولیا ذکر حق است پیشۂ ایشاں بذکر مطلق است

گر خبرداری ز اسرار خدا رو براہ ذکر و طاعت عقیا

ترجمہ: (۱) اولیا کی روح کی غذا ذکر حق ہے ان کا پیشہ مطلقاً ذکر ہے۔

(۲) اسے عقی اگر اسرار الٰہی سے باخبر ہے تو ذکر و اطاعت کی راہ پہ آجا۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ اُس کا عطف فاثابکم پر ہے اور انزل اعطی و دھب سے مجاز ہے یعنی اے مومنو! پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں مِنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ غم مذکور کے بعد اَمَنَةً امن عطا فرمایا۔

اس کی نصب بنابر مفعولیت ہے نُّعَاسًا۔ یہ امنۃ سے بدل ہے یعنی اونگھ۔

حکایت: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے غزوہ اُحد میں اپنا سر اٹھایا۔ اپنے تمام ساتھیوں کو دیکھا تو سب کے سر اونگھ سے ڈھالوں کے نیچے پڑے ہیں اور اس اونگھ سے میرے ہاتھ سے تلوار بار بار گر جاتی اُسے اٹھاتا تو ہاتھ کی لکڑی گر پڑتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ان میں وہ بھی تھے کہ جن پر اونگھ نہیں ڈالی گئی۔ چنانچہ فرمایا يَغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ تمہارے بعض گروہ کو اونگھ ڈھانپتی تھی۔ جن پر اونگھ طاری ہوئی وہی مہاجرین اور عام انصار تھے عموم الانزال علی الکل کہہ دینے سے کوئی حرج نہیں (کیونکہ الاکثر حکم الکل) قاعدہ مشہور ہے۔ یہ جملہ علی محل النصب ہے بایں طور کہ یہ نعاسا کی صفت ہے۔ وَطَآئِفَةٌ یہ مبتدا ہے۔ اس سے منافقین مراد ہیں۔

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ انہیں نفسوں نے برانگیختہ کیا۔ یعنی ان کے نفسوں نے اُن کے دلوں میں غم و حزن ڈال دیا تھا۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ انہیں صرف اپنے نفسوں کا غم تھا کہ یہاں سے جلد جان چھوٹ جائے۔ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ یہ اہتہم کی ضمیر سے حال ہے غَيْرَ الْحَقِّ یعنی حسن ظن کے سوا جو اللہ تعالیٰ پر غلط گمان کیا جائے۔

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ یہ غیر الحق سے بدل ہے اور وہ مخصوص ظن جو ملتِ جاہلیۃ اور اس کے اہل میں تھا يَقُوْلُوْنَ یہ یظنون سے بدل ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسارًا پوچھتے هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ ہمارے لیے بھی کوئی اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کے وعدے اور فتح و نصرت سے کچھ ہے یا نہ۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ فرمائیے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ بالآخر غلبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کو ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہمیشہ غالب رہتا ہے يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ یقولون کی ضمیر سے حال ہے چھپاتے ہیں وہ جو اُن کے دلوں میں ہے ڈبات

جو نہیں بتاتے یعنی ظاہر نہیں کرتے ہیں کہ یہ ہمارا سوال استرشاداً ہے حالانکہ دل میں انکار و تکذیب رکھتے ہیں۔ یقولون یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے گویا کہا گیا کہ وہ کیا چھپاتے ہیں تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں یا یہ کہ ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہتے لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ۔ اگر ہمارے لیے کسی امر میں کوئی شئے ہوتی جیسے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا ہے کہ غلبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کو ہوگا۔ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا تو یہاں قتل نہ کئے جاتے یعنی ہم مغلوب نہ ہوتے یا یہ کہ ہمارے میں جو مقتول ہوئے ہیں وہ یہاں اس جنگ میں مارے نہ جاتے اس لیے کہ یہ نفی نفس قتل کی طرف راجع ہے نہ فقط اس مقام پر قتل کے وقوع کی طرف یا یہ معنیٰ ہے کہ اگر ہمارے لیے یہاں سے نکل جانے کا اختیار یا تدبیر ہوتی تو ہم یہاں نہ ٹھہرے رہتے۔ قُلْ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تکذیب اور ان کے معاملہ کا ابطال کرکے فرمائیے۔ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ اگر تم اپنے گھروں میں ٹھہرے رہتے اور غزوۂ اُحد کے لیے نہ نکلتے اور مدینہ طیبہ میں بیٹھے رہتے جیسے تم کہہ رہے ہو لَبَرَزَ تو البتہ نکلتے الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ وہ لوگ کہ جن کے متعلق لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا تھا کہ یہ غزوۂ احد میں مریں گے۔ تو کوئی نہ کوئی سبب انہیں غزوہ احد کے لیے حاضری پر مجبور کر دیتا مَضَاجِعِهِمْ اُن کے بستروں میں ہی یعنی معرکہ جنگ میں جہاں مرے ہیں یہیں پر ہی اللہ تعالیٰ ان کی موت مقدر کر دیتا اور وہیں پر ہی لازماً مقتول ہوتے۔ انہیں مدینہ شریف میں اقامت پر عزیمت بالکل کوئی فائدہ نہ دیتی اس لیے کہ اُس کی تقدیر ہرگز نہیں ٹلتی اور نہ ہی اُس کے حکم میں کوئی خلاف ہوتا وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اور یہ جملہ فعل مقدر کی علّت ہے جو اس سے پہلے محذوف ہے اور اس کا تمام دوسری علتوں پر عطف ہے اور بار بار بتایا گیا ہے اور سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کے ذریعے تمہاری بکثرت آزمائش ہو رہی ہے گویا کہا گیا ہے کہ جو کچھ ہوا ان سب میں تمہاری اصلاح و بہبودی اور فلاح و کامیابی ہے۔ اب لیبتلی کا معنیٰ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو آزمائش والوں سے کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تمہارے قلوب میں اخلاص ہے یا نفاق۔ پھر دلوں کے اسرار اور مخفی بھید واضح ہو کر باہر آ جائیں وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے امور ہیں انہیں خالص کرے وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور سینے کے اندر والے اسرار کو جانتا ہے یعنی وہ اسرار اور بھید جو کہ سینوں کو چمٹے ہوئے ہیں کہ کسی وقت اُن سے جدا نہیں ہوتے بلکہ ہر وقت اُن کے ساتھ ملازمت رکھتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا بیشک جنہوں نے اعراض کیا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ جب کہ دو جماعتیں (یعنی مسلمان اور کافر) غزوۂ احد میں لڑنے کے لیے آمنے سامنے ہوئیں تو تم میں سے بعض۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو غزوہ احد میں شکست کھا کر بھاگ نکلے۔

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بیشک انہیں شیطان نے ہی ڈگمگایا۔ یعنی اُن کی شکست کا سبب

شیطان بناکہ اُس نے ہی اُن سے ڈگمگانا طلب کیا اور انہیں بھاگنے کی طرف بلایا بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا بسبب اُن گناہوں کے کہ جو اُن سے سرزد ہوئے یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت (کہ مرکز کو چھوڑ کر مال غنیمت کو جمع کرنے لگے) اس وجہ سے تائید ربانی اور قوتِ قلبی سے محروم ہو گئے وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمایا جب کہ انہوں نے توبہ کی اور صدق دل سے معذرت چاہی۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ بیشک اللہ تعالیٰ اُن کے گناہ بخشنے والا حلیم ہے گنہگار کے گناہ کے سبب سے اُس کے عذاب میں عجلت نہیں کرتا تاکہ اسے توبہ کرنے کا موقعہ عنایت فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے شیطان اور اس کے وسوسہ کی نار سے معدن انسان سے وہ لوہا نکالتا ہے جو اس کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے (یعنی وہ اعمال جو جنگ سے بھاگنے سے سرزد ہوئے) تاکہ اس حضرتِ انسان کو اپنے صفات عفو و مغفرت و حلم کے ظہور کا آئینہ بنائے۔ یہی مطلب ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث قدسی کا کہ فرمایا اگر تم گناہ نہ کروگے تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگ پیدا کرے گا جو گناہ کرکے اس سے بخشش مانگیں گے پھر وہ انہیں بخش دے گا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ہر شے میں بیشمار اسرار ہیں۔ خیر میں بھی شر میں بھی۔ وہ اسرار کہ اُن کی کُنہ کو صرف وہی جانتا ہے اور اس کے علم کو کوئی شخص احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہاں جس کے لیے وہ چاہتا ہے (جیسے انبیاء اولیاء)

مسئلہ: شیطان اہل یقین مخلصین نورانی حضرات کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جس کے قلب میں تاریکی نہ ہو اور کسی گناہ کے ارتکاب سے جس کے دل میں خواہش نفسانی کا شائبہ تک نہ ہو اسے بھی شیطان وسوسہ ڈال کر گمراہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ سالکین جو ظلماتِ نفس سے نجات پا چکے ہیں شیطان اُن کے قریب نہیں بھٹکتا چہ جائیکہ ان میں وسوسہ ڈال سکے۔

حکایت: منقول ہے کہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں شیطان کو ننگا پھرتا دیکھ کر فرمایا کہ اے شیطان تجھے ننگا پھرتے ہوئے لوگوں سے شرم بھی محسوس نہیں ہوتی۔ شیطان نے عرض کی یہ کیا لوگ ہیں۔ لوگ تو وہ ہیں جو شونیزیہ کی مسجد میں عبادت میں مصروف ہیں کہ انہوں نے مجھے مار ہی ڈالا۔ بلکہ میرے جگر کو آگ لگا دی حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میں نیند سے بیدار ہوا تو اُن لوگوں کی زیارت کے لیے مسجد شونیزیہ کی طرف چل پڑا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک جماعت مسجد میں مقیم ہے کہ جن کے سر گھٹنوں پر ہیں اور وہ تفکر میں محو ہیں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا اے جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خبردار کبھی نفس کے دھوکہ میں نہ آنا۔ تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ جب کسی کا دل معرفتِ الٰہی سے منور ہو جاتا ہے تو شیطان ناری وہاں پہنچ کر وسوسہ نہیں ڈال سکتا۔

حکایت: حضرت ابوسعید خزار رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا تو میں نے اپنا عصا اٹھایا تاکہ اسے ماروں۔ مجھے کہا گیا کہ شیطان ڈنڈے سے نہیں ڈرتا بلکہ یہ اُس نور سے ڈرتا ہے جو انسان کے دل میں ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ شیطان نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے اپنے لشکر

کو پھیلا دیا تاکہ انہیں گمراہ کریں لیکن شیطان کا لشکر خائب و خاسر ہو کر واپس لوٹا۔ اور ابلیس کو کہا کہ ہم نے عجیب ماجرا دیکھا ہے وہ یہ کہ ہم صبح سے شام تک ان حضرات سے گناہ کرانے پر لگے رہے لیکن اُن سے گناہ کا صدور ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ انہوں نے ہمیں تھکا مارا۔ شیطان نے کہا کہ تم اُن پر کسی طرح بھی قابو نہیں پا سکتے اس لیے کہ وہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبت یافتہ ہیں اور نزولِ وحی کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کر چکے ہیں ہاں اُن کے بعد اور لوگ پیدا ہوں گے۔ ان میں سے تمہارا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ جب تابعین پیدا ہوئے تو پھر شیطان نے اپنا لشکر انہیں گمراہ کرنے کیلئے بھیجا تو بھی ان کا کام پورا نہ ہوا شام کو شیطان کے پاس ملول و حزیں ہو کر حاضر ہوئے۔ شیطان نے پوچھا یہ کیوں انہوں نے کہ ان حضرات کا معاملہ صحابہ کرام سے بھی عجیب تر ہے۔ اس لیے کہ ہم ان سے بار بار گناہ کراتے رہے لیکن جب شام کا وقت ہوا تو استغفار کرنے لگ جاتے پھر اُن کی وہی برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ شیطان نے کہا اُن سے بھی تمہاری مراد پوری نہیں ہو سکتی کہ یہ توحید پر پختہ کار ہیں اور اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پابند ہیں اُن کے بعد اور لوگ پیدا ہوں گے اُن سے من مانی غلطیاں کرانا اس سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ ان سے جس طرح چاہو گے غلطیاں کراؤ گے بلکہ وہ خواہشات نفسانیہ کے ایسے خوگر ہوں گے کہ اُن سے جیسے کراؤ گے وہ کرنے کے لیے تیار رہیں گے۔ انہیں استغفار کا موقعہ تک بھی نصیب نہیں ہوگا۔ کہ جس سے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے اور نہ ہی وہ توبہ کر سکیں گے کہ جس سے اُن کی برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو جائیں چنانچہ جب قرن اول کے بعد تبع تابعین پیدا ہوئے تو شیطان نے ان میں خواہشات نفسانیہ کا جال پھیلایا۔ اور اُن کے سامنے بدعات کو خوب سنگارا۔ چنانچہ ان لوگوں نے خواہشات نفسانیہ کو خوب پورا کیا۔ اور بدعات (سیئہ) ہی اُن کا دین بن گیا۔ نہ غلطیوں کی بخشش مانگنے اور نہ ہی توبہ کرتے۔ اُن پر ابلیس نے اُن کے اعداء کو مسلط کر دیا۔ پھر انہوں نے جیسے چاہا اُن کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسایا۔

نہ ابلیس درحق ما طعنہ زد | کز نیاں نیاید بجز کار بد
فغاں از بدیہا کہ در نفس ماست | کز ترسم شود ظنِ ابلیس راست
چوں ملعوں پسند آمدش قہر ما | خدا ایش براند اخت از بہر ما

ترجمہ: ۱۔ کیا ابلیس نے ہمارے حق میں طعنہ نہیں مارا تھا کہ ان سے سوائے برائی کے اور کوئی کام نہ ہوگا۔

۲۔ نفس کی برائیوں سے فریاد ہے خدا نہ کرے ابلیس کا گمان صحیح ہو جائے۔

۳۔ جب اس ملعون کو ہمارا مقہور ہونا مرغوب ہوا تو ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے نظر انداز فرما دیا۔

کجا سر آریم ازیں عار و ننگ
کہ با او بتسلیم و باحق بجنگ

(گلزارِ بوستان سعدی قدس سرہ)

ترجمہ: ہم اس عار و ننگ سے سر باہر آ سکتے ہیں جب کہ ہم اس کے ساتھ صلح اور حق کے ساتھ جنگ رکھتے ہیں

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذْ ضَرَبُوْا فِي
الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ج لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَلَئِنْ
قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○
وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ○ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ج فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○
اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ج وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ
مِّنْ بَعْدِهٖ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ط وَمَنْ
يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ج ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ○ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ط
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ لَقَدْ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○
اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا لا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ط قُلْ هُوَ مِنْ
عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ لا وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ج وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ط قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ط هُمْ لِلْكُفْرِ
يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ج يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ط
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ○ ع اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ط
قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ لا فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ
مِنْ فَضْلِهٖ لا وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ لا اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ

اے ایمان والو ان کافروں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اپنے بھائیوں کی نسبت کہا جب وہ سفر کو یا جہاد کو گئے کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے یا نہ مارے جاتے اس لیے کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کا افسوس رکھے اور اللہ جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت ان کے تمام مال اور دولت سے بہتر ہے اور اگر تم مرو یا مارے جاؤ تو اللہ ہی کی طرف اٹھنا ہے تو کیسی کچھ اللہ کی رحمت ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ کرو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک توکل والے اللہ کو محبوب ہیں اگر تمہاری اللہ مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو پھر تمہاری مدد کرے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے اور کسی نبی پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ کچھ چھپا رکھے اور جو چھپا رکھے وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی چیز لے کر آئے گا پھر ہر جان کو ان کی کمائی بھرپور دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا تو کیا جو اللہ کی مرضی پر چلا وہ اس جیسا ہوگا جس نے اللہ کا غضب اوڑھا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا بری جگہ پلٹنے کی وہ اللہ کے یہاں درجہ بدرجہ ہیں اور اللہ ان کا عمل دیکھتا ہے بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے کہ اس سے دونی تم پہنچا چکے ہو تو کہنے لگو کہ یہ کہاں سے آئی تم فرما دو کہ وہ تمہاری ہی طرف سے آئی بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور اس لیے پہچان کرا دے ان کی جو منافق ہوئے اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ بولے اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے وہ اس دن ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب ہیں منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں وہ جنہوں نے اپنے بھائیوں

کے بارے میں کیا اور آپ بیٹھ رہے کہ وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے تم فرما دو تو اپنی ہی موت ٹال دو اگر سچے ہو اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل کی اور یہ کہ اللہ ضائع نہیں کرتا اجر مسلمانوں کا۔

تفسیر عالمانہ

(یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا)

اے ایمان والو کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ۔ یہاں پر الذین کفروا سے در منافقین مراد ہیں جو غزوۂ احد میں کہتے لو کان لنا من الامر شیئ ما قتلنا ھھنا وقالوا لاخوانھم۔ اور کہا اپنے بھائیوں کو یعنی اپنے بھائیوں کیلئے یا ان کے حق میں کہا وہ ان کے حقیقی نسبی بھائی تھے یا ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہونے کی وجہ سے انہیں ان کا بھائی کہا گیا۔ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ جب وہ تجارت کے لیے زمین میں گئے یا اپنے دوسرے اہم مقاصد کے لیے اپنے گھروں سے دور چلے گئے تو وہ سفروں میں مر گئے اَوْ کَانُوْا یا ان کے وہ بھائی غُزًّی۔ جو جنگ کے لیے باہر چلے گئے غُزًّی غازی کی جمع ہے۔ جیسے عُفًّی عافی۔ اور سُجَّدٌ ساجد کی جمع ہے یعنی وہ لوگ جو جنگ کے لیے گھروں سے نکلے اور مارے گئے۔ لَوْ کَانُوْا عِنْدَنَا اگر وہ ہمارے ہاں مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہتے مَا مَاتُوْا تو وہ نہ مرتے اپنے سفروں میں وَمَا قُتِلُوْا اور نہ ہی جنگ میں مارے جاتے۔ اس نہی سے یہ مقصود نہیں کہ ان کافروں کی طرح صرف زبان سے نہ کہو بلکہ اس مضمون کے عقائد اس حکم کے موجب ان کی طرح نہ ہو جاؤ۔ لِیَجْعَلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ حَسْرَۃً فِیْ قُلُوْبِھِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارا یہ معاملہ حسرت بنائے۔ یہ جملہ قالوا سے متعلق ہے اور لیجعل کی لام عاقبت کے لیے ہے جیسے رَبَّتُہٗ لِیُؤْذِیَنِیْ (میں نے اسے اس لیے پالا تاکہ وہ مجھے ایذا دیتا ہے) میں لام عاقبت کی ہے نہ کہ علت و غرض کی۔ اس لیے کہ ان کا مقولہ مذکورہ یعنی لو کانوا عندنا الخ اس غرض کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ وہ بطور حسرت کہتے تھے۔ جب کہ دیکھا کہ اہل اسلام جہاد پر مضبوط ہو گئے۔ اب معنی یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات ظاہری طور پر یونہی کہی لیکن اس سے ان کی اندرونی غرض کچھ اور تھی۔ جس پر ان کے قول کا انجام کار رہی کہ وہ حسرت اور افسوس کے ہاتھ ملیں۔ اور حسرت کا ندامت سے پلہ بھاری ہے کہ اس سے دشمن کی قوت ٹوٹ جاتی ہے اور اس عذاب کے

اظہار سے مقصد یہ ہے کہ انہیں ان باتوں سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ پھر اُن کا مقولہ الٹا اُن کے لیے اس لیے حسرت بنا دیا گیا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان کا جنگ کے لیے جانا یا سفر کرنا اُن کے روکنے پر عمل نہ کرنے سے کوتاہی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ تقدیر ربانی یونہی تھی۔ ہاں جو بھی عقیدہ رکھے گا تو اس کی حسرت میں اضافہ ہوگا۔ اور مومن کا عقیدہ ہوتا ہے کہ حیات و موت کا وقوع اللہ تعالیٰ کی قضاء پر ہے فلہٰذا اسے کسی قسم کی حسرت یا افسوس نہیں ہوتا۔

وَاللّٰهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ اور اللہ تعالیٰ زندہ کرتا اور مارتا ہے یہ اُن کے باطل قول کا رد ہے۔ یعنی موت و حیات کا حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان میں اقامت و سفر کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ بسا اوقات مسافر و غازی کو زندہ رکھتا ہے باوجود یہ کہ موت کے اسباب کے بادل اُن کے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔ اور مقیم اور جنگ پر نہ جانے والے کو موت دیتا ہے باوجود یہ کہ اُن کے پاس عافیت سلامتی کے اسباب موجود ہوتے ہیں ؎

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند　　　　کہ خر سنگ جان بمنزل برد
بس کہ درخاک تندرست را　　　　دفن کردند و زخم خوردہ نمرد

ترجمہ: ۱۔ بہت سے تیز رفتار گھوڑے تھک کر رہ جاتے ہیں اور لنگڑا گدھا منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

۲۔ بہت سے تندرست فوراً مر کر زیرِ زمین مدفون ہو جاتے ہیں لیکن زخم خوردہ نہیں مرتا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھتا ہے۔ فلہٰذا تم ان منافقین کی طرح نہ ہو جاؤ۔ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ مُتُّمْ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے راستہ پر شہید کئے جاؤ یا مر جاؤ۔ حالانکہ تم مومن ہو اور لئن قتلتم کی لام قسم موزوں کے لیے توطیۃً واقع ہوئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت نصیب ہوگی۔

سوال: شرط کا جواب کیوں محذوف کیا گیا ہے۔

جواب: جوابِ قسم اُس کے قائم مقام واقع ہوا ہے اس لیے کہ یہی جوابِ قسم اس پر دلالت کرتا ہے معنیٰ یہ ہے کہ سفر اور جنگ موت کو کھینچ کر نہیں لاتیں اور نہ ہی وقت سے پہلے موت آ سکتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے موت واقع ہو تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت جو بندے کو نصیب ہوتی ہیں تو خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ وہ اس سے کئی گنا بہتر ہیں جو وہ مال و دولت اور دیگر اسباب دنیوی جمع کرتے ہیں۔ یعنی کفار جو مدۃ العمر دنیا کے منافع اور اس کے بہترین اسباب جمع کیا کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کے مقابلہ میں کوئی شئے نہیں۔

سوال: آیت میں مغفرت و رحمت کو ہی خیر کہا گیا ہے۔ کیا مال و اسباب میں کسی قسم کی بھلائی نہیں۔

جواب: یہ کفارہ کے لیے کہا گیا ہے کہ اگر وہ دنیا کا مال کتنا ہی بہت زیادہ جمع کریں۔ اگر یہ حلال مال سے بھی پھر بھی

اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے مقابلہ میں ان کا کیا اعتبار۔ اگرچہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق انہیں خیرات وصدقات پر بھی خرچ کریں۔ تب بھی اُن کے اعتقاد فاسد کی وجہ سے یہ تمام ضائع اور بیکار ہوگا۔ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ۔ اور البتہ اگر تم مرجاؤ یا قتل کیے جاؤ جس طرح سے تمہاری موت واقع ہو۔ ارادۂ الٰہیہ کے بغیر موت واقع ہو نہیں سکتی لَاِ۟لَى اللّٰهِ۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی معبود بالحق جو کہ وہ عظیم الشان اور واسع الرحمۃ و جزیل الاحسان ہے کی طرف تُحْشَرُوْنَ جمع کیے جاؤ گے نہ کہ غیر کی طرف۔ پھر وہ اجر و ثواب پورے طور عطا فرمائے گا۔ اور بہت بڑے عطیات سے نوازے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیات مذکورہ میں بہترین ترتیب رکھی گئی ہے۔ مثلاً جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتا ہے تو اُسے لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فرماکر اس کے گناہوں سے تجاوز کرنے کی خوشخبری سنائی گئی اور جو شخص ثواب کی طلب میں عبادت کرتا ہے تو اسے رحمۃ فرماکر اشارہ فرمایا گیا کہ اسے ثواب کے بہترین صلے نصیب ہوں گے۔ اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء اور محض عبادت سمجھ کر عبادت کرتا ہے تو اُسے لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ سے مژدہ سنایا۔ اور یہی سب سے بلند و بالا اور افضل و اعلیٰ مقام ہے۔ حضرت جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا ؎

جانا ز در تو دور نتوانم بُود — قانع بہ بہشت و حور نتوانم بُود

سر بر در تو بحکم عشقم نہ بطمع — زیں در چہ کنم صبور نتوانم بود

ترجمہ: (۱) اے محبوب تیرے دروازہ سے دور رہنا مجھ سے نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مجھ سے بہشت و حور پر قناعت ہو سکتی ہے۔

(۲) ہم نے تیرے در دانے پر کسی طمع ولالچ سے سر نہیں رکھا بلکہ عشق سے ہی ہم تیرے در پر سر بسجود ہیں کیونکہ ہمیں اس در کے سوا چارہ ہی نہیں۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کا ایک قوم پر گزر ہوا کہ جن کے اجسام ضعیف و نحیف اور چہرے زرد پڑ چکے تھے اور اُن پر عبادت کے آثار نمایاں تھے۔ آپ نے اُن سے پوچھا۔ یہ کیا ہے عرض کی کہ ہم اس لیے عبادت کر رہے ہیں تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔ آپ نے فرمایا وہ بہت بڑا کریم ہے اس کی شان بھی یہی ہے کہ تمہیں عذاب میں مبتلا نہ کرے۔ پھر آپ کا ایک دوسری قوم پر گزر ہوا۔ ان کی بھی یہی کیفیت تھی آپ نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے عرض کی کہ ہم اس لیے عبادت کر رہے ہیں تاکہ اُس کی بہشت و مغفرت و رحمت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا وہ بہت بڑا کریم ہے وہ ضرور تمہیں اپنی رحمت سے نوازے گا۔ پھر آپ ایک قوم پر گزرے اُن کا بھی یہی حال تھا۔ آپ نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہم تو صرف اپنا معبود سمجھ کر عبادت کرتے ہیں چونکہ ہم اُس کے

بندے ہیں۔ نلہٰذا ہمارے اوپر فرض ہے کہ اس کی عبادت کریں نہ کوئی لالچ ہے نہ کوئی طمع اور نہ ہی کوئی خوف۔
خطر۔ آپ نے اس تیسرے گروہ کو فرمایا کہ تم اچھے اور مخلص عبادت گزار ہو اور صحیح معنیٰ پر عبادت کرتے ہو بلکہ عبادت کا حق ادا کرتے ہو ۔

گرکند جانے بدل عشق جمالت ازلت — چشم امید بحوران بہشتی نہی
کے مسلم شودت عشق جمال ازلی — تا برآفاق ہمہ تہمت زشتی نہی

ترجمہ: ۱۔ اگر جمال ازلی تیرے دل میں جگہ کرے تو تجھے حوران بہشت کا کبھی خیال بھی نہ آئے ۔
۲۔ تجھے جمال ازلی کا عشق کیسے نصیب ہو جب تمام جہان کو تو بد صورتی کی تہمت لگائی ہے ۔

حکایت: ایک عورت نے کسی سے پوچھا تم سخاوت کسے کہتے ہو ۔ کہا مال خرچ کرنے کو فرمایا یہ تو اہل دنیا و عوام کی سخاوت ہے میں تو خواص کی سخاوت کا پوچھتی ہوں ۔ انہوں نے کہا اپنی تمام طاقت طاعتِ الٰہی میں صرف کر دینا ۔ مائی صاحبہ نے کہا ۔ تو پھر اس سے تم ثواب کی امید بھی رکھتے ہوگے ۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں ۔ بی بی نے کہا کہ ایک کے دس لیتے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو ایک بجا لائے اُسے دس نیکیاں ملیں گی ۔ بی بی نے کہا پھر یہ خاک سخاوت ہوئی ۔ انہوں نے کہا پھر تمہارے نزدیک سخاوت کس چیز کا نام ہے اُس نے کہا عمل صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو نہ کہ جنت کی طمع پر اور نہ ہی دوزخ کے خوف سے اور نہ ہی ثواب کی خاطر اور نہ ہی عذاب کے ڈر سے ۔ اور یہ صرف تجرید و تفرید اور وصول الی حقیقۃ الوجود سے نصیب ہوتا ہے ۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ دنیا و آخرت کے تصورات سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو ۔ یہاں تک کہ تجلیاتِ ربانی کے آگے کے تمام پردے اُٹھ جائیں اور وہ رب الارباب کے حضور میں پہنچ جائے ۔

اسباق حضرت امام اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب بندہ جہاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اُس کا دل دنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف لگ جاتا ہے ۔ جب وہ مرتا ہے تو گویا وہ شخص دشمن سے جان رہائی پا کر محبوب کے وصال سے سرشار ہو جاتا ہے اگر کوئی موت کے خوف سے گھر میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے تو وہ دنیا کے جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے ۔ جب وہ مرتا ہے تو محبوب حقیقی کے دیدار سے محروم ہو جاتا ہے کہ محبوب کے آگے پردے لٹکا دیئے جاتے ہیں اور اسے دار الغربت میں پھینکا جاتا ہے ۔

ف: اس سے پہلے کی سعادت اور دوسرے کی شقاوت کا اندازہ خود ہی لگائیے ۔

نکتہ صوفیانہ غافلین کا حشر حجاب از دیدارِ حق اور واصلین کا حشر بارگاہِ حق کے ظہور سے ہو گا ۔ جو شخص اس دنیا میں مال و منال کے حصول میں انحصار رہا تو وہ مشاہدہ جمال حق سے بھی محجوب رہے گا ۔

تفسیر عالمانہ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۔ اس میں مَا زائدہ محض تاکید کے لیے ہے۔ یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہیں مؤمنین کے لیے آپ نرمی کرتے ہیں۔ آپ انہیں اپنے سینے سے لگاتے ہیں اور اپنے مکارم اخلاق سے مخصوص رکھتے ہیں اور آپ کی ہر نرمی کا پہلو انہی کی طرف ہوتا ہے باوجودیکہ کبھی کبھی اُن سے آپ کی حکم عدولی ہو جاتی ہے اور آپ کے دشمنوں سے ساز باز کر لیتے ہیں۔ لیکن آپ اُن سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ وَلَوْ اور اسی طرح نہ ہو كُنْتَ فَظًّا بلکہ آپ اُن کے معاملات میں قولاً و فعلاً پہلو تہی فرمائیں۔ غَلِيْظَ الْقَلْبِ سنگدلی کا اظہار فرمائیں نرمی سے کلام نہ کریں۔

حل لغات: الفظ بمعنیٰ سوء الخلق سے پیش آنے والا۔ (غلیظ القلب) ہر اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے قلب پر کوئی شئے اثر انداز نہ ہو۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو سوء الخلق سے موصوف تو ہوتے ہیں لیکن وہ کسی کو ایذا نہیں دیتے۔ لیکن کسی سے نرمی قلب کے ساتھ بھی پیش نہیں آتے اور نہ ہی اُن پر کسی قسم کا رحم کرتے ہیں۔ اس تقریر سے فظاً اور غلیظ القلب کا فرق واضح ہو گیا۔ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ تو یہ لوگ آپ سے منتشر ہو جاتے اور آپ کے ہاں کبھی نہ ٹھہرتے۔ اگرچہ اس طرح سے وہ تباہی و بربادی کے گڑھوں میں ہلاک ہوتے فَاعْفُ عَنْهُمْ پس انہیں وہ اپنے حقوق معاف فرمائیے۔ جن میں انہوں نے کوتاہی کی جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمایا۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ آپ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کے ان حقوق کے لیے بخشش مانگیے۔ جن سے انہوں نے کوتاہی کی تاکہ آپ کی ان پر شفقت کی تکمیل ہو اور اُن احسانات کی بھی تکمیل ہو جائے جو اُن پر فرماتے ہیں۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ اور اُن سے مشورہ لیجئے یعنی اُن کے آراء کا پتہ لگا لیے اور معلوم کیجئے کہ جنگ کے متعلق اُن کا کیا ارادہ ہے۔ جنگ کے متعلق اس لیے کہ اس سے گفتگو ہو رہی ہے۔ یا الامر سے مُراد ہی جنگ ہے یا ان جیسے اور اہم امور کہ جن میں مشورہ لینے کی عادۃً ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ اُن کے آراء بھی معلوم ہو جائیں گے۔ اور اس طرح سے اُن کے دل بھی خوش ہو جائیں گے الخ اس سے اُن کے مراتب کی بلندی بھی سب کو معلوم ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں اُمت کے لیے سنت کا اجراء بھی ہو جائے گا فَاِذَا عَزَمْتَ پس جب تم کسی بات پر مشورہ کر کے کسی کام پر پختہ ارادہ کر لو اور تمہارا دل مطمئن ہو جائے فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ تو مشورہ کے بعد اس بات کے اجراء پر اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور اس کے کہ وہی تمہارے لیے زیادہ مناسب اور زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ تمہارا ہر وہ معاملہ جو تمہارے لیے زیادہ موزوں اور زیادہ بہتر ہے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے نہ کہ تم اور وہ کہ جن سے تم مشورہ لے رہے ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے پھر وہی تمہاری مدد کریگا۔ اور اس امر کی طرف رہبری کرے گا جس میں تمہاری بھلائی اور مناسبت ہو گی۔ توکل کہتے ہیں معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنے اور اس کی کفایت پر اعتماد کرنے کو۔

ازالہ تو ہم، حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان توکل کر کے اپنے نفس کو بالکل نہ چھوڑ دے جیسے بعض جہال کہتے ہیں۔ ورنہ مشورہ لینا امر بالتوکل کے بالکل منافی ہوگا۔ بلکہ توکل کا یہی مطلب ہے کہ معاملہ طے کرنے میں اسباب ظاہرہ کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دے لیکن صرف انہی اسباب پر دل نہ لگائے رکھے بلکہ حکمت الٰہی کی عصمت پر بھروسہ کرے۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے آیت میں واضح طور بیان فرمایا کہ صحابہ کرام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منتشر ہو جاتے اگر وہ اُن سے خوش خلقی اور نرمی سے پیش نہ آتے۔ حالانکہ صحابہ کرام پر حضور علیہ السلام کی تابعداری ضروری اور اُن سے جدائی کفر ہے۔ پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو لوگوں سے معاملات طے کرتے ہوئے اُن سے بدخلقی اور ترش روئی سے پیش آئے پھر کس طرح وہ لوگ اس کے تابع ہو کر اُس کی بات مانیں گے۔ ویسے گفتگو کی نرمی قلوب پر موثر طریق سے اثر انداز ہوتی اور ان سے بات منوانے پر بہتر کردار ادا کرتی اور اعلیٰ طریق سے فرمانبرداری کراتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جاتے ہوئے نرم گفتگو کا حکم فرمایا کما قال تعالیٰ وَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا اور اس کے ساتھ بڑی نرمی سے بولنا۔

چو با دوست سختی کنی دشمن اوست	بنرمی ز دشمن تواں کند پوست
کہ خائسک تادیب بر سر نخورد	چوں سنداں کسے سخت روئی نبرد

ترجمہ : ۱- نرمی سے ہی دشمن کا چمڑہ اُدھیڑا جاسکتا ہے دوست سے سختی کروگے تو وہ بھی دشمن ہو جائے گا۔
۲- نہ منہ آئرن کی طرح کسی کو سختی نہ ہوگی کہ وہ بھی تادیبًا ہتھوڑے کی ضرب کھاتا ہے۔

مسئلہ : حضرت امام اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رفق اور نرمی اس وقت جائز ہے جب تک حقوق اللہ تعالیٰ میں سے کسی حق کو نقصان نہ پہنچے۔ جہاں دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کسی حق کو نقصان پہنچ رہا ہے تو اس وقت نرمی جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔

اور مومنین کو زنا کی حد کے وقت فرمایا وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ

میانہ روی کے فضائل تحقیق یہ ہے کہ افراط و تفریط ہر دونوں اطرف میں مذموم ہے۔ نضیلت میانہ روی میں ہے۔ کبھی سختی کا حکم ہوتا ہے تو پھر کبھی سختی سے روکا جاتا ہے صرف اس لیے کہ کہیں انسان افراط و تفریط کے حدود سے متجاوز نہ ہو جائے۔ جب افراط و تفریط سے متجاوز نہ ہوگا تو میانہ روی پر رہے گا۔ وہی صراط مستقیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میانہ روی کی تعریف فرمائی ہے چنانچہ فرمایا وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہ تو ایسے کڑوے بن جاؤ کہ دور پھینکے جاؤ نہ اتنا نرم کہ نگلے جاؤ (یعنی ہر ایک سے لوٹے جاؤ)

چو نرمی کنی خصم گردد دلیر ۔۔۔ وگر خشم گیری شوند از تو سیر،
درشتی و نرمی بہم در بہست ۔۔۔ چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہست

ترجمہ: ۱۔ جب تم نرمی کروگے تو دشمن زیر ہو جائے گا اگر سختی کروگے تو اپنے بھی تجھ سے دور ہو جائیں گے۔

۲۔ اسی لیے سختی و نرمی ہر دونوں ضروری ہیں جیسے رگ چیرنے والے کو دیکھو کہ وہ پہلے رگ چیرتا ہے تو پھر وہی مرہم لگاتا ہے۔

نکتہ تفسیریہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے اصلی مقصد یہی ہے کہ وہ مخلوق کی طرف پیغامات الٰہیہ پہنچائیں اور اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ خلق خدا اُن کی طرف بدل و جان مائل نہ ہو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب رسول علیہ السلام رحیم و کریم ہوں اور اُن کی غلطیوں سے درگزر اور ان کی خطاؤں سے چشم پوشی فرمائیں اور اُن کے ساتھ کرم نوازی اور احسان و شفقت سے پیش آئیں۔ انہی وجوہ پر نبی علیہ السلام کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ سوء الخلق سے بری ہوں۔ جب وہ سوء الخلق سے بری ہوں گے تو لازماً سنگ دلی بھی اُن میں نہیں ہو گی۔ بلکہ کمزوری اور ضعیفوں اور فقیروں اور ناتوانوں کی اعانت اُن کی فطرت میں داخل ہو گی اسی لیے ان غلطیوں سے درگزر کرنا اور اُن کی خطاؤں کو معاف کرنا اُن کے کردار کا اہم حصہ ہوگا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ جب وہ آپ سے دور ہو جائیں گے تو بعثت و رسالت کا اصلی مقصود مفقود ہو جائے گا۔ اسی طرح علماء آلآخرۃ اور وارثوالانبیاء اور مشائخ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس خوش خلقی کو اپنا دستور العمل بنائیں اس لیے کہ عوام الناس ہمیشہ ظاہراً و باطناً اپنے متبوع کے طریقے پر چلتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دے ہمارے دور کے علماء و مشائخ کو کہ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ خوش خلقی سے دور رہیں گے۔ ہاں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عصمت میں رکھا ہے تو انہیں یہ دولت (خلق حسن) بخشی ہے وہ اس محبوب عمل پر کاربند ہیں۔

حکایت: احنف نامی ایک بزرگ گزرے ہیں جن کے حلم و حوصلہ کی مثال دی جاتی ہے اُن کا واقعہ یوں ہوا کہ ایک شخص نے انہیں گندی اور سخت گالی دی تو احنف وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر کو چل دیئے لیکن وہ شخص گالی دیتا ہوا احنف کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب احنف اپنے گھر کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور کہا اے بھائی کچھ گالی باقی رہ گئی ہوں تو دے لے ورنہ اگر میری برادری نے سن پایا تو وہ تمہیں ماریں گے۔

سبق: دیکھیے احنف کی خوش خلقی کہ گالی دینے والے کی گالی سُن کر کتنا حوصلہ بلند دکھایا اور اس کے ساتھ کس طرح بہترین معاملہ فرمایا۔

بقایا حکایت : وہ شخص احنف کے اس رویہ سے شرمسار ہو کر کہنے لگا مجھے مروت کا سبق دیجئے۔ احنف نے اسے نصیحت کے انداز میں فرمایا۔ خلق حسن میں وسعت پیدا کر اور برائیوں سے دور رہ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تاویلات میں لکھتے ہیں کہ ہر وہ نرمی کہ مومنین کے قلوب سے ظاہر ہو تو یقین کر کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کا نتیجہ ہے نہ کہ ان کے نقوش سے کیونکہ نفس امارہ بالسوء ہے اگرچہ (لفظاً) انبیاء علیہم السلام کے نفوس۔

ف : اس کلام میں تنبیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نفس مطمئنہ سے ترقی کرتے ہوئے نفس راضیہ و مرضیہ اور صافیہ سے موصوف ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ منصب نبوت و رسالت کو پالیتے ہیں[1] لیکن نفس امارہ تو انہیں ابتداءً ملا ہی تھا پھر اللہ تعالیٰ کی عصمت نے انہیں اس کے حملوں سے محفوظ رکھا۔ اسے پورے طور سمجھ لے کہ یہی مقام عبرت اور سوچ بچار کا موقع ہے۔

تفسیر عالمانہ (اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ) اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے۔

ف : نصرت دو قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) کسی کام پر مدد کرنا۔

(۲) کسی معاملہ سے روکنا۔

اب آیت کا مطلب یوں ہوا کہ اگر وہ تمہاری مدد کرے یا تمہارے دشمنوں کو تمہارے سے منع کرے جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا۔ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ تو کوئی تمہارے اوپر غالب نہیں ہو سکتا وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ (الخذلان) بمعنی اپنی مدد سے دور رکھنا بلکہ الٹا ہلاکت کی طرف سپرد کرنا یعنی اگر وہ تمہیں چھوڑ دے اور تمہاری مدد نہ کرے جیسے کہ غزوہ احد میں ہوا فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ یہ استفہام انکاری ہے (بطریق مبالغہ کے ذاتاً وصفۃً) مددگار کے انتفاء کے لیے ہے یعنی پس وہ کون ہے جو تمہاری مدد کرے مِنْۢ بَعْدِہٖ رسوائی کے بعد اس میں تنبیہ ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ صرف اسی پر توکل کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ مومنوں کو چاہیے کہ صرف اس پر توکل کریں۔ یعنی صرف انہی کا توکل کے لیے

---

[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ منصب نبوت کسب سے حاصل ہوتا ہے۔ نہیں نہیں منصب رسالت تو وہبی چیز ہے جو انبیاء علیہم السلام کو ازل سے ہی ملی ہے حضرت کبریٰ رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبوت و رسالت کے کمالات کی انتہا تک پہنچ کر اپنا تبلیغی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اویسی غفرلہ ۱۲

خاص کریں کیونکہ جب انہیں یقین ہے کہ اسی کے سوا اور ان کا مددگار نہیں اور وہ ایمان اسی پہ رکھتے ہیں۔

مسئلہ: توکل کے شعبوں میں سے ہے کہ انسان (ذاتی طور) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو مددگار نہ سمجھے اور نہ ہی اس کے سوا کسی دوسرے کو روزی رسان اپنے اعمال کا شاہد مانے۔

حدیث شریف: حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ستر ہزار اُمتی حساب و کتاب کے بغیر بہشت میں داخل ہوں گے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کھوٹ نہیں کرتے اور نہ ہی چوری کرتے ہیں اور نہ ہی فال سے کام چلاتے ہیں بلکہ صرف اپنے رَب تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی دُعا فرمائیے ناکہ میرا رب تعالیٰ مجھے انہی سے بنائے۔ آپ نے فرمایا تو انہی سے ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے بھی دُعا فرمائیے ناکہ میں بھی اُنہیں سے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا تیرے سے عکاشہ سبقت لے گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالےٰ پر پورے طور توکل کرو یعنی توکل کا حق ادا کرو تو اللہ تعالےٰ تمہیں ایسے رزق دے گا جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے ہو کر نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔

حکایت: ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ایک جنگل میں تھا کہ ایک قافلہ گزرا۔ میں نے ایک کو دیکھا جو میرے سامنے گزر رہا تھا۔ خیال گزرا کہ اس سے پوچھوں آگے چل کر اُس سے ملا تو وہ ایک بڑھیا تھی اُس کے ہاتھ میں لوٹا اور ڈنڈا تھا۔ ہانپتی کانپتی چل رہی تھی میں نے سمجھا شاید تھکان سے ایسے چل رہی ہے۔ میں نے بیس درہم اپنی جیب سے نکال کر پیش کئے اور عرض کی کہ بی بی یہ لے انہیں اپنے خرچ کے لیے رکھ لے اور چند گھڑیاں میرے ہاں ٹھہر جا۔ قافلہ چلا جائے گا۔ تو اس سے کرایہ کی سواری پر تمہیں قافلہ سے ملا دیا جائے گا۔ جونہی بڑھیا نے میری بات سُنی تو ہاتھ کا اشارہ کیا۔ جس سے ہوا سے اُڑتے ہوئے اُس کے ہاتھ میں بکثرت دینار پائے گئے پھر مجھے فرمایا کہ تو نے اپنی جیب سے دراہم لیے۔ میں نے تو غیب سے دنا میرے لیے ہیں حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

برداز خانۂ گردوں بدرو ناں مطلب
کاین سیہ کاسہ در آخر بکشد مہمانرا،

ترجمہ: (۱) اس آسمان کے گھر سے باہر نکل اور رزق نہ مانگ اس لیے کہ یہ سیاہ کاسہ بالآخر مہمان کو مار کے چھوڑتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حقیقی مدد تو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے اور وہ یوں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سہارے اس کے تمام گندے ارادے ملیامیٹ کئے جائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے اُس کے شہوات کے تمام لشکر

مٹ کر رہ جائیں ۔ اس کے بعد صرف اللہ تعالیٰ کی ولایت رہ جائے اور شہوات کی تمام رغبتیں (کہ در اصل یہی بشریت کے اوصاف اور شہوات نفوس ہیں) دُھل جائیں وَ اَنْ یَّخْذُلْکُمْ صوفیائے کرام تخلیۃ بین العبد وبین المعاصی" کو خذلان کہتے ہیں ۔ پس اللہ تعالیٰ جس کی مدد کرنا چاہتا ہے تو تکالیف و مصائب میں مبتلا کر کے اُسے اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور جسے رُسوا کرنا چاہتا ہے تو مطلق العنان بنا دیتا ہے کہ جہاں چاہے جائے اور وہ اپنے سُوءِ اختیار سے مُنہ کے بل جا گرتا ہے ۔ یعنی قُربِ حق سے محروم ہو کر اتنا دُور جا پڑتا ہے کہ پھر اُسے کوئی ٹھکانہ ملتا ہی نہیں ۔ مشرق میں جائے تو بھی ذلیل و خوار ہوتا ہے اور اگر مغرب میں جاتا ہے تو بھی جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے پھر کون ہے جو اس کی مدد کو پہنچے یا اس کی تلافی مافات کرے ۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور اہل ایمان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں ۔ صدق دِل سے عاجزی کر کے انہی تکالیف و مصائب میں امان کی طلب کریں ۔ اور بہ صحیح طریق سے عجز و زاری کر کے جرموں پر پردہ داری کی معافی میں اپنی تمام طاقتور اور قوتوں کو بے سہارا سمجھ کر اسی کی قوت و طاقت کی طرف رجوع کرے کیونکہ ہر قوت اور ہر طاقت اسی کی ہے ۔

جہاں آفریں گر نہ یاری کند
کجا بندہ پرہیزگاری کند

ترجمہ : جہاں کا خالق اگر مدد نہ کرے تو کس کو مجال کہ وہ پرہیزگار ہو سکے ۔

تفسیر عالمانہ (وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ) کسی نبی (علیہ السلام) کے لائق نہیں اور نہ ہی ان کے مقام کے مناسب ہے اَنْ يَّغُلَّ ط یہ کہ غنیمت میں خیانت کرے خیانت کر کے غنیمت سے کوئی چیز لینے کو الغلول کہتے ہیں ۔ اور ایسی خیانت دنیا میں عار اور آخرت میں نار کا سبب بنتی ہے اور یہ منصب نبوت کے بالکل منافی ہے اور منصب نبوت مراتب انسانی کا بہت بڑا اور اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ ہے ۔

شان رسالت اور علم غیب اس سے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شانِ اقدس کو ہر طرح کی بد گمانی سے منزہ رکھنا مطلوب ہے جب کہ غزوہ احد میں تیر اندازوں کے اذہان میں ایک بدگمانی ہوئی جب کہ وہ مرکز کو چھوڑ کر بھاگے اور مال غنیمت پہ ٹوٹ پڑے ۔ اس بدگمانی پر کہ کہیں حضور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمارے بغیر اعلان فرما دیں کہ مَنْ اَخَذَ شَيْئًا فَهُوَ لَهٗ جو بھی تم میں سے کوئی شئے غنیمت سے لے گا وہ اُسی کا ہو گا ۔ یہ بدگمانی اس لیے ہوئی کہ یہ مال غنیمت بھی تقسیم نہ ہو (جیسے غزوہ بدر میں تقسیم نہیں ہوئی تھی) جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں یہ حضرات حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ مرکز کو مت چھوڑنا ۔ جب تک کہ میرا حکم ثانی نہ پہنچے ۔ انہوں نے عرض کی حضور ! ہم نے اپنے بھائیوں

کو وہاں نگرانی کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں تم اس بدگمانی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم خیانت کر کے مال غنیمت سے تمہیں محروم رکھیں گے۔ واقعی یہ بدگمانی انہوں نے کی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دی یہی نبوی علم غیب ہے۔ یا بطور مبالغہ کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیانت جیسے قبیح عمل سے رد کیا گیا ہے چنانچہ مروی ہے کہ آپ نے ایک چھوٹے سے لشکر کو جنگ کے لیے بھیجا تو ان کے پیچھے مال غنیمت میسر ہوا۔ آپ نے اُن کا حصہ نہ نکالا بلکہ حاضرین پر تقسیم فرما دیا ان کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نبی علیہ السلام کے شان کے لائق نہیں کہ جنگی لشکر میں سے بعض کو مال غنیمت عنایت فرمائیں اور بعض کو محروم فرما دیں بلکہ آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ سب کو برابر تقسیم فرمائیں۔

ف : اس میں بعض غازیوں کو مال غنیمت سے محروم رکھنے کا نام غلول رکھا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ یہ غلول کی طرح قبیح و غلیظ ہے (تاکہ امت نبوی کے لوگ بادشاہت کی مسند پر بیٹھنے والے پورے طور سبق حاصل کریں) وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور جو جتنا خیانت کرے گا وہ قیامت میں اسی قدر سر پر اٹھا کر لائے گا تاکہ کھلے میدان قیامت میں تمام مخلوق کے سامنے شرمسار ہو۔

حدیث شریف نمبر (۱) : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بالشت برابر بھی کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر لیتا ہے تو اسی قدر قیامت میں سات طبقات زمین کے اس کے گلے میں ڈالے جائیں گے۔

حدیث شریف نمبر (۲) : حضور علیہ السلام نے فرمایا ہم جب کسی کو کسی کام کے لئے بھیجیں اور وہ اس میں کسی قسم کی خیانت کرے گا تو قیامت میں اس خیانت کو سر پر اٹھا کر لائے گا۔

حدیث شریف نمبر (۳) : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حاکموں کو تحائف دینا یہ بھی غلول میں داخل ہے یعنی حاکموں کا تحائف قبول کر لینا غلول ہے اس لیے کہ یہ بھی رشوت کے حکم میں ہیں۔

حدیث شریف نمبر (۴) : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے وہ لوگ معلوم ہیں کہ جب قیامت میں خیانت کے اونٹ لائیں گے تو وہ رینگتے ہوں گے۔ اسی طرح خیانت کے بیل جو لائے گا تو وہ بھی اسی طرح خیانت کی بکری کا حال ہو گا پھر وہ اس وقت مجھے مدد کے لیے پکارے گا تو میں کہوں گا میں تیرے لیے کچھ نہیں کر دوں گا میں نے تجھے پیغام الٰہی پہنچا دیا تھا۔

حدیث شریف نمبر (۵) : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ خیانتی خیانت کے مال کو کس طرح لائے گا جب کہ وہ بکثرت ہو گا یہ بہت بعید ہے کہ وہ مال کو اٹھا کر لائے آپ نے فرمایا یہ کیسے ناممکن ہے جب کہ اس وقت اس کی ایک ڈاڑھ احد پہاڑ اور اس کی ران ورقان پہاڑ کے برابر ہو گی اور اس کی پنڈلی عام پہاڑوں کے برابر ہو گی۔ اور اس کی نشستگاہ کا فاصلہ مابین المدینۃ اور ربذان کے ہو گا۔ پھر وہ اتنا بہت بڑا بوجھ کیوں نہ اٹھا کر لائے۔

مسئلہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خیانت کا گناہ اور اس کا وبال مراد ہو ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ پھر نفس کو اُس کی کمائی کی جزاء و سزا پورے طور دی جائے گی۔ یعنی بھلائی یا برائی زیادہ یا تھوڑی جزاء و سزا مکمل طور دی جائے گی۔

سوال: ماقبل کا تقاضا ہے کہ عبادت یوں ہو کہ یُوَفّٰی مَا کَسَبَ۔

جواب: حکم کو عام رکھنے کی بنا پر ہے تاکہ مبالغہ سے مقصود کے اظہار میں مکمل برہان ہو۔ اس لیے کہ ہر صاحب عمل کو پوری جزاء و سزا ہوگی تو خیانتی تو بطریق اولیٰ سزا کا مستحق ہو وَهُمْ یہاں تمام لوگ مراد ہیں۔ چنانچہ کُلّ نَفْس کا عموم اس پر دلالت کرتا ہے لَا یُظْلَمُوْنَ وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے کسی کی سزا بڑھا کر یا کسی کے ثواب میں کمی کر کے اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ یہ ہمزہ انکار کا اور فاء عطف کے لیے ہے جس کا معطوف محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی امن اتقی فاتبع الخ یعنی کیا وہ شخص جو خوفِ خدا سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا اتباع کرتا ہے یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں کوشش کر کے اس کی طرف چلے وہ طاعات الٰہیہ بجالاتا اور برائیوں سے اجتناب کرتا ہے (جیسے نبی علیہ السلام اور ہر وہ شخص جو اُن کے نقش قدم پر چلتا ہے) کَمَنْ بَآءَ اس شخص کی طرح جو رجوع کرتا ہے بِسَخَطٍ بہت بڑے غضب کی طرف (جس کا اندازہ ناممکن ہے) جو کہ ہونے والا ہے مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے اُس کی نافرمانیوں کی وجہ سے (جیسے خیانتی اور اُس جیسا اور مجرم) یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے وَمَاْوٰىهُ اور اس شخص کا (جو اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف رجوع کرتا ہے) ٹھکانا جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ مرجع اور مصیر میں فرق یہ ہے کہ مصیر اپنی حالت سے بدل سکتا ہے بخلاف مرجع کے کہ وہ ہر حال میں برابر رہتا ہے هُمْ یہ ضمیر باعتبار معنے کے اسماء موصولہ کی طرف راجع ہے دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ط اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مختلف اور متفاوت طبقات ہوں گے جنہیں صرف وہی جانتا ہے حکم فرمائے گا۔

سوال: ان طبقات کے مختلف اور متبائن ہونے کو درجات سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: بطور مبالغہ کے یا اس لیے کہ معلوم ہو کہ ان میں اختلاف باعتبار ذات کے ہوگا کہ جس طرح ان کے اعمال صالحہ یا اعمال قبیحہ میں فرق ہوگا اسی طرح اُن کے درجات ہیں تاکہ درجات ثواب و عقاب کا معاملہ واضح ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ذُو درجات ہوں گے۔

وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۝ (اور اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال دیکھ رہا ہے) یعنی اُن کے اعمال و درجات کو

---

[1] جو ذرہ برابر بھلائی کرے گا تو دیکھے گا جو ذرہ برابر برائی کرے گا تو دیکھے گا۔

جانتا ہے تاکہ قیامت میں اُن کو انہی کے مطابق جزاء و سزا دے۔

نکتہ: غلول گناہ کبیرہ ہے اور غالی وہ خیانتی ہوتا ہے کہ جس پر نفس اور اس کے خواہشات غالب ہوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام صفات بشریہ سے منزہ اور صفات ربوبیت سے موصوف اور رذائل وصفاتِ نفس اور دوائی الشیطان سے معصوم ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ بارگاہِ حق میں ہر وقت حاضر باش ہوتے ہیں پھر اُن سے ایسے قبائح کا صدور ناممکن ہوتا ہے۔

نکتہ (۲): نبی علیہ السلام جنۃ الصفات و مقام الرضوان پر فائز ہوتا ہے اور خیانتی جحیم النفس اور خواہشات کے گڑھے میں غرق ہوتا ہے پھر ایسے خیانتی بدبخت کا حال انبیاء علیہم السلام کے احوال کے برابر کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے درجات والے ہیں۔

سبق: دانا کو چاہیے کہ تکمیل درجات کے حصول اور وصول اَحْسَنُ الْحَالَۃ کے لیے بہت زیادہ جدوجہد کرے۔

ف: اہل بہشت چار قسم ہیں۔

(۱) انبیاء و رسل علیہ السلام۔

(۲) اولیاء اللہ جو کہ علی وجہ البصیرۃ والبینۃ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تابعداری کرتے ہیں۔

(۳) وہ مؤمنین جو حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی جان و دل سے تصدیق کرتے ہیں۔

(۴) وعلماء جو توحید (لا الٰہ الا اللہ) کی دلائل عقلیہ سے تصدیق کرتے ہیں۔

آیت شَهِدَ اللّٰهُ الخ اولوالعلم میں یہی لوگ مراد ہیں۔ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اولوالعلم درجات" مذکورہ بالا حضرات ہی جناتِ عدن کے کثیب احمر پر دیدار حق سے سرشار ہوں گے۔ ان حضرات کے لیے چار مقامات مقرر ہوں گے۔

(۱) بعض وہ ہوں گے جن کے لیے نورانی منبر بچھائے جائیں گے اور یہی تمام مقامات سے بلند تر ہوں گے اور یہ حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام ہی ہوں گے۔

(۲) وہ حضرات اولیاء جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قولاً و فعلاً و حالاً وارث ہیں۔ اُن کے لیے بہترین تخت بچھائے جائیں گے۔

(۳) وہ علماء جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دلائل و برہان عقلی سے جانا اُن کے لیے بہترین کرسیاں بچھائی جائیں گی۔

(۴) وہ مؤمنین جو ان حضرات کی تقلید میں توحید کے قائل ہوئے اُن لوگوں کے لیے بھی بہت مراتب ہوں گے اور یہاں پر اُن لوگوں سے یہ لوگ مقدم ہوں گے۔ جنہوں نے دلائل عقلی میں توحید کو مانا۔ مگر کثیب احمر کے موقعہ

پر یہ لوگ مقلدین پر مقدم ہوں گے ؎

قیامت کہ نیکاں باعلیٰ رسند ۔۔۔ ز قعرِ ثرا تا ثریا رسند
ترا خود بماند سراز ننگ پیش ۔۔۔ کہ گردت برآید عملہائے خویش
قیامت کہ بازار مینو نہند ۔۔۔ منازل باعمال نیکو نہند

ترجمہ: (۱) ۔ قیامت میں کہ نیک لوگ اعلیٰ مدارج پر پہنچیں گے تحت الثریٰ سے ثریا تک رسائی حاصل کریں گے ۔

(۲) تیرا سر شرمساری سے اونچا نہ ہوسکے گا اس لیے کہ تیرے عمل تیرے ارد گرد تجھے گھیر لیں گے ۔

(۳) قیامت میں ایک بہتر اور اعلیٰ بازار لگائیں گے تو ہر ایک کو اعمال کے طفیل بلند مدارج نصیب ہوں گے ۔

مراتب و درجات کل قیامت میں مخلوق مختلف مراتب پر بٹ جائے گی لیکن یہ فرق اعمال وغیرہ کی وجہ سے ہوگا ۔

(۱) بعض حضرات کو سن کی وجہ سے اعلیٰ مراتب نصیب ہوں گے ۔ مثلاً کبیر السن طاعات الٰہی اور خدمت اسلام میں زندگی بسر کی ہوگی جب کہ صغیر السن و کبیر السن کا عملی لحاظ سے ایک مرتبہ ہوگا ۔

(۲) بعض کو زمانہ کی وجہ سے مراتب کی فوقیت نصیب ہوگی ۔ مثلاً ماہ رمضان اور یوم الجمعہ اور لیلۃ القدر اور عشرہ ذوالحجہ اور عاشورا کی عبادات کو دوسرے اوقات کی عبادات پر فضیلت ہوگی ایسے ہی مسجد حرام کی نماز کو مسجد نبوی کی نماز پر فضیلت ہے اسی طرح مسجد نبوی کی نماز کو مسجد اقصیٰ کی نماز سے فضیلت ہے اسی طرح مسجد اقصیٰ کی نماز کو باقی تمام مساجد سے فضیلت ہے ۔

(۳) بعض کو احوال کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوگی ۔ مثلاً نماز باجماعت کا ثواب تنہا نماز پڑھنے سے افضل ہے ۔

(۴) بعض کو نفس اعمال کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوگی ۔ مثلاً نماز پڑھنے کو راستہ سے تکلیف دہ اشیاء سے فضیلت حاصل ہے ۔

(۵) ایک ہی عمل میں بعض وجوہ سے فضیلت ہوگی مثلاً صدقہ دینا ۔ صلہ رحمی کے طور بہ نسبت دوسرے کے افضل ہے ایسے ہی ساداتِ کرام کو ہدیہ پیش کرنے کو عوام کے ہدیہ دینے سے افضل و احسن ہے ۔

(۶) بعض کو ایک ہی وقت میں اعمال کثیرہ کا ثواب میسر ہوتا ہے ۔ مثلاً صوم و صدقہ میں کان ۔ آنکھ اور ہاتھوں کو کام میں لانا ۔ ایسے ہی نماز کی ادائیگی یا ذکرِ الٰہی میں یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں نیّت وغیرہ کہ ایک ہی وقت میں وجود کثیرہ کی وجہ سے بیشمار ثواب ملتا ہے بخلاف اس کے جو ان وجود سے محروم ہو سے

بضاعت بچند انکه آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری

ترجمہ: جتنا سامان لائے گا اتنا مرتبہ پائے گا اگر تم اعمال سے مفلس ہو تو پھر شرمسار ہو گے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نیا دن اگر اعلان کرتا ہے کہ اے ابن آدم میں تیرے پاس نیا آیا ہوں اس میں تو جو عمل کرے گا میں تیرے لیے قیامت میں گواہی دوں گا۔ میرے میں تو نیکی کر لے تاکہ میں تیرے لیے کل قیامت میں نیکی کی گواہی دے سکوں۔ جس وقت میں تیرے سے چلا جاؤں گا۔ تو پھر تو مجھے نہیں دیکھے گا۔ اسی طرح ہر آنے والی رات اعلان کرتی ہے۔

سبق: اے بھائی اس شخص کی طرح عمل کرلے جو جانتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے ہاں لوٹ کر حاضر ہونا ہے اور اسے یقین ہے کہ مجھے ہر چھوٹے بڑے عمل پر جزاء و سزا ملے گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ انسان کو چاہیے کہ گھڑی بھر بھی غفلت نہ کرے۔

تفسیر عالمانہ لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ قسم محذوف کا جواب ہے وَ اللّٰہُ لَقَدۡ الخ یعنی قسم ہے اللہ تعالےٰ کی بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر انعام فرمایا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

سوال: صرف اہل ایمان کی تخصیص کیوں حالانکہ آپ کی رسالت میں تو عام تمام عرب و عجم کو شامل ہے۔

جواب: اس لیے کہ آپ کی ذات سے صرف انہی حضرات نے نفع پایا اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ اس لیے کہ ان کی نسب سے یا یہ کہ ان کی جنس اور ان کی زبان میں مبعوث فرمایا تاکہ آپ کو آسانی سے سمجھ سکیں اور چونکہ وہ آپ کے صدق وامانت کے حالات سے پورے طور واقف تھے اسی لیے فرمایا[1] انه لذكرك ولقومك

ف: ایک قراۃ میں مِنۡ انفسهم بصیغۂ افعل التفضیل پڑھا گیا ہے بمعنیٰ نفیس ترین یعنی ان کے سبب سے زیادہ برگزیدہ مبعوث ہوئے اس لیے کہ آپ عرب کے تمام قبائل اور ان کی تمام شاخوں میں آپ بزرگ ترین شخصیت تھے یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ آپ ان پر اللہ تعالیٰ کے آیات پڑھتے ہیں حالانکہ اس سے قبل وہ جاہل مطلق تھے انہوں نے وحی کا نام تک نہ سنا تھا وَ یُزَکِّیۡہِمۡ اور انہیں فطری خرابیوں اور برے عقائد و گندے اعمال اور قبیح گناہوں سے طاہر و مطہر کرتے ہیں وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ اور بے شک وہ آپ کی بعثت باصفائی و ستھرائی اور تعلیم نبوی سے پہلے تھے لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۝ کھلی گمراہی میں کہ اس میں کسی قسم

---

[1] بیشک وہ آپکے اور آپ کی قوم کے لیے ذکر ہے یعنی قرآن ۱۲۔

کائنک بھی نہیں تھا۔

ف : اِن مخففہ وثقیلہ کے مابین فرق لام مفتوحہ سے ہوتا ہے۔

ذکرِ ولادتِ مقدسہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سرکش اور بے وقوف قوم میں مبعوث ہوئے لیکن آپ نے اپنی قوت نبوی سے ہر سرکش کی سرکشی کو توڑا ۔ بلکہ آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت ہی تمام کے تمام بت منہ کے بل گرے اور کسریٰ کا محل ٹوٹا اور اس کے چودہ کنگرے گرے ۔ اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ کسریٰ کے بعد اس علاقہ پر اسلام کے قبضہ کرنے تک صرف چودہ بادشاہ بادشاہی کریں گے ۔ آپ کی ولادت کی برکت سے فارس کی آگ بجھ گئی اور بحیرہ ساوہ خشک پڑ گیا ۔ حالانکہ اُن کے بجھنے اور خشک ہونے کی اور کوئی وجہ نہ تھی ۔ آپ کو آپ کے مالک و مولیٰ نے اپنی ذات کے لیے اختیار فرمایا بلکہ اپنی تمام مخلوق پر آپ کو برتر اور اعلیٰ بنایا ۔ آپ تمام مخلوق میں ایسے ہی اعلیٰ وبالا ہیں جیسے سر میں آنکھ ۔ آپ کے قیمتی دور کی مثال ایسے ہے جیسے مہینہ کے ایام تشریق اور آپ کی زندگی کی راتیں شادی کی راتوں جیسی تھیں ۔ خود قریش تعجب میں تھے کہ آپ کو فقر و فاقہ اور افلاس کے باوجود اتنی بڑی ترقی کیسے ہوئی ۔ قرآن پاک نے آپ کے مخالفین کو مقابلہ کے لیے قدم قدم پہ چیلنج کیا آپ کی فتحیابی تیروں اور تلواروں سے نہیں بلکہ انہی قرآنی دلائل وغیرہ سے ہے قرآن پاک نے اُن کے تعجب پر فرمایا۔

[1] اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رجل منهم ان انذر النّاس خلاصہ یہ کہ آپ تمام لوگوں کے لیے رحمت عامہ اور خواص و عوام کی نظروں میں بلند و بالا ہیں ۔ جب آپ کے نکاح پہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ابوطالب نے دعوت دی اور بنو ہاشم اور مضر قبیلوں کے بہت بڑے سردار شریک نکاح ہوئے تو ابو طالب نے خطبۂ ذیل بڑے شان و فخر سے پڑھا ۔ کہ تمام تعریف اس مالک کے لیے جس نے ہمیں حضرات ابراہیم کی اولاد اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کی نسل اور سعد کے خاندان اور مضر کی شاخ سے پیدا فرمایا اور اپنے گھر کا نگران اور اپنے حرم کا محافظ بنایا ۔ ہمارے لیے بیت اللہ مقرر فرمایا کہ وہاں حج ادا کیا جائے اور اسے ہی امن والا گھر بنایا ہمیں لوگوں کا حاکم مقرر فرمایا ۔ اور میرا یہ بھتیجا محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی شخصیت ہیں کہ ان کا مثل ہمارے خاندان میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم چند روز کے بعد اُن کی شان و شوکت قابلِ دید ہو گی ۔

آفاقہا گردیدہ ام

بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ۔

يا محمد قلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد رجلا افضل من

---

[1] کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے ان کے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ وہ لوگوں کو ڈر سنائیں۔

محمد ولم اجد بنی رب افضل من بنی ھاشم آدم ومن دونہ تحت اللواء۔

ترجمہ: اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زمین کے مشارق و مغارب کی سیر کی ہے۔ مجھے کوئی آپ جیسا نہیں ملا اور نہ ہی کوئی قبیلہ آپ کے خاندان سے افضل ملا۔ اور قیامت میں آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا تمام کے تمام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ ع

زانکہ بہر اوست خلق ماسوا،

ترجمہ: ماسوا اللہ تمام آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

نبی علیہ السلام کی نورانیت کا بیان

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بیشک قریش ایک نور تھا جو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں تسبیح پڑھتا تھا ان کی تسبیح کے مطابق ملائکہ کرام بھی تسبیح پڑھتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالےٰ نے وہی نور آدم علیہ السلام کی پشت میں ڈال دیا۔ ع

نور بہار عالم نور بہار عالم

ترجمہ: یہ نور بہار عالم ہے۔

حضرت عبد المطلب کا بہترین خواب

حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جدامجد سیدنا عبدالمطلب ایک رات خواب سے گھبرا کر اٹھے اور چل پڑے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے ہو لیا تاکہ معلوم کروں کہ کیا کرتے ہیں اور میں اس وقت باتوں کو سمجھ سکتا تھا۔ حضرت عبد المطلب قریش کے کاہنوں کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک لٹکتی ہوئی زنجیر دیکھی جو کہ میری پیٹھ سے نکلی اور چار کنارے تھے اس کا ایک کنارہ مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا آسمان پر چوتھا تحت الثریٰ تک پہنچ چکا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ پھر وہ سبز درخت ہو گیا جس سے نور چمکنے لگا۔ میں اس حالت میں تھا کہ میرے ہاں دو بزرگ تشریف لائے۔ میں نے ان میں ایک حضرت سے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں نوح نبی علیہ السلام ہوں۔ پھر ان دوسرے بزرگ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں ابراہیم خلیل علیہ السلام ہوں۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ کاہنوں نے کہا اگر تم نے یہی خواب دیکھا ہے تو تم کو مبارک ہو کہ تمہاری پشت سے ایک نبی علیہ السلام پیدا ہوں گے جن کی نبوت پر تمام آسمان و زمین والے ایمان لائیں گے اور زنجیر کے پھیلنے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کے تابعدار اور غلام ان گنت ہوں گے اور آپس میں اتنا متحد و متفق ہوں گے کہ جس طرح زنجیر کا ٹوٹنا مشکل ہے ایسے ہی ان کا مختلف ہونا۔ پھر اس زنجیر کے درخت بن جانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کا دین تا قیامت رہے گا۔ اور آپ کا ذکر مبارک بلند و بالا رہے گا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی تو

پھر ان کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا ظہور ہوا۔ اسی طرح خود حضور علیہ السلام نے غزوہ حنین میں اشارہ فرمایا۔[1] انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب گویا آپ ان الفاظ میں یوں فرما رہے ہیں کہ میں وہی صاحبزادہ ہوں جس نے یہ بہترین اعلیٰ خواب دیکھی تھی۔ اس لیے کہ اس خواب میں آپ کی نبوت کی بہترین علامات اور آپ کے شان اقدس کی طرف بہترین اشارات تھے۔

عاشق صادق کی علامات

نہ تو آپ کے اوصاف کریمہ کی حد ہے اور نہ ہی آپ کے اخلاق حمیدہ کا انتہا ہے مقصد تو یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ عشق مصطفٰے سے سرشار رہے اور آپ کی سنتوں کو پابندی سے ادا کرے تاکہ اسے حقیقی اور سچا امتی کہا جا سکے اور آپ کے دروازہ کا صحیح فقیر سمجھا جائے اور شریعت و طریقت میں وصول الی اللہ کے سب سے بہترین اور اعلیٰ یہی طریقہ ہے۔

حکایت: ایک جھوٹا مرید کہنے لگا کہ میرے شیخ بہترین مراتب و مقامات پر فائز ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ ان کی خلافت کا میں مستحق ہوں اور ایسے بلند مراتب کی اہلیت وصلاحیت بھی رکھتا ہوں لیکن پھر وہ مجھے خلافت سے مجاز کیوں نہیں فرماتے۔ شیخ نے سنا تو اسے اپنی خدمت میں بلا لیا اور چند روز کے لیے اپنی خدمت میں رکھا۔ لیکن اس نے شیخ کی خدمت میں بہت سستی دکھائی اور ان کی خدمت میں شوق اور جدوجہد نہ کی۔ شیخ نے اسے کہا کہ جب تو مخلوق میں اتنا ڈھیلا ڈھالا ہے تو پھر خالق کی خدمت کیسے کر سکے گا۔

سبق: شیخ نے خدمت خلق کو خدمت خالق پر قیاس فرمایا۔ اسی طرح جسے اللہ تعالیٰ کا وصال چاہیے تو اسے چاہیے کہ وہ شریعت نبوی علی صاحبہا السلام کی پوری پابندی کرے پہلے نبی علیہ السلام کی سنتوں کا کاربند ہو یہاں تک کہ اس کاروائی پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محبت کریں ان کی محبت کی برکت سے وہ بندہ اللہ تعالےٰ کا محبوب ہو جائے گا۔

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ: اے سعدی (رحمہ اللہ تعالیٰ) راہ صفا پر مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے بغیر چلنا محال ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور آپ کی آل اطہار اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کا شرف بخشے وہی ہر آن منان اور جزیل الاحسان و وسیع الغفران ہے۔

---

[1] میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں ابن عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ط

یہ واؤ عاطفہ ہے اس سے قبل اُس کا معطوف محذوف ہے اور لَمَّا ظرفیہ اور اپنے مابعد کی طرف مضاف ہے اور قَدْ اَصَبْتُمْ محلاً مرفوع مصیبۃ کی صفت ہے۔ اس مصیبت سے اُحد کی شکست مُراد ہے کہ اس میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے اور قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا سے بدر کا غزوہ مُراد ہے کہ اس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی ہوئے اَنّٰى هٰذَا قُلْتُمْ کا مقولہ ہے۔ اب معنی یُوں ہوا کہ جب تمہیں کفار کی طرف سے یوم احد میں تکلیف پہنچی یہ نصف ہے اُس کا جو تم نے انہیں غزوہ بدر میں تکلیف پہنچائی پھر بھی تم جزع فزع کرتے ہوئے کہتے ہو کہ ہمیں یہ مصیبت کہاں سے آئی۔ یہ ہمزہ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ الخ کا ہمزہ و تصریح کے لیے ہے یعنی اگر یہ رُسول خدا ہوتے تو ان کے لشکر کو یوم اُحد میں کفار سے شکست نہ ہوتی۔ یہاں تک کہ اہل ایمان کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ہمیں کفار مشرکین سے مغلوبیتہ کیوں ہوئی اور وہ مشرکین ہم پر فتحیاب کیوں ہوئے جب وہ شرک کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں اور اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور دین اسلام کو سینہ سے لگائے پھرتے ہیں۔ یہ استفہام علی سبیل الانکار ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رُسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرمایا کہ انہیں اس سوال فاسد کا جواب دیں کہ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم انہیں فرما دیجئے کہ یہ شکست تمہارے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہے کہ تم نے مرکز کو چھوڑ کر مال غنیمت کے پیچھے پڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بے فرمانی کی۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بلاشک اللہ تعالیٰ ہر شئے پہ قادر ہے منجملہ اُس کے طاعت پر مدد کرتا ہے اور نا فرمانی پر رُسوائی و شرمساری دیتا ہے۔ پھر جب تم نے بے فرمانی کی تو تمہیں غزوہ اُحد میں انہی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اور وہ جو تمہیں دو جماعتوں کے آمنے سامنے ہونے کے وقت پہنچا ہے جماعتِ اہل اسلام و جماعت اہل کفر کے مقابلہ کے وقت اس میں غزوہ احد کی لڑائی مراد ہے فَبِاِذْنِ اللّٰهِ تو یہ اللہ تعالیٰ کے اذن و حکم اور اس کی قضاء و قدر سے ہوا کہ کفار کو فتح دے دی۔ اسے اذن سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس طرح ہونا قضاء و قدر کے لوازمات سے ہے وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ تاکہ مؤمنین اور منافقین میں امتیاز ہو جائے۔ یعنی ظاہر کرے کہ تم میں مؤمن مخلص کون ہے، اور منافق کون وَقِيْلَ لَهُمْ اس کا عطف نافقوا پر ہے۔ یہ بھی اس کے صلہ بننے میں شامل ہے اور اس سے عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھی مراد ہیں جب وہ غزوہ احد سے منہ پھیر کر جا رہے تھے تو انہیں عبداللہ بن حرام نے کہا کیا تم اپنے نبی علیہ السلام اور اپنی قوم کو رسوا کرنا چاہتے ہو حالانکہ اُس وقت وہ تمہیں جنگ کیلئے بلا رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۔ آؤ اللہ تعالیٰ کے راہ میں لڑو یا کفار کی مدافعت کرو۔ کہ تمہارا

یہاں ٹھہرنا بھی کافی ہے کہ دشمن کو ہماری کثرت محسوس ہوگی۔ اس طرح سے وہ گھبرائیں گے اور ان کے دلوں میں رُعب پڑے گا۔

قَالُوْا۔ جب انہیں اِن باتوں میں اختیار دیا گیا کہ یا لڑو یا مدافعت کرو تو انہوں نے کہا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ۔ اگر ہم جنگ کو اچھا سمجھتے تو تمہارے ساتھ ہوتے یعنی ہمارے خیال میں اسے جنگ نام دینا بھی مناسب ہوتا تو تمہارے ساتھ ہوتے لیکن ہم تو اسے ہلاکتِ جان سمجھتے ہیں یا یہ کہ ہم اگر اس جنگ کو اچھا سمجھتے تو ہم تمہارا ساتھ دیتے یہ انہوں نے مزاحًا و استہزاءً کہا تھا هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ وہ آج کے دن بہ نسبت ایمان کے کفر کے قریب تر ہیں۔ معنیٰ یہ ہے کہ اُن کا آج کے دن ایمان کی بجائے کفر میں اضافہ ہوا کہ اس سے قبل وہ منافقت سے کفر کو مخفی رکھتے تھے اس لیے بظاہر کفر سے دُور تر تھے۔ جب انہوں نے کفر کو ظاہر کر دیا تو کفر کے قریب ہو گئے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب انہوں نے جنگ سے فرار کیا اور مسلمانوں کی معاونت سے گریز کر کے الٹی سیدھی باتیں کیں تو واضح ہو گیا کہ وہ مسلمان نہیں تھے يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ منہ سے وہ باتیں کیں جو اُن کے دلوں میں نہیں تھیں یعنی وہ باتیں ظاہر کرتے تھے جو دل کی باتوں کے خلاف تھیں۔ ایمان کے اعتبار سے ان کی زبانیں اُن کے قلوب کے غیر موافق تھیں۔ قول کی اضافت اُن کے منہ کی طرف تاکید و تصویر کے لیے ہے اگرچہ قول کا اطلاق کلام لفظی و نفسی ہر دونوں پر ہوتا ہے لیکن عموماً اس کا اطلاق زبانی لسانی باتوں پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ قول کے بعد افواہ کا ذکر محض تاکید کے لیے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں ہے[1] وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ طاہر ویسے بھی پروں سے اڑنے والے کو کہا جاتا ہے لیکن تاکید کے طور يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ فرمایا۔ پھر قول کی تاکید یوں بھی ہو گئی کہ یہ لفظ صرف ایک فرد سے ہوتا ہے وہ فردِ واحد زبان ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے اُن امور کو جو وہ چھپاتے تھے (یعنی اُن کی منافقت) اور اُن کے آپس کے خلوت میں مشورہ وغیرہ کو وہ تفصیلاً جانتا ہے اور اس کا علم ضروری ہے اور تم اجمالی طور جانتے ہو اور وہ بھی قرائن سے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا یہ مرفوع اور بدل ہے قَالُوْا کی ضمیر هُمْ سے (یعنی وہ جو کہتے ہیں) لِاِخْوَانِهِمْ اپنے بھائیوں کو جو اُن کے منافقت میں بھائی ہیں (یعنی ان بھائیوں کے لیے جو اُن کے ہم جنس اور غزوہ احد میں جنگ میں مارے گئے یا اُن کے نسبی بھائی مراد ہیں جو اُن کے ساتھ مدینہ طیبہ میں اکٹھے تھے اس میں شہدائے احد بھی داخل ہوں گے وَقَعَدُوْا یہ قالوا کی هُمْ ضمیر سے حال ہے۔ یعنی انہوں نے کہا درانحالیکہ وہ مدینہ میں جنگ سے علیحدگی اختیار کر کے

---

[1] اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے۔ ۱۲۔

بیٹھ گئے لَوْ اَطَاعُوْنَا اگر وہ ہمارا کہا مان لیتے اور ہماری موافقت کرتے تو وہ مارے نہ جاتے۔ جیسے ہم موت سے بچ گئے ہیں وہ بھی بچ جاتے اس کو معلوم ہوا کہ غزوۂ اُحد میں شہداء کو ان منافقین نے جنگ سے علیحدگی اختیار کرنے کو کہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جیسے ہم جنگ میں نہیں گئے اور بغاوت کا اظہار کیا وہ بھی باغی بن بیٹھیں قُلْ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اُن کے کذب کو ظاہر کرکے فرمائیے کہ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ یہ جواب اور شرط محذوف ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے یعنی تم اپنے قول میں سچے ہو جیسے کہ تمہارا دعویٰ ہے (کہ تم اپنے اوپر لکھی ہوئی جنگ کو دفع کرنے پر قادر ہو) تو اپنے سے اس موت کو دفع کرو جو تمہارے اُوپر کسی خاص سبب سے مُتعلق ہو چکی ہے اور وہ ایک خاص معین وقت میں آکر رہے گی اس لیے کہ اُس کے لیے اسباب بنانا یا اسے روکنا برابر ہے۔ پھر تمہیں اپنے نفوس تمہارے بھائیوں سے عزیز تر ین ہیں بلکہ تمہارا اپنا معاملہ اُن کے معاملات سے اہم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا جنگ میں نہ جانا تمہارے بچ جانے کا سبب نہیں بلکہ اس وقت تمہارے لیے موت کا وقت لکھا ہوا نہیں تھا ورنہ موت سے کون بچ سکتا ہے۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنگ پہ جانا موت سے بچنے کا سبب بن جاتا ہے اور الٹا جنگ سے گریز موت کے گھاٹ اُتر جانا ہوتا ہے ؎

زپیش خطر تا توانی گریز ولیکن مکن با قضا پنجہ نیز

گرت زندگانی نبشت دیر نہ مارت گزاید نہ شمشیر و تیر

ترجمہ: (۱) جہاں تک تجھ سے ہو سکتا ہے خطرے سے پرہیز کر کیونکہ قضا کے ساتھ پنجہ اڑانا اچھا نہیں۔
(۲) اگر تیری زندگی تا دیر لکھی گئی ہے تو پھر تجھے نہ سانپ ڈس سکتا ہے نہ شیر کھا سکتا ہے نہ تیر موت دے سکتا ہے۔

مسئلہ: موت نہ سن پر موقوف ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مُدت مُقرر ہے اور نہ ہی کسی مرض سے متعلق ہے تاکہ انسان ہر وقت موت کا سامان تیار رکھے۔

حکایت: ایک بزرگ کی عادت تھی کہ رات کو شہر کے کنارے اعلان کرتے۔ الرحیل الرحیل (کوچ کا وقت آگیا۔ کوچ کا وقت آگیا) جب اُن کا وقت آگیا تو شہر کے حاکم نے پوچھا کہ وہ بزرگ کہاں گئے جو روزانہ "الرحیل الرحیل" پکارتے تھے۔ کہا گیا کہ اُن وصال ہو گیا تو حاکم وقت نے یہ اشعار پڑھے ؎

مَا زَالَ يلهج بالرحيل وَ ذكره حتى اناخ ببابه الجمال

فَاصَابه مستيقظا متشمرا ذا اهبة لم تلهه الآمال

ترجمہ: وہ کوچ کرنے کو ہر وقت یاد فرماتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کے مردوانے پر شتربان آ ہی گیا تو

دیکھا کہ وہ جانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں ۔ سامان بندھا ہوا ہے ۔ انہیں کسی قسم کی ضروریاتِ زندگی نے مشغول
نہ کیا ۔

حکایت : حضرت دانیال علیہ السلام ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ آواز آئی اے دانیال (علیہ السلام) ٹھہر جائیے۔
تمہیں ایک نظارہ دکھایا جائے گا ۔ آپ نے ادھر ادھر دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا ۔ پھر وہی آواز آئی ۔ فرماتے ہیں کہ میں
وہ آواز سن کر ٹھہر گیا اچانک دیکھا کہ قریب ایک گھر ہے ۔ اس میں مجھے داخل ہونے کا کہا جا رہا ہے ۔ چنانچہ میں اس
کے اندر گیا ۔ دیکھا تو اس پر ایک بہترین تخت ہے جو موتیوں اور یاقوت سے جڑا ہوا ہے اس کے بعد اس تخت سے
آواز آئی کہ دانیال اس تخت پر تشریف لائیے اس میں آپ کو نظارہ دکھائی دے گا ۔ فرمایا میں اس تخت پر چڑھا
تو سبحان اللہ اس تخت پر سونے کا بستر بچھا ہوا ہے اور اس پر عطر و کستوری کی خوشبو ہے ۔ اس پر ہی ایک نوجوان
مردہ دکھائی دیا ۔ معلوم ایسے ہوتا تھا کہ اس کے بائیں ہاتھ میں سونے کی انگشتری اور سر پر سونے کا تاج اور
کمر میں نہایت ہی سبز رنگ کی تلوار لٹک رہی ہے پھر اس تخت سے آواز آئی کہ اس کی تلوار کو اٹھا کر دیکھئے اس
پر کیا لکھا ہوا ہے میں نے وہ تلوار اٹھائی تو اس پر لکھا ہوا ہے کہ یہ تلوار صمصام بن عوج بن عنق بن عاد بن ارم کی
ہے اور میں نے ایک ہزار اور سات سو سال عمر بسر کی ہے اور میں نے بارہ ہزار لونڈیوں سے ہمبستری کی اور چالیس
ہزار شہر بنائے اور ستر ہزار لشکر کو شکست دی جس کے ہر لشکر کا علیحدہ سردار ہوتا اور ہر سردار کے ساتھ بارہ ہزار
جنگی ہوتے تھے میں دانائی سے دور رہتا لیکن ہر خوف میرا ساتھی ہوتا تھا ۔ ظلم و تشدد میرا وطیرہ
تھا ۔ انصاف کی سرحد سے میرا کبھی گزر نہیں ہوا ۔ میرے خزانوں کی چابیاں اٹھانے والے چار خچر تھے ۔ دنیائے
عالم کے تمام بادشاہ میرے باجگزار تھے ۔ اہل دنیا میں میرے مقابلہ کی کسی کو طاقت و ہمت نہ تھی ۔ اس پر میں
نے ربوبیت کا دعویٰ کیا ۔ لیکن مجھے یہاں پر بھوک نے ستایا تو میں نے صرف روٹی کے ایک ٹکڑے کے عوض موتیوں
کی ہزار بوری دینی کی لیکن مجھے مٹھی بھر اناج نہ مل سکا تو موت آگئی ۔ اب دنیا والو ! سن لو موت کو بکثرت یاد کرو میری
کیفیت کو دیکھ کر عبرت پکڑو ۔ خبردار کہیں تمہیں دنیا دھوکہ نہ دیدے جیسے اس نے مجھے دھوکہ دیا ۔ میرے کسی ایک عزیز
نے میرا بوجھ نہ اٹھایا ۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی طرف نہ جھکے بلکہ سوچے کہ میرا انجام کیا ہوگا ۔ منافقت اور ظلم تشدد سے
دور رہے بلکہ اخلاص اور عدل و انصاف کے اوصاف سے موصوف ہونے کی کوشش کرے اس لیے کہ اسے یہی عمل
زیادہ مفید ہے حضرت ابن الکمال نے فرمایا ہے

پردہ داری میکند در طاق کسریٰ عنکبوت بوم نوبت می زند بر قلعہ افراسیاب
تخم احسان را چہ داری بر فشاں اے بے خبر چونکہ دانی دانہ عمرت خورد ایں آسیاب

ترجمہ (۱)، مکڑی کسریٰ میں آنانا تنتی گھر بناتی ہے اور الّو جنگلوں ویرانوں میں بسیرہ کرتا ہے۔

(۲) احسان کا بیج چھپا کر رکھنے کا کیا فائدہ اسے بے نیاز سے خرچ کرنے جب تجھے یقین ہے کہ تیری زندگانی کا دانہ چلی جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ہم سب کو یقین کی بلندی تک پہنچنے والا اور بیدار مغز بنائے اس سے قبل کہ موت کی گھڑی آپہنچے۔

تفسیر عالمانہ

(وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا)

(ان لوگوں کو مردہ مت خیال کرو جو اللہ تعالیٰ کے راہ میں شہید ہوئے) اُن سے شہدائے احد مراد ہیں جو کل ستر تھے چار اُن میں مہاجرین :۔

(۱) حضرت حمزہ بن عبد المطلب۔

(۲) حضرت مصعب بن عمیر۔

(۳) حضرت عثمان بن شہاب۔

(۴) حضرت عبداللہ بن جحش۔ باقی ان میں انصار تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔

نکتہ: حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادہ فصیح و بلیغ یہ ہے کہ لَا تَحْسَبَنَّ کا مخاطب ہر اُمتی ہو تاکہ اس مبارک خطاب سے ہر ایک کو حصہ نصیب اور جہاد کی رغبت اور یقین ہو کہ جہاد کی جزاء بہتر و اعلیٰ نصیب ہوتی ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے اس لیے کہ آپ کی اُمت کو گمان سے روکنا مطلوب ہے تاکہ انہیں اُن کے حال پر تنبیہ ہو جائے ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان وبالا ہے کہ آپ کسی قسم کے گمان و شک میں ہوں۔ بَلْ اَحْیَآءٌ بلکہ وہ زندہ ہیں عِنْدَ رَبِّهِمْ یہ مُبتدا مقدر کی دوسری خبر ہے لیکن چونکہ عندیہ مکانیہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے اس لیے یہاں تکریم و تعظیم کا قرب مُراد لیا جائے گا یعنی وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مکرم و معظم ہیں یُرْزَقُوْنَ وہ بہشت کے پھلوں سے رزق دیئے جائیں گے اس میں اُن کے زندہ ہونے پر تاکید و تحقق و ثبوت ہے فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ خوش ہیں اُس پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا یعنی شرف شہادت اور حیاۃ ابدیہ پر کامیابی اور قُرب الٰہی اور شہید ہوتے ہی دائمی نعمتوں سے نوازے جانے کی وجہ سے وَیَسْتَبْشِرُوْنَ اس کا عطف فرحین پر ہے اور عطف الفعل علی الاسم جائز ہوتا ہے (جب فعل کو مؤولاً اسم بنایا جائے) یہاں پر یَسْتَبْشِرُوْنَ بمعنی مستبشرین ہے اَیْ فَرِحِیْنَ وَ مُسْتَبْشِرِیْنَ۔

ف: یہاں استبشار کا سین طلب کے لیے نہیں بلکہ مجرد عن الطلب ہو کر مُستعمل ہوا ہے جیسے استغنیٰ بمعنی غنی ہے۔ نیز یہ بھی اہل لغت سے سنا گیا کہ پڑھتے ہیں "بشر الرجل (بکسر العین) بمعنیٰ استبشر یعنی اہل لغت کہتے ہیں کہ استبشر بشر کا مطاوع ہو کر آتا ہے۔ جیسے اراح واستراح" اسی طرح۔ چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ہوئی۔ اسی لیے البشر کا مطاوع سمجھا جائے گا۔ ایسے ہی کشاف میں زمخشری نے کہا کہ دراصل یہ عبارت

اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ یَسْتَبْشِرُوْنَ سے
بوں بھی کہ
بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ (خوش ہوتے ہیں ان لوگوں پر جو انہیں ابھی نہیں ملے) یعنی ان کے وہ اہل اسلام بھائی جو ابھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید نہیں ہوئے اور وہ عنقریب اُن سے ملنے والے ہیں مِنْ خَلْفِھِمْ جو اُن کے پیچھے ہیں۔ یہ یَلْحَقُوْا کے متعلق ہے معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ جو اُن کے بعد باقی رہ گئے ہیں اور وہ اُن سے پہلے چلے گئے اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ ان کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ اَلَّذِیْنَ بدل الاشتمال ہے۔ یہ بیان کرتا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کے احوال کی وجہ سے خوش ہوں گے اور یہ اَنْ مخففہ من المثقلۃ ہے یعنی وہ اس لیے خوش ہوں گے کہ اُن کے متعلق انہیں خوشخبری سنائی جائے گی کہ تم جن بھائیوں کو چھوڑ آئے ہو اُن کا حال یہ ہے کہ جب وہ مریں گے یا شہید ہوں گے تو وہ بھی حیات ابدیہ سے فائز ہو کر ہر خوف سے بری ہوں گے کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ ہی انہیں کسی شئے کے نہ ملنے پر کسی قسم کا غم و حزن ہوگا

ف: ہر وہ دُکھ اور تکلیف جو مستقبل میں کسی پر دنوع کا احتمال ہو اس سے خطرہ کا نام خوف ہے اور ہر وہ منافع جو ماضی میں موجود تھے لیکن اُن کے حصول سے محرومی ہوئی ایسے غم کو حزن سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ انہیں قیامت کے آنے والے خطرات سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی انہیں دُنیا کی لذات و نعمتوں کے فوت ہونے کے لیے کسی قسم کا غم اور حزن ہوگا۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَۃٍ خوش ہوں گے ان نعمتوں سے جو ہونے والی ہیں مِنَ اللّٰہِ اللہ تعالےٰ سے استبشار کو مکررًا لایا گیا تاکہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ اُن کا خوش ہونا صرف خوف و حزن کی نفی سے ہوگا۔ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت بڑی نعمتوں سے خوشی ہوگی کہ جن نعمتوں کو صرف وہی قادرِ مطلق جانتا ہے اور یہ ثواب اور عوض ہوگا اُن کے اعمال کا وَفَضْلٍ (اور اس سے مزید اور) جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ ۔ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور بیشک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرے گا) اس سے تمام اہل ایمان مُراد ہیں خواہ شہدا ہوں یا غیر شہدا۔

ف: یہاں پر اَنَّ کے ہمزہ کو مفتوح پڑھا جائے گا اس لیے کہ اُس کا عطف فضل پر ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ جملہ بھی اُن کی خوشی کے انعام میں شامل ہے۔

مسئلہ: حضرت امام رازی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ بھائیوں کی سعادت پر خوش ہونا بھی سعادتمندی ہے اس لیے کہ استبشار اول کا ذکر بھی بھائیوں کے احوال کے لیے تھا۔

مسئلہ: آیت میں تنبیہ ہے کہ بندے کو اپنے بھائی اور متعلقین کی سعادتمندی پر مکمل طور خوشی ہونی چاہیے۔ بلکہ اسے اپنی خواہش اور اپنے احوال نفسی کی اصلاح کی بہ نسبت عزیز و اقارب کی خوشی و اصلاح کا زیادہ خیال و اہتمام

رکھنا چاہیے ۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ شہداء کے اگرچہ بظاہر اجسام سے ارواح خارج ہو جاتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ زندہ ہوتے ہیں ۔

حیات شہداء اس میں اختلاف ہے کہ شہید مرنے کے بعد جب زندہ ہوتا ہے تو اس کی حیات صرف روحانی ہے یا بدن کو بھی حیات حاصل ہوتی ہے ۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ایک مقدمہ تمہید الکھا جاتا ہے تاکہ حیات الشہداء کا مسئلہ واضح ہو جائے وہ یہ کہ انسان مخصوص اس مجموعہ ڈھانچے کا نام نہیں ۔ بلکہ انسان کسی اور شئے کا نام ہے جو اس مجموعی ڈھانچے کے مغائر ہے وہ اس لیے کہ یہ ڈھانچہ وہ ہے کہ جس میں چربی ہے پھر انحلال اور تبدل و تغیر کو قبول کرتا ہے کبھی موٹا اور کبھی دبلا پتلا اور کبھی زرد کبھی اس کے برعکس ۔ حالانکہ وہ مخصوص انسان الآن کما کان ہے یعنی اول سے لیکر آخر عمر تک ایک ہی حالت پر رہتا ہے اور ڈھانچہ تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہونا رہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان مخصوص اس مجموعہ ڈھانچے کے مغائر ہے ۔

علاوہ ازیں یہ بھی احتمال ہے کہ وہی انسان مخصوص اس ڈھانچہ میں اسی طرح سرایت کئے ہوئے ہے جیسے آگ کوئلہ میں اور تیل تلوں میں اور گلاب کا پانی پھول میں ۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ انسان جوہر قائم بنفسہ ہے ۔ نہ تو وہ جسم ہے اور نہ ہی جسم میں حلول کرنے والا ہے ۔ بہر حال ہر دونوں مذہبوں پر وہی انسان مخصوص بدن پر موت کے طاری ہونے کے وقت بھی زندہ موجود رہتا ہے ۔ جس پر اس کے اعمال کے مطابق جزاء سزاء مرتب ہوتی ہے ۔

بعد از موت انسان کی بقاء پر دلائل نقلیہ بعد از موت[ا] انسانی بقاء پر دلائل عقلیہ بکثرت ہیں کہ ان سے تمام وہ شبہات دور ہو سکتے ہیں جو ثواب و عذاب قبر پر وارد ہوتے ہیں ۔

[ا] اس موت سے مراد اربعہ عناصر کا انتشار ہے وہ بھی عوام کی نظروں میں ورنہ درحقیقت وہ بھی نہیں کیونکہ ہے آتش آب و زندہ ہاں ہر شئے آیا حکم زبانہ بدن مبارک نبی صاحب دار روانہ آیا کھانا ۔ اور انہیں کے زمرہ میں ولی غوث قطب ۔ شہید وغیرہم حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین آجاتے ہیں ۔

آیت "اُغرقوا نارا" قبر کے عذاب پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بعد از موت نفوس پر موت نہیں ہوتی۔

استدلال بطریق دیگر اللہ تعالےٰ شہداء کے نفوس کو موت دیکر پھر انہیں زندہ کرتا ہے چنانچہ حدیث شریف ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہداء کے بارے میں فرمایا کہ اُن کی ارواح سبز پرندوں کے اجواف میں ہوتی ہیں ان کے ذریعے وہ بہشت کی نہروں پر وارد ہوتی ہیں۔ اس سے وہ ان کے ثمرات کھاتی ہیں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔ اور عرش کے نیچے نورانی قندیل میں ہیں پھر وہ انہیں کی طرف آتی ہیں جب وہ اس قسم کے بہترین کھانے اور پینے کی اشیاء دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کاش ہماری قوم کو معلوم ہوتا کہ ہم کن مراتب و مقامات اور کیسی نعمتوں سے بھرپور ہیں اور ہمارے ساتھ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ سلوک کیا ہے انہیں خبر ہو جائے تاکہ جہاد میں انہیں شوق پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم انہیں خبر دیتے ہیں اور تمہارے بھائیوں کو تمہارے تمام حالات سنا دیں گے یہ سن کر وہ بڑے مسرور ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت اُتاری۔

دیگر مذاہب جو لوگ اس حیات اجساد کے لیے بھی ثابت کرتے ہیں پھر اُن کا آپس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شہداء کے اجساد کو آسمان کی طرف اُن قنادیل میں اٹھا لیتا ہے جو تحت العرش ہیں پھر انہیں قسم و قسم کی سعادات و کرامات سے نوازتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہی اجسام اس زمین میں رہتے ہیں لیکن وہی کرامات و سعادات اس مقام پہ پہنچاتا ہے (تفسیر الامام) الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ)

ابُوعلی سینا ابُو علی سینا نے اس موضوع پر رسالہ "علم النفس" لکھا ہے۔ بخدا تحقیق میں کمال کر دیا ہے جسے اس مسئلہ میں تحقیق مطلوب ہو وہ اس کا مطالعہ کرے۔

شہداء کے فضائل شہداء کے فضائل غیر منتہی ہیں (۱) رسُول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا شہید قتل کے درد کو صرف کانٹے کا درد محسوس کرتا ہے اس کے لیے سات خصلتیں ہیں۔

① اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اسے بخش دیا جاتا ہے۔
② جنت میں اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے۔
③ قبر کے عذاب سے نجات پاتا ہے۔

ؔلے آگ میں، ڈبوے گئے یعنی فرعون اور اس کا لشکر ۱۲۔

(۴) قیامت کی بہت بڑی گھبراہٹ سے بچ جائے گا۔
(۵) اس کے سر پر وقار کا یاقوتی تاج رکھا جاتا ہے جو دُنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا۔
(۶) اُس کی بہتر حوروں سے شادی کی جاتی ہے۔
(۷) اُس کی شفاعت سے اُس کے ستّر عزیز و اقارب بخشے جائیں گے۔
(۲) مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پیاروں کو میرے ہاں بلاؤ۔ عرض کی جائے گی تیرے پیارے کون ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے پیارے وہ شہداء ہیں جنہوں نے میری راہ میں خون اور اموال اور نفوس قربان کیے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو حکم ہوگا بہشت میں جاؤ وہ گردنوں پر تلواریں لٹکائے ہوئے بہشت میں داخل ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت قیامت میں صدق کا جھنڈا کھڑا کیا جائے گا اور وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہوگا۔ اس جھنڈے کے نیچے تمام صدق گو لوگ جمع کیے جائیں گے۔ دوسرا جھنڈا عدل کا کھڑا کیا جائے گا وہ صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہوگا اور اس جھنڈے کے نیچے اہل انصاف جمع کیے جائیں گے۔ تیسرا جھنڈا سخاوت کا کھڑا کیا جائے گا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مخصوص ہوگا۔ اس کے تحت تمام سخیوں کو جمع کیا جائے گا۔ چوتھا جھنڈا شہداء کا ہوگا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مخصوص ہوگا۔ اس کے نیچے تمام شہداء کو جمع کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر فقیہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے اور ہر زاہد کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے تلے جمع کیا جائے گا اور ہر ایک فقیر کو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے اٹھایا جائے گا۔ اور مہمان نواز لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے تلے اٹھایا جائے گا اور تمام مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع کیے جائیں گے اور وہ جو مظلوم ہو کر مقتول ہوگا وہ حضرت امام حسین بن علی شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[۱] یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ۔

مسئلہ: اگرچہ شہداء کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہوتی ہیں لیکن وہ ہمیشہ ہر جمعہ اپنی قبور کو دیکھنے آتی ہیں۔

مسئلہ: ہر جمعہ کی رات اور دن میں زیارۃ القبور مستحب ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر وہ شخص جو کسی قبر پر گزرتا ہے تو صاحب قبر اگر اسے دنیا میں جانتا ہے تو قبر میں سے اسے جانتا ہے اور اُس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ جو شخص صرف نفس پرورری میں جیتا رہا تو اس کی روح کی پرواہ کی موت واقع ہو گئی لیکن جو شخص اپنے رب کے ساتھ زندہ رہا تو بوقت موت حیات طبع سے حیاۃ الاصل کی ط

ہوگا جوکہ دراصل یہی حقیقی حیات[1] ہے

نکتہ: جو سیفِ شریعت سے مارا جائے تو اُسے زندہ[2] کہا جاتا ہے اور اُسے رزق بھی ملتا ہے۔ تو پھر اس کا کیا حال ہوگا۔ جو سیفِ الصدق وَالحقیقۃ سے شہید ہوے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ترجمہ: جس کا دل عشق سے زندہ ہو تو وہ ہرگز نہیں مرتا۔ جریدہ عالم پر ہمارے لیے دوام لکھا جا چکا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مقتول فی سبیل اللہ دو قسم ہوتے ہیں۔

(۱) مقتول بالجہاد الاصغر جو رضاء الٰہی کی خاطر اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ عموماً یہی مشہور ہے۔

(۲) مقتول بالجہاد الاکبر اور نفس کی سرکشی کو توڑنا اور اسے محبت کے چھرے سے قتل کرنا۔ بلکہ اس کی تمام خواہشات کو مٹا دینا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک جنگ سے فراغت کے بعد فرمایا۔ رَجَعْنَا من الجهاد الاصغر الى جهاد الاكبر۔ ہم جہاد اصغر سے فارغ ہو کر اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں بہرحال جہاد کے ہر دونوں مقتول مُردہ نہیں بلکہ اپنے رب کے ہاں حقیقی حیات کے ساتھ زندہ اور طبائع کی میل کچیل سے پاک و صاف ہیں اور حضرت قدس کا قُرب رکھتے ہیں انہیں جنت معنویہ میں ارزاق معنویہ سے نوازا جاتا ہے۔ یعنی معارف و حقائق سے سرفراز کیا جاتا ہے اور انہیں انوار و تجلیات سے منور و متجلّی کیا جاتا اور انہیں زندوں کی طرح جنت صوری سے ارزاق صوریہ سے بھی رزق دیا جاتا ہے یا ہر دونوں یعنی جنۃ معنویہ و صوریہ سے انہیں رزق پہنچتا ہے۔

جنّات کے مراتب جنات میں مختلف مراتب ہوتے ہیں۔
(۱) معنوی۔ (۲) صوری۔

---

[1] کسی بزرگ نے خوب فرمایا ہے ے نقلی گھر کو گھر کہیں اور اصلی گھر کو گور۔ اصلی گھر کو جب چلا تو سب نے ڈالا شور۔ گویا اصلی گھر اور اصلی زندگی آگے ہی ہے۔

[2] زندہ وہی ہے جسے شریعت کا رنگ چڑھ گیا ورنہ مُردوں سے بدتر۔ نیز فرمایا جناب ابُو سعید ابوالخیرؒ نے ے کُشتگان خنجر تسلیم را۔ ہر زماں از غیب جان دیگر است۔

[3] مولانا عالم پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ے عشق بہار قدیم اجیہی گلوں نہ رنگت ڈولے۔ ے عشقاندے وچہ گلزاراں وگن خزاں دے جھولے۔ گل سے مُراد عاشق صادق ہی ہے جو کہ مرتا ہی نہیں۔ اویسی غفرلہٗ

پھر ان میں علی حسب المعارف والعلوم اور بوجہ کردار داعمال کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔ معنوی درجات یہ ہیں۔

(۱) جنۃ الذات۔

(۲) جنۃ الصفات۔

پھر اُن کے درجات کی ترقی معارف کے درجات کے مطابق ہوتی ہے اس طرح سے شہید کو ملکوت و جبروت میں ترقی نصیب ہوتی ہے جنۃ صوریہ جنت الافعال کو کہتے ہیں اُن کے درجات کی ترقی اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی طرح اُسے عالم ملک یعنی سمٰوٰتِ عُلیٰ اور ایسے باغات میں ترقی نصیب ہوتی ہے جن میں ہر قسم کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

نکتہ: حدیث شریف شہدائے احد کے متعلق مروی ہے کہ وہ سبز پرندوں میں ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اجرامِ سماویہ و قنادیل میں ہوتے ہیں اور قنادیل سے کواکب مُراد ہیں اور نیرات (جو اجرام سماویہ میں سے ہیں متعلق ہوتے ہیں) کی نزہت کی وجہ سے انہیں قنادیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور انہار الجنۃ سے علوم کے چشمے اور ان کی مختلف راہیں اور اثمار الجنۃ سے احوال و کشفیات و معارف مُراد ہیں۔ اور جنت صُوریہ کے اثمار مراتب جنۃ معنویہ باصوریہ کے مطابق نصیب ہوں گے۔

یاد: رہنا چاہیے کہ دنیوی مطاعم و مشارب اور مناکح و ملابس یعنی کھانے پینے اور شادیوں اور بباس اور تمام لذتیں اور خواہشیں تمام کی تمام آخرت میں عالم مثال میں موجود ہوں گی بلکہ دنیوی اشیاء میں سے طبقات السماء کی اشیاء زیادہ لذیذ اور نفیس ترین ہوں گی اور وہ شہداء اس عقاب (جو کہ نقص و تقصیر سے لازم ہوتا ہے) سے بے خوف ہوں گے اور نعمتِ دُنیا کے فوت ہو جانے کے حزن سے بھی بے خطر ہوں گے ا[illegible]نات الافعال میں سے نعمتیں لذیذ ترین اور نہایت ہی ذیشان اور نفیس ترین اور باقی رہنے والی نصیب ہوں گی اور مزید براں یہ کہ انہیں جنات الصفات سے سرفراز کیا جائے گا جنہیں اللہ تعالیٰ نے رضوان سے تعبیر فرمایا ہے یا نعمت سے جنۃ الصفات اور فضل سے جنۃ الذوات مراد ہے اور انہیں ایمان کے اجر و ثواب سے پر جو جنۃ الافعال نصیب ہو گی اُسے اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرمائے گا۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ راہِ حق میں مال اور جسم و جان سب کچھ لٹا دے تاکہ اسے فتوح کے جمیع انواع نصیب ہوں ؎

دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست
چو لاف عشق زدی سر بباز چابک و چست

ترجمہ: اے دل محبوب کے بے انتہا لطف سے لالچ نہ کر جب تو عشق کا دعویٰ کرتا ہے تو سر دھڑ کی بازی لگا اس میں دیر نہ کیجئے

الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ
اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ○ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○
اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ
اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَا يَحْسَبَنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى
يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ
مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ○ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ ع

ترجمہ: وہ جو اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا ان کے
نیکوں اور پرہیزگاروں کے لیے بڑا ثواب ہے وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لیے جتھا
جوڑا تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زائد ہوا اور بولے اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا اچھا کارساز ہے تو پلٹے اللہ
کے احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور اللہ کی خوشی پر چلے اور اللہ بڑے فضل والا ہے وہ تو
شیطان ہی ہے کہ اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو اور اے
محبوب ان کا کچھ غم نہ کرو جو کفر پر دوڑتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں
ان کو کوئی حصہ نہ دے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے وہ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا اللہ کا کچھ

نہ بگاڑیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ہرگز کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ جو ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں کچھ ان کے لیے بھلا ہے ہم تو اسی لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں اور ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر عالمانہ

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔ (جنہوں نے قبول کیا) یعنی انہیں جن امور کا حکم دیا گیا انہیں مانا۔ اور جن باتوں سے روکا گیا اُن سے رُک گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا فَلْیَسْتَجِیْبُوْا مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ بعد اس کے کہ انہیں غزوہ احد میں زخم پہنچے لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ ۔ ان لوگوں کے لیے کہ جنہوں نے ان میں سے نیکی کی اُن میں وہ لوگ داخل ہیں جو جمیع منہی عنہ سے رُک گئے۔ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۔ بہت بڑا اجر ہے للذین خبر مقدم ہے اس کا مبتدا اجر عظیم موخر ہے یہ جملہ محلا مرفوع خبر ہے اس کا مبتدا اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا الخ خبر اور منہم میں من تبعیضیہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو سب نے مانا نہ کہ بعض نے بلکہ یہ مِن جنس کے بیان کے لیے ہے۔ اب اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بدل وجان مانا تو اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے اور انہیں دو اوصاف یعنی احسان و تقویٰ سے موصوف کیا گیا یہ اُن کی مدح کی وجہ سے ہے نہ کہ وہ صرف انہی اوصاف میں محصور ہیں۔

شانِ نزول

مروی ہے کہ جب ابوسفیان اور اُس کے ساتھی اُحد سے لوٹے اور مقام روحاء (جو مکہ و مدینہ کے مابین واقع ہے) پر پہنچے تو نادم ہوئے اور واپس لوٹنے کا ارادہ کیا (کہ لوٹ کر احد میں بقایا مسلمانوں کا قلع قمع کریں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کے عزم کی خبر پہنچی تو آپ نے ابوسفیان کی گرفت کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تیار فرمایا۔ لیکن ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ آج بھی ہمارے ساتھ وہی چلے جو کل کی جنگ میں ہمارے ساتھ تھے (عرب جنگ کے دقائع کو ایام سے تعبیر کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے ایام کی یاد دہانی کرائی۔ اس کے بعد آپ نے مع صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم بڑی ہیبت و قوت و پامردی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح حمراء الاسد (ایک مقام

ہے جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے) تک پہنچ گئے حالانکہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم زخم خوردہ بھی تھے۔ لیکن جنگ کے میدان میں کود پڑے (اس نیت سے کہیں اُن سے یہ احسن موقعہ ہاتھ سے نکل نہ جائے) اللہ تعالےٰ نے مشرکین کے دل میں اُن کا رُعب ڈال دیا۔ جس سے وہ جنگ سے گریز کر کے چلے گئے تو یہی آیت اُتری۔

ف: اسے غزوہ حمراء الاسد سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ غزوۂ احد کے بالکل متصل واقع ہوا۔ ایک سال بعد غزوۂ بدر صغریٰ ہوا۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا اَلَّذِیْنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ وہ جن کو لوگوں نے کہا (یعنی عبد قیس یا نعیم بن مسعود اشجعی کے سوار جوان کو ملے اور کہا۔

سوال: النّاس کا اطلاق کیوں حالانکہ وہ تو فردِ واحد تھا۔

جواب: اس لیے کہ وہ اُن کا ہم جنس تھا۔ اور اس کا کلام اُن جیسا تھا۔ مثلاً کہا جاتا ہے فَلَا یَرْکَبُ الْخَیْلَ۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے یَلْبَسُ الثِّیَابَ وہ کپڑوں کو پہنتا ہے یہ اس کے لیے کہتے ہیں کہ جس کا ایک گھوڑا یا صرف ایک کپڑا ہو۔ یا اس کی توجیہ یوں ہو کہ اس کو دوسرے اہل مدینہ ملے اور جا کر انہیں اس کی اشاعت کی اِنَّ النَّاسَ بیشک لوگ (یعنی ابو سفیان اور اُس کے ساتھی) قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ بیشک وہ تمہارے لیے جمع ہوئے۔ فَاخْشَوْھُمْ تو اُن سے ڈرو۔

واقعہ: مروی ہے کہ جب ابو سفیان جنگ کے لیے تیار ہوا تو پھر اُس کا ارادہ ہوا کہ وہ واپس چلا جائے اُس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ ہم آئندہ سال بدر صغریٰ میں جنگ کریں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (انشاء اللہ تعالیٰ) جب سال تمام ہوا تو ابو سفیان اہل مکہ کو لے کر "مر الظہران" (جگہ کا نام ہے) میں اُترا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رُعب ڈال دیا۔ اور خیال ہوا کہ واپس چلا جائے۔ اُس کا ارادہ میں تھا کہ وہاں سے بنی عبد قیس کا گزر ہوا۔ جو مدینہ طیبہ سے سامان خریدنے کے لیے جا رہے تھے۔ اُن سے کہا کہ اگر وہاں جا کر مسلمانوں کو بزدل بنا دو تو ہم تمہیں ایک اونٹ کشمش سے لدا ہوا دیں گے۔

ف: یا ابو سفیان کو ملنے والا نعیم بن مسعود تھا جو عمرہ کے لیے جا رہا تھا۔ اُسے ابو سفیان نے کہا کہ میں نے (حضور) محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس سال جنگ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اب قحط سالی ہے اور ہم ایسے حالات میں لڑنا چاہتے نہیں جب درخت سر سبز ہوں گے اور ہم اونٹوں کو مزے سے چرائیں گے اور خوب موٹا تازہ کریں گے اور سیر ہو کر دودھ پی کر جنگ کو جائیں گے۔ اب میرا خیال ہوتا ہے کہ واپس چلا جاؤں لیکن اس سے (حضرت) محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کی جرأت بڑھ جائے گی اور وہ ہماری واپسی کو بزدلی پر محمول کریں گے۔ فلہٰذا تم مدینہ طیبہ مسلمانوں کو بزدل بناؤ۔ میں تمہیں اُس کے عوض دس اونٹ دوں گا۔ اس کی ضمانت سہیل بن عمرو نے لی۔ اور

نعیم بن مسعود نے مدینہ طیبہ پہنچ کر دیکھا کہ مسلمان جنگ کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ نعیم بن مسعود نے کہا یہ کیا کر رہے ہو میں ابوسفیان کے لشکر کو دیکھ کے آیا ہوں۔ وہ اس قدر زبردست تیار ہیں کہ جب تم اُن کے مقابلے میں جاؤ گے تو تمہیں سوائے بھاگنے کے چارہ نہ ہوگا۔ یا مارے جاؤ گے۔ اُس کا یہ قول بعض کمزور دلوں پر اثر انداز ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محسوس ہوا تو آپ نے فرمایا۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تو جنگ کے لیے ضرور جاؤں گا اگرچہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ ہو۔ یہ فرما کر روانہ ہوئے تو ستر سوار تیار ہو کر ساتھ ہو لیے اور سب کے سب کہتے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی جملہ امور کا کارساز ہے) فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا پس بڑھایا اُن کے اس قول نے اُن کے ایمان کو) مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نعیم بن مسعود ثقفی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ وہ اپنے عزم پر مضبوط رہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اُن کا یقین کامل تھا۔ الٹا اس کے کہنے پر مزید مطمئن ہو کر حمیتِ اسلام کے لیے چل نکلے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے عزائم میں مخلص تھے وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ (اور کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔)

حل لغات: اَحْسَبَہٗ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ شئے اُسے کفایت کرے وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (اور وہ اچھا کارساز ہے) یعنی تمام امور اسے سپرد ہیں فَانْقَلَبُوْا (وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے لوٹے) یہ فاء فصیحیہ ہے۔ یعنی وہ مؤمن کفار کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور اپنا وعدہ پورا کیا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر لوٹے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت نصیب ہوئی جس کا اندازہ صرف اسے معلوم ہے۔ منجملہ اُس کے عافیت کے ساتھ واپس لوٹنا اور ایمان پر ثابت قدمی اور اضافہ اور دشمنوں پر غلبہ پا کر اُن کے دلوں میں رعب کر دیا وَفَضْلٍ اور تجارت میں بہت بڑا نفع نصیب ہوا لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ (انہیں کوئی برائی نہ پہنچی) یعنی ہر برائی سے صحیح و سالم ہو کر لوٹے نہ انہیں کوئی تکلیف پہنچی اور نہ ہی کوئی دکھ اور درد محسوس ہوا۔

واقعہ بدر صغریٰ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ وعدہ لشکر کو لیکر بدر صغریٰ میں پہنچے (بدر صغریٰ ایک جگہ کا نام ہے۔ جہاں بنی کنانہ ایک بازار لگاتے اور سال میں ایک دفعہ جمع ہوتے) اور وہاں ان کا آٹھ دن قیام رہتا تو آپ کے مقابلہ کے لیے مشرکین نہ آئے صحابہ کرام بازار مذکور میں تشریف لے گئے۔ اُن کے ہاں جو خرچ اور دیگر تجارتی مال تھا اسے بیچ کر شہید اور زبیب[1] خرید لیے۔ اس سے انہیں خوب نفع ہوا۔ ایک درہم کی بجائے انہیں دو درہم ملے گویا دوہرا نفع کمایا۔ اس طرح سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیح سالم اور بہت سا نفع لے کر واپس لوٹے۔ اور ابوسفیان راستہ سے ہی واپس مکہ شریف کو لوٹا تو اہل مکہ نے اُسے لشکر کا جیش السویق (ستوؤں کا لشکر)

---

[1] زبیب: منقیٰ۔

نام رکھا اور کہا کہ تم صرف ستو پینے گئے تھے۔ وَّاتَّبَعُوْا۔ اس کا عطف اِنْقَلَبُوْا پر ہے اور وہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے ہر قول و فعل میں تابع ہوئے۔

رِضْوَانَ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے (کہ خیر دارین کا اسی پر دار و مدار ہے) یعنی جرأت کر کے جنگ کی خاطر نکل پڑے تو رضائے الٰہی نصیب ہوئی وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے کہ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ثابت قدم رکھا اور ان کے ایمان میں اضافہ فرمایا اور دشمن پر جرأت کرنے کا موقعہ بخشا اور انہیں ہر پریشان کن بات سے محفوظ فرما کر اٹھا بہت بڑا نفع (تجارتی) عطا فرمایا۔ اس میں ان لوگوں کو حسرت اور ارمان میں ڈالنا ہے جو اس موقعہ (بدر صغریٰ) کو ہاتھ سے دے بیٹھے۔ اور ان کی رائے کو غلط قرار دینا ہے کہ جنہوں نے بدر صغریٰ میں سے کترا کر اپنے آپ کو ان کامیابیوں سے محروم کر دیا جو بدر صغریٰ میں جانے والوں کو نصیب ہوئیں۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ ہمیں بدر صغریٰ میں جانے سے جنگ اور جہاد کا ثواب بھی نصیب ہوا یا نہ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ اور جہاد کا بھی ثواب عطا فرمایا اور ان سے اپنی رضامندی کا اظہار بھی فرمایا اِنَّمَا ذٰلِكُمُ (بے شک وہی بزدلی) یہ مبتدا ہے الشَّيْطٰنُ خبر ہے يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ شیطان ڈراتا ہے منافقین کو مشرکین کے غلبہ اور قہر سے تاکہ وہ منافقین کفار کے ساتھ لڑنے اور جنگ کرنے سے بیٹھے رہیں اس سے وہی منافقین مراد ہیں کہ جن کے دلوں میں مرض تھا اور وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جنگ کے لیے نہ چلیں اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کا کفار سے ڈرانے کا تعلق منافقین سے ہے اور یہی شیطان کے دوست اور باقی رہے ہے۔ تم اے مومنو! تم تو اللہ تعالیٰ کے دوست اور اس کے گروہ سے ہو اور تم ہی غالب ہو اور شیطان کے ڈرانے کو تمہارے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں فَلَا تَخَافُوْهُمْ (تو ان سے نہ ڈرو) یعنی شیطان اور اس کے ساتھی جیسے ابو سفیان (جب کہ وہ حالت کفر میں تھے) وغیرہ وَخَافُوْنِ ہاں مجھ سے ڈرو کہ کہیں تم سے میرے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو جائے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اگر تم مومن ہو) اس لیے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف غیر کے خوف سے غالب ہو اور دل کو تسلی ہو کہ شیطان اور اس کے ساتھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ف: خوف تین قسم کا ہے۔

① خوف العام اللہ تعالیٰ کی عقوبت سے ڈرنا۔

② خوف الخاص اللہ تعالیٰ کے بعد سے ڈرنا۔

③ خوف الاخص اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔

انہی تینوں قسموں کی طرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دعا میں اشارہ فرمایا ہے ۔

اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ

تیری عفو کے ساتھ تیرے عقاب سے اور تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب سے اور تیری ذات سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس اور اُس کے صفات سے فانی ہو جائے سوائے ذاتِ حق کے باقی کو معدوم سمجھے اور اس کے سوا کسی سے نہ ڈرے ۔ وہی اپنے بندوں پر غالب اور وہی اُمور میں کفایت فرماتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت نجم الدین کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خلقت کا آخری مقام یہ ہے کہ سالک اپنے نفس پر تکبیر کی چھری پھیر دے ۔ اور عالم دنیا کو کل چار تکبیروں سے ذبح کر ڈالے پھر اس پر اِنَّ اللّٰهَ حَسْبُهٗ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ بیشک وہی اللہ ہر شئے کے لیے کافی ہے اور هُوَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ عَنْ نَفْسِهٖ وَمَا سِوَاءَ وہی اللہ تعالےٰ اُس کے نفس اور اُس کے سوا کا کارساز ہے) کا راز کھلے گا ۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

من ہماں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق ،
چار تکبیر زدم یکسرہ برہر چہ کہ ہست

ترجمہ: میں نے جب عشق کے چشمہ سے وضو کیا اسی وقت سے چار تکبیر کہہ کر ماسوی اللہ سے ہاتھ دھو لیے ۔

ف: اس میں حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ عشق صحیح معنیٰ میں اس وقت نصیب ہوتا ہے جب ماسوی اللہ کو کالمیت بلکہ کالجماد سمجھے ۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اور سب کو معلوم ہے کہ نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں اس میں یہی اشارہ ہے کہ انہی تکبیروں سے اپنے نفس بلکہ تمام کائنات کو فنا کر دے (ہمیں اللہ تعالیٰ حقیقت توحید سے آگاہی بخشے) (آمین)

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں کہ میں بارہ سال اپنے نفس کو لوہار بن کر سید ھا کرتا رہا اور پچاس سال دل کی زنگ کو دھویا ۔ پھر ایک سال اس کی صفائی کو غور سے دیکھا تو ابھی اُس کے ظاہر پر زنار (غیریت کا دھاگہ) لٹک رہا تھا ۔ پھر اس کے کاٹنے پر بارہ سال اور لگا دیئے ۔ پھر دیکھا تو اُس کے باطن پر بھی زنار موجود تھا پھر اُس کے کاٹنے پر پانچ سال لگائے ۔ جب میرے ساتھ یہ کیفیت گزری تو پھر میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو تمام مخلوق مجھے مردہ نظر آئی پھر میں نے اُن پر چار تکبیریں (نماز جنازہ) پڑھ ڈالیں ۔

حکایت: سیدنا بایزید بُسطامی قدس سرہ کے وصال کے بعد انہیں عرض کیا گیا کہ آپ نے منکر نکیر کو کیا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا جب وہ میرے پاس تشریف لائے تو مجھ سے حسبِ دستور مَنْ رَّبُّكَ کا سوال کیا تو میں نے کہا اُسی سے پوچھو۔ اگر وہ فرمائے کہ واقعی بایزید میرا بندہ ہے تو بیڑا پار ہے۔ ورنہ اگر میں ہزار بار کہوں کہ میں اس کا بندہ ہوں اور وہ قبول نہ کرے تو پھر کیا فائدہ۔

مسئلہ تصوف: حقیقی بندگی یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے آزاد ہو جائے۔ روزہ رکھے یا نماز پڑھے۔ اسی طرح ہر عبادت میں ایسے ہونا چاہیے

حکایت: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ اپنی آخری عمر میں اپنے عبادت خانے میں داخل ہوئے اور دُعا کی کہ اے اللہ للعٰلمین نہ مجھے روزوں پر ناز ہے اور نمازوں پر اور نہ ہی دوسری عبادات بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی گناہوں میں برباد کی۔ اَب غیرت کا زنار توڑ کر تیرے دروازے پر تیرے ساتھ صلح کرنے آیا ہوں۔

ف: دراصل بایزید بُسطامی قدس سرہ نے اپنے نفس کی حیثیت سے یہی انصاف کی بات فرمائی ہے۔

حکایت منظوم: حضرت شیخ سعدی قدس سرہ اپنے شیخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

شبے دائم از ہول دوزخ نخفت — بگوش آمدم صبح گاہے کہ گفت
چہ بودے کہ دوزخ زمن پر شدے — مگر دیگر اندر رہائی بدے۔

ترجمہ: (۱) ایک رات سرہ دوزخ کی ہولناکیوں سے نہ سوئے۔ بوقت صبح میں نے سُنا کہ فرمارہے تھے۔

(۲) کیا اچھا ہوتا کہ دوزخ کو صرف مجھ سے ہی پُر کردیا جاتا۔ صرف میری وجہ سے ہی تمام لوگوں کو نجات نصیب ہوتی۔

سبق عاقل کو چاہیے کہ خودستائی نہ کرے اور نہ ہی آپ کو صاحبِ کرامت سمجھے بلکہ جتنا ہو سکے متواضع و منکسر المزاج رہے یہاں تک کہ اپنے اندر نیکیوں کی بہ نسبت برائیوں کو زیادہ تصور کرے۔ بلکہ اپنے آپ کو معدوم محض سمجھے۔

مسئلہ صوفیانہ اہل اسلام کا شعار اور اہل ایمان کی یہ عادت ہونی چاہیئے کہ وہ مجاہدہ فی سبیل اللہ میں سر کی بازی لگائیں۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ گھبرائیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی کیسی تعریف فرمائی ہے۔ کَمَا قَالَ ” یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

ع تیرا رب کون ہے۔

مسئلہ صوفیانہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور اسے دشمنوں پر فتح و نصرت دیتا ہے۔ خصوصاً نفسِ امارہ پر اسے غلبہ عطا فرماتا ہے ؎

کسے را کہ دانم اہل استقامت　　کہ باشد بر سر کوئے ملامت

ز اوصاف طبیعت پاک مُردہ　　با طلاق ہویت جان سپردہ،

برفتہ سایہ ز خورشید ماندہ　　تمام از گرد خود دامن نشاندہ،

ترجمہ: ① میں اہل استقامت کو خوب جانتا ہوں کہ وہ ہمیشہ لوگوں سے ملامت کا نشانہ بنے رہتے ہیں۔

② وہ طبیعت اوصاف سے تو بالکل مر چکے ہوتے ہیں۔ انہوں نے تو اطلاق ہویت کو جان سپرد کی ہوتی ہے۔

③ سایہ چلا جاتا ہے جب سورج آتا ہے اپنے سے گرد و غبار صاف کر لیتا ہے۔

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلوص و یقین اور تمکین کے مراتب تک پہنچائے۔ (آمین)

وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ (اور آپ کو غم میں نہ ڈالیں وہ لوگ جو کفر میں عجلت کرتے ہیں) یعنی کفر میں انتہائی حریص بہت زیادہ راغب ہو کر تیزی سے واقع ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں سے وہ منافقین مراد ہیں جو اپنے پوشیدہ کفر میں تیزی سے بڑھ رہے ہیں تاکہ کفار کو غلبہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا نور بجھ جائے۔ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ (بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اس کے دین کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ (اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کو آخرت میں کسی قسم کا ثواب نہ دے) اسی لیے انہیں گمراہی میں چھوڑ دیا تاکہ وہ حیران پھرتے رہیں یہاں تک کہ کفر پر مرتے ہیں۔

نکتہ: آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ کفر کی سرحد تک پہنچ گئے کہ ارحم الراحمین کا ان کے لیے رحمت کرنے کا اب ارادہ بھی نہیں ہے بلکہ ان کے کفر میں تیزی سے جانے میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ انہیں آخرت میں کسی قسم کا ثواب نہ دے۔ وَلَهُمْ اور ان کے لیے ثواب کے عوض کلی طور محرومی کی وجہ سے عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ بہت بڑا عذاب ہوگا اور اس عذاب کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ بیشک وہ لوگ کہ جنہوں نے ایمان کے عوض کفر خریدا یعنی ایمان کے عوض کفر کو پسند کیا کہ اس کفر میں پسندیدگی کا اظہار کیا اور ایمان کو ترک کر کے اس سے روگردانی کا ثبوت دیا۔ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا نقصان نہیں دے سکتے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

نکتہ: عام عادت ہے کہ خرید شدہ چیز میں مشتری کو راحت ہوتی ہے جب اس میں منافع کثیرہ ہو لیکن جب اس

میں نقصان ہو تو پھر درد پہنچتا ہے اور چونکہ یہ سودا اُن کا گھاٹے کا تھا اس لیے اُن کے اس عذاب کو الیم (دردناک) سے موکد فرمایا۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوْا اور وہ لوگ گمان میں نہ رہیں۔ یہ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر وَلَا يَحْسَبَنَّ کا فاعل ہے اَنَّمَا یہ اپنے مدخول علیہ سے مل کر دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اس لیے کہ فعل قلبی کا تعلق مبتداء وخبر سے ہے اسی لیے مقصود مکمل ہو جاتا ہے یہ لفظ مَا مصدریہ ہے اگر موصولہ ہے تو اس کا عائد محذوف ہے۔

سوال: علم الخط کے قاعدہ کے مطابق تو اس ما کو لفظ انّ سے علیحدہ لکھنا ضروری تھا۔

جواب: چونکہ مصحف عثمانی میں یونہی متصل لکھا گیا ہے اسی لیے اُس کی مخالفت نہیں کی جا سکتی اور کتابت مصحف میں سنت امام یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ضروری ہے نُمْلِي لَهُمْ یہ املاء سے مشتق ہے بمعنے مہلت دینا اور مدت کو لمبا کرنا اور الملا بالقصر بمعنے الدھر اور رات دن کو اسی الملوان کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے لوٹ کر آتے ہیں یعنی ہمارا انہیں مہلت دینا (جب کہ ما مصدریہ ہو) یا یہ کہ بیشک وہ جو ہم انہیں مہلت دیتے ہیں خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اُن کے لیے بہتری ہے اور صیغہ تفضیل یعنی خیر اس لیے لایا گیا کہ اُن کے گمان پر یہی بات بہتر ہے اَنَّمَا یہ ما کافہ ہے اس کے لیے قوانین خط میں یہی قاعدہ ہے کہ وہ متصل ہو کر آئے اسی لیے اسے متصل کر کے لایا گیا ہے نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا ہم انہیں مہلت اس ارادہ پر دیتے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں بڑھیں) اہلسنت کے نزدیک یہ لام ارادہ کی ہے جیسا کہ اُن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خیر و شر کا فاعل اور وہی فعال لما یرید ہے۔ اس لیے کہ مہلت دینا یعنی ان کی عمروں کو لمبا کرنا اسی کے اختیار میں ہے اور یہ تو اُن کے لیے بہتری نہیں لیکن چونکہ وہ اُسی تطویل عمر کو وسیلہ بنا کر بالاثم و طغیان میں بڑھ رہے ہیں اس لیے اُن کے گمان فاسد میں یہ بھلائی ہے۔ یاد رہے کہ اعمال کا خالق بھی وہی ہے اس کے ارادہ کے بغیر کوئی شے پیدا نہیں ہوتی اور وہی اپنے ارادوں کا آپ مالک ہے جن افعال کا وہ لوگ ارتکاب کرتے ہیں اُن کے اسباب بھی اُس کے ارادے میں ہیں اور یہ لام علت کی نہیں کیونکہ اُس کے افعال معلّلہ بالاغراض نہیں ہیں۔ اور معتزلہ کے نزدیک یہ لام عاقبت کی ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اور اُن کے لیے رسوا کن عذاب ہے کہ قیامت میں اس عذاب کی وجہ سے انہیں سخت رسوائی ہوگی۔

حدیث شریف: حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے بہتر وہ ہے جس کی عمر لمبی اور نیک اعمال میں بسر ہو اور بدترین انسان وہ ہے جس کی عمر لمبی اور گناہوں میں بسر ہوئی۔

مسئلہ: دنیا میں کفار و فساق کا طویل العمر ہونا اور مقاصد کو حاصل کرنا اُن کے لیے بھلائی نہیں۔ بلکہ یہ بظاہر نعمت اور درحقیقت اُن کے لیے عذاب ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی کو حلوہ میں زہر ملا کر کھلائے تو اس کے لیے نعمت میں شمار نہ ہوگا۔ بلکہ یہی حلوہ اسے ہلاکت کے گھاٹ اتارے گا۔

سبق: انسان کو چاہیے کہ اپنی طویل عمر سے دھوکہ نہ کھائے اور نہ ہی کثرتِ مال اور اولاد پر مغرور ہوے

عزہ مشو بآنکہ جہانت عزیز کرد ۔ اے بس عزیز را کہ جہاں کرد زود خوار

مار است ایں جہاں وجہاں جوئی مارگیر ۔ وز مار گیر مار بر آرد گہے دمار

ترجمہ: (۱) جب تجھے اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے تو مغرور مت ہو کیونکہ وہ بہت سے عزت والوں کو ذلیل وخوار کر چکا ہے۔

(۲) یہ جہان سانپ کی طرح ہے اور اس میں دنیا جمع کرنے والا بمنزلہ سانپ پکڑنے والے کی طرح ہے کبھی سانپ پکڑنے والے کو سانپ مار ڈالتا ہے۔

حدیث قدسی نمبر (۱) اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ کی اُمت پر میری نعمتوں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اُن کی عمریں چھوٹی ہوں تاکہ اُن کے گناہ زیادہ نہ ہوں اور انہیں مال تھوڑا دوں تاکہ قیامت میں اُن پر حساب زیادہ سخت نہ ہو اور اُن کا زمانہ سب سے بعد کو بنایا تاکہ قبروں میں زیادہ دیر نہ رہیں۔

حدیث قدسی نمبر ۲ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی فرمایا کہ اے پیارے احمد صلی اللہ علیہ وسلم بہترین لباس اور لذیذ طعام اور اعلیٰ بستر کی عادت نہ ڈالیئے (اُمت سے کہنا) اس لیے کہ نفس ہر شر کا منبع اور ہر برائی کا رفیق ہے۔ اس کی عادت ہے کہ اُسے جونہی نیکی کی طرف بلاؤ یہ برائی کی طرف جائے گا۔ نیکی کا کہو تو ہر گز نہیں مانے گا۔ برائی کراؤ تو شیر ہے۔ اسے جونہی پیٹ بھر کر کھلاؤ گے سرکشی کرے گا اور جونہی دولت دکھاؤ تکبر کرے گا یادالہٰی سے دُور بھاگتا ہے اور بے فکری میں ہر شئے کو بھول جاتا ہے اور شیطان کا بہترین ساتھی ہے۔

ف: نفس کو شتر مرغ سے تشبیہ دی گئی ہے جو کھائے سیر نہیں ہوتا۔ اس پر بوجھ لاددو تو کہتا ہے میں پرندہ ہوں اگر اُسے اڑنے کا کہو تو کہتا ہے میں اونٹ ہوں۔

ف: کثرت مال اور کمال بے فکری سے نفس سخت سے سخت دھوکہ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔[۱] كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۔

مبر طاعت نفس شہوت پرست

کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر است

ترجمہ: نفس شہوت پرست کی بات مت مان جب کہ ہر آن اس کا دوسرا قبلہ ہے۔

۱۔ بیشک انسان سرکش ہے۔

حکایت منظوم: حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

شنیدہ ام کہ بقصاب گوسفندے گفت — دراں زمانکہ بنجنجر سرش زتن ببرید

جزائے بر بن خارے کہ خوردہ ام دیدم — کسے کہ پہلوئے چرم خورد چہ خواہد دید

ترجمہ: ایک بکری کو قصاب ذبح کر رہا تھا۔ جب اس کے گلے پہ چھرا رکھا تو بکری کہنے لگی کہ میں نے درختوں کے پتے کھا کر تو اپنی سزا پالی ہے۔ نامعلوم اُس کا کیا حشر ہوگا جو میرا گوشت کھائے گا۔

فقر و فاقہ اور اختیار مصطفےٰ: بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے خداوند کریم سے سے دعا مانگیے تاکہ آپ کو پیٹ بھر کر طعام کھلائے۔ فرماتی ہیں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حالت کو دیکھ کر رو پڑی جب دیکھا کہ آپ بھوکے ہیں، اور آپ نے پیٹ مبارک پر پتھر باندھ رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اس کریم کو کہوں کہ عالم دنیا کے تمام پہاڑ سونا ہو کر میرے سامنے حاضر رہیں اور پھر میں جیسے چاہوں وہ کریم ویسے ہی کرے گا۔ لیکن میں نے اپنے اختیار سے دنیا کی بھوک کو اس سیرابی پر اور اس کے فقر کو اس کے غناء پر اور اُس کے دکھ کو اس کی خوشی پر ترجیح دی ہے۔ اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دنیا محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کی آل کے شان کے لائق ہی نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا و آخرت دونوں آپس میں سوکنیں ہیں جو اُن کو آپس میں جمع کرنا چاہتا ہے وہ فریب خوردہ ہے اور جو ان دونوں کو جمع کرنے کا مدعی ہے۔ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

سبق: جو شخص خواہشاتِ نفسانیہ میں مبتلا ہو کر بلند مراتب کا خواہشمند ہے وہ غفلت کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے حرص دنیا میں مبتلا کر کے طغیانِ نفس میں مہلت دے رہا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی طلب میں زائد از حد محتاج ہو جاتا ہے پھر اُس پر مقاصدِ دنیاوی کے دروازے کھول دیتا ہے۔ تاکہ بظاہر وہ مستغنی ہو لیکن وہ اس استغناء کے مطابق گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے۔

بناز و نعمت دنیا منہ دل
کہ دل بد نیا داشتن کاریست مشکل

ترجمہ: دنیا کی ناز و نعمت کو دل نہ دے اس لیے کہ دنیا سے دل لگانا بڑا مشکل کام ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جو لوگ ہمارے سے پہلے گزر گئے ہیں انہوں نے دنیا میں بڑی عمریں گزاریں اور بہت بڑے مال جمع کیے۔ اب وہ کہاں ہیں اُن کی موت کو یاد کرو اور غور کرو کہ وہ اب مٹی کے اندر دبائے جا چکے ہیں۔ پھر تامل کیجیے انہیں کس قسم کی جزا ملے گی وہ اپنی عورتوں کو چھوڑ گئے اور اپنے مال دوسروں کو دے گئے۔ پھر اُن کے

جانشینوں نے اُن کے مال برباد کر دیئے اَب تو اُن کے نشانات ملنے بھی مشکل ہیں۔ انہوں نے تو بڑی بڑی بلند نگیں بنوئی تھیں۔ وہ بھی مٹی میں مل گئیں ان میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ٹھکرایا اُسے سوائے خسران و نقصان کے اور کیا نصیب ہوا۔ بلکہ وہ جہنم کے گڑھوں میں جا پڑے۔ تم میں جو بھی اُن کے نقش قدم پر ہوگا اس کا وہی حشر ہوگا جو اُن کا ہوا۔ اگرچہ کتنا ہی لمبی عمر گزار کے مرے اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے اُسے کوئی مجبور کرنے والا نہیں۔ چنانچہ فرمایا[1] نمتعھم قلیلا ثم نضطرھم الی عذاب غلیظ سب کو یقین ہے کہ حیاتِ دُنیا اور اس سے نفع اندوزی بہت قلیل ہے اور دُنیا تو چند روزہ ہے چاہیے کہ ان ساعات کو طاعاتِ الٰہی میں گزارا جائے تاکہ ان حضرات کی معیت و رفاقت نصیب ہو جو اہل وصال اور اہل کمال ہیں۔

مسئلہ: تمام طاعات فلاح و کامیابی کے اسباب ہیں۔ خصوصاً نماز تو افضل العبادات اور بہت بلند اور اشرف الطاعات اور مکمل ترین عبادت ہے اور روزہ بھی ملکوت السمٰوات میں داخل ہونے اور جسمانیات کی تنگیوں اور تاریکیوں سے نکالتا ہے۔ روزے کو نشاۃ ثانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی میں اشارہ ہے۔ فرمایا وہ شخص ملکوت سمٰوات میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتا جو دوبارہ نہیں جنا جاتا۔ بلکہ روزے کا مجاہدہ مشاہدہ دلدار کا بہترین رابطہ ہے اسی طرف حدیث قدسی کا اشارہ ہے۔ فرمایا "روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اُس کی جزا دوں گا۔ یعنی میں خود اُس کی جزا ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی سعادت زیارت کو بھوک سے مشروط فرمایا ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے فرمایا کہ بھوکے رہو تب مجھے دیکھو گے ؎

ہمی آید از حق ندا متصل
تجوع ترانی تجرد تصل

ترجمہ: حق تعالیٰ سے مسلسل ندا آرہی ہے کہ بھوکا رہ مجھے دیکھے گا تنہا رہ وصال پالے گا۔

(ہم سب کو اللہ تعالیٰ یہی سعادت نصیب فرمائے گا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

"مَا كَانَ اللّٰهُ" اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہے لِيَذَرَ تاکہ چھوڑ دے الْمُؤْمِنِيْنَ ان مومنین کو جو مخلص ہیں" عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ " (اُوپر اس کے کہ جس پر تم ہو) یہ خطاب اس زمانۂ نبوی کے مخلص مومنین اور منافقین کو ہے حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط" یہاں تک کہ جدا کرے خبیث کو طیب سے۔

حل لغات: یمیز مَازَ الشَّیْءَ یَمِیْزُ مَیْزًا سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شئے کو کسی شئے سے علیحدہ کیا جائے۔

[1] ہم ان کو تھوڑا متاع دیگر سخت عذاب کی طرف مجبور کرتے ہیں۔

آیت کا معنی یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں کہ تم مخلصین کو اسی حال میں چھوڑ دے کہ جس پر اب تم ہو کہ بعض تمہارے بعض سے ملے جلے ہوئے ہیں کہ تم میں سے مخلص و غیر مخلص کی پہچان نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ بظاہر تصدیق اسلام میں تم سب متفق ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں وحی بھیج کر انہیں تمہارے حالات کی خبر دے یا جہاد یا ہجرت کا حکم کر کے منافق کو مخلص سے علیحدہ کرے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ۔ اور اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ غیب کا علم دے تاکہ وہ ان کے قلوب کو دیکھ کر ان کے کفر و ایمان پر مطلع ہو جائے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي لیکن اللہ تعالیٰ چن لیتا اور برگزیدہ بناتا ہے مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اپنے رسولوں (علیہم السلام) میں سے جسے چاہتا ہے۔ یعنی ان کی طرف وحی بھیج کر ان پر بعض غیوب کی خبر دیتا ہے یا ان کے سامنے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو ان کے خلوص و منافقت پر دلالت کرتے ہیں فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل کرام علیہم السلام پر ایمان لاؤ یا یوں ایمان لاؤ کہ وہ واحد لاشریک لہ اور مطلع علی الغیب ہے اور یہ بھی تمہارے ایمان میں شامل ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام صرف وہی جانتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ انہیں علم عطا فرماتا ہے وَاِنْ تُؤْمِنُوْا اور اگر تم پورے طور ایمان لاؤ وَتَتَّقُوْا اور منافقت سے بچ جاؤ فَلَكُمْ پس تمہارے لیے اس ایمان اور تقویٰ کے عوض اَجْرٌ عَظِيْمٌ بہت بڑا اجر ہے کہ اس کی کنہ تک پہنچا نہیں جا سکتا اور اس اجر کی عظمت تقویٰ کی عظمت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ مقصد اعلیٰ کو اور برگزیدگی کی منازل تقویٰ اور طہارت کے قدموں سے طے کیا جا سکتا ہے ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم،
کہ اصلے ندارد دم بے قدم

ترجمہ: طریقت میں عمل چاہیئے صرف زبانی کلامی باتوں سے کام نہیں بن سکتا کیونکہ دم بے قدم بیکار ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے صخرہ بیت المقدس کے تحت شب باشی کی جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو دو فرشتے آسمان سے اترے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہاں کون ہے۔ دوسرے نے کہا یہاں ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ پھر پہلے نے کہا کہ ابراہیم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک درجہ کم ہو گیا ہے دوسرے نے کہا اس کی کیا وجہ ہے پہلے نے کہا کہ انہوں نے بصرہ سے کھجور خریدی تو اچانک دوکاندار کی ایک کھجور اس کی کھجوروں میں مل گئی۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صبح کو اٹھ کر میں سیدھا بصرہ پہنچ کر اس دکاندار کو ملا۔ اور اس کی کھجوروں میں ایک کھجور ڈال کر واپس بیت المقدس چلا گیا۔ اسی طرح صخرہ بیت المقدس میں شب باشی کی۔ جب رات کا ایک حصہ گزرا تو پھر وہی فرشتے زمین پر اترے تو پہلے کی طرح ایک نے کہا یہاں پر ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ

ہیں۔ پہلے نے کہا وہی ابراہیم بن ادہم جو ہبگانی کھجور واپس کرکے آئے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا گرا ہوا درجہ پھر بلند ہو گیا ہے۔

علم غیب کا ثبوت اسے کہتے ہیں حقیقی تقویٰ اور حقوق العباد کی پاسداری اور یہ سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ کے حاصل نہیں ہو سکتا حقائق و احوال کے محبوب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ الخ ویسے اپنے رائے و قیاس سے حقیقت تقویٰ اور عالم اطلاق کا حصول ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو وَ ابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ اس سے ثابت ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری نہایت ضروری ہے ؎

حقا کہ بے متابعت سید رسل ہرگز کسے بمنزل مقصود نیافت

از ہیچ رو بہیچ درے رہ نمی دہند آنرا کہ از آستانہ روئے دل نتافت

ترجمہ[1]: بخدا کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے بغیر کوئی شخص مقصود تک نہیں پا سکتا۔

(۲) کسی شخص سے راہ پائیگانہ کسی در سے جس نے محبوب کے آستانہ سے منہ پھیرا۔

ف: صرف ایمان تصدیق قلبی اور ارادہ و تمسک بالشریعۃ پر نجات کا دار و مدار ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ جب مومن بحکم وَ ان منکم الا وارد ھا الخ دوزخ میں داخل ہوگا تو توحید کشتی بن جائے گی اور قرآن پاک رسی اور نماز کشتی کا بادبان اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ملاح ہوں گے تمام مومن اس کشتی میں سوار ہو کر نعرۂ تکبیر لگائیں گے تو کشتی اس جہنم کے دریا میں نہایت پاکیزہ ہوا سے چل پڑے گی۔ اسی طرح سے اہل ایمان جہنم کے دریا کو صحیح سالم ہو کر عبور کریں گے۔

سبق زندگی برباد مت کیجئے اس لیے کہ زندگی راس المال ہے جب تک تم زندہ ہو اپنے راس المال پر قابض رہو گے اس وقت اس سے منافع کے حصول پر قدرت رکھتے ہو بنا بریں حصول منافع میں زیادہ سے زیادہ کوشش کرو۔ یعنی اطاعت و عبادات اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زندہ رکھنے اور ان پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے میں قبل از موت و فوت جد و جہد کرو۔ اس لیے کہ اہل اموات (بعد از موت) آرزو کریں گے کہ کاش انہیں اب صرف ایک دوگانہ پڑھنے یا صرف ایک بار اللہ اکبر یا سبحان اللہ کہنے کی اجازت بخشی جائے تو انہیں اس کی اجازت نہ ہوگی۔ اہل اموات زندہ لوگوں پر تعجب کرتے ہیں کہ یہ لوگ غفلت میں زندگی کیوں رائیگاں کر رہے ہیں ؎

اگر مردہ مسکین زبان داشتے بفریاد و زاری فغاں داشتے

کہ زندہ ہست امکان گفت لب از ذکر چوں مردہ برہم مخفت

چو مارا بغفلت بشد روزگار تو بارے دمے چند فرصت شمار

ترجمہ: (۱) اگر مردہ غیب زبان رکھتا تو فریاد و زاری سے شور کرتا۔

(۲) کہ اب تو زندہ ہے اور تجھے گفتگو کی طاقت ہے تو ذکر الٰہی کے بغیر مردہ کی طرح لب بند نہ رکھ۔

(۳) جب ہمارا غفلت سے وقت گزر گیا۔ فلہٰذا تم ان گھڑیوں کو غنیمت جانو۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی علیہ وسلم نے فرمایا تم اس وقت نیند کر رہے ہو۔ جب مر گئے تو جاگ اٹھو گے تو (بعد از موت) مومن مخلص و منافق کے مابین امتیاز ہوگا۔ جیسے آج دنیا میں اُن کے اقوال و احوال وغیرہ سے امتیاز ہوتا ہے اسی طرح آخرت میں چہرہ کی سپیدی و سیاہی سے امتیاز ہوگا کہ اہل ایمان کے چہرے سفید ہوں گے اور منافقین کے چہرے سیاہ۔ کما قال تعالیٰ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ اس دن بعض چہرے سفید ہوں گے بعض سیاہ۔

سبق: مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ طاعات کی مشقتیں اور تکالیف اور امتحانات الٰہیہ برداشت کرے۔ امید ہے اس طرح سے اپنے مقاصد پر کامیاب ہو جائے گا اور اصل غرض نصیب ہوگی اس دن اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنے والوں کو نقصان اور منافقوں کو خسارہ اور گھاٹا ہوگا ؎

خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں،

تا سیہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد

ترجمہ: بہتر ہے کہ درمیان میں کسوٹی ہو ورنہ جھوٹے کا منہ کالا ہو جائے۔

ف: بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ عند الامتحان یکرم الرجل او یہان امتحان کے وقت عزت بڑھ جاتی ہے یا رسوائی (اللہ تعالیٰ ہم سب کو مخالفت شریعت سے بچائے۔ آمین)

تفسیر عالمانہ

(وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ)

اور گمان نہ کریں وہ جو بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو انہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے عنایت فرمایا ہے۔ اسم موصول لَا يَحْسَبَنَّ کا فاعل ہے اور اس کا مفعول اول محذوف ہے اس پر يَبْخَلُوْنَ دلالت کرتا ہے یہ دراصل یوں تھا وَلَا يَحْسَبَنَّ الْبُخَلَاءُ بُخْلَهُمْ یعنی بخل کرنے والے بخل پر گمان نہ کریں هُوَ ضمیر فصل کا ہے اس پر اعراب کا کوئی محل نہیں خَيْرًا لَّهُمْ اپنے لیے بھلائی اُن کے خرچ نہ کرنے پر یہ لَا يَحْسَبَنَّ کا مفعول ثانی ہے۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ۔ بلکہ ان کے لیے بُرائی ہے کہ یہی بخل اُن پر عذاب پہنچنے کا سبب ہے سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عنقریب قیامت میں جس سے بخل کیا وہ اُن کے گلے میں ڈالے جائیں گے یہ جملہ شَرٌّ لَّهُمْ کا بیان ہے یعنی عنقریب بخل کردہ اشیاء کا وبال اُن کے گلے میں ایسے ڈالا جائے گا جیسے کسی کے گلے میں طوق

ڈالا جاتا ہے یہ استعارہ تمثیلیہ کے قبیل سے ہے۔ بخل کے وبال کے لزوم اور اس کے گناہ کو لزوم کو طوق اس کے گلے میں ڈالا جاتا ہے کے ساتھ عدم زوال از کل واحد منہما سے تشبیہہ دی گئی ہے اس بنا پر ان پر لزوم وبال کو ان کے گلے میں طوق سے ڈالے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ طوق سے یُطَوَّقُوْنَ مشتق ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے یمنہٗ فلان طوق فی رقبۃ فلاں۔ فلاں کا احسان فلاں کی گردن میں طوق ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ سیطوقون اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اس لیے کہ ان کے گلے میں سانپ کو طوق بنا کر یا نار کا طوق اُن کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ چنانچہ حدیث شریف سے ثابت ہے عنقریب وہ حدیث شریف بالتفصیل آئے گی (ان شاء اللہ) وَلِلّٰہِ اور صرف اللہ تعالیٰ واحدہٗ لا شریک لہ کے لیے ہے مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان وزمین کی وراثت یعنی ہر وہ جو ان ہر دونوں آسمان وزمین کے اموال وغیرہ جس کے اہل سمٰوات وارض وارث ہیں پس اُن کے لیے لائق نہیں کہ وہ اس مالک حقیقی کے ملک میں بخل کریں اور اُسے اس کی راہ میں خرچ نہ کریں یا یہ معنیٰ ہے کہ باری تعالیٰ اس کا واحد مالک ہو جائے گا جسے روکتے تھے اور انہیں خرچ نہیں کرتے رہے پھر مرتے وقت بھی مال واسباب اُن پر حسرت وندامت بن جائے گا وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال یعنی مال خرچ کرنے یا نہ کرنے کو خَبِیْرٌ جانتا ہے۔ اس پر تمہیں اس کی جزاء عنایت فرمائے گا۔

مسئلہ: ادائے واجب کے امتناع کو شرعاً بخل کہا جاتا ہے۔ نفلی صدقات نہ کرنے کو بخل نہیں کہا جاتا۔ اسی لیے صرف امتناع ادائے واجب پر وعیدیں اور مذمت وارد ہوئی ہے۔

مسئلہ: وجوبی صدقات بکثرت ہیں۔

(۱) اپنے لیے بقدر کفایت خرچ کرنا۔

(۲) اپنے اُن اقارب پر جن کا خرچہ اس پر واجب ہے۔

(۳) غیر اقارب پر جب کہ وہ بھوک سے مر رہا ہو۔

(۴) جہاد کے وقت جب کہ اس وقت مال کی ضرورت ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بخل بدبختی کی اکسیر ہے۔ جیسے سخاوت سعادتمندی کے لیے اکسیر اعظم ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو اپنا فضل بتایا ہے۔ اور فضل صرف اہل سعادت کو نصیب ہوتا ہے پھر اکسیر بخل سے وہی فضل قہر بن جاتا ہے اور اس شخص کی سعادت شقاوت سے بدل جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ یعنی اکسیر بخل سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خیریت کو انہوں نے خود بخود شر بنا دیا اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے فضل یعنی مال پر سخاوت کی اکسیر ڈال دیتے تو وہ اُن کے لیے خیر بن جاتی اور وہ اہل سعادت سے ہو جاتے اور انہیں بہشت نصیب ہوتی۔

مسئلہ: بخیل تو بہشت میں ہرگز داخل ہوگا ہی نہیں۔

نکتہ: حبِ مال و دنیا کو طوق سے تعبیر کرنے میں ایک باریک نکتہ ہے وہ یہ کہ مال و دنیا قلب کو گھیر لیتے ہیں پھر اس سے بہت بڑے بڑے مذموم صفات پیدا ہو جاتے ہیں۔

صفاتِ ذمیمہ کی فہرست
(۱) بخل
(۲) حرص
(۳) حسد
(۴) کینہ
(۵) عداوت
(۶) کبر
(۷) غضب وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا کی محبت ہر برائی کا سرتاج ہے"۔

نکتہ: زکوٰۃ نہ دینے سے انسانی رُوح (جو شریف اور علوی و نورانی ہے) انہی گندے صفات (جو سفلیہ ظلمانیہ ہیں) کے گھیرے میں آجاتی ہے پھر قیامت میں انہی گندے صفات کے آفات اور حجابات و عذاب کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ جسم سے رُوح جدا ہوتے ہی یہ سزا اس پر مسلط ہو جائے گی (جیسے حدیث شریف میں ہے کہ) جو مرا تو اس کے لیے قیامت ہو گئی ؎

نہ منعم بمال از کسے بہتر است — خر ار جُل اطلس بپوشد خر ست
ہنر باید و فضل و دین و کمال — کہ گہ آید و گہ رود جاہ و مال

ترجمہ: (۱) نہ مالدار مال کی وجہ سے بہتر ہے گدھا اگر اطلس کی جل پہنے تو بھی گدھا ہے۔
(۲) ہنر اور فضل و دین و کمال چاہیے۔ کیونکہ جاہ و مال آنی جانی شے ہے۔

حدیث شریف نمبر ۱: رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ جسے مال دے اور وہ اس مال کی زکوٰۃ نہ دے تو اس کا مال قیامت کے دِن اس کے لیے اژدہا (سانپ) کی ہمشکل کر دیا جائے گا جس کے سر میں دو چتیاں ہوں گی۔ وہ سانپ اس کا طوق بن جائے گا جو اُس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

حدیث شریف نمبر ۲: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو مال زکوٰۃ میں بخل کرے گا اسے سانپ کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ جو اُسے مونڈھے سے لے کر پاؤں تک ڈنس (ڈنگ) لگائے گا اور اُس کے سر کو پھوڑے گا

اور کہے گا میں تیرا مال ہوں۔

حدیث شریف نمبر ۳: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے مال میں سے اونٹ یا گائے یا بکری ہو اور وہ اُن کے حقوق (زکوٰۃ) نہ ادا کرے تو وہ قیامت میں پہلے سے زیادہ موٹے اور لمبے ہو کر آئیں گے۔ اُن کے کھُر بھی بڑھے ہوں گے تو وہ اپنے مالک کو سینگوں وغیرہ سے روندتے ہوں گے۔ ایک گزر جائے گا تو دوسرا اس کے پیچھے آجائے گا۔ جب ایک دفعہ گزر جائیں گے پھر دوبارہ پھر سہ بارہ یہاں تک کہ لوگوں کے مابین فیصلہ ہو جائے یعنی یوم حساب تک اس کے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔

مانعین زکوٰۃ کے عذاب کا بیان

حضرت ابو حامد فرماتے ہیں کہ اونٹوں کی زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے پر اونٹ چڑھ جائیں گے وہ شور کرتا ہوا اس کے اوپر چڑھ جائے گا اور ایک اونٹ کا وزن بہت بڑے پہاڑ جتنا ہوگا۔

اسی طرح گائے کی زکوٰۃ نہ دینے والے کے لیے ہوگا۔ کہ وہی گائے بیل اس کے اوپر چڑھ جائیں گے وہ شور کرتا ہوا بوجھل ہو کر چڑھ جائے گا اور ان میں ہر ایک کا وزن بہت بڑے پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اسی طرح بکریوں کی زکوٰۃ نہ دینے والے کے لیے ہوگا کہ بکریاں اُس کے اوپر چڑھ جائیں گے جو شور کرتی ہوئی اس کے سر پر چڑھ جائے گی اور اُن کا بوجھ بھی بہت بڑے پہاڑ کے برابر ہوگا اور ان تمام جانوروں کا شور گرجتے بادل کی طرح ہوگا اور کھیتی کی زکوٰۃ دینے والے کا یہ حال ہوگا کہ کھیتی کو ٹن کے ٹن بنا دیا جائے گا (وہ گندم ہو یا جو) جتنا بوجھل نہیں بنایا جا سکے گا بنائے جائیں گے۔ پھر وہ شخص اس بوجھ تلے دھاڑیں مارے گا (لیکن اُس کی کون سُنے گا) اسی طرح مال کی زکوٰۃ نہ دینے والے کا حشر ہوگا کہ اس کے مال کو گنجا سانپ بنا کر اُس کے مونڈھوں پر بٹھا دیا جائے گا۔ جس کے سر میں چتیاں ہوں گی اور اُس کی دُم بھی بہت بڑی طویل۔ وہ دونوں چتیاں اپنے مالک کے نتھنوں میں دبا کر اس کی گردن میں چکر کاٹے گا اور اُس کے کاندھوں پر زور ڈالے گا۔ اور وہی اس کا طوق بن کر بھرتا رہے گا۔ اس کی موٹائی زمین کی سب سے بڑی چکی کے برابر ہوگی وہ لوگ بڑا شور کریں گے اور فرشتوں سے عرض کریں گے یہ کیا مصیبت ہمارے گلے میں ڈالی گئی ہے ملائکہ کرام فرمائیں گے یہ وہی مال ہے جسے تم دنیا میں چھپا رکھتے تھے اور تمہیں اُن سے بہت بڑی محبت تھی اور اس پر تم بہت بخل کرتے تھے۔

مسئلہ: زکوٰۃ نہ دینا آخرت میں بہت بڑے عذاب کا سبب ہے۔ جیسے زکوٰۃ ادا کرنا آخرت میں بہت بڑے ثواب کا موجب ہے بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی دُنیا میں بھی حفاظت کا سبب بنتی ہے۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموال کو زکوٰۃ دے کر محفوظ کر لو اور اپنے بیماروں کا علاج اور بلاؤں کا مقابلہ صدقات سے کرو۔

حدیث شریف نمبر (۲): اُس کی نماز قبول نہیں ہوتی جو زکوٰۃ نہیں ادا کرتا۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک شخص پر گزر ہوا۔ جو نماز نہایت خشوع و خضوع سے پڑھ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی الٰہ العٰلمین یہ بندہ کیسی اچھی نماز پڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگرچہ یہ شخص دن میں ہزار رکعت پڑھے اور ہزار گردن آزاد کرے اور ہزار آدمیوں کی نماز جنازہ پڑھے اور ہزار حج ادا کرے اور ہزار جنگیں لڑے تو اُسے کوئی نفع نہیں ہوگا جب تک کہ زکوٰۃ ادا نہ کرے۔

حدیث شریف نمبر ۳: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ملعون مال ہے جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اور وہ ملعون بدن ہے جو چالیس دن کے اندر کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔

بلاؤں کی فہرست: ① تباہی ② نکبہ مصیبت ③ بیماری ④ جسم پر زخم ⑤ اختلاج العین[1] وغیرہ

سبق: جب تم نے یہ احادیث سنیں اور اس کی سزا بھی معلوم کرلی۔ پھر بھی جو ان گناہوں پر اصرار کرتا ہے اور اپنی خوشی اور دلی رغبت سے زکوٰۃ نہ ادا کرسکا۔ یہاں تک کہ فقیر و محتاج ہوکر مرا تو پھر اُسے نہ مال نے موافقت کی اور نہ احوال نے۔

پریشاں کُن امروز گنجینہ چُست — کہ فردا کلیدش نہ در دست تست
تو با خود ببُر توشہ خویشتن — کہ شفقت نیاید فرزند و زن
بخیل توانگر بدینار و سیم — طلسمت بالائے گنجے مقیم
ازاں سالہا می بماند زرش — کہ لرزد طلسمے چنیں برسرش
بسنگ اجل ناگہاں بشکنند — باسودگی گنج قسمت کنند
چو در زندگانی بدی عیال — گرت مرگ خواہند ازیشاں منال،
تو غافل در اندیشۂ سود مال، — کہ سرمایۂ عمر شد پائمال،
بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک — کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک

ترجمہ: ① آج خزانہ جلد لٹا دے اس لیے کہ کل چابی تیرے ہاتھ میں نہ ہوگی۔
② اپنا توشہ خود لیجا۔ اس لیے کہ بیٹے اور عورت سے کسی شفقت کی امید نہ رکھ۔
③ دولتمند بخیل کی سونے چاندی پر ایسی مثال ہے جیسے خزانے پر نقلی چوکیدار
④ یہ خزانہ اس لیے کئی سال سے باقی ہے کہ اس پر نقلی چوکیدار نگران ہے۔
⑤ جب اچانک اس کا سر اجل پھوڑے گا تو آسانی سے اس کا خزانہ کیا جائے گا۔
⑥ جب تو اپنے عیال سے بُری زندگی بسر کرتا ہے تو اگر وہ تیری موت چاہیں تو غم نہ کر۔
⑦ تو مال کے جمع کرنے کے خیال میں ہے ایسے ہی زندگی کا سرمایہ ضائع ہوگیا۔
⑧ آنکھ کو غفلت کے سرمہ سے صاف کر بعد چند روز تو خود مٹی کا سرمہ بننے والا ہے۔

---

[1] آنکھ کا پھڑکنا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ع

ترجمہ: بے شک اللہ نے سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی اب ہم لکھ رکھیں گے ان کا کہا اور انبیاء کو ان کا ناحق شہید کرنا اور فرمائیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا وہ جو کہتے ہیں اللہ نے ہم سے اقرار کر لیا ہے کہ ہم

کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی قربانی کا حکم نہ لائے جسے آگ کھائے تم فرما دو مجھ سے پہلے بہت رسول کھلی نشانیاں اور یہ حکم لے کر آئے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں کیوں شہید کیا اگر سچے ہو تو اے محبوب اگر وہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم سے اگلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی جو صاف نشانیاں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لے کر آئے تھے ہر جان کو موت چکھنی ہے اور تمہارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال اور تمہاری جانوں میں اور بیشک ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے تو کتنی بری خریداری ہے ہرگز نہ سمجھنا انہیں جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ بے کئے ان کی تعریف ہو ایسوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ جاننا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر اور ہم دولتمند ہیں۔ یہودیوں نے جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا سنا تو یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر اور ہم دولتمند ہیں۔

غیرتِ صدیقی مروی ہے کہ حضور سرور عالم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط دے کر بنو قینقاع کے یہودیوں کو دعوتِ اسلام دی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا اور لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے عبادت خانے میں تشریف لے گئے اس میں بہت سے یہودی ایک شخص کے ارد گرد جمع تھے۔ اس کا نام فنحاص بن عازورا تھا۔ وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا اور بھی عالم موجود تھا۔ اس کا نام اشیع تھا۔ آپ نے جاتے ہی فنحاص بن عازورا سے فرمایا کہ خدا کا خوف کر مسلمان ہو جا۔ بخدا تم یقیناً جانتے ہو کہ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر تشریف لائے ہیں اور یہ سب کچھ تمہاری کتاب توراۃ میں لکھا ہوا ہے۔ فلہٰذا ایمان قبول کر کے ان کی تصدیق کر لو اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں بہشت میں داخل فرما کر تمہارے

ثواب میں اضافہ فرمائے۔ فنحاص نے کہا کہ تیرا کیا خیال ہے کہ ہمارا رب ہمارے سے قرض مانگتا ہے اور قرض مانگنا تو محتاجوں کا کام ہے کہ وہ دولتمند سے مانگا کرتے ہیں۔ جو بات تم کہتے ہو اگر حق ہے تو پھر اللہ تعالیٰ فقیر ہوا اور ہم دولتمند حالانکہ وہ تمہیں سود سے روکتا ہے اور خود ہمیں اس کا وعدہ کرتا ہے۔ وہ اگر دولتمند ہوتا تو وہ ہمیں سود کے لیے نہ کہتا۔ اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طیش آگیا اور فنحاص کے چہرہ پر تھپڑ رسید کیا اور وہ اتنا زور دار تھا کہ اُس کا چہرہ لہولہان ہوگیا اور فرمایا بخدا اگر وہ معاہدہ نہ ہوتا جو ہمارے اور تمہارے مابین ہے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ فنحاص نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شکایت کی اور خود جو کچھ کہا اُس سے منکر ہوگیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور یہودی کے رد میں یہی آیت نازل ہوئی۔

سوال: کہنے والا تو ایک تھا اور قرآن پاک میں صیغہ جمع استعمال کیا گیا ہے۔

جواب: اس ایک نے کہا لیکن اس کے کہنے پر سب راضی تھے۔

خلاصہ تفسیر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں اور قائلین کے لیے ایسا دردناک عذاب تیار ہے جو ایسی باتیں بکنے کا مزہ چکھائے گا۔

سوال: اسے سماع یعنی سمع اللہ سے کیوں تعبیر فرمایا۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قول اتنا قبیح اور مذموم ہے کہ جس کا کوئی بھی راضی نہیں کہ اسے کوئی سننے والا سنے۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا۔ ہم ان کی وہ غلط کاریاں نگران فرشتوں کے صحیفوں میں لکھیں گے یا ہم انہیں محفوظ کرکے رکھ دیں گے یا ہم انہیں اپنے علم میں ثابت رکھیں گے کہ وہ کسی وقت بھی نہ مٹائی جائے گی جیسے ایک لکھا ہوا پروگرام محفوظ ہوتا ہے اور یہ سین تاکید کا ہے یعنی اُن کے کردار کی جو تدوین ہوئی ثابت کرکے رکھی گئی وہ کبھی ہمارے سے گم نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ ایک بڑا اور سخت۔ ہولناک امر ہے اور ہو بھی کیسے جب کہ انہوں نے یہ کردار ادا کرکے اللہ تعالیٰ سے کفر اور قرآن عظیم اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزا کیا ہے وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ (اور ان کا انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنا) اس کا عطف سابقہ مضمون پر ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہ دونوں جرم کی عظمت میں برابر ہیں اور تنبیہہ ہے کہ یہ اُن کی پہلی غلط کاری نہیں بلکہ ان کے اور بھی جرائم ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو بے وقوف حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہید کرنے پر دلیر ہیں تو اُن سے دوسرے گناہوں کا صدور بعید از قیاس نہیں۔

سوال: ان لوگوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہید نہیں کیا تھا بلکہ اُن کے بڑوں سے ایسی غلطی ہوئی۔

جواب: چونکہ یہ اپنے بڑوں کی ایسی غلطیوں سے راضی تھے اسی لیے قتل کا فعل ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ بِغَيْرِ حَقٍّ ط اس کا متعلق محذوف ہے جو قتلهم کی ضمیر هم سے حال واقع ہے۔ یعنی وہ قتل اُن سے ناحق ہونے والا ہے

اور ان کا اعتقاد بھی یہی تھا کہ اُن کا قتل واقعی فی نفس الامر ناحق ہے وَ نَقُوْلُ اور ہم اُن کی موت کے وقت یا قیامت میں یا جب کتاب اُن کے سامنے پڑھی جائے گی تو ہم انہیں کہیں گے ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ جلا دینے والا عذاب چکھو یعنی اُن کے کردار لکھ کر انہیں دکھا کر بطور بدلہ کہیں گے۔ کہ جیسے تم نے حضرت انبیا علیہم السلام کو قتل کے کڑوے گھونٹ چکھائے تھے تم بھی جلا دینے والے عذاب چکھو ذٰلِكَ۔ یہ عذاب مذکور کی طرف اشارہ ہے بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ بسبب تمہارے اُن کردار کے جو تم نے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کیا اور دوسری بکواسات بکے یہ انہی تمہارے بڑے گناہوں وغیرہ کا بدلہ ہے۔

سوال: ان گناہوں کو ہاتھوں کے کرنے سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: چونکہ اعمال کے صدور عموماً ہاتھوں سے ہوتا ہے اسی لیے ان سے تعبیر کیا گیا۔ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ج اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ جملہ محلاً مرفوع مبتدا محذوف کی خبر ہے اور جملہ معترضہ تذییلیہ اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر و تاکید کے لیے واقع ہوا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر (گناہوں کے بغیر) ظلم نہیں کرتا۔

سوال: لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ کا ترجمہ مذکورہ سے کیا فائدہ ہوا جب کہ اہل سنت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اگرچہ کسی کو بغیر گناہ کے عذاب دے تب بھی ظلم نہیں چہ جائے کہ کسی کو گناہ کے بدلے سزا دے تو پھر اُسے کیسے ظلم کہا جا سکتا ہے۔

جواب: اس کے کمال نزاہت کا بیان ہے کہ وہ کریم ظلم سے منزہ ہے کہ اس سے ظلم و دیگر قبائح (جیسے کذب وغیرہ) کا صدور بالکل محال ہے۔ جیسے اعمال پر ترک اثابت کو اضاعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ باوجود یہ کہ اعمال ثواب کا موجب نہیں کہ اعمال پر ثواب نہ دینے کو ضیاع سے تعبیر کیا جا سکے۔

سوال: صیغۂ مبالغہ لانے میں کیا فائدہ۔

جواب: مذکورہ بالا تقریر کی تاکید ہے یعنی واضح کیا گیا ہے اور تعذیب گناہ کے بغیر ظلم کا انتہائی درجہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

دونوں آیتوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب بندے پر صفات ذمیمہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اُس پر خواہشات نفسانیہ اور شیطان قابو پا جاتا ہے اور اس کا قلب مردہ بن جاتا ہے تو اس کی نفس امارہ کی صفت تکمیل پاتی ہے پھر وہ جو کچھ بولتا ہے وہ خواہشات ہی بولتا ہے اور اس کا وہ بولنا القائے شیطانی ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔[1] اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ۔ اور نفس جب خواہشات سے بھرپور

---

[1] بیشک اپنے دوستوں کو القا کرتے ہیں۔ ۱۲

ہو جاتا ہے تو ربوبیت کا دعویٰ بن جاتا ہے جیسے فرعون نے دعویٰ کیا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى اس لیے کہ اس کا کلام ربوبیت کے کلام کے مشابہ ہوتا ہے اور صفات ربوبیت سے ایک صفت "واللہ الغنی وانتم الفقراء" بھی ہے۔

پھر جب نفس امارہ کی صفات ذمیمہ سے تکمیل ہو جاتی ہے تو وہ صفات ربوبیت اپنے لیے اور صفات عبودیت اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنے لگ جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء۔ یہودیوں نے صفت ربوبیت یعنی غناء (تونگری) اپنے لیے اور صفت عبودیت یعنی فقر (محتاجی) اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کی سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ہم ان کی انہی باتوں سے اُن کے قلوب کو مردہ بنا دیں گے۔ جیسے اُن کے افعال سے انہیں مٹا دیا یعنی ان کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کرنا۔ اس میں اشارہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں بکواس کرنے کی سزا وہی ہے جو ان کے انبیاء علیہم السلام کے شہید کرنے کی ہے ونقول ذوقوا۔ اور ہم کہیں گے کہ مردہ قلب کا عذاب چکھو جو قہر اور جدائی و مفارقت کی نار سے جلائی گئی ذٰلک بما قدمت ایدیکم یہ تمہاری ان منحوس معاملات کی سزا ہے جن کا تم نے قولاً و فعلاً ارتکاب کیا۔ جیسے تمہاری خواہشات اور طبیعت کا تقاضا ہوتا تم ویسے ہی عمل کرتے جو سراسر شریعت اور رضائے حق کے خلاف تھا وان اللہ لیس بظلام للعبید۔ وہ شئے کو موقع و محل کے خلاف ہرگز نہیں رکھتا۔ یعنی وہ مصلح کو صفت قہاریہ کا اور مفسد کو صفات لطیفہ کا مظہر ہرگز نہیں بناتا

کما قال اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ[1] چنانچہ فرمایا کسی نے ؎

ندہد ہوشمند رائے بفرومایہ کارہا خطیر
بوریا باف بزندش بکار گاہ حریر

ترجمہ: سمجھدار کمینے کو بڑا کام سپرد نہیں کرتا۔ بوریا بننے والے کو ریشم گاہ میں نہیں لے جاتے۔

جب بندے میں اچھی استعداد ہو تو اُس کے حق میں قہر بھی لطف بن جاتا ہے بشرطیکہ وہ اس کیلئے حتی الامکان جدوجہد اور جانسوزی کرے۔ بہت سے اہل ایمان کا انجام برباد ہو جاتا ہے (کہ وہ کافر ہو کر مرتے ہیں) اور بسا اوقات اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جب کسی کی سعادتمندی دستگیری کرتی ہے تو حالات خودبخود سدھر جاتے ہیں۔ اسی طرح بدبختی کے متعلق ہے۔

ف: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ بندے دو قسم ہیں۔

(۱) بہت سی زندگانیوں والے لمحات تو بڑے بڑے لیکن ان کے اعمال کے نتائج قلیل جیسے بنی اسرائیل کی عمریں طویل تو تھیں (ان کی عمر ہزار سال یا اس سے بھی زائد ہوتی تھی) لیکن ان کے اعمال کے ثمرات ایسے نہیں تھے جیسے اُمت محمدیہ

---

[1] اللہ کو خوب معلوم ہے جہاں وہ رسالت مقرر کرتا ہے۔

علی صاحبہا السلام کو نصیب ہوئے۔

۲۔ لمحات تو بہت قلیل لیکن ان کے نتائج بہت زیادہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ اس امتِ محمدیہ علی صاحبہا السلام کے کسی فرد پر اپنے فضل و کرم کے دروازے کھول دے تو پھر اس کا مقابلہ گذشتہ اُمتوں میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

حکایت: حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے بنی اسرائیل پر بہت رشک آتا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کس بات سے میں نے عرض کی کہ اُن کی آٹھ سو سال تک عمریں ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ کمان کی طرح کبڑے (بڑھاپے سے) اور ناروں کی طرح (مجاہدات سے) ہو جاتے انہوں نے فرمایا میں نے سمجھا کہ تیرا کوئی بہت بڑا سوال ہوگا۔ یہ تو معمولی بات ہے اس لیے کہ ہمارا رب ہمارے لیے یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے چمڑے ہماری ہڈیوں پر خشک ہوں (یعنی بہت بڑھاپا اور لمبی عمریں نہیں چاہتا) بلکہ وہ ہمارے سے نیک نیتی اور صدقِ قلبی چاہتا ہے۔ جب کہ ہمارے سے کسی کو نیک نیتی اور صدقِ قلبی صرف دس دِن نصیب ہو جائے تو بنی اسرائیل کو بہت بڑی عمر میں بھی بہت بڑے اونچے مراتب نصیب نہیں ہوں گے جو بہتر وقت لمبی عمر تک نصیب ہو جائے تو پھر اس کا کیا کہنا کہ نہ زبان رایان نہ قلم را امکان جو اس بندے کو مراتب مناصب حاصل ہوتے ہیں۔

وظیفہ: حضرت شیخ شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب العروس میں لکھا کہ جس کی عمر بہت تھوڑی ہو اسے چاہیے ان اذکار کا ورد بکثرت رکھے جسے جامع الاذکار کہا جاتا ہے یعنی سبحان اللہ عدد خلقہٖ وغیرہ

ف قلیل سے مراد یہ ہے کہ جسے رجوع الی اللہ نصیب ہوا اور وہ سمجھتا ہے کہ موت کے میدان میں پڑا ہے اور اس پر امراض مہلکہ اور اسباب جان لیوا کا ہجوم ہو (واللہ اعلم)

سبق جب ثابت ہوا کہ معاملہ یُوں ہے پھر افسوس اور سخت افسوس ہے۔ اس انسان کے لیے کہ وہ اپنے دنیوی مشاغل کو ترک کرکے رجوع الی اللہ نہیں کرتا اور نہ ہی صدقِ دل سے اسے یاد کرتا ہے۔ اگر پورے طور رجوع الی اللہ ہو جائے تو اُس پر وہ اسرار کھلیں گے کہ جہاں کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔ اس طرح سے دنیوی علائق و عوائق بھی کم نہیں بلکہ مٹ جائیں گے۔ جو شخص اپنے نفس کے معاملات سے روگردانی نہیں کرتا اور نہ ہی اُسے آج اور کل کے گورکھ دھندوں نے گھیر لیا ہے وہ کب راہِ حق کو پا سکتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ: دو ایسی خصلتیں ہیں کہ جن پر جتنا رشک کیا جائے تھوڑا ہے۔

① ۔ صحت و عافیت۔

② فراغت۔

اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ وہ دین یا دنیا کے امور میں منہمک رہے ورنہ اس جیسا کم بخت اور کون ہوگا۔ (واللہ اعلم) اللہ تعالیٰ ہم سب کو کمبختی اور رسوائی اور گھاٹے سے محفوظ فرمائے ؎

مہل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد حافظ
بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب

ترجمہ: اسے نہ چھوڑ اے حافظ کہ کہیں عمر ضائع نہ جائے کوشش کیجئے تاکہ تجھے عمر عزیز کا پھل حاصل ہو۔

قاعدہ عجیبہ: بزرگ فرماتے ہیں دُنیا سمجھداروں کے لیے غنیمت اور بیوقوفوں کے لیے غفلت ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا جنہوں نے کہا یعنی اشرف اور مالک بن صیف اور حیی بن اخطب و فخاص بن عازوراء و وھب بن یہودا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں توراۃ میں حکم اور وصیت فرمائی اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ یہ کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ لائے ہمارے ہاں ایسی قربانی جو اسے آگ کھا جاتے یہی اُس کی صداقت کی دلیل ہوگی۔

حل لغات: قُربان ہر وہ عبادت جس سے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔ جیسے قربانی اور صدقہ و دیگر عمل صالح یہ قربۃ کا اسم بروزن فعلان ہے۔

واقعہ: حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے نام قربانیاں کرکے چربی اور اچھا گوشت اٹھا کر گھر میں رکھ دیتے لیکن گھر کی چھت کھلی چھوڑ دیتے تو ان کے نبی علیہ السلام اُن گھروں میں دُعا مانگتے اور بنی اسرائیل گھر کے اردگرد باہر کھڑے ہو جاتے تو سفید رنگ کی آگ آسمان سے اترتی جس میں کسی قسم کا دھواں نہ ہوتا۔ اس میں باریک سی آواز بھی ہوتی۔ وہ آگ آسمان سے اُتر کر اس قربانی کو کھا جاتی یعنی وہ اسے اپنی طبعی میلان سے کھینچتی تو وہ قربانی جل جاتی۔ یہی اس کی قبولیت کی علامت تھی۔ اگر کسی کی قربانی قبول نہ ہوتی تو وہ ویسے ہی پڑی رہتی ان کا سوال کہ ہم نبوت کا اقرار اس وقت کریں گے۔ جب وہ ایسی آگ لائیں جو قربانی کو کھا جائے۔ (یہ اس منجملہ معجزات کے ایک معجزہ تھا) خلاصہ یہ کہ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے کہنے پر آگ نہ لائے۔ اسی لیے وہ دولت اسلام سے محروم رہے کیونکہ اُن کی شرط تھی کہ اگر آگ قربانی کو کھا جائے تو وہ ایمان لائیں گے۔ ان کے اس غلط قول کی تردید میں یہ آیت اُتری قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کا کذب ظاہر کیجئے اور اُن کو لاجواب فرمائیے کہ قَدْ جَآءَكُمْ تمہارے اسلاف اور آباؤ اجداد کے پاس رُسُلٌ بہت سے پیغمبران عظام علی نبینا وعلیہم السلام یہاں رُسل سے کثیر التعداد وکبیر المقدار مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ مجھ سے پہلے تمہارے اسلاف کے ہاں معجزات واضحہ لائے وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ۔ اور خصوصیت سے وہ چیز بھی لائے جس کا اب تمہیں سوال ہے یعنی بعینہ یہی

قربانی جسے آگ کھا جاتی تھی پھر تم نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کر دیا فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ
تم نے انہیں کیوں شہید کر دیا اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو یعنی اگر تم سچے ہو کہ تم صرف اس نبی علیہ السلام پر ایمان لاتے
ہو جو تمہاری طلب کو پورا کرے تو پھر بتائیے کہ حضرات زکریا و یحییٰ وغیرہما علیہم السلام دوسرے معجزات کے ساتھ
یہ معجزہ بھی لائے جس کی تمہیں طلب تھی تو پھر تم ان پر کیوں ایمان نہ لائے بلکہ اُلٹا جرأت کر کے انہیں شہید کر ڈالا
فَإِنْ كَذَّبُوكَ (اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں) یہاں سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا
رہی ہے جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وہ بھی معجزات واضحات لائے تھے ۔ یہ جملہ رُسل کی صفت ہے وَالزُّبُرِ
یہ زبور کی جمع ہے ۔ اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صرف احکام ہوں "زبرتہ" سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں
جب اسے حسین بنایا جائے یا زبر بمعنیٰ المواعظ ہے ۔ زبرتہ سے مشتق ہے بمعنیٰ زجرتہ یعنی میں نے اُسے جھڑکی دی
وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ اور روشنی دینے والی کتاب اس سے تورات ۔ انجیل اور زبور مراد ہیں الکتاب سے
قرآن مجید میں وہ کتاب مراد ہوتی ہے جو شرائع احکام کو متضمن ہو یہی وجہ ہے کہ عام طور الکتاب اور
الحکمۃ معطوف و معطوف علیہ ہو کر مستعمل ہوتی ہے ۔ المنیر بمعنے امر و نہی سے بیان کرنے میں بہت زیادہ واضح
اور روشن ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے بعض امتوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام پر غلبہ دیا
ایمان لانے سے پہلے یا بعد کو انہیں شہید کر دیتے ۔ اسی طرح بعض صفات نفسانیہ کو بعض الہامات
ربانیہ و وارداتِ رحمانیہ پر غلبہ دیتا ہے کہ جس سے وہ الہامات و واردات محو ہو جاتے ہیں کما قال تعالیٰ یمحوا اللہ
مَا يَشَاءُ ۔ یعنی اللہ جو چاہتا ہے اور انقیاد سے قبل یا بعد اسے ثابت رکھتا ہے تاکہ اپنی تقدیر کو پورا فرمائے ۔
خلاصہ یہ کہ روح بھی صفات نفسانیہ سے میل جول رکھنے کی وجہ سے نفس کی طرح کمینہ پن اختیار کر لیتا ہے تو اس پر
صفات ذمیمہ غلبہ پا جاتی ہیں ۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ مفسدین کی صحبت اور صفات مذمومہ نفسانیہ کی عادت سے پرہیز کرے ؎

نفس از ہم نفس بگیرد خوی   بر حذر باش از لقائے خبیث ،
باد چوں بر فضائے بد بگزرد   بوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ[1] : نفس اپنے ہمجولی سے عادت لیتا ہے خبیث کو دیکھنے سے بھی پرہیز کرو ۔
(۲) ہوا جب بری فضا سے گذرتی ہے تو اس کی وجہ سے ہوا بھی گندی ہو جاتی ہے ۔

سبق بندۂ خدا کو مبارک ہو جو صفات رذیلہ اور عناد اور گناہوں پر اصرار سے نفس کو پاک کر کے
حق کو حق اور باطل کو باطل جاننا اور حب دنیا اور اتباع نفس اور غیر اللہ کی موافقت سے دُور

بھاگتا ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک گاؤں پر گزر ہوا وہاں کے لوگ اپنے صحنوں اور گلی کوچوں میں مرے پڑے تھے آپ نے اپنے خدام سے فرمایا دیکھئے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے مرے ہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا میں مرتے تو انہیں دفنایا جاتا۔ آپ کے خدام نے عرض کیا۔ یا روح اللہ (علیہ السلام) ہم چاہتے ہیں کہ اُن کا حال ہمیں معلوم ہو جائے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رات کے وقت انہیں پکارنا۔ یہ زندہ ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوں گے۔ جب رات اُن مُردوں کے ہاں تشریف لائے اور انہیں پکارا! تو وہ زندہ ہو کر اُن میں سے صرف ایک نے کہا لبیک یا روح اللہ۔ آپ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا ماجرا ہے۔ اس نے عرض کی رات کو ہم بآرام سوئے نیند میں موت آئی تو ہم سیدھے جہنم میں پہنچے۔ آپ نے پوچھا تمہاری کونسی غلطی تھی عرض کی ہمیں دُنیا سے بہت محبت تھی اور اہل معاصی کی طاعت سے ہمیں بہت بڑا پیار تھا۔ آپ نے فرمایا اپنی محبت کو مثال دے کر سمجھائیے۔ عرض کی ہمارا حال اس چھوٹے بچے کی طرح تھا جب ماں کو دیکھتا ہے۔ ہم بھی دُنیا کو دیکھتے تو اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور جب نہ ہوتی تو ہم غمگین ہو جاتے آپ نے فرمایا کہ تمہارے اور ساتھی مجھ سے کیوں کلام نہیں کرتے۔ اُس نے عرض کی کہ ان کے منہ میں آگ کی لگام دی گئی ہے جنہیں سخت گیر ملائکہ پکڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو کس طرح بچ گیا۔ اُس نے کہا میں تھا تو ان میں سے ہی لیکن اُن سے نہ تھا (یعنی میں ان میں رہتا تو تھا۔ لیکن برائیوں سے محفوظ تھا) صرف یہ غلطی ہوئی کہ انہیں برائیوں سے روکتا نہیں تھا) اسی لیے جب عذاب نازل ہوا تو میں بھی اس عذاب کی لپیٹ میں آگیا۔ لیکن مجھے جہنم کے کنارے پر لٹکایا گیا ہے۔ یہ بھی مجھے معلوم نہیں کہ مجھے اس سے نجات نصیب ہوتی ہے یا ہمیشہ اسی عذاب میں شکار رہوں گا۔

مسئلہ: انبیاء علیہم السلام کے ارشادات سے انکار اور اُن کی تکذیب حب دُنیا اور اس کی جھکنے کی علامت ہے۔ اس لیے کہ حضراتِ انبیاء و اولیاء علیہم السلام بہشت اور اس کے مالک و مولیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور بہشت کو دکھ اور تکالیف سے گھیر اگیا ہے اور انسان کا خاصہ ہے کہ وہ جب کسی ایسے امر کو دیکھتا ہے جو اسے تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ اس سے نفرت کرتا ہے۔ پھر جب اسے اس پر عمل کا کہا جاتا ہے یا مجبور کیا جائے تو انکار کرنے لگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ بہت سی اشیاء سے کراہت کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہیں۔

ف: حکماء الٰہیہ یعنی اولیاء کرام اپنے مریدوں پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں کہ وہ اہل انکار کی بُری صحبتوں سے بچیں بلکہ ایسوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے تک بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس لیے کہ صحبت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ؎

عدو البليد الى الجليد سريعة
والجمر يوضع فی الرماد فيخمد

ترجمہ: دانا بیوقوف کی بات سے جلد متاثر پذیر ہو جاتا ہے جیسے انگارہ راکھ میں رکھا جائے تو بجھ جاتا ہے ۔

بایدان یار گشت ہمسر لوط | خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند | پے مردم گرفت و مردم شد

ترجمہ: (۱) بُروں کی صحبت میں لوط علیہ السلام کی اہلیہ بیٹھی تو اس کا خاندان نبوت سے تعلق ٹوٹ گیا۔
(۲) اصحاب کہف کے کتے نے چند روز اولیاء کے قدم پکڑے تو قیامت میں انسانوں میں اُٹھے گا۔
حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی مطابق فرمایا ہے

گر تو سنگ وصخرہ و مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ: اگر تو پتھر اور سنگ مرمر ہے لیکن جب اولیاء اللہ کی صحبت میں حاضر ہو گا تو تو موتی ہو جائے گا۔

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولیاء کا طریقہ اور اپنے دوستوں کی صحبت نصیب فرمائے۔ آمین)

تفسیر عالمانہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے) یعنی روح بدن سے موت کی ادنیٰ دھچے نکل کر جدا ہو گی۔ اُسے ذوق سے تعبیر کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ موت ایک تھوڑی سی گھڑی کا نام ہے لیکن ایماندار کے وعدہ کریمہ اور کافر کی وعید کو یکجا بیان کیا گیا ہے اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اس دُنیا کے علاوہ ایک اور جہان بھی ہے جس میں نیک اور بُرے میں امتیاز کیا جائے گا۔ اور ہر ایک کو اپنے اعمال کے مطابق جزاء و سزا ہو گی۔

حدیث شریف: جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو زمین نے رب تعالیٰ سے شکایت کی کیونکہ آدم علیہ السلام کے لیے اس سے مٹی لی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے وعدہ کیا کہ تیرے پاس یہی ذرات واپس لوٹائے جائیں گے۔

مسئلہ: جہاں سے کسی کی مٹی کا خمیر لایا گیا وہاں ہی مدفون ہو گا وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ - اور بیشک تمہارے اجر تمہیں پورے کئے جائیں گے - یعنی تمہارے اعمال کی تمہیں جزاء دی جائے گی - نیک عمل ہے تو جزاء نیک ہو گی اگر بُرا عمل ہے تو سزا ملے گی يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت میں یعنی قبروں سے اٹھتے ہی۔

نکتہ: تو فیکم میں اشارہ ہے کہ بعض اعمال کی جزاء قبور سے اٹھنے سے پہلے بھی دی جائے گی۔

حدیث شریف: میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "قبر بہشت کے باغیچوں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں سے ایک گڑھا ہے فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ پس وہ جو اس دن جہنم سے دور کیا گیا۔ زُحۡزِحَ زحزحۃ سے مشتق ہے دراصل زَحَّ کا تکرار ہے بمعنیٰ کسی شئے کو جلدی سے کھینچنا وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّۃَ فَقَدۡ فَازَ ۔ اور بہشت میں داخل کیا گیا تو وہ کامیاب ہوا الفوز بمعنے مقصد پاکر کامیاب ہونے کو کہتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہے کہ اسے جہنم سے دور رکھا جائے بہشت میں داخل ہو تو اُسے چاہیے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھے تو وہ قیامت میں وہ ضرور بہشت میں داخل ہوگا اور دوزخ سے نجات پا جائے گا۔ وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اور نہیں حیوٰۃِ دنیا اور اس کی رنگینیاں اور لذتیں اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ مگر دھوکے کا سامان۔ دُنیا کو اس سامان سے تشبیہہ دی گئی ہے جو بیچنے والا اچھے سامان کو اوپر اور ردی کو نیچے رکھ کر بیچے تاکہ خریدنے والا دھوکہ کھاکر خرید لے۔ اور یہ بھی اس کیلئے ہے جو آخرت پر دُنیا کو ترجیح دیتا ہے ہاں جو آخرت کو ترجیح دیتا ہے اس کے لیے یہ دنیا کا سامان ایک کامل مکمل سبب ہے جو اسے آخرت کے بہت بڑے مراتب تک پہنچائے گا۔ اسی لیے ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے خیر سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ۔[1]

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اس دُنیا سے دھوکہ نہ کھائے۔ اس لیے کہ اس کا حصول تو آسان ہے لیکن ہے زہر قاتل اور اس کا ظاہر تو خوش کن ہے لیکن اس کا باطن شرور سے بھرپور ہے ؎

ترا دُنیا ہمی گوید شب و روز　　　کہ ہاں از صحبتم پرہیز پرہیز
مدہ خودرا فریب از رنگ و بوئم　　　کہ ہست ایں خندہ من گریہ آمیز

ترجمہ: (۱) تجھے دنیا شب و روز یہی کہتی ہے کہ خبردار میری صحبت سے دور رہو۔
(۲) میری رنگ و بو سے دھوکہ نہ کھا کہ میری ہنسی گریہ سے ملی ہوئی ہے۔

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ بہترین سامان تیار فرمایا ہے کہ جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور کسی کان نے سُنا اور نہ کسی کے دل میں اُس کا تصور آیا چنانچہ قرآن میں ہے۔

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ　　　کوئی نہیں جانتا کہ اس میں کیا پوشیدہ ہے
جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۔　　　یہ ان کے اعمال کی جزا ہے ۱۲۔

بہشت کا درخت بہشت میں ایک درخت ایسا ہوگا کہ اس کے سایہ تلے اگر سوار سو سال تک چلتا رہے تو بھی اس کی انتہا کو نہ پہنچ سکے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ سایہ دراز۔ اور بہشت

---

[1] بیشک وہ حب خیر کے لیے سخت ہے۔

طرف ایک کھونٹی کی جگہ دُنیا وَمَا عَلَیْھَا سے بہتر ہے۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۔

سبق: جو شخص طاعات جی لگا کر ادا کرتا اور برائیوں سے بچتا اور دُنیا اور اُس کی لذتوں سے رُوگردانی کرتا ہے تو وہ بہشت اور اُس کے بلند درجات سے سرشار ہوگا اور جو اس کے برعکس کرتا ہے تو اسے جہنم کے بُرے طبقات میں پہنچا کر محروم رکھا جائے گا۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک روز حضرت جبریل علیہ السلام غمگین ہو کر بارگاہ رسالت (علی صاحبہا السلام) میں حاضر ہوئے۔ آپ نے سبب پوچھا عرض کی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آج سے جہنم کو تیز کیا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا جہنم کیا ہے۔ عرض کی کہ جہنم وہ ہے کہ جب پیدا کی گئی تو اُسے ایک ہزار سال سُلگایا گیا۔ یہاں تک کہ وہ سرخ ہو گئی پھر اُسے ہزار سال سلگایا گیا تو زرد ہو گئی پھر اسے ہزار سال سلگایا گیا تو سیاہ ہو گئی۔ پھر مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا کہ اگر اُس کا صرف ایک انگارہ زمین پر پڑے تو تمام دُنیا راکھ ہو جائے اور اگر اس کے لباس کا ایک حصہ زمین و آسمان کے درمیان لٹکایا جائے تو بدبُو سے تمام جہان فنا ہو جائے۔ اس کے سات دروازے اُوپر نیچے ہیں آپ نے فرمایا۔ اس کے مکین کون ہوں گے۔ عرض کی کہ پہلے میں منافقین اس کا نام ہاویہ ہے دوسرے میں مشرکین اس کا نام جحیم ہے تیسرے میں صابئوں اس کا نام سقر ہے چوتھے میں ابلیس اور اس کے ساتھی اور مجوس اس کا نام لظیٰ ہے پانچویں میں یہود اس کا نام حطمہ ہے چھٹے میں نصاریٰ اس کا نام سعیر ہے۔ ساتویں میں کلمہ گو گنہگار داخل۔ اس کا نام نار ہے۔ یہ اس میں صرف تین دن رہیں گے یہی حال حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سُنایا۔ انہوں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پُوچھا کہ وہ کیسے داخل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا مردوں کو داڑھی سے پکڑ کر اور عورتوں کو زلفوں سے کھینچ کر جہنم میں لایا جائے کا پھر کلمہ گو گنہگار حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم سے باہر نکلیں گے۔

نتیجہ: اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص جہنم سے دُور رکھا گیا وہ بہشت میں داخل ہو کر کامیاب ہوا۔

وحی کا مضمون شرح ایک نبی علیہ السلام پر وحی اُتری کہ "اے ابن آدم تو دوزخ کو مہنگی قیمت دے کر خریدتا ہے تجھے کیا ہوا ہے کہ تو بہشت کو معمولی قیمت سے کیوں نہیں خریدتا سابق مضمون کی شرح میں فرمایا گیا کہ مثلاً ایک فاسق کی دعوت کرتا ہے جس پر سینکڑوں روپے خرچ کرتا ہے تو اس نے اس مہنگی قیمت سے جہنم خرید لی۔ اگر وہ چند ٹکے خرچ کر کے ایک محتاج فقیر کی دعوت کرتا تو اس معمولی خرچ سے اسے بہشت نصیب ہو جاتی ہے

غم و شادمانی نماند ولیک — جزائے عمل ماند و نام نیک،
کرم پائی دارد نہ دیہم وتخت — بدہ کز تو این ماند اے نیک بخت
مکن تکیہ بر ملک وجاہ حشم — کہ بیش از بود است و بعد از تو ہم

ترجمہ: (۱) غم اور خوشی نہ رہے گا ہاں جزائے عمل رہے گی اور نیک نامی۔ سخاوت کو پاؤں ہیں۔
(۲) تخت اور تاج بیکار ہیں سخاوت کیجئے جو تیرے لیے یہی باقی رہے گی۔ ملک وجاہ وحشم پر۔
(۳) تکیہ نہ کیجئے کہ تیرے سے پہلے بہت لوگ گذرے ہیں اور بعد کو بھی بہت آئیں گے۔

تفسیر صوفیانہ بعد عن النار اور دخول فی الجنۃ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں کو عمل میں لانے سے نصیب ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب مقام نفس سے بھاگ کر مقام قلب میں جا گزیں ہو۔ جو قلب کے حریم میں ہو جاتا ہے تو وہ دائمی امن و سکون پا لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا۔ اور جو اس حرم میں پہنچتا ہے تو وہ ہر قسم کے درد الم سے بچ جاتا ہے یعنی وہ بہشت عاجلہ کے بڑے مراتب میں پہنچ جاتا ہے۔

ف: ایک بزرگ نے فرمایا کہ جنۃ عالیۃ جنۃ المعرفۃ کو کہتے ہیں۔

قاعدہ: نفوس تین قسم ہیں۔
(۱) وہ جو مرے گا تو سہی لیکن اس کا حشر نہیں ہوگا جیسے تمام حیوانات۔
(۲) وہ جو دنیا میں مر جاتا ہے لیکن اس کا آخرت میں بھی حشر ہوگا۔ جیسے نفوس انسانیہ و ملائکہ اور جنات و شیاطین۔
(۳) دنیا میں موت آئے گی لیکن اس کا حشر دنیا میں ہوگا اور آخرت میں بھی جیسے خواص انسان۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مومن دونوں جہانوں میں زندہ رہتا ہے۔
حدیث شریف نمبر (۲): مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ یہی دراصل فنا فی اللہ فنا باللہ فنا للہ ہے اسے دنیا میں حیوٰۃ معنویہ نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ[۱] اسے بقا بنور اللہ کہا جاتا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت، میں اشارہ ہے کہ نفس میں فنا فی اللہ کی استعداد ہے۔ جب ہر نفس کو موت نے گھیرنا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ موت کے لیے جدوجہد کرے۔

---

[۱] کیا وہ جو مر جاتے اور ہم اسے زندہ کر کے اسے نور عطا کریں تو وہ اس کے ذریعہ لوگوں میں چلتے پھرتے ۱۲۔

قاعدہ: جس کی موت اسباب سے واقع ہو اس کی حیات بھی اسبابی ہوتی ہے اور جس کی موت فناء فی اللہ سے ہو تو اسے دائمی بقا باللہ نصیب ہوتی ہے وَاِنَّمَا اُجُوْرَکُمْ تمہیں تمہارے تقویٰ کے مقدار اجزا نصیب ہوگی یا پھر برائیوں کے مقدار سزا پاؤ گے۔ جو شخص نار مفارقت اور جدائی سے دور رکھا گیا اور شریعت و طریقت کے قدموں پر چل کر طبیعت کی آگ سے خارج ہوا تو وہ حقیقت کی جنت میں داخل ہو کر بڑا کامیاب ہوگا۔ اور حیاتِ دُنیا اور اُس کی نعمتیں تو صرف دھوکے کا سامان ہیں کہ اس سے مغرور اور فریب خوردہ ہی دھوکا کھاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ لَتُبْلَوُنَّ البتہ تم آزمائے جاؤ گے۔ ابتلاء آزمائش کو کہتے ہیں۔ یعنی جس سے آزمائش کی جائے اس کے سامنے بطور ملابست یا مفارقت کے ایسا امر پیش کیا جائے کہ جس کے حل کرنے میں اسے عادۃً مشقت ہو۔ اور یہ بظاہر اس کے لیے متصور ہو سکتا ہے۔ جو اُمور کے انجام سے بے خبر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا استعمال مجازاً ہوگا۔ کیونکہ وہ تو ہر ایک کے حال سے خبر رکھتا اور جانتا ہے اس کے لیے آزمائش کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے بندے کو ان امور سے ایک کے لیے اختیار دیتا ہے قبل اس کے کہ اس امر کیلئے کوئی چیز مرتب فرمائے اور یہ آزمائش اس کام کے مبادی میں سے ہے اور یہ قسم محذوف کا جواب ہے یہ دراصل وَاللہِ لنعاملن معاملۃ ۔۔۔ الخ یعنی بخدا تمہارے سے امتحان جیسا معاملہ کیا جائے گا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تم ثابت قدمی اور اعمال صالحہ میں کس درجہ میں ہو۔ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ تمہارے اموال میں کہ ان پر طرح طرح کے آفات واقع ہوں گے جو ہلاکت کے گھاٹ اُتاریں وَاَنْفُسِکُمْ اور تمہارے نفوس میں آزمائش ہوگی۔ انہیں قتل اور قید اور زخمی کر کے اُن کے علاوہ جو اور طرح سے ان پر تکالیف و مشقیں اور مصائب وارد ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔ اور البتہ تم سنو گے ان لوگوں سے جو تمہارے سے پہلے کتاب دیئے گئے یعنی قرآن مجید دیئے جانے سے پہلے اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اور ان سے جو مشرک ہیں یعنی اہل عرب سے جیسے ابوجہل اور ولید اور ابوسفیان[1] وغیرہم۔ اَذًی کَثِیْرًا بہت سے ایذا دیں مثلاً دین حنیف پر طعن و تشنیع اور احکام شرح شریف میں جرح و قدح کرتے اور جو ایمان لانا چاہے اُسے روکتے ہیں۔ بلکہ اہل ایمان کی خطاؤں کو اچھالتے رہتے ہیں ایسے ہی کعب بن اشرف اور اُس کے ساتھی کہ اہل ایمان کو گالیاں دیتے اور مشرکین کو حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر ابھارتے۔ وغیرہ وغیرہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان میں اُن کے لیے کسی قسم کی بہتری اور تمہارے لیے نقصان نہیں۔

---

[1] اسلام سے پہلے ۱۲۔

نکتہ: قبل از وقوع ان امور کی اہل اسلام کو اس لیے خبر دی گئی ہے کہ وہ اپنے نفوس کو ایسی تکالیف کی برداشت اور پریشانیوں پر صبر کرنے کی عادت بنا سکیں بلکہ ان امور کے وقوع سے پہلے ہی تیار رہیں۔ اس لیے کہ دکھ اور درد ایک ایسا امر ہے کہ ہزاروں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ ہاں اس سے پہلے ہی اگر تیاری کر لی جائے تو انسان بڑی سے بڑی تکلیف کو آسان سمجھتا ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم ان شدائد اور تکالیف کے وقوع کے وقت صبر بلکہ ان کا بہتر طریقہ سے مقابلہ کرو گے۔ وَتَتَّقُوْا اور پرہیزگاری کرو گے یا اللہ کی طرف پورے طور رجوع کرو گے اور غیر اللہ سے منہ موڑ لو گے کہ تمہارے لیے دکھ اور سکھ برابر ہو جائیں فَاِنَّ ذٰلِكَ پس بے شک وہ صبر و تقویٰ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ پختہ امور میں سے ہے۔ یعنی وہ بہترین امر کہ جس کی طرف ہر رغبت کرنے والا رغبت کرے۔ یعنی یہ ان امور میں سے ہے کہ جس سے ہر پختہ کار محبت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں بہت بڑا کمال اور بہت بڑی بزرگی ہے یا یہ منجملہ ان امور سے ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ بھی محبوب رکھتا ہے اور حکم دیتا ہے بلکہ تاکید فرماتا ہے یعنی یہ امر اللہ تعالیٰ کی عزیمت ضروریہ میں سے ایک ہے تو لہٰذا لازم ہے کہ اس پر صبر اور پرہیزگاری کرو۔

ف: چونکہ برائی سے برائی بڑھتی ہے۔ اس لیے صبر کا حکم فرمایا تاکہ دنیا کے نقصانات میں کمی ہو اور تقویٰ کا حکم اس لیے دیا تاکہ آخرت کے نقصانات گھٹیں۔ اس اعتبار سے آیت دنیا و آخرت کے آداب کی جامع ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی عادات کا خوگر بنے اور ان کے طریقے پر چلنے کی کوشش کرے وہ دکھ اور تکلیف پر صبر کرے اور کسی نا اہل کا مقابلہ نہ کرے کہ اسے برائی کا بدلہ برائی سے دیں۔ بلکہ جب وہ لغو باتوں سے گزرتے تو باوقار ہو کر گزرے ۔؎

بدی را بدی باشد سہل جزاء
اگر مردی احسن الی من اساء

ترجمہ: برائی کا بدلہ برائی آسان ہے اگر تو جوانمرد ہے تو تم اس کے ساتھ احسان کرو جو برائی کرتا ہے۔

واللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ سے بہت بڑی تعریف فرمائی ہے۔

خلق عظیم: بعض کہتے ہیں خلق عظیم کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کے لیے جدوجہد کرنا اور تکلیف پر صبر کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اوصاف سے موصوف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نیکی پر جدوجہد کی سعی کرنے کو یوں بیان فرمایا[1] ولا تبسطها کل البسط۔ اور کسی کی تکلیف بہت بڑے صبر کی ضرورت ہوتی ہے

---

[1] پورے طور فراخی نہ کرو ۱۲

اور حضور علیہ السلام کا مخالفین کی تکالیف برداشت کرنے کا شمار ہی نہیں ۔

حدیث شریف نمبر (۱) : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہارے سے توڑے تم اُس سے جوڑنے کی کوشش کرو اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کرو ۔ اور جو تمہارے ساتھ بُرائی کرے اس کے ساتھ احسان کرو ۔

حدیث شریف نمبر (۲) : حضور علیہ الصلوٰۃ کسی کو کوئی نصیحت فرماتے تو پہلے خود اُس پر عمل کرتے ۔ اوامت پر لازم ہے کہ آپ کے ارشادِ گرامی پر عمل کریں اور تکالیف وغیرہ برداشت کرنے کی عادت ڈالیں حجت توبہ کے بغیر کسی بات کی طرف کان نہ لگائیں ۔

فائدہ : وہ امتحانات جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بندوں پر وارد ہوتے ہیں ان میں صرف نفس کی صفائی اور اس سے اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تاکہ وہ مخلوق سے رُوگرداں ہو کر راجع الی الخالق ہو ۔

حدیث شریف نمبر (۳) : حضور علیہ السلام نے فرمایا میری طرح اور کوئی نبی علیہ السلام ایذا نہیں دیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میری طرح کسی دوسرے نبی علیہ السلام کو صفائی حاصل نہیں ہوئی ۔

حدیث شریف نمبر (۴) : حضور علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ آپ مشرکین کے لیے بددُعا فرمائیے ۔ آپ نے فرمایا میں صرف رحمت بن کر آیا ہوں میں عذاب کے لیے مبعوث نہیں ہوا ۔

مسئلہ : آزمائش رَبانی رحمت و نعمت ہے ۔ حضرت مولانا جلال الدین رُومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دردِ پشتم داد حق تا من زخواب   بر جہم در نیم شب باسوز و تاب
دردہا بخشید حق از لطف خویش   تا نخسیم جملہ شب چو گاو میش

ترجمہ (۱) اللہ تعالیٰ نے مجھے کمر کا درد اس لیے دیا تاکہ میں درد و سوز سے آدھی رات کو اٹھوں ۔

(۲) اللہ نے مجھے درد بخشے تاکہ میں جانوروں کی طرح تمام رات سوتا نہ رہوں ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں لَتُبْلَوُنَّ فِیٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ میں جہاد اصغر کی طرف اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! کیا تم اپنے اموال و نفوس سے جہاد کرو گے ۔ کیا انہیں اللہ کے راہ میں خرچ کرو گے اور اس میں جہاد اکبر کی طرف بھی اشارہ ہے ۔ اموال میں تو یوں کہ اگرچہ بھوک ہو تب بھی اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دو ۔ اور نفوس میں یوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا مجاہدہ کرو کہ اس کا حق ادا کرو ۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یعنی اہل علم ظاہر اور مشرکین یعنی اہل ریاء قاری اور زاہدوں سے غیبت و ملامت اور انکار و اعتراض کی ایذا کن باتیں سنوگے وَاِنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم جہاد نفس اور بذل المال اور اذیت خلق پر صبر کرو وَتَتَّقُوْا اور تقویٰ حاصل کرو کہ

صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہو اور ماسوای اللہ تعالیٰ کو کالعدم جانو[1] فان ذٰلک من عزم الامور بے شک یہ منجملہ ان امور سے ہے کہ جس پر اولوالعزم تھے کما قال تعالیٰ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔ جو ان امور پر محافظت نہیں کرتا تو وہ صرف طریقت کا مدعی ہے اور بس ہے

مشکل آید خلق را تغییر خلق آنکہ بالذات است کے زائل شود
اصل طبع است وہمہ اخلاق فرع فرع لابد اصل را مائل شود

ترجمہ: (۱) مخلوق سے مخلوق کی تغییر مشکل ہے کیونکہ یہ ذات میں ہے آسانی سے مشکل زائل ہو گی۔

(۲) اصل طبع ہے اخلاق اس کی فرع ہیں فرع کو لازماً طبع کی طرف میں کرنا ہوتا ہے۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے تو اسے مکارم اخلاق نصیب نہیں ہوتے اور نہ ہی اچھی عادات اور نہ ہی اچھے احوال۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ اے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرمایئے اُس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے لیا مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ان لوگوں سے وعدہ جو کتاب دیئے گئے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ کے علماء اور یہ وعدہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعے کیا گیا۔

لَتُبَیِّنُنَّهٗ۔ البتہ تم اسے بیان کرو گے یہ حکایت ہے اُس کی کہ جس کا انہیں خطاب کیا گیا اور ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے اور یہی قسم کا جواب ہے۔ جیسے اخذ المیثاق سے معلوم ہوتا ہے۔ گویا انہیں کہا گیا بخدا تم ضرور بیان کرو گے لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے ظاہر کرو گے وہ احکام جو اس میں ہیں اور وہ چیزیں جو اس میں بیان کی گئی ہیں۔ منجملہ اُن کے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا امر بھی اور بیان حکایت مذکورہ سے بھی یہی مطلوب ہے وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ اس کا عطف جواب قسم پر ہے۔ اور اسے وہ نہ چھپائیں گے۔

سوال: اسے نون ثقیلہ سے کیوں نہیں مؤکد کیا گیا۔

جواب: چونکہ یہ فعل منفی ہے اور قسم میں وہی مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ وَاللّٰهِ لَا یَقُوْمُ زَیْدٌ فَنَبَذُوْهُ پس اسے انہوں نے ڈال دیا النبذ بمعنی الرمی والابعاد۔ یعنی باوجودیکہ اُن سے طرح طرح کی تاکید کر کے وعدے لیے گئے لیکن پھر بھی انہوں نے اس کئے ہوئے وعدے کو وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ پس پشت یعنی انہوں نے اس وعدہ کی حفاظت نہ کی اور اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ اِنْبَذَ الشَّیْءَ وَرَآءَ الظَّهْرِ ہمیشہ کسی امر کی اہانت اور اس سے بالکل روگردانی پر مثال کے طور کہا جاتا ہے اب نصب العین کے کمال عنایت کے لیے علم بن گیا ہے وَاشْتَرَوْا بِهٖ اور اس کے ذریعے خرید کیا یعنی اس کتاب کے بدلے جس کے بیان کرنے کا

---

[1] بیشک یہ پختہ امور سے ہے ۱۲۔

انہیں علم تھا اور انہیں اس کے چھپانے سے روکا گیا اور اشتراء کو کتمان کے عوض متاع دنیا لینے سے استعارہ کیا گیا ہے یعنی انہیں جس کا حکم دیا گیا اسے چھوڑ کر اس کے عوض لیا ثَمَنًا قَلِيلًا ثمن تھوڑا ۔ یعنی دنیا کے اسباب اور اس کے اعراض میں معمولی اور حقیر شے وہ جو کہ عامی آدمیوں سے لیتے تھے ۔ انہیں خطرہ ہوا کہ اگر ہم ایمان لائیں تو ہمیں عامی لوگوں سے کچھ نہیں ملے گا ۔ اس لیے جو کچھ جانتے تھے اسے چھپا دیا اور الٹا عامی لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی تکذیب کریں فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ بس برا ہے جو کچھ وہ خریدتے تھے ۔ یہ ما نکرہ منصوبہ اور بئس کے فاعل کا مفسر ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے دراصل بئس شیئاً یشترون بذلك الثمن تھا ۔ یعنی بری شئے ہے وہ جو اس کا ایسا ثمن دے کر خریدتے ہیں ۔

مسئلہ: یہ آیت اگرچہ بظاہر ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو اخفائے حق کرتے ہیں تاکہ اسی کے ذریعے دنیا کا تھوڑا سا سامان حاصل کر لیں ۔ لیکن اس کا حکم عام ہے ان مسلمانوں کو بھی یہ حکم لاگو ہوتا ہے جو قرآن (جو اشرف الکتب ہے) کے احکام دنیا کی لالچ میں چھپاتے ہیں ۔ اس لیے کہ یہ لوگ اہل کتاب سے اشرف و اعلیٰ ہیں ۔

مسئلہ: صاحب کشاف نے کہا کہ یہ آیت دلیل کے لیے کافی ہے علماء پر فرض عائد ہوتا ہے کہ جو کچھ قرآنی احکام جانتے ہیں انہیں بے دھڑک بیان کریں ۔ دنیا کی کسی غرض فاسد کی وجہ سے کسی سے مخفی نہ رکھیں کہ ظالموں کو آسانی بتائیں تاکہ ان کے ظلم پر دل بندھ جائیں ۔ حالانکہ ایسے احکام مخفی رکھنے پر ان کے ہاں کوئی دلیل بھی نہ ہو انہیں چاہیئے کہ کسی مسئلہ کے اظہار میں بخل نہ کریں انہیں غیرت کرنی چاہیئے انہیں اس عمل سے بچنا چاہیئے جو یہودیوں و نصرانیوں کے علماء کی طرف منسوب ہو ۔

مسئلہ: جو لوگوں سے حق کو چھپاتا ہے وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے (کذا فی تفسیر الامام الرازی ۔

مسئلہ: انسان کو چاہیئے کہ بات کے اظہار و اخفاء میں نیت کو خالص رکھے اپنے دل کو اغراض و اوزار و افکار کی گرد سے پاک رکھے ؎

زیاں می کند مرد تفسیر دان ۔۔۔ کہ علم و ادب می فروشد بنان

بدیں اے فرومایہ دنی مخر ۔۔۔ چو خر بانجیل عیسےٰ مخر

ترجمہ: (۱) وہ مفسر نقصان کر رہا ہے جو روٹی کے عوض علم و ادب کو بیچتا ہے ۔

(۲) اے بیوقوف دنیا کو دین سے نہ خرید گدھا کی طرح انجیل عیسیٰ (علیہ السلام) کے عوض نہ خرید ۱۲ =

سبق: علم و قرآن بیچ کر نفس کو شہوات سے نہ پال اور نہ ہی احکام کے اظہار میں خلق خدا سے خوف کھا ۔ بلکہ

جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے اسے جوانمردی اور ہمت سے بیان کرے۔

حکایت: حجاج ظالم نے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا کہ آپ نے میرے حق میں کیا کیا فرمایا ہے آپ نے کہلوا بھیجا کہ جو کچھ میں نے تیرے حق میں کہا ہے وہ صحیح ہے بلکہ اور بھی بہت کچھ کہا ہے جو تجھے نہیں پہنچا پھر اس نے پیغام بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ منافقت کی جڑ اکھڑ جائے گی اگر حجاج مر جائے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ نے پگڑی سر پر رکھی اور تلوار حمائل کی اور پوری تیاری کر کے حجاج کی مجلس میں خود تشریف لائے تاکہ اس کے سامنے حق گوئی کا حق ادا فرمائیں۔ چنانچہ اس کی مجلس میں پہنچ کر فرمایا کہ ہاں یہ سب کچھ میں نے کہا ہے۔ حجاج نے کہا۔ آپ نے ایسی باتیں کیوں کہیں۔ جسے ہم برا مانتے ہیں آپ نے یہی آیت پڑھی۔ واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ۔

ف: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس علم کی مثال کہ جسے بیان نہ کیا جائے اس خزانہ کی ہے کہ جس سے خرچ نہ کیا جائے۔ اسی طرح اس حکمت کی مثال کہ جسے استعمال نہ کیا جائے اس بت کی ہے کہ جسے کھڑا کر دیا جائے لیکن نہ وہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے اور فرمایا مبارک باد ہے اس عالم دین کو جو حق بولتا ہے اور مژدہ باد اس سامع کو جو سن کر محفوظ کر لیتا ہے اسی نے حقیقتہً علم پڑھا اور اس دوسرے نے سن کر یاد کیا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے علم کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس کے منہ میں جہنم کی لگام دی جائے گی۔

ف: حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اگر اہل علم اپنے نفوس کو مکرم بنائیں اور اس کی پورے طور حفاظت کریں اور اسے اپنے مقام پر صرف کریں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تو اس کے سامنے بہت بڑے ظالموں جابروں کی گردنیں جھک جائیں گی۔ اور لوگ ان کے غلام بے دام بن جائیں گے۔ اور رہتی دنیا تک ان کے فرمانبردار رہیں گے۔ اس طرح سے اسلام کی عزت بھی رہ جائے گی اور اہل اسلام کو بھی شرافت و بزرگی نصیب ہوگی لیکن انہوں نے دنیوی لالچ میں اپنے آپ کو ذلیل و خوار کیا جب ان کو دنیا کی لالچ دی جاتی ہے تو وہ عزت اسلام پر مر مٹنے کے بجائے نقص دین کی حمایت کرتے اور اپنا علم دنیا داروں پر نثار کر دیتے ہیں۔ اس طمع میں کہ کہیں انہیں بھی ابنائے دنیا کی طرح اعزاز حاصل ہو اسی لیے دنیا میں وہ لوگ ذلیل و خوار ہو کر رہتے ہیں۔

ف: یہ بھی حضرت فضیل سے منقول ہے فرمایا کہ کل قیامت میں علماء اور قرآن کے حفاظ کا بت پرستوں سے پہلے حساب و کتاب ہوگا۔ جب وہ حاضر ہوں گے تو عرض کریں گے۔ یا اللہ ہمارا کیا حال ہے اللہ تعالیٰ فرمائے

گا اہلِ علم جاہل کی طرح نہیں لیکن جس نے اپنا علم دنیا میں بیچ دیا اسے سخت خسارہ ہے اور تم سب کو معلوم ہے کہ یہ تمام معاملہ حبِ دنیا کی وجہ سے ہے (ہم سب کو اللہ تعالیٰ راہِ قناعت نصیب فرمائے) آمین

حکایت: حضرت سکندر ذوالقرنین رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک قوم پر گزر ہوا جنہوں نے ترکِ دنیا کر کے گورستان میں رہائش اختیار کر لی اور اُن کے دروازوں کے سامنے ہی قبور تھیں اور ساگ اور پتوں پر گزارہ کرتے اور عبادت میں ہی مصروف رہتے۔ ذوالقرنین نے اُن کے سردار کو پیغام بھیجا کہ میری ملاقات کے لیے تشریف لائیے۔ انہوں نے فرمایا ہمیں ذوالقرنین سے کیا غرض یہ سن کر ذوالقرنین خود اُن کے ہاں حاضر ہوئے اور کہا۔ کیا وجہ ہے کہ کیا تمہیں سونا اور چاندی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا ہمارے میں کوئی بھی اس کا طالب نہیں۔ اور نہ ہی وہ کسی کا پیٹ بھر سکتی ہے اسی لیے ہم نے اپنے پڑوسی اہلِ قبور کو بنایا ہے تاکہ ہمیں موت نہ بھول جائے۔ اس کے بعد ان بزرگوں کے سردار نے ایک کھوپڑی اٹھا کر ذوالقرنین کو دکھائی اور فرمایا کہ یہ بھی ایک بادشاہ کی ہے یہ اپنی رعایا پر ظلم کرتا اور خسیس دنیا جمع کرتا تھا لیکن جب سے مرا ہے تو ان سب کے گناہ اس کے سر پر ہیں اس کے بعد انہوں نے ایک دوسری کھوپڑی اٹھائی اور فرمایا کہ یہ بھی ایک بادشاہ کی ہے۔ لیکن یہ عادل اور رعیت پر شفقت کرنے والا تھا۔ یہ جب مرا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے بہشت میں جگہ دی ہے اور اس کے درجات بلند فرمائے ہیں۔ اس کے بعد اس بزرگ نے ذوالقرنین کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ ان دونوں میں سے تو کیسی کھوپڑی چاہتا ہے۔ اس پر ذوالقرنین رو پڑا اور کہا اگر آپ میرے ہاں تشریف لے چلیں تو میں اپنی بادشاہی آپ کے سپرد کر دوں گا۔ انہوں نے فرمایا پناہ بخدا۔ ذوالقرنین نے کہا یہ کیوں فرمایا کہ یہ تمام لوگ تیرے دشمن ہیں صرف تیرے مال اور تیری مملکت کی وجہ سے لیکن میرے دوست ہیں جو یہ قناعت کے سے

قناعت نکو تر بدو شاب خویش — نیرزد عسل جانِ من زخم نیش

ترجمہ: شہید کے بالمقابل زخم کی کوئی قیمت نہیں کاندھے پر قناعت کا دوشالہ بہتر ہے۔

گدائے کہ ہر خاطرش بند نیست — بہ از پادشاہی کہ خرسند نیست

اگر بادشاہ است و اگر پنبہ دوز — چو خفتند گرد د شب ہر دو روز

ترجمہ: (۱) وہ گدا جس کے دل پر کوئی فکر نہیں وہ اس بادشاہ سے بہتر ہے جو خوش نہیں۔

(۲) بادشاہ ہو یا جولاہہ جب سوتے ہیں تو رات دونوں کے لیے یکساں ہے۔

تفسیر عالمانہ لَا تَحْسَبَنَّ گمان مت کیجئے اے میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا یہ خطاب ہر اُس شخص کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہے الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا ان لوگوں کے تئیں جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اس کے جو دیئے گئے۔ یعنی اس عمل سے جو تدلیس اور کتمان حق کرتے ہیں۔

وَيُحِبُّونَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَالَمْ يَفْعَلُوْا اور دوست رکھتے ہیں کہ اُن کی تعریف ہو ساتھ اُس کے کہ انہوں نے نہیں کیا۔ یعنی وہ میثاق کو پورا نہ کر سکے اور نہ ہی اُن سے اظہارِ حق ہو سکا اور نہ ہی وہ سچی بات کہہ سکے فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بس اُن کے لیے گمان مت کیجئے یہ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ الخ کی تاکید ہے اور اس کا دوسرا مفعول جملہ ہے بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ کہ وہ دائمی عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اُن کے کفر اور تدلیس کے۔

وَلِلّٰهِ اور خاص اللہ کے لیے ہے مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کا ملک یعنی وہ قاہر حکومت جو ان میں ہے۔ جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے کسی کو پیدا کرتا یا مٹاتا ہے کسی کو جِلوۃ دیتا یا مارتا ہے کسی کو عذاب یا ثواب دیتا ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اس میں کسی غیر کو کسی معاملہ میں کسی وجہ سے دخیل ہونے کا شائبہ تک بھی نہیں۔ وُہی اُن کے امور کا مالک ہے جو وہ عمل کرتے ہیں اسی پر وُہی انہیں عذاب دیتا ہے اس کے قبضۂ قدرت سے کوئی بھی نہ نکل سکتا ہے اور نہ ہی اس کے عذاب سے کوئی نجات پا سکتا ہے۔ اُن کی گرفت کرتا ہے۔ جب چاہتا ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے پس وہ عذاب دینے پر قدرت رکھتا ہے پس جسے وہ عذاب دینا چاہے کون ہے جو نجات پا سکے وہی مالک قادر ہے۔

شانِ نزول مَروی ہے کہ حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے تورات سے متعلق چند باتیں پوچھیں تو انہوں نے تورات کے خلاف عرض کیا اور وہ اپنی کارکردگی سے خوش ہوئے تو یہی آیت اتری۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد تمام منافقین ہیں کہ اور وَيُحِبُّونَ اَنْ يُّحْمَدُوْا الخ کے ظاہر سے یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ایمان کا اظہار کرتے اور ان کے قلوب کفر سے مطمئن تھے وہ اپنی اس کارگزاری سے بہت خوش تھے اور وہ اس انتظار میں رہتے کہ ایمان کے اظہار سے اہلِ اسلام ہماری تعریف کریں گے۔ حالانکہ وہ اپنی کارکردگی کے باعث حقیقت سے ہزاروں کوس دور تھے۔ وہ اہلِ ایمان کی محبت کا دم بھرتے تھے۔ حالانکہ اہلِ اسلام کے جانی دشمن تھے۔ اولیٰ یہ ہے کہ الذین اسم موصول کو اپنے عموم پہ رہنے دیا جائے تاکہ آیت کے حکم میں وہ تمام وہ لوگ بھی داخل ہوں جو نیکی کر کے عُجب میں پڑتے ہیں اور انہیں خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اُن کی تعریف کریں حالانکہ وہ فضائل سے قطعاً خالی ہوتے ہیں اور نہ ہی اُن میں صلاحیتیں ہوتی ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے اور قاعدۂ مسلّمہ ہے کہ آیت کا نزول خاص محکم کے عموم کے منافی نہیں ہوتا۔

تفسیرِ صوفیانہ متاعِ دُنیا کی خوشنودی اور لوگوں کی تعریف کا انتظار نفسِ امارہ کے گرفتار لوگوں کا کام ہے جو حیلوۃ دنیا کے دھوکہ اور شیطان کے حملوں کا نشانہ اور سعاداتِ اُخرویہ سے محروم اور قربات معنویہ سے دور ہیں حضرت امام رازی نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ انصاف یہ ہے کہ اکثر مخلوق کا یہی حال ہے کہ وہ طرح طرح کے حیلے کر کے

دُنیا کو جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں پھر جب اُن کا مطلب پورا ہو جاتا ہے تو اس سے بہت ہی خوش ہوتے ہیں پھر انہیں انتظار ہوتا ہے کہ اس پران کی تعریف بھی ہو کہ یہ صاحب بڑے پاکدامن اور صدق و صفا سے بھرپور اور بڑے متدیّن ہیں ؎

اے برادر از تو بہتر ہیچ کس نشناسدت | زانچہ ہستی یک سر مو خویش را فزدں
گر فزوں از قدر تو بشناسدت تا بخردی | قدر خود بشناس و پائے از حد خود بیروں منہ

ترجمہ: (۱) اے برادر تجھے تیرے سوا اور کوئی بھی بہتر نہ سمجھے گا اسی لیے اپنے قدر سے آگے بال برابر آگے قدم نہ رکھ۔
(۲) اگر کوئی تیرا قدر تجھ سے زائد کچھ سمجھا ہے سمجھ لے کہ تو کچھ بھی نہیں اسی لیے تو اپنی قدر پہچان اور حد سے آگے قدم نہ بڑھا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے شان و قدر سے آگے نہ بڑھے۔ اور جو نیکی اُس میں نہیں اس کے متعلق اپنے لیے سن کر خوشی نہ منائے اس لیے کہ اسے یہ تعریف کوئی کام نہ دے گی۔

ف: بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ لوگ تیری تعریف محض اپنے حسنِ ظن کی بنا پر کرتے ہیں کہ تو اس کا اہل ہو گا لیکن تمہیں تو اس سے عبرت پکڑنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے عیوب ڈھانپے ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تو اپنی مذمت خود کر جب کہ تو اپنے قبائح خوب جانتا ہے۔

ف: مومن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ جب لوگ اس کی تعریف کریں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے شرم کے مارے اس کا سر جھک جائے کہ میں کہاں اور یہ میری تعریف میں اس کا اہل کب ہوں۔

ف: اور سب سے بہت بڑا بیوقوف وہ ہے کہ وہ اپنی خرابیاں جانتا بھی ہے لیکن جب لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو انہی پر بھروسہ کر کے بھول جاتا ہے۔

ف: حضرت محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جس کی تعریف کی جائے اور وہ اس کا اہل نہ ہو تو یوں سمجھو کہ گویا اس کے ساتھ استہزا ہو رہا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی کو کہا جائے کہ جنابِ عالی آپ کا پاخانہ تو مشک و کستوری سے بھی زیادہ خوشبو والا ہے اور وہ شخص اسے حقیقت سمجھ کر اپنی تعریف پر محمول کرے تو اُس جیسا بیوقوف اور کوئی نہ ہو گا ؎

بحبل ستایش فراچہ مشو
چو حاتم اصم باش و غیبت شنو

ترجمہ: ستائش کی رسی میں جکڑا نہ جا حاتم کی طرح بہرہ ہو کر اپنے عیوب سنے جا۔

سبق اپنی تعریف سن کر مغرور نہ ہو کہ اس طرح ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑے گا۔ بلکہ تمہیں شیخ حاتم اصم رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح بظاہر بہرہ ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ خلق خدا جو تیرے ساتھ بدگمانی رکھتی ہے وہ تجھے بیان کریں گے

تو تجھے اپنے عیوب معلوم ہوں گے اس میں ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جب تمہیں اپنے عیوب معلوم ہوجائیں گے تو تو انہیں دُور کرنے کی کوشش کرے گا اور اوصاف جمیلہ سے متزین ہونے کی جدوجہد کرے گا۔

ف: حقیقی عارف تو وہ ہے جو نہ کسی کی مدح سے خوش ہوا اور نہ کسی کی مذمت سے ناراض۔ کسی کی تعریف سے اُسے خوشی بھی کیسے ہو جب کہ وہ خود اپنے حال سے زیادہ واقف ہے اگر خوش ہوتا ہے تو اس جیسا فریب خوردہ کون ہوگا اور اُسے بھی صرف مدّعیٔ طریقت سمجھئے جو اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ احوال و معاملات میں اپنے سے زیادہ کسی کو نہیں مانتا۔ جب کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں تو دُنیا کے معاملات سے بالکل بے خبر ہوں۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے اندر ہزاروں عیوب ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا میں گزارنے والے کی مثال پانی میں چلنے والے کی ہے کہ وہ پانی میں بھی چلے اور قدم بھی تر نہ ہوں (یہ مشکل ہے) ایسے ہی دنیا میں گزار کر عیب سے خالی جائے) اس سے ان لوگوں کی جہالت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ جو دنیا کی نعمتوں سے تو بھرپور ہیں۔ لیکن پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے دِل بالکل پاک و صاف ہیں۔ اور ہم لوگ ظاہری طور تو دنیا کے معاملات سے منسلک ہیں لیکن ہمارے باطن اس سے کوسوں دُور ہیں یہ اُن کا شیطانی مکر ہے۔ اس کا یوں تجربہ کر لو کہ انہیں اگر اس حال سے دُور کر دیا جائے تو پھر دیکھنا کہ چیخیں گے کہ ہائے دُنیا ہم سے کیوں دور ہو گئی۔ جس طرح پانی میں چلنے والے کا پاؤں کا تر ہونا لازمی امر ہے۔ اسی طرح دنیا میں گزارنے والے کا قلب بھی ظلمت سے خالی نہ ہوگا بلکہ اس کا قلب تو دُنیا سے جکڑا ہوا سمجھو کہ اسے یہ تعلق حلاوتِ عبادت سے محروم رکھتا ہے۔

حکایت: حضرت شیخ ابو عبداللہ القرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایک نیک بخت سے شکایت کرنے لگے کہ جناب ہم عبادت تو کرتے ہیں لیکن دل میں لذت محسوس نہیں ہوتی۔ انہوں نے فرمایا کہ قلب میں حلاوت کیسے نصیب ہو جب کہ تیرے قلب میں شیطان کی بیٹی سکونت رکھتی ہے یعنی حُبِ دُنیا شیطان کی بیٹی ہے تو پھر باپ کو تو بیٹی کی ملاقات کے لیے آنا ہوگا۔ اور اس کی بیٹی کا گھر تیرا قلب ہے اور جب وہ داخل ہوتا ہے تو لازماً تیرے دل پر ظلمت چھا جاتی ہے۔

حکایت: حضرت داؤد علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو دُنیا کی محبت کو اپنے دل سے یکسر نکال دو۔ اس لیے کہ دُنیا اور میری محبت یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔

حکایت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے احباب سے فرمایا کہ مُردوں کے پاس نہ بیٹھا کرو کہ ان کی نحوست سے تمہارے دِل بھی مُردہ ہوجائیں گے۔ انہوں نے عرض کی مُردہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ دنیا سے محبت کرنے والے اور اس کی رغبت میں سرمست رہنے والے۔

برمرد ہشیار دنیا خسست — کہ ہر مدتے جائے دیگر کسست

منہ بر جہاں دل کہ بیگانہ ایست — چو مطرب کہ ہر روز در خانہ ایست

ترجمہ: (۱) ہوشیار انسان کی نگاہ میں دنیا ایک خس ہے کیونکہ ہر لحظہ اس کا گھر دوسرے کے ہاں ہے۔

(۲) اس جہان میں جی مت لگا یہ دنیا گانے بجانے والے گداگر کی طرح ہر نئے دن نئے گھر میں ہے۔

نہ لائق بود عشق باد برے

کہ ہر با مداوش بودے شوہرے

ترجمہ: اس پری پیکر محبوب سے عشق کا کیا فائدہ جس کا ہر نئی صبح کو نیا یار ہو۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا
إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّنَا
سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى
رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ
رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ
فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقٰتَلُوا وَقُتِلُوا
لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي
الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۟ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ
الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِينَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا
قَلِيلًا ؕ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ
اٰمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ ع

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے
لیے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے
ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے آگ سے بچا لے اے رب
ہمارے بے شک جسے تو دوزخ میں لے جائے اسے ضرور تو نے رسوائی دی اور ظالموں کا کوئی مددگار
نہیں اے رب ہمارے ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لیے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم
ایمان لائے اے رب ہمارے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں دور فرمادے اور ہماری موت اچھوں

کے ساتھ کر اے رب ہمارے اور ہمیں دے وہ جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی معرفت اور ہمیں قیامت کے دن رسوانہ کر بے شک تو وعدہ خلاف نہیں کرتا تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں کام والے کی محنت اکارت نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے میں ضرور ان کے سب گناہ اتار دوں گا اور ضرور انہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں اللہ کے پاس کا ثواب اور اللہ ہی کے پاس اچھا ثواب ہے اے سننے والے کافروں کو شہروں میں اہلے گہلے پھرنا تجھے دھوکہ نہ دے تھوڑا برتنا ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی برا بچھونا لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کی طرف کی مہمانی اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے لیے سب سے بھلا اور بے شک کچھ کتابی ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف اترا اور جو ان کی طرف اترا ان کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے اللہ کی آیتوں کے بدلے ذلیل دام نہیں لیتے یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔
بے شک آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں۔

شانِ نزول: اہل مکہ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اگر سچے نبی ہیں تو اپنے دعوے کی دلیل لائیے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آسمان و زمین ہر دونوں بڑی مخلوق ہیں اور کہا جاتا ہے کہ آسمان میں بہت بڑی مخلوق سے مراد سورج و چاند اور ستارے اور زمین کی بہت بڑی پیدائش پہاڑ۔ دریا اور درخت اور خوش الحان پرندے ہیں۔

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ (رات اور دن کا مختلف ہونا) رات کا جانا اور دن کا آنا۔ بعض نے کہا کہ اُن کے اختلاف سے ان دونوں کے رنگ متفاوت ہونا مراد ہے کہ گھٹتا ہے تو دوسرا بڑھتا ہے جب کہ سورج کو ہمارے زمانہ کے اعتبار سے قرب و بعد کی نسبت ہوتی ہے لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۔ (البتہ نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے) یعنی وہ صاحبانِ عقل اوہام و خیالات کے شائبہ سے خالص ہیں۔ اور اللب خالص عقل کو کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کا ایک ظاہر اور دوسرا لب یعنی مغز ہے اول الامر کو عقل کہا جاتا

ہے اور جب وہ پورے کمال کو پہنچ جائے تو اُسے لُبّ سے تعبیر کرتے ہیں اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ ۔ (وہ جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھ کر اور کروٹوں پر یاد کرتے رہیں۔ یہ اولی الالباب کی صفت ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام حالتوں میں یاد کرتے ہیں۔ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں یا لیٹے اس لیے کہ انسان تین حالتوں میں وقت گذارتا ہے وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اور وہ آسمانوں وزمینوں کی تخلیق میں تفکر کرتے ہیں) یعنی وہ ان دونوں کی پیدائش سے عبرت پکڑتے ہیں۔

سوال: صرف ان کی پیدائش میں تفکر کی تخصیص کیوں۔

جواب: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدائش میں تم تفکر کر سکتے ہو لیکن پیدا کرنے والے میں تفکر نہ کرو۔

سوال: خالق میں تفکر سے کیوں روکا گیا ہے۔

جواب: حقیقہ مخصوصہ کی معرفت طاقت انسانی سے باہر ہے اس لیے ذات خالق میں تفکر سے انسان کو فائدہ بھی کوئی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے
(۱) نفس۔

(۲) بدن اِس لیے اس کی عبودیت بھی نفس و بدن کے لحاظ سے ہے عبودیت بدن کو اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا میں بیان کیا گیا۔ اس لیے کہ یہ جوارح و اعضاء کے استعمال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور عبودیت قلب وروح کو یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض میں بیان کیا گیا ہے۔

حدیث شریف: حضرت عطاء بن ابی ریاح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ بی بی نے پوچھا یہ کون ہیں میں نے عرض کی یہ عبید اللہ بن عمر ہیں۔ بی بی نے فرمایا۔ مرحبا یا عبید اللہ بن عمر۔ پھر بی بی نے انہیں فرمایا کہ تم روزانہ کیوں نہیں تشریف لاتے۔ حضرت ابن عمر نے کہا کہ زُرغبا تزدد حبا (کسی کے پاس ناغہ کر کے جایا جائے تو اس سے محبت بڑھتی ہے) کے حکم پر پھر ابن عمر نے عرض کی آج ہمیں کوئی عجیب بات سنائیے۔ جو آپ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی ہو۔ بی بی رو پڑیں اور بہت روئیں پھر فرمایا کہ آپ کی تو ہر بات عجیب تر ہے ایک رات میرے ہاں تشریف لاکر میرے ساتھ آرام فرما ہو گئے۔ یہاں تک کہ میرا جسم آپ کے جسم سے مس کر رہا تھا۔ پھر مجھے فرمایا اے عائشہ اجازت دیتی ہو تا کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کروں۔ میں نے عرض کی مجھے تو آپ کی مرضی مبارک مطلوب ہے جسے کیا عذر ہے۔ آپ اُٹھے اور مشکیزے سے پانی لیا اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور رونے لگ گئے اور

اشارہ دئے کہ آپ کے آنسو مبارک بہہ کر سینہ تک پہنچ رہے تھے۔ پھر آپ اپنے داہنے پہلو پر سہارا کر کے بید ھاہاتھ چہرہ کی دائیں جانب رکھ کر روتے لگے۔ یہاں تک کہ آنسو زمین پر ٹپکنے لگے۔ اور صبح ہو گئی حضرت بلال صبح اذان دے کر آپ کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ جب بلال نے دیکھا کہ آپ سخت گریہ فرما رہے ہیں تو عرض کی حضورؐ! آپ کیوں روتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے بلال کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ پھر میرے لیے کیا ہے کہ میں نہ روؤں۔ جب کہ رات کو میرے ہاں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ ان فی خلق السمٰوٰت والارض الی قولہ فقنا عذاب النار بہت بڑا افسوس ہے اس کے لیے جو یہ آیت پڑھتا ہے لیکن اس میں تفکر نہیں کرتا۔

حدیث شریف: ایک گھڑی کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

شرح الحدیث: اس میں دو وجہیں ہیں۔

(۱) تفکر خود ذات تک پہنچتا ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے اجر تک۔ پھر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے وہ غیر اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے عمل سے افضل ہونا چاہیے۔

(۲) تفکر قلب کا عمل ہے اور عبادت جوارح کا اور ظاہر ہے کہ قلب جوارح سے افضل و اعلیٰ ہے بنا بریں اس کی عبادت بھی عبادت سے اشرف ہونی چاہیئے۔

ربط: اس کے بعد دعاء کی تعلیم فرمائی۔ اس میں تنبیہ ہے کہ دعا وہی قبول اور لائق استجابت ہے جس میں پہلے وسیلہ ہو اور وہ وسیلہ یہی ہے کہ انسان اپنی عبودیت کے آداب بجالائے اور عبودیت کے آداب یہی ہیں یعنی ذکر و فکر۔ پھر فرمایا "ربنا" یعنی وہ لوگ جو تفکر کر کے کہتے ہیں اے ہمارے رب۔ مَا خَلَقْتَ هٰذَا (تو نے اسے پیدا کیا) یعنی آسمانوں اور زمین کو۔

سوال: اگر اس سے آسمان اور زمین مراد ہیں تو مذکر کی ضمیر کیوں۔

جواب: چونکہ ان کا تعلق خلق سے ہے بنا بریں انہیں بتاویل مخلوق کے ضمیر مذکر اور واحد کی لائی گئی بَاطِلًا (باطل) یعنی تخلیق باطل اور عبث۔ اور ضائع عن الحکمۃ اور خالی عن المصلحۃ جیسے غافلین کی اوضاع اور تفکر سے روگردانی کرنے والوں کی کیفیت سے معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ تخلیق آسمانی وغیرہ بہت بڑی حکمتوں اور بہت بڑی بہترین مصلحتوں کی متضمن ہے منجملہ اس کے یہ ہے کہ بندوں کی معاش کا دارومدار اسی پر ہے اور یہ ہدایت کا بینا رہے کہ اس سے مبداء و معاد کے احوال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے رسل کرام اور کتب الٰہیہ نے بیان فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ اِس میں ذکر اللہ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے ذکر اللہ کے تین مراتب ہیں۔
① ذکر للسان۔
② تفکر بالقلب
③ معرفت بالروح۔ ذکر لسانی ذکر قلبی تک پہنچاتا ہے اور اسے تفکر فی قدرۃ اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذکر قلبی مقام روح تک پہنچاتا ہے اس سے ہی حقائق الاشیاء کی معرفت نصیب ہوتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حکمتوں کا مشاہدہ ہے مشاہدہ کے بعد بندہ کہتا ہے ربنا ما خلقت ہذا باطلا انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت ذکر الٰہی میں لسانی ذکر پر مداومت کرے تاکہ اس کے سبب سے ذکر قلبی تک رسائی نصیب ہو پھر ذکر روحانی حاصل ہو۔ اُس کے بعد ہی اسے یقین و معرفت میسر ہوگی اور وہ ظلمت جہل سے نجات پاکر نور معرفت سے منور ہوگا۔

ب: بعض نے فرمایا "لا الٰہ الا اللہ" کا معنیٰ عوام کے لیے ہے لامعبود الا اللہ اور خواص کے لیے لا موجود الا اللہ۔ اس لیے کہ سالک اس حالت میں بحر شہود میں غوطہ زن ہوتا ہے اس وجہ سے وہ اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں جانتا۔ بلکہ کسی کو موجود جانتا ہی نہیں۔ تفسیر الحنفی میں ہے کہ توحید کے چار مراتب ہیں۔

① لب۔
② لب اللب۔
③ قشر۔
④ قشر القشر۔

عوام کو سمجھانے کے لیے اس کی مثال اخروٹ کی دی جاتی ہے کہ اس کے مغز کے اوپر دو چھلکے ہوتے ہیں پھر اس مغز میں تیل ہوتا ہے اسے لب اللب کہا جاتا ہے توحید کا مرتبہ اوّل یوں ہے کہ انسان زبان سے کہے لا الٰہ الا اللہ لیکن دل اس سے غافل یا سرے سے توحید کا انکاری ہو جیسے منافق کی توحید کا حال ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ زبان کے ساتھ دل بھی کلمہ کے معنے کی تصدیق کرے۔ جیسے اہلِ اسلام تصدیق کرتے ہیں اسے اعتقاد کہا جاتا ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے اس کلمہ کا نورِ الٰہی کے واسطہ سے مشاہدہ بھی ہو۔ اس طرح کہ اشیاء کو آنکھوں سے ملاحظہ فرمائے۔ کہ ان کا صدور اللہ تعالیٰ واحد قہار سے ہو رہا ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ عالم وجود میں صرف ایک ہی وجود کا مشاہدہ کرے اور یہی صدیقین کا مشاہدہ ہے۔ یہی مقام فناء فی التوحید ہے۔ یعنی اب وہ اپنے نفس کے دیکھنے سے بھی فانی ہو چکا ہے۔ پہلا مرتبہ اس موحد کا ہے جو محض زبان سے توحید کا قائل ہے۔ یہ کلمہ اپنے صاحب کو دنیا میں تیر و تلوار سے بچاتا ہے یعنی ظاہری طور اُسے اہلِ اسلام کی طرف سے امان حاصل ہوگی۔ دوسرا مرتبہ اس موحد کا ہے جو اپنے قلب سے اس کلمہ سے اعتقاد بھی رکھتا ہے اور اس کے لفظی مفہوم کو بھی سمجھتا ہے اور اس کا دل جس عقیدہ پر جم گیا ہے اُس کی تکذیب

بھی نہیں کرتا۔ اس کا صرف قلب پر اثر رہے گا اسے انشراح و انفتاح نصیب ہوگا۔ البتہ یہ کلمہ اپنے صاحب کو عذاب آخرت سے محفوظ رکھے گا۔ بشرطیکہ اس کا اسی کلمہ پر خاتمہ اور معاصی سے عقدۂ قلبی کمزور نہ ہوگیا ہو۔ اس لیے کہ اس عقد قلبی کو چند ایسے عوارض ہیں جو اسے کمزور اور ضعیف کر دیتے ہیں۔ ان کا نام بدعت بیٹھ نہ۔ تیسرا مرتبہ اس موحد کا ہے جو صرف ایک ہی فاعل کو دیکھتا ہے۔ اور بس جب کہ اسے یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ فی الحقیقہ فاعل ایک ہی ہے یہ صرف اس لیے کہ اس نے اپنے قلب کو مجبور کیا ہے کہ وہ اس لفظ کی حقیقت کے مفہوم کے مطابق عقیدہ رکھے۔ یہ عقیدہ عوام اور متکلمین کا ہے اُن کے عقیدہ کی حقیقت میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ صرف فرق ہے تو ایک صفت میں کہ متکلمین اسے علم کلام سے ثابت کرتے ہیں۔ چوتھا مرتبہ اس موحد کا ہے جو صرف ایک کو ہی دیکھتا ہے۔ اور توحید کا یہی آخری اور انتہائی مقام ہے۔ پہلا مرتبہ اخروٹ کے پہلے چھلکے کی طرح دوسرا اخروٹ کے دوسرے چھلکے کی طرح تیسرا اخروٹ کے مغز کی طرح۔ چوتھا اخروٹ کے تیل کی طرح۔ جیسے اخروٹ کے پہلے چھلکے میں کسی قسم کا فائدہ نہیں بلکہ اگر کوئی اُسے چکھے تو اس میں سوائے کڑواپن کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اس کے اندر کی کیفیت بہت مکروہ ہے اور اگر اسے آگ میں ڈالا جائے تو وہ اسے جلادے گی اور اس سے دھواں ہی دھواں نکلے گا۔ اور اگر اسے گھر میں چھوڑا جائے تو الٹا گھر میں تنگی پیدا کرے گا۔ ہاں اس میں ہی فائدہ ہے کہ اسے اس حالت میں رکھا جائے تاکہ اخروٹ محفوظ رہ سکے۔ جب حفاظت کا مقصد حل ہو جائے تو اسے پھینک دیا جائے۔ اسی طرح صرف زبانی توحید سے کسی قسم کا فائدہ نہیں۔ بلکہ اُلٹا سخت نقصان ہے ظاہراً و باطناً ہر دونوں طرح مذموم ہے البتہ اتنا ہے کہ یہ کلمہ اس صاحب کو چند روز یونہی فائدہ دے گا۔ جیسے اخروٹ پر چھلکے نے چند روز حفاظت کے طور فائدہ پہنچایا۔ اسی طرح منافق کو موت تک یہ کلمہ فائدہ دے گا۔ یہ پہلے چھلکے کی طرح منافق کے جسم کو اہل اسلام کی تلوار سے بچائے گا۔ پھر موت کے وقت اس کے جسم سے اس کلمہ کا چھلکا اُتار لیا جائے گا۔ موت کے بعد منافق کو وہ کلمہ کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچائے گا۔ جیسے اخروٹ کا دوسرا چھلکا ظاہری طور فائدہ پہنچاتا ہے کہ پہلے چھلکے کی بہ نسبت اس میں بہت فائدہ ہے کہ یہ دوسرا چھلکا اخروٹ کے مغز کی حفاظت کرتا ہے بلکہ اُسے فاسد ہونے سے بچاتا ہے کہ اُسے اگر کئی عرصہ ذخیرہ بنا کر رکھا جائے اور اگر اسے مغز سے علیحدہ کیا جائے تو بھی اس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ اس سے ایندھن کا کام لیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس سے وہ فوائد نہیں حاصل ہو سکتے جو مغز سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کلمہ توحید پر صرف اعتقاد رکھنا اور اس سے مشاہدہ نصیب نہ ہو تو وہ اگرچہ مغز جیسا فائدہ نہیں پہنچا سکتا لیکن پھر بھی لسانی کلمہ ناقص القدر سے کئی درجے بہتر اور برتر ہے کہ اُس سے اگرچہ کشف اور وہ مجاہدہ نصیب نہیں ہوگا مگر اس سے انشراح و انفتاح صدر اور اشراق نور الحق حاصل ہوتا ہے یاد رہے کہ یہی انشراح صدر آیت۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔

اور فرمایا کیا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھولا تو اپنے رب کے نور پر ہے۔ ۱۲ -

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ۔ جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے ۔ ۱۲ ۔

میں مراد ہے پھر جیسے مغز چھلکے سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے اس لیے کہ وہی مقصود ہے لیکن نیل کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو مغز کے اندر ہے ۔ اسی طرح یہ توحید اس سے بہت کم مرتبہ ہے جس میں غیرت کا شائبہ اور کثرت کا وہم ہے ۔ اس کی توحید کا کیا کہنا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا تصور ہی نہیں ۔

مسئلہ:

آیت سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر جائز ہے ۔ اسی لیے بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ ذکر الٰہی میں کھڑے ہو کر قلوب کو راحت ملتی ہے اور سوائے ذکر الٰہی کے اور کوئی ان کی غرض نہیں ہوتی ۔ اور نہ ہی یہ خصوصی طریقہ بنا کر ظاہر کرنا چاہتے ہیں ۔ اگر اس طریقہ کی ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ۔ خلاصہ یہ کہ توحید کے ساتھ چند اور آداب وضع کئے جائیں لیکن وہ آداب کسی خصوصی طریقہ سے نہ ہوں تو پھر اس کی ادائیگی جیسے بھی ہو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر ہر طرح سے جائز ہے ۔

مسئلہ:

احادیث میں ذکر خفی کی بہت بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے اور اسے مستحب یعنی محبوبہ طریقہ بتلایا گیا ہے ۔

مسئلہ:

شارح کشاف نے فرمایا کہ ذکر الٰہی اخفاء و جہر بحسب مقام مختلف ہوتا ہے اور یہ شیخ کامل اور مرشد کے رائے پر موقوف ہے ۔ جیسے وہ مبتدی کو حکم فرمائیں ۔

ذکر جہر کے فوائد

① کبھی مبتدی کو جہری ذکر مفید ہوتا ہے ۔ اس لیے کہ قلب پر جو وساوس و خواطر راسخ ہو جاتے ہیں وہ ذکر جہری سے دفع ہوتے ہیں (شرح مشارق الانوار) یہی موافق ہے جو مظہر میں ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ذکر بالجہر جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ ریاء کے طور نہ ہو ۔

② ذکر جہری میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگ اس کے ذکر کو سن کر دین کی طرف راغب ہوں گے ۔

③ جہاں تک اس کے ذکر کی آواز جائے گی ان مکانوں اور دوکانوں اور گھروں وغیرہ میں برکت ہوگی جب کہ وہ ریاء سے خالی ہوں ۔

④ اس کے علاوہ دوسروں کو بھی شوق ہوگا تو وہ بھی اس کی موافقت میں ذکر کریں گے ۔

⑤ بالجہر ذکر کرنے والے کے لیے قیامت میں جہاں تک اس کی آواز پہنچے گی ہر تر اور خشک اشیاء اس کے

ایمان کی گواہی دیں گے۔

ذکر خفی کے فوائد بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ذکر خفی افضل ہے اس لیے کہ یہ ریا سے دور ہے لیکن ذکر بالجہر یا بالخفاء سب کا دارومدار نیت پر ہے۔ جس کی نیت نیک ہو اسے تلاوت قرآن پاک بالجہر کی طرح ذکر بالجہر افضل ہے۔ جیسے کہ ہم نے بیان کیا اور اگر وہ نفس پر ریا کا خطرہ سمجھتا ہے تو اسے ذکر خفی اولیٰ ہے تاکہ ریا کا شکار نہ ہو جائے۔

فیصلہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اگر اکیلا ہو اور ہو بھی خواص سے تو اس کے لیے ذکر خفی اولیٰ ہے اور اگر عوام میں سے ہے تو اس کے لیے جہری اولیٰ ہے اور اگر مجتمع ہو کر ذکر کریں تو انہیں بہت بڑی قوت سے اور بالجہر ذکر کرنا چاہیئے اس لیے کہ اس طریقہ سے دل کے حجابات آسانی سے اٹھتے ہیں اور ثواب زیادہ ملتا ہے اس لیے کہ ایک خود اس کے ذکر کرنے کا ثواب دوسرا ساتھیوں کے ذکر کے سننے کا ثواب۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ	پھر تمہارے دل اس کے بعد پتھر اور اس سے بھی
كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً	شدید تر سخت ہو گئے ۱۲۔

نکتہ:

قلوب کو پتھر سے تشبیہ دینے میں اشارہ ہے کہ جس طرح پتھر کو جب تک پوری قوت اگاکر نہ توڑا جائے نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح دل پر بھی جب تک ذکر الٰہی کی ضرب نہ لگائی جائے وہ رقیق نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی قوت ذکر کے حلقے اور اجتماعی طور پر ضربیں لگانے سے پیدا ہو سکتی ہے یہ صورت اس لحاظ سے بہت اعلےٰ ہے کہ بندہ تنہا دل پر ذکر الٰہی کی ضربیں لگائے بالاخفاء ذکر کرے۔ جیسے واعظ المعروف کاشفی نے فرمایا۔

گفتگوئے عاشقاں درکار رب	جوشش عشقست نہ ترک ادب
ہرکہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش	نہ ادب ماند و او نہ عقل و ہوش

ترجمہ: (۱) عشاق کا حق تعالیٰ سے بے دھڑک بولنا عشق کا جوش ہوتا ہے نہ کہ بے ادبی۔

(۲) جس نے حق کے پیالہ سے ایک گھونٹ پی لیا اسے نہ ادب سے تعلق نہ عقل سے نہ ہوش سے۔

سبق: مقصود اصلی یہ ہے کہ سالک سے اختیار سلب ہو جائے اور توحید میں غلبۂ وجد میں ایسے مستغرق ہو کر پھر اس کے اپنے حرکات و سکنات اور ارادوں کو کسی قسم کا دخل نہ ہو اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کسی نے کہا ہے سے

کار ناداں کو تہ اندیشیست
یاد کردن کسے کہ در ہشتیست ،

ترجمہ: نادان کا کام کوتاہ اندیشی ہے یاد وہ کرے گا جو ہوش میں ہے۔

اس لیے کہ جہر اور موحد کی حرکات وغیرہ اس کے مقام وحال کے لحاظ سے عنداللہ ممدوح ہیں۔ اس لیے کہ وہ اپنے اختیار سے کرتا ہے ہاں جو اپنے اختیار اور تکلف ایسے حرکات کا اظہار کرتا ہے تو ان سے مشائخ نے منع فرمایا ہے اور اپنی کتابوں میں اس کی مذمت فرمائی ہے۔

سبق: سالک کو ضروری ہے کہ ادب اور ہر شعبے کے اطوار کا ہر طرح خیال رکھے اور لمحہ بھر بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ رہے۔

تفسیر عالمانہ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ اے ہمارے رب بیشک جسے تو نار میں داخل کرے تو اُسے تو رسوا کرتا ہے۔ یعنی وہ رُسوائی کی انتہا کو پہنچتا ہے) اس کی نظیر وہ عبارت ہے جو اہل عرب بولتے ہیں۔ مَنْ اَدْرَكَ مرعی العمان فقد ادرک جو دوام کی چراگاہ پالیتا ہے تو وہ سب کچھ پالیتا ہے۔ یعنی اسے ایسی چراگاہ مل جاتی ہے کہ پھر اسے کسی اور کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس سے مستعاذ منہ (جس سے ڈرایا گیا ہے) کی ہولناکی کا اظہار مطلوب ہے اور تنبیہ ہے کہ اس وقت وہ لوگ سخت خوف میں ہوں گے اور اس بات کے طالب ہوں گے کہ کسی طریق سے اس سے بچ جائیں

مسئلہ:

اس سے معلوم ہوا کہ روحانی علاج بڑا ہیبت ناک ہوتا ہے وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (اور ظالمین کا کوئی مددگار نہیں) یہاں پر ظالمین سے جہنم میں داخل ہونے والے مراد ہیں۔ یعنی ان کا کوئی مددگار اور حمایتی نہ ہوگا۔ اس سے ان کا وہ حمایتی مُراد ہے جو ان سے قہر الٰہی اور عذاب کا دفیعہ کر سکے۔

مسئلہ:

اس سے شفاعت کی نفی نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ شفاعت سے عذاب اور قہر الٰہی کا دفیعہ بارگاہ حق میں عجز و انکسار اور سوال کے اظہار سے ہوگا۔ علاوہ ازیں نصرت کی نفی شفاعت کی نفی کو مستلزم نہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اے رب ہمارے بیشک ہم نے ندا دینے والے کو سُنا جو ندا دیتا تھا۔

سوال: فعل کا ایقاع مسمع (سنانیوالے سے) کیوں اور مسموع (جس کو ہم نے سُنا) کو محذوف کیوں کیا گیا۔

جواب: مُسمع (یعنی منادیاً) کو چونکہ اس مسموع یعنی ندا (ینادی) سے موصوف کیا گیا ہے اس بنا پر مسموع کو

محذوف کیا گیا اور منادی سے مراد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ درحقیقت وہی ایمان کی طرف بلاتے اور اس کی دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ اپنے رب کی طرف بلایئے ۱۲۔

اٰمِنُوْا (یہ کہ ایمان لاؤ) یہ اَنْ تفسیریہ ہو۔ اگر مصدریہ ہو تو عبارت ہوگی بِاَنْ آمِنُوْا بِرَبِّکُمْ اپنے مالک اور اپنے جملہ امور کے کارساز اور کمالات تک پہنچانے والے رب پر ایمان لاؤ) فَاٰمَنَّا ؕ (پس ہم ایمان لائے) یعنی ہم نے اُس کے احکام کی فرمانبرداری قبول کی اور اُس کی ندا کا جواب دیا۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے۔ یعنی ہمارے کبیرہ گناہ بخش دے۔

سوال: فاغفرلنا میں فاء تعقیب کیوں۔

جواب: گناہوں کی بخشش سے پہلے ایمان لانا ضروری ہے اس لیے کہ پہلے ایمان کا حکم پھر فاء تعقیب کی لاکر گناہوں کے بخشنے کا سوال بتایا گیا۔ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا اور ہمارے صغیرہ گناہ معاف فرمادے۔

مسئلہ: کبیرہ گناہ سے بچنے والے کے صغیرہ خود بخود معاف ہو جاتے ہیں۔ وَتَوَفَّنَا اور ہمیں فوت کر یعنی ہمارے ارواح قبض فرما مَعَ الْاَبْرَارِ (نیک لوگوں کے ساتھ یعنی کہ جن کی صحبت برکت اور جن کی رفاقت رحمت یعنی اُن کے زمرہ سے بنا۔

ف: یہاں معیت سے معیت زمانی مراد نہیں۔ کیونکہ وہ بالبداہۃ محال ہے۔ اس لیے کہ وفات یک وقت تو (عادتاً) نہیں ہوتی بلکہ بالتعاقب (یکے بعد دیگرے) ہوتی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہمیں ابرار (نیک لوگوں) کے اوصاف سے موصوف فرما۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے مشتاق رہتے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق ہوا اس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص ایمان کے شعار پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ اسے اولیاء کرام کی رفاقت عطا کرکے بہشت سے نوازے گا۔

سبق: مبارکباد کے مستحق ہیں وہ حضرات جو حق سن کر اُسے قبول کرکے اور اُس کی اتباع کرتے ہیں اور وہ بھی مبارکباد کا مستحق ہے جو ہر نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش میں رہتا ہے حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

نصیحت گوش کن جاناکہ از جان دوست تر دارند

جوانان سعادت مند پندِ پیر دانا را

ترجمہ: نصیحت کو لے پیارے دل میں جگہ دے اس لیے بوڑھے دانا کی نصیحت کو سعادتمند نوجوان جان سے بھی زیادہ پیارا سمجھتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

بگو آنچہ دانی سخن سود مند	دگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں بر آرد خروش	کہ چرا حق بکردم بگوش

ترجمہ: (۱) جو نفع بخش بات کہنا چاہتے ہو کہہ دو، اگرچہ کسی کو پسند آئے یا نہ۔

(۲) وہ کل قیامت کو شور کرے گا کہ میں نے کیوں حق کو قبول نہ کیا۔

حکایت: حضرت ابُو عامر واعظ نے فرمایا کہ میں مسجد نبوی (علی صاحبہ السلام) میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک نوجوان تشریف لایا اور اس نے ایک خط مجھے دیا جس میں لکھا تھا۔ اے بھائی ابُو عامر اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے مجھے آپ کی تشریف آوری سے خوشی ہوئی۔ آپ کی ملاقات کا مجھے بیحد شوق ہے (اگر زیارت کرا جائیں تو نہ ہے کرم) میں اس نوجوان کے ساتھ ہولیا۔ ہم ایک ویران گھر پہ پہنچے۔ جس کا دروازہ چھپڑوں کا تھا۔ اس میں ایک بہت ضعیف العمر آدمی تھا وہ چلنے پھرنے سے عاجز تھا۔ قبلہ کی طرف منہ کرکے بیٹھا ہوا نہایت غمگین تھا۔ اُس پر خشیت ایزدی کے آثار تھے۔ رُو رُو کے آنکھیں دبے بیٹھا تھا۔ میں نے کہا "السلام علیکم۔ اُس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ اس نے مجھے فرمایا کہ اے ابُو عامر مجھے تمہارے وعظ سننے کا بیحد شوق ہے اور میں چاہتا تھا کہ کبھی آپ کا وعظ سُنوں میری ایک روحانی بیماری ایسی ہے کہ جس کے علاج سے تمام واعظین تنگ آگئے ہیں میں نے کہا کہ اے شیخ اپنی قلب کی آنکھ سے آسمان کے ملکوت کو دیکھئے اور اپنے ایمان کی حقیقت کے ساتھ جنت الماویٰ کی طرف منتقل ہوجائیے پھر دیکھئے وہی مراتب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں (ولیوں) کے لیے تیار فرمائے ہیں اس کے بعد جلانے والی نارِ جہنم کو بھی دیکھئے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بدبختوں کے لیے تیار فرمائی ہے۔ ان دونوں مرتبوں کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہ دونوں گروہ مراتب سے لحاظ سے برابر نہیں ہو سکتے۔ جب اس بوڑھے نے میرا وعظ سُنا تو چیخا اور بہت سخت رویا۔ اور کہا واللہ آپ کے رُوحانی وعظ نے میری بیماری کو فائدہ پہنچایا ہے نلہذا اور فرمائیے اللہ تعالےٰ آپ پر رحم فرمائے۔ پھر میں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ تمہارے ہر راز سے آگاہ ہے اگرچہ لاکھوں پردوں میں چھپ کے کوئی فعل سرزد ہو گا تب بھی وہ اس سے مطلع ہو جائے گا۔ پھر تیرے ظاہر سے بھی اسے بے خبری نہیں بوڑھے نے جب میری یہی بات سنی تو پھر چیخا اور پہلے سے بھی بہت زیادہ رویا

اور روتے روتے زمین پر گرا تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ اس کے بعد اس کے جھونپڑے سے ایک نوجوان لڑکی نکلی جو برقع اوڑھے ہوئے تھی۔ اور اس کا صوفیانہ اُونی لباس تھا۔ اس سے عبادت کے آثار ٹپکتے تھے اور مجھے کہنے لگی۔ برکت ہو تیرے قول میں کہ تم عارفین کے قلوب کے معالج ہو۔ یاد رہے کہ یہ بابا بوڑھا میرا والد ہے اور وہ رُوحانی بیماری میں بیس سال سے بیمار تھا اور اس تمنا میں تھا کہ کسی طریق سے وہ ابوعامر کا وعظ سُن کر اپنا مردہ دل زندہ کرے اور دل پر چھائی ہوئی غفلت دُور ہو۔ اس بابا سے میں نے دوبارہ سُنا کہ وہ کہہ رہا تھا۔ کہ تو نے مجھے مار ڈالا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بہتر جزا عطا فرمائے۔ پھر وہ نوجوان لڑکی اپنے باپ پر ٹوٹ پڑی اور اس کے چہرے پر بوسہ دے کر رونے لگی۔ میں نے اُسے کہا اے رونے والی کیوں روتی ہے تیرے باپ کا قصہ تمام ہوا۔ وہ فانی دنیا سے کوچ کر کے دارالبقا میں پہنچ گئے اگر اُس کے پاس نیکی کی پونجی ہے تو انہیں مبارک اگر برائیوں سے ملوث تھا تو اسے سزا ملے گی۔ یہ سُن کر وہ لڑکی بھی چیخ مار کر مر گئی۔ میں ان دونوں کی موت سے سخت غمگین ہوا۔ پھر میں نے اُن دونوں کو خواب میں دیکھا کہ بہشت کے بہترین اور اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور ان دونوں پر سبز رنگ کی پوشاکیں ہیں۔ میں نے بوڑھے بابا سے پوچھا کہ کیا حال ہے تو اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

انت شریکی فی الذی ملته   فقم و شاهد یا ابا عامر

و کل من ایقظ ذا غفلته   فنصف ما یعطاه الامر

ترجمہ: (۱) اے ابوعامر جو مراتب ملے ہیں اُس میں تو بھی میرا شریک ہے ذرا آگے بڑھ کر خود آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) کیونکہ شریعت کا فیصلہ ہے کہ جو شخص جس غافل کی غفلت دور کرے تو آدھا حصہ ثواب کا اُس نصیحت کرنے والے کو نصیب ہوتا ہے۔

اُس کے بعد کہا کہ میں جب اپنے رب کریم کے حضور میں حاضر ہوا تو وہ مجھ سے راضی تھا۔ اور اُس نے مجھے اپنے فضل و کرم سے بہشت میں جگہ دی اور بہت بڑی حسین و جمیل حور عطا فرمائی۔ پس اے عامر تم اپنے رب غفور کی بارگاہ سے استغفار بھیجو اور شب و روز اور صبح و شام طلب مغفرت کے ساتھ اخیار و ابرار کی عادتوں کے حصول کی دعائیں مانگیے۔

سبق: جو اچھی بات سے نصیحت حاصل کرتا ہے تو سمجھو کہ وہ منادی حق پر ایمان لاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے عبد مقدس نے فرمایا ویسے ہی عمل کرتا ہے تو وہ جہنم سے نجات پا گیا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے جناب سے مغفرت و رحمت نصیب ہو گی۔

حکایت: ایک لوہار گرم لوہے کو ہاتھ میں رکھ لیتا تھا۔ لیکن ہاتھ نہ جلتا تھا۔ اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اس

نے کہا کہ میں ایک عورت پر عاشق تھا اسے میں نے اپنی طرف خوب راغب کیا۔ لیکن وہ نہ مانی۔ اگرچہ میں نے مال کی بھی لالچ دی۔ لیکن اس نے یوں انکار کر کے ٹال دیا کہ میرا شوہر موجود ہے اور مجھے ہر طرح کی سہولت پہنچاتا ہے مجھے کسی قسم کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد میں نے سنا کہ اس کا شوہر فوت ہو گیا ہے تو پھر میں نے اسے نکاح کا کہا پھر بھی اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں دوسرا شوہر کر کے اپنی اولاد کو ذلیل کرنا نہیں چاہتی اس کے بعد ایک عرصہ اسے تنگدستی نے تنگ کیا تو اس نے مجھے کہلوا بھیجا کہ بطور قرض دیجئے۔ میں نے کہا جب تک تو میرا کام نہیں کرے گی میں تجھے کچھ نہیں دے سکتا۔ جب اس کے ساتھ اس معاہدہ کے طور پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی کانپنے لگی۔ میں نے پوچھا کیوں۔ کہنے لگی مجھے اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے اسے چھوڑ دیا تو اس نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تجھے آگ سے بچائے۔ اس وقت سے مجھے دنیا کی آگ نہیں جلاتی اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ مجھے جہنم کی آگ بھی نہیں جلائے گی۔

گناہوں سے بچنے کا نسخہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور یاد کرے کہ ایک دن میں نے اس کے ہاں حاضر ہونا ہے تو اس سے گناہ صادر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ گناہوں پر جرأت کر سکتا ہے۔ پھر وہ جہنم سے نجات پا کر بہشت کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

وظیفہ حل مشکلات حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کثرت سے استغفار اور اس پر مداومت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات دے گا۔ اور اسے ہر تنگی سے چھٹکارا نصیب ہو گا اور رزق میں وسعت ہو گی اور غیب سے اسی طرح سامان میسر ہوں گے کہ اسے معلوم تک بھی نہ ہو گا۔

دعا مانگنے کے فوائد دعا عبادت کا مغز ہے اور اس کا دنیوی نفع یہ ہے کہ آفات دفع ہوں گی۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذریعے بہترین ہدایا عطا فرمائے گا۔ اور حکم ہو گا۔ کہ یہ ہدایا تیری اس دعا کا بدلہ ہے جو تو نے دنیا میں مانگی تھی ؎

از آستانِ حضرتِ حق سر چرا کشم
دولت دریں سرا و کشائش دریں درست

ترجمہ: درگاہ حق سے سر کیسے پھیروں جب کہ دولت یہاں ہے اور وہ حاصل بھی یہاں سے ہوتی ہے

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر چہ خواہد گو بگو
کبر و ناز و صاحب و دریں درگاہ نیست

ترجمہ: جو چاہے کہہ اور تو پھر کہہ نہ کہہ یہ درگاہ ایسی ہے کہ یہاں کبر و ناز نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری امیدیں برلائے اور دعائیں قبول فرمائے۔ اور وہی دے جو ہمارے لیے اس میں دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی ہو رَبَّنَا وَ اٰتِنَا اے ہمارے رب ہمیں عطا فرما مَا وَعَدْتَنَا عَلٰی رُسُلِكَ جو تو نے ہمارے ساتھ اپنے پیغمبران عظام علیہم السلام کے واسطہ سے وعدہ فرمایا۔ یعنی اُن کی تصدیق کرنے پر یا اُن کی زبانوں سے ثواب و کرامت کا وعدہ فرمایا وَلَا تُخْزِنَا اور ہمیں رسوا نہ کرنا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت میں اس کے تقاضوں سے بچانا اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔
المیعاد۔ وَعْدٌ کا اسم مصدر ہے۔

سوال: اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خلافِ وعدہ کا امکان ہے۔

جواب: خلاف وعدہ کے امکان کی بات نہیں بلکہ یہ اس بنا پر ہے کہ انہیں اپنا خوف ہے کہ کہیں ہم اس کے نااہل نہ ہوں۔ اور ہمارا بُرا خاتمہ خراب نہ ہو یہ اُن کی تفرع و عاجزی کی دلیل ہے۔

ف: دُعا سے مقصد یہ ہے کہ بندے اپنی ثابت قدمی کی طلب اور تعبد و خشوع کا اظہار کریں۔

ف: وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ " وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ[1] کے موافق ہے۔

ف: کبھی انسان گمان میں ہوتا ہے کہ میں اپنے عقائد میں برحق اور میرے اعمال صالحہ ہیں لیکن جب قیامت میں حاضر ہوگا تو معاملہ برعکس ہوگا کہ اس نے گمراہ ہو کر زندگی گزاری اور اس کے تمام اعمال گناہ تھے۔ جس کی وجہ سے اسے بہت بڑی خجالت اور شرمساری ہوگی۔ اور افسوس کے ہاتھ ملے گا۔ یہ عذاب روحانی کہلاتا ہے۔ یہ عذاب جسمانی سے سخت تر ہوگا۔

ف: آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی حکایت فرمائی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پانچ دعائیں مانگی ہیں۔ جن کا تمام جسمانی سے احتراز ہے فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اس پر دال ہے اور اس کا آخر عذاب روحانی سے نجات پر دلالت کرتا ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے۔ جدائی نار کے جلانے سے سخت تر ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ہے ؎

---

[1] اور انہیں ظاہر ہوگا جس کا وہ گمان تک نہ کرتے تھے ۱۲۔

جو دوراں و ہرآں رنجے ہست

سہلتر از بُعد حق و غفلتست

ترجمہ: زمانے کا ظلم وستم اور دکھ درد جو کچھ بھی ہے غفلت اور حق کی دوری سے درجہا بہتر ہے۔

گر جہاد و صوم سختست و خشن

لیک ایں بہتر زبُعد ممتحن

ترجمہ: اگرچہ جہاد اور روزہ بظاہر سخت اور مشکل ہیں لیکن کریم کے بُعد سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔

سبق: مومن کو چاہیئے کہ طاعات میں سرگرم رہے تاکہ اُسے ان لوگوں میں شمولیت نصیب ہو جنہیں اللہ تعالے نے کرامات سے نوازا ہے۔

حدیث شریف: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں بہشت کے دریچوں کا حال سناؤں۔ ہم نے عرض کی سنائیے آپ نے فرمایا بہشت میں ایسے دریچے ہیں کہ جن کا اندر باہر سے اور باہر اندر سے نظر آتا ہے اور اُن کے اندر ایسی نعمتیں اور لذتیں ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سُنا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کن لوگوں کو نصیب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ اس کے لیے ہوں گے جو اسلام علیکم کی سنت پر عمل کرتا ہے اور بھوکوں کو طعام کھلاتا ہے اور روزں پر مداومت کرتا ہے اور رات کو نماز پڑھتا ہے۔ جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔

حکمت کی باتیں حضرت ابوبکر وراق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے چار چیزوں کو طلب کیا تو انہیں چار چیزوں میں پایا۔

① اللہ تعالیٰ کی رضا کو اس کی اطاعت میں۔

② رزق کی وسعت کو اشراق کے نوافل میں۔

③ دین کی سلامتی زبان کی حفاظت میں۔

④ قبر کی روشنی رات کی نماز میں۔

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہشت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والا وہ ہوگا جو کبھی چلتا ہوگا کبھی گرتا ہوگا۔ کبھی اسے جہنم کی آگ گھیرے گی بالآخر اس طرح سے جہنم کو پار کر جائے گا۔ تو پھر پیچھے مڑ کر جہنم کو دیکھ کر کہے گا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مجھے جہنم سے نجات عطا فرمائی اور مجھے وہ نعمت ملی جو اگلے پچھلے لوگوں میں سے کسی کو نہ ملی ہوگی اس کے بعد اس کے سامنے ایک گھنہ دار اور بڑے سایہ والا درخت نمودار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ الٰہ العلمین یہی درخت

میرے قریب کر دے۔ پھر اور کوئی سوال نہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ وہی درخت اس کے قریب ہو گا اس کے بعد اس سے بڑی اور لمبا درخت ظاہر ہو گا جو پہلے سے بھی زیادہ طویل ہو گا۔ عرض کرے گا یا اللہ العلمین یہ بھی میرے قریب کر دے۔ وہی درخت اس کے قریب ہو گا۔ جب اس کے قریب ہو جائیں گا تو بہشتوں کی آواز سنے گا عرض کرے گا یارب العلمین اگر مجھے ان کے ہاں پہنچائے تو پھر اس کے بعد کوئی سوال نہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم زادے کیسا دھوکہ باز ہے کہ وعدہ کر کے پھر جاتا ہے۔ اے ابن آدم! کیا تجھے منظور ہے اگر میں تجھے دنیا اور اس کے مثل اور عطا کروں۔ عرض کرے گا یا اللہ تو میرے سے ہنسی کرتا ہے یہ تیرے لائق نہیں تو رب العلمین ہو کر ایسی بات فرماتا ہے۔ یہ حدیث بیان کر کے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ہنس پڑے۔ لوگوں نے پوچھا۔ اے ابنِ مسعود آپ ہنستے کیوں ہیں انہوں نے فرمایا یہی واقعہ حضور علیہ السلام بیان کر کے ہنسے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی کیوں ہنسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (اپنے شان کے لائق) اس کی بات سے ہنسا اور اس بندے سے فرمائے گا میں ہنسی مذاق نہیں کرتا۔ بلکہ میں قادر ہوں جیسے چاہوں کر سکتا ہوں (یعنی تجھے اتنا بہت نعمت عطا کر دوں تو میرے لائق ہے۔

حکایت: حضرت مَعرُوف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے والدین اور اُستاد نصرانی تھے وہ آپ کو کہتے کہو معروف وہ ثالث ثلاثہ" یعنی حضرت عیسیٰ تیسرا خدا ہے۔ حضرت معروف کہتے۔ اللہ الصمد۔ اس پر ان کو استاد خوب مارتا۔ ایک دن حضرت معروف استاد کی مار سے بھاگ نکلے۔ ماں باپ کو بیٹے سے محبت تھی کہا کہ بیٹا واپس آ جائے جو دین وہ لائے گا ہمیں قبول ہے۔ معروف کرخی دینِ اسلام قبول کر کے واپس ہوئے تو آپ کے والدین بھی مسلمان ہو گئے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہم کلامی کا براہ راست شرف بخشے گا۔ پھر وہ بندہ اپنے دائیں دیکھے گا تو اسے وہی نظر آئے گا جو اس نے عمل کیا۔ اسی طرح بائیں جانب دیکھے گا تو بھی پھر فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بھی طاقت رکھتا ہے وہ جہنم سے بچنے کی کوشش کرے۔ اگرچہ کھجور کے ایک چھلکے سے ہی (یعنی اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرے اور نیک عمل کرے)

حکایت: ایک کافر بڑھیا کی عادت تھی کہ موسم سرما میں پرندوں کو دانے چُگاتی۔ اسے حضرت ذُوالنُّونِ مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دشمن دین سے کوئی نیکی قبول نہیں کرتا۔ پھر اُسے چند روز کے بعد دیکھا کہ وہ کعبہ معظمہ میں تھی اور اسلام قبول کر چکی تھی۔ اُس کافرہ نے حضرت ذُوالنُّون رحمۃ کو دیکھ کر کہا کہ جو کچھ تو نے دیکھا تھا اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے مجھے دولتِ اسلام سے نوازا ہے

بے کرم آدمی نہ از بشر است　　از شجر بلکہ از حجر بتر است

شجرے کہ نہ دہد ثمرے　　معتبر نیست لائق تبر است

ترجمہ : (۱) جود و سخا کے بغیر انسان آدمی زادہ نہیں وہ درخت بلکہ پتھر سے بدتر ہے۔

(۲) وہ درخت جو پھل نہ دے وہ بے قدر ہے بلکہ وہ کاٹنے کے لائق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم سے نجات اور سخیوں اور نیک لوگوں کے ساتھ بہشت عطا فرمائے۔

تفسیر عالمانہ

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ ۔ پس قبول کیا اُن کے رب نے یعنی اُن کی طلب کے مطابق انہیں اُن کا مطلوب عطا فرمایا۔

اجابت و استجابت میں فرق استجابت اجابت سے اخص ہے اس لیے کہ اجاب بمعنے اعطاء الجواب ہے یعنی اس کے سوال کا جواب عطا فرمایا۔ اور یہ بھی مطلوب عطا کرنے پر ہوتا ہے اور کبھی اس کے بغیر اور استجاب اس وقت ہوتا ہے جب کسی کو مطلوب عطا کر دیا جائے اور یہ متعدی ہوتا ہے۔ بلا واسطہ بھی اور لام کے ذریعہ سے بھی اُنیٓ بیشک میں۔ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔ عمل سے یہاں وہی مراد ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے یعنی اُن کا ذکر ہر حال میں مواظبت اور بطور استدلال یا بطور اعتبار اس کی مصنوعات پر تفکر اور اُس کی ربوبیت کا اعتراف کر کے اس کی تعریف کرنا اور خلق باطل سے اسے منزہ جاننا اور دعاؤں میں مشغول ہونا ان اعمال کو دُعا کی قبولیت کے سبب بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا کی قبولیت کے لیے ان اعمال کی تقدیم شرط ہے۔

ولی اللہ کی شان اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی شان رکھتے ہیں تو جس سے یہ اعمال صادر ہوتے ہیں۔ تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ذو عزت اور مستجاب الدعوہ ہے مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ یہ مِنْ بیانیہ ہے جو عامل کے بیان کے لیے واقع ہوا ہے یا اُس کے عموم کے لیے تاکید واقع ہوا ہے کیونکہ عاملٌ عام ہے۔

مسئلہ : آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ اجابت فی الدعا اور ثواب میں مرد و عورت میں کسی قسم کا فرق نہیں۔ یعنی تمسک بالطاعۃ علی التوجہ اور الفضل فی باب الدین بالاعمال میں برابر ہیں۔ نہ باقی صفات میں۔ اس لیے کہ مرد عورت سے افضل ہے نیز بعض نسباً خسیس ہوتے ہیں۔ ان سے شریف افضل ہوتے ہیں لیکن یہ بات کسی قسم کا اثر نہیں ڈالتی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ اس لیے کہ بعض مرد عورت سے اور عورت مرد سے اچھے ہوتے ہیں۔

ف : حضرت امام رازی فرماتے ہیں کہ لفظ مِنْ میں کئی وجوہ ہو سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ مِنْ بمعنے کاف ہے

یعنی بعض تمہارے طاعت پر ثواب کے لحاظ سے اور معصیت پر سزا کے لحاظ سے بعض کی طرح ہیں ۔
ف : حضرت قفال نے فرمایا کہ اس کی نظیر وہ ہے جو اہل عرب کہتے ہیں ۔ فلان منی یعنی فلاں میرے خلق اور میری سیرت پر ہے[1] اور یہ جملہ معترضہ ہے ۔
مسئلہ : آیت میں بیان فرمایا گیا ہے عمل کرنے والے مرد ہوں یا عورت عمل کے ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔

شانِ نزول بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، ہجرت کے متعلق قرآنِ پاک میں مردوں کا ذکر تو ہے لیکن عورتوں کا نام نہیں لیا گیا ۔ اس کی وجہ کیا ہے ۔ اس پر آیت اتری اِنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ الخ یعنی جیسے بعض تمہارے بعض سے ہیں ۔ ایسے ہی ثواب عمل میں تم برابر ہو کہ عورت کو نیک عمل کا وہی ثواب ملے گا جو مرد کو نصیب ہونا ہے ایسے ہی بالعکس ۔ ایسے نہیں کہ میں (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) بعض کو ثواب دوں اور بعض کو محروم کر دوں ۔
فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا ۔ وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اس میں عمل کرنیوالوں کی تفصیل ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ان کے نیک اعمال پر ان کیلئے کتنا ثواب تیار ہے اور پھر ان کے ثواب پر ان کی مدح اور ان کی عظمت بتائی گئی ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہی احسن و اعلیٰ اعمال کئے ہیں ۔
ف : ہجرت ابتدائی وطن کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف جانا یعنی دار الفتنہ کو چھوڑ ہو کر دار الاسلام میں جانا ۔
وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ اور وہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ۔ یعنی وہ جہاں پیدا ہوئے اور پرورش پائی کفار کی ایذاء سے مجبوراً نکالے گئے ۔
ف : حضرت امام نے فرمایا کہ ۔
الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا سے وہ مراد ہیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلے گئے اور الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وہ جنہیں کفار نے مکہ معظمہ کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا ۔
اس میں شک نہیں کہ رتبہ کے لحاظ سے پہلے دوسروں سے افضل ہیں ۔ اس لیے کہ ان حضرات نے صرف حضور علیہ السلام کی خدمت اور ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اپنے اختیار سے ہجرت کی وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ اور وہ میرے راستہ میں ایذاء دیئے گئے یعنی سبیل حق اور دین میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے ایذاء دیئے گئے
ف : اہل اسلام کو جتنی مشرکین عرب نے اذیتیں پہنچائیں یہ سب کو شامل ہے وَقَاتَلُوۡا اور اللہ تعالیٰ کے

---

[1] الحسین منی و انا من الحسین۔

راستہ میں کفار سے جنگ کی وَقُتِلُوْا۔ اور جنگ میں شہید ہوئے لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ہم ان کے گناہ معاف کر دیں گے یہاں قسم محذوف ہے یعنی وَاللّٰهِ لَاُكَفِّرَنَّ الخ یعنی بخدا ہم ان کے تمام گناہ مٹا دیں گے۔ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا اور ہم انہیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

ثواب وعطا میں فرق ثواب اُس کو کہتے ہیں جو نیک عمل کے اجر میں دی جائے اور عطا اُسے کہا جاتا ہے جو بلا عوض کسی کو عنایت کی جائے۔

ف: کبھی ثواب کو منزلہ مصدر کے قائم مقام رکھا جاتا ہے۔

ترکیب: یہاں پر ثواب مصدر مؤکد (مفعول مطلق) واقع ہوا ہے بمعنے اثابۃً اس لیے کہ تکفیر سیات و ادخال جنت کا دوسرا نام اثابۃً ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم انہیں نیک اعمال کی وجہ سے بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ثواب کی صفت ہے اور من عند اللہ کا عنۃ کے متعلق ہے ثواب کو من عند اللہ سے موصوف کر کے اس کی عظمت کا اظہار مطلوب ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ بادشاہ جو عظیم شان رکھتا ہو اگر وہ کسی نوکر سے کہے کہ میں تجھے اپنی طرف سے خلعت عطا فرماؤں گا تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ بادشاہ اپنے نوکر کو عظیم الشان خلعت عطا فرمانے والا ہے پھر اس ثواب کی عظمت کو مزید یوں مؤکد فرمایا کہ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین اجر و ثواب ہے۔ یعنی طاعات پر بہترین جزاء عطا فرماتا ہے اور وہ اس پر قادر بھی ہے۔ اس سے بہشت کی نعمتیں مراد ہیں جو دائم البقاء ہیں نہ کہ دنیا کی نعمتیں جو کہ فنا ہونے والی ہیں سے

نعیم آخرت باقیست اے دل
خنک آنکس کہ باشد عبد مقبل

ترجمہ: آخرت کی نعمتیں اے دل باقی ہیں۔ وہ آدمی بڑا خوش قسمت ہے جو اپنے مالک کی طرف رجوع رکھتا ہے۔

مسئلہ مخفی مباد! کہ یہ بہت بڑا اجر و ثواب انہیں نصیب ہوگا۔ جو ان ہر تینوں یعنی مہاجرت اور وطن سے بے وطن اور کفار مشرکین سے اللہ تعالیٰ کے راہ میں ایذاء اور کفار کو مارنے اور شہید ہو جانے کا جامع ہو۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ وطن نفس اور بُرے اعمال اور گندے اخلاق سے دوری بلکہ طبیعت کے عالم سے نکل کر حقیقت کے ملک میں سکونت اختیار کرے تاکہ اسے مقام عندیہ خاصہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہو۔ اس لیے کہ مجاہدات کے ثمرات مشاہدات ہیں اور عمل صالح سے نیک خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبادت (خصوصاً مشتجری) میں بہت جدوجہد فرماتے چنانچہ سردیوں میں مکان کی چھت پر چڑھ کر عبادت میں مصروف رہتے تاکہ نفس کو سزا ملے اور گرمیوں میں گھر کے اندر چھپ کر تاکہ سخت سے سخت گرمی سے نفس کی سرکوبی ہو۔ اور مرتے دم تک اُن کی یہی عادت رہی اور سجدے میں تھے کہ رُوح پرواز کر گئی اور اس حالت میں اپنے مالک سے جا ملے اور بہشت میں جا کر سانس لیا۔

سبق: اسے کہتے ہیں حقیقی جدوجہد:

نفس کی سرکوبی اگر عبادت کی مشقت سے کسی کا نفس اعراض کرے تو اسے اسلاف کے حالات سامنے رکھنے چاہیئے اور نفس کو بتلائے کہ بزرگوں نے اس میں کتنے دُکھ اٹھائے۔ اے نفس تو کون لگتا ہے کہ عبادت سے منہ موڑتا ہے۔ پھر اُسے ایسے نیک لوگوں کے واقعات وحکایات سنائے تاکہ وہ طاعت اور عبادت کی جدوجہد میں سر تسلیم خم کرے اس لیے کہ اس میں بہت بڑے منافع بھی ہیں۔ اور نفس کو تابع کرنے میں اثر بھی ہوتا ہے حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے

ہجوم نفس د ہوا سپاہ شیطانند	چو زور بر دِل مرد خدا پرست آرد
بجز جنود حکایات رہنمایا نخود	چہ تاب آنکہ بُراں رہبر شکست آرد

ترجمہ: نفس وخواہشات شیطان کی فوج ہے جب ان کا خدا پرست بندے پر حملہ ہوتا ہے تو سوائے حکایات کے لشکر کے یا رہبر کے کسی کو طاقت نہیں کہ انہیں شکست دے سکے۔

نفس امارہ کا سوال اور جواب اگر نفس سرکش سوال کرے کہ وہ حضرت تو بہت بڑے صاحب قوت تھے۔ اخلاف کو اسلاف سے کیا نسبت کہ ان کی طرح اتنا بہت جدوجہد کر سکیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفس کو سمجھائے کہ عورتیں بھی اس طرح کی جانگدازی و دِلسوزی کر گئیں کیا وہ ضعیف البنیان نہ تھیں لیکن مجاہدات وعبادات سے اسلاف کے نقش قدم پر چل گئیں۔ یہاں تک کہ اہل اللہ مَردوں جیسے انہیں مراتب بھی نصیب ہوئے کسی بزرگ نے فرمایا ہے

وَلَوْ كَانَ النِّسَآءُ كَمَنْ ذَكَرْنَا	بفضلت النساء على الرجال
فلا التانيث لاسم الشمس عيب	ولا التذكير فخر للهلال !

ترجمہ: (۱) اگر عورتیں ایسی ہوں جیسے ہم نے بیان کیا تو پھر ایسی عورتوں کو (بعض) (مردوں) پر فضیلت ہے
(۲) اس لیے کہ تانیث شمس (سورج) کے لیے نہیں اور نہ ہی تذکیر ہلال (چاند) کے لیے موجب فخر ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

زمانے کہ طاعت برغبت برند زمردان نا پارسا بگذاند
ترا شرم ناید زمردی خویش کہ نند زنانرا قبول از تو بیش،

ترجمہ:(۱) وہ عورتیں جو رغبت سے عبادت کرتی ہیں نالائق مرد سے بازی لے جاتی ہیں
(۲) تجھے اپنے مرد ہونے سے شرم کرنی چاہیئے کہ عورتوں کو بارگاہ حق میں قبولیت نصیب ہوئی (اور تو محروم)

سبق: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس قوم پر بڑا تعجب ہے کہ آخرت کے زادِراہ سے انہیں آخرت کے لیے بار بار تیاری کا اعلان ہوتا ہے۔ پہلے لوگوں کو پیچھے آنے والوں کے لیے روانہ کیا گیا تاکہ یہ ان سے عبرت حاصل کریں لیکن انہوں نے لہو و لعب میں زندگی برباد کردی۔

حکایت (۱): ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کے ہاں حضرت ملک الموت تشریف لائے تو کہا۔ تشریف لایئے حضرت! میں تو آپ کا ساٹھ سال سے انتظار کر رہا ہوں

حکایت نمبر (۲): حضرت عبداللہ بن مبارک پر جب سکرات طاری ہوئی تو آنکھ کھول کر ہنستے ہوا پڑھا لمثل ھذا فلیعمل العاملون اس کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے۔

روحانی نسخے کسی بزرگ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ اُسے بہشت نصیب ہو۔ تو اُسے پانچ باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے بلکہ اُن پر مداومت رکھے۔

(۱) نفس کو معاصی سے روکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا[لے] ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوٰی
(۲) دُنیا میں تھوڑی سی پونجی پر راضی ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی قیمت طاعت الٰہی اور ترک دُنیا ہے۔
(۳) ہر طاعت کو بجا لانے کا حرص رکھے اور بجا لانے کی عادت بنائے اس لیے کہ نا معلوم کس طاعت سے مغفرت اور بہشت میں داخل ہونا نصیب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ [لے] وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون۔
(۴) اولیاء کرام و اہل خیر سے محبت کرے بلکہ ہر وقت اُن کی صحبت و رفاقت میں رہنے کی جدوجہد کرے۔ اس لیے کہ جب بھی کسی نیک بخت کو بخشا جائے گا تو وہ اپنے ساتھی کی شفاعت کرکے اسے بہشت میں ساتھ لے جائے گا۔

لے نفس کو خواہش سے روکا تو اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔
لے وہ جنت جس کے تم وارث ہو وہ عمل کی وجہ سے۔

⑤ دعا میں اکثر اوقات مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہی سوال کرے کہ بہشت نصیب ہو اور خاتمہ ایمان پر ہو۔
سبق: خلاصہ یہ ہے کہ عاقل کو چاہیئے کہ وہ آخرت کی تیاری میں لگا رہے۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب میں کمی نہ کرے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ تاویلات میں لکھتے ہیں عمل عامل منکم من ذکر۔ یہاں پر ذکر سے قلب مراد ہے یعنی وہ عمل کرے جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے اخلاص ویقین ومکاشفہ۔ اَوْ اُنْثٰی یہاں انثی سے نفس مراد ہے۔ یعنی وہ عمل کرے جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے طاعات ومجاہدات وریاضات بعضکم من بعض یعنی تمہیں ایک اصل اور ایک حقیقت جمع کرے گی۔ یعنی روح۔ یعنی تمہارا بعض دوسرے بعض کا اصل ومنشا ہے ایسے نہیں کہ تمہارے بعض کو ثواب سے نوازدوں اور دوسرے کو محروم کردوں فالذین ھاجروا سے وہ مراد ہیں جو نفس کے اوطان کو یک لخت سہ طلاق دے چکے ہیں وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ سے وہ مراد ہیں جو نفس کے صفات سے فارغ ہو چکے ہیں ھَاجَرُوْا سے وہ لوگ مراد ہیں جو نفس کے ان احوال سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ جو نفس کو لذتوں پر ابھاتی ہیں وَاُخْرِجُوْا اور وہ لپنے ان معاملات سے فارغ ہو چکے ہیں جن سے وہ سکون پاتے تھے وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وہ لوگ جو میرے راستہ میں ایذاء دیئے گئے۔ یعنی میرے افعال میں چلنے پر قسم وقسم کی آزمائشوں اور محنتوں اور تکلیفوں فتنوں سے گزرتے ہیں تا کہ صبر سے ان کی آزمائش کی جا سکے اور توکل کے ذریعے کامیابی حاصل کر سکیں یا وہ لوگ جو میرے صفات کے راستہ میں تجلیات جلال وعظمت وکبریائی کے سطوات میں ایذا دیئے گئے تا کہ وہ مقام تک پہنچ سکیں وَقٰتَلُوْا اور وہ میری محبت میں بالکل فنا ہو جائیں لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ تا کہ میں ان کے وہ صغائر معاف کر دوں جو ان کے افعال وصفات سے سرزد ہوئے اور ان کے وہ کبائر جو ان کی ذوات میں باقی رہ کر ملوث ہوتے ہیں فَلَاُدْخِلَنَّهُمْ میں انہیں تینوں کو بہشت میں داخل کروں گا۔ ثَوَابًا یعنی یہ اجر انہیں ان تینوں وجودوں مذکورہ سے چھیننے کے عوض نصیب ہوگا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ اور یہ ثواب مطلق صرف اس کے پاس ہے ثواب مطلق سے وہ ثواب مراد ہے کہ اس کے سوا کسی دوسری شئے کو ثواب بھی نہ کہا جا سکے۔ اس لیے واللّٰہ فرمایا کہ یہ اسم ذات ہے جو جامع لجمیع الصفات ہے۔ یہاں پر اپنے دوسرے اسم مثلاً رحمن ورحیم ودیگر اسماء کو اسم اللہ کے عوض بیان نہیں فرمایا۔

تفسیر عالمانہ (لَا یَغُرَّنَّكَ) تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے۔

مسئلہ: نہی عصمت کے منافی نہیں بلکہ اس کے عین مناسب ہے اس لیے کہ اگر صاحب عصمت نہی کے لائق نہیں تو پھر صاحب عصمت کیسا۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ صاحب عصمت جس حال پہ ہیں اسی پہ ثابت قدم

رہیں اور دُنیائے دَنی سے بے نیاز ہو جائیں اور یا آپ کو خطاب کر کے آپ کی امت مراد لی گئی ہے ۔ جیسے عام دستور ہے کہ خطاب تو قوم کے سردار اور اُن کے سرخیل کو ہوتا ہے لیکن اس سے سارے کے سارے مراد ہوتے ہیں گویا یوں کہا گیا ہے لَا یَغُرَّنَّکُمْ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ چلنا پھرنا ان کا شہروں میں جنہوں نے کفر کیا مخاطب کی نہی کا اصلی مقصد یہی جملہ ہے ۔

سوال: تقلیب کے بجائے تقلب کیوں مستعمل ہوا ۔

جواب: سبب کو بمنزلہ مسبب کے قرار دیا گیا ہے تاکہ مخاطب دھوکہ نہ کھا جائے ۔ اس سے مبالغہ مطلوب ہے ۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ اے مخاطب تم آنکھیں اٹھا کر بلکہ جھانک کر بھی نہ دیکھو ۔ یعنی اُن کے رزق کی وسعت اور اُن کا حظوظ دنیا پر کامیاب ہونا اور نہ ہی اُن کے ظاہری حال کو دیکھ کر دھوکا کھاؤ کہ وہ زمین پر بہتر کاروبار چلاتے ہیں اور شہروں میں اُن کے کاروبار کھلے ہوئے ہیں ۔ کہ مختلف معاملات اور تجارتی امُور میں منہمک اور بڑے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

شانِ نزول مروی ہے کہ بعض مؤمنین کفار کی عیش و عشرت اور دنیا کی سرو سامانی سے بھرپور دیکھ کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن تو دُنیا سے بھرپور ہیں ۔ اور ہم بھوکے مر رہے ہیں تو یہ آیت اُتری مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۔ (دُنیا کے معمولی اسباب ہیں) یعنی اُن کا کاروبار میں ترقی کر جانا معمولی سامان ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے جو اہل ایمان کے لیے تیار کیا ہے اس کے بالمقابل کوئی قدر نہیں ۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا آخرت کے بالمقابل ایسے ہے جیسے کوئی دریا میں انگلی ڈالے تو پھر دیکھے کہ اُس کی انگلی کو دریا کی نمی سے کیا کچھ لگا ہے ۔

ف: نہ اُس کے ہونے میں کسی قسم کا فائدہ ہے اور نہ اُس کے نہ ہونے میں کسی قسم کا نقصان ہے ثُمَّ مَاْوٰھُمْ پھر اُن کا ٹھکانا یعنی اُن کے رہنے کا وہ مقام کہ جہاں وہ مرنے کے بعد اس کی طرف رجوع کریں گے ۔ اور پھر اسی میں رہیں گے جَھَنَّمُ جہنم ہے کہ جس کے عذاب کا بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ یعنی دُنیا باوجودیکہ قلیل الاسباب ہے لیکن وہ جہنم میں ابدالآباد داخل ہونے کا سبب ہے اور وہ تھوڑی سی نعمت جو بہت بڑے نقصان کا سبب بن جائے اُسے نعمت نہیں کہا جا سکتا وَبِئْسَ الْمِھَادُ ۔ اور وہ بہت بُرا بچھونا ہے یعنی وہ بچھونا جو وہ اپنے لیے بچھائیں گے بہت ہی بُرا ہے ۔ یعنی جہنم لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لیکن وہ جو اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ۔ یعنی اس کے حکم کے خلاف کے برعکس کرنے سے خوف رکھتے ہیں لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اُن کے لیے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے ۔

ف: یہ سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ آیت سے معلوم ہوا کہ دُنیا کے عیش و عشرت سے مالامال

ہونا موجب ہلاکت ہے کہ جو بھی دنیا کے امور میں ایسے ہی نازو طرب سے گزارے وہی جہنمی ہے۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر تو اس کے جواب میں فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ متقی اگرچہ دنیوی امور میں ترقی کے تمام منازل طے کر جائیں اور کفار کی طرح انہیں بھی دولت میسر ہو بلکہ ان سے چند قدم آگے نکل جائیں تو انہیں بجائے عذاب کے بہت اجر و ثواب نصیب ہوگا۔ ان کا کفار پر قیاس نہیں چاہیے نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط یہ اللہ تعالیٰ سے مہمانی ہے یہ جنات سے حال واقع ہے تاکہ وہ انہی اوصاف سے مخصوص ہو جائیں۔

ف: نزل ہر اُس شئے کو کہا جاتا ہے جو مہمان کے لیے (کھانے پینے وغیرہ) تیار کی جائے۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ اور وہ جو بوجہ کثرت و دوام کے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ نیک لوگوں کے لیے بہتر و برتر ہے اس سے جو کفار کے ہاں دنیوی عیش طرب کے سامان ہیں۔ اس لیے کہ کفار کے اسباب نہایت قلیل اور جلد تر مٹ کر رہنے والے ہیں۔

حدیث شریف نمبر۱: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مومن ہو یا کافر سب کے لیے موت بھلی ہے نیک لوگوں کے لیے فرمایا ہے وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ...... اور فاجروں دکافروں کے لیے فرمایا اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا بیشک ہم اس لیے مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں بڑھتے رہیں۔

حدیث شریف نمبر۲: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا آپ بالاخانے پر تشریف فرما تھے اور صرف چٹائی پر آرام فرما تھے جس پر اور کوئی شئے از قسم چاندنی وغیرہ بچھی ہوئی نہ تھی۔ اور آپ کے سر اقدس کے نیچے وہ چمڑے کا سرہانہ تھا کہ جس کی بھرتی (لیف) کھجور کی چھال تھی اور چند پھٹے پرانے کپڑے اور معمولی سا بکھرا ہوا سامان پڑا تھا۔ میں نے آپ کے جسم اطہر پر چٹائی کے داغ دیکھے تو میں رو پڑا۔ آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ کسریٰ و قیصر تو اس عیش و طرب میں اور آپ یوں۔ حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا اے عمر کیا تمہیں یہ بات ناپسند ہے کہ انہیں دنیا اور ہمیں آخرت نصیب ہو۔

از پئے ذکر و شوق حق مارا — در دو عالم دل و زبانے بس
وز طعام و لباس اہل جہاں — کہنہ دلقے و نیم نانے بس

ترجمہ: (۱) حق کے شوق اور ذکر کے لیے ہمیں دونوں عالم میں صرف دل اور زبان چاہیے۔

(۲) اہل جہاں کے طعام و لباس سے ہمیں صرف پرانی گدڑی اور آدھی روٹی چاہیے۔

حکایت: خزائن اسکندریہ میں منجملہ مکتوبات کے ایک یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ آسمان اپنی نعمتیں کسی پر دائمی نہیں

رہنے دیتا۔

سبق نمبر (۱): جب کسی بندۂ خدا کو دولت یا کوئی مرتبہ نصیب ہو تو اُسے چاہیئے کہ فرصت کو غنیمت سمجھ کر لوگوں کی گردنوں میں احسانات کے طوق ڈالنے کی کوشش کرے اس لیے کہ دُنیاوی مرتبہ بلند قدری ہمیشہ رہنے والی نہیں پھر یا تو ندامت ہو گی یا تعریف ہوتی رہے گی۔

سبق نمبر (۲): جو صاحب حسب و نسب اور صاحب مروت ہو تو اس کی عزت و احترام کرو۔

سبق نمبر (۳): جب کسی کا دینوی کاروبار چمک اٹھے تو اُس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ اس پر فضلِ الٰہی ہے بلکہ زمانہ کے مختلف اطوار ہیں کہ کبھی زخمی کرتا ہے تو کبھی مرہم پاشی کرتا ہے۔ کبھی آنسو پونچھتا ہے تو پھر اس کو دردآلود کرتا ہے تمام امور کا مالک وہی ربّ کریم ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چند گوئی من بگیرم عالمے   ایں جہاں راپُر کنم از خود ہمی
گر جہاں پر برف گردد سربسر   تاخود بگداز دش بایک نظر

ترجمہ: (۱) تو دنیائے عالم کے اس تصور میں کیوں ہے کہ اسے قبضہ میں کر لوں۔
(۲) کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ جہان برف کی طرح ہے اسے تو ایک نظر سے یک لخت پگھلا کر رکھ دیا جائے گا۔

حکایت: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اندھا بنا دے یا آنکھ بحال رکھے پھر فرمایا جو دُنیا کی جتنی محبت کرتا ہے اور دینوی آرزو بڑھاتا ہے اسیقدر اس کا دل اندھا ہو جاتا ہے جو دُنیا سے کنارہ کشی کرتا اور دینوی آرزو کم رکھتا ہے اسیقدر پڑھے کے بغیر اللہ تعالیٰ اُسے علم عطا فرماتا ہے اور بغیر ہادی کے ہدایت فرماتا ہے۔ عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے کہ کوئی شخص قتل اور ظلم و تشدد کے بغیر اپنا ملک اور بادشاہی برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ اور اپنی دولت فخر و ناز اور بخل اور اتباع نفس کے بغیر بحال نہ کر سکے گا۔ خبردار جو شخص یہ زمانہ پائے تو وہ اپنے فقر پر صبر کرے اگرچہ دولت حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور لوگوں کے مبغوض رہنے پر صبر کرے اگرچہ اُن کے محبوب بننے کی ہمت رکھتا ہو اور ذلت پر صبر کرے اگرچہ عزت کے حصول کی طاقت رکھتا ہو۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی مطلوب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ پچاس صدیقوں کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

دُنیا کی شکل وصورت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت میں دُنیا کو بڑھیا کی صورت میں لایا جائے گا۔ جو نہایت ہی کمزور اور ٹیڑھی آنکھوں والی ہوگی اور اس کے بڑے بڑے دانت اور باہر نکلے ہوئے ہوں گے اور سرتاپا جلی ہوئی ہوگی۔ لوگوں سے کہا جائے گا۔ جانتے ہو یہ کون ہے۔ سب کہیں گے ہم اس کی پہچان سے پناہ مانگتے ہیں۔ کہا جائے گا کہ یہ وہی تمہاری محبوبہ دُنیا ہے جس سے تم فخر و مباہات اور قطع رحمی اور ایک دوسرے پر حسد اور بغض و عداوت اور دھوکہ سازیاں کرتے تھے۔ پھر اس کو دوزخ میں دھکیلا جائے گا۔ وہ پکارے گی میرے چاہنے والے اور میرے ساتھ تعلق چھوڑنے والے کہاں ہیں اُن کو بھی میرے ساتھ بھیج دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ دُنیا کے عاشقوں کو بھی دُنیا کے ساتھ ہی جہنم میں پھینک مارو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں چند ایسے لوگوں کو اٹھایا جائے گا جن کے نیک اعمال تہامہ پہاڑ کے برابر ہوں گے لیکن حکم ہوگا کہ انہیں جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نمازی بھی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں نمازی بھی ہوں گے روزے بھی رکھتے رہے بلکہ شب خیزی کے بھی عادی ہوں گے لیکن دُنیا کے ایسے عاشق تھے کہ جہاں انہیں کہیں نظر آتی تو اُس پر ٹوٹ پڑتے۔

حضور علیہ السلام کا فقر اور تصرف بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے رَب سے رزق کی وُسعت کیوں نہیں چاہتے جب کہ میں نے آپ کو بھوک سے پیٹ مبارک پر پتھر باندھے ہوئے دیکھا تو رو پڑی اور یہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں اگر چاہوں اور جیسے چاہوں اور جہاں چاہوں کہ میرا رَب دُنیا کے تمام پہاڑ میرے تصرف دے دے تو ہو کر رہے گا۔ لیکن میں نے دُنیا کی بھوک اور فقر کو آخرت کی بھوک اور فقر پر ترجیح دی اور دُنیا کے حزن کو اختیار فرمایا۔ اسی طرح دُنیا کے غناء کے بجائے آخرت کو پسند کیا۔ اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دنیا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائق نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہترین اونٹنیاں پیش کی گئیں۔ لیکن آپ نے اُن سے اعراض فرمایا۔ حالانکہ ایسی اونٹنیاں اہلِ عرب کو بہت مرغوب تھیں۔ اس لیے کہ اس قسم کی اونٹنیوں میں دودھ بہت اچھا اور بہترین گوشت موٹا تازہ ہوتا ہے۔ اور اہلِ عرب کو دِل میں ایسی اونٹنیوں کی بہت چاہت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی رغبت پر فرمایا "واذا العشار عطلت" اور جب کہ اُونٹنیاں بیکار سمجھی جائیں گی لیکن اس کے باوجود ان اونٹنیوں سے لاپرواہی کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمارے نفیس ترین مال میں شمار ہوتی ہیں لیکن آپ نے توجہ بھی نہیں فرمائی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس

سے روکا ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی[1] ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ اور جو تمتع کے امو ہم نے عطا کیے ہیں۔ آپ اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے۔

سبق: یہی حال ہے اس کا جو دُنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور رفیق اعلیٰ کا طالب ہے تو وہ کبھی دنیا کی طرف جھانک کر بھی نہیں دیکھتا۔

شان نبوت کا بیان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں۔ قیامت میں لواء الحمد میرے ہاتھ ہوگا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) اور اُن کی اولاد اس میرے جھنڈے تلے پناہ لے گی یہ میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا۔ سب سے پہلے بہشت کا دروازہ میں ہی کھٹکاؤں گا۔ جس پر اللہ تعالیٰ بہشت کا دروازہ کھول کر سب سے پہلے مجھے ہی بہشت میں داخل فرمائے گا اور اس وقت میرے ساتھ اہلِ ایمان کے فقراء ہوں گے۔ اور میں یہ کوئی فخر سے نہیں کہہ رہا ہوں۔

سبق: اس سے صرف فقر و قناعت کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ فقراء اغنیاء سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

اے قناعت تو انگرم گردان ۔۔۔ کہ ورائے تو پاسخ نعمت نیست
گنج صبر اختیار لقمان است ۔۔۔ ہر کرا صبر نیست حکمت نیست

ترجمہ: (۱) اے قناعت مجھے دولتمند بنادے کہ تیرے سے بہتر اور کوئی نعمت نہیں۔
(۲) گوشۂ صبر لقمان کا پسندیدہ کُل ہے اور جسے صبر نہ ہو وہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

سبق: سمجھدار انسان ہمیشہ دُنیا اور دنیاداروں سے کنارہ کش اور آخرت اور بہشت کی طرف راغب رہتا ہے بلکہ وہ ہمیشہ وصول الی اللہ کی ترقی کے درپئے رہتا ہے۔

حکایت: حضرت بایزید قدس سرہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے چند ایک بندے ہیں جو بہشت سے ایسے دُور بھاگیں گے جیسے عوام کو دوزخ کا ڈر ہوتا ہے۔ فرمایا یہ وہ بندے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ اور بس۔

حکایت: اسی مقام پر حضرت بایزید رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے اسّی ۸۰ سال میرا دل غائب رہا جب وہ

---

[1] حضرت مولانا مولوی غلام رسول صاحب کوٹلہ عالم پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ اسی مضمون کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

اس دنیا دی گردن اُتے قدم دھرے لنگھ جائے
بحر طلب دے روڑ دا جاندا لوکاں نظر نہ آئے

اویسی غفرلہ

میرے پاس لوٹا تو میں اُسے لینے لگا تو کہا افسوس ہے کہ اب بھی غیر اللہ تعالیٰ کے حصول کی خواہش باقی ہے۔

حکایت: کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرش کو تک رہے ہیں۔ سامنے حور عین ہے لیکن اس کی طرف ذرہ بھر بھی التفات نہیں اور بہشت کے محلات قربان ہونے کو ہیں لیکن توجہ ہی نہیں فرماتے۔ حضرت رضوان (بہشت کا داروغہ) نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں۔ جواب ملا یہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ انہیں صرف اللہ تعالےٰ کے دیدار کا اشتیاق تھا۔ جب سے فوت ہوئے ہیں اللہ تعالےٰ نے انہیں اجازت بخشی ہے کہ اب حجاب اٹھے ہوئے ہیں خوب سیر کر کے دیکھ لو اب یہ عرش کو نہیں بلکہ عرش والے کو دیکھ رہے ہیں۔

سبق: عارف باللہ کا مطمع نظر (محبوب) معنوی جنت ہے نہ کہ ظاہری جنت۔ اور جنت معنوی سے مراد معرفتِ الٰہی اور وصال ابزدی جو کہ جنۃ الفردوس سے ہزاروں درجہ بہتر ہے اور اعلیٰ علیین تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اس جنت معنوی کے لیے جدو جہد کرے اور موت سے پہلے ہی اسے حاصل کرے۔ عمر کے آخری لمحات اس میں ختم ہوں۔ جب پیام اجل پہنچے تو یہی فکر دامنگیر ہو ے

حضوری گرہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ،

متی تلق من تھوٰی دع الدنیا و اھلھا

ترجمہ: اے حافظ اگر حضوری کے طالب ہو تو اس سے غائب نہ ہو جب اپنے محبوب سے ملو تو پھر دنیا اور اہل دنیا کو چھوڑ دو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور یقین نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ ـ

بیشک اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔

شان نزول یہ آیت حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی بعض نے کہا یہ اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو نجران کے چالیس اور حبشہ کے ۳۲ اور روم کے آٹھ افراد تھے جو نصرانی عقیدہ رکھتے تھے لیکن پھر مسلمان ہوئے۔ بعض نے کہا کہ حضرت صحمۃ النجاشی کے حق میں نازل ہوئی۔ جب کہ وہ فوت ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس وفات کے دن حضور علیہ السلام کو اُن کی موت کی خبر دی آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا چلو اپنے اس بھائی کے لیے جنازہ پڑھیں جو ہمارے سے دُور فوت ہوا۔ عرض کی گئی وہ کون صاحب ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ بقیع

میں تشریف لے گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے سے حبشہ تک پردے اٹھا دیئے ۔ آپ نے نجاشی کے جنازہ کو دیکھ کر چار تکبیروں سے نمازِ جنازہ پڑھی اور اُن کے لیے بخشش مانگی ۔ منافقین کہنے لگے دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجمی کافر اور حبشی نصرانی کا جنازہ پڑھا جسے آپ نے نہ کبھی دیکھا اور نہ ہی وہ آپ کے دین پر ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل فرمائی وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ اور اس پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے ہاں اُترا یعنی قرآن کریم پر وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْھِمْ اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اُن پر اُترا ۔ یعنی دونوں کتابوں (تورات و انجیل) پر خٰشِعِیْنَ لِلّٰہِ ۔ وہ اللہ سے بھی ڈرتے ہیں ۔ یعنی اُس کے عذاب سے اور اس کے ثواب کی امید پر سر جھکاتے ہیں ۔ یہ یُؤمن کے فاعل سے حال ہے اس لیے کہ مَن میں جمع کا معنیٰ ہے اس لیے اسے جمع لایا گیا ہے لَا یَشْتَرُوْنَ نہیں خریدتے یعنی نہیں لیتے بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے آیات کے عوض ۔

ف : آیات سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمتِ پاک مراد ہے جو توارت و انجیل میں لکھی ہے ۔ ثَمَنًا قَلِیْلًا تھوڑا ثمن یعنی دنیا کا معمولی سامان ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کے غلبہ کے خوف سے جیسے یہودیوں کے علماء و احبار نے کیا جب کہ وہ اسلام سے روگردانی کر بیٹھے اور یہ جملہ بھی ماقبل سے حال ہے اُولٰٓئِکَ وہ لوگ یعنی وہ حضرات جو اس صفت سے موصوف ہیں لَھُمْ اَجْرُھُمْ اُن کے لیے وہ اجر ہے جو اُن کے لیے مخصوص ہے اور اُن سے وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ وہ دوسرا اجر دیئے جائیں گے عِنْدَ رَبِّھِمْ اپنے رب کے ہاں ۔ مَرَّتَیْنِ کا منصوب ہونا اجرھم سے حال بننے کی وجہ سے ہے اس سے ان کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۔ بیشک اللہ تعالےٰ جلد حساب لینے والا ہے اس لیے کہ اس کا علم تمام اشیاء کو حاوی ہے وہ ہر عمل کرنے والے کے اجر کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس قدر اجر کا مستحق ہے اُسے تامل کی ضرورت ہی نہیں اور نہ ہی اُسے یاد رکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اسے یادداشت کے لیے کسی تحریر کی حاجت ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو اُن سے وعدہ کیا گیا ہے وہ انہیں جلد تر نصیب ہوگا ۔ اس لیے حساب کی جلدی کو مستلزم ہے کہ انہیں اُن کے اعمال کی جزاء جلد تر حاصل ہو ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ علماء متقین وہ ہیں جو اربابِ قلوب و خواطر رحمانیہ کے واردات و الہامات و مکاشفات پر ایمان لاتے ہیں اور ارباب قلوب سے حکماء الٰہیہ یعنی اولیاء اللہ تعالیٰ مراد ہیں ۔ جن کی نیک نیتی کے مطابق انہیں نقد اجر عطا فرماتا ہے کہ انہیں مرنے سے پہلے قرب مقامات تک پہنچنے کا موقعہ بخشتا ہے نہ کہ انہیں اُن کے مرنے کے بعد ہی انہیں اجر دینے پر چھوڑ رکھے اس لیے کہ جو عالم دُنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا ۔

اور آرام بھی کر لینا چاہیئے (یعنی ۷۰ میل)۔

مسئلہ چلنے والے کی سست اور تیز رفتار کا کوئی اعتبار نہیں مثلاً کوئی اتنا تیز رفتار ہے کہ سہ شبانہ روز کے سفر کو صرف ایک دن (یا ایک گھنٹہ) میں طے کر لیتا ہے (جیسے آج کل موٹروں اور ہوائی جہازوں سے سفر ہوتا ہے) تو بھی قصر کرے یا کوئی اتنا کمزور ہے کہ ایک دن کے سفر کو سہ شبانہ روز میں طے کرتا ہے تو پوری نماز ادا کرنے پڑے گی۔

شرعی مسافت کی تحقیق سابقہ دور میں یہ سفر چھ بُرُد کی مسافت کے برابر ہوتا تھا۔ اور بُرُد بَرید کی جمع ہے اور ہر بَرید چہار فراسخ ہوتا ہے اور ہر فراسخ بہ تحقیق سیدنا ہاشم جد سیدنا مُحمّد رسول اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم تین میل کا ہوتا ہے اور یہ اُن کا یہ اندازہ جنگل کے سفروں کے مطابق ہے کہ ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے اور یہ چار ہزار خطوہ کے برابر ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہر سہ قدم کا ایک خطوہ ہوتا ہے۔

سوال آیت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ سفر میں نماز کی قصر کا اختیاری معاملہ ہے چاہے کوئی چار رکعت پوری پڑھے چاہے دو رکعت ہاں افضل قصر ہے۔ اور احناف کے نزدیک قصر واجب ہے اور آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے اگرچہ احناف کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں (۱) عزیمتہ (۲) "رخصت اسقاط" باوجود این ہمہ پھر بھی قصر کے سوا چارہ ہی کوئی نہیں اس لئے کہ احناف نے اتمام یعنی چار رکعت کو پورا کرنے کا دہم تک بھی ختم کر دیا۔ کیونکہ اثقل واخف کے درمیان اختیار نہیں دیا جاتا۔ جس کا نتیجہ نکلا کہ احناف قصر کو واجب مانتے ہیں اور یہی حق ہے۔

جواب حضور سرور عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے قصر کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ وہ صدقہ ہے جو اللّٰہ تعالیٰ نے صرف تمہیں عطا فرمایا ہے اور صدقہ حق تعالیٰ میں ہمیں تملیک کا حق نہیں اور نہ ہی ہم رد کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اب لازماً ماننا پڑا کہ قصر واجب ہے اس لئے کہ ہمیں جیسے حکم ہوا ہے اسے اسی طریق سے بجالانا ضروری ہے۔

مسئلہ "الاشباہ والنظائر" میں ہے کہ مُسافر کے لئے قصر رُخصت عزیمت ہے کہ سرے سے تقاپا دو رکعت مسافر کے ذمہ میں ہی نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی مسافر انہیں پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور اس کی نماز فاسد ہوگی۔

مسئلہ جو مسافر دو رکعت پڑھ کر تشہد کے بغیر تیسری شروع کر کے پوری چار رکعتیں پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اُس نے ارکان کی تکمیل کے درمیان نوافل کو داخل کر دیا ہے۔

مسئلہ اگر مسافر نے دوسری رکعت کی تشہد بیٹھ کر پڑھی ہے پھر بھول کر یا عمداً تیسری رکعت کو اُٹھ کھڑا ہوا اور پوری چار رکعتیں پڑھیں تو اُس کی نماز تو ہو جائے گی لیکن اس طرح کرنے سے گنہگار ہوگا۔ اس لئے کہ اُس نے فرض نماز کے سلام میں تاخیر کر دی ہے اُس کی یہ پچھلی دو رکعتیں نفل ہوں گی۔

مسئلہ تفسیر مدادی میں ہے کہ کوئی مسافر ظہر کی (مثلاً) نماز پڑھے لیکن دوسری رکعت میں التحیات پر نہیں بیٹھا اور تیسری رکعت شروع کر کے چار رکعت پوری پڑھی ہیں تو اُس کی نماز نہ ہوگی۔ جیسے فجر کی دو رکعت

کو صورت مذکورہ بالا کی طرح چار پڑھے گا تو اس کی فجر کی نماز نہ ہوگی جیسے اس شخص کو فجر کی نماز دہرانا فرض ہے ایسے ہی اسی چار رکعت پڑھنے والے مسافر کو اعادہ ضروری ہے۔

سوال احناف قرآنی آیات کے خلاف کرتے ہیں اس لئے کہ آیت میں اختیار کی تصریح ہے مثلاً فرمایا لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ یہ کلمہ اختیار ثابت کرتا ہے۔

جواب یہ کلمہ تخییر کے لئے نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک خیال کی تردید کے لئے ہے کہ ان کا گمان تھا کہ قصر میں ہمارا ثواب تو کم ہو جائے گا۔ اس طرح سے ہمیں سفر میں قصر سے خسارہ ہوا لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اطمینان قلب اور تسلی کے لئے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فرمایا ہے نہ کہ تخییر کے لئے مثلاً حج اور عمرہ میں بھی یہی لفظ واقع ہوا فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ اس آیت میں فَلَا جُنَاحَ واقع ہے معترض کا قول صحیح مانا جائے تو مطلب بالکل الٹا ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہاں اختیار کا وہم و گمان تک بھی نہیں اس لئے کہ یہ طواف ہمارے احناف کے نزدیک واجب اور امام شافعی کے نزدیک رکن ہے۔

مسئلہ قصر میں مسافر مطیع و عاصی ہر دونوں برابر ہیں یہاں تک کہ وہ غلام جو اپنے مالک سے بھاگ کر سفر کر رہا ہے یا کوئی ڈاکو ڈاکہ زنی کے لئے جا رہا ہے تو قصر کریں اس لئے کہ اگر یہی مجرم گھر میں ہوں تو مسئلہ موزہ کا مسح مقیم کی طرح یک شبانہ روز کرے گا۔ اس طرح مسافر مجرم سفر میں قصر کرے گا۔ کیونکہ نفس سفر گناہ نہیں اگر گناہ ہے تو مسافر کی اپنی غلط نیت اور وہ غلطی نفس سفر کے لئے مضر نہیں۔

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ یہ جملہ شرطیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے یعنی اگر تمہیں خوف ہے کہ وہ کفار تمہیں فتنہ میں ڈالدیں مثلاً جنگ شروع کر دیں تو تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم نماز میں قصر کرو۔

مسئلہ نماز کی قصر اس آیت سے ثابت ہے۔ بالخصوص حالت خوف میں۔

مسئلہ حالتِ امن میں نماز کی قصر حدیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ حضرت مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز خوف جبکہ جماعت کے ساتھ ادا کی تو اس میں یہ شرط ضروری ہے کہ جنگ کا خطرہ ہو۔ البتہ مطلق قصر کے لئے یہ شرط نہیں اس لئے کہ یہ احادیث سے ثابت ہے۔

مسئلہ (۱) مقدار قصر (۲) قصر کی کیفیت (۳) نماز کے جمیع متعلقات (۴) مدت قصر کہ کتنی مسافت پر قصر ہوتی ہے آیت میں مجمل طور پر بیان کی گئی ہے۔ (۱) پھر قصر بحالت امن (۲) چار رکعت والی نماز میں دو رکعت ادا کرنا (۳) قصر کے لئے مدت معینہ کے تعین کی تفصیل احادیث سے ثابت ہے۔

حدیث شریف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان نماز کی قصر کی حالانکہ اُس وقت کسی کا خوف نہیں تھا (الوسیط)

اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ ان کی عداوت بہت واضح اور انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ جنگ وغیرہ کی تاک میں رہتے ہیں وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ اور اگر اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اُن میں موجود ہوں جب وہ کفار سے خائف و ہراساں ہوں فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ اگر آپ انہیں کی ادائیگی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کو ظہر کی نماز پڑھتے دیکھا (یہ نماز باجماعت پڑھی جا رہی تھی اور یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع میں ہوا) تو اس وقت کسی قسم کا تعرض نہ کر سکے مگر بعد کو سخت پچھتائے اُن کے بعض نے کہا کہ اُس کے بعد وہ عصر کی نماز پڑھیں گے انہیں وہ نماز ماں باپ آل و اولاد اور مال اسباب سے بھی محبوب ترین ہے فلہٰذا جب انہیں نماز میں دیکھو بلہ بول دو اس پر حضرت جبریل علیہ السلام مذکورہ بالا آیات لائے اور انہیں صلوٰۃ الخوف کا طریقہ بھی بتایا اور کفار ناہنجار کے بُرے عزائم سے بھی مطلع فرمایا۔

مسئلہ جمہور کا اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس کے بعد اپنی تمام اُمت کے لئے صلوٰۃ الخوف کی اجازت بخشی۔

خلاصۃ التفسیر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلوٰۃ الخوف اور اس کا طریقہ بتایا تاکہ آپ کی اُمت آپ کی اقتدا میں صلوٰۃ الخوف پڑھ سکے۔ اس معنے پر یہ خطاب جمیع اُمت کو ہوگا۔

مسئلہ کشاف میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی اُمت امور شرعیہ میں آپ کی نائب اور آپ کے جمیع احکام میں آپ کے قائم مقام ہے اس اعتبار سے یہ خطاب ان تمام آئمہ صلوٰۃ کو ہوگا جو ایسی نماز کے وقت موجود ہوں پھر وہ نمازیوں کو اس طرح ہر زمانہ میں صلوٰۃ الخوف کی اقامت وقت کے امام ذمہ ہوگی۔

فائدہ اس تقریر سے قائل کا اعتراض اُٹھ گیا جو کہتا ہے کہ صلوٰۃ الخوف صرف حضور علیہ السلام سے مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی حکم دیا ہے جبکہ آپ کو اعدائے اسلام کا خوف پیش ہوا۔

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ یعنی بوقت خوف آپ نمازیوں کو دو حصوں میں تقسیم فرما دیں ایک گروہ دشمنوں کے بالمقابل کھڑا ہو جائے اور آپ کی اور آپ کے ساتھ نمازیوں کی حفاظت کرتا رہے وَلْيَاْخُذُوْآ اور محفوظ رکھیں وہ جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اَسْلِحَتَهُمْ اپنے ہتھیاروں کو یعنی نمازیوں پر لازم ہے کہ وہ بحالتِ نماز اپنے ہتھیاروں کو سنبھالے رکھیں۔ نماز کے وقت انہیں رکھ نہ دیں۔

سوال ہتھیار تو وہ پہلے بھی اپنے پاس رکھتے تھے اب انہیں دوبارہ رکھنے کا کیا معنے؟

جواب چونکہ اس وقت ہتھیاروں کو اپنے پاس رکھنے کی اہمیت مطلوب ہے۔ اس لئے اُسے تاکیداً ذکر کیا گیا۔

فَاِذَا سَجَدُوْا پس جب وہ سجدہ کریں وہ جماعت جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی جب ایک رکعت پڑھ لیں فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ تو انہیں چاہیئے کہ وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت کے لئے پیچھے ہٹ جائیں وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ پس وہ آپ کے ساتھ حاضر ہو کر نماز پڑھیں۔

فائدہ آیت میں ان دونوں گروہوں کی دوسری رکعت کی ادائیگی کے طریقہ کو نہیں بیان کیا گیا اسے حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلوٰۃ خوف پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی پھر دوسرے گروہ کو دوسری رکعت پڑھائی جیسا کہ آیت میں بیان ہوا۔ پھر پہلا گروہ اپنی نماز میں حاضر ہوا اور دوسرا گروہ دشمن کے بالمقابل کھڑا ہونے کے لئے چلا گیا۔ یہاں تک کہ پہلے گروہ نے اپنی رکعت کو اکیلے ہو کر ادا کیا لیکن انہوں نے قرأت نہ کی اس لئے کہ وہ گویا امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں اس سے پہلے گروہ نے جب نماز سے سلام پھیرا تو دوسرا گروہ اپنی دوسری رکعت ادا کرنے کے لئے حاضر ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اپنی اس رکعت میں قرأت پڑھی گویا ان سے امام سے قرأت رہ گئی۔ اس طرح ان ہر دو گروہوں نے اپنی اپنی دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

مسئلہ صورت بالا اس نماز خوف کے لئے ہے جو نمازی مسافر ہو یا صبح کی نماز ادا کی۔ اس لئے کہ صبح کی نماز مسافر کی نماز کی طرح ہے اگر وہ نمازی مقیم ہو یا مغرب کی نماز پڑھنی ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام گروہ اول کو دو رکعتیں پڑھائے اس لئے کہ یہ دو رکعتیں ہی مسافر کی پہلی رکعت کا حصہ ہیں باقی طریقہ وہی ہے جو مذکور ہوا۔

مسئلہ کافی (کتاب) میں ہے کہ اگر کسی امام نے غلطی سے مغرب کی نماز پہلے گروہ کو ایک رکعت اور دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں تو دونوں گروہوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن امام کی نماز ہو جائے گی۔ صلوٰۃ الخوف کی تفصیل کہ دشمنوں کے علاوہ درندگاں کے خطرہ کے وقت یہ نماز کس طرح ادا کی جائے تو کتب فقہ کا مطالعہ کیا جائے۔

وَلْيَاْخُذُوْا اور یہ گروہ حِذْرَهُمْ ہوشیار رہے۔ حذر و تحذر تیقظ رہوشیاری کو کہتے ہیں۔ وَاَسْلِحَتَهُمْ اور اپنے ہتھیاروں کو مضبوط رکھیں۔

سوال حذر کو معانی سے تعلق رکھتا ہے اور اخذ کا تعلق ہمیشہ اعیان سے ہوتا ہے پھر اُسے حذر سے کیا مناسبت ہوگی؟

جواب یہ استعارہ بالکنایہ ہے کہ حذر کو ہتھیار سے تشبیہ دی گئی ہے جسے غازی جنگ کے وقت استعمال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے متوجہ ہونے کو اس تشبیہ پر دلیل بنایا گیا ہے۔ اس بنا پر یہ استعارہ تخلیلیہ ہوگا۔

سوال اخذ کے بعد اسلحتہم بھی کہا گیا ہے جس میں اخذ کا حقیقی معنٰے ہے اور حذرہم میں مجاز ہے اس طرح سے جمع

بین الحقیقۃ والمجاز لازم آتا ہے۔ وہ ناجائز ہے۔

جواب یہاں پر دو حیثیتیں ملحوظ ہیں۔ اخذ کا اسلحہ کی طرف اسناد حقیقی اور حذر کی طرف مجاز ہے اس لئے کہ اخذ کا جب اسلحہ سے تعلق ہوگا تو ہتھیاروں کو سنبھالیگا اور پھر ہوشیاری کو لائے گا۔ ان دونوں حیثیوں کے اعتبار سے جمع بین الحقیقۃ والمجاز نہ ہوگا۔

سوال یہاں پر حذر کا اضافہ کیوں حالانکہ اس سے قبل حذر نہیں باوجودیکہ صلوٰۃ الخوف ہر دونوں گروہوں کے لئے برابر ہے؟

جواب چونکہ اس دوسرے گروہ کے وقت کفار کو یقین ہوگیا ہوگا کہ اب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام نماز پڑھ رہے ہیں اس لئے یہاں پر حذر کا اضافہ ضروری ہوا بخلاف گروہ اوّل کی نماز کے کہ اس وقت کفار کو صرف گمان ہی ہوگا نیز وہ سمجھتے ہوں گے کہ شاید پریڈ کر رہے ہیں۔

سوال حالتِ نماز میں نمازیوں کو ہتھیاروں کو سنبھالنے کا مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟

جواب نماز کی مشغولی میں عموماً یہی ہوتا ہے کہ تمام اسباب ترک کر کے صرف نماز کا ہی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ایسے ہی غازیوں کو کرنا تھا کہ وہ اپنے ہتھیاروں کو اُتار کر رکھ دیتے اور نماز کی مشغولی سے ہتھیاروں سے بالکل بے نیاز ہو جاتے۔ اُن کے اس طرح کرنے پر دشمنوں کو حملے کا موقع مل جاتا وہ اگرچہ اُن کے جوابی حملہ کے لئے نمازیں توڑ سکتے تھے لیکن ہتھیاروں کے سنبھالنے تک دشمن کو وار کرنے کا موقع مل جاتا اس لئے ان کو تنبیہ کی گئی کہ بحالتِ نماز ہتھیاروں اور ہوشیاری کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ چنانچہ مذکورہ بالا بیان کی تائید آنے والے مضمون سے بھی ہوتی ہے۔

مسئلہ امام واحدی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ نمازِ خوف میں نمازی کو رخصت ہے کہ حالتِ نماز میں بھی غیر صلوٰۃ کے تفکرات کو عمل میں لاسکتا ہے۔ (جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ہے کہ عین نماز میں جہاد کی تیاری کے لئے سوچتے رہتے تھے۔ اس سے شیعہ رافضیہ کا اعتراض دفع ہوا کہ امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عین نماز میں جہاد کی تیاری کا کیوں سوچتے رہتے تھے[1]

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً کفار اس تمنا میں ہیں کہ کاش اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غفلت کرو تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کردیں۔ یہ خطاب بطریق التفات کے مذکورہ بالا دونوں فریقوں کو ہے کہ کفار آرزو رکھتے ہیں کہ وہ تمہارے اوپر حملہ کردیں۔

---

[1] اضافہ اُویسی غفرلہٗ

فائدہ امتعہ سے وہ اسباب مراد ہیں جن کی جنگ میں ضرورت ہوتی ہے نہ کہ مطلقاً تمام گھریلو سامان
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوٓا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ اور تم پر گناہ نہیں اگر کوئی تکلیف یا بارش ہو یا تم بیمار ہو جاؤ کہ اپنے ہتھیار رکھ چھوڑو۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ جب ہتھیار اٹھانے میں تکلیف ہو بوجہ بارش کے یا بوجہ مرض کے تو ہتھیار نہ اٹھانے کی اجازت ہے۔

مسئلہ نیز بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ الخ امر وجوبی ہے نہ استحبابی لیکن فقہائے کرام نے فرمایا کہ نماز خوف کے وقت ہتھیار ساتھ رکھنا مستحب ہے اس لئے کہ ہتھیاروں کا ساتھ رکھنا نماز کے اعمال میں داخل نہیں اس لئے آیت مذکورہ میں امر کو مذب پر محمول کیا جائے گا۔

وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ اور ہوشیاری کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

سوال پہلے تو ہتھیاروں کو چھوڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اب ہوشیاری کا حکم۔ اس میں تطابق کیسے ہوگا؟

جواب اجازت کے بعد ہوشیاری کے لئے تنبیہ اور احتیاطی حکم صادر فرمایا تاکہ کفار ان پر اچانک حملہ نہ کردیں۔

معجزہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوانمار سے جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و نصرت نصیب فرمائی۔ آپ نے جنگ سے فراغت پاکر ایک جگہ نزول اجلال فرمایا۔ وہاں پر ایک جنگل میں دشمنوں نے بھی پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ لیکن انہیں نہ حضور علیہ السلام نے دیکھا اور نہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے۔ اس لئے سب نے اپنے اپنے سامان جنگ تسلی سے اُتار کر رکھ دیئے اور حضور علیہ السلام قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے اور خالی ہاتھ تھے (اس لئے کہ آپ نے بھی ہتھیار رکھ چھوڑے تھے) آپ ایک وادی میں چلے گئے۔ بارش ہو رہی تھی۔ آپ اتنا دُور نکل گئے کہ آپ اور صحابہ کے درمیان ایک وادی حائل ہوگئی آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے۔ آپ کو غورث بن حارث محاربی نے دیکھ لیا۔ اور پہاڑی سے اترتے ہوئے اپنے یاروں سے کہا کہ اگر آج میں (حضرت سیدنا) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل نہ کروں تو مجھ پر خدا کی مار پڑے۔ یہ کہہ کر تلوار تھامے ہوئے حضور علیہ السلام پر کھڑا ہوگیا۔ آپ کی اس طرف توجہ نہیں تھی۔ تلوار کو نیام سے نکال کر کہا" اے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا آپ نے فرمایا "اے اللہ مجھے مجھے غورث بن حارث سے بچایئے۔ غورث بن حارث نے جونہی حضور علیہ السلام پر حملہ کیا تو منہ کے بل گر پڑا۔ حضور علیہ السلام نے اُٹھ کر اس کی تلوار اُٹھائی اور اس کے سر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ بتایئے اب تجھے میرے حملہ سے کون بچائے گا اُس نے کہا کوئی بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا اب میرا کلمہ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ لے تو تیری تلوار واپس کردوں گا۔ اُس نے عرض کی کہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد تا دم زلیست نہ آپ سے

لڑوں گا اور نہ ہی آپ سے لڑنے والوں کی مدد کروں گا۔ آپ نے اس کی تلوار کردی۔ اس پر غورث بن حارث نے کہا بخدا آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ واقعی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ آپ سے فارغ ہو کر غورث بن حارث اپنی برادری میں واپس لوٹا تو انہیں اپنا ماجرا سنایا تو ان کے بعض لوگ مسلمان ہو کر وہیں وادی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے جاکر اپنے صحابہ کرام کو پورا واقعہ سنایا۔

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ بے شک اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے۔

ربط پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو ہوشیاری کا حکم فرمایا تو اب اس کی علت بتائی کہ تمہارے دشمن کفار ہیں۔ تو ہم بھی انہیں رسوا کر کے تمہیں ان پر فتحیاب فرمائیں گے۔ فلہٰذا تم اپنے معاملات میں ہوشیاری سے کام لو اور اپنے اسباب کو مضبوط رکھو تاکہ تمہارے سبب سے میں انہیں عذاب میں مبتلا کروں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ پس بطریق مذکورہ صلوٰۃ الخوف ادا کر لو اور نماز سے پورے طور فارغ ہو جاؤ۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ ادا بمعنے قضاً بھی مستعمل ہوتا ہے اسی طرح دوسرے مقام پر فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فرمایا ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ پس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو درانحالیکہ قِيَامًا تم قیام میں ہو وَّقُعُوْدًا اور بیٹھے ہو وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ اور اپنی کروٹوں پر۔

فائدہ اس سے مقصد یہ ہے کہ ذکر الٰہی پر مداومت کرو اور اللہ تعالیٰ کو ہر وقت علیم وخبیر ہونے کے تصور پر محافظت کرو۔ اور ہر وقت اسی سے مناجات اور دعاؤں میں مشغول رہو۔ سکون کی حالت ہو یا جنگ کا ماحول چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ جب ایک گروہ کو ملو تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ پس جب جنگ سے فارغ ہو کر مطمئن ہو جاؤ اور قلوب خوف اعداء سے سکون اور تسلی میں ہوں خلاصہ یہ کہ جنگ سے جب بالکلیہ فراغت ہو جائے فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ تو نماز قائم کرو۔ جب اس کا وقت آجائے یعنی نماز کو تعدیل ارکان اور اس کے جمیع شرائط کے ساتھ ادا کرو۔

فائدہ بعض مفسرین احناف نے اُذْكُرُوا اللّٰهَ میں ذکر عام مراد لیا ہے کہ وہ زبان کے ساتھ ہو یا نماز کی حالت میں انہوں نے اس کا یوں مطلب بیان فرمایا ہے کہ اگر تندرستی ہو تو کھڑے ہو کر اگر بیماری معمولی ہے تو بیٹھ کر۔ اگر سخت بیماری (کہ بیٹھ کر بھی نماز ادا کرنا مشکل ہو جائے) تو لیٹ کر نماز ادا کرو۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ بے شک نماز مؤمنین پر وقت مقرر پر فرض ہے ۔

فائدہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر کتابًا سے فرض اور موقوتًا سے وقت معین مراد ہے اس لئے کہ اسے حالتِ خوف سے بھی طریق مشروع ادا کرنا ضروری ہے ۔ بعض کہتے ہیں یہاں پر کتابًا بمعنے مفروضًا اور موقوتًا بمعنے مقدر ہے اب مطلب یوں ہو گا کہ حضر میں نماز چار رکعت اور سفر میں دو رکعت فرض ہیں ۔ اور وہ بھی اپنے اوقات مقررہ اور احکام معینہ کے ساتھ جیسا کہ شرع شریف نے حکم فرمایا ہے ۔

تفسیر عالمانہ حکمِ عطائیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی عادت معلوم تھی کہ یہ حرص و ہوا میں مبتلا ہوں گے اور وہی خواہشات انہیں ایسے راہ پر لگا دیں گی کہ نیک عمل سے کوسوں دور ہو گا ۔ بنا بریں اُن پر پانچوں وقت کی نماز اور سال میں ایک ماہ کے روزے اور چالیسواں حصہ زکوٰۃ اور زندگی میں ایک دفعہ کا حج فرض فرمایا یہ اُس کی ان پر رحمت کی علامت ہے اور ان سے عبادت کا کام لینے کی سہولت بھی وگرنہ اگر وہ ان عبادات کو معین نہ فرماتا تو بندوں کو حرص و ہوا کبھی ان کی ادائیگی کا موقعہ نہ دیتے ۔ پھر وہ ان اُمور سے غلطی میں پھنس کر یا نفس کے غلط رویہ کے تابع ہو کر یا دیگر خرابیوں کا شکار ہو کر ان جملہ اُمور سے محروم ہو جاتا ۔

نکتہ عبادات کے اوقات میں توسیع سے بھی یہی مطلوب ہے کہ وہ اپنے اختیار سے جیسے ہی اور جس وقت چاہیں عبادت کریں ۔

مسئلہ شبِ معراج پچاس نمازوں کی ادائیگی کا حکم ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر پچاس سے پانچ کا حکم دیا ۔ لیکن اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ثواب پچاس نمازوں کا عطا فرمائے گا ۔

نکتہ قیامت کو پچاس ہزار سال کا بنانے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ کفار کو پچاس نمازوں میں سے ہر ایک نماز کی سزا دس ہزار سال دے تاکہ انہیں ایسی نعمت عظمیٰ کو ضائع کرنے پر سخت سے سخت ندامت ہو چنانچہ وہ اپنی سزا یابی کے وقت اس نماز کو ضائع کرنے کا اعتراف کریں گے ۔ چنانچہ قرآن مجید اُن کا جواب نقل فرمایا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (ہم نمازی نہ تھے) ۔

عمدًا نماز چھوڑنے والے کی سزا کا بیان

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے عمدًا ایک نماز وقت پر نہ پڑھی اگرچہ پھر اسے پڑھ بھی لے تو اسے جہنم کے عذاب میں ایک حقب (مدت مقررہ) تک مبتلا کیا جائے گا ۔ (حقب اسی سال کا ہوتا ہے) اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ۔ اور قیامت میں ایک دن ایک ہزار کا سال کا ہو گا ۔ یہ سال وہی ہے جو تمہاری گنتی میں ہے ۔

فائدہ یعنی نماز چھوڑنے کی سزا یہی ہے جو مذکور ہوئی۔ اگر وہ سزا دینا چاہے۔ اگر بندہ تائب ہو کر مرے تو وہ کریم اتنی بڑی سزا معاف کر دیتا ہے (مشکوٰۃ الانوار)

حدیث شریف پانچ ایسے بندے ہوں گے جن پر نہ تو جہنم کی آگ ٹھنڈی ہو گی اور نہ اُسے جہنم کے کیڑے کھانے میں کمی کریں گے اور نہ ہی ان سے عذاب کی تخفیف ہو گی۔

(۱) مشرک

(۲) ماں باپ کا بے فرمان

(۳) اپنے ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنے والا

(۴) جو حاکم ظالم کے ہاں کسی بھائی کو ناحق گرفتار کرائے۔

(۵) وہ عورت جو اذان سُن کر نماز نہیں پڑھتی حالانکہ اُسے عذر بھی نہیں۔ (روضۃ العلماء)۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے بعد سب سے بڑی محبوب تر عبادت نماز بندوں کو عطا فرمائی ہے اگر اس سے کوئی اور عبادت محبوب تر ہوتی تو ملائکہ کرام کو اس کا حکم فرماتا۔ حالانکہ ملائکہ کرام بھی اس عبادت میں مشغول ہیں۔ کوئی اُن میں راکع ہیں اور بعض ساجد بعض قیام میں ہیں اور بعض قعود میں وہ اسی طرح ازل سے تا ابد نماز میں رہیں گے۔ یہ وہ عبادت ہے کہ جس کی کُنہ سے ادراک عاجز ہے ہاں صرف اللہ والوں کو اس کی پہچان ہے اور بس۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۝ جب سے اُن پر اس کی ہر وقت ادائیگی واجب ہے (اس لئے صوفیاً کرام اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ کا معنٰی اَدِیۡمُوۡھَا (نماز پر مداومت کرو) کہتے ہیں لیکن چونکہ انسان ضعیف البنیان ہے اس لئے اسے صرف پانچ وقتوں پر منحصر فرمایا۔ جب شبِ معراج پچاس فرض ہوئیں لیکن ہماری کمزوری کے پیشِ نظر صرف باقی پانچ رہ گئیں اور یہ بھی صدقہ ہے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ لیکن یہ عوام کے لئے ہے ورنہ خواص تو ہر وقت نماز میں رہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلٰوتِھِمۡ دَآئِمُوۡنَ اور وہ ہمیشہ نماز میں ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

(۱) پنج وقت آمد نماز رہنمون

عاشقانش فی صلوۃ دائمون

(۲) نیست زرغباً وظیفہ ماہیاں

زانکہ بے دریا ندار دانس جاں

(۳) ہیچ کس باخویش زرغبا نمود
ہیچکس باخود بنوبت یار بُود

(۴) در دلِ عاجز بجز معشوق نیست
درمیاں شاں فارق و فاروق نیست

ترجمہ : (۱) پانچ وقت کی نماز رہبر ہے عاشق ہمیشہ نماز میں ہیں۔
(۲) مچھلیوں کے لئے زرغبا (زیارت کرو ناغہ کرو) کا حکم نہیں کیونکہ وہ دریا کے بغیر انس وجان نہیں بچاسکتیں۔
(۳) اپنے قریبی سے تو زرغبا ظاہر کیا جاسکتا ہے اپنے کے ساتھ یار معشوق کا سا معاملہ نہیں ہوتا۔
(۴) لیکن عاشق کے دل میں تو سوائے محبوب کے اور کوئی تصوّر نہیں اسی لئے اس کے اور معشوق کے درمیان فارق و فاروق (جدائی ڈالنے والی) کوئی شے نہیں ہوسکتی۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ط کفار کی تلاش میں کمی نہ کرو۔

شانِ نزول یہ غزوۂ بدر صغریٰ میں نازل ہوئی (بدر بنوکنانہ کی بازار کی جگہ کا نام ہے جہاں وہ سال میں آٹھ روز قیام کرتے تھے۔ مروی ہے کہ ابوسفیان نے (جبکہ کافر تھے) نے کہا کہ اے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہم آپ کا آئندہ سال موسم حج میں مقابلہ کریں گے۔ اگر منظور ہو تو بتاؤ۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ابوسفیان نے یہ اس وقت کہا جب اُحد سے لوٹ رہا تھا۔ جب سال ختم ہوا تو ابوسفیان کے دل پر رُعب چھا گیا جس سے اپنے سابقہ معاہدہ پر سخت نادم ہوا۔ نعیم بن مسعود کو مدینہ طیبہ کی طرف بھیجا تاکہ مسلمانوں کے دل میں بدر جانے سے ڈرائے تاکہ لڑائی سے رُک جائیں۔ جب نعیم بن مسعود مدینہ مقدس پہنچا تو دیکھا کہ لوگ غزوۂ بدر کے لئے تیاریوں میں مصروف ہیں اُس نے کہا کہ بدر میں لڑائی کے لئے مت جاؤ اس لئے کہ ابوسفیان نے تمہارے لئے بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے اگر جاؤ گے تو مر مٹو گے۔ حضور علیہ السلام نے لوگوں میں سستی کے آثار دیکھ کر فرمایا کہ سُن لو کہ میں اس جنگ پر ضرور جاؤں گا۔ اگرچہ مجھے اکیلا ہی جانا پڑے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وہ گھبراہٹ دُور فرمائی (جو انہیں ابوسفیان کے لشکر کے مقابلہ سے ہوئی اور فرمایا اے مسلمانو! سستی نہ کرو اور نہ ہی دل کو کمزور کرو (قوم) (کفار) سے لڑائی کرنے سے اور یہ خیال بھی مت کرو کہ جیسے تمہیں احد میں شکست ہوئی اب بھی ویسے ہی ہوگی۔ اس پر قیاس کرکے سستی سے بیٹھ نہ جاؤ

اِنْ تَكُوْنُوْا تَأْلَمُوْنَ وہ زخمی ہوتے جیسے تم زخمی ہوئے یعنی اگر تمہیں جنگ میں تکلیف پہنچی ہے تو اس میں تم اور وہ برابر ہو پھر تمہیں اجر نصیب ہوا جس سے وہ بالکل محروم ہیں چنانچہ فرمایا وَتَرْجُوْنَ

مِنَ اللّٰہِ اور تم اللہ تعالیٰ سے ثواب اور فتحمندی کی اُمید رکھتے ہو مَا لَا یَرْجُوْنَ جو وہ اُمید نہیں رکھتے۔
خلاصہ یہ کہ تم کیوں گھبراتے ہو۔ جب جنگ میں زخم پہنچنے میں تم اور وہ (مشرک) برابر ہوا ایسا تو نہیں کہ صرف تمہیں زخم پہنچے تھے اور وہ ویسے ہی رہے بلکہ وہ بھی تمہاری طرح زخموں پہ زخم کھا گئے لیکن وہ تو اس سپر صبر کر گئے بخلاف تمہارے کہ تم صبر کے بجائے بزدلی کا اظہار کرتے ہو حالانکہ تم صبر کرنے کے زیادہ حقدار ہو۔ اس لئے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے یاددہانی کرائی گئی ہے کہ تمہارا دین تمہارے سے ادیان باطلہ پر غالب آئے گا۔ علاوہ ازیں تمہیں آخرت میں ثواب کی بھی اُمید دلائی گئی ہے۔ بخلاف اُن کے کہ انہیں تمام باتوں سے محرومی ہے۔ وَكَانَ اللّٰہُ عَلِيْمًا

اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا علیم ہے کہ اُسے تمہارے اعمال کا بھی علم ہے اور تمہارے دلوں کے ارادوں کو بھی خوب جانتا ہے حَكِيْمًا۔

جن امور کا حکم فرماتا ہے یا جن باتوں سے روکتا ہے اس میں اُس کی بہت بڑی حکمتیں ہوتی ہیں اس لئے تم اس کے جمیع اوامر و نواہی کی تکمیل میں پوری جدوجہد کرو۔ اس لئے کہ ان میں تمہارے نیک انجام ہوں گے۔ فلہذا کفار کی طلب میں پورا زور لگاؤ اور اُن سے جنگ کے لئے پوری پوری طاقت صرف کرو اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت اور مصلحت ہے فلہذا تم ان کا پیچھا کرو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں انہیں دنیا کا عذاب چکھائے اور آخرت میں زبانیہ (جہنم کے فرشتوں) سے۔ کیا تمہیں گذر جانے والے کفار کے حالات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ کیا کیا کہ جب انہوں نے حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی تو انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے طور و طریق کو ہرگز نہیں بدلتا کہ غیر مستحق کو عذاب دے اور مستحق کو عذاب میں مبتلا نہ کرے اور نہ ہی وہ اپنے ارادوں سے سرِمو ہٹتا ہے کہ کسی مستحق کو چھوڑ کر دوسرے سے عذاب نازل فرمادے۔ خلاصہ یہ کہ نہ اللہ تعالیٰ اپنے طریقے کو بدلتا ہے اور نہ ہی اس کے ارادوں میں کچھ تبدیلی آسکتی ہے اب یقین کرو کہ اُن کافروں پر عذاب لازم ہو چکا ہے اس سے تبدیلی ہرگز نہیں ہوگی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس ارادے کو بدلے گا۔

فائدہ آیت کریمہ میں شجاعت اور بہادری پر اُبھارا گیا ہے اور ساتھ ہی بتایا گیا ہے کہ کفار کے سامنے شیر بن کے جاؤ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً چاہیئے پائیں تمہارے میں سختی۔ کسی شاعر نے یوں کہا ہے ؎

ہست نرمی آفت جانِ سمور
وز درشتی میبرد جاں خارپشت

ترجمہ: نرمی عزم کے لئے آفت جان ہے۔ سخت جان پر سختی جان لیوا۔

حدیث شریف حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کا دل کفار کی جنگ کے وقت جوش میں ہو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے سخت آندھی میں درختوں کے پتے۔

فائدہ حضرت عطیہ بن قیس فرماتے ہیں کہ جب میں جنگ کے لئے روانہ ہوتا ہوں اگر میرے دل میں اپنی تعداد میں کثرت کا خیال گذرتا ہے تو جنگ سے واپس آجاتا ہوں کہ کہیں میں تکبر سے دھوکہ نہ کھا جاؤں اگر میرا لشکر تھوڑا ہوتا ہے اور دل پر اس کا وسوسہ ہوتا ہے تو جنگ سے تو باز نہیں ہوتا لیکن لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ضرور پڑھتا ہوں تاکہ شیطان کے وسوسہ سے حفاظت ہو اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے نوازا جاؤں۔ بہرام نے فرمایا ؎

① ہر آنکہ سر تاج دارد
باید کہ دل از سر ہا دارد

② ہر آنکہ پائے نہد در نگارخانہ ملک
یقین کہ مال و سر و ہر چہ ہست درباذد

ترجمہ ① وہ جو سر پر تاج رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ سر سے ہاتھ ڈالے۔
② جو بھی بادشہ کے نگارخانہ میں پاؤں رکھتا ہے وہ جملہ مال بلکہ سر بلکہ اپنا سب کچھ کھو دے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در قتراکہند مرد باید بود
بر مخنث سلاح جنگ چہ سود

ترجمہ: مرد بہادر کے سر پر ہتھیار سجتے ہیں۔ مخنث (ہیجڑے) پر جنگ کے ہتھیاروں کا کیا فائدہ۔

نکتہ از مرشد صاحب روح البیان صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے مرشد و شیخ نے فرمایا کہ بادشاہ و وزیر مملکت اسلامیہ کے لئے بمنزلہ قلب کے ہوتے ہیں جیسے قلب کو جسم کے اعضاء سے تعلق ہوتا ہے کہ اگر قلب درست ہو تو تمام اعضا صحیح۔ اگر بادشاہ وقت کو بھی اپنے رعایا سے دس گنا زائد نیکی ہوگی تو مراتب میں زائد ہونا ضروری ہے مثلاً اسمیں دس مراتب ہوں تو قوم میں ایک۔ اگر اسمیں سو درجے ہوں تو قوم میں دس۔ اسی طرح کوتاہیوں میں (اولاً) اسمیں کوتاہی نہ ہونی چاہیئے اگر ہو تو پھر بہ نسبت قوم کے دس گنا کم ہو۔ مثلاً قوم میں دس کوتاہیاں ہوں تو اس میں صرف ایک۔ اسی طرح قوم میں یکصد تو اس میں صرف دس۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور حاکم وقت کو شہروں کی سیر و سیاحت اور عیش و عشرت سے بھی اجتناب کرنا لازمی ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ امور دینی کی خدمت کے لئے ہر وقت کوشاں اور متوکل علی اللہ اور مصائب پر صابر و شاکر رہے اور ایفائے عہد کی پابندی کرے (کہ جو وعدہ کرے اسپر پورا اُترے) اللہ تعالیٰ سے مدد کے حصول میں عجلت نہ کرے (کہ جلد از جلد اُس کا مدعا پورا ہو جائے) اگر اس کی طرف سے کچھ دیر ہو جائے تو غمگین نہ ہو کہ

(باقی صــــ پر)

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ
اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَهُمْ ۚ إِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيْمًا ۝ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا
يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ
وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ مَّنْ
يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ
يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا
يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً
أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

ترجمہ: اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلے کرو جس طرح تمہیں
اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور
ان کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں بے شک اللہ نہیں چاہتا کسی بڑے دغا باز گنہگار کو
آدمیوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ اُن کے پاس ہے جب دل میں وہ بات تجویز کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے اور اللہ ان کے
کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔ سنتے ہو جو تم ہو دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف سے جھگڑے تو ان کی طرف سے کون
جھگڑے گا اللہ سے قیامت کے دن یا کون اُن کا وکیل ہوگا اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر ان سے بخشش
چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اُسی کی جان پر پڑے اور اللہ علم و
حکمت والا ہے اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے پھر اُسے کسی بے گناہ پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ
اُٹھایا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بے شک ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل فرمائی۔ بِالۡحَقِّ حق کے ساتھ۔

شانِ نزول انصار کے قبیلہ بنی ظفر کے ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے اپنے ہمسایہ قتادہ بن نعمان کی زرہ چرا کر آٹے کی بوری میں زید بن ہمین یہودی کے ہاں چھپائی۔ جب زرہ کی تلاش ہوئی اور طعمہ پر شبہ کیا گیا تو وہ انکار کر کے قسم کھا گیا۔ بوری پھٹی ہوئی تھی اور آٹا اس میں گرتا گیا اس کے نشان سے یہودی کے مکان تک پہنچے بوری وہاں پائی گئی۔ یہودی نے کہا کہ طعمہ میرے پاس رکھ گیا ہے اور یہودی کی ایک جماعت نے اُن کی گواہی دی اور طعمہ کی قوم بنی ظفر نے یہ عزم کر لیا کہ یہودی کو چور بنائیں گے اور اس پر قسم کھالیں گے تا کہ قوم رسوا نہ ہو اور اُن کی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طعمہ کو بری کر دیں اور یہودی کو سزا دیں۔ اسی لئے انہوں نے حضور کے سامنے طعمہ کے موافق یہودی کے خلاف جھوٹی گواہی دی۔ اور اس گواہی پر کوئی جرح و قدح نہ ہوئی۔ جس سے آپ کی طبع

(بقیہ صہ)

کیوں دیر ہوئی) یا اس نے میرے لئے جلدی کیوں نہ کی) یا رحمت کا دروازہ کیوں دیر سے کھولا) بلکہ اس کی رحمت کا دروازہ کھلنے کا انتظار کرے (اس کے لئے رحمت کے دروازے کھلیں گے ہی۔ اگرچہ دیر سے) اس لئے کہ دل کا انکسار غیوب کے ابواب کے کھولنے کی چابی ہے اور اس پر ہی فتوحاتِ حق کا دارومدار ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وَلَا تَهِنُوۡا فِي ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ یعنی نفس اور اُس کی صفات اور اس سے جہاد کی طلب میں سستی نہ کرو اِنۡ تَكُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ اگر تم نے نفس سے جہاد کرنے میں مشقت اٹھائی ہے اور ریاضات و مجاہدات اور ملازمت و عبادات و طاعات میں سرگرم رہے ہو اور دائمی ذکر اور مراقبۂ قلب کر کے طلب حق اور قبول حکم اور بلند مقامات تک پہنچنے میں تکلیفیں اُٹھائی ہیں تو نفس و بدن نے بھی طلب شہوات دنیویہ و لذات حیوانیہ اور مرادات جسمانیہ میں تکالیف برداشت کی ہیں بلکہ اُن کے حصول میں بہت دکھ اور درد کا شکار ہوئے۔ وَتَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ اور تم تو اللہ تعالیٰ سے عواطف ازلیہ اور عوارف ابدیہ کے امیدوار ہو اور انہیں اپنی گندی اور بری تمناؤں سے کوئی امید نہیں اس لئے کہ وہ اپنے عجز و قصور کی وجہ سے مقاصدِ دنیویہ سے آگے نہیں جا سکتے۔ وَكَانَ اللّٰهُ اور اللہ ازل سے ہی عَلِيۡمًا علیم ہے کہ اپنی جمیع مخلوق کی ہر قسم کی استعداد کو جانتا ہے حَكِيۡمًا اور جن کو جس طرح کے احکام صادر فرمائے ہیں۔ کھانے پینے وغیرہ سب کی حکمتیں جانتا ہے۔ ہر ایک کو اپنی منزل معلوم ہے اور وہ اپنے مشاغل پہ خوش ہے۔

کا میلان اس طرح ہوا کہ اس طعمہ کی مدد فرمائیں۔ لیکن حکم صادر نہ فرمایا بلکہ توقف فرما کر وحی ربّانی کا انتظار فرمایا تو یہ آیت اُتری اور آپ کو روکا گیا اور تنبیہ کی گئی کہ طعمہ اور اس کے گواہ جھوٹے ہیں اور یہودی اس جرم سے بالکل بری ہے۔ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ تاکہ آپ وہ فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو بذریعہ وحی جتلائے۔ یہاں پر اراک رُؤیۃ بصری کے معنے میں نہیں اور نہ ہی بمعنے العلم ہے کیونکہ اسے سہ مفاعیل ضروری ہیں بلکہ یہاں پر رؤیت بمعنے اعتقاد و معرفت ہے۔

سوال رویت بمعنے اعتقاد و معرفت کیوں ہے؟

جواب اعتقاد و معرفت بھی قوت و ظہور اور شک و شبہ میں خالص ہونے میں رؤیت کی طرح ہوتا ہے۔

وَلَا تَكُنْ فیصلہ فرمایئے لیکن نہ ہو جایئے۔ لِّلْخَآئِنِيْنَ خیانتوں کے لئے۔ اس سے طعمہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔

مروی ہے کہ جب طعمہ کی برادری کو معلوم ہوا کہ واقعی طعمہ نے چوری کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ اس کی زمانۂ جاہلیت میں چوری کی عادت تھی۔ تو رات کو کافی دیر تک بحث کرتے رہے کہ کسی طرح یہ چوری یہودی کے ذمہ سر تھوپی جاسکے۔ آخر طے ہوا کہ کل صبح جا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں طعمہ کی برأت کا اظہار کر کے چوری کی عینی گواہی یہودی پر دیدیں تاکہ طعمہ چوری کی سزا سے بچ جائے۔ اسی لئے اُن کی اس کارروائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں خیانت سے موصوف فرمایا۔

فائدہ اس سے طعمہ کے علاوہ وہ لوگ بھی مراد ہیں جو اس عمل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

خَصِيْمًا ۙ طرفداری تاکہ وہ طعمہ اور اُس کی برادری بری الذمہ ہو جائے۔ یعنی طعمہ اور اُس کی برادری کی وجہ سے یہودی سے مخاصمت نہ فرمایئے۔ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگئے۔ اس لئے کہ آپ نے اُن کی طرفداری کا ارادہ فرما لیا تھا۔ جبکہ آپ کے سامنے گواہیاں پیش کی گئیں۔

فائدہ حضرت ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام سے صرف اس فعل کا ارادہ ہوا۔ اگر اس کا ارتکاب فرماتے تو پھر اسے خطاء سے تعبیر کیا جاتا باوجودیکہ آپ سے خطا کا صدور بھی نہیں ہوا بلکہ صرف ارادہ ہوا اور وہ حکم شرعی کے مطابق کہ گواہیاں بھگتائی گئیں) پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُس کے لئے استغفار کا حکم فرمایا۔ اگرچہ آپ شرعاً معذور بھی تھے تو یہ "حسنات الابرار سیات المقربین" کے حکم ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ بے شک اللہ تعالیٰ بخشش مانگنے والوں کے لئے بہت بڑا غفور اور رحیم ہے وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اور جو لوگ خیانت کرتے ہیں آپ اُن کی طرف سے جھگڑا نہ کیجئے۔ اختیان اور خیانۃ کا ایک معنے ہے یعنی سوچ سمجھ کر خیانت کرتے ہیں۔

سوال اسے یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَہُمْ سے کیوں تعبیر فرمایا ؟

جواب اگرچہ انہوں نے اپنے نفسوں کی کوئی خیانت نہ کی لیکن اس کا نتیجہ تو اُس کے نفس ہی بھگتیں گے مثلاً کسی پر ظلم کرنے والے کو کہا جاتا ہے فلان ظلمہ نفسہ یعنی اس نے جو ظلم کیا اُس کا گناہ اُس کے نام لکھا جائے گا تو گویا اُس نے اپنے نفس پر ظلم کیا (تفسیر احمدی)۔

فائدہ اَلَّذِیْنَ سے طعمہ اور وہ لوگ مراد ہیں جو ایسے اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مسئلہ جو لوگ طعمہ کے ساتھ تعاون کرتے رہے یا اُس کی برأت کی گواہی دی تو وہ بھی گناہ اور خیانت میں اُس کے ساتھ شریک ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

فائدہ عدم محبت بُغض و غضب سے کنایہ ہے۔

خَوَّانًا خیانت کرنے والے کو یعنی وہ جو خیانت کا خوگر اور اس پر اصرار کرتا ہے۔ اَثِیْمًا گنہگار کو بھی پسند نہیں کرتا۔ یعنی ہر وہ شخص جو گناہوں میں منہمک ہو۔

سوال طعمہ پر ان صیغوں کا اطلاق کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ یہ اُس شخص کے لئے مستعمل ہوتے ہیں جس سے عمل مذکورہ بالا کا صدور بار بار تکرار ہو اور طعمہ سے صرف ایک بار غلطی ہوئی اور فعل بھی صرف ایک واقع ہوا یعنی چوری ؟

جواب چونکہ اس کی طبع خبیث کا میلان ہر وقت بسیار خرابیوں اور بے شمار غلطیوں کی طرف رہتا تھا۔ اس کی طبع خبیث کی وجہ سے اسے ہی کہا گیا۔ بالخصوص خیانت اور چوری تو اُس کے دل میں گھر چکی تھی۔ چنانچہ مروی ہے کہ اس فیصلہ کے بعد وہ مرتد ہو کر مکہ معظمہ کی طرف بھاگ گیا اور وہاں جا کر چوری کی نیت سے ایک دیوار میں نقب لگائی۔ دیوار گری تو وہاں مر گیا۔

فائدہ جب کسی کی ایک غلطی پر تمہیں آگاہی ہو جائے تو سمجھ لو کہ اس سے قبل وہ ایسی بے شمار غلطیوں کا ارتکاب کر چکا ہوگا۔

حکایت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے ایک نوجوان کے لئے قطع ید کا حکم صادر فرمایا تو اُس کی ماں روتی ہوئی حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے اس بچے کا یہ پہلا گناہ ہے فلہٰذا معاف فرما دیجئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو غلط کہتی ہے۔ اس سے قبل اس نے کئی بار اس کا ارتکاب کیا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پہلے کسی گناہ پر گرفت نہیں فرماتا۔

یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپتے۔ یعنی اُس سے انہیں حیا کرنا چاہیئے کیونکہ اُس سے

پاک صاف کرے۔ کسی ایک کا طمع اور لالچ نہ کرے تھوڑی چیز ہو یا بڑی اُسے سخی ہونا چاہیئے اور اپنا مال بے شوہر عورتوں اور یتیموں پر خرچ کرنا چاہیئے بلکہ حتی الامکان اُن کے حقوق کی ادائیگی میں کوشش کرے۔

فہرست کبائر۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں چھ گناہ تباہ کن ہیں۔ کہ اُن کی توبہ بھی قبول نہیں۔

① یتیموں کا مال کھانا۔

② پاک عورتوں پر تہمت لگانا۔

③ جنگ سے بھاگنا۔

④ جادوگری۔

⑤ اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔

⑥ نبیوں میں سے کسی نبی علیہ السلام کو شہید کرنا۔

ف: وہ گھر بہت بڑا بابرکت ہے جس میں یتیم ہے اور خرابی ہو اس گھر میں کہ جہاں یتیم نہ ہو۔ یعنی اُن گھر والوں کیلئے بہت بڑی خرابی ہے کہ وہ یتیم کے حقوق پورے نہیں کرتے اور مبارکباد کے مستحق ہیں وہ گھر والے جو یتیم کی عزت و احترام میں کمی نہیں کرتے۔

حکایت منظوم

یکے خار پائے یتیمے بکند — بخواب اندرش دید صدر خجند

کہ میگفت و در روضہا می چمید — کزاں خار برمن گلہا دمید

ترجمہ: کسی نے کسی یتیم کے پاؤں سے کانٹا نکالا۔ کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت بڑے اُونچے مقام پر فائز المرام ہو کر بہترین باغات میں ٹہلتا ہوا کہتا تھا کہ (اس یتیم کے) کانٹے نے میرے لیے کیسا بہترین باغ بویا ہے۔

حدیث شریف ایک شخص نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے ہاں یتیم ہے آپ فرمایئے کہ میں اسے کس بات پر سزا دوں اور کس بات پر سزا نہ دوں۔ آپ نے فرمایا جن سے تم اولاد کو سزا دے سکتے ہو یعنی جیسے اپنے بچے کو ادب سکھانے کے لیے واجبی سزا دی جاتی ہے۔ ایسے ہی یتیم کو بھی سزا دی جا سکتی ہے یعنی جتنا باپ بیٹے کو مار سکتا ہے اتنی قدر یتیم کو بھی

مسئلہ: صرف ایک لقمہ یتیم کو دینا بہت سے طعام دوسروں کو کھلانے سے زیادہ ثواب ہے۔

مسئلہ: حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ تنبیہہ الغافلین میں لکھتے ہیں کہ یتیم کو اگر مارے بغیر ادب سکھلایا جا سکتا ہے تو اسے نہ مارنا ہی بہتر ہے اس لیے کہ یتیم کو مارنا ایک شدید امر ہے۔

یتیم کے فضائل: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یتیم کو مارا جاتا ہے تو عرش معلیٰ کانپ جاتا ہے جب کہ وہ روتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اسے کون رلاتا ہے جس کے باپ کو میں نے مٹی میں دبا دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ ہمیں تو اس کا علم نہیں پھر فرماتا ہے جو یتیم کو خوش رکھتا ہے میں اسے قبر میں خوش رکھوں گا۔

چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش — مدہ بوسہ بر روئے فرزند خویش[1]

یتیم ار بگرید کہ بارش برد — وگر خشم گیرد کہ نازش خرد

الا تا نہ گرید کہ عرش عظیم — بلرزد ہمی چوں بگرید یتیم

اگر سایہ خود برفت از سرش — تو در سایہ خویشتن پرورش

ترجمہ: (۱) جب تم اپنے ہاں یتیم کو پاؤ تو اس کے سامنے اپنے بیٹے کو بوسہ نہ دو۔

(۲) اگر وہ غصہ کرے تو اس کا ناز کون اٹھائے گا۔

(۳) خبردار یتیم نہ روئے ورنہ عرش عظیم لرز جائے گا۔

(۴) اگر اس کا سایہ اس کے سر سے اٹھ گیا تو تم اپنے سایہ لے لو۔

حدیث داؤدی: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو فرمایا یتیم کے ساتھ باپ جیسا برتاؤ کرو۔

ف: جیسی کھیتی بوؤ گے اسی کا پھل اٹھاؤ گے۔

ف: جس کی عورت نیک بخت ہو وہ اس بادشاہ کی طرح آسودہ ہے جس کا تاج سونے سے مرصع ہو کہ جب بھی وہ اپنی عورت کو دیکھتا ہے تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور جس کی عورت بدبخت ہے اس کی مثال اس بوڑھے ضعیف کی ہے کہ جس کے سر پر بہت بڑا بوجھ رکھ دیا جائے۔

کرا خانہ آباد و ہمخوابہ دوست — خدا را برحمت نظر سوئے اوست

دلارام باشد زن نیک خواہ — ولیک از زن بد خدایا پناہ

تہی پائے رفتن بہ از کفش تنگ — بلا سفر بہ کہ در خانہ جنگ

ترجمہ: جس کا گھر آباد اور عورت موافق ہو اللہ کی اس پر رحمت کی نگاہ ہے۔

---

[1] جب تم اپنے ہاں یتیم کو پاؤ تو اس کے سامنے اپنے بیٹے کو بوسہ نہ دو۔

(۲) غیر خواہ بیوی محبوب ہوتی ہے لیکن بُری بیوی سے خدا بچائے۔
(۳) تنگ جوتی سے ننگے پاؤں چلنا بہتر ہے گھر میں جھگڑا ہو اس وقت سفر کی مصیبت جھیلنا بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی۔
اور اگر تم خوف میں ہو کہ یتیموں کے متعلق انصاف نہیں کر سکو گے۔

حل لغات: لاتقسطوا الاقساط سے ہے بمعنے۔ العدل اور خوف سے مراد علم ہے۔

سوال: علم کو خوف سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: علم کا مفعول یعنی جو شئے معلوم ہے وہ خوفناک اور ڈراونی ہے اس لیے علم (یعنی علمتم) کے بجائے خوف (خفتم) استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں خوف اپنے حقیقی معنے میں نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس خوف سے جس کا جواب معلق کیا ہے وہ علم بوقوع الجور المخوف کرتا ہے۔

شان نزول زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ وہ یتامٰی کی ماؤں سے نکاح کر لیتے۔ جس سے نکاح کرنا اُن کے لیے جائز ہوتا۔ یتامٰی کی پرورش کی نیت پر نہیں بلکہ یتامٰی کے ملک و مال کے لالچ میں۔ پھر ان عورتوں کو ذلیل و خوار کرتے اور اُن کا معاشرہ تنگ کر دیتے۔ پھر اس تمنا میں رہتے کہ کہیں یہ مر جائیں تاکہ ہم اُن کی وراثت سنبھالیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو ان یتیم لڑکیوں کے نکاح کے شوق میں رہتے خواہ اُن یتیم لڑکیوں کا سن اُن سے مطابقت بھی نہ رکھتا ہو۔ اس سے انہیں روکا گیا کہ ان سے نکاح نہ کرو۔ ہاں اگر اُن کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کر سکو کہ حق مہر بھی ادا کرو اور معاشرہ بھی اچھا رکھو۔ دوسرے قول کے مطابق انہیں حکم ہوا کہ یتیم لڑکیوں سے نہیں بلکہ اُن کے ماسوا کسی اور عورت سے نکاح کرو۔ اگر اس سے انصاف نہیں کر سکتے ہو تو ورنہ کوئی حرج نہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ اگر تمہیں خوف ہے کہ یتیمی سے انصاف نہیں کر سکو گے جب کہ تم اُن سے نکاح کرتے ہو کہ ان سے معاشرہ صحیح نہیں ہوگا یا ان کی حق مہر پوری ادا نہیں ہوگی فانکحوا ما تو نکاح کرو اُن سے یہ ما موصولہ یا موصوفہ ہے۔ یہاں وہ وصف مراد ہے جس کو مرد اور عورت دونوں اختیار کریں گے یعنی نکاح۔ طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ تمہارے لیے خوش لگے عورتوں میں سے۔ یعنی یتیمی کے بغیر جیسے مقام حال سے یا قرینہ سے معلوم ہوتا ہے پس اجنبی عورتوں میں سے جن کو تم چاہو۔ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ دو دو۔ تین تین۔ چار چار۔ یہ طاب کے فاعل سے حال ہے یعنی پاکیزہ طبع اور گنتی کی چند عورتوں سے نکاح کرو اور یہ گنتی دو دو۔ تین تین۔ چار چار جیسے تم چاہو۔ معنٰی یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے ان میں سے جس عدد کو چاہے نکاح کرے یہ معنٰی نہیں کہ تم میں سے بعض اُن کے بعض کو اختیار کرے اور دوسرے بعض دوسرے وغیرہ وغیرہ۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ پس اگر تمہیں خوف ہے کہ عدل نہیں کر سکو گے یعنی ان کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکے گا اگرچہ مذکورہ اعداد میں تھوڑے عدد کے مطابق نکاح کرو۔ جیسے تمہیں بنامی سے نکاح یا اس سے زائد نکاح کرنے میں تمہیں عدم انصاف کا خطرہ ہے فَوَاحِدَةً پس ایک سے یعنی لازم پکڑ دیا۔ اختیار کرو ایک کو زیادہ کا ارادہ بالکل ترک کردو اَوْمَا۔

سوال: یہاں لفظ مَنْ کیوں ترک کیا گیا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ لونڈیوں کا رتبہ آزاد عورتوں سے کم ہے۔ یعنی وہ جو کہ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مالک ہو تمہارے سیدھے ہاتھ جتنی مقدار تمہارے قبضہ میں آئی ہیں یعنی مقدار اعداد میں سے۔ اس کا عطف واحدۃً پر ہے یہ لزوم و اختیار لونڈیوں کو خدمت گاری کے لیے ہے نہ کہ نکاح کرنے میں کہ اس پر عطف ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ لونڈیوں کا نکاح ملک یمین پر موقوف اگرچہ دونوں جگہوں پر مخاطب ایک ہیں۔

سوال: ایک حرہ اور متعدد لونڈیوں کا سہولت و آسانی میں ایک حکم کیوں۔

جواب: پہلے تو ان کا تابع ہونا قلیل ہوتا ہے دوسرا ان کے اخراجات وغیرہ معمولی ہوتے ہیں تیسرے ان میں برابری کی تقسیم ضروری نہیں ہوتی۔ (ذٰلِكَ) یہ اشارہ ایک سے نکاح کرنے کے اختیار پر ہے اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا زیادہ قریب ہے کہ تم کسی عورت پر ظلم نہیں کرو گے۔

حل لغات: لاتعولوا العول سے مشتق ہے یعنے المیل۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں عَالَ الْمِيْزَانُ عَوْلًا یہ اس وقت کہتے ہیں جب ترازو کسی طرف جھک جائے اور کہتے ہیں عال فی الحکم۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی حکم میں ظلم کرے۔ یہاں پر وہ میل مراد ہے۔ جو شرعًا ممنوع ہے جو عورتوں سے عدل کے بالمقابل ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔

نکتہ: عورت حرہ یا لونڈیوں سے نکاح میں اختیار میں نکتہ یہ ہے کہ یہ نسبت دوسری عورتوں کے جھگڑے میں میں زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم کے مرتکب نہیں ہو گے کہ جس ظلم سے تم رُکے گئے ہو۔ اس لیے کہ ایک عورت سے نکاح سے دوسری جب ہے نہیں تو پھر جھگڑے سے ظلم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور لونڈیوں میں برابری کی تقسیم کا حکم ہی نہیں بخلاف متعدد آزاد عورتوں سے نکاح کرنے میں کہ اس میں میلان ممنوع ممکن ہے کہ اس صورت میں میلان کا محل بھی ہے اور رکاوٹ کے حکم کے وقوع کا بھی امکان ہے وَاٰتُوا النِّسَآءَ اور ان عورتوں کو دو کہ جن کے ساتھ نکاح کی تمہیں اجازت ہے صَدُقٰتِهِنَّ ان کی مہریں (صدقات) صدقہ کی جمع ہے بمعنی مہر نِحْلَةً وہ عطیہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر فرض ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی منجملہ ان فرائض میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر نحلہ میں فرض فرمایا ہے نحلہ بمعنی ملت و شریعت و دیانت ہے۔ اس کا منصوب ہونا

صدقات سے حال واقع ہونے کی وجہ سے ہے یعنی انہیں اُن کی حق مہرادا کرو درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اُوپر فرض ہے یا انہیں بطور دیانت کے ادا کرو اس دوسرے معنیٰ پر اس کا منصوب ہونا مفعول لہٗ کی بنا پر ہے۔ یعنی ان کو حق مہر دو بطور دیانت و شریعت کے یا بطور ہبہ اور اللہ تعالیٰ سے عطیہ کے اور ان پر بطور تفضل و احسان کے اس معنیٰ پر اُس کا منصوب ہونا بوجہ حال کے یا یہ عطیہ ہے شوہروں کی طرف سے۔ یہ مشتق ہے "نحلۃ" سے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی کسی کو بطیب خاطر کچھ دے۔ نحلۃٌ اور نُحْلٌ ہر دونوں مصدر ہیں۔

سوال: حق مہر کو نحلہ (عطیہ) سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ یہ تو واجب ہے۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ اس وجوب کو چٹی نہ سمجھے بلکہ شوہروں کو چاہیے کہ یہ وجوب کمال رضا اور طیب خاطر سے دے۔ اس بنا پر اس میں ابتداء کا معنیٰ ہوگا۔ اور نحلہ کا منصوب ہونا بوجہ مصدریۃ (مفعول مطلق) کے ہے گویا یوں کہا گیا ہے آعْطُوْهُنَّ مُهُوْرَهُنَّ یعنی انہیں حق مہر بخوشی و رضا عطا کرو۔ اس بنا پر یہ خطاب شوہروں کو ہوگا۔ بعض کے نزدیک یہ خطاب متولیوں کو ہے اس لیے کہ وہ اپنی لڑکیوں کا حق مہر لیا کرتے۔ یہ حق مہر لیکر کہتے تجھے مبارک ہو۔ عظمت والی سے یہ اس کے لیے کہا جاتا ہے جیسے لڑکی پیدا ہو۔ وہ اس لیے کہ وہ اس لڑکی کا حق مہر لیتے تھے اس بنا پر وہ لڑکی کا متولی معظم سمجھا جاتا فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ پس وہ اگر خوش ہو کر اُس سے کچھ دیں منہ کی ضمیر صدقات کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال: صدقات کی جمع مؤنث ہے پھر ضمیر واحد اور مذکر۔ یہ کیوں۔

جواب: چونکہ یہ صدقات مہر کے قائم مقام ہیں اس بنا پر یہ ضمیر واحد مذکر کی لائی گئی ہے اور کبھی اس واحد مذکر ضمیر سے متعدد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور لام فعل کے متعلق ہے اور اسی طرح اس کا صلہ عن بھی آتا ہے لیکن اس وقت یہ فعل تجافی و تجاوز کے معنے کو متضمن ہوگا۔ اور منہ کا متعلق محذوف ہے اور یہ شئی کی صفت ہے یعنی وہ جو کہ حق مہر سے ہو۔

مسئلہ: اس میں عورتوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ مردوں کے قلیل عطیہ سے راضی برضا رہیں نَفْسًا طبن سے تمیز ہے

سوال: پھر نفساً واحد ہے اور وہ صیغہ جمع ہے باقتضائے قیاس نفوساً ہونا چاہیے (جواب) اس سے جنس مطلوب ہے اب معنیٰ یہ ہوا وہ تمہیں اپنی حق مہر سے کچھ نفسانیت سے خالی ہو کر عطا کریں اور اس میں وہ پاکیزہ کردار ادا کریں نہ کہ خباثت کا مظاہرہ کریں کہ مجبور ہو کر دے دیں لیکن پھر اس کے بعد تمہاری بد اخلاقی اور گندے معاشرہ کی شکایت کرتی پھریں فَكُلُوْهُ پس اسے کھاؤ یعنی وہ شئے جو وہ خوش ہو کر دیں تو وہ لے لو اور مالک ہو کر جس طرح چاہو تصرف کرو۔

سوال: اکل (کھانے) سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: اس لیے کہ مالی تصرفات میں سے (اکل) کھانا معظمات میں سے ہے هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا رچتا پچتا۔ یہ دونوں صفتیں ہیں هَنِيْٓـًٔا هنأ الطعام سے ہے اور مریئاً مرأ الطعام سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں۔ جو خوشگوار طعام ہو اور

اس میں کسی قسم کی نفرت طبعی نہ ہو۔ اُن کا منصوب ہونا اکلاً مَحذُوف کی صفت ہونے کی وجہ سے بہ بنائے مصدریۃ (مفعول مطلق) ہے۔

مسئلہ: اس عبارت کا اضافہ فرماتا ہے کہ عورتیں حق مہر سے مرد کو جو کچھ دیں وہ مرد کے لیے حلال اور مُباح ہے اور بہ ایں معنیٰ ہے کہ وہ اباحۃ علی طریق الاصالۃ ہے نہ کہ بطریق تبعیت۔

شانِ نزول: اہل عرب عورت کی واپس کردہ حق مہر کو لینا گناہ سمجھتے تھے۔ اُن کے اس خیال فاسد کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ اس میں احتیاط واجب ہے کہ خواہ مخواہ عورت کے کہنے سے اُس کی حق مہر لے بلکہ پوری تحقیق و تجسس کے بعد لے اس لیے اُسے حرف شرط سے مشروط کیا گیا ہے۔ کہ اگر وہ بخوشی و رضا دیں تو لو ورنہ نہ اور اُس کی خوشی و رضا صرف لفظوں سے نہیں بلکہ دیگر قرائن کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ: عورت کو حق مہر ہبہ کر کے اس سے رجوع کرنا بھی اس کے لیے جائز ہے۔ اگرچہ حیلہ بہانہ کے طور سہی لیکن ایسے کرنا اسے مناسب نہیں۔

مسئلہ: آیت میں عورتوں کو بھی سمجھایا گیا ہے کہ وہ شوہروں سے نیک سلوک کریں۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ مرد و عورت آپس میں احسن معاشرہ کا مظاہرہ کریں۔ اس لیے کہ وہ شخص بہترین انسان سمجھا جاتا ہے جو اپنے اہل و عیال سے نیک سلوک رکھے۔ اور انہیں زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ شوہر سے نیک سلوک رکھے۔

حدیث و حکایت: مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک عورت تھی کہ جب اُس کا شوہر سفر سے واپس لوٹتا تو وہ استقبال کے لیے آگے حاضر ہو کر کہتی "مرحبا بسیدی" یعنی میرے اور سارے کنبہ کے سردار تشریف لائے ہو۔ پھر آگے بڑھ کر اُس کے کاندھے پر سے چادر اُتارتی پھر پاؤں پر گر کر اُس کا جوتا اُتارتی۔ اگر اسے غمگین دیکھتی تو دعائیں دیتی ہوئی کہتی کہ تجھے کسی بات نے غمگین کیا ہے۔ اگر تیرا غم بوجہ آخرت کے ہے تو اللہ تعالیٰ برکت دے اور دُنیا کا کوئی غم ہے تو اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا۔ گھبراتے کیوں ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کے شوہر سے فرمایا۔ تیری عورت تیرے حق میں بہت بڑی نیک اخلاق ہے میری طرف سے اُسے سلام کہہ دینا اور ساتھ ہی خوشخبری سُنا دینا کہ اُسے اس عمل کی وجہ سے آدھے شہید کا ثواب نصیب ہوگا۔

نیک بخت عورت کے علامات: نیک بخت عورت کے چند علامات ہیں۔

(۱) دل میں خشیتِ الٰہی ہو۔

(۲) اُس کا غنا قناعت ہو۔

(۳) اس کے زیور پاکدامنی ہوں۔ یعنی وہ شرور و مفاسد سے محفوظ ہو۔
(۴) اُس کی عبادت فرائض کے بعد اپنے شوہر کی بہترین خدمت ہو۔ اس کا ارادہ ہر وقت موت کی تیاری کا ہو ؎

اگر پارسا باشد و خوش سخن　　نگہ در نکوئی و زشتی مکن
زن خوب خوش طبع گنجست و مار　　رہا کن زن زشت ناسازگار

ترجمہ: (۱) اگر بیوی نیک اور خوش سخن ہے تو پھر اس کے حسن و قبح کو نہ دیکھ۔
(۲) بیوی حسین بھی اور خوش خلق بھی تو وہ تیرا خزانہ ہے ہاں وہ بیوی سانپ ہے جو قبیح شکل کے باوجود تیرے ساتھ ناموافق ہے۔
یعنی اس عورت کو چھوڑ دے کہ جس میں نہ تو حسن و جمال ہے اور نہ ہی تیرے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتی ہے۔

حکایت: حضرت سکندر کے ہاں ایک دن تمام ارکینِ دولت جمع تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اے سکندرِ اعظم آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا ملک عطا فرمایا ہے اور شان و شوکت کی بھی کمی نہیں فلہٰذا آپ بہت زیادہ عورتوں سے نکاح فرمائیے تاکہ آپ کی اولاد کا دائرہ وسیع ہو۔ اور تیرے بعد تیرا نام بلند کریں گے۔ حضرت سکندر نے فرمایا، اولاد وہ نہیں جو تو نے بیان کی ہے۔ انسان کی اولاد اُس کی نیکیاں اور اچھے اخلاق ہیں۔ اور پھر بہادر مرد کے لائق نہیں کہ اُس پر عورتیں غالب ہوں جب کہ وہ تمام عالم دنیا پر غالب ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎
یغلبن الکرام ویغلبھن اللئام ممتاز شخصیتوں پر عورتیں غالب ہو جاتی ہیں لیکن اُن پر کمینے آدمی غلبہ پا جاتے ہیں ؎

چو نیست پیش پدر ایں قدر یقین کہ پسر　　ز خیل بے خرد انست یا خردمنداں
بس است سیرت نیکو حکیم را فرزند　　زبوں زن چہ شود بر امید فرزنداں

ترجمہ: (۱) جب باپ اپنے بیٹے پر یقین نہ ہو کہ وہ بے وقوفوں سے ہے یا داناؤں سے۔
(۲) حکیم (دانا) کو بیٹے نیک سیرۃ اتنا کافی ہے یہ اکہ اس کی بیوی نیک ہو ورنہ بری بیوی سے نیک اولاد کی امید کیسی۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے بوستان میں فرماتے ہیں ؎

حکایت منظوم:

چہ نغز آمد ایں یک سخن زاں دو تن　　کہ سرگشتہ بودند از دست زن
یکے گفت کس را زن مباد　　دگر گفت زن در جہاں خود مباد

ترجمہ: (۱) دو شخصوں سے یہ بات کیسی عجیب سنی گئی اور وہ دونوں عورتوں کے ستائے ہوئے تھے۔

(۲) ایک نے کہا کاش بری عورت نہ ہوتی دوسرے نے کہا یہ خود پیدا نہ ہوتی۔

زنِ نوکُن اے دوُست ہر نو بہار
کہ تقویم پاریں نیاید کار

ترجمہ: اے دوست ہر نئی بہار نئی عورت سے نکاح کر اس لیے کہ پرانی تقویم بیکار ہو جاتی ہے۔

خلاصہ ترجمہ: دو شخص آپس میں محو گفتگو تھے۔ ایک نے کہا سرے سے جہاں میں عورت پیدا نہ ہوتی۔ دوسرے نے کہا پیدا تو ضرور ہوتی لیکن بدعادت نہ ہوتی۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہر نئے سال نئی عورت سے نکاح چاہیئے۔ اس لیے کہ پرانی تقویم بیکار ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری اُمت کے تین ایسے شخص ہیں کہ وہ دُنیا کی عمر کے برابر یعنی سات ہزار سال کے مطابق تین بار جہنم میں رہیں گے۔

(۱) موٹے لیکن دُبلے۔
(۲) کپڑے پہننے والے لیکن ننگے۔
(۳) اہل علم لیکن جاہل۔

عرض کی گئی یا رسُول اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا موٹے لیکن دُبلے ان عورتوں کی مانند ہیں جو باعتبار گوشت کے موٹی تازی ہیں لیکن دینی اُمور کے لحاظ سے کمزور ہیں۔ اور وہ جو کہ کپڑے پہنتے والے لیکن ننگے ان عورتوں کی طرح ہیں جو کپڑے تو پہنتی ہیں لیکن حیاء سے خالی ہیں۔ اور اہلِ علم لیکن جاہل ہیں۔ اُن اہل علم کی اُن تاجروں جیسی مثال ہے۔ جو دنیوی کاروبار میں بہت بڑے چُست و چالاک ہیں اور دنیوی معاملات کو خوب جانتے ہیں۔ لیکن آخرت کے اُمور سے بالکل بے خبر۔ اسی طرح وہ علماء جو دنیوی اُمور کے تو حافظ ہیں لیکن اُمور آخرت سے اتنے غافل ہوتے ہیں کہ انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مال کہاں سے جمع کر رہے ہیں۔ وہ حلال مال سے سیر نہیں ہوتے اور نہ ہی معاذاللہ حرام مال کھانے سے چوکتے ہیں۔ وَلَا تُؤْتُوا اور اے یتیمی کے سرپرستو! نہ دو السُّفَهَآءَ بے وقوفوں کو یعنی اسراف کرنے والوں کو وہ مرد ہوں یا عورتیں اور وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں ربہ یتیموں کے متعلق ہے۔

اَمْوَالَكُمُ اپنے مال۔

سوال: اَموال کی اضافت اُولیاء (متولیوں) کی طرف کیوں گئی ہے۔

جواب: سرپرستوں کے عارضی قبضے کے لحاظ سے۔ اَب اُن سے یہ مال ایسا مخصوص ہوا ہے کہ گویا یہ اُن کا اپنا مال ہے۔ علاوہ ازیں ان میں اتحاد جنسی و نسبی بھی ہے۔ اس میں مبالغہ بھی ہے کہ وہ اس مال کو اپنا مال سمجھ کر محافظت کریں

چنانچہ اس کی آنے والے جملہ سے بھی تائید ہوتی ہے کہ یتامیٰ کے معاش کو متولیوں کی معاش پر موقوف فرمایا چنانچہ فرمایا الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیٰمًا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اسے قیام کا سبب بنایا۔ یعنی اموال کو ایسی شئے بنایا ہے کہ جس پر تمہارا قائم ہونا اور نشوونما موقوف ہے۔ اگر تم اسے ضائع کرو گے تو خود ضائع ہو جاؤ گے۔ چونکہ مال قیام و استقلال کا سبب ہے اس لیے قیام سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے عام قاعدہ ہے کہ بطور مبالغہ کے سبب پر سبب کا اطلاق ہوتا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے اعتبار سے اپنے قائم ہونے کے لیے اموال کا اتنا محتاج نہیں کہ گویا وہی خود قیام ہیں بہرحال اس میں مجاز ہے وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ۔ اور انہیں رزق دو اور کپڑے پہناؤ۔

حل لغات: رزق اللہ تعالیٰ سے اس عطیہ کو کہتے ہیں کہ جس کا حد و حساب نہ ہو اور جو بندوں سے ملے اُسے موقت اور مختلف عطیہ کہتے ہیں۔ یعنی تم ان یتامیٰ کو انہی اموال سے کھلاؤ پلاؤ وغیرہ۔

سوال: وَارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا کے بجائے منہا کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: تاکہ منہا کہنے سے یہ امر نہ سمجھا جائے کہ اس اموال سے بعض مال کھلاؤ پلاؤ بلکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اُن کے اموال کو اپنے اموال جیسا سمجھ کر اسے تجارت پہ لگاؤ اور خوب بڑھاؤ پھر انہیں اس مال کے منافع سے میٹھے بول بولو۔ یعنی اُن سے ایسی گفتگو کرو کہ جس سے اُن کے جی خوش ہو جائیں۔

مسئلہ: حضرت قفال مرحوم فرماتے ہیں کہ متولی یتیم کے مال کو یوں سمجھے کہ حقیقتاً مال تو اس کا ہے میں تو اس کا صرف خزانچی ہوں۔ جب یتیم سن رشد کو پہنچے تو اسے اس کا مال بلا کم و کاست واپس لوٹا دے۔

مسئلہ: اگر متولی کی سرپرستی میں بیوقوف پرورش پا رہا ہو تو اسے افہام و تفہیم کرے کہ فضول خرچی میں یہ خرابیاں ہیں فلہٰذا اسراف و تبذیر سے بچ کے رہنا۔ نماز و عبادت کی ترغیب و ترہیب دلائے پھر سمجھائے کہ اسراف و تبذیر کا نتیجہ افلاس و تنگ دستی ہے۔ پھر در در کے دھکے کھاؤ گے اس طرح کی باتیں اسے گاہے گاہے بتائے

مسئلہ: جب وہ یتیم سن رشد کو پہنچے اور وہ اپنا مال اپنے سرپرست سے طلب کرے تو اگر وہ اسے نہیں دیتا تو گنہگار ہو گا۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ مال ایک خطرناک شئے ہے اگرچہ اس کے اندر منافع بھی ہیں۔

مسئلہ: اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مال مؤمن کا ہتھیار ہے کہ اسے تنگدستی سے بچاتا ہے جو تنگدستی انسان کے دین کو برباد کر دیتی ہے۔ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تجارت کا پیشہ اختیار کرو اور کسب حلال کی عادت ڈالو۔ اس لیے کہ تم ایسے نازک دور سے گزر رہے ہو کہ جب تم تنگدستی کا شکار ہو گے تو سب سے پہلے تمہارا دین برباد جائے گا۔ جب وہ کسی کا جنازہ اٹھتا دیکھتے تو فرماتے اب تم دکان میں جا کر بیٹھو گے (یعنی دنیا میں جو کچھ

کما کے جاؤ گے وہی تمہیں قبر میں ملے گا۔

مسئلہ: حضرت امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مُداینہ میں مال کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً ہمیں حکم فرمایا ہے کہ لین دین کے وقت لکھائی اور گواہی اور رہن ضروری ہے۔

عقلی دلیل تقریر مذکور کی عقل بھی تائید کرتی ہے۔ وہ اس طرح کہ انسان اگر فارغ البال نہیں ہوگا تو اس سے نہ دنیوی امور طے ہو سکیں گے اور نہ اُخروی اور یہ فراغت مال و اسباب سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ منافع کا حصول اور نقصانات کا دفیعہ اس پر موقوف ہے ؎

شب پراگندہ خسپد آنکہ بدید　　بنود وجہ بامداد انش

معذ گرد آور د بتابستاں　　تا فراغت بود زمستانش

ترجمہ: (۱) رات کو پریشان ہو کر سوتا ہے جو سمجھتا ہے کہ صبح کو کیا کھاؤں گا۔

۲ چیونٹی سرما کا خرچہ گرما میں جمع کر لیتی ہے تاکہ سرما میں آرام سے کھائے گی۔

تفسیر صوفیانہ جو شخص دنیا کو مذکورہ غرض کی بنا پر حاصل ہے تو اُسے ایسی دنیا سعادت دارین کے حصول پر معین و مددگار ثابت ہوگی۔ اور جو شخص دُنیا کی غرض پر حاصل کرتا ہے تو وہی دُنیا اُس کے لیے سعادتِ آخرت کے لیے سدِّ راہ بن جائے گی۔ انسان کا بہترین مال وہ ہے جو اُسے منزل مقصود تک پہنچا دے۔

ف: انسان پر ضروری ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں اس قدر لٹائے کہ وہی مال اُسے آخرت اور جنت اور قربتِ الٰہی نصیب فرمائے ؎

چو دخلت نیست خرچ آہستہ ترکن　　کہ ملاحاں ہمی گو بند سرودے

اگر باراں بکوہستاں نبارد　　بسالے دجلہ گرد خشک رودے

درخت اندر خزانہا بر فشاند　　زمستاں لاجرم بے برگ ماند

ترجمہ: (۱) جب تیرے پاس آمدنی نہیں تو خرچ کم کر دے کیونکہ کشتبانوں کا یہ مقولہ مشہور ہے۔

(۲) اگر بارش نہ ہو تو اس سال دجلہ پانی نہیں دے گا۔

(۳) درخت گرما میں پھل دیتا ہے لیکن سرما میں تو اس کے پتے بھی جھڑ جاتے ہیں۔

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال انسان کو اس لیے عطا فرمایا ہے کہ وہ اپنی دنیا و آخرت کو سنوارے۔ اس بنا پر دانا وہ ہے جو مال کو حتی الامکان اس لیے خرچ کرے کہ اُسے آخرت میں بہت بڑے مراتب نصیب ہوں اور امور میں بھی اتنا قدر خرچ کرتا ہے جس قدر اسے ضرورت ہے اور بیوقوف وہ ہے جو دنیوی اغراض پر تو اَن گنت خرچ کرتا ہے لیکن دینوی امور میں معمولی طور۔ اس لیے ایسے بیوقوفوں کے لیے روکا گیا ہے کہ اے

متولیو۔ یعنی مشائخ کرام ایسے بیوقوفوں کو مال مت سپرد کرو۔ منجملہ بیوقوفوں کے انسان کا اپنا نفس بھی ہے جو کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو انسان اپنے نفس پر مال خرچ کرتا ہے اس میں ہزاروں مفاسد ہوتے ہیں۔ اس سے اس کا دین بھی برباد اور دنیا بھی خسارے میں۔ ہاں اس سے ایک خرچ مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ انہیں اتنا قدر مال دو جتنا وہ اپنی بھوک کا انسداد کر سکیں اور انہیں اتنا قدر کپڑے دو جتنا قدر وہ ستر عورت کر سکیں۔ اس سے کچھ زاید دوگے تو وہ اسراف و تبذیر میں شامل ہوگا۔ یعنی نفس کے حق میں اسراف و تبذیر ہوگا۔ جس سے شرع نے روکا ہے یعنی اسراف و تبذیر سے وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا نفس کے لیے قول معروف کا طریقہ یہ ہے کہ اسے سمجھائے کہ تو نے اللہ تعالیٰ کا رزق اور اس کی نعمتیں کھائی ہیں فلہٰذا تجھے اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے کہ اس کے ارشادات کو بجالا اور اس کے منہیات سے باز رہ اور کھائے ہوئے طعام اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہضم۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا طعام کو ذکر اور نماز سے ہضم کرو۔ اس کا کم از کم ایک دوگانہ ضروری ہے یا ایک سو بار تسبیح پڑھے یا ایک پارہ قرآن مجید کا پڑھ لے۔ یعنی کھانے کے بعد کم از کم مذکورہ وظائف ادا کرے۔

نکتہ: طعام کھا کر سو جانا اور ذکر الٰہی یا نماز وغیرہ نہ پڑھی جائے تو اس سے دل پر زنگ چڑھ جاتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دل کی قساوت سے پناہ مانگتے ہیں۔

نسخہ روحانی: ذکر الٰہی و نماز وغیرہ کی ادائیگی سے ایک طرف قساوتِ قلبی دور ہوگی اور دوسری شکر کی بجاآوری ہوگی۔

دوسری صوفیانہ تقریر وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ الخ دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ علوم کے اموال اور معارف کے خزانے نااہل کو سپرد نہیں ہونے چاہئیں۔ اور نہ ہی ان کے متعلق انہیں کچھ افہام و تفہیم فائدہ دیتی ہے۔

حکایت: بعض بزرگوں نے بعض کرامت کسی کو بیان کی۔ کسی نے سن کر کسی نااہل مجلس میں جا کر بیان کر دی سننے والوں نے یکسر انکار کر دیا۔ جب اس صاحب کرامت کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ اونٹوں کی خرید و فروخت مرغیوں کے بازار میں نہیں چاہیئے۔ یعنی نااہل کے سامنے ایسی باتیں نہ سنائی جائیں ؎

دریغست با سفلہ گفت از علوم
کہ ضائع شود تخم در شورہ بوم

ترجمہ: کمینے کو علم پڑھانا ایسے ہے جیسے شور زمین میں بیج ضائع کرنا ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى - اور یتیموں کو آزماؤ - یعنی اے یتامیٰ کے متولیو! اور سرپرستو! پوری جانچ پڑتال کرو کہ وہ یتیم صاحب سمجھ ہے یا بیوقوف ہے اُن کے حالات کے تجسس سے کہ ان میں دین کی کتنی صلاحیت ہے اور مال کو ضبط مال اور اس میں حسن تصرف کی ان میں کیسی اہلیت ولیاقت ہے اُن کے حالات کو دیکھ کر تجربہ کرلو - اگر وہ تجارت کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں تو انہیں وہی مال دے دو تاکہ وہ بیع و فروخت کریں - اگر اُن کے نام جاگیریں ہیں یا نوکر وچاکر ہیں تو انہیں نوکروں چاکروں کے اخراجات ان کے حوالے کردو تاکہ وہ اُن پر خرچ کریں اس سے تمہیں اُن کے حالات کا جائزہ ہوگا - حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ یہاں تک کہ نکاح کے وقت تک کو پہنچیں - یعنی اُن کو احتلام ہو جائے - اس لیے کہ اس سے معلوم ہوگا کہ اب وہ بالغ ہوگئے ہیں - فلہٰذا اب وہ نکاح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں فَاِنْ اٰنَسْتُمْ پس اگر تم اُن سے محسوس کرو یعنی مشاہدہ کرکے دیکھ لو اور تمہیں اُن کے بالغ ہونے کا یقین ہو جائے - مِّنْهُمْ رُشْدًا اُن سے صلاحیت کو - یعنی اُن کے دین کی صلاحیت محسوس ہوتی ہے اور تصرفات کے طریقے میں انہیں پوری مہارت معلوم ہوتی ہے کہ ان میں نہ عاجز ہیں اور نہ ہی فضول خرچی کرتے ہیں فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ حدود بلوغ کے بعد بلا تاخیر انہیں اُن کے اموال دے دو -

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ جو لڑکا بالغ تو ہوگیا ہے - لیکن اس سے بیوقوفی نہیں گئی کہ مال میں یا تو فضول خرچ کرتا یا اس کے تصرف سے عاجز ہے تو اسے اس کا مال ہمیشہ تک نہ دو - یہی مذہب حضرت امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا پچیس سال اس کا انتظار کرنا چاہیئے اس کے بعد پھر اُسے مال دے دیا جائے - اس لیے کہ بلوغت کا سن زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال ہے پھر اس پر جب سات سال بڑھ گئے اور یہی سات سال کا عرصہ انسان کے حالات کے تغیر میں اعتبار کیا جاتا ہے - جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو بہرحال امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پچیس سال کی عمر کے بعد اسے اس کا مال دے دینا چاہیئے - اُسے سمجھداری محسوس ہو یا نہ - وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا اور یتیموں کے مال ناحق نہ کھاؤ - اسرافاً حال ہے بمعنے مسرفین -

مسئلہ: اس سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ زیادہ کھانا تو حرام ہے لیکن قلیل کھانا جائز ہے - بلکہ مقصد یہ ہے کہ یتامیٰ کے مال سے کچھ بھی نہ کھاؤ وَّبِدَارًا اور جلدی جلدی کرکے اس کے خرچ کرنے میں - اس خوف سے کہ اَنْ يَّكْبَرُوْا وہ بڑے ہو جائیں - اس بنا پر تم اُن کے مال میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرتے جاؤ اور دل میں خیال ہو کہ یتامیٰ کا مال ہپ ہپ کرکے کھاؤ جیسے چاہو - اور اسے جلدی ختم کرنے کی کوشش کرو - اس خوف سے کہ وہ جب بالغ ہوگئے تو پھر وہ ہم چھین لیں گے - اور جو کچھ بچ جائے گا وہ ہمیں واپس دینا پڑے گا - وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا

اور وہ جو کہ دولتمند ہو یعنی متولیوں اور سرپرستوں میں کوئی دولتمند ہو۔ فَلْيَسْتَعْفِفْ بس چاہیئے کہ بچ کے رہے اور یتیموں کے مال کو نہ کھائے۔ اور جو اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا مال اور دولت اور رزق عطا کیا ہے اسی پر اکتفا کرے۔ یتیموں کے حال پر شفقت کرکے اور مال کو باقی رکھنے کی نیت پر اور استعفف عف سے زیادہ بلیغ ہے گویا وہ عفّت کی زیادتی طلب کرتا ہے وَمَنْ كَانَ اور وہ جو متولیوں اور سرپرستوں میں سے۔ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ محتاج ہو تو بطریق معروف کھا سکتا ہے یعنی اس طریقہ سے جو شرع مطہرہ نے اجازت بخشی ہے کہ یعنی حاجت، ضروریہ کے مطابق اور جتنا وہ یتیم کے معاملات میں سعی کرتا ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ متولی کا یتیم کے مال میں اس کی خدمات کی وجہ سے حق ہوتا ہے۔ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ پس) جب کہ تم انہیں ان کے مال دفع کرو۔ بعد اس کے کہ تم نے مذکورہ شرائط پورے کر لیے فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ پس ان پر تم گواہ بناؤ کہ تم نے ان کے اموال سپرد کر دیئے اور وہ ان پر قابض بھی ہو گئے اور تم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔ گواہ بنانے میں ایک فائدہ یہ ہوگا کہ تہمت سے بچاؤ ہوگا اور آئندہ کی مخالفت سے حفاظت ہوگی۔ اور امانت کا صحیح طریقہ یونہی ہے اور ذمہ داری سے برأت کا بہترین ذریعہ ہے۔

مسئلہ: ہمارے نزدیک متولی کو مال دیتے وقت گواہ بنانا واجب نہیں۔ اس لیے کہ وہ قسم کھا کر جتنا مال چاہے دے سکتا ہے لیکن امام مالک و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا متولی اپنے دعویٰ میں اس وقت سچا سمجھا جائے گا جب بینہ پیش کرے وَكَفَىٰ بِاللَّهِ یہ باء صلہ کی ہے حَسِيبًا اور اللہ کافی ہے محاسب اور اپنی مخلوق کے اعمال کا محافظ ہے۔ لہٰذا اے بندگانِ خدا اس کے احکام کی مخالفت نہ کرو اور جو تمہارے لیے حد بیان فرمائی ہے اس سے تجاوز نہ کرو۔

مسئلہ: دانا پر لازم ہے کہ حقوق الغیر سے بچتا رہے۔ خصوصاً یتیم کے حق سے اس لیے کہ وہ اسے جہنم میں لے جائیں گے۔

مسئلہ: یتیم کا حق کھانا کبائر سے گناہ ہے۔

مسئلہ: جو شخص غیر کے حقوق میں مبتلا ہو جائے اسے چاہیئے کہ دار سوال میں پہنچنے یعنی مرنے سے پہلے حلال خواری کی جدوجہد کرے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ معمولی سے معمولی شئے بھی کیوں نہ ہو تو اسے اس سے بخشوا لے۔ اس وقت سے پہلے کہ جس دن نہ درہم ہوں گے نہ دینار۔ اس لیے اگر اس کے پاس نیک عمل ہوں گے تو اس سے اس کے اعمال صاحبِ حق کو دیئے جائیں گے۔ جس قدر اس کا اس پر حق ہوگا اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو صاحبِ حق کی برائیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔

مسئلہ : جس شخص پر حقوق العباد ان گنت ہوں لیکن اس سے توبہ کر لی ہے ۔ اور پھر انہیں ان کا ادا کرنا مشکل ہو گیا ہو تو اسے چاہیئے کہ قصاص کے دن کے لیے عبادت کا بہت زیادہ سرمایہ جمع کرے ۔ اور بہت سے ایسے اعمال بھی کمال اخلاص سے بجالائے کہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانے ۔ وہ ہی نیکیاں اسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب کرائیں گی ۔ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس خاص نصف کا مستحق ہو جائے گا ۔ جو یوم حساب مخصوص بندوں سے فرمائے گا ۔ اس سے حقوق العباد کے بخشوانے کا بھی خود انتظام فرمائے گا ۔ کہ صاحبِ حق کو اس پر کچھ عطا فرما کر اس بندہ سے راضی کرائے گا ۔

مسئلہ : علماء فرماتے ہیں کہ جس نے کسی عورت سے زنا کیا ہو (معاذ اللہ) اور اُس کا شوہر بھی زندہ ہے تو جب تک اس کا شوہر اسے معاف نہیں کرے گا زانی کی بخشش نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ حقوق العباد سے ہے لیکن اس سے بخشوانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے یہ نہ کہے کہ میں نے تیری عورت سے زنا کیا تھا فلہٰذا مجھے معاف فرمادے بلکہ کہے کہ تیرے جتنے میرے اوپر حقوق ہیں وہ سب معاف فرمادے ۔ جب وہ معاف کر دے گا ۔ اب اس گناہ سے سچے دل سے بھی توبہ کرے تو پھر اُس کی بخشش ہو جائے گی ۔ اسے صلح بالمعلوم علی المجہول سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ جائز ہے اور یہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت سے مخصوص ہے اس لیے کہ اُمّ سابقہ جب تک اپنے گناہوں کا [illegible]ف طور پر اعتراف نہ کرتے اُن کے گناہ معاف نہ ہوتے ۔

مسئلہ : یہی طریقہ تمام اموال مغصوبہ اور جملہ حقوق العباد کے متعلق ہے خواہ وہ کھانے پینے کا معاملہ ہو یا مارنے اور گالی دینے کا ہو یا قتل کرنے کا ہو وغیرہ وغیرہ کہ جن میں بندوں کو راضی کرنے اور توبہ کرنے سے تعلق رکھتے ہیں اُن سے آئندہ بچنے کے لیے اعمال صالحہ و افعال حسنہ کی کثرت کی ضرورت ہے ۔

مسئلہ : اگر توبہ اور حق والوں کو راضی کئے بغیر گیا تو اُس جیسا خائب و خاسر کوئی نہ ہوگا اور قیامت میں اعمال صالحہ سے یکسر خالی ہو جائے گا ۔ جب کہ احکم الحاکمین کے سامنے پیش ہوگا ؎

نماند ستمگار بد روزگار — بماند برو لعنت پائدار
چناں زی کہ ذکرت بتحسین کنند — چو مُردی کہ بر گو نفرس کنند
نباید برسم بد آئیں بہاد — کہ گویند لعنت براں کیں نہاد

ترجمہ : (۱) ظالم دنیا میں نہ رہے گا لیکن اس پر تاقیامت لعنت برستی رہے گی ۔

(۲) اس طرح زندگی بسر کر کہ تیرے مرنے کے بعد لوگ تیری تعریف کرتے رہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے مرنے پر تیری بدگوئی کریں ۔

(۳) بری رسم کی بنیاد نہ رکھ کیونکہ ایسے بنیاد رکھنے والے کا نام لے کر لعنت کرتے رہیں گے ۔

مسئلہ: ظالم پر لازم ہے کہ وہ ظلم سے توبہ کرے اور دُنیا میں مظلوم کو راضی کرلے۔ اگر اسے راضی کرنے پر قادر نہیں (مثلاً وہ مرگیا یا کہیں نہیں ملتا) تو اس کے لیے استغفار کرے اور اس کی بہتری کی دعائیں مانگے۔ اس سے امید رکھے کہ شاید بخشش ہو جائے۔

مسئلہ: حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قرآنِ پاک کی ایک آیت پڑھ کر اس پر عمل کرنا میرے نزدیک لاکھ بار قرآن پاک پڑھ کر عمل نہ کرنے سے افضل ہے۔

مسئلہ: عمر بھر عبادت کرنے سے ایک مومن کو جائز طور خوش کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: ترکِ دُنیا اور اُسے بالکل چھوڑ دینا آسمان وزمین کے برابر عبادت کرنے سے افضل ہے۔

مسئلہ: حرام کا ایک پیسہ ترک کرنا حلال سے دو سو حج پڑھنے سے افضل ہے۔

حکمت کی باتیں

حضرت ابوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تین چیزیں بندے سے ایمان چھین لیتی ہیں

(۱) ترکِ شکر علی الاسلام۔

(۲) ذہاب اسلام پر ترکِ خوف۔

(۳) اہلِ اسلام پر ظلم۔

حکایت: حضرت ابُومیسرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرد کے سامنے قبر میں ایک ڈنڈا لایا گیا جب کہ اُسے دفنایا گیا یعنی اُس کے ہاں جب منکر نکیر تشریف لائے تو اُسے کہنے لگے کہ ہم تمہیں پورا ایک سو کوڑا ماریں گے وہ کہنے لگا کہ میں دُنیا میں ایسا تھا۔ یعنی اُس نے اپنی نیکیوں کا اظہار کیا تو منکر نکیر نے کہا ان نیکیوں کی وجہ سے تجھے دس کوڑے معاف ہیں پھر وہ مارنے کے لیے تیار ہوئے پھر اُس نے اور نیکیوں کا اظہار کیا اسی طرح اس سے کوڑے کم کرتے گئے یہاں تک کہ باقی جب ایک کوڑے تک نوبت پہنچی انہوں نے کہا اَب ہم نہیں چھوڑیں گے۔ ایک کوڑا ضرور ماریں گے چنانچہ جب انہوں نے ایک کوڑا مارا تو اس کی قبر آگ سے بھر گئی۔ اُس نے پوچھا اس کوڑے کے مارنے کا موجب کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دِن تیرا ایک مظلوم پر گزر ہوا۔ اُس نے تجھ سے فریاد چاہی لیکن تو نے اس سے لاپرواہی کی۔

سبق: یہ تو اس کی سزا ہے جس نے مظلوم کی فریاد پر لاپرواہی کی پھر اُس کا حال خود سمجھئے جو مظلوم پر ظلم کرتا ہے۔

مسئلہ: ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا کہ وہ مشتبہات سے بھی بچتے تھے۔ چہ جائے کہ وہ حرام کا ارتکاب کریں اس لیے کہ لقمہ حلال کو اجابت دُعا میں بڑا دخل ہے۔

دُعا کی قبولیت کے شرائط

حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اجابت دُعا کے شرائط میں سے پہلی شرط یہی ہے کہ انسان اپنے باطن کو لقمہ حلال سے اصلاح کرے اور آخری شرط اخلاص و

حضورِ قلب ہے جسے توجہ احدی کہا جاتا ہے اس لیے کہ حضور قلبی حق کے حضور میں اس بندے کے لیے سفارش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین انسان کو صرف زبان سے ذکر جاری رکھنا جب قلب حاضر نہ ہو تو اس کی مثال اُس شخص کی ہے جو کسی کے دروازے پر آواز دے یا اس کی مثال یوں ہے کہ چھت پر کھڑے ہو کر شور مچائے۔

ف: دانا کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشتبہات سے بچے تاکہ خلوات میں اُس کی دعائیں مستجاب ہوں۔

تفسیر عالمانہ

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ۔

شانِ نزول مروی ہے کہ اوس بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے تو اُن کے پیچھے اُن کی زوجہ ام کحہ اور تین لڑکیاں رہ گئیں۔ اُن کے دو چچازاد سوید اور عرفطہ نے اُن کی میراث کو جاہلیت کے طریقہ پر تقسیم کر دیا۔ اُن کا طریقہ تھا کہ وہ میت کی عورتوں اور اس کی اولاد کو میراث نہیں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی میراث کا حقدار وہ ہے جو جنگ لڑ سکے۔ اور گھر کی حفاظت کر سکے۔ بی بی اُم کحہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی۔ آپ مسجد فضیخ میں رونق افروز تھے کہ آپ کو شکایت پیش کی گئی۔ آپ نے فرمایا اَب چلی جا میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتا ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں اسی طرح تیرا فیصلہ کروں گا۔ چنانچہ یہی آیت اُتری حضور علیہ السلام نے اوس بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائیوں کو حکم دیا کہ اُس کی میراث تقسیم نہ کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس میں عورتوں کا حصہ بھی مقرر فرمایا ہے۔ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ وہ کتنا ہے۔ اُس کے بعد پھر حکم نازل ہوا جس میں اُن کے حصے کی تفصیل بھی تھی یعنی آیت يُوصِيكُمُ اللهُ (اس کی تفصیل) ابھی آتی ہے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

اس پر حضور نے آٹھواں حصہ اُم کحہ اور دو تہائیاں مال لڑکیوں کو باقی تمام مال اوس بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائیوں کو دیا اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ میت کی اولاد نرینہ کے لیے بھی حصہ ہے۔

مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اس میں سے جو ماں باپ اور دیگر اقربا چھوڑ جائے۔ یعنی میت کے ذی قرابت میں سے۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو وراثت کے حق دار ہوتے ہیں نہ کہ جو محجوب یعنی محروم عن الارث ہوتے ہیں وارثت کے حقدار یہ حضرات ہیں۔ ① ماں

② باپ

③ زوج

④ زوجہ (ان) بنت۔

وَلِلنِّسَآءِ ۔ اور عورتوں کے لیے یعنی عورتوں کی جماعت کے لیے نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ حصہ ہے اس میں سے جو ماں باپ اور دیگر اقربا چھوڑ گئے ہیں۔ تھوڑا مال ہو ہو یا زیادہ ۔ پچھلا مِمَّا پہلے مِمَّا سے بدل ہے اور لفظ ما کی طرف ضمیر لوٹتی ہے جو منہ کی مجرور ضمیر ہے اور یہی بدل مراد ہے یعنی پہلے جملہ میں بھی مقصود یہی بدل ہے ۔ لیکن وہاں محذوف کیا گیا ہے ۔ اس مذکور پر اعتماد کر کے اس سے توہم کا دفعیہ مطلوب ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بعض اموال بعض ورثہ سے مخصوص ہیں ۔ مثلاً کسی کے خیال میں ہو کہ گھوڑے اور آلات حرب مردوں کے لیے ہوں گے وغیرہ وغیرہ ۔ خلاصہ یہ کہ قلیل مال ہو یا کثیر اس میں سے ہر فریق کا حصہ ہے۔ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا کہ حصہ مقرر کیا ہوا ۔ اس کا منصوب ہونا علی وجہ الاختصاص ہے ۔ یہاں اَعْنِی محذوف ہے آئ اَعْنِيْ نصیبا مفروضا یعنی میری مراد یہ ہے کہ اُن پر ہر ایک کا حصہ یقیناً مقرر اور واجب ہے ۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی وارث اس ترکہ سے لاپرواہی کا اظہار کرے ۔ تب بھی اُس کا حق ساقط نہیں ہوگا ۔ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اور جب کہ حاضر ہوں تقسیم ترکہ و میراث کے وقت أُولُوا الْقُرْبَىٰ میت کے اُن رشتہ داروں میں سے کہ جن کا حصہ شرعاً مقرر نہیں وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ غیر وارثوں میں سے کوئی یتیم اور مسکین فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ تو اس مال مقسوم میں سے جس کی تقسیم ہو رہی ہے تو انہیں بھی اس میں سے کچھ عطا کرو یا اس ترکہ میں سے جو میت کے ماں باپ اور کوئی رشتہ دار چھوڑ گئے ہیں ۔

مسئلہ : یہ امر مندوب ہے اس کا حکم اس لیے دیا گیا تاکہ اگر تقسیم کے وقت مذکورہ صاحبان آجائیں تو جائے تو اُن کا دل خوش ہوگا ۔ اور بطور صدقہ کے دیا جائے گا تو بہت بڑا ثواب ہوگا ۔

واقعہ دربارہ آیت مذکورہ اہل اسلام یونہی کرتے تھے جب کہ ورثہ ترکہ کی تقسیم کرتے اور یہ صاحبان مذکورہ ترکہ کی تقسیم کے وقت آجاتے تو ورثہ کے حصہ میں سے کچھ نہ کچھ انہیں دے دیا کرتے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ترغیب دلائی ہے ۔ محض ثواب کے حصول کی غرض پر نہ کہ یہ حصہ بھی فرض ہے ۔ اگر فرض ہوتا تو تقسیم ترکہ کے وقت یہ حصہ بھی دوسرے ورثہ کے ساتھ نکالا جاتا ۔ لیکن شرعاً ان کا حصہ مقدر اور واجب نہیں ۔

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا اور اُن کے ساتھ میٹھا بول بولو ۔ مثلاً دیتے وقت اُلٹا اُن کو دعائیں دو یا یوں کہو بارک اللہ علیکم ۔ اور جو کچھ انہیں دو اپنے تئیں معمولی سمجھ کر اُلٹا اُن سے معذرت چاہو ۔ نہ یہ کہ اُن پر احسان جتلاؤ جس نیک عمل سے نفس کو سکون نصیب ہو اور دل سے چاہے اُسے شرعاً وعقلاً معروف سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ وہ قول ہو یا فعل ۔

مسئلہ : جس بُرے عمل سے نفس نفرت کرے اُسے شرعاً وعقلاً منکر کہا جاتا ہے ۔

حدیث شریف : میں ہے کہ ہر معروف صدقہ ہے اور مثال مشہور ہے نیکی کر اور دریا میں ڈال ۔ اگرچہ اسے مچھلیاں بھی

نہ جانیں وہ تو جانتا ہے جو خالق السموات ہے۔ ؎

تو نیکی کن بآب انداز اے شاہ

اگر ماہی نداند داند اللہ

ترجمہ: اے دوست نیکی کر اور دریا میں ڈال مچھلی کو معلوم نہ ہو تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔

حکایت: مشہور ہے کہ سانپ بھاگتا ہوا ایک نیک مرد کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی فی سبیل اللہ میرے دشمن سے مجھے پناہ دیجئے۔ اس نیک بخت نے چادر کھولی اور اندر چھپا دیا۔ پھر بھی سانپ نے کہا اگر نیکی کرنی ہے تو منہ کھولیے میں اندر داخل ہو جاؤں۔ اس لیے کہ اگر میرے دشمن نے مجھے دیکھ لیا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔ سانپ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اور آسمان وزمین کے باشندے شاہد ہیں کہ آپ کو ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ بزرگ نے مُنہ کھولا وہ سانپ اس کے اندر چلا گیا۔ اس کے بعد سانپ کا دشمن آگیا۔ نیک بخت سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ جب سانپ کا خوف مندفع ہو گیا تو اندر سے بولا اے احمق اب اپنے جگر یا دِل کی خیر منائیے۔ نیک بخت نے فرمایا تیرے وہ وعدے اور قسمیں کہاں گئیں۔ سانپ نے کہا تیرے جیسا اور بھی کوئی احمق ہو گا۔ تجھے تیرے باپ آدم سے ہماری عداوت ازلی یاد نہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ نااہل کے ساتھ نیکی کرنا اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارنا ہے۔ بزرگ نے سانپ سے فرمایا اچھا تھوڑی سی مجھے مہلت دیجئے تاکہ میں اس پہاڑ تک پہنچ جاؤں۔ جب پہاڑ کے نیچے پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے تاکہ اس بلا سے نجات نصیب ہو۔ ان کی اس عجز وانکساری سے اللہ تعالیٰ ایک نیک بخت بندہ جو نہایت حسین وجمیل اور خوشبو سے مہکتا ہوا نمودار ہوا اور ایک سپید پتہ عطا فرمایا اور فرمایا کہ اسے تناول فرمائیں۔ انہوں نے وہ پتہ کھا لیا۔ اور جونہی کھایا تو پیٹ سے وہی سانپ ٹکڑے ہو کر باہر نکلا۔ اس سے انہیں نجات نصیب ہوئی۔ بزرگ نے اس شخص سے پوچھا آپ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں تیری نیکی ہوں اور میرا مسکن چوتھا آسمان ہے۔ جب تم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تو ساتوں آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز وانکساری سے گڑگڑائے میں چوتھے آسمان سے اُتر کر بہشت میں پہنچا اور وہاں سے درخت طوبیٰ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سبز پتہ لیا۔

سبق: نیکی کی عادت ڈالیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ اگرچہ جس سے نیکی کی جائے اُلٹا نقصان بھی پہنچائے۔

نیکو کارے از مردمے نیک را

یکے را بدہ مینویسد خدا

ترجمہ: نیک آدمی سے نیکی سرزد ہوتی ہے اسی لیے اس کی ایک نیکی پر دس لکھی جاتی ہیں۔

نیکیوں کی فہرست: ① کسی سے میٹھا بول بولنا۔

② کسی کے لیے نیک سفارش کرنا۔

③ حاجتمند کی جائز حاجت پوری کرنا۔

④ بیمار پرسی۔

⑤ جنازہ کے ساتھ چلنا۔

⑥ کسی مسلمان کا دل خوش کرنا وغیرہ وغیرہ

تفسیر صوفیانہ صوفیاء کرام کے نزدیک الرِّجَال وہ قوی مرد ہیں جو سچے طلب گار اور راہِ سلوک پر چلنے والے ہیں۔ انہیں اُن کی طلب صادق اور راہ سلوک میں قوت کے ساتھ چلنے کے مطابق حصہ نصیب ہوگا۔ اس میں سے جو مشائخ اور عارف باللہ حضرات چھوڑ گئے ہیں اُن کا ترکہ اُن کی برکت اور اُن کی سیرت اور بلند ہمتی اور ولایت کے منجانب اللہ عنایت کردہ عطیات کو کہا جاتا ہے۔ اور "النساء" سے مُراد وہ کمزور لوگ ہیں جو انہی حضرات میں سے شمار ہوتے ہیں اُن کا بھی اُن کے حصص سے حصہ مقدر ہے یعنی اُن کی سچی اتباع اور طلب حق کی جدوجہد اور فیض ولایت کو قبول کرنے کی احسن استعداد کے مطابق ان کا بھی حصہ معلوم اور متعین ہے پھر یہی حال ہے اُن لوگوں کا جو طلبِ حق میں جدوجہد کرنے والے ہیں یہی مشائخ کے حقیقی وارث ہیں۔ باقی رہے وہ صاحبان جو اولیاء کرام و مشائخ عظام کے ارادتمند اور ان کی ولایت سے خوش عقیدت رکھتے ہیں اور ان کے انوار و برکات سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کی سیرت و صورت بنانے کے درپَے رہتے ہیں اور اُن کے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں اُن کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں۔ انہیں تصوف اولی القربیٰ اور یتامیٰ و مساکین سے تعبیر کیا جاتا ہے اُن کا حکم ہے کہ وہ مشائخ کرام کی مبارک صحبتوں کی محفلوں اور اُن کی گفت و شنید کی مقدس مجموعوں اور اُن کے مجموعوں اور ان کے حلقۂ ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہو جائیں تو اُن کے لیے بھی مشائخ کرام کے برکات و خیرات سے بھی حصے ہیں فلہٰذا انہیں بھی مشائخ کی ولایت اور اُن کے آثار ہدایت و عنایات کی شفقت اور اُن کی خصوصی رعایت سے کچھ نہ کچھ عطا کرو اور انہیں عالم قدس کے حصول کے شوق دلانے اور ارشاد طریق اور طلبِ حق کی ترغیب اور توجہ الی الحق اور اعراض عن الخلق و الدنیا اور اس کے خواہشات سے نفرت اور اہل دُنیا کے خسارہ کی باتیں اور اہل اللہ کی دارین کی عزت و عظمت اور اُن کے دُنیا و آخرت کی بلند منازل و مراتب کی میٹھی میٹھی باتیں سناؤ۔

سبق: اے سالک جب تمہیں یہ راز و اسرار معلوم ہو جائیں تو سر کی بازی لڑا دے تاکہ تجھے حقیقت کی میراث اور معرفت کے ترکہ سے محرومی نہ ہو۔ کیا خوب کہا گیا ہے ؎

میراث پدر خواہی تو علم آموز
کیں مال پدر خرچ تواں کرد بدہ روز

ترجمہ: باپ کی وارثت چاہتا ہے تو علم سیکھو اس لیے کہ مال تو چند دنوں کے بعد خرچ کرنے پر ختم ہو جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ اور چاہیے وہ لوگ کہ جن کی صفت اور حال یہ ہے ڈریں لَوْ تَرَكُوْا اگر چھوڑیں جب کہ نزع طاری ہو اور وہ چھوڑنے پر ہیں مِنْ خَلْفِهِمْ اپنے پیچھے یعنی اپنی موت کے بعد ضِعٰفًا کمزور اولاد یعنی عاجز بچے کہ اُن کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ یہ اس وقت ہے جب کہ نزع طاری ہو۔ خَافُوْا عَلَيْهِمْ اُن پر انہیں خوف ہے۔ یعنی مرنے کے بعد اُن کے ضائع ہونے کا خوف ہو کہ اُن کا کوئی کفیل نہ ہو گا اور نہ اُن کا کوئی سرپرست اور اُن کی تنگی اور معاش کی عُسرت کا خطرہ ہو ولیخشن الذین میں الذین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے پر مامور ہیں۔ یعنی وہ ان یتیموں پر خوف کرتے ہیں جو اُن کی گود میں پرورش پا رہے ہیں۔ ان پر ایسی شفقت کریں جیسے اپنے بچوں سے کرتے ہیں اگر انہیں کمزور چھوڑ دیں تو یہی تصور ہو اور سوچ لیں جیسے ہم ایسے بیکار اپنی اولاد کو نہیں چھوڑیں گے ایسے ہی انہیں بھی فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ بس اللہ تعالیٰ سے ڈریں اپنے غیروں کی اولاد میں وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا اور چاہیئے یتیموں سے ایسے ہی مناسب بات کریں جیسے اپنی اولاد سے کرتے ہیں شفقت کر کے اور اچھی بات سکھانے پر اور مرحبا کہہ کر۔ مثلاً کہیں اے میرے بیٹے اے میرے بچے۔ خلاصہ یہ کہ انہیں کسی قسم کا دُکھ اور تکلیف نہ پہنچائیں اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى بیشک وہ لوگ جو یتیموں کا مال بطور ظلم کے کھاتے ہیں یعنی درالحالیکہ وہ ظالم ہیں یا ظلم کے طریق سے جیسے بُرے سرپرستوں اور غلط کار متولیوں کی عادت ہے۔

مسئلہ: ظلماً کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر یتیم کے مال سے بطور حکم شرعی اور بقدر ضرورت یا یتیم کی خدمات کی وجہ سے حاکمِ وقت نے اسے سرپرست مقرر کر کے لینے کا حکم دیا ہے تو اُس پر کوئی سزا نہیں اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ بیشک وہ اپنے پیٹ میں بھرتے ہیں یاکلون فی بطونھم بمعنے پیٹ بھرنے کے ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں اَكَلَ فِيْ بَطْنِهٖ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ اُسے حد سے زائد بھر دے۔ اور جب کہیں اَكَلَ فِيْ مَعَاهُ تو اس وقت اُن کی مراد ہوتی ہے کہ اُس نے اُس کی حد پر کھایا نَارًا آگ سے۔ یعنی وہ چیزیں جہنم کی طرف کھینچ کر لے جائیں۔ گویا درحقیقت وہ کردار خود جہنم ہیں وَسَيَصْلَوْنَ اور وہ عنقریب قیامت میں داخل ہوں گے سَعِيْرًا جہنم میں یعنی ایسی آگ میں جو جلانے والی اور ہولناک اور ڈراونی صورت والی ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ یتیم کا مال کھانے والے کو جب قیامت میں اٹھایا جائے گا تو اُس کی قبر اور منہ

ناک اور دونوں کانوں اور آنکھوں سے دھواں نکل رہا ہوگا۔ اس سے لوگوں کو اس کی پہچان ہوگی کہ یہی دنیا میں یتیموں کا مال کھاتا تھا۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں پر شاق گزرا کہ یتامیٰ کے مال میں اپنا مال ملانے سے بالکل رک گئے اس سے انہیں سخت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد یہ آیت اتری و ان تخالطوھم فاخوانکم فی الدین الآیۃ اگر تم انہیں ملادو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

حدیث معراج شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹ جیسے ہیں ایک حصہ ناک کو چمٹا ہوا اور دوسرا حصہ پیٹ کو اور جہنم کے فرشتے ان کے منہ میں انگارے اور چٹان ڈال رہے ہیں یعنی انگارے وغیرہ کھلائے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں انہوں نے فرمایا یہ وہ لوگ جو یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے تھے۔

کسے کز صرصر ظلمش دمادم ۔۔۔ چراغ عیش مظلوماں بمیرد
نمی ترسد ابنوازیں کایزد تعالیٰ ۔۔۔ اگرچہ دیر گیرد سخت گیرد

ترجمہ: (۱) جس کے ظلم کی آندھی مظلوموں کے چراغ عیش کو بجھاتی ہے۔

(۲) اس سے وہ نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ پکڑتا ہے لیکن دیر سے اور سخت سے سخت طریقہ سے۔

سبق اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ یتامیٰ سے میٹھی میٹھی بات کہو اور انہیں ایذاء نہ دو۔ پھر نامعلوم اس کا کیا حال ہوگا جو اسے ایذا پہنچاتا ہے اسی طرح عام لوگوں اہلِ ایمان کی ایذاء کا حال ہے۔ ایسے ہی جو شخص بطور غصب اور ظلم کے ان کا مال کھاتا ہے۔

حدیث شریف: مروی ہے جہنم میں دریاؤں کے سواحل کی طرح بعض بعض مقامات ہیں جن میں بختی اونٹوں کی طرح سانپ اور بچھو پڑے ہیں۔ ان کے ہونٹوں اور چہروں کی موٹائی اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ کتنی مقدار پر ہیں۔ وہ ظالموں کے چمڑے اتارنے پر مامور ہوں گے۔ ظالم لوگ ان سانپوں اور بچھوؤں کے خوف سے کہیں بھاگنے کی کوشش کریں گے تو انہیں پھر جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ جب وہ جہنم کے اندر جاکر گریں گے تو ان پر خارش کا مرض مسلط کر دیا جائے گا۔ وہ اپنے جسم کو کھجلاتے ہوئے اپنے چمڑوں کو ادھیڑ دیں گے۔ جس سے ان کی ہڈیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ ظالم سے پوچھا جائے گا کیا تجھے یہ خارش تکلیف دے رہی ہے کہے گا (ہاں) جواب ملے گا یہ تجھے اس کی سزا ہے جو تو اہلِ ایمان کو ستاتا تھا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ لوگوں کو ایذا دینے اور انہیں دکھ پہنچانے سے بچے۔ اس لیے کہ مظلوم کی بددعا موذی اور ظالم کے حق میں جلد تر قبول ہوتی ہے۔

خرابی کند مرد شمشیر زن | نچنداں کہ دود دل طفل و زن
ریاست بدست کسانے خطاست | کہ از دست شاں دستہا بر خداست
مکافات موذی بمالش مکن | کہ بیخش برآورد باید زبن
سر گرگ باید اول برید | نہ گوسفندان مردم درید

ترجمہ: ① بیشک مرد تلوار مارنے والا تلوار سے تہلکہ مچا دیتا ہے لیکن بیوہ اور یتیم کی آہ اس سے بڑھ کر ہے۔
② ان لوگوں کے ہاتھ حکومت دینا خطا ہے جن کے ظلم کی وجہ سے لوگ بددعا کر رہے ہوں۔
③ موذی کا منہ مال کی ہڈی سے نہ بھر بلکہ جڑ سے اس کی بیخ اکھیڑ دے۔
④ بھیڑیئے کا سر پہلے سے کاٹ لے نہ اس وقت جب کہ لوگوں کی بکریاں لے کر بھاگے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ سے چھ باتیں مان لو۔ تمہارا بہشت کا میں ذمہ دار ہوں۔
① بات کرنے میں جھوٹ نہ بولو۔
② وعدہ کے بعد خلاف نہ کرو۔
③ امانت میں خیانت نہ کرو۔
④ اجنبی عورت کے دیکھنے سے آنکھیں بند رکھو۔
⑤ اپنی شرمگاہوں کو اجنبی (مرد و عورت) سے بچاؤ۔
⑥ حرام کے مال سے اپنے ہاتھوں کو روکو۔ پھر بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

مسئلہ: حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ صرف ایک پیسہ حرام کے مال سے بچ جانا لاکھ بلد اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

حکایت: حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالےٰ حدیث شریف کی کتابت کر رہے تھے کہ اُن کا قلم ٹوٹ گیا۔ کسی ساتھی سے قلم بطور عاریت لیا۔ جب حدیث شریف کی کتابت سے فارغ ہوئے تو بھول کر وہی قلم اپنے قلمدان میں رکھ لیا۔ جب مرو (نام علاقہ) میں واپس لوٹے تو دیکھا بیگانہ قلم قلم دان میں پڑا ہے تو اس کو لوٹانے کے لیے شام کو روانہ ہو گئے۔

حدیث شریف: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم نماز پڑھو تو پڑھنے پڑھتے کیڑے کی طرح ہو جاؤ۔ اور روزے رکھو تو اتنا کمزور ہو جائے کہ تاروں کی طرح ہو جاؤ یہ سب کچھ تقویٰ و پرہیزگاری کے بغیر بیکار ہے۔

زُہد کے اقسام : حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ زہد تین قسم ہے ۔

① زہد فرض ۔

② زہد فضل ۔

③ زہد سلامتہ۔ زہد فرض یعنی حرام مال سے بچنا (۲) زہد فضل یعنی حلال مال کو بقدر ضرورت خرچ کرنا (۳) زہد سلامت یعنی شبہات سے کنارہ کشی کرنا ۔

حکایت : حضرت حسان بن ابی سنان ساٹھ سال تک نہ لیٹ کر سوئے اور نہ ہی پیٹ بھر کر اچھی غذا کھائی ۔ اور نہ ہی ٹھنڈا پانی پیا جب وہ مر گئے تو اُن کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا ۔ کہ کیسے گزری کہنے لگے سب خیر ہے لیکن مجھے بہشت میں ایک سُوئی کا بار بار سوال ہوتا ہے جو کہ میں نے ایک ہمسایہ سے عاریتاً لی تھی لیکن مرنے سے پہلے اُسے لوٹا نہ سکا ۔

حکایت : حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گورستان سے گزرے تو آپ کو کسی نے قبر کے اندر سے پکارا۔ آپ نے اسے زندہ کر کے قبر سے باہر نکالا اور پوچھا تو کون ہے عرض کی میں ایک بار بردار مزدور ہوں کہ لوگوں کے سامان اُٹھا کر مختلف مقامات پر پہنچاتا تھا ۔ ایک دن میں نے لکڑی کا گٹھڑا اٹھا کر لے گیا تو اس میں سے صرف ایک خلال دانت صاف کرنے کے لیے لے لیا ۔ اب جب سے مرا ہوں ۔ اس وقت سے تا حال مجھ سے اس کا مواخذہ ہو رہا ہے ؎

خوف داری اگر از قہر خدا

نروی راہ حرام دنیا

ترجمہ: اگر قہر خدا سے تجھے کچھ خوف ہے تو دنیا کی حرام چیزوں کے راستہ پر نہ جا۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ
مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٌ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ
فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَآ
أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ
إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ
وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَآ أَوْ
دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ
الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ
كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُۥٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوٓا
أَكْثَرَ مِن ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ
مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ
وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَٰلِدًا فِيهَا
وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

ترجمہ: تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصوں کے برابر حصّہ ہے اگر لڑکیاں (دویا) دو سے زیادہ ہوں۔ تو ترکے میں اُن کا دو تہائی (حصّہ) ہے اور اگر ایک ہی ہو تو وہ نصف کی مالک ہو گی اور مرنے والے کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصّہ ملے گا۔ اگر وہ صاحبِ اولاد ہو۔ اور اگر اُس کے اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ اُس کے (وارث) ہوں تو اُس کی ماں کو تیسرا حصّہ ملے گا (اور باقی باپ لے گا) اگر اس کے بہن بھائی ہوں تو پھر ماں چھٹا حصّہ لے گی (یہ تقسیم مرنے والے کی وصیّت کی تعمیل اور اس کے قرضہ (کی ادائیگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے) تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع رسانی کے لحاظ سے تم سے قریب تر ہے یہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ ہے۔ یقین جانو کہ اللہ مصلحتوں سے واقف اور حکمت والا ہے اور جو

بکچھ تمہاری بیویاں (ترکے میں) چھوڑ جائیں اس میں سے نصف کے تم حقدار ہو بشرطیکہ ان سے اولاد نہ ہو
اگر ان کے اولاد ہے تو تمہیں جو کچھ وہ چھوڑیں اس کا چوتھائی ملے گا (یہ تقسیم) مرنے والی کی وصیّت کی تعمیل اور
اس کے قرضے (کی ادائیگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے) اور اُن کے لیے جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اس کا چوتھائی حصّہ
ہے بشرطیکہ تمہارے اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے اولاد ہو تو اُن کے لیے تمہارے ترکے کا آٹھواں حصّہ ہو گا
(یہ تقسیم) تمہاری وصیّت کی تعمیل اور قرضہ نکال کر ہو گی اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس
نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک
کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی وصیّت اور
دین نکال کر جس میں اُس نے نقصان نہ پہنچایا ہو یہ اللّٰہ کا ارشاد ہے اور اللّٰہ علم والا حلم والا ہے یہ اللّٰہ کی

حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللّٰہ اور اللّٰہ کے رسول کا اللّٰہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے
نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی اور جو اللّٰہ اور اس کے رسول کی نافرمانی
کرے اور اس کی کل حدوں سے بڑھ جائے اللّٰہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے
گا اور اس کے لیے خواری کا عذاب ہے اور تمہاری عورتیں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں کے چار
مردوں کی گواہی لو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو اپنے گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں
موت اٹھا لے یا اللّٰہ ان کی کچھ راہ نکالے اور تم میں جو مرد عورت ایسا کام کریں ان کو ایذا دو پھر اگر وہ
توبہ کر لیں اور نیک ہو جائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو بے شک اللّٰہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے وہ
توبہ جس کا قبول کرنا اللّٰہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہی کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں
پھر تھوڑی دیر میں توبہ کر لیں ایسے پر اللّٰہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللّٰہ علم و حکمت والا ہے
اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو
کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر مریں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا
ہے اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی اور عورتوں کو روکو نہیں
اس نیت سے کہ جو مہر ان کو دیا تھا ان میں سے کچھ لے لو مگر اس صورت میں کہ صریح بے حیائی کا کام
کریں اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو
اس میں بہت بھلائی رکھے اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے

چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو کیا اسے واپس لوگے جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ سے اور کیونکر یہ واپس لوگے حالانکہ تم ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو لیا اور تم سے گاڑھا عہد لے چکیں اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا وہ بے شک بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیبیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیبیاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے اور وعدہ لیتا ہے فِيٓ أَوْلَادِكُمْ تمہاری اولاد کے متعلق ۔ تمہاری ہر ایک اولاد کے بارے میں ۔ یہ اُن کی میراث کے متعلق اجمال ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے مثل ہے۔ یعنی اُن میں سے ایک مرد کا حصہ دو عورت سے دوہرا ہو ۔ یہاں پر منہم محذوف ہے ۔ ہر ایک معلوم ہونے کی بنا پر اسے حذف کر دیا گیا ہے یعنی تقسیم وراثت کے وقت ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر قرار دیا جائے جب کہ ورثہ میں سے دو قسمیں جمع ہو جائیں تو مرد کو عورت کے حصہ سے دوہرا دیا جائے فَإِنْ كُنَّ ۔ پس اگر ہو اولاد ۔

سوال: یہاں مؤنث کے صیغے لانے میں کیا فائدہ ہے۔

جواب: چونکہ اُس کی خبر مؤنث ہے اس لیے یہ مؤنث کے صیغے لائے گئے ۔ نِسَآءً ۔ عورتیں یعنی میت کے ورثہ میں صرف عورتیں ہیں کہ اُن کے ساتھ کوئی لڑکا نہیں فَوْقَ اثْنَتَيْنِ دو سے اُوپر یہ دوسری خبر ہے۔ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ پس عورتوں کے لیے میت کے ترکہ سے دو تہائی حصہ ہے ۔ یعنی متوفی جو کہ قرینہ مقام سے معلوم ہوتا ہے اس کے ترکہ سے ۔

مسئلہ: دو اور دو سے زائد لڑکیوں کا ایک حکم ہے وَإِنْ كَانَتْ اور اگر ہو اولاد (لڑکی) وَاحِدَةً یعنی ایک میت کے ورثہ میں سے صرف ایک لڑکی ہے اور اس کے ساتھ بھائی اور بہن کوئی نہیں فَلَهَا النِّصْفُ اس کی ایک لڑکی کو میت کے ترکہ سے نصف حصہ ملے گا۔

وَلِأَبَوَيْهِ اور میت کے ماں باپ کو لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ ۔ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ

چھٹا حصہ ملے گا یعنی میت کے ترکہ سے ان ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ چھٹا حصہ دیا جائے گا مِمَّا تَرَكَ اس سے جو کہ میّت نے چھوڑا اِنْ كَانَ لَهٗ اگر ہو میت کی وَلَد ۔ اولاد یا بیٹے کی اولاد نر ہو وہ اولاد کا یا مادہ ایک ہوں یا ایک سے زائد۔

مسئلہ:

اگر میت کی اولاد میں سے نرینہ اولاد نہ ہو بلکہ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں تو باپ اپنا چھٹا حصہ (ذوی الفروض کے لحاظ سے بھی لے گا۔ اور تقسیم کے بعد جتنا مال بچے گا تو تمام مال کا مالک بھی ہو گا (بوجہ عصبہ ہونے کے)۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ پس اگر میّت کی کوئی اولاد نہ ہو اور نہ ہی اُس کے بیٹے کی اولاد وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ ۔ اور اس کے وارث صرف ماں باپ بنے ہیں۔ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ تو میّت کے ترکہ سے اس کی ماں کی تہائی ہے اور باقی اُس کے باپ کا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ میت کی زن / شوہر نہ ہوں۔ ہاں جب ان میں سے کوئی ہو تو اُن کا حصہ نکال کر ماں کو باقی مال سے تہائی ملے گی نہ کہ کُل مال سے اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسے نہ کیا جائے تو پھر ترکہ کی تقسیم میں میت کی ماں کا حصہ اس کے باپ سے بڑھ جاتا ہے حالانکہ وارثت میں باپ کو ماں پر فضیلت حاصل ہے چنانچہ معلوم ہوا کہ اگر میّت کے زن / شوہر نہ ہوں تو تقسیم وارثت میں میت کے باپ کو ماں سے دُوہرا حصہ ملتا ہے علاوہ ازیں وہ ذوی الفروض بھی ہے اور عصبہ بھی بنابریں میت کی ماں کو باپ پر وارثت میں فضیلت دی جائے تو شرع کی وضع کے خلاف ہوتا ہے فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ پس اگر میت کے وارث صرف بھائی ہی بھائی ہوں یعنی اس کے بھائی گنتی میں متعدد ہوں دو ہوں یا تین یا اس سے زائد۔ وہ حقیقی بھائی ہوں یا مادری فقط یا پدری فقط وہ نر ہوں یا مادہ (یعنی بہنیں ہوں) یا مخلط ہوں۔ یعنی بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی۔ وہ ترکہ سے حصہ لے سکتے ہوں یا باپ کی وجہ سے محروم ہو چکے ہوں فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ تو ہر حالت میں ماں کا ترکہ میت سے چھٹا حصہ ہے۔

مسئلہ:

اس چھٹے حصے کے بعد باقی جتنا بچے گا وہ باپ کا ہے۔

مسئلہ:

اگر باپ نہ ہو تو بھائیوں کو ملے گا یہی جمہور کا مذہب ہے مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ ۔ وصیت پورا کرنے کے بعد یہ تقسیم میراث کے متعلق ہے یعنی وہ مضمون جو پہلے گزرا ہے یہ اس کے متعلق ہے کہ ورثہ مذکور کو حصص مذکورہ وصیت کے اجراء کے بعد ملیں گے۔ يُّوْصِيْ بِهَاۤ وہ وصیت جو میّت نے مرتے وقت کی تھی۔

نکتہ :

وصیّت کو یوصی بہاسے موصُوف کرنے میں وصیت کی ترغیب اور اُس کے مندُوب ہونے کی طرف اشارہ ہے اَوْ دَیْنٍ یا قرضہ۔ اس کا وصیۃ پر عطف ہے۔ لیکن یہ کسی وصف سے مقید نہیں۔ جیسے وصیّت ایک صفت سے مقید ہے۔ بلکہ قرضہ مطلق ہے۔ خواہ بینہ سے ثابت ہو یا اقرار سے۔

سوال : یہ عطف واؤ سے کیوں نہیں اور لفظ اَوْ سے کیوں۔ حالانکہ وہ تو مباح اور یہ واجب ہے۔

جواب : تاکہ دلالت ہو کہ وصیّت اور قرض ہر دونوں وجوب میں برابر ہیں اور اس بات میں مساوی ہیں۔ کہ ان ہر دونوں کو تقسیم وراثت پر مقدم کرنا واجب ہے۔ خواہ ہر دونوں ہوں یا صرف ایک۔

سوال : وصیت کو قرضہ پر کیوں مقدم کیا گیا ہے حالانکہ اجرائے احکام میں قرض وصیّت سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔

جواب : اس لیے کہ وہ میراث کے مُشابہ اور اس کی ادائگی ورثہ پر شاق بھی ہے اور پھر قرض کا وقوع نادر ہوتا ہے اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا تمہاری اولاد اور آباء میں سے تمہیں معلوم نہیں کہ ان میں کون سا اَقرب الی النفع ہے یہ خطاب ورثہ کو ہے یعنی تمہارے وہ اُصُول اور فروع جو فوت ہو چکے ہیں تم نہیں جانتے ہو کہ ان میں تمہارے لیے کون زیادہ مفید ہے مثلاً ایک وہ ہے کہ مرتے وقت اپنے مال کے تہائی حصہ کو صدقہ کرنے کی وصیت کر جاتا ہے اس طرح وہ تمہیں آخرت کے ثواب کا مستحق بنا گیا ہے کہ اگر اس کے تہائی مال سے صدقہ کرو گے تو ثواب پاؤ گے دوسرا وہ ہے کہ مرتے وقت اُس نے کسی قسم کی وصیت نہیں کی تو اُس کی وصیّت نہ کرنے سے تمہیں ترکہ سے وراثت کا مال کچھ زیادہ ملے گا۔ لیکن ثواب نہیں اِن دُونوں میں سے اگر انصاف سے جواب دُو تو تمہارے لیے زیادہ مفید پہلا ہے کہ جس نے مرتے وقت اپنے تہائی مال کے صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس لیے کہ تمہیں مرتے ہی اُس کی اجرائے وصیّت کا ثواب نصیب ہوگا۔ اور پھر ... کے ثواب کے حصول سے منفعت بھی بیحد۔ اس لیے کہ مُورث و وارث کے موت کے مابین چنداں مُدت بھی نہیں۔ یعنی دنیا میں رہنے کا تھوڑا وقفہ نصیب ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیوی مُنفعت جو اُسے ملی ہے وہ چند روزہ پھر جلد تر ختم ہونے والی ہے۔ بلکہ معمولی سے وقفہ سے وہی مال ختم ہو جائے گا۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ تقسیم وراثت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اُوپر فرض ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا بیشک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور اُن کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے حَكِيْمًا جو فیصلہ اور جیسے ہی مقدر اور جس طرح کی تدبیر فرمائے اُن کے لیے بہت بڑی حکمتوں کا مالک ہے۔

خلاصہ تفسیر: آیت میں تنبیہ ہے کہ بندے پر لازم ہے کہ وہ افراط و تفریط سے بچ کر رہے باعتبار رائے کے یا باعتبار عمل کے بلکہ مضبوط اور پختہ رسی کو مضبوط پکڑے جسے عدالت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ تمام اُمور مذکورہ کے متعلق ہے۔ دراصل ضعیف و قوی کے پرکھنے کے لیے یہ بہترین ترازو ہے لیکن یہ بھی ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی بلکہ اُس کی قسمت میں ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہے اور انہیں دل سے مانتا ہے کہ اُس کا ہر فیصلہ انجام بخیر کی حیثیت سے ہوتا ہے بنا بریں یہ اُس کے جملہ فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اور یہ بھی اسے یقین ہے کہ وہ اپنی شانِ کریمی اور حکمت کی مصلحت کے تحت ہر شئے کو وہ اپنی شانِ کریمی اور حکمت کی مصلحت کے تحت ہر شئے اس کے مناسب مقام پر رکھتا ہے۔ فلہٰذا بندوں پر لازم ہے کہ وہ بھی عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اس لیے کہ یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور ظلم سے دُور رہنے کی جدوجہد کریں۔ ہر معاملہ میں ظلم کو اپنے میں نہ گھسنے دیں بالخصوص عزیز و اقارب کے معاملات میں اس لیے کہ انہیں غیروں پر ہر طرح سے فضیلت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں انہیں صلہ رحمی کی حیثیت بھی ہے اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کو اپنے ذاتی احکام کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہیں کما قال تعالیٰ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔ پس بندوں پر لازم ہے کہ اپنے اصول و فروع کے حقوق کی پاسداری کو لازم سمجھیں اور صاحبِ حق کی ادائیگی حقوق میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کمی نہ کریں۔

فہرست حقوق الوالدین

وَالدین کے حقوق یہ ہیں۔

(۱) اولاد پر واجب ہے کہ ماں باپ کے سامنے اُف تک نہ کریں۔

(۲) حتی الامکان ان کی مروت و احسان میں کمی نہ کریں۔

(۳) اُن کے ساتھ نہایت نرم اور لطیف لہجہ سے بات کریں۔

حدیث شریف: میں ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کے متعلق پھر والدین کے حقوق کے بارے میں پرسش ہوگی۔ اسی طرح عورت سے سب سے پہلے نماز کے متعلق پھر اس کے شوہر کے حقوق کے بارے میں سوال ہوگا۔ اسی طرح عبد سے پہلے نماز کے متعلق پھر اس کے مولیٰ کے حقوق کے بارے میں۔

مسئلہ:

والدہ حقوق کے لحاظ سے والد پر فوقیت رکھتی ہے اس لیے کہ وہ اولاد کی تربیت میں زیادہ دکھ اٹھاتی ہے اور پھر اُسے بہ نسبت باپ کے اولاد سے زیادہ محبت و رحمت بھی ہے۔

حکایت:

ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ بہت بوڑھی ہو گئی ہے اب

میں اُسے اپنے ہاتھ سے کھلاتا پلاتا ہوں اور اُسے مُونڈھے پر اٹھا کر اس کی قضائے حوائج کراتا ہوں کیا اس طرح سے مَیں نے اپنی ماں کے حقوق ادا کر لیے۔ آپ نے فرمایا نہیں اس کے حقوق میں سے ایک بھی نہ۔ اُس نے عرض کی یہ کیسے۔ آپ نے فرمایا۔ والدہ نے تیری خدمت اس وقت کی جب کہ تو بالکل ضعیف و ناتوان تھا۔ اور اس نیت پر کہ تیری عمر دراز ہو اور تو اس نیت پر خدمات کرتا ہے کہ وہ کب مرے گی۔ لیکن ماں کی ایسی خدمت سے تجھے شاباش۔ اس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔ ایسی حالت میں ماں (باپ) کی خدمت سے (تھوڑی ہو یا زیادہ) بہت بڑا ثواب نصیب ہوتا ہے۔

حکایت:

ایک شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور مجھے جنگ کو جانے کی اجازت بخشئے۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تیری والدہ زندہ ہے۔ اُس نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا ماں کی خدمت کرتے رہو۔ اس لیے کہ بہشت تیری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ یہ حدیث احیاء العلوم شریف میں ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

جنت کہ سرائے مادر انست ، زیر قدمات مادر انست

روزی بکن اے خدائے مارا ، چیزے کہ رضائے مادر انست

ترجمہ: (۱) جنت ماں کی جاگیر ہے وہ ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(۲) اے اللہ ہمیں وہ دن دکھائے جو ماں کی خوشنودی کا ہو۔

مسئلہ:

دین اسلام میں جو امور مباح ہیں اُن تمام میں والدین کی اطاعت ضروری ہے خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ:

اگر وہ شرک یا کسی گناہ پر مجبور کریں تو اُن کا کہنا نا ماننا بے فرمانی نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما۔

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ

قطع رحم بہتر از مودّتِ قربیٰ

ترجمہ: جب رشتہ دار میں دیانت و تقویٰ نہ ہو تو ایسے رشتہ داروں سے قطع رحمی بھلی۔

ہر وہ امر کہ جس سے بے خبری میں ہلاکت اور تباہی ہو تو اس کا جاننا فرض عین ہے۔ خواہ امور اعتقادیہ سے ہوں جیسے معرفۃ الصانع اور معرفتہ صفاتہ۔ اسی طرح حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال وافعال کی تصدیق یا اعمال حسنہ میں سے ہوں۔ خواہ ظاہر سے متعلق ہوں۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ یا باطن سے جیسے نیت صاف رکھنا۔ اور اخلاص کرنا اور توکل وغیرہ یا وہ اعمال سیئہ میں سے ہوں۔ خواہ اُن کا تعلق ظاہر سے ہو۔ جیسے شراب پینا۔ سود کھانا اور شہوت سے بیگانی عورت کی طرف دیکھنا۔ یا باطن سے جیسے کبر۔ عجب اور حسد۔ اسی طرح نفس کے تمام ردی عادات۔ ان تمام امور کا جاننا فرض عین ہے یعنی ہر عاقل بالغ کو ان کا جاننا واجب ہے۔ اگرچہ ان کے حصول کا علم سے اس کے والدین منع فرمائیں۔ تب بھی اُن کے رُوکنے سے نہ رُکے۔

مندرجہ بالا اعتقائد و مسائل کے علاوہ دیگر علوم و فنون کے حصول سے اگر والدین روکیں تو بعض کے نزدیک ان کا حکم ماننا ضروری ہے کہ اُن کے حصول کے لیے والدین کو چھوڑ کر کہیں باہر نہ جائے جب تک کہ والدین کی اجازت نہ ہو۔

مسئلہ

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ اگر کوئی مرد علم کے حصول کے لیے والدین کی اجازت کے بغیر باہر چلا جائے تو یہ والدین کی بے فرمانی میں داخل نہ ہو گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جانے والا نوجوان باریش ہو۔ اگر وہ بچہ اور بے ریش ہو اور پھر حسین و جمیل بھی ہو تو پھر اگر اسے والدین روکتے ہیں تو باہر نہ جائے بلکہ والدین کو چاہیئے کہ اُسے ایسے آوارہ نہ چھوڑ دیں۔

فہرست اَولاد کے حقوق والدین پر ماں باپ پر اولاد کا ایک حق یہ ہے کہ اُن کا اچھا نام رکھیں مثلاً انبیاء علیہم السلام کے اسماء کے مطابق یا اللہ تعالیٰ کے کسی نام سے مضاف کرکے۔ اس لیے کہ قیامت میں ہر انسان کو اُس کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ قیامت میں تم اپنے اور اپنے آباء کے اسماء سے بلائے جاؤ گے فلہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔

مسئلہ: قبیح اسماء کا تبدیل کرنا مُستحب ہے۔

حدیث شریف: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسمیٰ عاصی کو مطیع سے تبدیل فرماتے۔ آپ کی خدمت میں ایک

شخص حاضر ہوا۔ اُس کا نام مضطجع تھا۔ آپ نے اس کا نام منبعث رکھا۔

مسئلہ: والد پر اولاد کا دوسرا حق یہ ہے کہ اس کا ختنہ کرائے۔

مسئلہ: ختنہ کرنا سُنت ہے۔

مسئلہ: ختنہ کے وقت میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے کے قریب ختنہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ بھی ایک طہارت ہے اور بندے پر قبل از بلوغ طہارت کا حکم نہیں ہے بعض نے فرمایا کہ جب بچہ دس سال کا ہو اور بعض نے کہا کہ جب نو سال کا ہو۔

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ جب تک بچے کے دانت ظاہر نہ ہوں اس سے پہلے ختنہ نہ کرانا چاہیئے۔ اس لیے کہ اس طرح سے یہودیوں کی مخالفت ضروری ہے کہ وہ بچوں کا ولادت کے بعد ساتویں دن ختنہ کرتے ہیں۔

مسئلہ: والد پر اولاد کا حق ہے کہ رزقِ حلال سے تربیت کرے۔

مسئلہ: اولاد کے حقوق میں یہ بھی ہے کہ اولاد کو علم دین پڑھائے اور اُس کی اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی سیرت پر تربیت فرمائے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

بخردی درش زجر و تعلیم کن — بہ نیک و بدش وعدہ و بیم کن

بیاموز پروردہ را دست رنج — دگر دست داری چو قارون گنج

بپایاں رسد کیسۂ سیم و زر — نگردد تہی کیسۂ پیشہ ور

ترجمہ: (۱) بچپن سے ہی اسے تعلیم دے اور اس وقت اسے نشیب و فراز سمجھا۔

(۲) اپنے پروردہ کو کاروبار میں لگادے اگرچہ تیرے ہاتھ قارون کا خزانہ ہے۔

(۳) کیونکہ بالآخر سیم و زر کی تھیلی ختم ہو جائے گی لیکن پیشہ والے کی جیب ختم نہ ہوگی۔

مسئلہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بچے کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اُس کے سر کے بال اُتارے جائیں۔ پھر جب چھ سال کا ہو جائے تو اُسے آداب سکھائے جائیں اور جب وہ سات سال کا ہو جائے تو اُسے دوسروں کے ساتھ سونے سے علیحدہ سُلایا جائے اور جب وہ سترہ سال کا ہو جائے تو اُس کی شادی نکاح کیا جائے پھر وہ اپنے کسبِ حلال سے روزی کمائے تو اسے سمجھائے کہ میں نے تیری تربیت کی اور تجھے علم پڑھایا اور تیری شادی نکاح کیا۔ میں تیرے لیے دُعا اور دُنیا کے فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی بھی

دعا کرتا ہوں ۔

مسئلہ: انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی رائے پر اعتماد نہ کرے بلکہ اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے ۔ اس لیے کہ وہ ہر معاملہ کو زیادہ جانتا ہے اور تمام امور میں بہت زیادہ حکمتیں رکھتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مشائخ بمنزلہ آباء کے اور مریدین بمنزلہ اولاد کے ہیں ۔ جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ شیخ اپنے مریدوں کے لیے ایسے ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی امت کے لیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں ۔ یوصیکم اللہ الآیۃ میں اشارہ ہے کہ مشائخ و مریدین کی وصیتیں اور وراثتیں قربت دینی کی وجہ سے ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ جیسے دینوی وراثت دو قسم ہوتی ہے ۔

(۱) سببی ۔

(۲) نسبی ۔

اسی طرح دینی وراثت بھی دو قسم کی ہوتی ہے سببی وراثت دینی مریدین کا نیک ارادہ اور اپنے مشائخ سے خرقہ خلافت حاصل کرنا اور ان کے لباس سے تبرک لینا اور اُن سے مشابہت پیدا کرنا اور نسبی وراثت دینی یہ ہے کہ اُن کے تصرفات ولایت کے سامنے ظاہراً و باطناً سر تسلیم خم کرکے اُن کی صحبت سے صدق نیت اور خلوص قلبی سے فیض حاصل کرنا اور اُن کے احکام پر بصدق دل چلنا اور ان کی تربیت پر جان و دل سے عمل کرنا تاکہ اسے اس سے نشأۃ ثانیہ کا درجہ نصیب ہو اس لیے کہ ولادت دو قسم ہے نشأۃ اُولیٰ جسے ولادت جسمانیہ کہا جاتا ہے وہ اس طرح کہ عورت کے رحم سے بچہ عالم شہادت میں قدم رکھے اسے عالم دُنیا کہتے ہیں ۔ نشأۃ ثانیہ اسے ولادت روحانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس سے صاحب ولایت (سالک) رحم قلب سے عالم غیب میں ظہور پذیر ہوتا ہے ۔ اسے عالم ملکوت کہا جاتا ہے ۔ جیساکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ملکوت السمٰوات والارض میں پہنچنا نصیب نہیں ہوتا جب تک دو ولادتیں حاصل نہ ہوں ۔ اس اعتبار سے شیخ رُوحانی باپ ہوتا ہے اور مریدین اُن کی صلب ولایت سے پیدا ہوتے ہیں ۔ اسی وجہ سے مریدین مشائخ کی رُوحانی اولاد کہلاتی ہے ۔ اس بنا پر مشائخ و مریدین آپس میں ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوتے ہیں ۔ اُن کے بعض دوسرے بعض سے افضل ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی اولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض یہی مفہوم ہے ۔ دُوسرے مقام پر فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا "انبیا علیہم السلام آپس میں مادری بھائی نہیں کہ اُن کے طور و اطوار تو مختلف ہیں لیکن ان کا دین ایک ہے ۔ اس بنا پر حضور علیہ السلام نے فرمایا ۔ کہ ہر حسب و نسب منقطع ہو جائے گا سوائے میرے حسب و نسب کے ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ حسب و نسب

سے مراد آپ کا دین اسلام ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کی آل کون ہیں آپ نے فرمایا پرہیزگار مومن میری آل ہے بہر حال مومن ایک دوسرے کا وارث ہے۔ بایں معنی بوجہ تعلقات نسبی وسبی اور ذکورۃ و انوثۃ اور اجتہاد اور حسن استعداد کے وارث ہوتے ہیں اور ان کی وراثت یہی علوم دینی اور اسرارِ لدنی ہی ہیں جس نے کسی سے یہی حاصل کئے اُسے بہت اور بڑا اچھا حصہ نصیب ہوا۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا ہے

چوں گرفتی پیر نازک دل مباش ... سست وریزندہ چوں آب وگل مباش

چوں گرفتی پیرہن تسلیم شو ... ہمچو موسیٰ زیرِ حکم خضر رو

گر تو سنگ وصخرہ ومرمر شوی ... چو بصاحب دل رسی گوہر شوی

یار خنداں باغ را خنداں کند ... صحبت مرداں ترا از مرداں کند

ترجمہ: ① جب پیر کا دامن پکڑا ہے تو نازک طبع نہ ہو سست اور گارے کی طرح گرنے والا (بیکار نہ ہو)

② مرشد کا دامن پکڑا ہے تو تسلیم و رضا اختیار کو جیسے موسیٰ خضر علیہ السلام کے زیرِ حلم کر دیئے گئے۔

③ اگر تو پتھر و چٹان اور سنگ مرمر سے ہے جب صاحب دل کے ہاں پہنچوں گا تو تو گوہر ہو جائے گا۔

④ یار خوش مذاق باغ کو خوش کر دیتا ہے تجھے جوانمردوں کی صحبت جوانمرد بنا دے گی۔

تفسیر عالمانہ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ۔ اور تمہارے لیے تمہاری عورتوں کے ترکہ سے آدھا حصہ ہے جب کہ وہ مر جائیں اور کچھ مال چھوڑ جائیں تو تمہیں اُن کی وراثت سے آدھا حصہ ملے گا۔ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ اگر اُن کی کوئی اولاد نہ ہو یعنی اُن کی صلبی یا اُن کے بیٹوں یا پوتوں کی اسی طرح نیچے تک اولاد نہ ہو نرینہ یا مادہ۔ ایک یا ایک سے زائد۔ تمہارے سے ہو یا تمہارے غیر سے۔

مسئلہ: بقایا آدھا حصہ اس کے اُس کے ذوالفروض والعصبات وغیرہم کو ملے گا۔ یا بیت المال کو۔ اگر کوئی بھی اُس کا وارث نہ ہو فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ پس اگر اُس کی کوئی اولاد ہو۔ جس کی تفصیل ابھی گزری ہے۔

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ. تو تمہارے لیے اے شوہرو تمہاری عورتوں کے ترکہ سے چوتھا حصہ ملے گا۔ اور باقی دوسرے وارثوں مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ بعد وصیت کے یہ ہر دونوں صورتوں کے متعلق ہے يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ جو اس کے لیے وصیت کر کے مر جائیں یا قرضہ ادا کرنے کے بعد جب کہ وہ قرضہ بینہ سے ثابت ہو یا وہ خود اقرار کر کے مریں وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ. اور ان کے لیے چوتھا حصہ ہے جو کچھ تم مرتے وقت چھوڑ جاؤ اور وہ تمہارے بعد زندہ بچ جائیں۔

إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ۔ پس اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو تو تفصیل مذکور فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ. اُن کے لیے تمہارے چھوڑے ہوئے ترکہ سے آٹھواں حصہ ہے۔ باقی ترکہ دوسرے وارثوں کے لیے ہے

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍؕ بعد وصیت کے جو کہ تم وصیت کر کے مر جاؤ یا بعد ادائگی قر۔
کے یعنی ترکہ کی تقسیم سے پہلے وہ تمہاری وصیت اور قرضہ کو پورا کریں۔ پھر جائیداد تقسیم کریں۔
مسئلہ: یہ اس وقت ہے جب کہ مانع عن الارث کوئی نہ ہو اور منع عن الارث چار ہیں۔

(۱) قتل۔

(۲) اختلاف دین جیسے مسلمان کے مرزائی اور پرویزی، شیعہ، وہابی، دیوبندی وارث نہیں ہو سکتے۔

(۳) بندہ ہونا۔

(۴) اختلاف دار یعنی دارالاسلام کا باشی دار الحرب میں رہنے والا وارث نہیں ہو سکتا وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ اور اگر میت مرد ہو یُوْرَثُ اس کی وراثت کا حق دار یعنی اس کی وراثت اسے دی جائے گی جو اس کا وارث ہے شاید کہ جس کا یہ وارث ہوا یہ یورث رجل کی صفت ہے كَلٰلَةً یہ کان کی خبر ہے کلالہ اسے کہا جاتا ہے کہ کی اولاد نہ ہو اور نہ ہی اس کا والد زندہ موجود ہو یہ دراصل مصدر ہے بمعنے الکلال کے اہل عرب ہر اس شخص کو کہتے ہیں جسے بولنے میں رکاوٹ ہوتی ہو اور اسکی قوۃ تکلم میں نقص ہو۔ پھر بطور استعارہ ہر شخص کو کہتے ہیں کہ جس کی اولاد نہ ہو اور نہ ہی اس کا والد زندہ موجود ہو۔ وجہ مناسب یہی ہے کہ وہ قرابت میں دونوں جہتوں سے ناقص ہے۔ اَوِ امْرَاَةٌ۔ یا عورت ہو۔
وَّلَهٗٓ یعنی اس میت کے لیے کہ جس کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے وہ مرد ہے یا عورت اَخٌ اَوْ اُخْتٌ کا بھائی زندہ موجود ہے یا بہن۔
مسئلہ: شرط یہ ہے کہ وہ ہر دونوں مادری بہن بھائی ہوں اور مسئلہ اجماع سے ثابت ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں کے غیر کا حکم برابر جو اسی سورۃ کے آخر میں بیان ہوگا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا پس ہر ایک ان دونوں مادری بہن و بھائی میں سے السُّدُسُ چھٹا حصہ ہے۔
مسئلہ: اس صورت میں مرد کو عورت پر کوئی فضیلت نہیں یعنی بہن و بھائی اس چھٹے حصہ میں برابر کے حصہ دار ہیں اس لیے کہ یہاں میت کی طرف قرابت کی نسبت انوثت (عورت) یعنی ماں کی وجہ سے ہے فَاِنْ كَانُوْٓا پس اگر وہ مادری اولاد اَكْثَرَ زائد موجود ہوں مِنْ ذٰلِكَ اس سے یعنی ایک بھائی یا ایک بہن سے یعنی وہ ہوں یا دو سے زائد فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ تو وہ سب کے سب تہائی میں برابر کے شریک ہیں اس تہائی کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ اس میں مرد کو عورت پر کسی قسم کی ترجیح نہیں۔ ان کے بعد باقی ترکہ اصحاب الفروض والعصبات کو ملے گا مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ
بعد وصیت کے جو وصیت کی جائے یا بعد قرض کے اس میں کسی کو نقصان نہ دیا جائے۔ غیر مضار کا

ہونا بہ بنائے حال ہے جو یُوصی کے فاعل سے واقع ہے اور وہ فاعل اس یوصٰی میں مقدر ہے جب کہ یوصٰی بصیغہ مجہول سے دَلالۃً ثابت ہوتا ہے۔ یعنی اُس کی وصیت کر کے مَر جائے۔ یعنی وہ وصیت جو مضمون میں مذکور ہے یا اس نے کسی کا قرض دینا ہو درانحالیکہ ورثہ کو کسی قسم کا نقصان نہ دیا جائے۔ مثلاً وصیت زائد علی الثلث وصول کی جائے یا وصیت صرف ورثہ کو ضرر دینے کی بنا پر از خود بنائی جائے یا میت خواہ مخواہ وصیت کر کے مرے تاکہ ورثہ کو جائداد سے نقصان پہنچے یا مرتے وقت کسی جعلی قرضہ کا اقرار کر کے مرے وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ سے تمہیں وصیت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی وصیت فرماتا ہے۔ کہ جس میں کسی قسم کا تغیر نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ میراث کو کاٹتا ہے یعنی ورثہ کا حصہ کم کر لے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اُس کا حصہ بہشت میں کم کر دے گا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ نقصان دینے اور نہ دینے والے کو خوب جانتا ہے حَلِيْمٌ۔ اور بہت بڑے حوصلہ والا ہے۔ وہ کسی کی سزا دینے پر جلدی نہیں فرماتا۔ فلہٰذا کوئی اس مہلت دینے پر دھوکہ نہ کھا جائے۔ تِلْكَ یہ احکام یتامیٰ جو یتامیٰ اور وصیتوں اور میراث کے متعلق مذکور ہوئے ہیں حُدُوْدُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی حدیں اور اُس کی مقرر کردہ شریعتیں ہیں جو اُن حدود کی طرح ہیں کہ اُن سے تجاوز کرنا ناجائز ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان تمام اوامر و نواہی میں کہ جن کی تفصیل بیان ہوئی ہے اطاعت کرتا ہے يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اللہ تعالیٰ اسے اُن باغات میں داخل فرمائے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ خالدین کا صیغہ جمع بایں معنی ہے کہ لفظ مَن لفظاً مفرد ہے اور معنیً جمع ہے وَذٰلِكَ اور یہ ثواب۔ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ بہت بڑی کامیابی ہیں۔ یعنی قیامت میں بہت بڑی نجات اور ایسی کامیابی کہ اس جیسی اور کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اگرچہ بعض اوامر و نواہی میں سہی وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ اور اُس کے حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ یعنی اُس کی متعین کردہ احکام کے حدود سے متجاوز ہوتا ہے يُدْخِلْهُ نَارًا تو اُسے جہنم میں داخل کرے گا۔ اور وہ جہنم بہت بڑا عظیم عذاب ہے کہ جس کا کوئی بھی اندازہ نہیں کر سکتا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے اہانت کرنے والا عذاب ہوگا یعنی اُس کے لیے اس جلانے والے عذاب جسمانی سے کوئی اور عذاب ہوگا کہ جس کی کنہہ کو کوئی نہیں جانتا اور وہ عذاب رُوحانی ہوگا۔ جیسا کہ عذاب کی صفت مہین سے معلوم ہوتا ہے اور ولہ عذاب مہین جملہ حالیہ ہے۔

نکتہ: اہل جنت کے لیے صیغہ جمع خالدین فیہا اور اہل نار کے لیے صیغہ مفرد یعنی خالدًا فیہا میں اس طرف اشارہ

ہے کہ جہنم کے ایک ہی عذاب میں نفس کے دُکھ درد بے پایاں ہے پھر باقی کیا کہنا۔

تفسیر صوفیانہ طاعتِ الٰہی مطالب دُنیوی و آخری کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے اور اطاعت کے فوائد کے لیے اصحاب کہف کے کُتے کا قصہ ہی کافی ہے کہ وہ اولیاء اللہ تعالیٰ کی صحبت میں طاعت الٰہی کے طور رہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے

بابداں یار گشت ہمسر لوط ۔۔۔ خاندان نبوتش گم شُد

سگ اصحاب کہف روزے چند ۔۔۔ پے مردم گرفت مردم شُد

ترجمہ: ① بُروں کی صحبت میں لوط (علیہ السلام) کی اہلیہ بیٹھی تو اس کا خاندان نبوت سے رشتہ ٹوٹ گیا۔

② اصحاب کہف کا کتا ایک عرصہ اللہ والوں کا دامن پکڑا رہا تو انسان بن گیا۔

سبق: جب اطاعت گزار لوگوں کے صحبت یافتہ لوگوں کا یہ مرتبہ ہے تو پھر خود اہل طاعت کی کیا شان ہو گی۔

روحانی نسخے حضرت حاتم اصم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اپنے مولیٰ کی خدمت بجالانا چاہیئے۔ پھر دیکھئے دُنیا قدم بوسی کرے گی اور آخرت تیری طالب ہو گی۔

① اُنہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص تین چیزوں کا تین چیزوں کے بغیر دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔
جو شخص بہشت کا طالب ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال نہیں لُٹاتا وہ جھوٹا ہے۔

② جو شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتا ہے لیکن اولیاء اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہے وہ بھی جھوٹا ہے۔

③ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کر کے اس کے محارم سے نہیں بچتا وہ بھی جھوٹا کذاب ہے۔

④ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں بڑھتا ہے اسے قرب الٰہی میں اضافہ نصیب ہوتا ہے اور شیطان کے مکر و فریب سے دُور ہوتا ہے۔

⑤ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت معروف کرخی قدس سرہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے کس عمل کے ذریعے طاعتِ الٰہی پر توفیق دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب اُن کے دلوں سے دُنیا کی محبت نکل جائے۔ اگر اُن کے دِل میں ذرہ برابر بھی دُنیا کی محبت ہو تو اُن کا ایک سجدہ بھی قابلِ قبول نہیں حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا ہے

بند بگسل باش آزاد اے پسر — چند باشی بند سیم و بند زر
ہر کہ از دیدار برخوردار شد — ایں جہاں در چشم او مردار شد
ذکر حق کن بانگ غولاں را بسوز — چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ: (۱) تعلق توڑ اے بیٹے اور آزاد ہو جا کب تک اس سیم وزر کا عاشق بنا پھرے گا۔

(۲) جو بھی دیدار الٰہی سے سرشار ہوتا ہے اسے یہ جہان مردار نظر آتا ہے۔

(۳) ذکر حق سے غول کو جلا دے نرگس کی آنکھ سے گدھ کی آنکھ بند کر دے۔

سبق: جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اپنی عظمت کی معرفت سے نوازتا ہے تو وہ اس کی اطاعت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حکایت: بنی اسرائیل کے ایک نوجوان کا واقعہ ہے کہ تارک الدنیا ہو کر اس نے لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور آبادی سے دور ایک مقام پر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گیا۔ اسے گھر لانے کے لیے اس کی برادری کے دو بزرگ اس کے پاس گئے اور کہا کہ بھائی تم نے ایسا عمل اختیار کیا ہے کہ جس کی شدت سے دل کانپ اٹھتا ہے۔ نوجوان نے کہا میرا اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ سخت ہے تم کس کس بات کا میرے لیے ترس کھاؤ گے۔ انہوں نے کہا تیرے تمام گھر والے تیری زیارت کے مشتاق ہیں تمہارا واپس لوٹنا تمہاری اس عبادت سے افضل ہے۔ نوجوان نے کہا جب میرا رب تعالیٰ میرے اوپر راضی ہو جائے گا تو تمام گھر والے میرے اوپر راضی ہو جائیں گے۔ پھر انہوں نے کہا تو ابھی نوجوان ہے تجھے اس کا تجربہ نہیں ہم نے گرم و سرد آزمایا ہے ہمیں خطرہ ہے کہ تو اپنی اس عبادت میں عجب سے مارا جائے گا۔ نوجوان نے کہا جسے اپنے نفس کی مکاریوں کا علم ہو جاتا ہے اسے عجب (خود بینی) کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ بزرگ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگے چلو، بابا اس نوجوان کو جنت کی خوشبو نصیب ہو گئی ہے۔ اب یہ کسی کی بات نہیں مان سکتا۔

حکایت: حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے لیے ایک پروگرام بنا رکھا تھا۔ کہ ایک دن عبادت میں مصروف رہتے۔ ایک دن اپنے اہل و عیال اور اولاد کے لیے لیکن وہ بھی تمام رات عبادتِ الٰہی میں گزار دیتے۔ اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ ایک دن عبادت پر نظر کی تو دل میں خیال گزرا۔ آپ کے قریب نہر چلتی تھی اس سے ایک مینڈک بولا اور کہا کہ قسم ہے مجھے اس ذاتِ اقدس کی جس نے آپ کو نبوت سے نوازا کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس وقت سے اس نہر میں ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں اور ایک پل بھی آرام نہیں کیا ہے لیکن مجھے اس عبادت پر نہ ثواب کی امید ہے نہ ہی عذاب سے خطرہ۔ لیکن آپ چند روز عبادت کر کے اپنی عبادت پر نظر رکھنے لگ گئے۔

سبق : اس سے معلوم ہوا کہ نیک انسان وہ ہے جو عبادت بجالانے کے باوجود بھی اپنے آپ کو گنہگار سمجھے اور عبادت پر کسی قسم کا بھروسہ نہ کرے۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمل صالح میں زندگی بسر کرے اور اُن برائیوں سے دور رہے جو اُسے (عجب) یعنی خود بینی میں مبتلا کردیں بلکہ تمام روحانی امراض سے بچتا رہے یہی وجہ ہے کہ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ تھا کہ وہ گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے

روحانی نسخے : حضرت امام جعفر صادق اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا - یہ دور خاموشی اور عزلت نشینی کا ہے۔

حکایت : حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ اگر ہم گوشہ نشینی اختیار کرلیں تو پھر ہمیں رزق کہاں سے ملے گا۔ آپ نے فرمایا تقویٰ پیدا کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ متقین کو غیب سے روزی دیتا ہے - چنانچہ فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ راہ کھول دیتا ہے اور اُسے اس طرح روزی دیتا ہے کہ اُسے معلوم بھی نہیں ہوتا۔

حضرت جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بر دلِ خود کم نہ اندیشۂ معاش ،
عیش کم ناید تو بر درگاہ باش ،

ترجمہ :

تو دل میں معاش کا خیال بھی نہ لا
روزی کم نہ ہوگی جب تم درگاہ حق پہ پڑے رہو

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ
شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ○
وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ
يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَ
لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
اِنِّيْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ○
وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا
مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى
بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ
اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ
سَبِيْلًا ○ ع

ترجمہ: اور تمہاری عورتیں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں چار مردوں کو گواہی لو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو اپنے گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے اور تم میں جو مرد عورت ایسا کام کریں ان کو ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نیک ہو جائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کرلیا ہے وہ انہی کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھے پھر تھوڑی دیر میں توبہ کرلیں ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور وہ توبہ ان کی نہیں جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو کافر مریں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ

عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی اور عورتوں کو روکو نہیں اس نیت سے کہ جو مہران کو دیا تھا ان میں سے کچھ لے لو مگر اس صورت میں کہ صریح بے حیائی کا کام کریں اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو۔ تو اس میں کچھ واپس نہ لو کیا اسے واپس لوگے جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ سے اور کیونکر ایسے واپس لوگے حالانکہ تم میں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہولیا اور تم سے گاڑھا عہد لے چکیں اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا وہ بے شک بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ۔

تفسیر عالمانہ

وَالّٰتِیْ یہ اَلّتی کی جمع ہے یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ۔

حل لغات: یاتین ایتان سے مشتق ہے بمعنے فعل اور کوئی عمل کرنا۔ الفاحشۃ یعنی وہ فعل جو قبیح ہو۔ اس سے زنا مراد ہے کہ بہت بڑے قبائح سے بھی قبیح تر ہے یعنی وہ عورتیں جو کہ زنا کا فعل کرتی ہیں جو کہ وہ۔ مِنْ نِّسَآئِكُمْ تمہاری عورتوں میں سے فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ تو اُن پر اپنے سے چار گواہ لاؤ۔ یعنی اُن پر گواہی دینے کے لیے اپنے سے چار آزاد مرد گواہ بناؤ فَاِنْ شَهِدُوْا پس وہ چار اگر اُن پر زنا کی گواہی دیں فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُيُوْتِ پھر انہیں اپنے گھروں میں مقید کر کے بند رکھو حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ یہاں تک کہ انہیں موت آجائے اور وہ اِسی قید میں مرجائیں۔ اس میں موت سے ڈرانا مطلوب ہے کہ وہ ایک سخت امر ہے کہ رُوح قبض ہونے کے وقت معلوم ہوگا۔ یا اس سے وہ فرشتہ مراد ہے جو روح قبض کرنے پر مامور ہے اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا یا اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی اور راستہ بتلائے کہ وہ اس گھر کی قید سے نکل جائیں کہ انہیں نکاح کرنے کی اجازت مِل جائے اس لیے کہ نکاح زنا کی برائی سے بچاتا ہے وَالَّذٰنِ یہ اَلّذی کا تثنیہ ہے يَاْتِيٰنِهَا وہ دو شخص یعنی مرد اور عورت جو زنا کرتے ہیں مِنْكُمْ تم میں سے یعنی زانی مرد اور زانیہ عورت۔

ف: تغلیباً عورت بھی اس میں داخل ہے۔

ازالہ توہم حضرت سدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے غیر شادی شدہ مرد و عورت مراد ہیں۔ جیسا کہ اُن کی سزا سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی سزا مذکورہ بالا عورت سے کم ہے کہ اُسے دائمی طور قید میں رکھنے کا

حکم ہے ۔ اس تقریر سے وہ وہم دور ہوگیا کہ جب زانیہ کا حکم پہلے بیان ہو چکا ہے پھر اب دوبارہ کیوں بیان کیا جا رہا ہے ۔ اس میں تو تکرار لازم آتا ہے فَاٰذُوْهُمَا پس انہیں ایذاء دو مثلاً انہیں جھڑکیاں دو اور ان کی مذمت کرو اور انہیں کہو کہ تمہیں ایسے گندے عمل سے حیاء و شرم کرنی چاہیے یا کہو تمہیں خدا تعالیٰ کا خوف بھی نہیں آیا لیکن یہ اُس وقت ہے جب کہ اُن سے واقعی زنا سرزد ہو اور اُن پر عینی شہادت یا قوی قرائن یا اُن کا خود اپنا اقرار ہو فَاِنْ تَابَا پس اگر وہ اپنے کیئے سے تائب ہو جائیں کہ تمہاری زجر و توبیخ اور ملامت وغیرہ کرنے سے وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے آئندہ نہ کرنے کا پورا اعتماد دلاتے ہیں وَاَصْلَحَا اور نیک بن گئے ہیں اور اپنے غلط رویہ کو تبدیل کر چکے ہیں تو فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا تو تم بھی اُن سے درگزر کرو کہ اب انہیں نہ اذیت دو اور نہ ہی زجر و توبیخ کرو ۔ اس لیے کہ توبہ کے بعد اب وہ زجر و توبیخ اور ملامت کے مستحق نہیں ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرنے میں بہت بڑا کریم ہے رَّحِيْمًا ۔ اور بہت بڑا رؤف و رحیم بھی ہے۔

مسئلہ : عورت و مرد سے زنا سرزد ہو ۔ اگر وہ دونوں شادی شدہ ہیں تو اُن کی سزا سنگسار ہے ۔

مسئلہ : اگر وہ غیر شادی شُدہ ہیں تو اُن کی سزا سُو سُو کوڑے ہیں ۔

مسئلہ : اگر ان میں ایک شادی شدہ ہے اور ایک غیر شادی شُدہ تو شادی شدہ کو سنگسار اور غیر شادی شدہ کو سَو کوڑا ۔

مسئلہ : المحصن ۔ شریعت میں اس عاقل ۔ بالغ ۔ مسلمان ۔ آزاد کو کہتے ہیں جس نے بالغہ ۔ عاقلہ ۔ آزاد مسلمان عورت سے نکاح صحیح سے جماع کیا ہو ۔

قاعدہ تفسیریہ تورات میں سنگساری کا حکم ثابت تھا ۔ پھر قرآن میں آیت ایذاء مذکورہ سے منسوخ ہوا ۔ پھر آیت ایذاء آیت حبس سے منسوخ ہوئی ۔

سوال : آیت ایذاء تو آیت حبس سے ترتیب اور نظمِ قرآن میں بعد کو ہے ۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پیچھے والی آیت پہلی آیت کی ناسخ ہو جائے ۔

جواب : اگرچہ ترتیب و نظم میں آیت ایذاء بعد کو ہے لیکن نزول کے لحاظ سے آیت حبس سے پہلے ہے اور یہ اصول قرآنی کے لحاظ سے جائز ہے[۱] ۔

قاعدہ : پھر آیت حبس حدیث عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ سے منسوخ ہوئی ۔

[۱] اُس کی مفصل بحث فقیر اُویسی غفرلہ کی کتاب در احسن البیان فی اصول تفسیر القرآن جلد اول میں دیکھئے ۱۲ ۔

حدیث شریف دربار حدِ زنا
حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ باکرہ اور غیر شادی شدہ مرد زنا کریں تو سو کوڑا مارو اور ایک سال تک انہیں شہر بدر کرو اگر مناسب ہو اور ثیب عورت اور شادی شدہ مرد زنا کریں تو سو کوڑا مارو اور سنگسار بھی کرو۔

قاعدہ: پھر اس حدیث مذکور کا حکم بھی آیت جلد یعنی الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ زانی عورت اور زانی مرد ہر ایک کو سو سو کوڑا مارو۔ اس آیت کے نزول کے بعد ہر زانی مرد و عورت کی سزا سو کوڑا متعین ہوئی۔

قاعدہ: اس کے بعد صرف شادی شدہ مرد و عورت کا حکم حدیث ماعز صحابی رضی اللہ عنہ سے منسوخ ہو گیا۔

قاعدہ: آیات واحادیث کی ترتیب نسخ یونہی ہے۔ جیسے ہم نے بیان کی ہے پھر اسی پر حکم برقرار رہا (کذا فی تفسیر التیسر)۔

سبق
ہر اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ زنا سے توبہ کرے۔ بلکہ دوسرے بھائیوں کو اس برائی سے روکے۔ اس لیے کہ جس علاقہ میں زنا واقع ہو وہ علاقہ وباء و طاعون میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور وہاں کے لوگ فقر و فاقہ میں شکار ہو جاتے ہیں۔

زنا کی مذمت از حدیث شریف
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا حضرت! کونسا گناہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت برا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا۔ حالانکہ وہ سب کا خالق ہے۔ میں نے عرض کی پھر کون۔ آپ نے فرمایا۔ اولاد کو اس خیال پر قتل کرنا کہ وہ کیا کھائیں گے۔ پھر میں نے عرض کی اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا۔ اور سب سے برا زنا وہ ہے جب زنا پر اصرار کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی عورت کو طلاق دیکر پھر اسے اپنے پاس رکھ لے اس شرم پر کہ لوگ شرمسار کریں گے۔

ف: جیسے آج لوگوں کی مذمت سے اتنا خطرہ ہے تو پھر اس کا قیامت میں کیا حال ہوگا۔ جب کہ تمام لوگوں کے اعمال برسر میدان آجائیں گے۔ یعنی سب کے سب اسرار کھل جائیں گے۔

سبق
اس دن کی فضیحت و رسوائی کا ہر ایک کو خیال رکھنا ضروری ہے بالخصوص اور پھر اس پر اصرار سے بچنا لازمی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے کی کسے طاقت ہے بلکہ ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ توبہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ تواب و رحیم ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مرکب توبہ عجائب مرکبیست | برفلک تازد بیک لحظہ زلبست
چون برآئد از پشیمانی انین، | عرش لرزد ازانین المذنبین

ترجمہ[1]: توبہ ایک عجیب سواری ہے وہ ایک لمحہ میں زمین سے آسمان تک دوڑ سکتی ہے۔

(۲) جب کوئی پریشانی سے روتا ہے توعرش الٰہی مجرموں کے گریہ سے کانپ جاتا ہے۔

عمر اگر بگذشت بیخش ایں دم است | آبِ توبہ اش دہ اگر اوبے نم است
بیخ عمر ترابدہ آب حیات | تا درخت عمر گردد بانبات
جملہ ماضیہا ازیں نیکو شوند | زہر پارینہ ازیں گردد چو قند

ترجمہ: (۱) اگر عمر گذر گئی تو اس کی جڑ یہی لمحہ ہے اگر اس میں نمی نہیں تو اسے توبہ کا پانی دے

(۲) اپنی عمر کی جڑ کو آبحیات کا پانی دے تاکہ تیری عمر کا درخت پھل دے۔

(۳) تمام گزشتہ لوگ اسی سے نیک نام ہوئے۔ بہت زہریں اس سے کھانڈ بنی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الخ میں بلکہ نفوس امارہ مراد ہیں بالفاحشۃ سے وہ ظاہری قبائح مراد ہیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا اور اسی طرح وہ باطنی قبائح جنہیں طریقت نے حرام فرمایا۔ طریقت کے باطنی قبائح حرام کردہ۔ صرف یہی ہے کہ غیر اللہ تعالیٰ کی طرف میلان نہ ہو۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت) سعد (صحابی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیر تمند ہیں۔ لیکن ان سے زیادہ غیور اور مجھ سے بڑھ کر میرا اللہ تعالیٰ غیور ہے۔ اس لیے اس سے ظاہری و باطنی ہر طرح کی برائیوں کو بندوں پر حرام فرمایا۔ فَاسْتَشْهِدُوْا الخ پس تم اپنے نفوس امارہ کی برائیوں کے ارتکاب پر اپنے اربع عناصر کو جس سے تم مرکب ہو کر گواہ لاؤ۔

(۱) مٹی کے خواص سے ہے خستہ۔ اکاکتہ۔ ذلت۔ طمع رسوائی ملامت۔

(۲) پانی کے خواص سے ہے نرمی۔ عجز۔ سستی۔ انوثتہ کھانے پینے کی اشیاء میں حرص۔

(۳) ہوا کے خواص سے ہے حرص حسد۔ بخل۔ کینہ۔ عداوت۔ شہوت۔ زینت۔

(۴) نار کے خواص سے ہے اترانا تکبر۔ فخر۔ شور کرنا۔ غضب تیزی طبیعت۔ بدخلقی اور دیگر وہ بدعادتیں جو نفس کے متعلق ہوتی ہیں اور ان سب کی جڑ حب دنیا اور حب ریاست (اقتدار) اور نفس کی لذات و شہوات کی تکمیل کے درپئے رہنا فَاِنْ شَهِدُوْا الخ پس اگر وہ گواہی دیں۔ یعنی اگر نفس کی بعض صفات ظاہر ہو جائیں تو انہیں گھروں میں روک رکھو۔ یعنی نفوس کو تمتعات دینوی سے رکاوٹ کی قید میں محبوس رکھو اس لیے کہ دنیا مومن کے لیے جیل خانہ ہے اور ان نفوس امارہ پر حواس خمسہ کے دروازے بند کر دو یہاں تک کہ انہیں موت مارے۔ یعنی ان سے ان کے حظوظ مٹ جائیں نہ کہ ان کے حقوق اسی طرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا یا اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی راستہ بنائے۔ یعنی عالم غیب سے اُن کے قلوب کے لیے دریچے کھول دے۔ پھر اس سے الطاف حق و جذبات الوہیت کی ہوا اُسے نصیب ہو کہ اس کا مقابلہ ثقلین کے عمل بھی نہیں کر سکتے۔ وَالَّذٰنِ الخ اس سے نفس اور جسم مراد ہیں۔ کہ اگر ظاہری افعال و اعمال کے فواحش کا ارتکاب کریں یا باطنی احوال کے بدعادتوں کے مرتکب ہوں تو انہیں ظاہری حدود سے ایذاء دو اور ترک حظوظ اور کثرت ریاضات و مجاہدات سے انہیں سخت سزا دو۔ پس اگر وہ ظاہراً و باطناً توبہ کریں اور اپنی پوری طور اصلاح کریں تو اُن سے سختی کے بعد نرمی اور دکھ پہنچانے کے بعد آرام پہنچاؤ۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کا یہی مطلب ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ الخ۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور نیک طریقہ لوگوں کے لیے رحیم ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ بیشک اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا یعنی بندوں کی توبہ قبول کرنا گویا واجب ہے (اگرچہ اس پر کوئی چیز واجب ہے ہی نہیں لیکن یہ اُس کا فضل و کرم ہے کہ وہ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ ان لوگوں کی جو بُرا عمل کرتے ہیں وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ انما التوبہ الخ مبتدا ہے۔ اور اس کی خبر اس کا مابعد بجہالۃ۔ یعنی وہ بُرائی کا عمل کرنے والے ایسے ہیں جو جہالت سے متلبس ہیں یعنی وہ جاہل اور سفیہ ہیں۔ اس لیے جو ارتکاب ذنب جہالت کا مقتضی ہے اس لیے کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے جب تک کہ وہ اس گناہ سے باز نہ آجائے۔

مسئلہ: تفسیر تیسیر میں ہے کہ اس جہالت سے لاعلمی مُراد نہیں اس لیے کہ گناہ کی لاعلمی تو ایک عذر ہے۔ بلکہ وہ غفلت اور گناہ کرتے وقت لاپرواہی اور انجام سے بے فکری مُراد ہے۔ گویا یہ شخص گناہ کرتے وقت اُس کے انجام سے بے خبر اور لاعلم ہے ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں۔ یعنی موت سے پہلے یا سکرات کے طاری ہونے سے پہلے۔

سوال: جب موت یا سکرات الموت مراد ہے تو پھر اُسے نزدیک ہونے سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: حیاۃ دنیا کے لمحات نہایت مختصر ہیں۔ آنکھ جھپکنے سے پہلے ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ متاع دُنیا نہایت قلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا کے لمحات جلد تر ختم ہونے والے ہیں۔ جب تمام دُنیا کے لمحات کی یہ کیفیت ہے پھر فرد واحد کی عمر کے لمحات کی بات ہی کیا ہے مِنْ قریب میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی توبہ کرتے ہیں اپنے لمحات زندگی کے کسی لمحہ میں گویا گناہ اور موت کے مابین کے لمحات کو قُرب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اُن کے مابین جس لمحہ میں بھی توبہ کرے گا۔ اُس کی توبہ قبول ہو گی۔ فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ انہی لوگوں کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو

اور اس کی توبہ کے اخلاص کو، حکیماً وہ اپنی تمام مصنوعات کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔ اور ایسا دانا توبہ کرنے والے کو سزا نہیں دیتا۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ مرنے سے پہلے اپنی تمام غلطیوں سے توبہ واستغفار کرے اور اپنے مالک کو قبل از موت راضی کرنے کی جدوجہد کرے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ آپ کی اُمت سے جو بھی قبل از موت ایک ہفتہ اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگتا ہے۔ تو میں اُسے معاف کر دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ وقت تو بہت زیادہ ہے۔ جبریل علیہ السلام لوٹے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایک لمحہ پہلے توبہ کرے گا تو بھی قبول کروں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ وقت بھی بہت زیادہ ہے پھر جبریل علیہ السلام واپس بارگاہِ حق میں حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے محبوب علیہ السلام کو سلام کے بعد کہو کہ آپ کی اُمت کے لیے اگر یہ وقت بھی زیادہ ہے تو اگر ان میں کوئی نزع رُوح کے وقت بھی اپنے گناہوں کی معافی چاہے۔ اگرچہ وہ زبان سے نہیں کہہ سکتا لیکن مجھ سے حیاء کرکے دِل ہی دِل میں نادم ہو تو بھی اُسے معاف کر دوں گا۔ اس سے میرا کچھ بگڑتا بھی نہیں اور نہ ہی مجھے اس کی پرواہ ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کی رُوح حلقوم تک پہنچ جائے۔ یعنی جب تک اُس کی رُوح حلقوم کے نزدیک پہنچ جائے وہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نظارے دیکھ رہا ہوتا ہے یا پھر اسے اپنی غلطیوں کی سزا کا منظر سامنے ہوتا ہے اس بنا پر اُس کی اس وقت توبہ نامنظور ہوتی ہے اور نہ ہی اس وقت ایمان لانا کام دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلم يك ينفعهم ايمانهم لما راوا باسنا پس اُس وقت انہیں ایمان نفع نہیں دیتا۔ جب کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا۔

مسئلہ: توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے یہاں تک کہ رُوح نکالنے والا فرشتہ نظر آجائے اُس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی اور یہ فرشتہ سکرات طاری ہونے کے وقت سامنے آجاتا ہے اور سکرات اُس وقت طاری ہوتی ہے جب حلقوم کی رگ کاٹی جاتی ہے تو روح سینہ سے نکل کر حلقوم میں پہنچ جاتی ہے پھر یہی رُوح کے قبضہ کرنے والے کے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام کے معائنہ کا وقت ہوتا ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ فرشتے کو دیکھنے اور سکرات کے طاری ہونے سے پہلے توبہ کرے۔ یہی مطلب ہے ارشاد باری تعالیٰ کا کہ فرمایا۔ ثم يتوبون من قريب الخ

نکتہ: چونکہ اس وقت بندہ کی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اُمید وابستہ ہوسکتی ہے فلہذا اگر اُس وقت بھی ندامت کا اظہار

کرے اور پختہ ارادہ کرلے۔ کہ اگر زندگی رہی تو گناہ ہرگز نہیں کروں گا تو بھی اس کی توبہ قبول ہوجاتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

طریقے بدست آرو صلحے بجوی　　شفیعی برانگیز و عذرے بگوی،

کہ یک لحظہ صورت نہ بندد اماں　　چو پیمانہ پرشد بدور زماں

ترجمہ: (۱) اچھا طریقہ ہاتھ میں لے کر صلح کیجیے۔ سفارشی لے کر گناہ کا عذر پیش کیجیے۔

۲ کہ ایک لمحہ بھی مہلت نہ ملے گی جب　دور زمانہ کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا

مسئلہ: توبہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ توبہ قبول ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

① قلبی طور نادم ہونا۔

② اسی وقت سے گناہ سے باز آجانا۔

③ آئندہ پختہ ارادہ کرنا کہ ایسا پھر نہیں ہوگا۔

④ اللہ تعالیٰ سے قلبی طور حیاء اور صرف اُس کا خوف دل میں ہو۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہماری استغفار کو بھی استغفار کی ضرورت ہے یعنی جب ہم گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں تو اس استغفار میں بھی کئی خامیاں ہوتی ہیں۔ اس لیے پھر اُن کے لیے بھی استغفار کرنی پڑتی ہے۔

ف: اپنے تذکرہ میں حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اُن کے زمانہ کا حال تھا۔ اَب ہمارا حال اس سے بھی گرا ہوا ہے۔ کہ اس میں ہر شخص ظلم پر تلا ہوا ہے اور گناہوں پر حریص ہے اور پھر دھوکہ یہ کہ تسبیح ہاتھ میں اس گمان میں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کر رہا ہوں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھلا استہزاء ہے اور اس کی شان کو حقیر سمجھنے کے مترادف ہے اس سے زیادہ بڑا ظالم اور کون ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کے آیات سے استہزا کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ و استغفار کرے۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ ملائکہ کرام بندے کے گناہ لکھ کر آسمانوں پر جاتے ہیں۔ جب لوح محفوظ پر نظر دوڑاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس بندے کے گناہوں کی بجائے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں ہی نیکیاں لکھی ہوئی ہیں ملائکہ کرام عرض کرتے ہیں یا الٰہ العالمین یہ کیا ماجرا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اس بندے نے گناہ کے بعد فوراً توبہ کرلی ہے اور ندامت کے مارے دو آنسو بہا دیئے اور رو پڑا۔ مجھے اس کے حال پر رحم آیا۔ میں نے اپنے فضل و کرم سے اُس کی برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیا ہے۔ اور میرے سے بڑھ کر کریم اور کون ہو سکتا ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

آخر ہر کہ گریہ آخر خندہ ایست — مرد آخر بیں مبارک بندہ الست
ہر کجا آب رواں سبزہ بود — ہر کجا اشک رواں رحمت شود
تا نگرید طفل کے جوشد لبن — تا نگرید ابر کے خندہ چمن

ترجمہ: (۱) رونے والے کو کبھی ہنسنا نصیب ہوتا ہے۔ انجام بخیر پر نظر رکھنے والا مبارک بندہ ہے۔
(۲) جہاں پانی چلتا ہے وہاں سبزہ اگتا ہے۔ جہاں آنسو بہتے ہیں بالآخر رحمت نصیب ہوگی۔
(۳) جب تک بچہ نہ روئے دودھ جوش نہیں کرتا۔ جب تک بادل نہ روئے چمن پھول نہیں لاتا۔

حکایت: حضرت احمد بن عبد مقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ آپ اپنا ابتدائی حال بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے شاہی محل کی کھڑکی سے نیچے دیکھا کہ شاہی محل کے قریب ایک فقیر نے روٹی پانی اور نمک سے کھائی ہے اور کھا کر آرام سے سونے لگا۔ میں نے اسے بلایا اور کہا کہ کیا تو اس ایک روٹی سے سیر ہوگیا۔ پھر نیند کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے کہا ہاں ایسے ہی ہے اس فقیر کے کے حال سے میں نے شاہی محل سے توبہ کی اور اسی رات کو ہی صوفیانہ لباس پہن لیا اور سر پر فقیرانہ ٹوپی اوڑھ لی اور پیدل مکہ معظمہ کی طرف چل پڑا۔

سبق: جب کسی بندے کو اللہ تعالیٰ اپنے لیے پسند فرمالیا ہے تو اس کے دل میں ایک نورانی گیس روشن کر دیتا ہے جس سے اسے حق وباطل کا امتیاز ہو جاتا ہے اور اسے اپنے عیوب فوراً نظر آجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دنیا کے گورکھ دھندوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا رومی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

ملک برہم زن تو ادہم وار زود — تا بیابی ہمچو او ملک خلود،
ایں جہاں خود حبس جانہائے شماست — ہیں روید آں سو کہ صحرائے شماست

ترجمہ: ادہم کی طرح ملک کو ختم کرنا کہ تمہیں دوامی ملک نصیب ہو۔
(۲) یہ جہاں الٹا تمہاری ارواح کے لیے قید ہے ادھر چلو کہ وہیں تمہاری رہائش گاہ ہے۔

حضرت عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

نقاب از رو چوں خورشید بردار — اگر ہستی ز ردئے خود خبر دار
ز کوہ قاف جسمانی گذر کن — بدار الملک روحانی سفر کن

ترجمہ: (۱) چہرہ سے سورج کی طرح نقاب ہٹا۔ اگر تو کچھ ہے تو اپنی خبر لے۔
(۲) جسمانی کوہ قاف سے گزر جا۔ روحانی دار الملک کا سفر کر۔

مشو مغرور ایں ملک مزور   نہ عزت ماند و نہ مال و نہ زر،
اگر رنگت فرو شویند زرخسار   خریدارت نیایدمش کس بہ بازار

ترجمہ: (۱) اس دھوکہ باز ملک سے دھوکہ نہ کھا نہ یہ عزت رہے گی نہ مال نہ زر۔
(۲) اگر تیرے چہرہ سے تیرا رنگ دھو ڈالیں تو کوئی بھی بازار میں تیرا خریدار نہ آئے گا۔

تفسیر عالمانہ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو گناہ کرتے کرتے حَتّٰى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ یہاں تک کہ انہیں موت گھیرے میں لے یعنی نزع روح اور ملک الموت کو دیکھ کر۔

مسئلہ: موت کے آثار نمودار ہوتے وقت تک توبہ قبول ہو جاتی ہے قَالَ نزع روح اور فرشتے کو دیکھ کر کہے إِنِّي تُبْتُ الْآنَ بیشک ابھی میں نے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی۔ یعنی اس وقت اس کی توبہ اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ یہ اس کی اضطراری توبہ ہے نہ کہ اختیاری وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ اور اس کا عطف الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ پر ہے۔ یعنی ان لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں کہ جب وہ مرتے ہیں۔ وَهُمْ كُفَّارٌ اور وہ اپنے کفر پر اصرار کرنے والے ہوتے ہیں۔ یعنی کفر پر اصرار کرنے والے موت اور عذاب آخرت کو دیکھ کر توبہ کریں اُولٰٓئِكَ مذکورہ بالا دونوں گروہ وہ ہیں کہ اَعْتَدْنَا ہم نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے اعتدنا دراصل اعددنا تھا پہلی دال کو تاء سے تبدیل کیا گیا ہے لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ درد ناک اور دائمی عذاب ہے۔

سوال: جلدی توبہ کرے یا گناہ کرتے آخری لمحات میں توبہ کرے یہ دونوں قبول توبہ میں برابر اور پھر نزع روح کے وقت توبہ کرنے والے اور کافر کی عدم قبول توبہ میں برابری کیوں۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ نزع روح کے وقت کی توبہ کا کسی قسم کا اعتبار نہیں۔ اس میں مبالغہ و تاکید مطلوب ہے۔ گویا یوں کہا کہ پہلے دونوں قبول توبہ اور پچھلے عدم قبول توبہ کے درجہ کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ نزع روح آخرت کے احوال سے پہلا قدم ہے پھر ایسے وقت قبول توبہ کا سوال ہی نہیں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ کسی کی کفر میں زندگی گزری۔ پھر اس پر موت آئی لیکن توبہ نہ کر سکا تو ایسے ہی یہ موت سے اگر گھبرا اور اب توبہ کرتا ہے تو اسے کیا فائدہ۔ اس لیے کہ اس کی اور کافر کی کیفیت اب برابر ہو گئی ہے۔ اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے وہ کوئی گناہوں سے توبہ کرنے والے کو گناہوں سے توبہ کرنے پر کوئی حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ ایسے ہی جو شخص اپنے گناہوں سے جلد تر مغفرت کی طلب کرتا ہے تو اسے کوئی نا اہل نہ سمجھے۔

حضرت جلال الدین رُومی قدس سرہ نے فرمایا ہے

گر سیہ کردی تو نامۂ عمر خویش　　توبہ کُن زانہا کہ گردستی تو پیش

توبہ آرید و خدا توبہ پذیر　　امر او گیرید او نعم الامیر

ترجمہ: (۱) اگر تو نے اپنا اعمال نامہ گناہوں سے سیاہ کیا ہے توبہ کرے قبل اس کے کہ حاضری ہو۔

(۲) توبہ کر د اللہ تعالٰی توبہ قبول کرنے والا ہے اس کا حکم مانو وہ بہتر فرمانروا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جب اللہ تعالٰی کی عنایت کی ہوا کسی کو نصیب ہوتی ہے تو بندہ توبہ کرنے میں عجلت کرتا ہے اور توبہ کی قبولیت کے اسباب کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ ایسے کی معمولی سی نیکی بھی پذیرائی حاصل کر لیتی ہے۔ جس سے اُس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور پھر تمام قبائح کے ازتکاب سے باز آجاتا ہے۔

حکایت: حضرت ابُو سلیمان دَارانی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا میں ایک واعظ کی محفل میں آتا جاتا تھا۔ اس کی بات میرے دِل پر اثر کر گئی۔ لیکن جب میں اُس کی مجلس سے اٹھا تو اس کا اثر زائل ہو گیا۔ پھر دُوبارہ حاضر ہوا کہ اس کا اتنا اثر ہوا کہ گھر تک اس کے نشانات دِل پر باقی رہے۔ مَیں نے نفس کے موافق کی تمام باتوں کو یک لخت چھوڑنے کا عزم کر لیا اور نیک لوگوں کے طریقے پر چل پڑا اور جا کر یہی واقع حضرت یحیٰی بن معاذ رحمہ اللہ تعالٰے کو سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ چڑیا نے کرکی کو شکار کر لیا۔ انہوں نے چڑیا سے واعظ اور کرکی سے حضرت سلیمانی دارانی مراد لیا ہے

مرد باید کہ گیرد اندر گوش

ور نوشتہ است پند بر دیوار

ترجمہ: مرد کو چاہیئے کہ نصیحت کو توجہ سے سنے اگرچہ وہ دیوار پر لکھی ہو۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور اللہ تعالٰی کی مغفرت کی طرف جلدی کرو۔ یعنی گناہوں سے توبہ کرنے میں عجلت کرو۔ پھر گناہوں کو یک لخت چھوڑ دو۔ اور اللہ تعالٰی مالک غفار کے دروازے پر پہنچ جاؤ اور نیک بخت صالح مرد کی جلدی کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ گناہوں سے اجتناب اور خیرات و حسنات میں جلد بازی کرے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان کے دائیں مونڈھے پر بیٹھنے والا فرشتہ امین ہے کہ جب بھی کوئی شخص ایک نیکی کرتا ہے تو وہ اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے

نکو کاری از مردم نیک رائے
یکے راہ بدہ می نوید خدائے

ترجمہ: نیک عمل والے مخلص کی ایک نیکی کو اللہ تعالیٰ دس نیکیاں لکھتا ہے۔

اور پھر بائیں جانب والے فرشتے کا حال سنئے۔ وہ یہ ہے کہ جب بندہ برائی کرتا ہے تو بائیں مونڈھے والا فرشتے اُس کی برائی لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے ذرا ٹھہریئے۔ یعنی کم از کم چھ یا سات گھڑیاں ٹھہر جا۔ پس اگر وہ اس گناہ سے بخشش مانگ لیتا ہے یعنی اس گناہ کی جلد ہی توبہ کرتا ہے تو اُس کا وہ گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اور اگر توبہ نہیں کرتا تو بھی صرف ایک گناہ ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔

سبق: ہر مسلمان پر واجب ہے کہ صبح و شام اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر لیا کرے۔ اس میں تاخیر نہ کرے۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ اچانک موت گھیر لے۔

حکمت کی باتیں حضرت ابُوبکر واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر امر میں تاخیر ضروری ہے۔ صرف تین کاموں میں ہرگز نہ کی جائے۔

① نماز میں۔
② میّت کی تدفین میں۔
③ گناہ کے بعد توبہ میں۔

ف: اُمم سابقہ کے لیے حکم ربانی تھا کہ گناہ کرنے پر ان پر حلال چیزیں حرام ہو جاتیں۔ اور جس وقت کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا کہ اس سے فلاں گناہ ہوا۔ یا اس کے ماتھے پر (قدرتی طور) لکھا جاتا کہ اس سے فلاں گناہ صادر ہوا۔ اُس نے اگر گناہ معاف کرانا ہے تو اُس کا طریقہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے آسانی فرمائی کَمَا قَالَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ جس شخص سے برائی سرزد ہو جائے یا اس سے اپنے نفس پر ظلم ہو جائے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا۔

حکایت ابلیس مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ملعون ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ سے شیطان نے مہلت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت دے دی۔ شیطان نے کہا یا اللہ تعالیٰ میں انسان کے دل پر قبضہ کروں گا یہاں تک کہ اُس کی جان بلب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں بھی اس سے توبہ کو بے نقاب رکھوں گا۔ یہاں تک کہ نزع میں مبتلا ہو گا۔

سبق: اللہ تعالیٰ کی مہربانی دیکھئے کہ اُس نے بندوں کو اگرچہ گناہ میں مبتلا ہوں تب بھی انہیں مومن کے پیارے لقب سے یاد کیا قَالَ تُوبُوۡا اِلَى اللّٰهِ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اگر وہ گناہوں سے توبہ کریں تو اُن سے محبت کا اظہار فرمایا کما قال اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

مہلتے کہ سپہرت دہد از راہ مرو
ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دستان گفت

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے زمانہ نے دی ہے صحیح راہ نہ ہٹ تجھے کس نے کہا کہ اس پرانے ساتھی نے تجھے ہمیشہ مہلت دیتی ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے چند اچھے احوال دیکھ کر دھوکہ نہ کھائے۔ اس لیے کہ اگر دُنیا میں چند روز کی مہلت مل گئی ہے لیکن سزا سے تو نہیں بچ سکے گا۔ اس لیے کہ موت آخر آئے گی۔ اس چار رُوزہ زندگی نے ختم ہونا ہے۔ اور زندگی کا پیالہ بالآخر لبریز ہو کر چھوڑا جاتا ہے۔ اور یہ امر یقینی ہے۔

تفسیر عالمانہ

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۔
اے ایمان والو تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے بالجبر وارث بن جاؤ۔

حل لغات: کرھا۔ مصدر ہے اور النساء سے حال کے قائم مقام واقع ہوا ہے۔

شانِ نزول جاہلیت کے لوگوں عادت تھی کہ اُن کا کوئی قریبی رشتہ دار فوت ہو جاتا تو وہ اپنا کپڑا اس عورت یا اس کی (رہائش کے) خیمہ پر ڈال دیتا اور کہتا کہ اب سے میں اس عورت کا وارث ہوں۔ جیسے اس کے مال کا وارث ہوں۔ اس لحاظ سے باقی حصہ داروں سے اسے زیادہ حقدار سمجھا جاتا۔ اور اگر چاہتا تو اسے ویسے ہی گھر میں مقید کر کے ذلیل و خوار کرتا۔ یہاں تک کہ وہ عورت اپنی جان چھڑانے کے لیے چند ٹکے اُس کے حوالے کر دینے پر مجبور ہوتی تاکہ وہ شخص اپنی وراثت کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر وہ عورت اس شخص کے کپڑا ڈالنے سے پہلے ہی خود بخود شوہر کے گھر سے نکل کھڑی ہوتی تو پھر وہ اپنی آپ مالک ہوتی۔ اس بُری رسم سے اللہ تعالیٰ نے انہیں رُوکا اور فرمایا کہ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم انہیں اپنی وراثت سمجھ کر اپنے قبضے میں لے لو۔ جیسا کہ تمہارا خیال فاسد ہے۔

خلاصہ: یہ کہ شوہر مُردہ عورتوں کو تنگ نہ کرو۔ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ ۔

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ تاکہ تم اُن سے چھین لو وہ جو کہ تم نے انہیں حق مہر وغیرہ دیا ہے کہ وہ عورتیں مجبور ہو کر حق مہر کا بعض حصہ تمہارے حوالے کریں۔ اور تم اُسے لو اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ ۔ اگر وہ کھلم کھلا کسی برائی کا ارتکاب کریں۔

حل لغات: مبینہ مشتق از بین ہے بمعنے تبیین اور الفحش سے لا فرمانی اور خلق خدا کی جائز شکایت اور شوہر کو سزا دینا اور اس کے رشتہ داروں کو غلیظ گالی دینا مراد ہے یعنی فحش اور بدزبانی یا الفاحشۃ سے زنا مراد ہے۔ یہ استثناء اعم الاحوال واعم الاوقات یا اعم العلل کے قبیل سے ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ الا وقت ایتا نھن یعنی ان کے ان برائیوں کے ارتکاب کے وقت پھر تمہیں ان کا تنگ کرنا جائز ہے یا ان کی ان غلط روِیوں سے تمہیں ان کا ٹھیک کرنا جائز ہے اس لیے کہ اب یہ سبب انہوں نے خود ہی اپنے لیے بنایا ہے۔ اور تم ان سے خلع وغیرہ کے مطالبہ میں مجبور ہو۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور ان سے نیکی کے ساتھ گزارو۔ یہ خطاب ان شوہروں کو ہے جو اپنی عورتوں کے ساتھ معاشرہ صحیح نہیں رکھتے المعروف ہر وہ فعل جو شرعًا اور مروۃً اچھا ہے یہاں پر عورتوں کو گھر میں ٹھہرانا اور انہیں خرچ دینا اور ان سے نرم لہجہ میں بات کرنا وغیرہ وغیرہ مراد ہے۔ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ ان سے کراہت کرتے ہو۔ یعنی ان کے ساتھ گزارنے سے تنگ ہو بوجہ طبعی کراہت کے نہ کہ بوجہ امور مذکورہ بالا کہ اگر امور مذکورہ بالا ان میں نہیں تو پھر انہیں اپنے سے جُدا نہ کرو۔ یعنی انہیں طلاق نہ دو۔ محض اپنی طبعی کراہت کی وجہ سے بلکہ ان کے ساتھ گزارنے پر صبر کرو فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ اس لیے کہ بہت سے امور کو تم مکروہ سمجھتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ ان میں تمہاری بہت بڑی بھلائی پیدا فرمائے گا۔ یہاں خیرًا کثیرًا سے اولاد صالحہ یا محبت والفت اور صلاح فی الدین مراد ہے یہ جزاء کی علت ہے اور اس کے قائم مقام لائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ اپنی قوت کے لحاظ سے اس کو مستلزم ہے گویا کہ کہا گیا ہے کہ اگر تم ان سے طبعی نفرت کرتے ہو تو پھر کراہت طبعی کے باوجود ان کے ساتھ گزارنے پر صبر کرو۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ جس سے تم نفرت کر رہے ہو اس میں تمہارے لیے بہت بڑی خیر و برکت ہو۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں جسے تم چاہتے ہو۔

ف: عسیٰ کا لفظ تامہ ہے اور اپنے مابعد کو رفع کر دیتا ہے۔ اور خبر کی تقدیر سے بھی مستغنی ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ نقل قربت الخ یعنی قریب ہے کہ جسے تمہاری طبیعت مکروہ سمجھتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ بہت بھلائی پیدا فرمادے۔ چنانچہ بارہا کا تجربہ ہے کہ انسان کسی شئے سے کراہت کرتا ہے حالانکہ وہی شئے اس کے لیے ہزاروں بھلائیاں اپنے اندر رکھتی ہے۔ جس کا انجام بڑا بہتر بن ہوتا ہے جو اس کے لیے خیر ہی خیر ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ اس کے برعکس کا خواہشمند ہوتا ہے فلہذا انسان کو چاہیئے کہ اس شئے کی طلب دل میں رکھے جس میں بھلائی اور بہتری ہو نہ یہ کہ جو جی میں آئے اُسے پورا کرنے کے پیچھے لگا رہے۔

مسئلہ: جب طبع عورتوں کے ساتھ گزارنے سے متنفر ہو لیکن پھر بھی اس پر صبر ضروری ہے یہ وہاں ہے جہاں رضائے الٰہی کے امور مدِنظر ہیں۔ ورنہ انہیں جلد از جلد اپنے سے جدا کرنا۔ واجب ہے مثلاً ان میں بے غیرتی پائی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ مرد کا غیور ہونا تو اخلاق الٰہیہ میں سے ہے اور انبیاء و اولیاء

کا یہی طریقہ رہا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیرت پر تعجب کرتے ہو میں تو اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور میرا اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہے۔

نکتہ: یہی غیرتِ الٰہی ہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ظاہری و باطنی فواحش حرام فرمائے ہیں۔

ف: جو اعمال ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں انہیں عُرف تصوف میں ظاہر اور جو احوال باطن سے متعلق ہیں انہیں باطن سے تعبیر کرتے ہیں اور انہیں غیر اللہ کی طرف میلان بھی کہا جاتا ہے۔ غیرت کے مقتضیات سے یہ ہے کہ اپنی عورت کے ساتھ اجنبی مَرد کا میل جول گوارا نہ ہو اور نہ ہی اس کے لیے بازاروں میں جانا گوارا ہو۔ ہاں حمام میں جا سکتی ہے۔

مسئلہ: حمام میں مردوں اور عورتوں ہر دونوں کو جانا جائز ہے کذا قال الامام قاضی خان خلافاً لما قاله البعض[1]۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حمام میں داخل ہونا اور نورہ کا استعمال ثابت ہے۔

ف: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بھی حمص (شہر) کے حمام میں داخل ہونا ثابت ہے

مسئلہ: حمام میں داخل ہونا اس وقت مباح ہے جب کہ اس میں کوئی آدمی ننگا نہ موجود ہو۔ ہمارے زمانہ کے لوگ خواہ اونچے طبقہ کے ہوں یا نچلے کے سب کے سب حمام میں ننگے ہو کر نہلاتے ہیں۔

مسئلہ: متقی کو چاہیئے کہ وہ حمام میں بلا عذر داخل نہ ہو۔

خلاصہ تفسیر عورت جب کہ غلط کاریوں سے پاک اور عفیف طبیعت ہو تو پھر مرد پر واجب ہے کہ اس کے ساتھ نیک سلوک سے گزارے۔ اس کی دوسری غلطیوں سے درگزر کرے اور اس کی بدزبانی اور قبیح صورتی پر صبر کرے۔ ہاں اگر اس میں عفت نہ ہو اور غلط کار بھی ہو تو اُسے اپنے سے دُور کرے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگر پارسا باشد وخوش سُخن

بدیدار او در بہشت اُست شوئے

ترجمہ: اگر بیوی نیک اور خوش سخن ہے تو شوہر کا اس کو دیکھنا بہشت ہے۔

---

[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ مردوں اور عورتوں کا حمام میں مخلوطی طور پر خلوت گزین ہونا جائز ہے۔ بلکہ یہ مُراد ہے کہ مرد و عورتیں حمام میں جا سکتی ہیں کیونکہ اکثر اوقات حمام میں جانا معالجے کے لیے ہوتا ہے نا کہ محض عیش و عشرت کے لیے۔ جیسا کہ بعض بدنیتوں کا عمل ہوتا ہے۔ (اُویسی غفرلہ)

اگر پارسا باشد و خوش سخن — نگہ در نکوئی و زشتی مکن
چو زن راہ بازار گیرد بزن — دگرنہ تو در خانہ بنشین چو زن
زبیگانگان چشم زن کور باد — چو بیروں شد از خانہ در گور باد
نکوئے نماند دراں خانداں — کہ بانگ خروس آید از ماکیاں
گریز از کفش در دہان نہنگ — کہ مردن بہ از زندگانی بہ ننگ

ترجمہ: (۱) اگر بیوی نیک اور خوش سخن ہو تو پھر اس کے حسن و قبح کو نہ دیکھ۔
(۲) جب عورت بازار جانا چاہے تو اسے جوتے مار ورنہ عورت بن کر تو خود گھر بیٹھ جاؤ۔
(۳) بیگانوں کو دیکھنے سے خدا کرے عورت کی آنکھ اندھی ہو جب گھر سے باہر نکلے تو کہو خدا کرے قبر میں تیرا جانا ہو۔
(۴) اس گھر کا رعب اٹھ جاتا ہے جہاں مرغوں کے بجائے مرغیاں اذان کہنے لگیں۔
(۵) اس کے ہاتھ سے نکل کر مگرمچھ کے منہ چلا جا کیونکہ ایسی تنگ زندگی سے موت بھلی۔

ف: عورتوں کا معاملہ بہ نسبت مردوں کے سنگین ہے۔ اس لیے کہ وہ دین و عقل کے لحاظ سے کمزور واقع ہوئی ہیں اور ان میں خوش خلقی کی بھی کمی ہوتی ہے اُن سے سلوک کرنے۔ اُن کی بد زبانی پر صبر کرنے سے انسان کے اخلاق دُرست ہوتے ہیں اور اُن کے ایسے حالات میں صبر کرنے والے کو مجاہدین فی سبیل اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواج مطہرات سے نیک سلوک فرماتے۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک نیک بخت اپنی عورت سے تادم زیست نیک سلوک کرتا رہا۔ اس کے مرنے کے بعد اسے کسی اور عورت سے نکاح کرنے کا کہا گیا تو اُس نے انکار کر دیا اور فرمایا تنہائی میں میری روحانیت کو قرار ملتا ہے۔ اس عورت کی وفات کے ہفتہ بعد خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور وہاں سے نیچے چند لوگ اُتر رہے ہیں اور ہوا میں ایک دوسرے کے پیچھے اڑتے نظر آتے ہیں اُن میں سے ایک نے مجھے دیکھ کر اپنے پیچھے والے کو کہا کہ یہ وہی بدبخت ہے۔ اسی طرح اُس نے اپنے سے پیچھے والے کو یہاں تک کہ ان میں باقی ایک رہ گیا۔ مجھے خیال گزرا کہ اس سے پوچھوں کہ تمہاری بدبختی سے مراد کون شخص ہے چنانچہ میں نے اُن سے پوچھا تو اُس نے کہا وہ بدبخت تو ہے۔ جس کا ہم نام لے رہے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیوں۔ اس نے کہا کہ ہم ایک ہفتہ پہلے تیرے اعمال مجاہدین فی سبیل اللہ میں لے جاتے تھے۔ لیکن اب ایک ہفتہ سے ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم تیرے اعمال سب سے پیچھے لے جائیں۔ نا معلوم تیرے لیے کون سی نحوست پیدا ہوئی ہے۔ بیدار ہوتے ہی اپنی برادری کو بُلا کر کہا کہ بلا تاخیر میری شادی (نکاح) کرو۔ اس کے بعد تو اس کے نکاح میں بیک وقت

دُو دُو تین تین عورتیں رہیں۔

ازالۂ توہم: زیادہ عورتوں سے نکاح دینوی امور میں سے نہیں۔ اس لیے کہ بہت بڑے زہاد عباد بھی دُو دُو تین تین چار چار عورتوں سے نکاح بیک وقت کرتے تھے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں۔

(۱) عورت۔

(۲) خوشبو۔

(۳) آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں۔

حکایت: ایک واعظ کا ذکر[۱] ہے کہ وہ ایک بھرے مجمع میں کہنے لگے۔ کہ اس دنیا میں خواہش نفسانی سے کوئی بھی بچ نہیں سکا۔ اگرچہ فلاں فلاں۔ فلاں۔ یہاں پر ایسے حضرات کا نام بھی لیا کہ جن کے متعلق ایسا الزام اُن کے شایان شان نہیں۔ ایسے کسی صاحب دِل نے فرمایا۔ خدا کا خوف کیجئے۔ ایسے بزرگوں کو بھی ایسی قبیح نسبت سے ملوث کئے جا رہا ہے (یعنی حضور علیہ السلام کو) اُس نے کہا کیا خود انہوں نے نہیں فرمایا حبّب الیّ الخ میں نے اُسے کہا تو نے غور نہیں کیا۔ آپ نے حبّب الخ فرمایا ہے کہ نہ احببتُ الخ یعنی مجھے از خود محبت نہیں بلکہ میں اُس کی محبت کا حکم دیا گیا ہوں اُس کی اس بکواس سے مجھے سخت ملال ہوا۔ میں وہاں سے مغموم و محزون ہو کر نکلا تو خواب میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور فرمایا۔ عزیزم غم نہ کھائیے ہم نے اُسے قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ واعظ کسی دیہات میں گیا تو ڈاکوؤں نے اسے قتل کر دیا۔

ازالۂ توہم: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے نکاح کرنا شریعت کے باطنی اسرار میں سے تھا۔

شان نبوت کا بیان حضرت حکیم ترمذی نوادر الاصول میں فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قوت مردی میں باقی عام لوگوں سے بدرجہا فضیلت رکھتے ہیں۔ یہ اُن کی نبوت کی عزت افزائی کی بنا پر۔

نکتہ: اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب (نورِ نبوت) اُن کے سینہ مبارک میں موجزن ہوتا ہے تو پھر وہ اُن کی رگوں میں سرایت کر جاتا ہے۔ جس سے نفس و عروق لذت پاتے ہیں اور انہیں اس نور کی قوت سے بھر دیا جاتا ہے۔

---

[۱] وہ بھی کوئی وہابیوں دیوبندیوں وغیرہم کی طرح بے ادب گستاخ ہوگا۔ نعوذ باللہ من امثال ھؤلاء
الوعاظ والقصاص ۱۲

(اویسی غفرلہ)

خوشبو کے طبی فوائد اور اصلی مرکز: خوشبو قلب کی صفائی اور رُوح کو طاقت بخشتی ہے۔ دراصل یہ بہشت سے آئی ہے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکلے تو آپ نے جسم کو ڈھانپنے کیلئے بہشت کے پتے جسم پر چمٹائے اور انہوں پتوں پر خوشبو پڑی تھی جو آدم علیہ السلام کے ساتھ بہشت سے زمین پر وارد ہوئی۔

نماز کا نکتہ: نماز دراصل اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا ایک شرف ہے جو نمازی کو نصیب ہوتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہے۔

ف: جب تمہیں یہ حقیقت معلوم ہوئی تو پھر تمہیں چاہیئے کہ اللہ والے پر انکار کی نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ والے کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے رازوں سے ایک راز ہوتا ہے جسے عوام کی عقلیں وہاں تک رسائی نہیں کر سکتیں۔ اگرچہ ہزار سال تک اس کے تجسس میں لگے رہیں۔ تب بھی وہ بھید نہیں کھلے گا۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی قدس سرہ نے فرمایا ؎

از محقق تا مقلد فرقہا است کیں چوں داود دست واں دیگر صدا است

کار درویشی ورائے فہم تست سُوئے درویشاں منگر سست سست

ترجمہ: (۱) محقق و مقلد کے درمیان بڑا فرق ہے جیسے داؤدی لحن اور دیوار کی صدا میں فرق۔

(۲) درویشی (ولایت) کے امور تیری سمجھ سے بالاتر ہیں محبوبانِ خدا کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھ۔

تفسیر عالمانہ وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ اور اگر تم تبدیل کروانی عورتوں کو۔ یعنی کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتے ہو کہ جس کے متعلق تمہیں رغبت ہے مَّكَانَ زَوْجٍ دوسری عورت کے بجائے یعنی جس عورت سے تمہیں رغبت نہیں۔ اور تم اُسے طلاق دینا چاہتے ہو۔

وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ اور تم نے ان میں سے کسی ایک کو دے دیا ہے۔ یہاں زوج سے اس جنس کی کوئی عورت مُراد ہے قِنْطَارًا بہت سامال فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ پس تم اُس سے مت لو یعنی وہی دیا ہوا بہت سا مال۔ واپس مت لو شَیْئًا معمولی شئے بھی اس سے نہ لو چہ جائے کہ بہت سامال اس سے لو اَتَاْخُذُوْنَهٗ کیا تم اس سے معمولی شئے لیتے ہو بُهْتَانًا بہتان باندھنے والے ہو کر۔ یہ حال ہے یا مفعول لہ ہے یعنی بہتان کے لیے اور ظلم عظیم کی بنا پر۔

شانِ نُزول اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ کسی عورت سے شادی کر لینے کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی رغبت پیدا ہو جاتی تو پھر پہلی عورت پر بہتان تراشی شروع کر دیتے۔ اور قسم قسم کی الزام اور فواحش کی نسبت سے اُسے تنگ کر دیتے تاکہ وہ مجبور ہو کر کچھ دے کر یا کم از کم وہی حق مہر معاف کر کے طلاق کی خواہشمند ہو

جائے تاکہ اسے طلاق دے کر اس دوسری جدید عورت (کہ جس کے ساتھ اُسے رغبت ہے) سے نکاح کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بدعادت سے رُوکا۔

حل لغات: البہتان لغت میں اس جھوٹ کو کہتے ہیں کہ جسے انسان بول کر زبردستی اپنے بالمقابل پر غلبہ حاصل کرے۔ یہ بہت الرجل سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب انسان حیران ہو جائے اور بہتان کو بھی بہتان اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب پر بہتان باندھا گیا ہے وہ حیران ہو کر اپنے مدمقابل سے مغلوب ہو جاتا ہے کبھی اس کا اطلاق عمل باطن پر بھی ہوتا ہے لیکن یہاں پر ظلم کے معنے میں تفسیر کی گئی ہے وَاِثْمًا مُّبِيْنًا اور کھلم کھلا گناہ۔ یعنی کھلم کھلا گناہ کرنے والے ہو۔ یا یہ کام ظاہری گناہ کے لیے کرتے ہو۔

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ اور کس وجہ سے لے رہے ہو یعنی یہ کام کر رہے ہو وَقَدْ اور حال یہ ہے کہ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ بیشک تمہارا بعض تمہارے بعض کو پہنچ چکا ہے یعنی تمہارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان چند ایسے احوال جاری رہے مثلاً اُن سے خلوتیں ہوئیں اور اُن کے حق مہر تم پر ثابت ہو چکے اور ان کی خدمت کے حقوق تمہارے لیے واضح ہو چکے وغیرہ وغیرہ وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا اور وہ تم سے بہت بڑا سخت اور پختہ وعدہ لے چکی ہیں۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے جو اسی ماقبل کے حکم میں داخل ہے۔ اور اُن کا وہ پختہ اور سخت وعدہ یہی ہے۔

① حق صحبت۔
② آپس میں مل جل کے زندگی بسر کرنا۔
③ نیک سلوک سے پیش آنا۔

یا یہ کہ خود اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے بہت بڑا سخت اور پختہ وعدہ لیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے فامساك بمعروف او تسریح باحسان یعنی یا انہیں نیک سلوک کے ساتھ اپنے پاس رکھو یا انہیں پورے طور چھوڑ دو۔ یا اُن کے پختہ اور سخت وعدہ سے مُراد وہ ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ سے بطور امانت کے لیا ہے اور اُن کی فروج تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی برکت سے۔

تفسیر صوفیانہ یہ معاملات یعنی عورتوں کو تنگ کرنا اور انہیں اپنے شوہروں سے رُوکنا اور ظلم کر کے انہیں مال دے کر پھر چھین لینا۔ جب کہ اُن سے بہت بڑا سخت اور مضبوط وعدہ کر چکے ہو کہ تم اُن کے حقوق میں کسی قسم کی کمی نہیں کرو گے۔ اسی طرح کے اور امور میں خامی رکھنا۔ ایمان کے علامات اور اُس کے ثمرات سے نہیں۔ اس لیے کہ مؤمن تو مؤمن کا بھائی ہے اور بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اُسے گالی دیتا ہے۔

حدیث شریف نمبر (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن مؤمن کیلئے سفید بنیاد کی طرح ہے کہ ایک دوسرے کو مضبوط اور پختہ کرتے ہیں۔

حدیث شریف نمبر (۲): اور فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

حدیث شریف نمبر (۳): حضور علیہ السلام نے ہر اُس شخص سے ایمان کی نفی فرمائی ہے جو اپنے بھائی کے لیے ہر وہ شئے پسند نہیں کرتا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت — دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست

زگوش پنبہ بیروں آر و داد خلق بدہ — اگر تو می ندھی داد روز دادے ہست

ترجمہ: (۱) جو بُرا بیج بوکر اچھے اناج کی امید رکھے غلط خیالی میں ہے اور اس کا فاسد گمان ہے۔

(۲) کان سے روئی باہر پھینک اور خلق خدا کے حقوق ادا نہ کرے گا تو تیرے اوپر اور بڑی ذات ہے جو تجھ سے حقوق پورے کرے گا۔

سبق: ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ ہر شخص کے حقوق میں منصفانہ برتاو کرے خصوصًا اقارب اور بالخصوص عورتوں کے حقوق میں۔ اس لیے کہ اُن کے حقوق میں عدل و انصاف واجبات سے ہے۔

مسئلہ: آیت سے حق مہر میں فراوانی کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس لیے ارشاد باریتعالیٰ وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا۔ میں فراوانی یعنی بہت زیادہ حق مہر دینے کی کوئی دلالت نہیں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ہے کہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ معبود بکثرت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ: یہ شرع میں ضروری نہیں کہ ایک شئے کو کسی شئے کی شرط بنائی جائے تو اس کے لیے ضروری ہو کہ وہ شئے جائز الوقوع بھی ہو کَذَا قَالَ الْاِمَامُ فِیْ تَفْسِیْرِہٖ چنانچہ اس کی تائید اس مسئلہ سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو چاہیئے کہ اُن کا حق مہر بہت زیادہ نہ ہو۔

حدیث شریف نمبر (۱): حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری عورتیں وہ ہیں کہ جن کا جمال بیمثال اور اُن کے مہر معمولی ہوں۔

حدیث شریف نمبر (۲): حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت سی بیبیوں سے نکاح فرمایا لیکن کسی بی بی کو حق مہر دس درہم سے آگے نہ بڑھائی۔

حدیث شریف نمبر (۳): اور گھر کا اثاثہ صرف اتنا تھا (۱) چکی (۲) پانی کا گھڑا۔ سرہانہ چمڑے کا جس کا اندر کا حصہ کھجور وغیرہ کی چھال تھا۔

حدیث شریف نمبر (۴): میں ہے کہ بہترین عورت وہ ہے جو نکاح میں جلدی کرے اور بچہ جننے میں بھی۔ اور اس کا حق مہر بھی معمولی ہو۔

مسئلہ: مرد پر ضروری ہے کہ نکاح کے بعد اپنی عورت کا حق مہر جلد تر ادا کرے۔ اور مکمل طور یا کم از کم دینے کی نیت کرے۔

حدیث شریف: جس شخص کے دل میں ارادہ ہو کہ نکاح تو کروں پھر حق مہر ہرگز نہیں دوں گا تو وہ جب قیامت میں آئے گا تو اُسے زانیوں میں اٹھایا جائے گا۔

مسئلہ: یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص کسی سے قرض لے لیکن دِل میں ارادہ ہو کہ یہ قرض نہیں اُتاروں گا۔ تو قیامت میں یہ شخص چوروں کے ساتھ اٹھے گا۔

مسئلہ: مہر کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرے۔ ہاں اگر محتاج اور تنگدست ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: اگر عورت اپنی مہر کی اپنے شوہر کو خود مہلت دے دیا تو جائز ہے۔

مسئلہ: شادی کے بعد مَرد پر لازم ہے کہ اپنی عورت کو سَب سے پہلے طہارت اور حیض اور نماز وغیرہ کے اتنے مسائل یاد کرائے کہ جتنے اُس کو ضرورت درپیش ہوتی ہے۔

مسئلہ: اپنی عورت کو اہلسنت کے عقائد سے آگاہ کرے۔ اور اسے اہل بدعت کی تردید کے دلائل بھی سمجھائے۔

مسئلہ: اگر وہ خود نہیں جانتا تو کسی معتبر عالم دین مفتیٔ اسلام سے پوچھ کر بتلائے۔

مسئلہ: اگر مقامی طور پر اُسے کسی عالم دین سے مسائل کا سمجھنا میسر نہ ہو تو اس کے لیے سفر کر کے باہر جائے۔

مسئلہ: جب عورت کو فرائض اپنے شوہر سے معلوم ہو سکتے ہیں تو اُسے باہر کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی دوسری تعلیم یا ذکر وغیرہ کی مجلسوں میں شوہر کی اجازت کے بغیر جائے۔

مسئلہ: اگر مَرد عورت کو نہ خود کوئی مسئلہ سمجھاتا ہے اور نہ ہی اسے کہیں سے سمجھنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ گنہ میں عورت کا برابر کا شریک ہے۔

حدیث شریف: سب سے زیادہ سخت عذاب ہر اس شخص کو ہوگا جو اپنے اہل وعیال کو دینی علوم سے محروم رکھتا ہے یعنی انہیں جاہل بناتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سَب کے سَب نگہبان ہو اور تم سَب کے سب پر اپنی رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ ۔
اور نہ نکاح کرو جن سے تمہارے آباء نکاح کر چکے ہیں۔

سوال: مَا تو غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ یہاں پر تو آباء کی منکوحات ذوی العقول ہیں۔ فلہٰذا مَا کے بجائے مَن ہونا چاہیئے (چونکہ یہاں پر یہ صرف صفت مطلوب ہے۔ جیسے مِنَ النساء سے بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ: آباء میں اجداد بھی مجازاً داخل ہیں۔

شانِ نزول زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ وہ آباء کی منکوحات سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قبیح عادت سے منع فرمایا کہ اپنے آباء کی منکوحات سے نکاح نہ کرو۔ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یہ مانکح سے استثناء ہے۔ تحریم میں مبالغہ کا فائدہ دے رہا ہے جو کہ کلام کو نکالنے کے لیے تعلیق بالمحال کے طور کیا گیا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اپنے آباء کی مُردہ منکوحات نکاح کر سکتے ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ اب وہ نہ ہیں نہ نکاح کر سکتے ہو۔ اس سے اباحت کے طریق کو بالکلیہ منقطع کرنا مطلوب ہے حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِی سَمِّ الْخِیَاطِ کے قبیل سے ہے اِنَّهٗ بیشک ان سے نکاح کرنا کَانَ فَاحِشَةً یہ بُرا اور قبیح فعل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ سابقہ اُمم میں سے کسی اُمت کو بھی اس کی اجازت نہیں تھی وَمَقْتًا ط اہل مروّت کے نزدیک بھی یہ عمل مبغوض ہے۔ المقت بمعنے اشد البغض ہے وَسَآءَ سَبِیْلًا اور بُرا راستہ ہے یہ۔ اس کا منصوب ہونا تمیز کی بنا پر ہے۔ یعنی ہر سمجھدار کے ہاں یہ برا راستہ ہے اور کوئی بھی اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے کہ یہ عمل اپنے عامل کو جہنم میں لے جانے والا ہے۔

ف: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قبح کے تین مراتب ہیں۔

① قبح عقلی۔ اسے انہ کان فاحشۃ میں بیان کیا گیا ہے

② قبح شرعی اسے مقتاً میں بیان کیا گیا ہے۔

③ قبح عادی۔ اس کی طرف وَسَآءَ سَبِیْلًا۔ میں اشارہ ہے۔ جس میں یہ تمام مراتب جمع ہوں تو وہ قبح کے انتہائی مراتب پر ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ آباء سے مراتب علویہ اور امہات سے مراتب سفلیہ مراد ہے اور اُن کے ازواج سے اللہ تعالیٰ کی وہ تمام مخلوق مراد ہے جو ان سے پیدا ہوتی ہے وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ الخ سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سفلیات میں تصرف و تعلق سے رُوکا ہے کہ وہی امہات ہیں جن پر تمہارے آباء یعنی علویات تصرف کرتے ہیں اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ مگر وہ جو کہ گزرا۔ تدبیر الٰہی میں کہ ارواح و اشباح کو آپس میں متعلق کر دیا۔ حاجات ضروریہ انسان کو اگرچہ ضروری ہیں لیکن اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِیْلًا۔ وہ قبیح عمل اور بُرا راستہ ہے یعنی سفلیات میں تصرف اور ان سے تعلق پیدا کرنا اور اُن کی طرف میلان رکھنا ایسے امور ہیں کہ جن سے جوہر روحانی صفاتِ روحانیہ سے ملوث ہو جائے گا۔ اس سے جوہر روحانی سفلی طبع ہو کر حضرت الٰہیہ سے دور ہو کر دنیا کا عاشق بن جائے گا اور رب تعالیٰ کو بھلا دے گا۔ بلکہ حق تعالیٰ کا مبغوض ترین ہو جائے گا۔ اور یہ راستہ ایسا بُرا ہے جو گمراہی کی طرف لے جائے گا۔

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
زہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

ترجمہ: میں ہمت کا غلام اسی لیے ہوا کہ نیلے آسمان کے نیچے کیونکہ جو رنگ کو قبول کرے وہ آزاد ہے۔

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اے کہ در شرح خداوندان حال — میکنی از سنت و فرضم سوال
سنت آمد دل ز دنیا تافتن — فرض راہ قرب مولیٰ یافتن

ترجمہ: (۱) اے کہ صاحبان حال کی شرح میں میرے فرض و سنت کے متعلق سوال کرتا ہے۔

(۲) ان کے ہاں دنیا میں منہ پھیرنے کا نام سنت ہے اور مولیٰ کے راہ میں قرب کا پانا فرض ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب مجلس کے لحاظ سے وہ شخص ہوگا جو زندگی بھر بھوکا اور پھر غم اور حزن کا نشانہ بنا رہے لوگ نرم گرم بستروں پر سوتے ہیں لیکن اس کا بچھونا زمین[1] ہے۔ جن چیزوں سے لوگوں کو خصوصی رغبت ہو وہ ان سے دور ہو۔ اور گھاٹے میں ہے ہر وہ جو ان کا مخالف ہو اگر وہ حضرات کچھ کھاتے ہیں تو جو کی روٹی غذا اور موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور دنیا سے وہ صحیح و سالم رخصت ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ مجوب است او خود کودک است — مرد آنست کہ بیروں از شکیست
اے خنک آنکہ جہاد سے میکند — بر بدن زجرے و دادے میکند
اے بسا کارا کہ اول صعب گشت — بعد ازاں بکشادہ شد سختی گذشت
اندریں رہ می تراش و می خراش — تادمی آخر دمی فارغ مباش

ترجمہ: (۱) جو مجوب ہے وہ بچہ ہے مرد وہ ہے جو شک سے دور ہے۔

(۲) وہ خوش قسمت ہے جو جہاد کرتا ہے بدن پر اور اس کی داد دیتا ہے۔

(۳) بہت سے کام پہلے سخت نظر آتے ہیں بعد ازاں اس کی سختی ٹل جاتی ہے۔

(۴) اس خراش و تراش کے راہ میں آخری دم تک فارغ نہ ہو۔

بقیہ صفحہ نمبر آئندہ

[1] کسی نے انہیں سے متعلق کیا خوب کہا ہے

بستر خاک کا اور ٹکڑا ئے کمبل کی کلاہ — تاج خسرو ہے یہی اور تخت سلیمان ہے یہی

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ
بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ
نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ
لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘ وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ
اَصْلَابِكُمْۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاۙ

ترجمہ: حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیبیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیبیاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بقیہ گذشتہ صفحہ

روحانی نسخہ حضرت ابو علی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو شخص اپنے ظاہر کو مجاہدہ سے سنوارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مشاہدات سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ الخ اور وہ لوگ جو ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہم انہیں سیدھے راہ چلائیں گے۔

روحانی نسخہ جو اپنے ابتدائی حال میں مجاہدہ کرتا۔ وہ لذت طریقت سے محروم رہے گا۔

حکایت و دیگر روحانی نسخے حضرت ابو علی وراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے ابتدائی حالات بڑے سخت تھے۔ جو مسجد ابو عثمان ایثار میں گزرے۔ یہاں تک کہ ہمارے لیے روحانیت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ ہم کسی متعین وقت کے لیے نہیں سوتے تھے۔ اور جو ہمیں دکھ پہنچائے اس سے ہم بدلہ نہ لیں۔ بلکہ اُس سے معذرت کریں اور اُس کی تواضع اور جب ہم کسی کو نگاہِ حقارت سے دیکھیں تو اُس کے ساتھ احسان کریں اور اس کی خدمت کریں یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے۔

دیگر: حضرت ابو حفص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُس شخص کی تباہی میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہو گی جو اپنے عیوب کو جانتا ہے اس لیے کہ گناہ کفر کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

عیبِ رنداں مکن اے زاہدِ پاکیزہ سرشت — کہ گناہِ دگراں بر تو نخواہند نوشت
من اگر نیکم و گر بد تو برو خود را باش — ہر کسے آں دِرَوَد عاقبت کار کہ کِشت

ترجمہ: (۱) اے پاکیزہ سرشت زاہد رندوں کی عیب جوئی نہ کر۔ دوسروں کا گناہ تو تیرے عملنامہ میں نہ لکھیں گے۔

(۲) میں اچھا ہوں یا بُرا تو جا اپنا کام کر۔ جس نے جو بویا وہی اٹھائے گا۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ ۔ تمہارے اُوپر تمہاری مائیں حرام ہیں یعنی اُن سے نکاح کرنا حرام ہے اس لیے کہ عُرف میں شئے کی حُرمت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس شئے سے جو اصلی غرض اور مقصود ہے وہ حرام ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ شراب حرام ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا پینا حرام ہے اس سے ثابت ہوا کہ عورتوں کی حرمت سے اُن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اُس کی مثال یہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ خنزیر حرام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔

مسئلہ: اُمہاتِ میں جدات (دادیاں) بھی شامل ہیں اور اَب (باپ) اُم ماں اور اُس کی مائیں دادیاں، نانیاں وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں وَبَنٰتُکُمْ اور تمہارے اُوپر تمہاری صُلبی لڑکیاں۔ اسی طرح تمہارے بیٹوں کی صُلبی لڑکیاں حرام ہیں۔ اگرچہ نیچے کی نسل میں جہاں تک سلسلہ چلے وَاَخَوٰتُکُمْ اور تمہاری بہنیں خواہ عینی بہنیں ہوں یا علاتی یعنی پدری یا اخیفی یعنی مادری۔ اس معنے پر اخوات کا لفظ تمام مذکورہ بہنوں کو شامل ہے۔

مسئلہ: اُمہات و بنات کی حُرمت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا ایندم ثابت ہے کسی زمانہ میں اور کسی مذہب اور دین میں اُن سے نکاح کی حلت کا ثبوت نہیں ملتا۔

سوال: زرادشت مجوس کا پیغمبر تو اُن سے نکاح کرنے کا قائل تھا۔ پھر تمہارا کہنا کہ کسی دین و مذہب میں اُس کے اس کے جواز کا ثبوت نہیں ملتا۔

جواب: اس کی اس حرکت پر اس زمانہ اور آنے والی نسلوں میں مذمت کی گئی اور اس دعوی میں اسے کذاب کہا گیا۔

مسئلہ: بہنوں سے نکاح کے جواز میں منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں اُن سے نکاح مباح تھا وہ بھی بوجہ ضرورت تھا۔

نکتہ: مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ عورت سے وطی ایک ذلیل اور ذلیلانہ عمل ہے

اس لیے کہ انسان کو طبعی طور اس کے ذکر سے شرم وحیا محسوس ہوتی ہے اور اس کا ارتکاب بھی وہاں ہو سکتا ہے ۔ جہاں کوئی بھی نہ ہو ۔ یعنی تنہائی میں وہ بھی اُس شرم وحیاء کی بنا پر ۔ اور گالی بھی ۔ کسی کو دی جاتی ہیں تو ماں ۔ بہن ۔ لڑکی کے نام لے کر تو وہ بھی اسی بنا پر ۔ جب یہ امور مُسلّمات سے ہیں تو واجب ہے کہ ایسی باتوں سے اُمہات کو محفوظ رکھا جائے ۔ اس لیے کہ ماؤں کے احسانات اولاد پر اَن گنت ہیں ۔ اس لیے ماں کو مذکورہ بالا ذلتوں اور اہانتوں سے محفوظ رکھا جانا واجب ہے ۔ اور لڑکی انسان کا جُزو ہے ۔ گویا وہ اُس کے جسم کا ٹکڑا ہے ۔ پھر اسے بھی مذکورہ بالا ذِلتوں اور اہانتوں سے بچایا جائے ۔ اس لیے کہ اُس سے وطی کرنا بھی مذکورہ بالا ذلتیں اور اہانتیں لازم ہوں گی ۔ اسی طرح باقی محرّمات کا قیاس کیجئے (کذا ذکرہ الامام فی تفسیرہ) وَعَمّٰتُكُمْ اور تمہاری پھوپھیاں (عمہ) ہر وہ عورت کہ جس کی اولاد کی نسبت تمہارے والد کی طرف ہوتی ہو ۔ قریبی ہو بعیدی وَخٰلٰتُكُمْ اور تمہاری خالائیں (ماسیاں) (خالہ) ہر اُس عورت کو کہا جاتا ہے جس کی (رشتہ) اولاد تمہاری والدہ کی طرف منسوب ہوتی ہو ۔ وہ قریبی ہوں یا بعیدی ۔

مسئلہ: عمات کا لفظ عام ہے کہ وہ باپ کی بہنیں ہوں یا جدات کی اگرچہ اُوپر کو جہاں تک سلسلہ چلے ۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی چودہ قسمیں حرمت نکاح میں بیان فرمائی ہیں ۔ سات نسبی ہیں اور سات سبی ۔ سات نسبی تو بیان ہو چکی ہیں سات سبی اب بیان ہوتی ہیں چنانچہ فرمایا اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں یعنی تمہارے اُوپر اللہ تعالیٰ نے رضاعی مائیں اور بہنیں ایسے حرام فرمائی ہیں جیسے تمہاری نسبی مائیں اور بہنیں حرام فرمائی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے رضاع (دودھ پینے کو) بمنزلہ نسب کے مقرر فرمایا ہے ۔ یہاں تک کہ دودھ پلانے والی کو ماں اور جس لڑکی یا لڑکے کے ساتھ دُودھ پیا گیا اُسے بہن بھائی سے تعبیر فرمایا ہے ۔ اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کو باپ اور اس کے ماں باپ کو نانی اور دادا اور اس کی بہن کو پھوپھی اور مرضعہ دودھ پلانے والی کے شوہر کی تمام اولاد کو اگرچہ دودھ پینے والے کے ساتھ دودھ نہیں پیا تو انہیں بھی بہن بھائی اور دودھ پلانے والی عورت کی ماں اور بہن کو دُودھ پینے والے کی نانی اور خالہ کہا ہے ۔ اسی طرح دودھ پلانے والی کی دوسری اولاد اس کی بہن بھائی کہی جاتی ہے ۔ غرض یہ کہ تمام رشتہ داری نسبی رضاع میں ثابت ہوتی ہے ۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رضاع میں ہر وہ حرام ہے جو نسب میں حرام ہے ۔ یہ حکم کلی ہے اور وہ اپنے عموم پر ہی ہے ۔

مسئلہ: پدری بھائی کی ماں سے نکاح حرام ہے ۔ اس لیے کہ اس میں حُرمت مصاہرہ ثابت ہے بایں معنی کہ یہ اُس کے باپ کی موطوءہ ہے ۔

مسئلہ: مادری بھائی کی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔ اسی طرح اپنے بیٹے کی نانی اور دادی اور اس کے ماموں کی ماں اگرچہ پدری ہیں تب بھی حرام ہے اس لیے کہ ان میں بھی حرمت مصاہرت ثابت ہے مثلاً بیٹے کی مادری بہن بایں معنی حرام ہے کہ اس کی ماں اس کی موطوءہ ہے اور بیٹے کی نانی اس کی عورت کی ماں ہوئی اور بیٹے کی دادی اس کے دادا کی موطوءہ ہوئی۔ اسی طرح بیٹے کے ماموں کی اس کے نانا کی موطوءہ ہوئی اور یہ سب رشتے نسباً حرام ہیں۔ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ اور تمہاری عورتوں کی مائیں۔ یہاں پر نساء سے مرد کی عورت منکوحہ مراد ہے خواہ وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کہ آپ سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا لیکن اسے دخول سے پہلے طلاق دے دی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ شخص اس عورت کی ماں سے نکاح نہ کرے۔ البتہ اگر دخول نہیں ہوا تو اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ: مذکورہ بالا تمام صورتیں اسی میں شامل ہوں گی۔

مسئلہ: جنہیں شہوت سے ہاتھ لگایا ہے ان کے متعلق بھی یہی مسئلہ ہے اور اس کی وہی صورتیں ہیں جو مذکورہ ہوئیں وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ اور تمہاری پروردہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں یعنی تمہاری پروردہ لڑکیاں بھی تمہارے اوپر نکاح کے لحاظ سے حرام ہیں۔

حل لغات: ربائب ربیبہ کی جمع ہے شرعاً ہر اس اولاد کو کہا جاتا ہے جو عورت منکوحہ کی اولاد دوسرے شوہر سے ہو۔ اسے ربیب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ شوہر اسے اپنی اولاد کی طرح پالتا ہے۔ اور عموماً ایسے ہی ہوتا ہے یہاں پر فعیل بمعنے مفعول کے ہے اور تاء منقولہ ہے کہ اسے صفت سے اسمیت کی طرف نقل کیا گیا ہے اور الحجور حجر کی جمع ہے اس میں دو لغتیں ہیں ابن السکیت فرماتے ہیں۔ حجر الانسان کو بالفتح و بالکسرہ ہر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں کہ اسے جمع کر کے دونوں رانوں پر ڈالا جائے۔ لیکن یہاں پر حجور کم سے تربیت مراد ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے فلان فی حجر فلان یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کی تربیت میں ہو اور اس استعارہ کا سبب یہ ہے کہ جو بھی کسی بچے کی تربیت کرتا ہے تو وہ عموماً اپنی گود میں بٹھلاتا ہے۔ اس معنے پر اس کی تربیت کو گود سے تعبیر کیا جانے لگا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے فلانة فی خضانة فلان یہ دراصل الحضن سے ہے بمعنے بغل۔

مسئلہ: حرمت مصاہرہ میں تربیت شرط نہیں: جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ آیت میں تربیت کی قید اغلبیت کی بنا پر ہے کہ عورتیں اس وقت دوسرے شوہر سے نکاح کرتی ہیں۔ جب ان کی اولاد صغیر ہو۔ اگر اولاد بڑی ہو تو پھر کسی سے نکاح نہیں کرتیں۔ وہ صرف اس لیے کہ چھوٹی اولاد کی تربیت اسی طرح سے با آسانی ہوتی

ہے۔ اس اعتبار پر تربیت کی قید لگائی گئی ہے۔ نہ کہ حرمت مصاہرۃ کے لیے شرط ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ اور اُن سے نکاح نہ کرو درانحالیکہ تم مساجد میں معتکف ہو۔ یہاں پر اعتکاف فی المساجد کی قید لگا کر جماع سے روکا گیا ہے حالانکہ اعتکاف غیر مساجد میں بھی ہو تب بھی جماع ناجائز ہے مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ تمہاری اِن عورتوں سے کہ جن سے تم نے دخول کیا ہے یعنی وہ پروردہ اولاد تمہاری اُن عورتوں سے کہ جن سے تم نے دخول کیا ہے۔ یہ مِن فعل محذوف سے متعلق ہے جو رَبَائِبُكُمْ سے حال واقع ہے اور دخول سے انہیں نکاح کے بعد تنہائی میں لے جانا مراد ہے اور یہ باء تعدیہ کی ہے۔ اس سے جماع مراد ہے چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ بنی علیہا وضرب علیہا الحجاب۔

مسئلہ: دخول میں لمس اور اس کے دیگر نظائر بھی داخل ہیں۔

فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا پس اس سے پہلے تم نے دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اُن سے دخول نہیں کیا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ پس اُوپر تمہارے کوئی گناہ نہیں یعنی اس وقت تمہارا ربائب سے نکاح کرتے ہیں کوئی حرج نہیں۔ جب کہ تم نے اُن عورتوں کو دخول سے پہلے طلاق دے دی۔ یعنی ربائب کی ماؤں کو دخول سے پہلے طلاق دے چکے ہو۔ یا وہ دخول سے پہلے ہی مر گئی ہیں۔

مسئلہ: جسے پہلے اشارہ وکنایہ سے بیان کیا گیا اب اس کی تصریح کی گئی۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ اور تمہارے صُلبی بیٹوں کی عورتیں یعنی تمہارے اوپر تمہارے لڑکوں کی عورتیں بھی حرام ہیں۔

ف: لڑکوں کی عورتوں کو حلائل اس لیے کہا گیا کہ وہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال ہوتی ہے یا اس لیے کہ وہ اب اپنے موقعہ ومحل پر پہنچی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس لیے کہ وہ دونوں شوہر ومرد آپس میں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں۔

مسئلہ: لڑکوں کی مزنیہ عورتوں کا حکم بھی یہی ہے اسی طرح شہوت سے ہاتھ لگانا۔ اور بوسہ دینا وغیرہ وغیرہ کا یہی حکم ہے الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ۔ وہ لڑکے جو تمہارے صلبی ہیں۔ اس لیے کہ وہ لڑکے نکالنا مراد ہیں۔ جو صلبی نہیں۔ بلکہ وہ منہ بولے متبنّیٰ ہیں۔

اسی طرح پوتے اور پرپوتے بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ یعنی اُن کی عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ اسی طرح وہ لڑکے جو رضاعی ہیں۔ اُن کی عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے۔

مسئلہ: منہ بولے متبنّیٰ کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا۔ جو کہ آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی لڑکی تھیں۔

جب کہ انہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دے دی تھی۔ اور یہ زید بن حارثہ وہ ہیں جن
کی حضور علیہ السلام نے تربیت فرمائی۔ اور منہ بولا بیٹا کہا۔ اس پر آپ کو مشرکین نے عار دلائی کیونکہ آپ کے
منہ بولے بیٹے کی عورت سے نکاح کرنا اُن کے نزدیک حرام تھا۔ اس لیے کہ اسے وہ صلبی بیٹے کی طرح سمجھتے تھے
تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
تمہارے کسی ایک کے باپ نہیں اور نازل فرمایا وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے
منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنائے وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ۔ اور یہ کہ تم دو بہنوں
کو جمع کرو۔ یعنی تمہارے اُوپر حرام ہے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا۔

مسئلہ: ملک یمین میں دو بہنوں کو جمع کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: ملک یمین کے ساتھ ساتھ دونوں سے جماع نہ کرنا چاہیئے کہ یہ مسئلہ بھی نکاح کے حکم میں ہے۔ اس لیے
کہ جو مقصد نکاح میں ہے وہ اس میں بھی ہے اس لیے ان دونوں کا ایک حکم ہے اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یہ استثنا
منقطع ہے۔ یعنی ہاں جو کچھ پہلے گزرا ہے۔ اُس کا تم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔
اس کے لیے کہ جس سے یہ فعل زمانہ جاہلیت میں ہوا۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ فقط
بحمدہٖ تعالیٰ پارہ تفسیر چہارم ختم ہوئی۔

پارہ نمبر ۵

وَالْمُحْصَنٰتُ

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ
ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ
مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ
مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا
عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ
لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ع

ترجمہ: اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں مگر کافروں کی عورتیں جو تمہاری مِلک میں آجائیں یہ اللہ کا نوشتہ ہے
تم پر اور ان کے سوا جو رہیں تم پر حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو قید لاتے نہ پانی گراتے
تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بندھے ہُوئے مہر انہیں دو اور قرارداد کے بعد اگر تمہارے
آپس میں رضا مندی ہو جاوے تو اس میں گناہ نہیں بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے اور تم میں

بے مقدوری کے باعث جن کے نکاح میں آزاد عورتیں ایمان والیاں نہ ہوں تو ان سے نکاح کرے جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں ایمان والی کنیزیں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم میں ایک دوسرے سے ہے تو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور حسب دستور ان کے مہر انہیں دو قید میں آتیاں نہ مستی نکالتی اور نہ یار بناتی جب وہ قید میں آجائیں پھر بُرا کام کریں تو ان پر اس سزا کی آدھی ہے جو آزاد عورتوں پر ہے یہ اس کے لیے جسے تم میں سے زنا کا اندیشہ ہے اور صبر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ وَّ الْمُحْصَنٰتُ وہ عورتیں جو شوہر دار ہیں اور انہیں اس نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ انھیں نکاح یا شوہر یا متوتی محفوظ کر لیتے ہیں۔ یعنی انہیں برائی میں واقع ہونے سے بچا لیتے ہیں۔

فائدہ تفسیریہ: قرآن پاک میں لفظ احصان چار معنوں میں مستعمل ہوا ہے:

۱۔ نکاح، جیسے اس آیت میں۔

۲۔ عفت، جیسے محصنین غیر مسٰفحین میں۔

۳۔ حریت، جیسے ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنٰت میں۔

۴۔ اسلام، جیسے فاذا اُحصن میں۔

بعض نے اس تفسیر میں اَسْلَمْنَ معنیٰ کیا ہے۔

ترکیب: اس کا عطف محرماتِ سابقہ پر ہے۔ یعنی تمہارے اُوپر شوہر دار عورتیں حرام ہیں۔

مِنَ النِّسَآءِ عورتوں میں سے۔

سوال: محصنٰت کے لفظ میں جب نساء کا معنیٰ مطلوب ہے تو پھر اس کے اضافہ کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: اس سے اس کے عموم کی تاکید مطلوب ہے اور اس دفع توہم کے لیے کہ المحصنٰت، الانفس موصوف محذوف کی صفت ہے۔ یہ وہم سراسر غلط ہے۔

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مگر وہ عورتیں جو تمہارے قبضے میں آگئی ہیں۔ اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو دار الکفر سے مقید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں اور ان کے شوہر دار الکفر میں زندہ موجود ہوں، ایسی عورتیں جنگ کرنے والے غازیوں کے لیے حلال ہیں اگرچہ شوہر دار ہوں۔

نکتہ: حضرت نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر دار عورتوں سے نکاح اس لیے حرام

فرمایا ہے تاکہ بچوں کی تربیت میں حفاظت اور نسب کی صحت اور مردوں کی عزت بحال ہو کہ حقوقِ زوجیت میں غیر کا اشتراک نہ ہو' ان کی علوِ ہمت کی وجہ سے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بلند ہمتی کو محبوب اور کمینہ پن کو مبغوض رکھتا ہے۔
نیز فرمایا کہ الاّ ما ملکت کا مطلب یہ ہے کہ تم اُن کے مالک ہو جاؤ اور ان کے کافر شوہروں پر غلبہ اور قوت پا جاؤ اور انہیں اشتراک کے پنجے سے چھڑا لو اور نسب اولاد کے فساد اور نطفہ کے اختلاط سے انہیں بچا لو۔ اس وجہ سے شرعِ مطہرہ نے ایسی عورتوں کے حیض کا انتظار کر کے استبرا واجب کیا ہے۔
كِتٰبَ اللّٰهِ یہ مصدر (مفعول مطلق) مؤکد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ان کی تحریم مکمل طور پر لکھ دی ہے اور یہ تمہارے اوپر فرض کر دیا ہے عَلَيْكُمْ تمہارے اوپر فرضیت کا حکم رکھتا ہے وَ اُحِلَّ لَكُمْ اور تمہارے اُوپر حلال ہیں۔ اس کا عطف حرمت علیکم پر ہے اور کتٰب اللّٰه علیکم ان کے درمیان میں لانے سے مبالغہ مقصود ہے کہ محرماتِ مذکورہ پر محافظت ضروری ہے۔ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ان کے ماسوا یہ اشارہ محرمات مذکورہ معدودہ کی طرف ہے۔ یعنی مذکورہ عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں ایک کے ساتھ نکاح کرو یا دو دو تین تین چار چار سے۔
مسئلہ : رضاع کی محرمات اور جمع بین الاختین (دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کرنا۔ اسی طرح عورت کی پھوپھی اور خالہ سے نکاح) کی حرمت احادیث سے ثابت ہے۔
اَنْ تَبْتَغُوْا یہ دونوں فعلوں (حرمت اور احل) سے متعلق ہے اور ان کا مفعول لہ ہے۔ لیکن اُن کے بیان و اظہار کی وجہ سے۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح حرام اور ان کے ماسوا سے نکاح حلال فرمایا ہے اس ارادہ پر کہ تم عورتوں کو طلب کرو۔
بِاَمْوَالِكُمْ مال دے کر طلب کرو کہ اُن کا حق مہر ادا کرو یا ان کی قیمتیں ادا کرو (اگر وُہ لونڈیاں ہیں)
مُّحْصِنِيْنَ درانحالیکہ تم ان سے نکاح کرنے والے ہو۔ یہ تبتغون سے حال ہے۔ الاحصان بمعنے پاک دامنی اور اپنے نفس کو ایسے امور سے بچانا جو ملامت اور عقاب کا سبب بنتے ہیں۔ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ اور نہ ہی زنا کرنے والے ہو۔ یہ تبتغون سے دُوسرا حال ہے۔ اِسفاح بمعنے زنا اور فجور ہے یہ اسفح سے ہے بمعنی منی خارج کرنا۔ اسے اس لیے سفاح کہا جاتا ہے کہ زنا سے مقصد یہی ہوتا ہے (یعنی منی خارج کرنا)۔

ف : ان دونوں کے مفعول محذوف ہیں۔ دراصل عبارت یُوں تھی : محصنین فروجکم و غیر مسٰفح الزوانی۔ (یعنی اپنے فروج کو بچانے والے اور زانیہ عورتوں سے زنا سے اجتناب کرنے والے ہو)

ف : درحقیقت دونوں حالوں سے دوسرا پہلے کا حال مؤکد ہے اس لیے کہ محصن ہی غیر مسافح ہے۔

خلاصۃ التفسیر زنا کر کے اپنے مال ضائع نہ کرو تاکہ تمہارا دین و دنیا ضائع نہ ہو جائیں۔ اُن سے شرعی نکاح کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ حق مہر میں صرف مال دیا جاسکتا ہے غیر مال حق مہر میں نہیں دیا جاتا۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ حق مہر میں قلیل مال بھی قابلِ قبول نہیں، اس لیے کہ درہم وغیرہ کو عرفاً مال نہیں کہا جاتا۔

مسئلہ : ہم احناف کے نزدیک کم از کم دس درہم ضروری ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :
حق مہر کم از کم دس[1] درہم ہونا چاہیے۔

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ[2] بِهٖ مِنْهُنَّ پس وہ جو تم ان سے نفع اٹھاؤ یعنی جس چیز سے ان عورتوں سے نفع پاؤ

---

[1] درمختار باب المہر میں ہے "اَقَلُّهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ"۔ یعنی مہر کی مقدار کم از کم دس درہم (۲ تولے ۱۱ ماشے چاندی) ہے جس کی قیمت موجودہ بھاؤ (جنوری ۱۹۸۷ء، پچاس روپے فی تولہ) کے مطابق ۱۴۵ روپے ۸۳ پیسے ہوتی۔ چاندی کے نرخ کی کمی بیشی پر روپیہ سے ابتدائی مہر کی مقدار کی کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ مہر کی زیادتی کی جانب کوئی مقدار معیّن نہیں تاہم بہت زیادہ مہر باندھنا بہتر نہیں۔ (محمد شریف نگل عفرلہٗ)

[2] اس آیت سے رافضیوں نے متعہ کا جواز ثابت کیا ہے فقیر نے اس کے جواب میں ایک کتاب "رفع القناع المعروف" "متعہ یا زنا" لکھی ہے۔ حیرانی ہے کہ یہ لوگ صرف جواز کے قائل نہیں بلکہ متعہ جیسے گندے عمل کو بہت بڑا کارِ ثواب کام سمجھتے ہیں۔ نمونے کے طور پر ایک روایت ملاحظہ ہو :

من تمتع مرة درجته كدرجة الحسين و من تمتع مرتين درجته كدرجة الحسن و من تمتع ثلاث مرات درجته كدرجة علی و من تمتع اربع مرات درجته كدرجتی۔
(برهان المتعہ ص ۵۱)

(ترجمہ : جس نے ایک بار متعہ کیا اسے امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا درجہ ملا، جس نے دو بار کیا اسے امام حسن (رضی اللہ عنہ) کا، جس نے تین بار کیا اسے علی (کرم اللہ وجہہ) کا، جس نے چار بار کیا اسے میرا (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا)

نعوذ باللہ من ذالک۔ (اویسی عفرلہٗ)

نکاحِ صحیحہ کے طور جماع یا خلوتِ صحیحہ یا اسی طرح اور معاملات وغیرہ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ پس انہیں ان کا حق مہر ادا کرو، اس لیے کہ حق مہر نفع پانے کا عوض ہوتا ہے۔ فَرِیْضَةً بمعنے مفروضہ۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ اور تمہارے لیے کوئی گناہ نہیں اس میں کہ جو تم آپس میں راضی ہو جاؤ۔

مسئلہ: نکاح کرنے کے بعد اگر بخوشی و رضا اپنی عورت کو حق مہر سے زاید بھی دے تو بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر عورت اپنے حق مہر سے اپنے مرد کو کچھ معاف کر دے یا تمام حق مہر معاف کر دے تو بھی جائز ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ مقرر ہونے کے بعد۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے حَكِیْمًا○ جو احکام مشروع فرمائے ان کی حکمتوں کا مالک ہے۔ اسی لیے تمہاری لیاقت کے مطابق احکام مشروع فرمائے ہیں۔

قواعد فقہیہ (۱) ہم احناف کے نزدیک اُن عورتوں سے نکاح حرام ہے جو دائمی طور پر انسان پر حرام ہیں بوجہ نسب یا مصاہرت یا رضاع کے۔ وہ رضاع اگرچہ حرام وطی سے بھی ہوا ہو۔

(۲) نسب کی قید سے چچاؤں اور پھوپھیوں کی اولاد خارج ہو گئی کیونکہ ان کی اولاد سے نکاح جائز ہے۔

(۳) مصاہرت کی قید سے اپنی زوجہ کی بہن اور اس کی پھوپھی اور خالہ خارج ہو گئیں۔ یعنی بیوی کے مرنے کے بعد ان سے نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ: وہ عورت کہ جس سے زنا کیا گیا اس کی ماں اور اس کی لڑکی اس حکم میں داخل ہیں (یعنی ان سے نکاح جائز نہیں)

مسئلہ: زانی کے باپ سے (نکاح جائز نہیں)۔ ایسی عورت کا کہ جس سے زنا کیا گیا ہے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے لڑکے سے بھی۔

مسئلہ: یہ مسائل صرف نکاح کی تحریم تک محدود نہیں بلکہ انہیں دیکھنا اور خلوت میں بیٹھنا اور اُن کے ساتھ سفر میں جانا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ: وہ رشتے جو رضاع سے ثابت ہوئے ہیں ان کے ساتھ تنہا سفر کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: وہ عورتیں کہ جن سے مصاہرت کے لحاظ سے رشتہ داری قائم ہوئی ہے اُن میں نوجوان عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا اور اُن کے ساتھ اکیلا سفر کرنا ناجائز ہے۔

(۴) دائمی حرمت ہر حرام کردہ عورت میں مشارکت نہیں رکھتی۔ مثلاً جس عورت سے لعان کیا گیا ہے پھر وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہے اسی طرح وہ مرد جو شہادت کی اہلیت سے خارج ہو جائے تو اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح وہ عورت جو مجوسیہ ہے یا یہودیہ یا نصرانیہ، تو اس کے مسلمان ہونے کے بعد

اُس سے نکاح جائز ہے۔

اسی طرح وہ عورت جسے تین طلاقیں دی گئی ہیں حلالہ کے بعد اس کا شوہر ثانی طلاق دے دے تو بھی اس سے نکاح جائز ہے۔

اسی طرح وُہ عورت جسے شوہر نے طلاق دے دی ہے یا وُہ طلاق یا وفات کی عدّت گزار رہی ہے یہ تمام عورتیں غیر مرد کے لیے دائمی طور پر حرام تھیں لیکن وجوہ مذکور کی بنا پر پھر حلال ہوگئیں۔

مسئلہ : وجوہ مذکورہ سے پہلے غیر محرم کو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ تنہائی میں اس کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے اور نہ اکیلا سفر کر سکتا ہے۔

مسئلہ : ان کے غلام مسائل مذکورہ میں اجنبی (غیر مرد) کی طرح ہیں۔ یہی فقہاً کا معتمد علیہ قول ہے۔

مسئلہ : زوج مذکورہ (یعنی دیکھنا اور خلوت میں بیٹھنا اور سفر پر جانا) میں محرم (قریبی رشتہ دار) کی طرح ہے۔

مسئلہ : ثقہ (معتبر، متقیہ، پرہیزگار) عورتیں سفر کے لیے شوہر اور محرم کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔

مسئلہ : آزاد ہونے میں تمام قریبی رشتہ دار برابر ہیں جبکہ ایک قریبی رشتہ دار دوسرے قریبی رشتہ دار کا مالک ہوگا تو وہ رشتہ دار فوراً آزاد ہو جائے گا۔ اس میں اصول و فروع کی کوئی تخصیص نہیں۔

مسئلہ : ایک رشتہ دار اگر عاجز و مسکین اور فقیر و محتاج ہو تو اس کے قریبی رشتہ دار پر اس کا خرچہ دینا واجب ہے۔ لیکن یاد رہے یہ مسائل صرف نسبی رشتہ داری سے متعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رضاعی ابن العم والاخ (چچا اور بھائی کا لڑکا) نہ آزاد ہوں گے اور نہ ہی ان کا خرچہ دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ : قریبی رشتہ دار میّت کو غسل دے۔

مسئلہ : چھوٹے بچے کو اپنے بڑے رشتہ دار سے بیع و فروخت اور ہبہ کے وقت جُدا نہ کیا جائے۔ صرف دس مسائل میں تفریق جائز ہے اُن کی تفصیل کُتبِ فقہ میں ہے۔

مسئلہ : قریبی رشتہ دار یعنی محرم کو کوئی شے ہبہ کی جائے تو پھر ہبہ میں رجوع ناجائز ہے۔

قاعدہ چند ایک مسائل ہیں جو صرف اصول و فروع سے مخصوص ہیں :

(۱) اصول و فروع میں سے کسی نے کسی دُوسرے کی چوری کر لی ہے تو ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

(۲) ایک کا دوسرے پر مقدمہ ہو تو اس کا کوئی فیصلہ نہیں بلکہ ان کا باہمی سمجھوتہ کافی ہے۔

(۳) ایک دُوسرے کے گواہ نہیں بن سکتے۔

(۴) ایک دوسرے کی موطوہ ان پر حرام ہے اگرچہ بطور زنا کے بھی ہو۔

(۵) ایک دوسرے کی منکوحہ ان پر حرام ہے اگرچہ ان کا صرف عقد ہو چکا ہے اور دخول تک نوبت بھی نہ پہنچو۔

(۶) ایک دُوسرے کے لیے وصیت جاری نہیں ہوسکتی۔

قاعدہ چند ایک مسائل ایسے ہیں جو صرف اصول سے متعلق ہیں،

(۱) اپنے اصول کو قتل کرنا حرام ہے اگرچہ وہ حربی ہو۔ ہاں اپنے نفس سے دفعیہ مطلوب ہو یا اسے خطرہ ہو کہ اگر یہ زندہ لوٹ گیا تو اس کا نتیجہ بُرا نکلے گا، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اُسے کوئی دُوسرا قتل کرے۔

مسئلہ: اصول کو اپنے فروع حربی کو قتل کرنا جائز ہے، جیسے دوسرے حربی رشتہ داروں کو قتل کرنا جائز ہے۔

(۲) فروع کے قصاص میں اصل کو قتل نہ کرنا چاہیے، البتہ فروع کو اصول کے قصاص میں قتل کرنا جائز ہے۔

(۳) فروع پر بہتان باندھنے پر اصول کو سزا نہیں دی جاتی۔ البتہ فروع کو اگر اصول پر بہتان باندھے تو سزا دی جاسکتی ہے۔

(۴) فروع کو اصول کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

(۵) اصول (آباؤ اجداد) اپنے فروع (ابناء وغیرہ) کی لونڈی کی اولاد پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے تو اُن کا دعویٰ حق اور وہ اولاد اصول کے لیے ثابت ہوگی۔

مسئلہ: مسائل مذکورہ میں جد (باپ کا باپ یعنی دادا) باپ کی طرح ہے جب باپ زندہ نہ ہو۔

(۶) فروع (بیٹے، پوتے وغیرہ) اگر اپنے اصول (باپ، دادا) کی لونڈی کی اولاد پر ملکیت کا دعویٰ کریں تو اُن کا یہ دعویٰ بیکار ہے۔ اس سے نسب ثابت نہ ہوگا۔ لیکن اگر اصول (باپ، دادا) اپنے فروع کے ایسے دعوے کی تصدیق کریں تو اصول (باپ دادا) کی تصدیق کی وجہ سے فروع کا ان لونڈیوں کی اولاد میں نسب ثابت ہو جائے گا۔

(۷) فروع کو اصول کی اجازت کے بغیر جہاد پہ جانا ناجائز ہے البتہ اصول کو جہاد کے لیے فروع سے اجازت کی ضرورت نہیں۔

(۸) فروع کی اصول کی اجازت کے بغیر سفر پہ جانا ناجائز ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ وُہ سفر جانکاہ ہو۔

مسئلہ: یہ اس وقت ہے جبکہ اولاد باریش ہو۔ اگر بے ریش ہو تو اسے ہر سفر کے لیے باپ دادا سے اجازت لینا ضروری ہے۔

(۹) عین نماز میں اگر والدین میں سے کوئی ایک بلائے تو نماز توڑ کر ان کے حکم کی تعمیل کرے بشرطیکہ اسے یقین ہو کہ واقعی اسے ماں باپ سخت ضرورت کے تحت بُلا رہے ہیں، اگر وُہ نہ گیا تو انہیں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مسئلہ: فقیر (صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ مسئلہ مذکورہ کے متعلق مَیں نے دادا، دادی، نانا، نانی کی کوئی تصریح نہیں دیکھی۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ حضرات اس مسئلہ میں والدین میں شامل ہیں۔

(۱۰) ماں باپ کی اجازت کے بغیر فروع کو حج پہ جانا ناجائز ہے بشرطیکہ والدین کو اس کی خدمت کی اشد ضرورت ہو کہ اس کی خدمت کے بغیر انہیں سخت تکلیف ہوگی۔

(۱۱) اصول کو اپنے فروع کے آداب سکھانا ضروری ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صرف والد تک محدود نہیں بلکہ ماں اور دادا، دادی، نانا، نانی بھی آداب سکھا سکتے ہیں۔ فروع دین کے لحاظ سے اصول کے تابع سمجھے جاتے ہیں۔

(۱۲) فروع کے قرضہ جات وصول کرنے کے لیے اصول کو قید نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح دادی اور نانی کا یہی حکم ہے۔

قاعدہ یہ چند مسائل صرف باپ اور حقیقی دادا سے مخصوص ہیں:

(۱) مالِ صغیر کی ولایت صرف باپ دادا کو حاصل ہے۔ صغیر کے مال کی ولایت ماں کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں، البتہ حفاظت ضرور کرے۔

(۲) جو اشیاء نہایت ضروری ہیں وہ بھی صرف باپ دادا خرید سکتے ہیں۔

(۳) عقد میں جانبین کا متولی صرف باپ دادا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً والد اپنے بیٹے کا مال خود خریدے یا خود ایجاب و قبول کرے اور اس میں غبن فاحش نہ ہو۔ یعنی اس کی جائز قیمت لگاتا ہے تو بیع منعقد ہو جائے گی۔ یعنی یہ بیع جائز ہے۔

(۴) باپ دادا قبلِ بلوغ عقد نکاح کر دیں تو بعدِ بلوغ کسی قسم کا اختیار نہیں۔

مسئلہ: قبل بلوغ عقد نکاح کی ولایت، باپ دادا سے مخصوص نہیں۔ مثلاً صغیر اور صغیرہ کے عقد نکاح کا دوسرے اقرباء بھی ولایت کا حق رکھتے ہیں خواہ اقرباء عصبہ ہوں یا ذوی الارحام۔ (اس کا فیصلہ الاقرب فالاقرب پر ہوگا)

مسئلہ: جنازہ کی نماز کی اجازت بھی باپ دادا تک محدود نہیں بلکہ گزشتہ تقریر کے مطابق تمام اقرباء اجازت کا حق رکھتے ہیں۔ اس میں اقرب فالاقرب کا سلسلہ جاری ہوگا۔

مسئلہ: ملتقط (کتاب) میں ہے کہ یہ تصرفات صرف مسائلِ نکاح سے متعلق نہیں۔ بلکہ اگر کوئی استاد کسی لڑکے کو اس کے والد کی اجازت سے مارتا ہے اور استاد کے مارنے سے وہ لڑکا مر جاتا ہے تو استاد سے ضمانت وصول نہیں کی جائے گی۔ ہاں اس وقت اس پر ضمانت ہے جبکہ وہ عرف کے خلاف حد سے متجاوز ہو کر سزا دے۔

مسئلہ: اگر کوئی استاد ماں کی اجازت سے بچے کو مارتا پیٹتا ہے اور بچہ مر جاتا ہے تو اس استاد پر ضمانت ہوگی، اگرچہ استاد تھوڑا مارے یا زیادہ۔ (کیونکہ ماں کی اجازت غیر معتبر ہے)

مسئلہ: باپ کا دادا حقیقی دادا کے حکم میں ہے جبکہ باپ موجود نہ ہو۔ وہ بھی صرف بارہ مسائل ہیں، ان کی تفصیل کتبِ فقہ میں ہے۔

قاعدہ نسب سے متعلق بارہ احکام مرتب ہوتے ہیں:

(۱) توریث المال

(۲) ولاء

(۳) کسی ایک کے لیے وصیت کا اجرا نہیں ہوگا جبکہ دوسرے ورثاء راضی نہ ہوں۔

مسئلہ: اسی طرح کسی ایک وارث کے لیے مرض الموت کے وقت قرضہ جات کے اقرار کا اجراء نہ ہوگا جبکہ دوسرے ورثاء اس کی تکذیب کریں۔

(۴) دیت کی تقسیم وراثت کے حقداروں پر ہوگی جبکہ قاتل ادائیگی سے عاجز ہو۔

(۵) شادی و بیاہ کی ولایت

(۶) میت کے غسل کی ولایت

(۷) میت کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت

(۸) ولایتِ مال

(۹) ولایتِ پرورش اور تربیت

(۱۰) حدِ شرعی کا مطالبہ اور قصاص کا سقوط۔

یہ تمام مسائل اشباہ ونظائر سے لیے گئے ہیں اور ان میں بیش بہا فوائد کی وجہ سے میں نے یہاں لکھے ہیں ورنہ یہاں ان کے اندراج کی ضرورت نہیں تھی۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ اور وُہ جو تم میں پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی فرصت نہیں رکھتا۔

حلِ لغات من لم یستطع بمعنے من لم یجد ہے۔ یعنی وہ شخص جو فرصت نہیں پاتا۔ یہ محاورہ لا استطیع ان احج سے ہے۔ یعنی کسی کو حج کے لیے کہا جائے تو وُہ جواباً جملہ مذکور کہتا ہے کہ میرے پاس اتنی فرصت نہیں کہ میں حج پڑھ سکوں۔ منکم ترکیب میں حال ہے اور الطول بمعنے القدرۃ ہے۔ اور طولاً اس لیے منصوب ہے کہ وُہ یستطیع کا مفعول بہ ہے۔ اور ان ینکح بھی محلاً منصوب ہے کہ وہ قدرۃ کا مفعول ہے۔ المحصنٰت سے (آزاد) عورتیں مراد ہیں جیسا کہ اس کے بالمقابل مملوک (لونڈیوں) کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے اور آزاد عورت کو محصنہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی آزادی (حرہ ہونے) نے اسے ملوکیت (لونڈی بننے) کی ذلت وخواری اور دیگر اُن صفاتِ ملوکیت سے بچا لیا ہے کہ جن میں قصور اور نقصان کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم میں سے جو بھی طاقت نہیں رکھتا کہ جس سے وُہ (آزاد) مسلمان عورت سے نکاح کر سکے۔ **فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ** پس اس سے کہ جن کے تمہارے سیدھے ہاتھ مالک ہیں۔ یعنی پھر جس عورت (آزاد) یا لونڈی سے نکاح کرلے یعنی تمہیں جائز طریق سے جیسی عورت میسر آئے اُسی سے نکاح کرلو **مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ** تمہاری نوجوان مومن عورتوں سے۔ یہ ملکیت ضمیر مقدر سے حال ہے اور ضمیر مما ملکت کے ما کی طرف راجع ہے۔ یعنی تمہاری وُہ لونڈیاں جو مسلمان ہیں۔

ف: فتاۃ نوجوان عورت، اور فتاء (بالمد) نوجوان مرد۔ فتاۃ لونڈی اور فتیٰ عبد (غلام) کو کہتے ہیں اگرچہ سن میں بڑے ہوں۔ وہ اس لیے کہ ان کی مملوکیت کی وجہ سے عزت و وقار میں کمی ہوتی ہے ان کے ساتھ چھوٹی عمر کے لوگوں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِکُمْ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ یعنی لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مانوس ہونے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ یعنی تمہارے عبد اور تمہاری لونڈیوں کے متعلق اسلامی شعور کی تفصیل کو وہی جانتا ہے۔ بسا اوقات اسلامی معاملات لونڈیوں میں بہ نسبت حُرّہ (آزاد عورت) کے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات عورتوں میں مردوں سے اسلامی طور و اطوار زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔

سبق: انسان کو چاہیے کہ نکاح کے معاملات میں حسب و نسب کا متلاشی نہ رہے بلکہ اسلام و ایمان والی عورتوں کو ترجیح دے۔

بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ بعض تمہارے بعض سے ہیں کہ تم نسب میں سب برابر ہو اس لیے کہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور تمہارا ایک دین اسلام ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

الناس من جهة التمثال اكفاء

ابوهم آدم و الام حوّاء

ترجمہ: لوگ جسمانی طور پر سب کے سب برابر ہیں اس لیے کہ ان کا باپ آدم اور ماں حوّا علیہما السلام ہیں۔

تمہارے اور تمہارے مملوکوں (لونڈے اور لونڈیوں) کے مابین ایمانی، دینی اور اسلامی بھائی چارہ ہے۔ آزاد کو عبد (لونڈے) پر اگر کچھ فضیلت ہے تو دینی و اسلامی امور کے لحاظ سے۔ ورنہ دونوں برابر ہیں۔

فَانْکِحُوْھُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِھِنَّ پس ان سے نکاح کرو لیکن اُن کے اہل سے اجازت لے کر۔ یعنی جب ان میں اچھا معاملہ دیکھو اور ارادہ کر چکو کہ ان سے نکاح کرنا ہے تو بے شک اُن سے نکاح کرو لیکن اُن کے اہل سے اجازت لے لو اور ان سے نکاح کرنے میں نفرت بھی نہ کرو۔

مسئلہ: لونڈیوں کے مالک سے صرف اجازت کی شرط لگانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی اجازت کے بعد اگر وہ نکاح خود بخود کر لیں تو جائز ہے۔

وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور بلا تاخیر انھیں ان کا حق مہر ادا کرو یعنی دُکھ اور تکلیف پہنچائے بغیر ان کا حق مہر دے دو اور اُن کے لیے ایسی تنگی پیدا نہ کرو کہ وہ عاجز ہو کر مہر فدیہ کے طور

دینے پر مجبور ہو جائیں مُحۡصَنٰتٍ یہ فانکحوھن کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی ان سے نکاح کرو درآنحالیکہ اُن کا دامن زنا سے پاک ہو غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ یہ مؤکدہ ہے یعنی وُہ کھلم کھلا زنا کرنے والی نہ ہوں۔

حلِ لغات المسافح زانی کو کہتے ہیں۔ دراصل اسفاح معنے گرانا ہے۔ چونکہ زنا سے بھی منی گرانا مطلوب ہوتا ہے اسی لیے زانی کو "مسافح" کہتے ہیں۔

وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ

حلِ لغات اَخدان، خدن کی جمع ہے۔ وُہ جو پوشیدہ طور پر دوستی کا دم بھرے۔ جمع کا صیغہ مقابلہ کے لیے ہے بطور انقسام کے۔

یعنی ان میں سے ہر ایک کے لیے لائق نہیں کہ اُن میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ دوست بنائے۔ یہ معنی نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے لیے بہت سے دوست نہ ہوں، اگر ایک دو ہوں تو کوئی حرج نہیں (معاذ اللہ)۔ یعنی نہ تو وُہ ان سے کُھلم کھلا دوست بنائیں نہ پوشیدہ طور پر۔

ف : جاہلیت کے زمانے میں زنا دو طریقوں سے ہوتا :

(۱) بطریقِ سفاح، یعنی جو شخص کسی عورت سے زنا کی رغبت کرتا تو اُسے اجر و مزدوری دے کر زنا کرتا۔

(۲) بطریقِ مخادنت، یعنی کسی مخصوص دوست سے زنا کرنا۔

پہلے طریق میں کُھلم کھلا زنا ہوتا، دوسرے طریقے میں پوشیدہ طور پر۔ اسے وُہ اپنی اصطلاح میں زنا میں بھی شمار نہ کرتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ بیان فرما کر واضح طور پر فرمایا کہ یہ دونوں ہر طرح سے زنا ہیں اور دونوں حرام ہیں۔

فَاِذَآ اُحۡصِنَّ پس وُہ شادی کرنے سے باشوہر ہو جائیں فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ پس اگر وُہ بُرائی لائیں یعنی اگر وہ برائی کا ارتکاب کریں۔ فاحشہ سے زنا مراد ہے۔ فَعَلَيۡهِنَّ پس اُن پر شرعاً ثابت ہے نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ باکرہ آزاد پر جو سزا مقرر ہے اس کی آدھی سزا مِنَ الۡعَذَابِ عذاب میں سے۔ یعنی اصل سزا ایک سَو دُرہ ہے، عبد (غلام) کی سزا شادی سے پہلے پچاس دُرے ہے۔

مسئلہ : لونڈی کی آدھی سزا ہے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا نہ۔ بخلاف آزاد عورت کے کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو سَو دُرے ورنہ پچاس۔

مسئلہ : لونڈیوں کو سنگسار نہیں کیا جاتا اس لیے کہ سنگساری کو نصف نہیں کیا جا سکتا۔

سوال : غلام کی سزا کو لونڈی کی سزا پر کیوں قیاس کیا گیا ہے؟

جواب : ان دونوں میں علت جامعہ (یعنی مملوکیت) ہے۔

مسئلہ: الاحصان شریعت میں جو عاقل بالغ ہو اور نکاح شرعی اصول کے مطابق کر چکا ہو اور وہ مسلمان بھی ہو۔ لیکن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسلمان ہونا شرط نہیں۔

ذٰلِكَ اور یہ فرصت نہ ہونا وہ لونڈیوں کا نکاح ہے لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ان لوگوں کیلیے ہے جنہیں تم میں سے زنا کا خطرہ ہے۔

حلِ لغات العنت بمعنے ہڈیوں کی صحت وسلامتی کے باوجود انہیں توڑنا۔ اب ہر بڑی سے بڑی مشقت اور تکلیف کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے کہ اسے افحش القباح سے موافقت ہے۔ اسی لئے اسے زنا سے موسوم کیا جاتا ہے کہ زنا دنیا میں حدِ شرعی اور آخرت میں بہت سخت اور بڑی سزا کی مشقتوں کا سبب ہے۔

وَاَنْ تَصْبِرُوْا اور اگر تم صبر کرو۔ یعنی ان سے نکاح نہ کرنے میں پاکدامن ہو کر اور نفسوں کو اُن کی خواہشات پُوری کرنے سے روک کر صبر کرنا خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لیے بہتر ہے اُن سے نکاح کرنے سے۔ اگرچہ اس سے پہلے رخصت دی جا چکی ہے۔

لونڈی سے نکاح کی خرابیاں لونڈیوں سے جو بچے پیدا ہوں گے انہیں مملوکیت کی عار دی جائے گی۔ علاوہ ازیں لونڈیوں میں مَولیٰ کے حقوق کی ادائیگی شوہر کے لیے خالص نہیں ہونے دیتے۔ جیسے آزاد عورتیں صرف اور صرف اپنے شوہروں کی ہوتی ہیں۔ پھر مَولیٰ کی مرضی کہ اپنی لونڈی سے ہر طرح خدمت لے۔ سفر و حضر کا اُس کے لیے کوئی فرق نہیں ہوتا اور مولیٰ جہاں چاہے اپنی لونڈی کو بیچ سکتا ہے، خواہ وُہ اسے دیہات میں بیچ ڈالے یا شہر میں۔ یہ وُہ اسباب ہیں کہ جن سے لونڈی کے شوہر اور اس کی اولاد کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں مزید خرابی یہ ہے کہ لونڈیاں ہمیشہ ذلیل وخوار اور دوسروں کی دست نگر اور علی الدوام اپنے مالکوں کے سامنے سرخم رکھتی ہیں۔ یہی وُہ اسباب ہیں جن سے لونڈی کی ذلت وخواری کی انتہائی حیثیت سمجھی جاتی ہے اور یہی ذلّت وخواری اس کے شوہر میں بھی سرایت کرتی ہے حالانکہ مومن کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ باعزّت و باوقار رہے۔ پھر ایک خرابی یہ بھی ہے کہ لونڈی کے حق مہر کا مالک اس کا مَولیٰ ہوگا۔ نہ وُہ خود اپنے حق مہر پر تصرف کی مالک ہے اور نہ شوہر کو ہبہ کر سکتی ہے۔ اس طرح سے گھر کا نظم ونسق متزلزل رہے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"آزاد عورتیں گھر کو آباد کرتی ہیں اور لونڈیاں گھر کو اُجاڑتی اور برباد کرتی ہیں"۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کے لیے غفور رہے جو مصائب وتکالیف پر صبر کرتا ہے۔
رَّحِيْمٌ ۝ۧ رحیم ہے کہ بندوں کو آسان امور کے لیے رخصت دیتا ہے اور ہر معاملہ میں توسیع فرماتا ہے۔

مثلاً آزاد عورت سے نکاح کرنے پر فرصت کے باوجود لونڈی سے نکاح جائز ہے۔

مسئلہ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اُس وقت لونڈی سے نکاح جائز ہے جب آزاد عورت سے نکاح کرنے کی فرصت ہو۔ احناف کے نزدیک جائز ہے جب تک کہ اُسے حُرّہ (آزاد عورت) میسر نہ آئے۔

خلاصہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے آیت کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور فرمایا ہے: لونڈی سے نکاح کرنے کی تین شرطیں ہیں، دو مرد نکاح کرنے والے کے لیے اور ایک لونڈی منکوحہ کے لیے۔

مرد کے لیے: (۱) آزاد عورت سے نکاح کی فرصت نہ ہو۔

(۲) زنا کا سخت خوف ہو۔

(۳) لونڈی کے لیے: وہ مومنہ ہو۔ نہ کافرہ ہو نہ کتابیہ۔

ف: حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلا شرط ہر لونڈی سے نکاح جائز ہے۔ حضرت امام اعظم قدس سرہٗ نے عدم طول الحرۃ کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ مرد کے نکاح میں آزاد عورت نہ ہو۔ یعنی لونڈی سے نکاح اس وقت کرسکتا ہے جب کہ اس کے نکاح میں پہلے آزاد عورت نہ ہو۔ آیت میں لفظ نکاح کا وطی پر محمول کیا ہے اور من فتیٰتکم المؤمنٰت میں مومن عورتوں سے نکاح کرنے کو افضلیت پر محمول کیا ہے۔ یعنی اے مومنو! تمہیں کتابیہ لونڈیوں کے بجائے مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرنا چاہیے یہی افضل ہے۔ یوں کتابیہ لونڈیوں سے نکاح مباح فرمایا گیا ہے۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ یہ صفت حرائر (آزاد) میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ فلہٰذا جبکہ حرائر کتابیہ سے نکاح جائز ہے تو کتابیہ لونڈیوں سے بطریق اُولیٰ جائز ہے۔

ف: تفسیر تیسیر میں ہے کہ فتیٰتکم المؤمنٰت میں مؤمنات لونڈیوں سے نکاح کی اباحت کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کتابیہ لونڈیوں سے نکاح حرام ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ لونڈی سے نکاح ہر امیر و غریب کرسکتا ہے، وہ لونڈی مومنہ ہو یا کتابیہ۔ یعنی یہودیہ ہو یا نصرانیہ۔

نکاح کے قواعد

نکاح انبیاء علیہم السلام کی سُنّت اور مخلصین اولیاء کا اچھا طریقہ ہے لیکن بوجہ مختلف احوال اور مختلف لوگوں کے کئی قسم ہے:

(۱) واجب یہ اس کے لیے ہے جس پر شہوت سوار ہو۔

(۲) مستحب اس کے لیے ہے کہ جس کی طبیعت علیٰ حد الاعتدال ہو۔

(۳) مکروہ اس کے لیے ہے جو جماع پر قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی اپنی عورت کو خرچ دے سکتا ہے۔

مسئلہ: کتاب شرعۃ اور اس کی شرح میں ہے کہ مرد کو چاہیے کہ نیک خصال عورت سے نکاح کرنے کی

کوشش کرے۔ اس لیے کہ نیک عورت انسان کے لیے دُنیا کا بہترین سرمایہ ہے کیونکہ اسی کے ذریعے سے گھریلو معاملات میں فراغت قلبی حاصل ہوتی ہے۔ کھانا پکانے، گھر صاف رکھنے، لبستر وغیرہ بچھانے اور درست کرنے، برتن وغیرہ صاف ستھرے کرنے اور دیگر گھریلو اسباب تیار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ انسان کو اگرچہ خواہشاتِ نفسانی کا غلبہ نہ بھی ہو تب بھی عورت کے بغیر گھریلو امور انسان کی زندگی کو دوبھر کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اگر گھریلو معاملات کی طرف متوجہ ہوگا تو تضییع اوقات ہوگی جس سے نہ کوئی عملی کام ہو سکے گا اور نہ ہی علمی امور طے ہو سکیں گے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ نیک بخت اور نیک خُو عورت دینی امور میں مرد کی بہت مددگار ہے۔ یُوں مرد کی علمی و عملی کوتاہیوں سے قلب کو اطمینان حاصل ہوگا، مشاغل بڑھ جائیں گے اور عیش و عشرت میں اضافہ ہو جائے گا۔

ف: حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نیک خُو عورت دُنیا کے اسباب سے نہیں بلکہ وُہ آخرت کے بہترین سرمایہ سے ہے جو انسان کو امورِ آخرت میں مدد دیتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا: ؎

زن خوب فرمان بر پارسا
کند مرد درویش را بادشاہ
سفر عید باشد بران کتخدائی
کہ یارے زشتش بود در سرائے

ترجمہ: حسین فرمانبردار پرہیزگار بیوی مردِ درویش کو شہنشاہ بنا دیتی ہے اس شخص کو سفر عید کا چاند محسوس ہوتا ہے جس کے گھر میں خوش شکل اور با عمل ہو۔

فائدہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ باکرہ سے نکاح بہتر ہے اس لیے کہ وہ صرف زوج کی ہے اور ثیبہ (شادی شدہ) کی اگر اولاد نہیں تو وُہ آدھی زوج کی ہے۔ اگر اس کی اولاد ہے تو تمام کی تمام اپنے زوج کے غیر کی، یعنی اولاد کی کہ وُہ کھاتی تو زوج سے ہے لیکن اُسے محبت اولاد سے ہے۔

مسئلہ: لونڈی سے نکاح اگرچہ جائز ہے لیکن عزیمت نہ کرنے میں ہے اور شرعاً عزیمت پر عمل کرنا اولیٰ ہوتا ہے نیز اس میں صبر کرنا ہوگا اور صبر بلندیٔ درجات میں ترقی ہوتی ہے۔

حدیث شریف قیامت میں سب سے زیادہ شکر گزار بندے کو لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شکر گزار بندوں جیسی جزا دے کر روانہ فرما دے گا۔ پھر اس کے بعد سب سے زیادہ صبر کرنے والے بندے کو لایا جائے گا اسے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تُو اس پر راضی ہے کہ میں تجھے شکر گزار لوگوں جیسی جزا عطا فرماؤں؟

عرض کرے گا: یا اللہ! میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ایسے نہیں ہوسکتا اس لیے کہ میں نے تجھے نعمتیں عطا کیں تو تُو نے صبر کیا۔ اس بنا پر میں تیرا اجر دُگنا کروں گا۔ پھر وہ بندہ شکر گزار لوگوں سے کئی گُنا زائد اجر پائے گا۔
کبھی کبھار بندہ دو فضیلتیں پا جاتا ہے:

١۔ صبر کی وجہ سے

٢۔ شکر کی وجہ سے

مثلاً تکالیف پر نفس کو صبر دلاتا ہے۔ اس کے بعد اسے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتا ہے۔ اسی لیے اُسے ٢ دو فضیلتیں نصیب ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صبر و شکر کے حقائق نصیب فرمائے۔ آمین!

؎

نعمتِ حق شمار و شکر گزار
نعمتش را اگرچہ نیست شمار

شکر باشد کلید گنج مزید
گنج خواہی منہ ز دست کلید

ترجمہ: حق تعالیٰ پر غور کر کے ان کا شکر بجا لا اگرچہ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں ہوسکتا۔ شکر بہت بڑے خزانے کی چابی ہے۔ اگر تُو خزانے کا خواہشمند ہے تو چابی ہاتھ سے نہ چھوڑ۔

صبر کے بارے میں کسی نے کیا خُوب فرمایا ہے: ؎

چوں بمانی بستہ در بند خرج
صبر کن کہ الصبر مفتاح الفرج

صبر کن حافظ بسختی روز و شب
عاقبت رُوزے بیابی کام را

ترجمہ: اگر تُو اخراجات میں مبتلا ہے تو صبر کر، اس لیے کہ صبر کشادگی کی چابی ہے۔ اے حافظ! دن رات (ہر وقت) صبر کر، بالآخر ایک دن تُو مراد پالے گا۔

تفسیر صُوفیانہ

اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں کے لیے وسیع تر ہے کہ اس کا شمار نہیں۔ اس لیے فرمایا: غفور رحیم۔ منجملہ اس کی رحمت کے ایک یہ ہے کہ اسلاف کے بہترین راستے بیان فرمائے تاکہ اس کے بندے اُن راستوں پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچیں۔

(باقی صفحہ ١٩ پر)

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ
اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ
ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اِنْ
تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝
وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ
نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْــَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝
وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ
فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدًا ۝ ع

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لیے بیان کرے اور تمہیں اگلوں کی روشیں بتادے اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور اللہ تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمانا چاہتا ہے اور جو اپنے مزوں کے پیچھے پڑے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے الگ ہو جاؤ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے اور جو ظلم زیادتی سے ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اُسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے اُن کی کمائی سے حصہ اور اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ہم نے سب کے لیے مال کے مستحق بنا دیے ہیں جو کچھ چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے اور وہ جن سے تمہارا حلف بندھ چکا انہیں ان کا حصہ دو بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

تفسیر عالمانہ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ۔ لکم کی لام زائدہ ہے۔ استقبال کی تاکید کے لیے ہے، جو ارادہ کے معنی کو لازم ہے۔ اور یبیّن کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے وہ امور بیان کرتا ہے جو تم سے مخفی ہیں۔ یعنی تمہاری وُہ مصلحتیں اور تمہارے وہ بہترین اعمال جنہیں تم نہیں جانتے ہو یا وہ عبادتیں حلال و حرام سے کہ جن کا تمہیں علم نہیں وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور تمہیں ان لوگوں کے راستوں کی ہدایت فرماتا ہے جو تم سے پہلے ہیں الذین سے انبیاء و اولیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام مراد ہیں یعنی ان کے راستے بتاتا ہے تاکہ ان کی اقتداء کرو وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ اور وہ تمہاری توبہ قبول کرتا ہے۔ یعنی تمہارے گناہ معاف کرکے تمہیں توبہ اور نیکی کی توفیق بخشتا ہے۔ یعنی جن غلطیوں پر تم تھے ان سے ہٹا کر نیکی کی راہ دکھاتا ہے۔ یہ خطاب تمام مکلّفین کو نہیں اس لیے کہ ان میں سے بعض توبہ نہیں کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف ہوگا اور یہ محال ہے بلکہ اس سے مراد ایک مخصوص گروہ ہے۔ یعنی وُہ لوگ جنہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ تمہیں خوب جانتا ہے حَكِيْمٌ تمہارے جن امور کا ارادہ کرتا ہے اُن کی حکمتوں کو خُوب جانتا ہے وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ وُہ تمہاری توبہ قبول فرمائے۔

سوال: اس میں گزشتہ مضمون کا تکرار ہے۔

جواب: اس آیت میں بندوں کے لیے جن امور کا ارادہ کرتا ہے اس کے کمال منفعت کو بیان کیا گیا ہے اور وُہ فاجر و فاسق لوگ جو توبہ نہیں کرتے اُن کے نقصان کا اظہار مطلوب ہے اور آیت اوّل میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کی قبولیت کا ارادہ کرتا ہے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ اس میں تکرار نہیں۔

(بقیہ ص ۱۷)

کریم العفو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا کریم العفو۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو معلوم ہے کریم العفو کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: کریم العفو وہ ہے جو بندوں کے گناہ اپنے فضل و کرم سے معاف کرکے اپنی رحمتِ واسعہ سے نیکیوں میں بدل دے۔

حضرت جلال الدین رومی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

توبہ آید و خدا توبہ پذیر	امر او گیر کہ او نعم الامیر
سیآت ترا مبدل کرد حق	تا ہمہ طاعت شود آں ما سبق

ترجمہ: توبہ کرو اس لیے کہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس کا حکم بجا لاؤ اس لیے کہ وُہ بہتر حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ برائیوں کو نیکی میں تبدیل کرتا ہے تم بھی توبہ کرو تاکہ تمہارے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہوں۔

وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اور وہ لوگ جو شہوات کے تابع دار ہیں وہ ارادہ کرتے ہیں۔ ان سے فاسق و فاجر مراد ہیں کہ شہوات کے تابع ہو کر اس کام میں جُتے رہتے ہیں۔

مسئلہ: ہر وُہ شخص جو مشتبہات پر شرعی جواز کے مطابق عمل کرتا ہے تو وُہ شرع کے حکم پر جواز کا مرتکب ہوگا نہ کہ شہوات کا تابع سمجھا جائے گا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے مجوسی مراد ہیں کہ وُہ پدری بہنوں، بھتیجوں اور بھانجیوں سے نکاح جائز سمجھتے ہیں۔

شانِ نزول جب اللہ تعالیٰ نے ان کو محرمات میں شامل فرمایا تو انہوں نے کہا کہ اگر پھوپھی اور خالہ کی لڑکیوں سے نکاح جائز ہے (حالانکہ تمہارے اوپر پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہیں) تو ہم حکم دیتے ہیں کہ تم بھانجیوں اور بھتیجیوں سے نکاح کرو۔ اُن کے رد میں یہ آیت اُتری۔

اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ○ یہ کہ تم شہوات کے تابع ہو کر اُن کی موافقت کر کے اور محرمات کو حلال سمجھ کر میانہ روی اور حق سے ہٹ کر ان کی طرح زانی نہ ہو جاؤ۔ میلاً عظیماً یعنی پورے طور ہٹ جانا بہ نسبت اس کے کہ وہ حرام سمجھ کر نہیں بلکہ کبھی کبھی کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہلکا کرے وہ جو بہت بڑی مشقتیں اور تکالیف تمہارے ذمے ہیں اسی لیے تمہیں شریعتِ حنیفیہ واضح اور آسان عنایت فرمائی ہے اور بہت سی تنگیوں سے نجات دے کر آسانی کی رخصت عطا فرمائی ہے مثلاً لونڈیوں سے نکاح کرنا وغیرہ وغیرہ۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ○ اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے کہ وُہ اپنی خواہشات کی مخالفت سے عاجز ہے اور نہ ہی شہوات کے اسباب اور ان کے قویٰ سے مقابلہ کی طاقت رکھتا ہے۔ غرضیکہ وُہ خواہشاتِ نفسانیہ کی اتباع میں صبر نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی طاقتوں کو طاعات کی مشقتوں پر صرف کر سکتا ہے۔

ف: حضرت امام کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہوات سے مراد عورتیں ہیں۔

حکایت ۱ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شیطان ابنِ آدم کو عورتوں کی فرج سے گمراہ کرتا ہے۔ (خود فرماتے ہیں) مجھے اسی سال اسی میں ڈر ہے کہ میری ایک آنکھ تو نہیں لیکن دُوسری آنکھ کے غلط اشارے سے خوفزدہ ہوں اور مجھے اپنے نفس پر صرف عورتوں کے فتنے سے خطرہ ہے۔

حکایت ۲ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے اللہ تعالیٰ! مجھے زنا اور چوری سے بچانا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ تو اس وقت بُوڑھے ہیں اور آپ کو صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف بھی حاصل ہے تو آپ کو زنا اور چوری کا کیا خطرہ؟ آپ نے فرمایا مجھے اپنے نفس پر کیسے اطمینان ہو جبکہ اس کا ساتھی شیطان بھی زندہ ہے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

چہ جائے من کہ بلغزد شہپر شعبدہ باز
ازاں حیل کہ در انبانۂ بہانہ تست

ترجمہ: میری کیا مجال جبکہ بڑا شہپر شعبدہ باز بھی تیرے جال کے حیلوں بہانوں سے ڈگمگا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیات میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو چار نعمتوں کے ارادے سے نوازا:

(۱) بیان، کہ انہیں اپنی طرف سیدھے راستے کی دلالت فرمائی۔

(۲) ہدایت، کہ انہیں راستہ کے بیان کرنے کے بعد اپنی طرف کا سیدھا راستہ دکھایا۔

(۳) توبہ، کہ اپنی درگاہ تک معونۃ سے پہنچایا۔

(۴) تخفیف، کہ بہت مشقتوں اور تکلیفوں سے بچایا۔

ف: ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو اس خصوصیت (تخفیف) سے دو طرح سے نوازا:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی درگاہ تک پہنچایا لیکن ان کو اجتہاد کی ضرورت پڑی، اگرچہ وہ بھی معونتِ الٰہی سے نصیب ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:

انی ذاھبٌ الٰی ربی سیھدین۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی خود جانے کی خبر دی، اگرچہ ان کا جانا بھی معرفتِ ایزدی سے ہوا۔ کما قال:

ولمّا جاء لمیقاتنا۔

اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درگاہِ حق تک پہنچنے کے لیے فرمایا:

سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ۔

اگرچہ یہ بھی معونتِ ایزدی سے ہے لیکن ان کی بہ نسبت یہ آسان ہے۔ اور آپ کی اُمت کے لیے فرمایا:

سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتّٰی یتبیّن لھم انہ الحق۔ (اور آفاق و نفوس میں ہم انھیں اپنی آیات دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر حق واضح ہو)

اور یہ بھی معرفتِ الٰہی سے ہُوا کہ بندوں کو جذبات عنایت سے یہ دولت نصیب ہوتی۔

(۲) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو وصول و وصال سے مخصوص فرمایا اور پھر ان کو کلفتِ فراق و انقطاع سے بچالیا۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقامِ "قاب قوسین اَو اَدنیٰ" سے وصول، اور "ماکذب الفؤاد ما راٰی" سے وصال کا اظہار فرمایا۔ اور آپ تمام انبیاء علیہم السلام کو ساتوں آسمانوں تک چھوڑ کے آگے چلے گئے۔ چنانچہ شبِ معراج آپ نے آدم علیہ السلام کو پہلے آسمان میں اور حضرت ابراہیم

علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا۔ ان حضرات کا یہی کمالِ قُرب اور وصالِ الٰہی کا آخری مقام تھا۔ اور آپ کی اُمّت کے لیے فرمایا:

حدیثِ قدسی من تقرب الیّ شبرا تقربت الیہ ذراعاً۔

(جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں)

یہی اُمّت کا حقیقی وصول وصال ہے لیکن ولی اور نبی کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ وہ یہ کہ نبی سیر الی اللہ اور وصول میں مستقل بنفسہٖ ہوتا ہے کہ اسے ہر مقام سے اس کی استعداد کامل کی وجہ سے حظِ کامل نصیب ہوتا ہے اور ولی کو اگر کچھ حاصل ہوتا ہے تو وہ بھی نبی کی متابعت اور اس کی پیروی سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

(فرمائیے یہی میرا راستہ ہے میں تمہیں اللہ کے راستہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت پر میں اور میرے تابعدار)

اسے بھی اسی استعداد کے مطابق کمال حاصل ہوتا ہے۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ سنّت کی رعایت کرے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ذریعے یہ مراتب و درجات حاصل کرے۔

حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارا مذہب کتاب و سنّت کا پابند ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے تمام راستے بند ہیں البتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے وہ راستے کھل جاتے ہیں ؎

گرت باید کہ بینی روئے ایمان
رُخ از آئینۂ امرش مگرداں
ز شرعش سر مپیچ از ہیچ روئی
کہ ہمچوں شانہ میکردی بموئی

ترجمہ: اگر تُو روئے ایمان دیکھنا چاہتا ہے تو اس کے امر کے آئینے سے منہ نہ موڑ کسی وقت بھی اس کی شریعت کے آئینہ سے منہ نہ پھیر۔ جیسے تُو بالوں کو کنگھا کرتا ہے تاکہ بال سیدھے رہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محالست سعدی کہ راہِ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

ترجمہ: پیمبر کے خلاف جس نے کوئی راستہ اختیار کیا وہ منزلِ مقصود تک ہرگز نہ پہنچے گا۔ اے سعدی! یہ محال ہے کہ صاف راستہ پر حضور کی پیروی کے بغیر جایا جاسکے۔

فطرتِ انسانی کا تقاضا یہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔

(اللہ تعالیٰ کی فطرت جس پر انسان کو پیدا کیا)

اس لیے کہ وُہ اُن سے محبت کرتا ہے اور انہیں چاہیے کہ وہ اس سے ہی محبت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے اس ضعف کی تعریف کی گئی۔ انسان کے ماسوا باقی تمام اشیا اللہ تعالیٰ کے بغیر صبر کر سکتی ہیں اس لیے کہ نہ اُن میں محبت ہے اور نہ وہ اس پر مجبور ہیں۔ محبت میں صرف انسان کو مخصوص کیا گیا ہے۔ جاننا چاہیے کہ انسان اس ضعف سے کمال وسعادت میں ترقی کر سکتا ہے اور اسی سے نقصان و بدبختی بھی پاتا ہے اس لیے کہ وہ اس ضعف کی وجہ سے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اور ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ اس ضعف کی صفت سے صفات بہیمیہ (جانور) سے موصوف ہو کر کھاتا پیتا اور جماع کرتا ہے اور اسی صفت ضعف سے ملکی صفات پاکر اللہ تعالےٰ کی تسبیح وتحمید اور تقدیس وتہلیل کرتا ہے۔ اور فرمانبرداری کرتا ہے تو اس سے اگر نافرمانی کرتا ہے تو بھی اسی سے۔ یہی تغیرات اس ضعف کی وجہ سے ہیں۔ اور یہ استعداد صرف انسان میں رکھی گئی ہے یہاں تک کہ فرشتوں کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی کہ وہ صفات بہیمیہ سے موصوف ہو کر کھاپی سکیں۔ اور نہ ہی جانوروں کی یہ صفت ہے کہ وہ مَلکی اوصاف سے موصوف ہوسکیں کیونکہ انہیں صفت ضعفِ انسانی نصیب نہیں۔

سوال: یہ صفت (ضعف) انسان سے مخصوص کیوں ہے؟

جواب: تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف اور اس کے اوصاف سے موصوف ہُوں۔ جیسا کہ **حدیثِ قدسی** میں ہے:

"میں بادشاہ ہُوں، حیّ (زندہ) ہُوں۔ مجھ پر موت نہیں آتی۔ اے میرے بندو! تم میری اطاعت کرو میں تمہیں بادشاہ بنادوں اور ہمیشہ کی زندگی عطا کروں کہ اس کے بعد پھر موت نہ ہو۔"

ف: اس مرتبہ کو حاصل کر کے بندہ خیر البریہ (اشرف المخلوقات) بنتا ہے۔ ہاں جب وہ اوصافِ بہیمیہ سے موصوف ہوتا ہے تو پھر اسے شر البریہ کہا جاتا ہے ؎

کے شوی انسان کامل

اے دل ناقص عقل

ترجمہ: اے دل ناقص عقل تو انسان کامل کب ہوگا!

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اے ایمان والو! نہ کھاؤ (یعنی نہ لو)

سوال: لاتاکلوا کو لاتاخذوا سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: اس لیے کہ اموال سے انسان کا مقصود اعظم کھانا ہے پھر جب کھانا حرام ہے تو گویا اس کے جمیع تصرفات حرام ہیں۔

اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اپنے اموال آپس میں باطل کر کے یعنی نامشروع طور سے نہ کھاؤ۔ مثلاً غصب، چوری، خیانت، قمار، سود، رشوت، جھوٹی قسم، جھوٹی بات اور عقد فاسد کے طور اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ مگر یہ کہ بطور تجارت کے تم آپس میں ایک دوسرے سے راضی ہو کر۔ یہ استثنا منقطع ہے اس کا مستثنٰی محذوف ہے اور وہ تجارت کی صفت ہے۔ یعنی مگر یہ کہ تم تجارت کرو۔ ایسی تجارت کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے راضی ہو۔ یا یہ معنٰی ہے کہ وہ اموال تجارت کے ہوں۔

مسئلہ: وہ اموال اس تجارت سے ملحق ہوں گے وہ اسباب جو شرعی طریق سے ملکیت میں آئیں۔ جیسے ہبہ اور صدقہ اور وراثت اور عقود جائزہ وغیرہ۔ یعنی وہ امور جو شرعی طریق سے حاصل ہیں۔

سوال: اگر وہ باقی جملہ اس میں شامل ہے تو پھر صرف تجارت کے نام لینے کا فائدہ کیا؟

جواب: معاملات اور کاروبار میں یہی کثیر الوقوع ہیں اور ذی مروت لوگوں کو کاروبار میں زیادہ یہی موافق ہیں۔

مسئلہ: تراضی سے متعاقدین کا آپس میں راضی خوشی ہونا مراد ہے کہ جب وہ آپس میں بیع وشراء کریں تو بوقت ایجاب وقبول وہ آپس میں راضی خوشی ہوں۔ یہی مذہب ہمارے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ حضرت امام شافعی قدس سرہٗ کے نزدیک بیع وشراء کرنے والوں کا مجلس عقد سے بوقت افتراق بیع وشراء کے معاملہ میں ایک دوسرے سے راضی ہونا ضروری ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ مثلاً گلے میں پھندا ڈال کر۔ جیسے ہندی جہال کرتے ہیں۔ یا اپنے نفسوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس کی تائید اس واقعۂ ذیل سے ہوتی ہے:

جب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سخت سردی سے بچنے کے لیے تیمم جائز ہونے کی تاویل کی تو اسے حضور علیہ السلام نے جائز رکھا۔

یا قتل سے مراد ارتکاب معاصی ہے جو دنیا وآخرت کی ہلاکت تک پہنچائے یا ایسے امور حقیقی قتل ہیں جو نفس کو روحانی ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ اور نفس سے مراد اس کے ہم جنس تمام مومنین مراد ہیں کہ گویا وہ ایک ہی نفس ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا۝ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے لیے رحیم ہے۔ یعنی جن امور کا حکم دیتا ہے یا جن امور سے تمہیں روکتا ہے تو اس میں تمہارے لیے ہزار رحمتیں ہوتی ہیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے اُمّتِ محمدیہ

(علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اللہ تعالیٰ تمہارے لیے رحیم ہے کہ بنی اسرائیل کو توبہ قبول کرنے پر قتل نفس کا حکم دیتا۔ لیکن تمہیں قتل نفس سے روکا ہے۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ اور جو تم سے اس کا مرتکب ہوتا ہے یعنی نفس کو قتل کرتا ہے (اسی طرح) تمام محرمات مذکورہ کا ارتکاب کرتا ہے عُدْوَانًا وَّظُلْمًا حد سے تجاوز اور ظلم کرکے۔ اور ایسا فعل کرتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا: عدوان سے تعدی علی الغیر اور ظلم سے ظلم علی النفس مراد ہے کہ نفس پر ظلم کرکے عذاب کا نشان بنتا ہے۔ یہ دونوں منصوب علی الحالیۃ ہیں۔ یعنی عدوانا بمعنے متعدیا اور ظلماً بمعنے ظالماً ہے۔

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ پس عنقریب ہم اسے داخل کریں گے نَارًا دوزخ میں۔ یہاں نار سے مخصوص آگ مراد ہے جو سخت عذاب سے پُر ہے۔ وَكَانَ ذٰلِكَ اور جہنم میں داخل کرنا عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کہ اس کے اسباب متحقق ہیں اور اس سے روکنے والی شئے بھی کوئی نہیں۔

مسئلہ: امام (رازی) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ممکنات سب کے سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے برابر ہیں۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے تمام امور ممکنہ برابر ہیں تو پھر یہاں کیوں فرمایا کہ جہنم میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امور (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے لیے آسان نہیں۔

جواب: (۱) یہ بطور محاورہ عرب کے مستعمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر معاملہ آسان سے آسان تر ہے۔

(۲) بطور مبالغہ کے کہا گیا ہے کہ جہنم میں داخل کرنا اسے آسان ہے پھر تم کو اس سے بھاگنے کا کوئی چارہ نہیں، اور نہ ہی کوئی اس کے عذاب سے بچ سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ ہلاکت گاہوں کے وقوع سے پورے طور پر اجتناب کرے اور ادائیگی حقوق میں پوری جدوجہد کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفظ نفس و حفظ مال دونوں پہ حفاظت کی تاکید شدید فرمائی ہے اس لیے کہ یہ دونوں قوام نفس کے اعلیٰ سبب اور حصول کمالات کے بہترین وسیلہ اور فضائل کے استعمال کے لیے بہترین ذریعہ ہیں، اس لیے کہا گیا ہے: ؎

تونگراں را وقفست و بذل و مہمانی
زکوٰۃ و فطرہ و اعتاق و ہدی و قربانی
تو کے بدولت ایشاں رسی کہ نتوانی
جز ایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

ترجمہ: دولتمندوں کو وقف، خرچ، مہمانی، زکوٰۃ، فطرانہ، آزاد کرنا، حج کی قربانی اور قربانی (عید کی)،

حاصل ہے تجھے یہ دولت کہاں نصیب، تو صرف دوگانہ پڑھ سکتا ہے وہ بھی سَو پریشانیوں سے۔

سبق: اگر تمہیں کچھ مال واسباب میسر آجائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ ورنہ نہ اپنے نفس کو مشقت میں ڈالو اور نہ ہی اسے ہلاکت کا نشانہ بناؤ۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو یہ مصیبت درپیش ہوتی ہے جبکہ انہیں فقر و فاقہ کے بعد مال ملتا ہے تو وہ سخت درد و الم میں مبتلا ہوتے اور فقر و فاقہ کے فکر سے مضطرب رہتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جو شخص اپنے نفس کو کسی شئے سے قتل کرتا ہے کل قیامت میں اسے اس سے ہی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔"

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"زمانہ سابق میں ایک شخص کو زخم نے سخت تکلیف پہنچائی۔ وہ اس کے درد و الم کی تاب نہ لاکر سخت پریشان ہُوا تو اس نے اپنے آپ کو چھری سے کاٹ ڈالا۔ ابھی خون نکلا ہی تھا کہ وُہ مرگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شخص نے میرے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس لیے میں نے اس پر جنت حرام کر دی[1]

مسئلہ: یہی حکم اس شخص کا ہے جس نے اپنے نفس کو فقر و فاقہ یا دوسرے اسباب سے ہلاک کیا۔

سبق: باطل طریق سے مال کمانے سے انسان کا دین و دنیا برباد ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیتا ہے اس لیے کہ بعض اعمال کے اثرات دنیا میں ہی ظاہر ہو جاتے ہیں۔

حکایت مروی ہے کہ ایک ظالم نے ایک غریب کی مچھلی چھین لی اور اسے بھُون کر جب کھانے کا ارادہ کیا تو اپنے ہاتھ کو کاٹ لیا۔ اس کے علاج کے لیے طبیب نے کہا کہ اس ہاتھ کو کٹوا ڈالو۔ اسی طرح اس کے ہاتھ کا جوڑ جوڑ کٹتا رہا اور نوبت بغلوں تک آپہنچی۔ اس سختی سے تنگ آکر وہ ایک درخت کے نیچے پہنچا تو درد کی شدت سے آنکھیں باہر نکل پڑیں۔ کسی نے اُسے کہا کہ تجھے اس درد سے اس وقت نجات ملے گی جب تم مظلوم کو راضی کروگے۔ چنانچہ اس نے اس مچھلی والے فقیر سے معافی حاصل کی تو اسے درد سے نجات ملی۔ اس کے بعد دل سے تائب ہوا اور آئندہ ایسی غلطی کے ارتکاب سے پُورے طور پر باز آگیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کے ہاتھ کو بھی شفا عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اگر یہ شخص مظلوم کو راضی نہ کرتا تو میں اسے مُدت العمر اسی تکلیف میں مبتلا رکھتا۔

مسئلہ: علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ غیر کا مال ایسے حرام ہے جیسے اس کا ناحق خون بہانا حرام ہے۔

---

[1] تفسیر البغوی

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف "کسی دوسرے کا مال چھیننا حرام ہے البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ دے تو حلال ہے"۔

مسئلہ: ظلم شرعاً و عقلاً ہر طرح حرام ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا: ؎

۱ ہزار گونہ خصومت کنی بخلق جہاں
زبس کہ در ہوس سیم و آرزوئے زری

۲ ترا است دوست زر و سیم خصم صاحب آں
کہ گیری از کفش آنرا بظلم و حیلہ گری

۳ نہ مقتضائے خرد باشد و نتیجۂ عقل
کہ دوست را گذاری و خصم را راہبری

ترجمہ: ہزار حیلوں سے تُو خلقِ خدا کے ساتھ دشمنی کرتا ہے بس اسی لیے کہ تجھے سیم و زر کی ہوس نے گھیر رکھا ہے۔

(۲) تجھے زر و سیم کی محبت نے خلقِ خدا کا دشمن بنایا کہ ان کے ہاتھ سے زر و سیم چھین رہا ہے۔

(۳) نتیجۂ عقل و خرد سے یہ بات دُور ہے کہ دوست کو چھوڑ کر دشمن کو رہبر بنایا جائے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ حرام سے بچے اور حلال خوری کی عادت بنائے۔ بعض بزرگوں کے اس باب میں عجیب و غریب احوال ہیں۔

حکایت: منقول ہے کہ کسی بادشاہ نے حضرت رکن الدین علاؤ الدولہ کی طرف ایک ہرن بطور تحفہ بھیجا اور عرض کی کہ یہ حلال طیب ہے۔ خود شیخ نے فرمایا کہ میں مشہد طوس میں تھا تو میرے پاس ایک امیر آدمی خرگوش لایا اور عرض کی کہ اسے تناول فرمائیے کہ میں نے اسے خود شکار کیا ہے۔ میں نے اسے جواب دیا کہ میں خرگوش نہیں کھاتا کہ یہ بفتوائے حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہ) حرام ہے[1]۔

مسئلہ: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ جملہ علمائے کرام کے نزدیک خرگوش حلال ہے صرف حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ وہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

حکایت: انہی رکن الدین علاء الدولہ کی خدمت میں ایک امیر آدمی ہرن لایا اور عرض کیا اسے تناول فرمائیے کہ میں نے

---

[1] یہ فتویٰ محلِ نظر ہے اس لیے کہ صحیح احادیث سے خرگوش کی حلت کی تصریح موجود ہے۔

اسے خود شکار کیا ہے اور جس گھوڑے پر سوار ہو کر اور جس کمان سے میں نے اسے شکار کیا ہے وہ مجھے اپنے والد مرحوم سے وراثت میں ملے ہیں۔ مجھے اس کی خبر سے مولانا جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ یاد آیا کہ ان کے ہاں ایک امیر آدمی دو مرغابیاں لے آیا اور عرض کی، اس سے آپ کچھ تناول فرمائیے کہ میں نے انہیں اپنے شکاری باز سے پکڑا ہے۔ مولانا نے فرمایا: مرغابیوں کی حلت میں تو کوئی سوال نہیں۔ سوال یہ ہے کہ باز نے اپنی زندگی میں کسی غریب بڑھیا کی مرغی مار کھائی ہو پھر وہ اس قوت سے اہل ہوا ہو کہ وہ اب شکار کرنے لگا۔ اسی طرح مانا کہ تم نے ہرن خود مارا ہے لیکن جس گھوڑے نے کسی غریب کے جَو کھا لیے ہوں جس سے اسے یہ قوت ملی کہ جس پر تُو سوار ہو کر شکار کر کے لے آیا۔ فلہٰذا یہ ہرن لے جاؤ، میں نہیں کھاتا۔ (یہ ان کی پرہیزگاری ہے ورنہ شرعی طور پر تو حلال تھا)

حکایت ایک درزی نے کسی بزرگ سے پوچھا: کیا میں ظلم پر مدد کرنے والوں میں تو شمار نہ ہوں گا جبکہ میں ظالموں کے کپڑے سی کر انہیں پہناتا ہوں۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ اس میں نہ صرف تجھ سے اس کے متعلق پرسش ہوگی بلکہ اس لوہار سے بھی کہ جس نے یہ سوئی بنائی کہ جس سے تُو ظالموں کے کپڑے سیتا ہے۔

سبق: خلاصۂ کلام یہ کہ حرام سے بچنا ضروری ہے اور حلال روزی کے حصول میں بہت جدوجہد کرنی چاہیئے اگرچہ ہمارے دور میں یہ معاملہ بہت نازک اور سنگین ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا: ؎

خواہی کہ شوی حلال روزی
ہمخانہ مکن عیال بسیار
دانی کہ دریں سراچۂ تنگ
حاصل نشود حلال بسیار

ترجمہ: اگر تُو حلال خوری چاہتا ہے تو گھر عیال سے خالی رکھ۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس دنیا کی تنگ حویلی میں حلال خوری مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے حلال روزی نصیب فرمائے، وہ بہت بڑا سخی اور کریم ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا اگر تم اجتناب کرو گے۔ الاجتناب بمعنے التباعد ہے۔ اسی معنیٰ سے ہے الاجنبی بمعنے بعید۔ کَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ان بڑے گناہوں سے کہ جن سے تم روکے جاتے ہو۔ یعنی جن گناہوں سے تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے نُكَفِّرْ عَنْكُمْ ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ التکفیر بمعنے مستحقِ عذاب سے عذاب کو دُور کر کے اسے زیادہ سے زیادہ ثواب سے نوازنا۔ یا اس کے عذاب کو اس سے دُور کرنا اس کی توبہ قبول کر کے۔ الاحباط اس کی نقیض ہے بمعنے کسی مستحقِ ثواب کا ثواب چھین کر اسے عذاب میں

مبتلا کرنا یا اُسے نادم کرنا۔ یہاں پر بمعنیٰ نَغْفِرْ لَكُمْ ہے ۔ سَيِّاٰتِكُمْ تمہارے صغیرہ گناہ تم سے معاف کر دیں گے ۔ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا اور تمہیں اچھے مقام میں داخل کریں گے ۔ مُدخل (بضم المیم) اسم مکان (ظرف) ہے بمعنیٰ بہشت کَرِيْمًا ۔ اچھی جگہ یعنی پسندیدہ جگہ یا یہ مدخلاً مصدر (میمی) ہے ۔ یعنی داخل کرنا ساتھ عزت و احترام کے ۔

مسئلہ : مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک صغیرہ گناہوں کو مٹانے والے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب ہو ۔

مسئلہ : کبیرہ گناہوں کے متعلق اختلاف ہے ۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر شرع کی حد مقرر ہے یا اُس پر وعید وارد ہے ۔

حدیث شریف حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ آج تم بہت سے ایسے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہو جنہیں تم نہایت ہی معمولی (صغیرہ) سمجھتے ہو حالانکہ ہم انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ اقدس میں کبیرہ گناہ شمار کرتے تھے ۔

مسئلہ : حضرت امام قشیری رحمۃُ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کے نزدیک گناہ کبیرہ خفی شرک ہے ۔ مخلوق کی طرف متوجہ ہونا اور اُن سے محبت کرنا ۔ اور حقوق الٰہی سے اُن کی وجہ سے چشم پوشی کرنا بھی اُن کے نزدیک شرک خفی ہے ۔

مسئلہ : کبائر سے بچنے سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں ۔ اور جو شخص کبیرہ و صغیرہ ہر دونوں سے بچتا ہے اُسے مدخل کریم میں داخل ہونا نصیب ہوگا اور مُدخل کریم بارگاہِ حق کا ایک بہترین مقام ہے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا : کہ بیشک اللہ تعالےٰ پاک ہے ۔ اور صرف پاکیزہ چیزوں کو قبول کرتا ہے ۔

قاعدہ : تمام کبائر تین چیزوں میں مندرج ہیں :۔

۱ ۔ اتباع الہوی اور الہوی شریعت میں ہر اُس عمل کو کہتے ہیں کہ جن شہوات کی لذت کے لئے نفس کا میلان ہو ۔ اِس کی وجہ سے انسان مندرجہ ذیل گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے ۔ (۱) بدعت سیئہ (۲) ضلالت (۳) ارتداد (۴) مشتبہات (۵) طلب شہوات (۶) طلبِ لذت (۷) طلبِ تنعمات (۸) حظوظ نفس کے تابع ہو کر ترکِ صلوٰۃ و ترک جملہ طاعات (۹) حقوق الوالدین (۱۰) قطع رحم (۱۱) پاکدامن عورتوں پر بہتان تراشی وغیرہ وغیرہ اِسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور خواہشات کی تابعداری نہ کیجئے وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بہکا دیں گی۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔
اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ترین وہ انسان ہے جو شہوات کے تابع ہو۔

غبارِ ہوا چشم عقلت بدوخت
سموم ہوس کشت عمرت لبوخت
بکن سُرمۂ غفلت از چشم پاک
کہ فردا شوی سُرمہ در چشم خاک

ترجمہ :۔ خواہشات کی غبار نے تیری آنکھیں سی دی ہیں۔ ہوس کی لُو نے تیری زندگی کی کھیتی جلا دی ہے۔ اپنی آنکھوں سے غفلت کا سُرمہ دُور کر دے کہ تو کل چشم خاک کا سُرمہ بننے والا ہے۔

۲۔ حُبِّ دنیا اس لئے کہ وہ اکثر گناہوں کی سواری ہے۔ مثلاً (۱) قتل (۲) ظلم (۳) غصب (۴) جھپٹ مار کر کوئی چیز چھیننا (۵) چوری (۶) ربا (۷) یتیم کا مال کھانا (۸) منع زکوٰۃ (۹) جھوٹی گواہی (۱۰) گواہی چھُپانا (۱۱) یمین غموس (۱۲) وصیت وغیرہ کے مُعاملات میں زیادتی کرنا (۱۳) حرام کو حلال سمجھنا۔ (۱۴) وعدہ وغیرہ توڑنا وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : من کان یرید حرث الدنیا نؤت منها و ماله فی الآخرة من نصیب جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اُسے دیں گے لیکن آخرت میں اُس کا کوئی حصّہ نہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔
دُنیا کی محبّت تمام گناہوں کی سر ہے۔

حدیث قدسی شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔
کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مجھے اپنی عزّت وجلال کی قسم کہ میرے ہاں سب سے بڑا گناہ دُنیا کی محبّت ہے۔

ے عاقلاں میل لبویت نکنند اے دُنیا
ہم امُیدِ کرم ولطف تو جاہل داد
ہر کہ خواہد بکند از تو مرادے حاصل
حاصل آنست کہ اندیشۂ باطل داد

ترجمہ :۔ اے دینا دانا تجھے جھانکتے نہیں تیرے فضل وکرم کے اُمیدوار جاہل ہیں۔ جو تجھ سے مُراد

حاصل کرنا چاہتا ہے اسے باطل کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

۳ - غیر حق پر نگہ رکھنا۔ اس لئے کہ اس سے شرک و نفاق اور ریار وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالٰی نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (بیشک اللہ تعالٰی مشرک کو نہیں بخشتا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے۔")

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
معمولی سے معمولی ریار بھی شرک ہے۔

فائدہ بعض مشائخ فرماتے ہیں۔ کہ خود تیرا اپنا وجود گناہ ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں۔ جو شخص اپنے وجود کے گناہ سے بچ گیا ہے تو اسے غیر اللہ نظر نہیں آتا۔ اور نہ ہی اس سے شرک سرزد ہوتا ہے اور نہ ہی اسے حُبِ دُنیا کی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ خواہشاتِ نفسانیہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اُسے وصول الی اللہ اور بقائے الٰہی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۔ (وہ جو اللہ کے دیدار کا امیدوار ہے اُسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اللہ کی عبادت کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔) بخدا جسے یہ نصیب ہو جائے یہی مدخل کریم اور فوزِ عظیم اور جنتِ نعیم ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ اغیار سے نجات پائے۔ پھر انوارِ ربانی اور تجلیاتِ حقانی کے میدان میں جہاں چاہے جائے۔

؎ گرچہ زندانست بر صاحب دلاں
ہر کجا بوئے ز وصل یار نیست
ہیچ زنداں عاشق محتاج را
تنگ تر از صحبت اغیار نیست

ترجمہ:۔ جہاں وصالِ یار نہ ہو وہ صاحب دلوں کے نزدیک قید خانہ ہے۔ عاشق محتاج کو اس سے بڑھ کر قید اور کیا ہوگی کہ جہاں اُسے اغیار کے ساتھ گذارہ ہو۔"

سبق سالک پر لازم ہے کہ راہِ سلوک پر گامزن رہے اور غیر کی دوستی سے نجات پائے تاکہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔

(**سبق دیگر**) عاشق صادق صرف اپنے معشوق حقیقی کی عبادت کرتا ہے اور دُنیا و آخرت کے

گورکھ دھندوں سے دُور رہ کر صرف اپنے محبوب کے وصال کا طالب رہتا ہے۔ اُسے سوائے اس محبوب کے کسی غیر سے کام نہیں۔

عاشق کہ زہجر دوست دادی خواہد
یا بردر وصلش ایستادے خواہد
ناکس تراز دکس بنود در عالم
کز دوست بجز دوست مرادے خواہد

ترجمہ :- وہ عاشق محبوب کے ہجر سے نجات اور اُس کے حضور وصال کا طالب ہے اِس سے بڑھ کر نالائق کوئی نہ ہوگا جو کہ دوست کے سوا دوسروں سے مُراد مانگتا پھرے۔"

یہ بہت بڑا مقام اور بلند مرتبہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ مقام نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَتَمَنَّوْا۔ اور آرزو مت کرو۔ التمنی بمعنی الشیٔ معلوم یا مظنون کے لئے ارادہ کرنا کہ کسی طریق سے وہ حاصل ہوجائے۔ مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اُس کی جو کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ یعنی تمہارے اُوپر لازم ہے کہ تم آرزو نہ کرو اُس کی جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو اُمورِ دینویہ میں سے عطا فرمائے ہیں۔ مثلاً تمہارے بعض کو جاہ و مال و منال و دیگر وہ چیزیں عنایت فرمائیں کہ تمہیں اُن کی خصوصیت سے رغبت ہے۔ اس لئے کہ یہ تقسیم ربانی ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کے احوال کے مطابق لائق تدبیر سے تقسیم فرمائی ہے۔ اُنکے مختلف احوال اچھے یا بُرے کے لحاظ سے اُن کی تقسیم کی ترتیب دی ہے جنہیں اپنی قسمت میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ اُنہیں چاہیئے کہ راضی برضائے الٰہی ہوں جو اُن کی قسمت میں لکھا تھا مل گیا۔ اِس سے زائد کی آرزو نہ کریں اور نہ ہی اس تصوّر میں رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو ہم پر کیوں فضیلت دی ہے اور نہ ہی اس پر حسد کریں اسلئے کہ اس طرح سے تو قادر قدیر کی قدرت کے ساتھ مقابلہ کا پہلو نکلتا ہے۔ قسمت کی تقسیم مختلف صورتوں کی طرح ہیں۔ جیسے مختلف صورتوں کے بنانے میں اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ اور نہ ہی اُس کے بھید و اسرار کو کوئی جانتا ہے اِسی طرح اس کی تقسیم پر بھی اعتراض نہیں اور نہ ہی اس کی کنہ کو کوئی پہنچ سکتا ہے۔

شانِ نزول

جب اللہ تعالیٰ نے مسئلہ میراث میں مردوں کا حصّہ عورتوں کے حصّہ سے دوہرا مقرر فرمایا تو عورتوں نے کہا کہ یہ تقسیم کیسی جبکہ ہم مردوں کی بہ نسبت محتاج تر ہیں۔ فلہٰذا ہمارا مردوں سے دوہرا حصّہ ہونا چاہیئے۔ اِس لئے کہ ہم نہایت کمزور ہیں اور مرد زیادہ قوی اور طلبِ معاش پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ اِس پہ آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ نہی مذکور کی علّت آیت ذیل میں بتلانے سے بھی زیادہ

مناسب معلوم ہوتی ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط مردوں کے لئے حصّہ ہے اس سے جو اُنہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے وہ حصّہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے۔" اس میں تصریح ہے کہ دونوں فریقوں یعنی مَردوں اور عورتوں کے درمیان آرزو کا سلسلہ یوں جاری ہُوا یعنی ہر ایک فریق یعنی مَردوں اور عورتوں کے لئے میراث کا حصّہ مُعیّن اور مُقدّر مِن اللہ ہے۔ ہر ایک کو اِتنا قدر ملے گا جتنا اس کی استعداد ہے۔ اور اسے اکتساب سے تعبیر کرنے میں استعارہ تبعیہ ہے کہ حال (جو کہ اپنے حصّے کا مقتضی ہے) کو اکتساب سے تشبیہہ دی گئی ہے اس میں اُن کے حصص کے حصُول کی تاکید ہے کہ وہ اپنے حصص کے واقعی مستحق ہیں۔ اس میں ان کے لئے تائید مطلوب ہے کہ وہ اپنے حصص میں ایسے مستحق ہیں کہ اُن کے ساتھ کسی دوسرے کو اشتراک کا وہم تک بھی نہیں۔ یہی وہ باتیں ہیں کہ نہی مذکور کی ممانعت کا سبب ہیں۔ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ط اور اللہ تعالےٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔" یعنی دوسروں کا حصّہ جو اُن کے لئے مخصوص ہُوا ہے اُس کی آرزو نہ کرو۔ ہاں اللہ تعالےٰ کی ان نعمتوں کا سوال کرو کہ جن کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی اس کے خزانے میں کوئی کمی ہے اور وہ تمہیں اس سے عطا بھی کرے گا کیونکہ اس میں کسی دوسرے کا اشتراک نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ط بے شک اللہ تعالےٰ ہر شئ کو خوب جانتا ہے۔" یعنی ہر انسان کہ وہ جس کا مستحق ہے اُسے اللہ تعالیٰ خُوب جانتا ہے۔ اِس بناء پر اُس کا فضل علم و حکمت پر مبنی ہے اور اُس کے سامنے ہر بات واضح تر ہے۔

حدیث شریف لوگ جب تک مختلف الحال میں بھلائی بہر رہیں گے۔ جب حال میں برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہوں گے وہ اس لئے کہ حال کی برابری سے دُنیا کے نظم و نسق میں خلل پڑ جائے گا۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف مراتب پر مغموم نہ ہونا چاہیئے کہ بعض کو امیر بنایا گیا ہے اور بعض کو بادشاہ، بعض کو امیر اور بعض کو رئیس اور بعض کو مصنوعات کا ہُنرمند وغیرہ وغیرہ کہ اِس طرح سے دُنیا کا نظام بہتر رہتا ہے۔

فائدہ سعادت کے مراتب یا نفسانی ہیں جیسے ذکاء تام اور حسّ کامل اور وہ معارف جو دوسروں سے کمیت و کیفیت میں زائد ہیں۔ اسی طرح عفّت و شجاعت وغیرہ وغیرہ یا وہ مراتب سعادتِ بدنیہ ہیں جیسے تندرستی و جمال اور عمر طویل میں لذّت و رونق وغیرہ کا حصُول وغیرہ وغیرہ۔ پھر وہ یا خارجیہ ہیں جیسے کثرتِ اولاد اور وہ بھی نیکبخت اور کثرت عشائر اور کثیر التعداد دوست و معین و مددگار کی کثرت اور حصُول ریاست تامہ اور باثر گفتگو اور لوگوں کے دلوں پر حکومت اِن میں ذکر خیر کا اثر اور مجموعہ سعادات یہی اُمور ہیں۔ پھر جب کوئی انسان کسی دوسرے میں یہ فضائل پاتا ہے اور اپنے

اندر ان سب سے یا بعض سے محرومی یا خامی دیکھتا ہے تو اس کا دِل چونک پڑتا ہے اور پریشانی کا شکار ہو کر دو بیماریوں میں مُبتلا ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ سعادات اس انسان سے چھین جائیں یا اُس سے زائل ہونے کی آرزو تو نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور چاہتا ہے کہ وہی سعادات، اسے بھی نصیب ہو جائیں۔

پہلی بیماری کا نام حسَد ہے اور یہ مذموم ہے اِس لئے کہ خالق کائنات اور مُدبّرِ عالم جلّ جلالہٗ کا مقصدِ اوّل یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے احسانات اور فضل و کرم سے مالا مال کرے اور قسم و قسم کے الطاف اور نعمتوں سے نوازے۔ لیکن جب کوئی یہ سعادات کسی سے زائل ہونے کی آرزو کرتا ہے تو وہ گویا خالق کائنات اور مدبّرِ عالم جلّ جلالہٗ پر اعتراض کرتا ہے کہ اس مالک نے جو کچھ کیا (معاذ اللہ) غلط کیا۔

حسَد کی بیماری کا سبب ایک یہ بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات اِن سعادات کا اہل صرف انسان اپنے آپ کو ہی سمجھتا ہے اور دوسرے کو ان سعادات کے لائق نہیں مانتا تو یہ بھی منجملہ غلطیوں کے اس کی ایک غلطی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی حکمت سے (معاذ اللہ) غلطی ہوئی ہے یہ ہر دونوں اوہام کفر کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ اور بدعات کے ظلمات دِل پر چھا جاتے ہیں اور نورِ ایمانی سلب ہو جاتا ہے اور جیسا کہ حسَد دینی اُمور میں فساد ڈالتا ہے ایسے ہی دنیوی کاروبار میں بھی نقصان پہنچاتا ہے کہ جس پر حسَد کیا جاتا ہے اس کی محبت و دوستی ختم ہو جاتی ہے بلکہ ایک دوسرے سے بُغض عداوت پیدا ہو جاتی ہے اسلئے اِن تمام اُمور سے اللہ تعالیٰ نے روکتے ہوئے فرمایا وَلَا تَتَمَنَّوْا الخ

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ تقدیرِ الٰہی کے سامنے ہر وقت سَر جھکائے رکھے۔

حدیث قدسی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے مالکِ حقیقی سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا جو شخص میری تقدیر کے سامنے سَر جُھکاتا ہے اور میری آزمائش پر صبر کرتا ہے اور میری نعمتوں کا شکر بجالاتا ہے تو مَیں اُسے صدّیقوں میں لکھوں گا اور قیامت میں اُسے صدّیقین کے ساتھ اُٹھاؤں گا۔ اور جو شخص میری تقدیر پر راضی نہیں اور میری آزمائش پر صبر نہیں کرتا اور میری نعمتوں کا شکر یہ نہیں کرتا تو پھر اُسے چاہیئے کہ میرے سوا کوئی دُوسرا رَب تلاش کرے۔

؎ حاشا کہ مَن از جور و جفائے تو بنالم
بیداد لطیفاں ہمہ لطفست و کرامت

ترجمہ:۔ "پناہ بخدا کہ مَیں تیرے ظلم و جفا سے گریہ کروں۔ مہربانوں کا بیداد بھی لطف و کرم ہوتا ہے۔"

مسئلہ:۔ یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی شخص کسی کی زوال نعمت کی آرزو کرے تو عند اللہ جرم ہے۔

اُس کی تائید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضرت ابن سیرین نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کے نکاح پر نکاح کی دعوت نہ دو اور نہ ہی کسی کی تجارت پر رقم کا اضافہ کر کے سودا بگاڑو۔ اور نہ ہی کسی عورت کو چاہیئے کہ اپنی بہن کی طلاق طلب کر کے خود اُسی کے شوہر سے نکاح کرے اس لئے کہ سب کا رازق اللہ تعالیٰ ہے۔

فائدہ اُن تمام اُمور میں نہی سے حسد کی ممانعت میں مُبالغہ مطلوب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کی زوال کی تمنّا تو نہ ہو لیکن یہ تمنّا ضرور ہو کہ اس جیسی نعمت مجھے بھی نصیب ہو تو اُسے بعض عُلمائے کرام نے جائز رکھا ہے لیکن محققین کا کہنا ہے کہ یہ بھی نہ چاہیئے اس لئے کہ بعض اوقات وہی نعمت اُس کے لئے فساد فی الدّین کا سبب بن جاتی ہے۔ بلکہ دُنیا میں بھی اُسے سخت نقصان پہنچاتی ہے اسی بنا پر بعض محققین نے فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ یوں دُعا نہ کرے کہ یا اللہ تعالیٰ مجھے فلاں شخص جیسی بلڈنگ یا عورت عطا فرما دے۔ بلکہ یوں عرض کرے کہ یا اللہ تعالیٰ مجھے وہ عطا فرما جو میرے لئے دین و دُنیا اور آخرت اور معاش مُفید ہو۔

فائدہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ مال و دولت کی دُعا نہ مانگے اِس لئے کہ بسا اوقات وہی مال و دولت اُس کے لئے ہلاکت و تباہی و بربادی کا سبب بن جاتا ہے جیسے ثعلبہ کے لئے مال ہلاکت اور تباہی و بربادی کا سبب بنا۔ یہی مُراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی سے کہ فرمایا وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا سوال کرو۔

اگر انسان غور و فکر سے کام لے تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی بھلائی کے لئے یہ حکم دُعا کے لئے فرمایا ہے یعنی رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً " اے ہمارے پروردگار ہمیں دُنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرما۔" اِس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت شیخ کمال الدّین قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَلَا تَتَمَنَّوْا الخ یعنی مت آرزو کرو اُن مراتب کی جو اللہ تعالیٰ تمہارے بعض کی استعداد اولیٰ کے مُطابق اُسے کمالات سے مُزیّن فرمایا ہے اسلئے کہ ہر ایک کی استعداد نے ازل میں ہویت کے ساتھ تقاضا کیا اور اس سعادت کی طلب کی جو اُس کے مناسب تھی اور صرف اس سے ہی مخصوص تھی۔ اِس بنا پر اس استعداد کا حصُول دوسرے کے لئے محال ہوتا ہے۔ اِسلئے اسے تمنّی سے تعبیر فرمایا ہے کہ جس کا استعمال

عموماً ممتنعات پر ہوتا ہے جبکہ اس کا سبب طالب کے لئے ممتنع ہے لِلرِّجَالِ سے وہ حضرات مُراد ہیں جو واصل باللہ ہوتے ہیں۔ مِمَّا اکْتَسَبُوْا الخ سے مُراد وہ ہیں جنہیں استعداد اصلی کے نور سے سعادات نصیب ہوئیں۔ اور لِلنِّسَاءِ سے مُراد وہ لوگ ہیں جو وصول الی اللہ سے ناقص و قاصر رہے۔ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ یعنی جنہوں نے اپنی ناقص استعداد کے ذریعے حاصل کیا۔ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ۔ اور اللہ تعالیٰ سے وہ اضافۂ کمال طلب کرو جو تزکیہ کے ذریعے تمہاری استعداد کا مقتضی ہے جو تمہارے دلوں میں صفائی پیدا کرے یہاں تک کہ اُس کے اور تمہارے درمیان کے پردے اُٹھ جائیں ورنہ تم ہمیشہ کے لئے مجوب ہو کر محرومی کا پٹہ گلے میں پہن لوگے۔ اور مہجوری کی آگ میں جلتے رہوگے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی ہر وہ اشیاء جو تم سے مخفی ہیں اور تمہاری استعداد بالقوّۃ تم سے پوشیدہ ہے عَلِيْمًا۔ انہیں وہ کریم جانتا ہے۔ پھر جب تم اُس کے طلبگار ہوگے تو وہ تمہاری استعداد کے مطابق تمہارے لئے ظاہر فرمائے گا۔ چنانچہ فرمایا کہ :۔ وَاٰتَاكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (وہ تمہیں وہی عطاء فرمائے گا جو تم اپنی استعداد کی زبان سے طلب کروگے)۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی اِس سے اپنی استعداد کے مطابق مانگتا ہے وہ اُسے عطاء فرماتا ہے چنانچہ فرمایا اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ "میرے سے مانگو میں تمہاری دُعا قبول کر دوں گا"۔ اِس تقریر سے معلوم ہوا کہ وَلَا تَتَمَنَّوْا الخ ممتنع اور محال کے سوال سے روکا گیا ہے کہ وہ استعدادِ ازلی کے لحاظ سے بندہ کے حال سے بُلند و بالا اور اُس کے لئے محال و ممتنع ہے۔ اور وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ میں اِس فضل و کمال کے سوال کی ترغیب ہے جو انسان کے لئے ممکن ہے۔ اِس کا ضرور اور ہر حال سوال کرے تاکہ وہ فضیلت انسانی کے اعلیٰ مرتبہ سے محروم نہ جائے۔ اس لئے کہ بعض مراتب حاصل ہوں جو خزانہ استعدادِ ازلی میں مخفی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اس کے فضل کا طلبگار رہے کہ وہ ہر بندے کی سُنتا ہے اور ہر ایک دُعا قبول فرماتا ہے۔ وہی ہدایت و ارشاد کا مالک ہے۔ جو بھی اس سے کچھ مانگتا ہے تو وہ بے دریغ عنایت فرماتا ہے۔ اور قاعدہ ہے جو شخص جس شے کو چاہتا ہے وہ اُسے ضرور ملتی ہے اور کسی کا دروازہ کھٹکایا جائے تو ضرور ایک روز جواب ملتا ہے بلکہ اس میں داخل ہونے کی بازیابی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت مولانا جلال الدّین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا :۔

چوں در معنےٰ زنی بازت کنند	پر فکرت زن کہ بشہبازت کنند
چوں زچاہے میکنی ہر روز خاک	عاقبت اندر رسی با آبِ پاک

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے ۔۔۔ عاقبت زاں در بروں آید سرے

در طلب زن دائماً تو ہم درست ۔۔۔ کہ طلب زراہ نکو رہبر است

ترجمہ :- " جب تُو کسی حقیقت کا دروازہ کھٹکائے گا تو تیرے لئے وہ کبھی کھُلے گا۔ فکر میں رہ کبھی تجھے شہباز بنایا جائیگا۔ جب کسی کنوئیں سے مٹی ہٹاتا رہے گا ایک دن تو پانی تک پہنچ جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تُو دروازہ کھٹکٹائے گا تو اس سے ایک دن جواب پائے گا۔ ہمیشہ طلب کے دروازہ پر رہو اس لئے نیک طلب والے کو رہبر مل جاتا ہے "

تفسیر عالمانہ وَلِكُلٍّ اور ہر ترکہ اور مال کے لئے جَعَلْنَا مَوَالِيَ ہم نے وارث مقرر کئے ہیں۔ مَوَالِي مُولیٰ کی جمع ہے یعنی مختلف درجہ کے وارث کہ اس ترکہ کے مالک ہوتے ہیں اور اپنے حصص کو اپنے حقوق کے مُطابق (جو اُن کے اور مورث کے مابین متعیّن ہیں) حاصل کرتے ہیں مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اس سے جو والدین اور اقربین چھوڑ گئے ہیں یہ لِكُلٍّ کیلئے بیان ہے اگرچہ عامل کے مابین فصل واقع ہوا ہے اس کا عامل جَعَلْنَا ہے۔ اسلئے کہ وہ لِكُلٍّ جَعَلْنَا کا مفعول ثانی ہے اور اپنے عامل سے مُقدّم ہے شمول کی تاکید کے لئے اور اس وہم کے دفعیہ کے لئے ہے کہ شاید کوئی نہ سمجھے کہ جعلنا کا تعلق بعض سے ہے اور موالی سے اصحاب الفرائض والعصبات اور دیگر وہ رشتہ دار مرد ہیں جو میّت کے ترکہ کے وارث ہونگے۔ یعنی ہم نے ہر قوم سے وارث مقرر فرمائے ہیں۔ اُن کے لئے شرعی حصّے مقرر ہیں کہ ان ہر ایک کے ایک دوسرے کے حصّوں سے مختلف ہیں اِس میں سے جو اُن کے والدین واقربین نے ترکہ چھوڑا ہے۔ اِس تقریر پر جعلنا موالی لکل کی صفت واقع ہوگی اور وہ ضمیر جو اُس کی طرف راجع ہوتی ہیں وہ محذوف ہے تمام کلام مبتدا و خبر ہوگی جیسے تم کہتے ہیں لکل من خلقه الله انسانا الخ یعنی ہر ایک انسان کو جو اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کیلئے حصّہ ہے اس سے جو اللہ تعالےٰ نے اس کے مقسوم میں لکھا ہے۔

وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ اور وہ لوگ کہ جن سے تم عقد کر چکے ہو۔ اِس سے مُولیٰ الموالاۃ مُراد ہیں۔ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ ایک حلیف دوسرے حلیف کو اپنے مال کے چھٹے حصّے کا مالک بناتا تھا۔ پھر وہ واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعضٍ سے منسوخ ہوگیا۔

مسئلہ :- حضرت امام ابُوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرکے یہ شرط لگائے کہ میرے مرنے کے بعد وہی میرے مال کا مالک ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی خطا سرزد ہو تو میرا تاوان بھی اس کے ذمہ ہوگا تو یہ شرعاً جائز ہے۔ اسی پر اس کا تاوان لازم ہوگا۔ اِس کے

مرنے کے بعد وہی اس کے مال کا مالک ہوگا بشرطیکہ اُس کا اور کوئی وارث نہ ہو۔

مسئلہ:۔ مولی الموالاۃ ذوی الارحام کے بعد ہوگا۔

سوال: عقد کا اسناد ایمان یعنی سیدھے ہاتھ کی طرف کیوں؟

جواب: چونکہ عموماً عقد کے بعد قبضہ اس کے ذریعہ سے ہوتا ہے اسلئے اس کی طرف اسناد کیا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جو عقد کر چکے ہیں تمہارے سیدھے ہاتھ ان کے عہود سے یہاں عهودهم محذوف ہے اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے پھر وہ محذوف کیا گیا اور اَلَّذِیْنَ مبتدا معنیٰ شرط کو متضمن ہے اسلئے اُس کی خبر میں فاء لایا گیا ہے۔ **فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ** پس انہیں ان کا حصّہ دو یعنی اِن کا وہ حصّہ جو میراث کے طور اُن کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ** بے شک اللہ تعالٰی ہر شے یعنی تمام اشیاء پر منجملہ ان کے دینا اور نہ دینا **شَهِیْدًا** مطّلع ہے۔

مسئلہ:۔ آیت میں اُن کے حصص دینے کی ترغیب اور نہ دینے پر تہدید ہے۔

فائدہ:۔ بعض نے کہا ہے کہ الذین عقدت ایمانکم سے خلفاء مُراد ہیں اور فَاٰتُوْهُمْ نصرت و نصیحت اور عیش و عشرت میں صفائی اور معاشرہ میں خلوص مُراد ہے۔

سبق ہر مؤمن پر ضروری ہے کہ وہ اپنے بھائی مُسلمان کا تعاون کرے اور اس کے ساتھ نیک مُعاشرہ اور صلح و صفائی سے گذارے اور اس سے خلوص پیدا کرے نہ یہ کہ اُس سے مُنافقت اور عداوت سے پیش آئے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "مؤمن کی آپس میں محبت و شفقت اور لطف و کرم کی مثال ایک جسم جیسی ہے کہ ایک عضو کو دُکھ تکلیف پہنچے تو تمام جسم کو بے آرامی و بے قراری ہو اور تمام دِن اور رات نیند آنکھ سے نکل جائے"۔ ؎

؎ بنی آدم اعضائے یکدگر اند	کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چوں عضوے بدرد آورد روزگار	دگر عضو ہارا نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی	نشاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ:۔ "بنی آدم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں اسلئے کہ تخلیق میں ایک جوہر سے ہیں۔ جب زمانہ بدن کے ایک عضو کو درد پہنچاتا ہے تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں ہوتا۔ اگر تُو دوسروں کے درد سے بے غم ہے تو چاہیئے کہ تیرا آدمی نام نہ ہو"۔

اسباق (۱) سالک پر واجب ہے کہ جو کچھ اپنے لئے بھلائی چاہے دوسروں کے لئے بھی وہی چاہے۔ ہر معاملہ میں اُن کے لئے خیر خواہی کرے اسلئے کہ اہلِ اسلام کیلئے خیر خواہی دین کا ستون ہے۔

(۲) سالک کو چاہیئے کہ اپنے سے ان عادات کو دُور کرے جو اہلِ اسلام کو ایذا پہنچائیں۔ ہاں انہیں نیکی کے لئے زجر و توبیخ کر سکتا ہے یعنی جو چیزیں ان کیلئے نامناسب ہیں اُن سے انہیں وعظ و نصیحت کر کے روک سکتا ہے لیکن رحمت و شفقت سے اُن کے ساتھ معاملہ رکھے۔

(۳) کسی کی کوئی ایسی بات نہ کرے کہ جس سے اُسے ناگواری ہو اسلئے کہ اللہ تعالےٰ کا ایک فرشتہ مقرر ہے جو کہ کسی کی کوئی ناگوار بات کہی جائے تو وہ فرشتہ اسے اسی طرح کہتا ہے۔

(۴) نہ ہی کسی کی تکلیف اور مصیبت سے خوشی کا اظہار کرے۔

سے مکن شادی بمرگ کسے   کہ دہرت نماند پس از وے بسے

ترجمہ:۔ "کسی کی موت سے خوش نہ ہو اسلئے کہ اس کے بعد تُو نے بھی نہیں رہنا۔"

(۵) لوگوں سے احسان و کرم سے پیش آئے۔ نیک ہے یا بُرا وہ احسان و کرم کا اہل ہے یا نہیں۔

(۶) لوگوں کی غلطیوں اور اُن کی دَرد و تکلیف رسانی پر صبر کرے اس سے ہی جوہرِ انسانی کا اظہار ہوتا ہے۔ سے تحمل چو زہرت نماید نخست   ولے شہد گردد چو در طبع رست

ترجمہ:۔ "حوصلہ پہلے تو تجھے زہر محسوس ہو گا لیکن جب طبع میں رچ جائیگا تو تجھے میٹھا لگے گا۔"

(۷) کوئی اُسے گالیاں دے یا اس پر ظلم کرے یا ایذا پہنچائے تو معاف کر دے۔

(۸) کسی سے ایذا کے بچنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ یہ محال ہے اسلئے کہ خلق خُدا اللہ تعالےٰ کو نہیں چھوڑتی پھر اُس کے بندے کیلئے شے ہیں۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے عرض کی کہ یا اللہ تعالےٰ جو عیوب میرے اندر نہیں میں تیرے سے سوال کرتا ہوں کہ تیری مخلوق میری بدگوئی نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جو بات میں نے اپنے لئے نہیں بنائی تجھے کیسے بَری الذّمہ کر سکتا ہوں۔ جب مخلوق مجھے نہیں چھوڑتی تو تمہیں کیسے چھوڑے گی۔

(۹) لوگوں کی حاجت براری میں کمی نہ کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے مُسلم بھائی کی حاجت براری کرتا ہے اور وہ اُس کا اہل بھی ہے تو گویا اس نے اللہ تعالےٰ کی ہزار سال عبادت کی۔

(۱۰) دردمند کی تکلیف دُور کرنے کی کوشش کرے اور اس کے غم والم دُور کرے۔ اسلئے کہ اللہ تعالےٰ ہر اُس بندے کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ یہ بھی موجباتِ مغفرت سے ہے کہ جو شخص اپنے بھائی مُسلم کے دِل میں راحت و سُرور کا سامان بہم پہنچائے۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اَلَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی وہ لوگ جنہوں نے خود کو تمہارے ایمان کے مطابق بنایا اور انہوں نے تمہارے ہاتھوں پر سچّے دِل سے توبہ کی ہے تو تمہارے اوپر حق ہے کہ انہیں اچھی نصیحت کرو۔ اور انکی تربیّت میں کسی قسم کی کمی نہ کرو۔ اُن کے اُمور میں اہمیّت دو اور اُن کے مصالح میں خامی نہ کرو جیسا کہ مشائخ کا طریقہ اور اُن کے سلوک کا لازمہ ہے انہیں ان کا وہ حصّہ دو جو اللہ تعالےٰ نے تمہارے ہاں اُن کے لئے امانت رکھی ہے۔ علم ہو یا حکمت بیشک اللہ تعالےٰ تمہاری تمام نعمتوں کو جانتا ہے اور اُسے جانتا ہے کہ وہ کس کی امانت ہے وہ سب پر مطلع ہے قیامت میں سب کی گواہی دیگا۔ جبکہ وہ دینے میں خیانت کرے اور اُن کی خیانت کی بیماری کو جانتا ہے۔ اور قیامت میں اس خیانت کے متعلق اُن سے سوال کرے گا۔ اور تمہاری امانت کی گواہی دیگا اور اس پر تمہیں بہتر جزار دیگا۔ پس کامل وہ لوگ ہیں جو امانتوں کی ادائگی میں خیانت نہیں کرتے۔ بلکہ جنہیں وہ امانتیں سپرُد کرنی ہیں انہیں پورے طور پر اور صحیح سالم لوٹا دیتے ہیں۔ جیسے کہ اُن کی استعداد ہوتی ہے اور نااہل کے سامنے راز افشانی بھی نہیں کرتے اور ایسے اسرار پر ایسے لوگوں کو باخبر کرتے ہیں جو اُن کی صلاحیت ولیاقت اور اہلیّت رکھتے ہیں ورنہ یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہے کہ نااہلوں کو ایسے اسرار سمجھائے جائیں۔ حضرت مولانا جلال الدّین رومی قدس سرّہ نے فرمایا۔

۱۔	عارفانکہ جام حق نوشیدہ اند	رازہا دانستہ و پوشیدہ اند
۲۔	ہر کرا اسرار کار آموختند	مہر کردند و دہانش دوختند
۳۔	بر لبش قفلست و در دِل رازہا	لب خموش و دل پراز آوازہا
۴۔	گوش آنکس نوشد اسرار جلال	کو چو سوسن صد زبان افتاد و لال
۵۔	تا نگوید سرّ سُلطان را بکس	تا نریزد قند را پیش مگس
۶۔	در خور دریا نشد جز مرغ آب	فہم کن وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

ترجمہ: (۱) جن عارفین نے جام حق نوش فرمایا ہے وہ راز کو جاننے کے بعد پوشیدہ رکھتے ہیں۔

باقی صـ۴۲ پر

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ
بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا
حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي
الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ
اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ
ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ ۙ الَّذِيْنَ
يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ ۚ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ
مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ
عَلِيْمًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا
وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ
وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا
الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝ ع

ترجمہ: مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لیے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے
کہ مردوں نے اُن پر اپنے مال خرچ کئے تو نیک بخت عورتیں ادب والیاں ہیں۔ خاوند کے پیچھے حفاظت

رکھتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا ہے ۔ اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور اُن سے الگ سوؤ اور انہیں مارو ۔ پھر اگر وہ تمہارے حکم پر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو بے شک اللہ بڑا بلند ہے ۔ اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل پیدا کر دے گا ۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنے باندی غلام سے ۔ بیشک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا جو آپ بخل کریں اور اوروں سے بخل کے لئے کہیں اور اللہ نے جو انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپائیں اور کافروں کیلئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اللہ اور نہ قیامت پر ، اور جس کا مصاحب شیطان ہوا اور تو کتنا برا مصاحب ہے ۔ اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لاتے اللہ اور قیامت پر ، اور اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے اور اللہ ان کو جانتا ہے ، اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے ۔ تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں ۔ اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی ، کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کر دی جائے اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے ۔

تفسیرِ عالمانہ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ مرد عورتوں کے امورِ ضروریات کے منتظم ہیں ۔ اور انہیں خرابیوں سے روکنے والے ہیں ۔ جیسے حکام رعیت

بقیہ صفحہ ۴۰

(۲) جنہوں نے اسرارِ الٰہیہ سیکھ لئے انہوں نے لبوں کو مہر مار کر راز بتانے سے منہ کو سی لیا ۔

(۳) دل میں ان کے راز پوشیدہ لیکن لبوں پر مہر ہے ۔

(۴) وہ کان اسرار سے سرفراز ہوتا ہے جو سوسن کی طرح سو زبان رکھنے کے باوجود گونگے ہو جاتے ہیں ۔

(۵) تاکہ وہ کسی کو بادشاہ کے راز نہ بتا سکے تاکہ وہ کھانڈ پکھی کے آگے نہ ڈال سکے ۔

(۶) دریا کے لائق صرف مرغابی دریائی جانور ہے اور بس اِسے اچھی طرح سمجھ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ الصَّوَاب ۔"

کے اُمور کا انتظام کرتے ہیں اور اُنہیں حدِ اعتدال پہ رہنے کے لئے ان پر مُسلّط رہتے ہیں اس کے متعلق دوؔ علّتیں بتائی ہیں۔ وہبی اور کسبی۔ وہبی تو یہ ہے کہ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ (بسبب اِس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے)۔ یہ ضمیر بارز تغلیباً ہر دونوں (مردوں اور عورتوں) کے لئے ہے یعنی اللہ تعالےٰ نے مَردوں کو عورتوں پر حزم و عزم اور قوّت اور مُروّت اور حصُولِ رزق کے اسباب اور تیر اندازی اور شجاعت وسخاوت اور نکاح کی طلبگاری کا سلیقہ اور لکھائی کا طریقہ اور دیگر وہ ضروری اسباب جو مَردوں کے عورتوں پر فوقیّت پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرے وہ عادات جو جوامع السّادات کو شامل ہیں۔ اور وہ صرف مَردوں سے مخصوص ہیں اور کسی پر نہیں۔

وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ۔ اور ساتھ اس کے کہ مَرد اپنے اموال سے عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یعنی بسَبب مَردوں کے عورتوں کے نکاح میں اپنے اَموال خرچ کرنے کے مثلاً حق مَہر دینا اور اُن کا خرچ ادا کرنا۔

مسئلہ :- اِس سے ثابت ہُوا کہ مَردوں پر عورتوں کا خرچ دینا واجب ہے۔

شانِ نزُول مَروی ہے کہ حضرت سَعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ (جو انصار کے نقباء میں تھے) نے اپنی زوجہ کو طمانچہ مارا۔ اس کا والد شکایت لیکر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس سے قصاص لیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل ہوئی حضور علیہ السّلام نے فرمایا۔ ہمارا ارادہ کچھ اور تھا لیکن اللہ تعالےٰ نے جو فرمایا ہے اس میں ہماری بہبُودی اور بہتری ہے اِسی لئے طمانچہ وغیرہ کا کوئی قصاص نہیں۔ نفس اور باقی قصاص کے احکام کُتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

فَالصّٰلِحٰتُ اِن میں جو نیک عورتیں ہیں قٰنِتٰتٌ اللہ تعالےٰ کے احکام کی پابند ہیں اور اپنے شوہروں کی بھی فرمانبردار ہیں۔ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ حفاظت کرنے والی ہیں غیب کی۔ یعنی اُن اُمور کی حفاظت کرتی ہیں جو شوہروں کے غائب ہونے پر اُن کی حفاظت اُن پر واجب ہے۔ مثلاً اپنی فروج اور اموال اور گھروں کو غیروں سے بچاتی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ بہترین عورت وہ ہے جو جب شوہر دیکھے تو اُسے خوش کرے اور جب کوئی حکم کرے تو فوراً بجا لائے اور جب شوہر گھر نہ ہو تو اس کے مال و نفس کی نگرانی کرے اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

فائدہ مال کی عورت کی طرف اضافت کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مال میں تصرف کی حیثیت سے مرد کا تصرف گویا عورت کا تصرف ہے۔ **بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ** ساتھ اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی ہے۔ یہ **مَا** مصدر یہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا اُن کی حفاظت کرنا۔ مثلاً انہیں غائبانہ محفوظ رہنے کا حکم کرنا پھر اُس کی حفاظت پر وعدہ دے کر ترغیب دینا اور اس کی وعید سُنا کر ڈرانا پھر اُس پر عمل کرنے کی توفیق بخشنا۔ یا **مَا** موصولہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس کے عوض کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت فرمائی کہ حق مہر اور خرچہ دینے کا حکم فرمایا ہے اور مردوں پر واجب فرمایا کہ عورتوں کے اُمور کا انتظام کریں اور اُن سے تکالیف وغیرہ دفع کریں۔ **وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ** ، اور وہ عورتیں کہ جن کی بے فرمانی کا تمہیں خطرہ ہے۔ یہ خطاب مردوں کو ہے اور انہیں عورتوں کے انتظام کا طریقہ سمجھایا جا رہا ہے۔

فائدہ خوف ایک حالت کا نام ہے جو انسان کو کسی امرِ مکروہ کی وجہ سے عارض ہوتی ہے یا وہ اِس کے گمان سے ایسا ہوگا یا اس کے علم میں ہوگا کہ یہ شے مکروہ مجھے عارض ہو گی یا اُسے اِن دونوں طریقوں سے کسی ایک طریق سے معلوم ہو۔ یعنی تمہیں گمان ہو کہ عورتیں تمہاری بے فرمانی کریں گی یا تمہاری فرمانبرداری سے تکبر اور سرکشی کریں گی **فَعِظُوْهُنَّ** تو اُنہیں ترغیب و ترہیب کر کے نصیحت کرو۔ حضرت امام ابُومنصور رحمہُ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَعظ سخت قلوب کو نرم کرتا ہے اور متنفر طبائع کو ترغیب دیتا ہے۔ انجام و نتائج کی تذکیر کا نام وَعظ ہے۔

وَاهْجُرُوْهُنَّ اور اُنہیں اس کے بعد چھوڑ دو۔ یعنی اگر انہیں وعظ و نصیحت نفع نہ دے **اَلْهَجْر** بمعنے کسی کو غصہ و رنج ظاہر کر کے چھوڑ دینا **فِي الْمَضَاجِعِ** بستروں میں یعنی انہیں اپنے لحافوں میں داخل نہ کرو۔ اور مضاجع مضجع کی جمع ہے۔ نیند کے لئے کروٹ رکھنے کی جگہ کو مضجع کہتے ہیں۔ **وَاضْرِبُوْهُنَّ** اور انہیں مارو لیکن دائمی طور پر نہیں بلکہ گاہے گاہے اور وہ بھی نہ اتنا کہ انہیں بیہوش کر دے یا اُن کی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے اور نہ ہی انہیں زخمی کیا جائے۔ اُمور مثلاً نہ ی تربیت کا خیال ملحوظِ خاطر رہے **فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ** پس وہ اگر تمہارا کہا مان جائیں جو اصلی مقصود ہے **فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا** تو اُن پر کوئی راہ طلب نہ کرو۔ توبیخ اور اذی وغیرہ نہ پہنچاؤ۔ یعنی اس کے بعد اُن کے پیچھے نہ لگ جاؤ اور انہیں ایسے سمجھو کہ گویا اُن سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوا۔ اسلئے کہ توبہ کرنے کے بعد گویا گناہ ہوا ہی نہیں۔ **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا** بیشک اللہ تعالیٰ بلند ہے یعنی قدرت کے لحاظ سے ان عورتوں پر تمہارے سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔

کَبِیْرًا بڑا ہے تمہارے اوپر حکم کے لحاظ سے اعظم ہے یعنی بہ نسبت تمہارے تمہاری عورتوں کے لئے بڑی قدرت رکھتا ہے۔ فلہذا اُس سے ڈرو اور جب وہ اپنی غلطیوں سے باز آجاتی ہیں تو تم اُنہیں معاف کردو۔ اسلئے کہ تم بھی بلند شان اور بڑی سلطنت والے ربّ کی بے فرمانی کرتے ہو لیکن جب تم گناہوں سے توبہ کرتے ہو تو وہ تمہیں معاف کر دیتا ہے تمہیں بھی چاہیئے کہ تم بھی اپنے نافرمان کو معاف کردو جبکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے۔

مسئلہ:۔ کتاب شرعہ اور اس کی شرح میں ہے کہ جب کوئی اپنی عورت سے معلوم کرلے کہ وہ گناہ کرتی ہے یا جھوٹ بولتی ہے یا کسی فاش غلطی کا ارتکاب کرتی ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اُسے طلاق دے دے۔ اور اگر صبر کر کے اس کے ساتھ گذارے اور اُسے اپنے حقِ زوجیّت میں رکھے تو بھی جائز ہے۔

حکایت مروی ہے کہ ایک شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میری عورت ہر غیر محرم سے میل جول رکھتی ہے باوجودیکہ میں روکتا ہوں تو وہ نہیں رُکتی۔ آپ نے فرمایا اُسے طلاق دیدے۔ عرض کی یہ میرے سے نہ ہوسکے گا۔ اسلئے کہ مجھے اُس سے بے پناہ محبّت بھی ہے آپ نے فرمایا اُسے اپنے پاس رکھ۔

فائدہ یہ آپ نے اسلئے فرمایا کہ اس مَرد کے لئے خطرہ تھا کہ اگر وہ اُسے طلاق دے دیگا تب بھی محبّت کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ اس فساد کو دفع کرنے کیلئے آپ نے فرمایا کہ اسے حقِ زوجیّت میں رہنے دے تاکہ اُس سے دُوری کی وجہ سے جو اُسے تنگی پیدا ہوگی طلاق سے یہی بہتر ہوا کہ وہ اُسے اپنے پاس رکھے۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ مَردوں کو ضروری ہے کہ وہ عورتوں کی ہر تکلیف کو برداشت کریں۔ لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ فاحشات پر صبر کرے اور وہ دیوث بے غیرت بنا رہے جیسا کہ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ:۔

؎ گر بداز کفش در دہاں نہنگ　　مردن بہ از زندگانی بہ ننگ

ترجمہ:۔ "اس کی غلیظ بکواسات سے روتا ہے تو ایسے جینے سے مَرنا بھلا"۔

حکمت کی باتیں بعض عُلمائے کرام نے فرمایا کہ عورت کی ایک دُکھ درد کی بات کو برداشت کرنا دراصل بیسؔ دُکھ درد برداشت کرنے ہیں۔ مثلاً (۱) بچّہ کی مارکٹائی سے نجات ملے گی۔ ۲۔ ہانڈی ٹوٹنے سے بچ جائے گی۔ ۳۔ گھر میں دوسرے جانور مار سے بچ جائیں

گے۔ ۴۔ بلی فضول اشیاء رکھا جائے گی تو اس کی رکاوٹ کا سبب بحال رہے گا۔ ۵۔ مہمان کو کوچ نہ کرنا پڑے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اگر عورت کو مارا جائیگا تو گھریلو کاروبار درہم برہم ہو جائیگا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب کے سب حاکم ہو اور ہر حاکم سے اپنی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت فوت ہو جائے اور اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ بہشت میں داخل ہوگی۔

حدیث شریف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت بھی دنیا میں اپنے شوہر کو ایذا پہنچاتی ہے تو اُس کی زوجہ حور عین اُسے کوستے ہوئے کہتی ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ ہلاک کرے تو اُسے مت ایذا دے وہ تو تیرے پاس چند گھڑیوں کا مہمان ہے عنقریب وہ تجھ سے جدا ہو کر میرے ہاں آئے گا۔

بین کرنے اور دیگر بُرے اعمال کی سزا اور نیک اعمال کی جزا

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کو زبان سے گالی دیتی یا کوئی رنجش کی بات کرتی ہے تو قیامت میں اس کی زبان ستر (۷۰) گز کی بنا دی جائے گی اور پھر اُسے گردن کے پیچھے باندھ دیا جائیگا اور فرمایا اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جو عورت اپنے رب کی نماز بھی پڑھتی ہو لیکن اپنے شوہر کے لئے دُعا مانگنے سے پہلے اپنے لئے دُعا مانگتی ہے تو اُس کی نماز اُس کے مُنہ پر ماری جاتی ہے جب تک کہ وہ پہلے اپنے شوہر کے لئے دُعا نہ مانگے پھر اپنے لئے۔ پھر فرمایا اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جو عورت کسی میت کے مر جانے کے بعد اُس پر تین دن سے زائد روتی ہے تو اس کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اے عائشہ جو عورت کسی میت پر نوحہ (بین) کرتی ہے تو قیامت میں اس کی زبان ستر گز بنا دی جائے گی اور اُسے جہنم کی طرف کھینچا جائے گا اُس کے ساتھ اُس عورت کو بھی کھینچا جائے گا جو اُس کے ساتھ بین (نوحہ) کرتی تھی۔ اے عائشہ جو عورت کسی صدمہ سے اپنے مُنہ پر طمانچہ مارتی ہے اور اس صدمہ سے کپڑے پھاڑتی ہے تو اُسے قیامت میں نوح و لوط علیہما السلام کی کافر عورتوں کے ساتھ اٹھایا جائیگا پھر وہ اُس وقت ہر بھلائی سے مایوس ہو جائے گی جب اُس کی کوئی بھی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا۔ اے عائشہ! ہر وہ عورت جو قبور کی زیارت کو جاتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے۔ اِسی طرح دُنیا کی ہر خشک و تر شے لعنت کرتی ہے۔

جب تک کہ وہ اپنے گھر واپس نہیں لوٹتی اور وہ اِس اثنار میں اللہ تعالیٰ کے غضب و غصّہ میں گذارتی ہے اور اس وقت سے لیکر دوسرے روز تک اُس کی یہی حالت رہتی ہے۔ اگر وہ اس اثنار میں مر جائے تو وہ اہلِ نار سے ہوگی۔ اے عائشہ! نیکی میں بہت بڑی کوشش کر اور بہت بڑی جدّ وجہد کرتی رہ۔ اسلئے کہ تم عورتیں یوسف علیہ السلام کو دھوکہ دینے والی اور داؤد علیہ السلام کو فتنہ میں ڈالنے والی اور آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکلنے والی اور نوح و لوط علیہما السلام کی بے فرمانی کرنے والی ہو۔ اے عائشہ! حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے عورتوں کے متعلق بڑی تاکید سے وصیت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ مَیں نے گمان کیا وہ عنقریب اُن کی طلاق حرام کر دیں گے۔ اے عائشہ! مَیں ہر اُس عورت کا حامی ہوں جو طلاق نہ دی جائے۔ اے عائشہ! جو عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہوتی ہے تو اس کا ہر روز کا ثواب اِتنا ہے کہ گو یا کسی نے شب بھر نماز پڑھی اور دن کو روزہ رکھا۔ اور کسی غازی نے اللہ تعالےٰ کے راستہ میں جہاد کیا۔ اے عائشہ! ہر وہ عورت جب بچّہ جنتی ہے تو اُسے ہر وضعِ حمل پر ایک بندہ آزاد کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اے عائشہ! ہر وہ عورت جو اپنے شوہر سے حق مہر جتنا قدر معاف کرتی ہے اُسے اس عمل سے حجِ مبرُور اور عمرہ مقبول کا ثواب نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کے نئے و پرانے ظاہری و باطنی عمداً یا خطاءً اوّل و آخر تمام کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہر وہ عورت جو اپنے شوہر کے ہر دُکھ درد کو برداشت کرتی ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اللہ تعالےٰ کی راہ میں خون سے لت پت ہو جائے۔ اور فرمانبردار ذکر کرنے والی مُسلمان مومن توبہ کرنے والی عورتوں میں ہو گی۔ (روضۃ العلمار) یہ حدیث بہت لمبی ہے مَیں نے اختصاراً لکھا ہے اور بہت سا مضمون حذف کر دیا گیا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مَردوں کو عورتوں کا منتظم بنایا ہے۔ کہ عورتوں کا وجود مَردوں کے وجود کا تابع ہے۔ مَرد اصُول اور عورتیں اُن کی فروع ہیں۔ جیسے درخت ثمرہ کا فرع ہے کہ درخت ثمرہ سے پَیدا ہُوا ہے۔ اسی طرح عورتیں مَردوں کی پسلیوں سے پَیدا ہوئی ہیں۔ پس جیسے بی بی حوّار اپنی پیدائش سے پہلے دوسروں کے قیام کی محتاج تھیں کہ وہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئی اِسی لیے آدم علیہ السلام اس کے منتظم ٹھہرے اِسی طرح مَرد تمام عورتوں کے تمام دینی و دنیوی اُمور کے منتظم مقرر ہوئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ)۔ یہی وجہ ہے کہ مَرد استعدادِ کمالیت، خلافت و نبوّت سے مخصوص ہیں۔ اِسی بنا پر مَرد توالد و تناسل

کے لحاظ سے مَردوں کا وجود اصل اور عورتوں کا وجود فرع ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مَردوں میں بہت زیادہ باکمال پیدا ہوئے ہیں۔ عورتوں میں صرف آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون، اور بی بی مریم بنت عمران کامل ہوئی ہیں۔ اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے طعامِ ثرید (ایک لذیذ عربی کھانے کا نام ہے) کی فضیلت تمام طعاموں پر ہے۔

فائدہ اس کے باوجود کہ وہ بہت بڑے کمال کو پہنچی تھیں لیکن خلافت و نبوّت کی صلاحیت و اہلیّت حاصل نہ کر سکیں۔ اُن کا یہ کمال بہ نسبت عورتوں کے ہے نہ کہ بہ نسبت مَردوں کے اس لئے کہ وہ بہ نسبت مَردوں کے ناقصات عقل و دین ہیں۔ یہاں تک کہ حضورُ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی تمام عورتوں پر اتنا بہت بڑی فضیلت کے متعلق فرمایا کہ حُمیرا بی بی یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے دین کی دو تہائی حصہ دین کو حاصل کرو۔ عورتوں میں بہ نسبت مَردوں کے کمی بھی ہے اِسی لئے دین کے کمال کے حصُول کا حکم نہیں فرمایا۔ البتہ اُن کا کمال بہ نسبت عورتوں کے ہے کیونکہ یہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کا قانون ہے۔ فقیر جامع مجالس مذکورہ نفیسہ (یعنی صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ) نے کہا:۔

؎ مرد باید تا کہ اقدامی کند | در طریقت غیرت نامی کند
چون نہٗ زمردی دم مزن | چون نہٗ دلبر مگو از حُسن تن
زن کہ کامل شد ز مرداں دست برد | مرد ناقص چوں زن ناقص بمرد

ترجمہ:۔ مَرد کو چاہیئے کہ وہ ہمت کرے غیرت کے طریقہ میں نام پیدا کرے۔ اگر تجھ میں ہمّت نہیں تو دم نہ مار۔ جب تُو دلبر نہیں تو حُسن کا دَم نہ مار۔ عورت ہو کر کامل ہو جائے اور مَردوں سے بازی لے جائے تو مَرد ناقص کو عورت کی طرح ناقص ہو کر مرنا چاہیئے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ خِفْتُمْ اور اگر خوف کرو یعنی اگر تم جانو یا گمان کرو اے حاکمو۔ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا ان کے مابین اختلاف ہے یعنی زن و شوہر کے اختلاف سے تمہیں خطرہ ہے۔ اور یہ تمہیں معلوم نہیں کہ اختلاف اور نافرمانی کس سے واقع ہوئی۔ شِقاق بمعنیٰ مخالفت ہے اسلئے کہ اِن دونوں میں ہر ایک دوسرے کو چیرنا چاہتا ہے یا اس لئے کہ اِن میں ہر ایک کا شق دوسرے کے شق کے منافی ہے۔

فائدہ :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ، نے فرمایا کہ جب اِن دونوں کے اختلاف

کا یقین ہو تو پھر بھی حَکَم (بفتحتین) (فیصلہ کرنے والا) مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس وقت بھی اُن کے اختلاف کے ازالہ کی اُمید ہے نہ یہ کہ اس کے وجود بالفعل کے جاننے کیلئے حکم مقرر ہو۔ فَابْعَثُوْا پس تو کھڑے کرو۔ زوجین کی طرف تاکہ ان کا اختلاف دُور ہو جائے۔ (حَكَمًا) کوئی مَرد عادل جو اصلاح اور فیصلے کے معاملات سے واقفیت رکھتا ہو۔ مِنْ اَهْلِهٖ شوہر کے گھر والوں سے وَحَكَمًا اور دوسرا اوصافِ مذکورہ کے حامل کو مِنْ اَهْلِهَا زوجہ کے گھر والوں سے اسلئے کہ قریبی رشتہ دار اُن کے اندرونی حالات کو زیادہ جانتے ہیں اور وہ اُن کی آپس کی اصلاح کے خواہشمند بھی ہیں اور وہ اُن کی خیر خواہی بھی کریں گے۔ اُن سے انہیں تسلّی ہو گی اور صرف اُنہیں کے سامنے اُن کی آپس کی دِلی محبّت یا بُغض کا اظہار ہو سکے گا۔ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اگر زن و شوہر چاہتے ہیں۔ اِصْلَاحًا اِصلاح یعنی وہ جو اُن کا آپس میں اختلاف پیدا ہوا اُسے دُور کرنا چاہتے ہیں يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا تو اللہ تعالےٰ انہیں توفیق بخشے گا۔ یعنی زن و شوہر کے درمیان فیصلہ کنندگان کی حُسنِ تدبیر سے موافقت و اُلفت پیدا کر دے گا۔ اور اُن کی دِلوں میں مَوَدّت و محبّت ڈال دے گا۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص کسی شے کی تلاش میں اخلاص کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس کے خلوص کی برکت سے اُس کے حصُول کے لئے برکت عطاء فرمائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا بے شک اللہ تعالےٰ علیم خبیر ہے۔ یعنی وہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ اُن کا اختلاف کس طرح دُور ہو گا اور ان میں موافقت کس طرح پیدا ہو گی۔ **مسئلہ**:۔ آیت میں آپس میں اصلاح کی ترغیب ہے۔

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو نماز روزہ اور صدقہ سے افضل ہو۔ عرض کی ہاں فرمایا وہ ہے آپس میں صُلح و صفائی۔

حدیث شریف ۲ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، خبردار! دین خیر خواہی کو کہتے ہیں۔ یہ تین دفعہ فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ کس کیلئے خیر خواہی ہو۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم اور اُس کی کتاب اور مومنین کے آئمہ اور عوام کے لئے۔ اللہ تعالےٰ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ

ٹھہرائے اور اس کے اوامر پر عمل کرے اور اُس کے نواہی سے رُکے۔ لوگوں کو اس کی دعوت اور دلالت الی الخیر کرے۔ اور اُس رسُول علیہ السّلام کی خیر خواہی یہ ہے کہ اُن کی سُنّت پر عمل کرے۔ اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلائے۔ اور اس کتاب کی خیر خواہی یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے اور اُس کی تلاوت کی جاوے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے اور لوگوں کو اس کی دعوت دی جائے اور آئمہ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اُن سے بغاوت کر کے تلوار نہ اُٹھائے اور اُن کو عدل وانصاف کی دعوت دے اور لوگوں کو اُس کی رہبری کرے۔ اور عوام کی خیر خواہی یہ ہے کہ اُن کے لئے وہی چاہے جو اپنے لیے چاہے اور اُن کی آپس میں صُلح وصفائی کرائے اُن کا آپس میں جھگڑا اور لڑائی نہ ہونے دے اور اُن کے لئے ہمیشہ خیر و بھلائی کا خواہاں رہے۔

مسئلہ: مُصلحین خیر النّاس اور مُفسدین شرار الخلق ہیں اسلئے کہ یہی لوگ زمین میں دنگا فساد ڈالتے اور فتنوں کو اُبھارتے ہیں۔ فتنہ وفساد کے ازالہ کی جدوجہد نہیں کرتے۔ جیسا کہ وارد ہے کہ فتنہ نیند میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس پر لعنت بھیجے گا جو اُسے جگاتا ہے۔

ع   ازاں ہمنشیں تا توانی گریز   کہ مر فتنۂ خفتہ را گفت خیز

ترجمہ: جہاں تک ممکن ہو اُس ساتھی سے دُور ہو جو خفتہ فتنہ کو بیدار کرتا ہے۔

مسئلہ: یہ بھی منجملہ فتنہ وفساد ہے کہ ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے کہ جس سے اُن کا آپس میں جھگڑا وفساد برپا ہو۔ دانا ایسے آدمی سے دُور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ ؎

(۱) بدی در قفا عیب من کرد و خفت   تبرزو قرینے کہ آورد و گفت

(۲) یکے تیر انگندہ و در رہ فتاد   وجُودم نیاز رد و رنجم نداد

(۳) تو برداشتی و آمدی سُوئے مَن   ہمی در سپوزی بہ پہلوئے مَن

ترجمہ: (۱) جس نے پسِ پشت عیب کیا اُس کا کوئی حرج نہیں لیکن جو میرے پاس وہ عیب سنانے آیا اُس نے مجھے کلہاڑا مارا

(۲) جس نے مجھے تیر مارا تو وہ راستہ میں رہ گیا اُس نے کوئی رنج نہیں پہنچایا۔

(۳) لیکن تو لیکر آیا اور رپورٹ دی تو تُو نے ہی میرے جسم پر تیر گھونپ دیا۔

تفسیرِ صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب شیخ کامل اور مُرید ناقص کے مابین اختلاف پیدا ہو تو اُن کی اصلاح کے لیے دو طرح کے لوگ مقرّر کیے جائیں۔ ایک

طرف سے مشائخ کاملین اور دوسری طرف سے معتبر سالکین تاکہ وہ اِن دونوں کی باتیں غور سے سُنیں اور پھر تحقیق کی خاطر اُن کے حالات کا جائزہ لیں ۔ اگر دونوں کو آپس میں صلح و صفائی کا ارادہ ہو تو اللہ تعالےٰ انہیں حُسنِ ارادہ اور اچھی تربیت کی توفیق عطا فرمائے گا ۔ وہ ازل سے ہی اُن کے احوال کو جانتا ہے اور ازل سے ہی اُن کے انجام سے باخبر ہے اِسی اعتبار سے اُن کے منافع و نقصانات مقدر فرمائے ہیں ۔ (کذا فی التاویلات للشیخ العارف نجم الدین الکبریٰ قدس سرہٗ)

مسئلہ :۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ اختلاف و نزاع جیسے عوام میں پیدا ہو جاتا ہے ایسے ہی عارفین و کاملین کے درمیان بھی ہوتا ہے ۔ اُن کے اِس ظاہری اختلاف سے اُن کا باطنی اِتّفاق ٹوٹ نہیں جاتا اور حکمتِ الٰہی کا تقاضا بھی یُونہی ہے لیکن ایسے بھید اور اسرار سے عوام بے خبر ہوتے ہیں ۔ حضرت مولانا جلال الدین قدّس سرّہٗ اَولیاء کاملین کے اتّحاد پر فرماتے ہیں ۔

ے (۱) گر از ایشاں مجتمع بینی دو یار — ہم یکے باشند و ہم شش صد ہزار

(۲) بر مثالِ موجہا اعداد شان — در عدد آورده باشد بادشان

(۳) مؤمناں معدود لیک ایمان یکے — جسم شان معدود ولیکن جاں یکے

(۴) تفرقہ در روحِ حیوانی بُود — نفس واحد روحِ انسانی بُود

ترجمہ :۔ (۱) اِن میں اگر یکجائی دیکھیں تو سمجھ لیں کہ واقعی وہ ایک ہیں اگرچہ بظاہر ہزاروں ہوں ۔

(۲) یہ ایسے ہے جیسے دریا کی موجیں کہ بظاہر وہ بہت ہیں لیکن درحقیقت وہ ایک شے ہیں ۔

(۳) مؤمن بھی گنتی میں بہت ہیں لیکن ان کا ایمان ایک ہی ہے اِن کے اجسام گنتی میں آتے ہیں لیکن وہ ایک ایک جان ہیں ۔

(۴) تفرقہ حیوانی روح میں ہے اِنسانی روح تو ایک شے ہے اور بس ۔

خلاصہ :۔ یہ کہ اہل اللہ سب کے سب ایک جان ہوتے ہیں اگر وہ مختلف ہوتے ہیں تو صرف جسماً ۔ اور ایسا ظاہری تخالف اُن کے معنوی و حقیقی توافق کے منافی نہیں ۔ ہر شے کا حُکم حیثیات کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے ۔

تفسیرِ عالمانہ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ۔ عبادت فعل یا ترک (اسلئے کہ وہ حکمِ الٰہی کا نام ہے) اِس اعتبار سے قلوب و اعضاء کے تمام اعمال و افعال عبادت کی تعریف میں داخل ہو گئے ۔ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ

شَیْئًا اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ خواہ وہ اشیاء از قسمِ اصنام ہوں یا کوئی شے اور وہ شرک جلی یعنی کفر ہو یا خفی یعنی ریاء۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ یہاں پر باء بمعنیٰ اِلٰی ہے جیسے وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ میں باء بمعنیٰ اِلٰی ہے۔

سوال:- ماں باپ کے احسان کو کیوں شروع کیا گیا ہے ؟

جواب:- اسلئے کہ تمام حقوق میں سے (بعد از عبادتِ الٰہی) والدین کے حقوق کو فوقیت حاصل ہے۔

فائدہ اِن سے احسان کا یہ معنیٰ ہے کہ اِن کی ہر طرح کی خدمت بجالانا اور اُن کے سامنے اُونچا نہ بولنا اور اُن کے ساتھ سخت کلامی نہ کرنا۔ اُن کے مطالبات پورے کرنے میں پوری جدوجہد کرنا اور بقدرِ امکان اُن کی ضروریات پر خرچ کرنا۔ وَّبِذِی الْقُرْبٰی اور قریبی رشتہ داروں پر یعنی وہ لوگ جو کہ قرابت کے لحاظ سے قریب ہوں۔ جیسے بھائی یا چچا یا ماموں وغیرہ صلۂ رحمی کی بناء پر اور اُن پر رحم کرتے ہوئے اگر انہیں ضرورت ہو تو اُن کے لئے وصیت کی جائے اور اُن کا خرچہ دیا جائے۔ وَالْیَتٰمٰی اور یتیموں پر یعنی اُن پر خرچ کرنا اگر انہیں ضرورت ہو۔ اگر ان کے ہاں مال ہے اور اسے اُس کے مال کا وصی مقرر کیا گیا ہے تو اُس کی حفاظت کا حق ادا کرے۔ وَالْمَسٰکِیْنَ اور مسکینوں پر بھی یعنی اُن سے احسانات کرنا اور صدقات دینا اور طعام کھلانا اور اُن کے سوالات کے جوابات نرمی سے دینا۔ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی اور وہ ہمسایہ جو سکونت کے لحاظ سے قرب رکھتا ہے یا ہمسائیگی کے علاوہ اُسے نسب اور دین کے لحاظ سے تمہارے ساتھ قرابت ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ہمسائیگاں کے حقوق صرف وہی ادا کرسکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہو اور تم میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ہمسائیگاں کے حقوق جانتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جس چیز کی انہیں ضرورت ہو اُسے پورا کرو۔ اگر قرض چاہتے ہیں تو قرض دو۔ اگر انہیں کوئی خوشی حاصل ہو تو مبارک باد پیش کرو۔ اگر کوئی تکلیف لاحق ہو تو اُس کا اظہارِ افسوس کرو۔ اگر بیمار ہوں تو طبع پرسی کرو۔ اگر مر جائیں تو

نمازِ جنازہ بھی پڑھو اور دفنانے تک ساتھ رہو

وَالْجَارِ الْجُنُبِ اور وہ ہمسایہ جو بعید ہے یا وہ ہمسایہ جس سے قرابتی تعلق نہیں۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا ہمسائیگان تین قسم ہیں اور ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔ ایک وہ ہمسایہ ہے کہ جس کے دو حقوق ہیں۔

۱۔ حقِ ہمسائیگی۔

۲۔ حقِ اسلامی۔

دوسرا وہ ہے جس کے دو حقوق ہیں

۱۔ حقِ ہمسائیگی۔

۲۔ حقِ اسلام

تیسرا وہ ہمسایہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے وہ ہے صرف ہمسائیگی کا حق ہے۔ وہ اہلِ کتاب ہے وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ اور وہ دوست جو کسی اچھے معاملہ کی وجہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً تعلیم حاصل کرنا یا کوئی معاملۂ تصرف اکٹھے کرنا یا ہم صنعت یا ہمسفر ہونا۔ یہ بھی محبت کی حیثیت سے احسان و کرم کے حقدار ہیں۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو مسجد میں نماز کے لئے تیرے قریب ہو یا کسی مجلس میں ساتھ بیٹھے وغیرہ وغیرہ انہیں بھی حقِ ہمسائیگی حاصل ہوتا ہے **خلاصہ**:۔ یہ کہ معمولی سی مناسبت سے بھی حقِ ہمسائیگی بن جاتا ہے۔ اسی حق کی بناء پہ اس کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اِس مناسبت سے اُس کے ساتھ لطف و کرم اور احسان ضروری ہے۔ وَابْنُ السَّبِيْلُ اور وہ مُسافر جو اپنے شہر اور مُلک و مال سے دُور ہو اُس کے ساتھ یہ احسان ہے کہ اُسے ہر طرح سے آسودگی اور اس کے ضروریات پورے کئے جائیں یا اس سے وہ مہمان مُراد ہے جو مہمان ہونے کی حیثیت سے تمہارے ہاں ٹھہرے۔ اُس کے حقوق میں سے یہ ہے کہ اسے تین دن تک مہمانی دی جائے۔ اس کے بعد اُس کے ساتھ جو کچھ احسان و مُروّت کی جائیگی وہ صدقہ میں شمار ہوگا۔ مہمان کو بھی چاہیئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ میزبان کے ہاں تین دن ٹھہرے۔ ایسا نہ ہو کہ اُسے کہنا پڑے کہ اب معاف کرو۔ وَمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اور وہ جو تمہاری ملکیت میں ہیں یعنی غلام اور کنیز وغیرہ اِن کے ساتھ۔ احسان کا یہ معنیٰ ہے کہ انہیں آداب سکھائے اور اُن کی طاقت سے زائد کوئی کام نہ بتلائے اور نہ ہی سارا دن انہیں

کام میں لگائے رکھے اور نہ ہی انہیں گالی گلوچ یا سخت کلامی سے پیش آئے بلکہ اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور انہیں اُن کی ضرورت کا طعام اور لباس دے۔

مسئلہ:۔ بعض مُفسّرین نے کہا ہے کہ اس میں وہ حیوانات بھی شامل ہیں جو تمہاری ملکیّت ہیں۔ اور ان سے احسان کا مطلب یہ ہے کہ اُن سے وہی کام لے جو اُن کے لائق ہے وغیرہ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا بیشک اللہ تعالےٰ اس سے محبّت نہیں کرتا جو متکبّر ہے یعنی وہ اپنے رشتہ داروں اور ہمسائیوں اور دوستوں سے نفرت کرتا اور اُن سے غیر ملتفت رہتا ہے۔ **فَخُوْرًا** بمعنی متفخر یعنی ایسا فخر کرنے والا جو اس کی شان کے لائق نہیں اور اہل حقوق کے حقوق نہیں ادا کرتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فخور وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا یٰمُوْسٰی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام میں ہی معبود برحق ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں، صرف میری ہی عبادت کیجئے۔ مَیں واحد لاشریک ہوں جو میری قضاء و قدر پر راضی نہیں اور میری نعمتوں پر شکر نہیں کرتا وہ میری دی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کرتا اور میری عطا پر قناعت پذیر نہیں ہوتا۔ اسے چاہیئے میرے سوا جسے چاہے ربّ بنا کر اس کی عبادت کرے۔ اے موسیٰ علیہ السّلام میرے سجدہ گذار بندے نہ ہوتے تو مَیں بارش کے قطرات کو آسمان پر ہی روک لیتا۔ اے موسیٰ علیہ السّلام اگر میرے توبہ کرنے والے بندے زمین پہ نہ ہوں تو مَیں مجرموں کو زمین میں دھنسا دوں۔ اگر نیک بخت بندے نہ ہوں تو خطار کاروں کو مٹا کر رکھ دُوں۔

فائدہ عبادت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے جمیع اوامر و نواہی کی پابندی کرتے ہوئے دُنیا و آخرت کے کسی معاملہ کو درمیان میں نہ لایا جائے۔ اس لیے کہ اگر اللہ تعالےٰ کی عبادت کسی خوف سے کی جائے یا کسی طمع کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ عبادت نہ ہوئی بلکہ سوداگری ہوئی پھر وہ اللہ تعالےٰ کی عبادت نہ ہوئی بلکہ اس شے کی عبادت کی گئی۔ حقیقی عبادت یہ ہے کہ مولیٰ کو مولیٰ سے ہی طلب کرے درمیان سے دُنیا و آخرت کے تصوّرات بالکل ہٹا دے۔ اور اس کا قضا و قدر کے سامنے سرِ تسلیم خم ہو اور اُس کی ہر نعمت پر شکر ہی شکر کا تصوّر ہو۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ توحید خالص کی جدّ و جہد کرے اور ہر طرح کے شرک سے اجتناب کرے تاکہ اسے منزلِ مقصُود تک پہنچنا نصیب ہو۔ بعض عارفین نے کیا خوب

فرمایا :- (۱) نقد ہستی محو کن در لا الٰہ ! تا بہ بینی دار ملک پادشہ !
(۲) غیر حق ہر ذرہ کان مقصود تست تیغ لا بر کش کہ آن معبود تست
(۳) لا کہ غیرش و فرش را برمی درد از فنا سوئے بقا رہ میبرد !
(۴) لا ترا از تو رہائی مے دہد با خدایت آشنائی میدہد
(۵) چوں تو خود را از میاں برداشتی قصر ایمان را درے افراشتی

ترجمہ : (۱) لا الٰہ میں نقد ہستی مٹا دے تاکہ تجھے بادشاہ کا دار الخلافہ نصیب ہو۔
(۲) اگر ذرہ کائنات میں تیرا غیر حق مقصود ہے اُسے لَا کی تلوار سے کاٹ دے کیونکہ یہ تیرے غلط معبود ہیں۔
(۳) لَا تمام غیر اور اس کے متعلقات کو کاٹ دیگا فنا سے بقا تک پہنچا دے۔
(۴) لَا تجھے خودی سے نجات دیگا اللہ کے ساتھ تیرا تعلق جوڑ دے گا۔
(۵) جب تو اپنے سے فارغ ہوجائے گا تو قصرِ ایمان کا دروازہ تجھ پر کھل جائے گا۔

فائدہ جب بندہ اپنے مقصود کو پالیتا ہے یعنی اسے معبودِ حق کا وصال ہوجاتا ہے تو پھر اس سے والدین واقربین اور یتامیٰ و مساکین وغیرہ وغیرہ کے صحیح طور احسان کرنے کی دولت نصیب ہوتی ہے اسلئے کہ احسان اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کما قال الذی احسن کل شیء خلقہ یعنی "وہ جس نے اپنی مخلوق کو اچھا بنایا"۔ اور کسی سے بُرائی کرنا انسان کی صفت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ یعنی "بیشک نفس بُرائی کا حکم دیتا ہے"۔ انسان سے احسان کا صدور ناممکن ہے جب تک کہ وہ متخلق باخلاق اللہ نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ یعنی "وہ جو تجھے بھلائی پہنچے وہ اللہ سے ہے اور وہ جو تجھے بُرائی پہنچے وہ تیرے نفس سے ہے"۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ بندہ کی عبودیت میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ پورے طور متوجہ الی اللہ ہو اور ماسوی اللہ سے بالکل اعراض کرے اور احسان و مروت کا صدور بالکل ناممکن ہے جب تک وہ متخلق باخلاق اللہ نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ عہدہ عبودیت سے نکل کر حضرتِ ربوبیت میں پہنچ جائے۔ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو

کہ والدین واقربین وغیرہ سے احسان کرے۔ لیکن نہ اس میں شرک کا شائبہ ہو اور نہ ہی ریار کی بُو ہو۔ اِس لئے کہ شرک و ریار ہر دونوں بقائے نفس پر دلالت کرتے ہیں اِسی لئے اللہ تعالٰے نے آیت کے آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔ اس لئے کہ تفخر و تکبّر ہر دونوں نفس کے اوصاف ہیں اور اللہ تعالٰے نہ نفس سے محبّت کرتا ہے اور نہ ہی اُس کے اوصاف سے کیونکہ یہ نفس بھی اللہ تعالٰے سے محبّت نہیں رکھتا بلکہ محبت اس کے اوصاف سے ہیں ہی نہیں اِس لئے کہ وہ تو دُنیا اور اُس کے نقش ونگار (اور جو بھی اُس کے متعلق ہیں) کا عاشق ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ شرک ابنِ آدم میں اس چیونٹی سے زیادہ چھپا رہتا ہے جو اندھیری رات میں سخت پتھر پر چلتی رہتی ہے۔

فائدہ جو شخص اللہ تعالٰے کی مخلوق اُس کے ڈر سے یا اُس سے کسی نفع رسانی کے ارادہ پر خدمت کرتا ہے تو وہ عملی شرک میں مبتلا ہے۔

ے
اگر بے وضو در نماز ایستی	کہ نداند چو در بند حق نیستی
گرش باخدا در توانی فروخت	بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت
در آتش فشانند سجادہ ات	اگر جز بحق میرود جادہ ات

ترجمہ:۔ "جب تُو حق کی رضا میں نہیں کسی کو کیا خبر اگر چہ تُو نماز بے وضو پڑھ رہا ہے۔
ریا کا خرقہ پہننا آسان ہے اگر تُو اسے اللہ تعالٰے کے ہاں بیچنا چاہتا ہے۔
اگر اللہ کے سوا دوسرے ارادہ پر تیرا مُصلّا بچھا ہے تو تیرا وہ مصلّا آگ میں ڈالیں گے۔"

اللہ تعالٰے نے فرمایا وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا۔ یعنی وہ اعمال جو اللہ تعالٰی کی رضا جوئی پر نہیں کرتے تو اللہ تعالٰی ان کے تمام اعمال کا ثواب ضائع کر دیتا ہے وہ ایسے ہو جاتے ہیں جیسے اُڑتی ہوئی غبار بیکار ہوتی ہے۔

فائدہ هَبَاۗءً اُس غبار کو کہتے ہیں جو دھوپ میں اُڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔

شانِ نزول ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں صرف اللہ کی رضا کی خاطر کچھ صدقہ دینا چاہتا ہوں لیکن یہ بھی چاہتا ہوں کہ اس میں میری تعریف ہو۔ اس پر یہ آیت اُتری کہ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّہٖ جو شخص اللہ تعالٰے کی حاضری کا خوف رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ نیک عمل کرے لیکن اللہ تعالٰی کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ بنائے۔ اللہ تعالٰی ہم سب کو اخلاص نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وہ لوگ جو اس سے بُخل کرتے ہیں جو انہیں عطا ہوا۔ اَلَّذِیْنَ الخ مُبتدا ہے اُس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی اَحِقَّاءُ الخ یعنی وہ ہر ملامت کے حقدار ہیں۔ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ اور لوگوں کو ان چیزوں کے بُخل کا حکم دیتے ہیں جو انہیں عطا ہوئیں۔ اِس کا ماقبل پر عطف ہے۔ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور چھپاتے ہیں اُسے جو انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے یعنی مال و دولت۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا "اور ہم نے کُفّار کے لئے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے"۔ یہاں اسمِ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جس کی یہی کیفیت ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفر کرنے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کُفر کرتا ہے وہ اِس لائق ہے کہ اُسے اہانت کرنے والے عذاب میں مبتلا کیا جائے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں چُھپا کر اور بُخل کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی اہانت کرتا ہے۔

شانِ نزول یہ آیت اُن یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو اہلِ اسلام کو خرچ کرنے سے روکتے اور کہتے کہ تمہارے اس خرچ کرنے سے ہمیں تمہارے فقیر اور محتاج ہونے کا خطرہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ اور وہ لوگ جو دوسرے لوگوں کے دکھاوے پر خرچ کرتے یعنی بطور فخر خرچ کرتے ہیں ان کا اس خرچ سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں کہیں کہ کیسے سخی اور کیسے کریم ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا ہرگز مطلوب نہیں ہوتی۔ اس کا عطف اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ پر ہے اور رِئَآءَ النَّاس اس کا مفعول ہے۔

سوال:۔ بُخل اور رِیاء کو مذمت ملامت میں کیوں شریک کیا گیا ہے؟

جواب:۔ بُخل اور وہ فضول خرچی جو کہ بیجا خرچ کیا گیا ہے۔ ہر دونوں افراط و تفریط کے طریقے ہیں۔ ہر دونوں قبح میں برابر ہیں۔ ہر دونوں اس لائق ہیں کہ اُن کی مذمّت اور ملامت کی جائے۔

وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ دِن آخرت پر۔ تاکہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب حاصل کریں۔

فائدہ اِس سے مُشرکینِ مکّہ مُراد ہیں کہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی عداوت و دُشمنی میں اپنا مال خرچ کرتے تھے۔

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًاؕ اور جس کا شیطان ساتھی ہو پس وہ اُس کا بہت بُرا ساتھی ہے۔ یعنی شیطان بُرا دوست اور خراب رفیق ہے۔اسی طرح شیطان کے حامی کہ وہ قبائح کی رغبت دیتے اور بہترین طریق سے پیش کرتے ہیں۔ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ اور کیا ہے اُن پر یعنی وہ لوگ جو مذکور ہوئے لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ اگر وہ ایمان اللہ تعالےٰ اور یوم آخرت پر اور خرچ کریں اُس سے جو انہیں اللہ تعالےٰ نے عطاء فرمایا ہے صرف اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی پر خرچ کریں اِس لئے کہ ایمان باللہ وَالْيَوْمِ الْاٰخِر اس کا مقتضی ہے کہ یہ خرچ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور اس میں ثواب مطلوب ہو۔ یعنی انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی رضا کے لئے خرچ نہیں کرتے۔

فائدہ اس میں انہیں زجرو توبیخ ہے کہ وہ اچھے مصرف سے بے خبر اور نیک اعتقاد سے جاہل ہیں بخلاف اس کے کہ اسے یہ باتیں نصیب ہیں۔ اس جواب طلبی میں تفکر کی دعوت مقصود ہے تاکہ وہ اس سے اپنے انجام بخیر کو معلوم کر کے بہت بڑے فوائد و فضائل کو حاصل کرسکیں اور ساتھ ہی یہ تنبیہ کر دی گئی کہ جس کی تمہیں دعوت دی گئی ہے اس میں تمہارا نقصان نہیں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ فلہٰذا اُس کے حصول میں جدو جہد کی جائے تاکہ لاتعداد وَلَا تُحْصٰی منافع نصیب ہوں۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ اور اللہ تعالےٰ اُن کے حالات مخفیہ سے عَلِيْمًا باخبر ہے۔ اس میں بھی اُن کو وعید و عتاب سُنایا گیا ہے کہ اس میں انہیں اللہ تعالےٰ نے خبر دی ہے کہ اے بدبختو! تم قاصر الہمۃ ہو اور تمہاری نظر اتنی کوتاہ ہے کہ تم دُنیا کمینی کے حصول میں لگے ہوئے ہو یہ تو بالکل قلیل شئے ہے اور وہ جو آخرت کے بلند مراتب اور اعلیٰ مقامات ہیں اُن کے حصول سے محروم پھر رہے ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی رضا اور طلب حق میں خرچ نہیں کرتے بلکہ ایسے بیجا خرچ کرتے ہو تمہیں خاک برابر بھی فائدہ نہیں دیں گے۔

ہر کہ مقصود ش از کرم آنست ✿ کہ بر آرد بعالم آوازہ
باشد از مصر فضل و جود و کرم ✿ خانۂ او بروں ز دروازہ

ترجمہ:۔ جس کا سخاوت سے مقصود یہ ہو کہ اس کی شہرت ہو شہر سے باہر تو اس کے فضل اور جود و کرم کی شہرت ہو گی لیکن اس کا گھر کریم حقیقی کے دروازہ سے باہر ہوگا۔

ریاکار کی بہترین مثال :- بعض حکماء فرماتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو ریا و سمعۃ کی نیّت پر نیک عمل کرتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ وہ بازار میں کنکریوں کا تھیلہ بھر کر پھر رہا ہے اور لوگ اُسے دیکھ کر کہتے ہیں کہ اِس کے پاس کتنا بے شمار مال و دولت ہے اُسے اُس سے کوئی فائدہ نہیں صرف اِتنا کہ لوگ اُسے مالدار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خریدنا چاہے تو اُسے کوئی شے نہیں ملے گی اِسی طرح ہر وہ نیک عمل کرتا ہے تو ریاء کر کے یا شہرت کی غرض پر ۔

روحانی نسخے حضرت حامد اللفاف رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو اللہ تعالیٰ برباد کرنا چاہتا ہے تو اس سے تین عمل سرزد ہوتے ہیں ۔

۱ :- عِلم حاصل کرتا ہے لیکن اس سے عُلماء کے کردار سے محرومی ہوتی ہے ۔
۲ :- بزرگوں کی صحبت تو حاصل ہے لیکن اُن سے معرفت نہیں حاصل کر سکا ۔
۳ :- عبادت تو بہت کرتا ہے لیکن اخلاص کی دولت سے دُور ہے ۔

یہ سب کچھ بُری نیت اور غلط ارادہ کا نتیجہ ہے اِسلئے کہ اگر اس کی سچّی نیت ہوتی تو اُسے اللہ تعالیٰ ضرور علم سے نفع بخشتا اور صحبتِ بزرگوں سے مالا مال فرماتا اور عمل میں خلوص کی دولت عطا فرماتا ۔

؎ عبادت باخلاصِ نیت نکوست — وگرنہ چہ آید زبے مغز و پوست
چہ زنار مُغ درمیانت چہ دلق — کہ دَر پوشی از بہر پندار خلق

ترجمہ :- عبادت میں اخلاص اور نیک نیتی ضروری ہے ورنہ بے مغز و پوست سے کیا حاصل ہوگا تیری کمر میں بت کا زنار ہو یا دُرویش کی گدڑی کوئی فائدہ نہیں جب ارادہ لوگوں کے دکھاوے کا ہو ۔

سبق سالک کو لازمی ہے کہ وہ خرچ کرتے وقت بلکہ ہر نیک عمل کرتے وقت ریاء سے بچے اور اُسے چاہیئے کہ سخاوت کی عادت بنائے بُخل سے دُور بھاگے اِس لئے کہ مال میں شُکر کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے ہوتی ہے ۔ حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ ؎ تونگر کہ نہ دارد پاس دُرویش — زدست غیر تشں برجان رسد نیش

ترجمہ :- اور وہ دولتمند جو دُرویش کا خیال نہ رکھے تو اُسے غیر سے نقصان پہنچے گا ۔

اِسی کے مُطابق حضرت حافظ قدّس سرّہٗ نے فرمایا ہے ۔

؎ گنج قارون کہ فرو می رود از قہر ہنوز — خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشاںست

ترجمہ :- قارون کا خزانہ تاحال زمین میں دھنسا جا رہا ہے تمہیں معلوم نہیں وہ بھی دُرویشوں کی

غیرت کا نتیجہ ہے۔

مسئلہ:۔ جو بخیل ہو کر دوسروں کو بخل کا حکم کرے تو یہ دوہرا گناہ ہے۔

بخیل کے علامات:۔ صاحبِ کشاف نے فرمایا کہ ہم نے اُن لوگوں کو آزمایا ہے کہ جنہیں بُخل کی بیماری ہوتی ہے۔ جب وہ سُنتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں پر احسان و مُروّت میں اِتنا دیا تو وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے اور اس کا دِل دھڑکنے لگ جاتا ہے اور بیقرار اور مضطرب نظر آتا ہے اور اس کی آنکھیں نیلی اور پیلی ہو جاتی ہیں۔ گویا اس کا اپنا مال واسباب مارا گیا ہے اور اُس کے ہی خزانے لُوٹے گئے ہیں۔ یہ صرف دوسرے کی سخاوت سے اُسے حسرت اور پریشانی ہوتی ہے۔ صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ یہ ہر زمانے میں ہوتا ہے کہ ایک تو خود نہیں دیتے پھر دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔ بلکہ اگر انہیں قدرت حاصل ہو تو دینے والے کا ہاتھ روک لیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ بخیل ایسے بدبخت ہیں کہ جو کارِ خیر کا ارادہ کرتا ہے مثلاً چھوٹی اور بڑی پُل بنانے کا اور کنویں کے کھودنے کا، اِسی طرح اور دوسرے اُمورِ خیر تو بجائے خوش ہونے کے بُرا منانتے ہیں۔ یہ محض ان کی بدبختی اور کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گذاری کے بجائے ناشکری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بہرحال بدبخت سے بدبختی کا اظہار ہوتا ہے۔

سے
چو منعم کند سفلہ را روزگار ۔۔۔ نہد بر دِلِ تنگ دُرویش بار
چو بام بلندش بود خود پرست ۔۔۔ کند بول وخاشاک بربام پست

ترجمہ:۔ جب روزگار کسی کمینے کو دولتمند بناتا ہے تو وہ دُرویش کا دِل پریشان کرتا ہے جب کسی خود پرست کی چھت کی دیوار بُلند ہو تو وہ نیچے والی چھتوں پر کوڑا کرکٹ ڈالتا ہے۔"

رُوحانی نسخے حضرت بشیر بن حارث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بخیل کو دیکھنے سے دِل زنگ آلود ہوتا ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ بخیل سے دُور رہے اُس کی صحبت اور اس کے ساتھ بیٹھنے کو زہرِ قاتل سمجھے۔

سے
(۱) چونکہ باشد مجاورت لازم ۔۔۔ ہمجوارِ کریم باید بُود
(۲) گر کنی باکسے مشاورہ ۔۔۔ آں مشاورِ حکیم باید بُود

ترجمہ:۔ (۱) اگر تیری کسی کے ساتھ ہمسائیگی ہو تو سخی سے ہونی چاہیئے۔
(۲) اگر کسی سے مشورہ کرنا ہے تو دانشمند سے مشورہ لینا چاہیئے۔"

سخاوت میں دین و دُنیا اور آخرت کے بہت بڑے برکات نصیب ہوتے ہیں۔

حکایت ایک مجوسی نے ایک سو دینار صدقہ کیا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اس سے پوچھا کہ تجھے اس صدقہ سے کیا فائدہ۔ مجوسی نے رو کر آسمان کی طرف دیکھا تو آسمان سے ایک رقعہ سبز خط سے لکھا ہوا نیچے اُترا اور مجوسی پر آپڑا۔ اس رقعہ کا مضمون یہ تھا

شعر
مکافاۃ السّماحۃ دار خلد   وامن من مخافۃ یوم بُؤس
ومانار بمحرقۃ جوادا ؛   وَلَوکانَ الجواد من المجوس

ترجمہ:۔ سخاوت کا بدلہ بہشت ہے۔ اور بہت بڑے خطرے والے دن سے اَمن بھی اور سخی کو آگ نہیں جلائے گی اگرچہ وہ مجوسی ہو۔

ازالۂ توہم:۔ یعنی اللہ تعالےٰ سخی کو ایمان کی دولت سے نوازے گا۔ اگر وہ کافر ہو تو اُسے ایمان لانے کی توفیق ہوگی پھر زیادہ سے زیادہ نیکی کرے گا اور اُس میں خلوص بھی پیدا کرے گا۔ اور اگر وہ مومن ہو تو اُس کے درجات بلند کرے گا اور اُسے اس لائق بنا دے گا کہ وہ مشاہدۂ حق سے نوازا جائے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ بیشک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی کمی نہیں کرتا یعنی کسی کے اَجر میں کمی نہیں ہوگی اور نہ ہی مستحق عذاب کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ ذَرَّۃٌ دراصل اُس سُرخ چیونٹی کو کہتے ہیں جو چلے تو نظر نہ آئے یا مٹی کے وہ اجزاء جو معمولی سے معمولی سمجھے جاتے ہیں یا اُڑتے ہوئے غبار کے وہ ذرّات جو گھروں میں سورج کی روشنی میں نظر آتے ہیں۔ مقام مبالغہ میں یہی معنٰے زیادہ مناسب ہے۔

مسئلہ:۔ اس ظلم کی بالکلیہ نفی مُراد ہے اس لئے کہ قلیل کی نفی سے کثیر کی خود بخود ہو جاتی ہے کیونکہ قلیل کثیر میں داخل ہوتا ہے۔

وَاِنْ تَكُ حَسَنَۃً اور اگر وہ نیکی ہو یعنی وہ جو کہ ذرّہ برابر ہے اگر نیکی ہے۔

سوال:۔ یہاں مؤنث کا صیغہ کیوں لایا گیا؟

جواب:۔ خبر کی مناسبت پر کہ اُس کی خبر (حسنۃ) مؤنث ہے یا اس لئے کہ مثقال کا مضاف الیہ مؤنث ہے۔ (اس کی رعایت کر کے صیغہ مؤنث کا لایا گیا ہے)۔

سوال :- تَكُ دراصل تَكُنُ تھا۔ اِنْ كَانَ يَكُوْنُ ۔ پھر وہ نون کہاں گیا ؟ ۔

جواب :- علیٰ خلاف القیاس نون کو حذف کیا گیا ہے یا حرفِ علت سے مشابہت کی وجہ سے یا کثرتِ استعمال کی وجہ سے ۔

يُضٰعِفْهَا اس کے ثواب کو دو گنا کرے گا۔ یہاں حَسَنَۃ سے اس کا اُجر مُراد ہے اِس لئے کہ نفسِ حَسَنَہ تو دوہرا نہیں ہوتا اور اس کا تضاعف کا طریقہ یہ ہے کہ اُسے مثلاً ایک نماز کے بجائے دو نماز کا ثواب ملے اور اتنا مقدار کہ اللہ تعالےٰ ہی جانے ۔ **وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ** اور اپنی طرف سے اس کے عامل کو محض اپنے فضل وکرم سے اس سے زائد عطا فرمائے کہ جس کا اِس نیکی کے عوض وعدہ فرمایا ہے ۔ **اَجْرًا عَظِيْمًا** بہت بڑا اُجر یعنی بہت بڑی عطار ۔

سوال :- اِس عطار کو اُجر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ عطار کو اُجر سے کوئی مناسبت نہیں ؟ ۔

جواب :- چونکہ عطاً بالتبع اُجر پر زائد عنایت ہوئی ہے اسی لئے اسے اُجر سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

نکتہ :- تفسیر تیسیر میں لکھتے ہیں کہ جسے اللہ تعالےٰ عظمت سے موصوف فرماتا ہے اس کی مقدار کا کیا کہنا ۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے تمام دُنیا اور مافیہا کو قلیل بتایا ہے ۔ یہاں فضل وکرم کو بھی عظیم سے موصوف فرمایا ہے ۔

حدیث شریف

مروی ہے کہ قیامت کے عام مجمع میں جہاں تمام اگلے پچھلے لوگ جمع ہونگے عام اعلان ہوگا یہ فلاں بن فلاں ہے جس کا اس نے حق دینا ہو وہ آئے اور لے جائے ۔ چنانچہ اُس سے حقوق مانگنے والے ٹوٹ پڑیں گے اور اللہ تعالےٰ فرمائے گا اِن سب کو اُن کے حقوق ادا کر دے ۔ عرض کرے گا یا اِلٰہ العٰلمین میں اُن کے حقوق کہاں سے اَدا کروں جبکہ اب نہ دینار ہیں نہ درہم ۔ اللہ تعالےٰ ملائکہ کرام سے فرمائے گا اِس کی جتنی نیکیاں ہیں حقوق مانگنے والوں کو دے دی جائیں ۔ چنانچہ اُس کی تمام نیکیاں حقوق مانگنے والوں کو دے دی جائیں گی ۔ پھر اگر ذرہ برابر اس کی نیکی بچ رہے گی تو اللہ تعالےٰ اُسے اپنے فضل وکرم سے دُوہرا فرما کر اپنی مہربانی وشفقت سے اسے بہشت میں داخل فرمائے گا ۔

شرح الحدیث

ظاہر یہ ہے کہ اس تضعیف سے وہ لذت مراد ہے جو بہشت میں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور اُجرِ عظیم سے وہ لذت مراد ہے جو بندوں کو رؤیتِ باری تعالےٰ کے وقت نصیب ہوگی ۔ یا وہ لذت جو محبت اور معرفت میں مستغرق ہونے

کے وقت اللہ والوں کو نصیب ہوتی ہے ۔

سوال :۔ اس قسم کے عطیہ کو (مِنْ لَّدُنْہُ) یعنی اپنی طرف منسوب کرنے کا کیا معنیٰ ؟ ۔

جواب :۔ یہ دولت کسبی نہیں کہ انسان اعمال کے ذریعے حاصل کر سکے بلکہ یہ ایک خاص عنایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے جو ہر نفس میں بطور امانت سپرد فرمائی ہے ۔ مثلاً نفس کا اشراق و نور و صفا وغیرہ ۔ خلاصہ یہ کہ تضعیف میں سعادات جسمانیہ کی طرف اور اجرِ عظیم میں سعاداتِ روحانیہ کی طرف اشارہ ہے ۔

حدیث شریف مروی ہے کہ جب بہشتی بہشت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالےٰ ملائکہ کرام سے فرمائے گا کہ لاؤ میرے بندوں کے لئے عجیب و غریب کھانے ۔ جب کھانے لائے جائیں گے تو بندے اُن میں عجیب و غریب قسم کی لذّات محسوس کریں گے ہر ایک کی لذّت ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوگی ۔ جب کھانے سے فارغ ہونگے تو حکم ہوگا کہ بندوں کو مشروبات پیش کرو ۔ جب مشروبات لائے جائیں گے اور وہ پیئں گے تو انہیں ایک لذّت ہو گی کہ وہ اپنی نظیر آپ ہونگے ۔ جب فارغ ہو جائیں گے تو اللہ تعالےٰ بندوں کو فرمائے گا میں تمہارا رَبّ ہوں اور جو میں نے وعدہ کیا وہ تمہارے ساتھ پورا کیا ۔ اس کے باوجود اور بھی اگر کوئی خواہش ہو تو پیش کرو ۔ عرض کریں گے یا اللہ تعالےٰ ہم صرف تیری رضا اور خوشنودی چاہتے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا میں تم سے بہت راضی ہوں ۔ یہی تو وجہ ہے کہ آج میں نے تمہاری عزّت افزائی فرمائی ہے اور خصوصیّت سے خصوصی مہمانی سے نوازا ہے اس کے بعد درمیان سے پردہ اُٹھ جائے گا ۔ بندے انوار و تجلّیات کو بے حجاب دیکھتے ہی سجدہ میں گر جائیں ۔ بہت بڑی دیر تک جھکے رہیں گے ۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا یہ عبادت کا وقت نہیں تم اپنے سر اُٹھالو ۔ اس سے پچھلی تمام نعمتیں بھول جائیں گے اور اس طلب میں ڈوب جائیں گے کہ ہمیں زیارت سے بار بار نوازا جائے کہ یہ نعمت تمام نعمتوں کی سرتاج ہے ۔

؎ جانِ بے جمالِ جاناں میل جہاں ندارد — وانکس کہ ایں ندارد حقا کہ آں ندارد

ترجمہ :۔ محبوبوں کے جمال کے بغیر دُنیا کی طرف میلان نہیں ۔ وہ جو یہ نہیں رکھتا تو بخُدا وہ کچھ نہیں رکھتا ۔

اس کے بعد عرشِ معلّیٰ سے ایک خوشبودار ہوا چلے گی جو اُن کے سروں ، پیشانیوں اور دامنوں

کو مَس کرتی جائے گی۔ جب اپنے محلات میں لوٹیں گے تو اپنی عورتوں کے حُسن وجمال میں اضافہ پائیں گے۔ اور یہ بھی انہیں عرض کریں گی کہ آج تو تم حُسن وجمال میں پُری پیکر بن کے آرہے ہو۔

تفسیرِ صوفیانہ عارف کا مطمعِ نظر صرف معنوی جنّت ہے نہ کہ یہی ظاہری بہشت۔ حضرت بایزید بُسطامی قدّس سرّہٗ نے فرمایا: واللّٰہ معرفتِ الٰہی جنّتُ الفردوس ہزاروں درجہ بہتر ہے بلکہ اس کا اعلیٰ علیین بھی مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اور فرمایا کہ مجھے آٹھوں بہشتیں اور تمام دُنیا کی نعمتیں دی جائیں تو یہ اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو سحر کے وقت گریہ وزاری اور آہ و فغاں نصیب ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃُ اللّٰہ تعالےٰ نے فرمایا کہ لوگ دُنیا کو چھوڑ کر چلے گئے لیکن بہتر سے بہتر لذت سے محروم ہو کر گئے۔ عرض کیا گیا وہ کیا؟ آپ نے فرمایا معرفتِ الٰہی سے محروم گئے۔ حضرت مولانا جلال الدّین رُومی قدّس سرّہٗ نے فرمایا:۔

س ۱۔ اے خنک آنرا کہ ذاتِ خود شناخت	اندر امن سرمدی قصری بساخت
۲۔ پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی ؟؟	صیقلی کن صیقلی کن صیقلی !
۳۔ دفعہ کن از مغز از بینی زکام	تاکہ ریح اللّٰہ در آید از مشام
۴۔ ہیچ مگذار از تپ وصفرا اثر	تا بیابی در جہاں طعم شکر

ترجمہ:۔" ۱۔ اُسے مبارک ہو جس نے خود کو پہچانا۔ دائمی امن والے مقام پہ محل (گھر) بنایا۔
۲۔ لوہار کی طرح زنگ والے لوہے (کالے) صاف کر بہت صاف کر۔
۳۔ مغز وناک سے زکام دُور کر تاکہ تجھے اللّٰہ تعالےٰ کی خوشبُو نصیب ہو۔
۴۔ تپ وصفرا سے کچھ نہ چھوڑ تاکہ جہان میں شکر (میٹھا) سے لذت پاؤ۔"

اللّٰہ تعالےٰ ہم سب کو معرفت نصیب فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے جنّت عطا فرمائے۔

تفسیرِ عالمانہ فَكَيْفَ یہ محلاً منصوب ہے۔ اس کا ناصب فعل محذوف ہے اِسے حل یا ظرف سے مشابہت ہے۔ یعنی پس یہ یہودی اور نصاریٰ اور دیگر کافر کیسے کریں گے۔ اِذَا جِئْنَا جب ہم قیامت میں لائیں گے مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ تمام اُمتوں کو بِشَهِيْدٍ گواہ جو اُن کے غلط عقائد اور اُن کے بُرے اعمال پر گواہی دیں گے۔ یعنی ہر اُمّت کا اپنا نبی علیہ السلام تشریف لا کر گواہی دے گا۔ وَجِئْنَا بِكَ اور ہم آپ کو اے محبوب محمّد مصطفےٰ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اُس وقت حاضر کریں گے۔ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ اُن پر۔ یہ اشارہ ان گواہوں مذکورہ

(انبیاء علیہم السلام) کی طرف ہے۔ جیسا کہ لفظ بشہید سے معلوم ہوتا ہے۔ شَهِيدًا آپ ان کی گواہی دیں گے۔ کہ آپ کو اُن کے عقائد کا علم ہے اس لئے کہ آپ کی شریعت اُن کے جمیع قواعد کی جامع ہے۔ یا هٰٓؤُلَآءِ کا اشارہ انہی کُفّار کی طرف ہے جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السّلام کی تکذیب کی۔ آپ اُن کے کفر اور غلط کاریوں کی گواہی دیں گے۔ جیسے اُن کے انبیاء علیہم السّلام نے اُن کے کفر اور غلط کاریوں کی گواہی دی۔ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ اُس دن وہ کافر آرزو کریں گے جنہوں نے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کی تھی اُن کے اس حال کا بیان ہے۔ جس کی شدّت اور سختی "وَجِئْنَا بِكَ" الخ میں بیان کی گئی ہے۔

سوال :- جنہوں نے رسُول علیہم السّلام کی نافرمانی کی وہی کافر تو تھے۔ پھر درمیان میں حرف عطف لانے کا کیا فائدہ، اِس سے عطف الشئ علیٰ نفسہ لازم آتا ہے۔

جواب :- کُفر کے علاوہ اُن سے اور گُناہ بھی سرزد ہوئے اِس لحاظ سے عطف الشئ علیٰ نفسہ لازم نہیں آتا۔ اَب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ لوگ جنہوں نے کُفر کیا اور دیگر معاصی کے بھی مُرتکب ہوئے۔ عبارت یوں ہوگی اَلَّذِيْنَ كَفَرُوا وَالَّذِيْنَ عَصَوُا الرَّسُوْل۔

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ زمین کے برابر ہونے کی آرزو کریں گے۔ یہاں لَوْ بمعنیٰ آن مصدریہ ہے اور یہ جملہ "يَوَدُّ" کا مفعول ہے یعنی وہ آرزو کریں گے کہ زمین میں مدفون ہوں پھر اُن پر زمین برابر کردی جائے جیسے اہلِ اموات پر ہوتا ہے اِس سے اُن کا مدفون ہونا مُراد ہے اور آرزو کریں گے کہ نہ وہ قیامت میں اُٹھائے جاتے اور نہ ہی پیدا ہوتے اور اُن کا حال زمین (مٹی) جیسا ہوتا۔

فائدہ بعض افاضل فرماتے ہیں کہ یہ بَاء ملابست کی ہے۔ یعنی زمین برابر کی جائے درانحالیکہ وہ زمین انہیں ملنے والی ہوا سے عمل علی القلب کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جبکہ زمین کا بندوں میں مِل جانا اور بندوں کا زمین میں مل جانے کا کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا اور وہ کسی بات کو اللہ تعالےٰ سے چھُپا نہیں سکیں گے اس کا عطف يَوَدُّ پر ہے۔ یعنی وہ اپنی باتوں کو اس لئے نہیں چھُپا سکیں گے کہ اُن پر اُن کے اعضاء گواہی دیں گے۔ یا یہ واوٗ حالیہ ہے یعنی آرزو کریں گے کہ وہ زمین میں مدفون ہوں۔ درانحالیکہ وہ کوئی بات نہ چھُپا سکیں گے اور نہ ہی "وَاللّٰهِ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ" کہہ کر تکذیب کر سکیں گے

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب نوح علیہ السّلام قیامت میں بُلائے جائیں گے تو وہ عرض کریں گے لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ (بندہ حاضر ہے یا اللہ) ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے میرے احکامات اُمت کو پہنچا دیئے تھے؟ وہ عرض کریں گے۔ ہاں! پھر اُمت سے سوال ہوگا کہ نوح علیہ السّلام نے تمہیں میرے احکام پہنچائے تھے ۔ وہ عرض کریں گے ہمارے ہاں تو کوئی آیا ہی نہیں تھا۔ نہ کوئی خوشخبری سنانے والا اور نہ ہی ڈرانے والا۔ پھر نوح علیہ السّلام سے سوال ہوگا۔ کیا تمہارے اس دعویٰ کی کوئی گواہی بھی دے گا؟ ۔ نوح علیہ السلام عرض کریں گے ہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور اُن کی اُمت میرے لئے گواہی دیں گے۔ چنانچہ اُن کے لئے حضور علیہ السلام اور آپ کی اُمت گواہی دے گی۔ اس لئے فرمایا وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا ۔ اِس کے بعد تمام حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السّلام کو نام لے لے کر بُلایا جائیگا اور اُن کے سامنے اُن کے اعمال تھوڑے ہوں گے یا زیادہ، نیک ہوں گے یا بُرے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔

فائدہ حضرت امام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب "کشف علوم الآخرۃ" میں لکھتے ہیں کہ یہ اس کے بعد ہوگا جب اللہ تعالیٰ جانوروں کے مابین فیصلہ فرمائیگا۔ جبکہ سینگ والوں سے بے سینگ جانوروں کا قصاص لیا جائے گا۔ جب وحشی جانوروں اور پرندوں سے حساب وکتاب سے فراغت ہوگی تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائیگا تم سب کے سب مٹی ہو جاؤ۔ اس کے بعد انہیں مٹی میں ملیا میٹ کر دیا جائیگا۔ تو کافر کہے گا "کاش کہ میں بھی مٹی ہوتا"۔

مسئلہ: ۔ حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور میں اپنی اُمت کے اعمال ہر صبح و شام کو پیش ہوتے ہیں جن میں اُن کے نشانات بھی ہوتے ہیں اس لئے قیامت میں آپ اپنی اُمت پر گواہی دیں گے۔

مسئلہ: ۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بندوں کے اعمال سوموار اور خمیس (جمعرات) کے دن پیش ہوتے ہیں۔

مسئلہ: ۔ دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام اور ہر ایک کے اپنے ماں باپ کے سامنے ہر جمعہ کے دن اعمال پیش ہوتے ہیں۔

سبق اِس سے سوچنا چاہیئے کہ انسان کا ہر عمل بزرگوں اور بڑوں کے سامنے ہر وقت پیش ہوتا ہے۔ بالخصوص اُس ذات کے سامنے کہ جس کے آگے کوئی شے مخفی نہیں اس لئے اسے

چاہیئے کہ انسان نیک عمل میں سعی کرے کہ اس کا ہر عمل اُس کے مالک کے سامنے پیش ہو جاتا ہے اور پھر اُسے ہر چھوٹے بڑے اور قلیل و کثیر کی جزا و سزا ملے گی۔

؎ درِ خیر بازاست و طاعت ولیک نہ ہر کس توانا است بر فعل نیک
ہمہ برگ بودن ہمہ ساختی بتدبیر رفتن پرداختی!

ترجمہ:۔ "بھلائی کا دروازہ کھلا ہے اور طاعت کا بھی لیکن ہر ایک کو نیک عمل کرنے کی قدرت نہیں۔ تُونے زندگی کے تمام اسباب تیار کئے لیکن آخرت کے اسباب کی تُونے کوئی تدبیر نہیں کی۔"

سبق انسان کو چاہیئے کہ اپنے اوقات ضائع نہ کرے اِسلئے کہ انسان کے اوقات رأس المال ہیں۔ جب تک انسان کے پاس اپنا رأس المال محفوظ ہو اُس وقت تک وہ اپنے مال سے منافع پاسکتا ہے۔

انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ اس کا وقت بیکار جارہا ہے حالانکہ اسے جدّ و جہد کرنی چاہیئے اِس لئے کہ اُسے آخرت کے لئے بہت بڑا سرمایہ جمع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آج تو یہ سرمایہ (نیکی وغیرہ) تو معمولی محسوس ہوتا ہے لیکن کل قیامت کو اس کی قدر معلوم ہوگی کہ اللہ تعالٰے کے ہاں اِن اعمال کی کیا قدر و قیمت ہے اور قیامت کے مقابلہ میں اس کی زندگی کے معمولی لمحات کی کیا وقعت ہے پھر انہی معمولی ایام میں اس بڑے دِن قیامت کے لئے زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ قیامت میں اعمال صالحہ کا حصُول ناممکن ہے۔

مسئلہ:۔ مروی ہے کہ اہلِ اموات اپنی قبروں میں آرزو کرتے ہیں کہ انہیں صرف دوٗ رکعت نماز پڑھنے کی یا صرف ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کی اجازت ہو یا انہیں وقت دیا جائے کہ وہ صرف ایک بار سُبْحَانَ اللّٰہِ کہہ سکیں لیکن کسی قسم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

مسئلہ:۔ اہلِ اموات زندہ لوگوں پر تعجّب کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے قیمتی لمحات غفلت میں کیوں ضائع کر رہے ہیں۔

؎ مہلکہ عمر بہ بیہودہ بگذارد حافظ بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب

ترجمہ:۔ چھوڑ کہ حافظ بیہودہ عمر بسر کرتا ہے۔ تو کوشش کر عمر عزیز کا بہتر نتیجہ حاصل کر۔

تفسیرِ صُوفیانہ حضرت علامہ قاشانی رحمہ اللہ تعالےٰ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ " الشہید اور الشاہد ہر وہ شخص جو اپنے مرتبہ عُلیا کی برکت سے ہر ایک کے سامنے حاضر ہو اور اکثر اسی معنیٰ پر مستعمل ہوتا ہے۔ دَراصل اس کا یہ معاملہ جلوۂ حق کی وجہ سے ہوتا ہے جو اُسے نصیب ہُوا۔ اِس بنا پر نبی اپنی اُمت کا شاہد ہوتا ہے۔ جیسا کہ اُن کی اُمت کی استعداد ہوتی ہے۔ اِسی طرح اُسے بھی اُمت کے احوال منکشف ہوتے ہیں۔ جو اس نبی علیہ السلام کا متبع ہوتا ہے اور وہ اپنی استعداد کے مطابق جانتا ہے لیکن جیسا کہ نبی علیہ السلام جانتے ہیں۔ اتنا ویسا اُمتی کو نصیب نہیں ہوتا اِسی لئے ہر نبی اپنی اُمت کا شاہد ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اپنی تجلّی سے نوازتا ہے لیکن اِس صورت میں کہ جس بزرگ سے اس کا اعتقاد ہے۔ اُسے تمام ملّت و مذہب کے لوگ جانتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ اپنی صورت میں مُتبدّل ہو کر دُوسری صُورت اختیار کرے گا۔ اُسے صرف مُوحد اور واصل باللہ جانیں گے جنہیں بارگاہِ صمدیّت تک رسائی ہوگی۔

مسئلہ:۔ جیسے ہر اُمت کا اپنا نبی شاہد ہوگا اِسی طرح ہر مذہب (حق یا باطل) کا اپنا مقتدا شاہد ہوگا۔ اور وہ اس کے تمام احوال اُس پر منکشف ہونگے اسلئے اس پر گواہی دیں گے۔

مسئلہ:۔ حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُمتی تمام اُمتوں کے گواہ ہونگے۔ اور اُن کے نبی بھی اُن پر گواہی دیں گے اسلئے کہ دوسرے انبیاء علیہم السّلام ہمارے نبی علیہ السّلام کے اُمتی ہیں۔ علاوہ ازیں حضور علیہ السّلام اُن کے نبی بھی ہیں اور حبیب بھی اور وہ جوامع الکلم سے نوازے گئے ہیں اور مکارمِ اخلاق کی تکمیل اُن کے ہاتھ میں ہے۔ اِسی لئے اَولیاءُ اللہ جس رنگ میں ہوں وہ بہر صُورت اُسے پہچان لیں گے۔ جبکہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السّلام کی متابعت کا حق اَدا کیا ہوگا۔ اور نبی علیہ السّلام اُن تمام احوال و اعمال کو جانتے ہیں۔ (علامہ قاشانی کی عبارت کا مضمون ختم ہُوا)۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو کاملین اور واصلین الی حق الیقین سے بنائے۔

(آمین)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى
تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوا وَ
إِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ
أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَا
مْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ○ أَلَمْ
تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُونَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيدُونَ
أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ ○ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا
وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيرًا ○ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ
وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ
وَطَعْنًا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا
لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ
إِلَّا قَلِيلًا ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا
لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ
كَمَا لَعَنَّا أَصْحٰبَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ○ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ
أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيمًا ○ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ بَلِ
اللّٰهُ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ○ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى
اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهِ إِثْمًا مُبِينًا ○

ترجمہ:

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کچھ کہو اُسے سمجھو اور نہ ناپاکی کی حالت میں نہائے بغیر مگر مُسافری میں اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں سے

کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں کو چھُوا۔ اور پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کو مسح کرو بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کو کتاب سے ایک حصّہ ملا گمراہی مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے والی اور اللہ کافی ہے مددگار۔ کچھ یہودی کلموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور نہ مانا اور سُنئیے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لیے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سُنا اور مانا۔ اور حضور ہماری بات سُنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو اُن کے لئے بھلائی اور راستی میں زیادہ ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی۔ اِن کے کُفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا۔ اے کتاب والو ایمان لاؤ اُس پر جو ہم نے اُتارا۔ تمہاری ساتھ والی کتاب کی تصدیق فرماتا قبل اس کے کہ ہم بگاڑیں کچھ موہنوں کو تو اُنہیں پھیر دیں اِن کی پیٹھ کی طرف یا انہیں لعنت کریں جیسی لعنت کی ہفتہ والوں پر اور خُدا کا حکم ہو کر رہے۔ بیشک اللہ اُسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کُفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف کر دیتا ہے اور جس نے خدا شریک ٹھہرایا اُس نے بڑے گُناہ کا طوفان باندھا کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو خود اپنی ستھرائی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے سُتھرا کرے اور ان پر ظلم نہ ہو گا دانہ خرما کے ڈورے برابر دیکھو کیسا اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ کافی ہے صریح گُناہ۔

تفسیر عالمانہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ ۔

اے ایمان والو نماز کے مت قریب جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

شانِ نزول

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ، نے دعوت پکائی جس میں شراب نوشی کا بھی انتظام کیا گیا۔ اور بہت بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو مدعو کیا۔ یہ اس وقت ہوا جب شریعت میں شراب پینا مباح تھا۔ ان حضرات نے خوب دعوت کھائی اور پھر شراب بھی پیا۔ جب شراب کی مستی کا غلبہ ہوا تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اِن میں سے ایک صاحب کو امام کھڑا کیا گیا تاکہ نماز پڑھائیں اُس نے نماز میں قُل

يَآاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ الخ پڑھی لیکن اس سورۃ میں کلمہ "لَا" حذف کردیا جس سے معنیٰ سخت بگڑ گیا۔ اس پر یہی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد نماز کے اوقات میں شراب نہیں پیا جاتا تھا مثلاً عشاء کی نماز پڑھ کر شراب پی کے سو جاتے صبح کے وقت شراب کا نشہ بالکل اُتر جاتا۔ نمازِ صبح پڑھ کر پی لیتے اس طرح سے اُن کی نمازوں میں خلل نہ پڑتا۔ اس کے بعد پورے طور شراب کی حرمت نازل ہوئی۔

سوال:۔ نماز کے قریب نہ جانے کا حکم کیوں حالانکہ شراب کے وقت نماز قائم نہ کرنا مقصود ہے؟۔

جواب:۔ اس سے مبالغہ مطلوب ہے۔ کہ جب نماز کے قریب نہ جانے کا حکم ہے تو پھر اُسے قائم کرنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔

فائدہ اس سے نماز سے نہیں روکا گیا بلکہ اس فعل سے روکا گیا ہے جو نماز کے لئے خلل انداز ہے۔

فائدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ گرامی کہ عبد آبق (مالک سے بھاگ جانے والا) اور عورت ناشزہ (شوہر کی بے فرمان) کی کوئی نماز نہیں اگرچہ وہ نماز پڑھیں بھی) کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ اپنی غلطی کو دُور کریں نہ یہ کہ سرے سے نماز ہی نہ پڑھیں اسلئے کہ عبد کا مالک سے بھاگنا اور عورت کا اپنے شوہر کی بے فرمانی اور شراب پینا نماز کی فرضیت کو ساقط نہیں کرتی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ نشہ کے وقت نماز نہ پڑھو۔ ہاں جب تمہیں نماز شروع کرنے سے پہلے معلوم ہو کہ تم اپنے ہوش میں ہو اور جو کچھ کہوگے اُسے تم ہوش و حواس صحیح سے کہوگے اس لئے کہ اس طرح سے انہیں یقین ہوگا کہ وہ نماز میں کیا پڑھیں گے۔

فائدہ سکر اُس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو نشہ آور چیز کو عمل میں لانے سے اس کی عقل کو عارض ہوتا ہے اور یہ کیفیت شراب سے اکثر واقع ہوتی ہے۔ اور کبھی عشق اور نیند اور غضب اور خوب سے بھی صادر ہوتی ہے۔ لیکن سکر حقیقۃً تو شراب سے ہوتا ہے دوسری باتوں سے مجازاً۔ اور یہاں یہی شراب نوشی سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی مراد ہے۔ سکاریٰ سکران کی جمع ہے جیسے کسلان کی جمع کُسالیٰ ہے۔

مسئلہ:۔ مستئِ شراب کے مست کی بیع و شراء ناجائز ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے۔

مسئلہ:۔ وہ اس حالت میں کسی کا نقصان کر ڈالے یا کسی کو قتل کردے یا حدودِ شرعیہ میں سے کسی حد کا ارتکاب کرے تو اُس سے مواخذہ ہوگا۔

مسئلہ :- وہ اس کیفیت میں عورت کو طلاق دے یا بندہ آزاد کرے تو طلاق اور عتاق واقع ہوں گے۔ ہمارے احناف کے نزدیک اسلئے ہے تاکہ نشہ والے کو سزا ہو۔
(خلافاً للشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ)

وَلَا جُنُبًا اس کا عطف وَاَنْتُمْ سُکَارٰی پر ہے اور نصب کے موقع پر ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ سُکَارٰی وَلَا جُنُبًا۔ یعنی نشہ اور جنب کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اور اَلْجُنُبُ ہر اُس شخص کو کہتے ہیں جسے جنابت پہنچے۔ یہ مذکر و مونث ہر دونوں اور واحد و جمع کیلئے برابر مستعمل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مصدر کے قائم مقام واقع ہوا ہے۔ دراصل جنابت بُعد (دُوری) کو کہتے ہیں۔ اور جُنب کو چونکہ تلاوتِ قرآن اور نماز اور مسجد سے دُور رکھا جاتا ہے اس لئے اس نام سے موسوم ہوا۔ **اِلَّا عَابِرِیْ** یہ استثناء اعم الاحوال ہے اور اس کا محل نصب ہے اسلئے کہ لَا تَقْرَبُوا کی ضمیر سے حال ہے باعتبار اس کے کہ یہ مفعولِ ثانی سے مُقید ہے نہ کہ حالِ اولیٰ سے اور اس میں عامل لَا تَقْرَبُوا کی نہی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم جنب کی کسی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ ہاں اگر مُسافر ہو تو پھر تمہارے لئے مذکورہ اُمور جائز ہیں کہ تم سفر کی وجہ سے معذور ہو اسلئے تم تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو سکتے ہو۔ **حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا** یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔ حالتِ جنب میں نماز کے قریب نہ جانے کی غایت یہی ہے کہ تم غسل کر لو۔

مسئلہ :- آیتِ کریمہ میں اشارہ ہے کہ نمازی کے لئے ضروری ہے کہ اُس فعل سے دُور رہے جو نماز کے لئے غفلت کا سبب ہے۔ اور دل کو کسی امر میں مشغول کر دے اور اُسے چاہیئے کہ اپنے نفس کو ان اُمور سے پاک اور صاف رکھے جو اُسے نقصان پہنچانے والے ہوں اور جب کسی کو تزکیہ نفس کے اعلیٰ مراتب کو بروئے کار لانے کی ہمّت ہو تو صرف اَدنیٰ مراتب پر اکتفاء نہ کرے۔

وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اور اگر تم بیمار ہو۔ مرضیٰ مریض کی جمع ہے اور مرض تین قسم کے ہیں۔

(۱) ہر وہ مرض کہ پانی کے استعمال سے موت کا خطرہ ہو۔ جیسے سخت چیچک۔ اسی طرح جسم پر گندے قسم کے پھُنسی اور پھوڑے۔

(۲) ایسا مرض کہ اس میں پانی کے استعمال سے موت کا خطرہ تو نہ ہو لیکن پانی کی وجہ سے مرض کا اِشتداد اور اضافہ ہو جائے۔

(۳) ایسے مرض سے نہ موت کا خوف ہو اور نہ ہی درد و آلام کا خطرہ۔ لیکن پانی کے استعمال

سے جسم میں عیب وغیرہ باقی رہتا ہے۔ فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو قسموں میں تیمم کا جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن تیسری قسم کے تیمم کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔

اَوْعَلٰی سَفَرٍ اس کا عطف مرضٰی پر ہے یعنی تم سفر میں ہو۔ وہ طویل سفر ہو یا قصیر۔

سوال:- یہ بیان تو پہلے ہو چکا ہے پھر اعادہ کی کیا ضرورت ہے؟

جواب:- چونکہ اس پر حکم شرعی مرتب ہوتا ہے اور اس کی کیفیت بیان کرنا مطلوب ہے اور تیمم کے احکام سفر اور مرض سے متعلق ہوتے ہیں بلکہ ہر عجز و احتیاج کے وقت تیمم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا جنابت کے لئے بھی تیمم جائز ہے اگرچہ شہر میں ہو۔ (جبکہ ٹھنڈا پانی اُسے نقصان پہنچائے) اور گرم پانی بھی دستیاب نہیں ہو سکتا یا اس کی قیمت کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسلئے کہ پانی کے استعمال سے عجز جنابت میں عموماً واقع ہوتا ہے۔ بنا بریں اس کا اعادہ کیا گیا ہے۔

اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ یا کوئی تمہارا بیت الخلاء میں آئے۔ الغائط ہر وہ مکان جہاں قضا حاجت کے لئے جایا جائے۔

فائدہ غائط میں آنے سے بے وضو ہونا مُراد ہے اسلئے کہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ جو بھی قضاء حاجت کے لئے کہیں جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ یا عورتوں کو لمس کرے۔ اِس سے مُراد یہ ہے کہ تم اُن سے جماع کرو۔ یعنی جب تمہیں مرض یا سفر یا حدث یا جنابت پہنچے فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً اور تم پانی نہ پاؤ۔ یعنی پانی کے استعمال کی قدرت نہیں رکھتے یا تو سرے سے پانی ہی نہیں ملتا یا ملتا تو ہے لیکن بہت دُور یا پانی ہے تو سہی لیکن اُس کے حصول کا آلہ موجود نہیں۔ مثلاً کنویں وغیرہ سے پانی نکالنے کیلئے بوکہ یا رسّی نہیں یا پانی وغیرہ سے کوئی شے مانع ہے مثلاً پانی کے راستہ پر سانپ یا درندہ یا دشمن بیٹھا ہو فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا تو پاک مٹی کا ارادہ یعنی تیمم کرو۔

فائدہ امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلصَّعِيْد ہر وہ مٹی وغیرہ جو زمین کے اُوپر ہو۔

مسئلہ:- اگر کسی پتھر سے کوئی شخص تیمم کرلے اور اس پتھر پر مٹی وغیرہ ہی نہیں تو ایسے پتھر سے تیمم جائز ہے۔ یہی حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ط پس تم اپنے مُنہ اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لو۔

مسئلہ:- ہاتھوں کا تیمم کہنیوں سمیت ہو۔ اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا تو کہنیوں کو تیمم میں شامل فرمایا۔

فائدہ عقلی طور بھی یہی صحیح ہے اسلئے کہ تیمم وضو کا بدل ہے یعنی تیمم وضو کا نائب ہے تو نائب کو اپنے اصل کے مقام تک محدود رکھا جائے گا۔ (ف) اور فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ الخ میں باء زائدہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور غفور ہے۔ یہ ترخیص وتیسیر کی علت بتائی گئی ہے۔ بلکہ انہیں اس جملہ سے مضبوط اور پختہ کیا گیا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی عادتِ کریمہ ہے کہ وہ خطاء کاروں کی خطاء معاف کرتا ہے اور گنہگاروں کی بخشش دیتا ہے بنابریں اس ذات کو ایسے ہی ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی مخلوق کو آسانی بخشے نہ کہ دکھ اور درد میں مبتلا کرے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ نماز مومن کی معراج اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا بہترین وقت ہے۔ اس لئے کہ نمازی اپنے رب تعالیٰ سے نماز کے وقت کلام کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے ایمان کے مدعیو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ یعنی اسے قربِ الٰہی نصیب نہیں ہو سکتا جو غفلت کے نشہ میں مخمور اور شہواتِ نفسانی میں منہمک ہو اسلئے کہ وہ ہر شے جو قلب کو توجہ الی اللہ سے دور رکھے وہی نشہ ہے اس وجہ سے نشہ کے کئی اقسام بتائے جاتے ہیں۔ ایک نشہ شراب سے اور ایک نشہ غفلت سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حبِّ دنیا کے غلبہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سب سے سخت ترین وہ نشہ ہے جو نفس سرکش سے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شراب کا نشہ اتر سکتا ہے لیکن نفس سرکش کا نشہ ایسا ہے کہ اُس سے ہمیشہ کے لئے حقیقت سے جدائی ہو جاتی ہے۔

س

۱۔ اے اسیر ننگ نام خویشتن	بستہ خود را بدام خویشتن
۲۔ ورنہ نگنجی با خود اندر کوئے او	کم شو از خود تا بیابی کوئے او
۳۔ تا تو نزدیکِ خودی زیں حرفِ دور	غائبے یابی اگر خواہی حضور
۴۔ تا تو از غفلت چو بادہ مست شدی	لاجرم از طور وصلت پست شدی

ترجمہ: (۱) اے نام و ننگ کے قیدی اور خواہشات کی قید میں پھنسے ہوئے۔

(۲) اگر تجھے اس کی گلی میں مکمل نہیں گلی تک جانا نصیب ہو۔

(۳) جب تک تُو خودی میں ہے تجھے تحقیق کا حرف نہ ملے گا اِس سے غائب ہوتا جائے گا اگرچہ تو حضوری کا طالب ہے۔

(۴) بادۂ مست کی طرح تو غفلت میں ہے تو تُو وصال سے دُور رہے گا۔

حَتّٰی تَعْلَمُوْا الخ یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہتے ہو اور کیوں کہتے ہو۔ مثلاً جب نماز کی تکبیر کے وقت تم نے ہاتھ اُٹھا کر کہا "اللہ اکبر" اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ بڑی عظمت والا اور سب سے بزرگ تر ہے۔ پس جب تم نے نماز کے وقت یہی کلمہ زبان سے کہا تو اُس وقت دِل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بغیر اور کسی کی عظمت کا معمولی سا تصوّر بھی نہ ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ دِل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کا نہ خیال ہو اور نہ ہی اس کی محبّت کے ساتھ کوئی اور طلب ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ وَحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ اس کا کوئی ذات میں شریک ہے اور نہ ہی صفات میں۔ اگر کوئی اپنے اِس ذکر تکبیر (اللہ اکبر) کہنے میں جھُوٹا ہے کہ حال قال میں تطابق نہیں تو نشہ والے کی طرح اسے اپنی نماز سے کسی قسم کی قربت نصیب نہیں ہو گی۔ اِس لئے کہ قربتِ الٰہی سجدہ سے مشروط ہے جیسا کہ "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" میں صراحتہً فرمایا گیا ہے۔ صُوفیاء کرام کے نزدیک سجدہ یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کے اوصاف کی سواری سے اُتر کر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے رفرف پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے وجُود قَابَ قَوْسَیْن تک پہنچنے کی کوشش کرے تاکہ اس کے جلال وجمال کا مشاہدہ نصیب ہو۔ نماز کے سجود کے بعد تشہد کے حکم میں یہی راز ہے۔ اِس کے بعد فرمایا وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ یعنی جیسے تم نشہ کی حالت میں قربتِ الٰہی نہیں کر سکتے ایسے ہی جن اُمور سے بُعد ہو اس سے بھی قربتِ الٰہی نصیب نہیں ہوتا۔ ہاں دُنیا سے اس طرح عبُور کر جائے جیسے راستہ عبُور کیا جاتا ہے تو حرج کوئی نہیں لیکن دنیا کو شریعت کے قدموں سے عبُور کیا جائے یعنی اوامر و نواہی کی پابندی کی جائے۔ یہ ایسے ہے جیسے راستہ کے عبُور پر کھانے پینے کے اسباب ضروری ہیں تاکہ حیات کے اُمور اور طاقت بحال رہے۔ اور سفر میں گرمی وسردی کے بچاؤ کے لئے کپڑے ضروری ہیں اس سے سترِ عورت بھی ہوتا ہے اور مُباشرت سے نسل کی حفاظت ہوتی ہے۔ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا یہاں تک کہ قربت وانابت، صدق طلب و حُسنِ ارادہ اور خلوصِ نیّت کے پانی سے دُنیا کی ملابست اور اس کی شہوات سے نہاؤ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اور اگر تم مریض ہو کہ طلبِ حق میں قلب کا مزاج بدل جائے اَوْ عَلٰی سَفَرٍ یا طلبِ دُنیا وعُقبیٰ و

طلبِ مولا کے سفر کے متردد ہو جائے اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَآئِطِ یا تمہارے میں سے کوئی ایک خواہشات کے تتبع کے غائط میں آئے اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ یا تم شغلِ دنیا میں پھنس کر جنبی ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاؤ بعد اس کے کہ تم حظائرِ قدس میں مقیم تھے اور اُنس کے باغات میں سیر کر رہے تھے۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً پس تم صدق انابت اور رجوع الی الحق کا پانی نہ پا سکو کہ اُس سے تمہیں اعراض اور انقطاع عن الخلق حاصل ہو فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا پس تم پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اس مٹی سے اللہ والوں کے قدموں کی مٹی مُراد ہے وہ اللہ والے جو بُرے اعمال اور گندے اخلاق سے اپنے نفسوں کو پاک رکھتے ہیں۔ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ پس تم اپنے چہروں کا مسح کرو۔ یعنی اللہ والوں کے قدموں کی گرد وغبار سے اپنے چہروں کو متبرک کرو۔ اور اُن کے نفوسِ قدسیہ کے برکات اور اُن کے دامن کو اپنے ہاتھوں سے مضبوط کرو۔ اور سچے ارادوں سے اُن کے ارشادات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف کر دے گا۔ جو کہ تم سے پہلے اُن سے انقطاع کر چکے۔ یعنی جتنا قدر تم دُنیا کی گورکھ دھندوں میں ملوث رہے غَفُوْرًا تمہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے کہ تمہیں جس غبارِ شہوت سے بدبختی ملی۔ اسلئے کہ تم کو ان اللہ والوں کے قدموں کی برکت سے سعادت نصیب ہوئی۔ کیونکہ یہ ایسی شخصیتیں ہیں کہ اُن کی نگاہِ کرم سے کوئی بدنصیب ہو سکتا ہے

(۱) کلید گنج سعادت قبول اہل دلست — مبادکس کہ دریں نکتہ شک وریب کند

(۲) شبانِ وادیٔ ایمن گہی رسد بمراد — کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: "(۱) گنج سعادت کی چابی اہلِ دل کو حاصل ہے خدا کرے اس نکتہ میں کسی کو شک و شبہ نہ ہو

(۲) موسیٰ (علیہ السلام) وادیٔ ایمن سے اس وقت مراد کو پہنچے گا جب چند سال شعیب (علیہ السلام) کی بدل و جان خدمت کرے۔"

تفسیرِ عالمانہ اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا۔ یہ خطاب ہر اُس مومن کو ہے جسے رویت حاصل ہے۔ یہاں رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے اس لئے کہ جن کا بیان ہوگا اُن کی غلط کاریاں اتنی مشہور تھیں کہ گویا وہ دیکھنے والوں کے سامنے ہے۔ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا۔ انہیں جو ایک حصہ دیا گیا ہے مِّنَ الْكِتٰبِ کتاب سے۔ یہاں کتاب کا علم مُراد ہے اور کتاب سے تورات اور اَلنَّاس سے یہودی علماء مراد ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو اور وہ اس لائق ہیں کہ تم انہیں دیکھ کر تعجب کرو۔

شانِ نزول یہودیوں کے اُن دو مولویوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول اور کی برادری کے پاس آکر انہیں اسلام سے بہکاتے کی کوشش کرتے۔

یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ (وہ گمراہی خریدتے ہیں) یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انہیں دیکھنے کا حکم ملا تو گویا کسی نے عرض کی کہ انہیں دیکھنے کا حکم کیوں ہے وہ کونسا عجیب کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ وہ گمراہی کے خریدار ہیں جس ہدایت کا انہیں کتاب تورات میں حکم دیا گیا ہے اُسے پس پشت ڈال رہے ہیں۔ **وَیُرِیْدُوْنَ** اور نہ صرف معمولی گمراہی میں مبتلا ہیں بلکہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کریمہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں ہیں[1]۔

اَنْ تَضِلُّوا ان کا ارادہ ہے کہ اے مومنو! تم بھی ان کی معیّت میں گمراہ ہو جاؤ **السَّبِیْلَ** یعنی تم بھی اس راستہ سے بھٹک جاؤ جو سیدھا اور موصل الی الحق[2] ہے اور وہ اس جدوجہد میں اس لئے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا ان کے دین کو اختیار کرے تاکہ سب کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہو اور صرف وہی سیاہ و سپید کے مالک ہوں۔ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ** (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے **بِاَعْدَآئِكُمْ** (تمہارے دشمنوں کو۔ اور منجملہ تمہارے دشمنوں کے ایک یہ بھی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُن کی عداوت پر اس لئے خبردار فرمایا ہے تاکہ تم اُن کی حرکتوں سے بچ سکو۔ اور اُن سے میل جول نہ رکھو۔ یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے حالات اور اور اُن کے انجام کو خوب جانتا ہے **وَكَفٰى بِاللّٰهِ** یہ باَ زائدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافی ہے **وَلِیًّا** تمہارے جملہ امور اور تمہاری تمام ضروریات کا کفیل۔ **وَلِیًّا** بمعنی مُحِبًّا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ محبت کرتا ہے۔ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِیْرًا** (اور اللہ تعالیٰ کافی یعنی ہر مقام پر تمہارا مددگار ہے)۔ اسی لئے صرف اسی پر بھروسہ کرو۔ اور اس کی فتح و نصرت پر سہارا رکھو اور اس کے غیر سے پورے طور منہ موڑ لو۔ بلکہ غیر اللہ کو خیال تک نہ لاؤ اور جو تمہارے درپے آزار ہیں اُن سے کسی قسم کا خطرہ نہ رکھو جب تمہارا حامی و ناصر اللہ تعالیٰ ہے تو وہی تمہارے دشمنوں کے مکر و فریب اور ان کے شر اور فساد سے تمہیں محفوظ فرمائے گا۔

مسئلہ آیت میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جسے کتاب الٰہی کے ظاہری علوم سے کچھ حصہ نصیب ہو لیکن اس کے باطنی اسرار و رموز سے محروم ہو تو وہ علمائے سوء میں شمار ہوتا ہے اور علمائے سُوء وہ ہیں جو دنیوی حرص و ہوا کو مدنظر

---

[1] ہمارے دور میں آج کل یہی ڈیوٹی نجدی۔ وہابی۔ دیوبندی اور اُن کی تمام شاخیں سرانجام دے رہی ہیں (اُویسی غفرلہ)

[2] حق تک پہنچانے والا۔

رکھ کر اور مال و جاہ کے طمع میں پڑ کر حکومت اور عوام میں مقبول ہونے کی فکر میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کے دین میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ میں اس مداہنت فی الدین و اتباع الہویٰ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دین بیچ کر دنیا خرید تے ہیں پھر وہ دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔ علمأ کرام کو خیر خواہانہ نصیحت ہے کہ اے پرہیزگار علمأ تم تو حضرات انبیأ علیہم السلام کے وارث ہو اور صرف تمہیں حق کے طالب ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو گمراہی سے نکال کر حق پہ لانے والے تم حضرات ہو۔ اگر لوگ تمہارے ساتھ حسد کرتے ہیں تو کیا ہوا اس سے مت گھبرا کہ عوام تمہارا گلہ و شکوہ کرتے یا تمہاری عیب جوئی کے پیچھے لگے رہتے ہیں بلکہ اکثر لوگ تمہارے درپے آزار رہتے ہیں۔ تم اپنے کام کو نہ چھوڑو۔ راہِ حق کی باتیں سناتے جاؤ۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ تم دشمنوں کی باتوں کی طرف کان مت لگاؤ۔ جبکہ وہ تمہیں طریقِ حق سے ہٹانا چاہتے ہیں بلکہ وہ تمہیں اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ تمہیں غیر اللہ کی طلب اور غیر اللہ کے حصول کی رغبت دلاتے ہیں لیکن تم جس بات کے مامور ہو اسے ہرگز نہ چھوڑو یعنی طاعت الٰہی میں لگے رہو۔

سبق دنیا میں ذلیل ترین وہ شخص ہے جس میں دو عادتیں ہوں:

(۱) گمراہی

(۲) دوسروں کو گمراہ کرنا

اور یہی دونوں باتیں علمأ سوٗ میں ہوتی ہیں اس لئے کہ انہیں خلق خدا سے واسطہ پڑتا ہے پھر وہ طمع و لالچ میں پھنس کر خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہی کے گھاٹ اُتارتے ہیں۔

علاج مداہنت فی الدین کی گندی بیماری کا علاج طمع و لالچ کو مٹانا ہے جب تک طمع و لالچ کی بیخ کنی نہیں ہوگی مداہنت سے نجات نصیب نہ ہوگی

حکایت مروی ہے کہ کسی بزرگ نے بلی پال رکھی تھی اس کے لئے اپنے پڑوسی قصاب سے چھیچھڑے لایا کرتے ایک دن اس قصاب میں اس بزرگ نے کوئی برائی دیکھی ارادہ کیا کہ اسے نصیحت کریں لیکن چونکہ اس سے روزانہ بلی کے لئے چھیچھڑے لایا کرتے یہ بھی اس سے ایک قسم کی لالچ کا پھنس پھنساؤ والا معاملہ تھا اس لئے گھر جا کر پہلے بلی کو گھر سے نکال دیا پھر قصاب کے ہاں پہنچے اور اُسے بُرائی سے روکا۔ قصاب نے وہی طعنہ دیا کہ میں آئندہ آپ کو بلی کے لئے چھیچھڑے نہیں دوں گا آپ نے فرمایا میں نے تجھے نصیحت ہی اس وقت کی ہے جبکہ بلی کو گھر سے نکال لیا ہے تاکہ اُس کی وجہ سے نصیحت کرنے سے نہ رُک جاؤں۔

نسخہ روحانی جو شخص چاہے کہ میری تقریر اور میرے وعظ و نصیحت سے لوگ خوش ہوں وہ کبھی رضائے الٰہی نہ پا سکے گا۔

سبق سالک کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو غلیظ اور رذیل عادات سے پاک اور صاف کرے اور مذموم خصلتوں سے بالکل صاف اور ستھرا ہو جائے۔ ؎

چوں طہارت نبود کعبہ و بتخانہ یکیست

نبود خیر دراں خانہ کہ عصمت نبود

ترجمہ: جب باطنی صفائی نہ ہو تو کعبہ و بتخانہ میں کوئی فرق نہیں اور پھر خیر و بھلائی سے خالی سمجھو جس کی حفاظت نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا یہ خبر ہے اور اس کا مُبتدا محذوف ہے در اصل عبارت یوں تھی من الذین ھادوا قوم - یعنی یہودیوں کی ایک قوم ہے۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (وہ کلمات کو اپنے مقامات سے تبدیل کرتے ہیں) الکلم جنس ہے اس لئے کہ متعدد مقامات پر اس کے لئے ضمیر واحد لائی گئی ہے اور مواضع کو جمع کر کے لانے میں بھی یہی حکمت ہے کہ الکلم اسم جنس ہے کہ تورات میں انہوں نے متعدد مقامات پر تحریف کی تھی۔ یحرفون بمعنے یُزِيْلُوْنَ ہے اس لئے کہ انہوں نے تورات کو تبدیل کر ڈالا یعنی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مقصد کو اپنے مطلب پر ڈھالا۔ گویا انہوں نے تورات کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مطالب کو زائل کر دیا۔

فائدہ اس کے دو طریقے تھے۔

(۱) باطل تاویل سے کلام کے اصلی مطلب کو پھیرنا جیسے ہمارے زمانہ کے اہل بدعت کا طریقہ ہے[1] کہ وہ اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کے لئے غلط تاویل کر کے آیات میں تحریف کرتے ہیں۔

(۲) ایک کلمہ کے بجائے دوسرا کلمہ لکھ دینا جیسے یہودیوں کا طریقہ تھا کہ جہاں پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت مبارک ہوتی۔ وہاں کوئی دوسرا کلمہ لکھ دیتے مثلاً آپ کی تعریف میں تورات میں تھا "اسمر ربعة" انہوں نے اس کے بجائے لکھا آدم طوال اسی طرح تورات میں جہاں رجم کے الفاظ تھے وہاں انہوں نے "حد" لکھ دیا۔

وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے ہیں ہر اس امر کے لئے جو ان کے خواہشات فاسدہ کے مخالف ہوتا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے یا آپ کی عدم موجودگی میں زبان حال سے یا مقال سے سَمِعْنَا (ہم نے تمہاری بات سن لی)۔ وَعَصَيْنَا (اور بے فرمانی کی) یہ عناد کے طور پر کہتے یا اپنی مخالفت کے ثابت کرنے کی بنا پر وَاسْمَعْ ہماری بات سن لو۔ غَيْرَ مُسْمَعٍ یہ مخاطب حال سے ہے اور اس کلام کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں (۱) مدح اب معنیٰ یوں ہو گا کہ

---

[1] جیسے ہمارے دور کے معتزلہ وہابیہ نجدیہ کا طریقہ ہے کہ بتوں کی آیات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

سُن لے اے مخاطب کہ تمہیں کوئی تکلیف دہ بات نہ سنائی دے۔ (۲) ذم اس کا مطلب یوں ہوگا کہ اے مخاطب تو سُن لے۔ لیکن خدا کرے کہ تم کسی کی بات کو نہ سن سکو بوجہ بہرہ پن کے یا بوجہ موت کے یعنی تمہارے حق میں ہماری دُعا ہے کہ تم کوئی بات نہ سُن پاؤ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اُن کی دُعا قبول ہوجائے تو مخاطب کو سننے کا موقع بھی میسّر نہ ہوگا کہ وہ بہرہ ہوجائے گا۔ گویا یہ الفاظ اس آرزو پر کہتے کہ کاش اُن کی تمنا پوری ہو۔ یہودیوں کا طریقہ تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کو یہ کلمات ثنا کر مدح کا اظہار کرتے۔ لیکن دل میں دوسرے معنیٰ کا آرزومند رہتے۔

وَرَاعِنَا یہ کلمہ بھی دو وجہوں کا حامل ہے:۔

(۱) خیر کا احتمال ہو تو معنیٰ ہوگا کہ اے نبی علیہ السلام ہماری پاسداری فرمایئے اور ہمارے اوپر بھی نظرِ کرم فرمایئے اور ہماری طرف بھی نظرِ التفات ہو تاکہ ہم آپ سے کچھ معروضات پیش کرسکیں۔

(۲) شر کا احتمال ہو اب نبی علیہ السلام کو گالی دینا مقصود ہوگا جبکہ رُعُونت بمعنے حماقت مدِنظر رکھتے یا اسے عبرانی یا سریانی کلمہ سے مشابہ کرکے حضور علیہ السلام کو خطاب کر گئے اس لئے کہ عبرانی یا سریانی میں یہ کلمہ گالی کے لئے مستعمل ہوتا۔ اور وہ بھی یہ کلمہ بول کر نبی کریم علیہ السلام کو گالی دیتے تھے لیکن بظاہر اس سے نبی علیہ السلام کی توقیر و تعظیم کا دم بھرتے۔

سوال یہ کلمات ذوالوجہین کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس سے قبل وہ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا کہہ کر آپ سے مخالفت و معاندت کی تصریح کر چکے۔ جب اُن کی مخالفت متعین ہوچکی تو اب اس ذوالوجہین کلمہ میں بھی وہی مخالفت و معاندت ہوگی۔ کفار (یہود) سب کے سب حضور علیہ السلام سے صراحۃً مخالفت و معاندت پر تُلے ہوئے تھے؟

جواب آپ ہیبت وحشمت اور مومنین کی غیرت و حمیّت کے خطرہ سے صریح سب و شتم کی جرأت نہیں رکھتے تھے اسی لئے ان کو سب وشتم کے لئے ایسے ذوالوجہین کلمات کی ضرورت پیش آئی۔

لَیًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ اس کا منصوب ہونا (بہ بنائے معفول لہ) علت کے لئے ہے یعنی وہ یہ کلمات زبان کو اُلٹا کرکے اور کلام کو اپنے اصلی معنیٰ سے تبدیل کرکے کہتے ہیں تاکہ وہ حضور علیہ السلام کو جی بھر کے گالی دے سکیں مثلاً غَیْرَ مُسْمَعٍ کو لا اسمعت مکروہا کے بجائے اور راعنا کو راعینا کے مشابہ کرکے تاکہ راعنا بمعنے انظرنا سمجھا جائے۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ان کلمات سے بظاہر تو نبی علیہ السلام کو دُعاؤں سے یاد کرتے ہیں لیکن اندرونی خباثت سے آپ کو گالی دیتے اور آپ کی تحقیر کرتے ہیں۔ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ (اور دین پر طعن زنی کے لئے) یا اس سے تمسخر و استہزا کرکے دین پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ (اور اگر وہ) انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی سُن کر۔ قَالُوْا (زبانِ حال یا مقال سے۔ سمعنا وعصینا کے بجائے) کہتے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اور اسمع غیر مُسمع کے بجائے صرف واسمع کہتے ہیں۔ اسمع کے بعد غیر مُسمع کا اضافہ نہ کرتے اور "راعنا کے بجائے "انظرنا" کہتے یعنی وہ اپنے

کلام میں کسی قسم کا شر اور فساد اور ہیر پھیر نہ کرتے۔ یعنی اگر وہ ثابت قدم رہ کر کلمات مذکورہ کے بجائے مسطورہ بالا کلمات کہتے۔ لَکَانَ تو مسطورہ بالا کلمات کی وجہ سے خَیْرًا لَّھُمْ اُن کے لئے بہتری ہوتی وَ اَقْوَمَ اور نہایت ہی احسن اور اچھا تھا۔ اور اُن کے لئے یہی سیدھا راستہ تھا۔

سوال جب اُن کے تمام کلمات سراسر بے ہودہ تھے تو پھر لفظ خیر کیوں لایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے وہ کلمات من وجہ اچھے تھے؟

جواب اُن کے کلمات کو اُن کے گمان فاسد کے مطابق ایسے ہی کہا گیا ہے ورنہ وہ فی نفسہٖ اچھے نہیں تھے اس کی نظیر دوسری آیت کے یہ کلمات ہیں فرمایا قُلْ آٰللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِكُوْنَ (فرمائیے کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں)۔

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ لیکن جب وہ اپنے کلمات پر بضد رہے اور اپنی بکواس سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا اور ان کے کفر کی وجہ سے انہیں رحمت سے محروم رکھا۔ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ پس اس کے بعد وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اِلَّا قَلِیْلًا (مگر تھوڑے) یہ لعنہم کی ضمیر سے استثنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کو ملعون بنایا۔ مگر ایک تھوڑا سا گروہ اس لعنت سے بچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے استثنا فرما کر اُن سے ایمان کا راستہ بند فرمایا چنانچہ اس کے بعد یہودیوں کے چند علماء ایمان کی دولت سے نوازے گئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت کعب اور اُن جیسے اور (رضی اللہ عنہم) اور یہ استثنا لَا یُؤْمِنُوْنَ سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ہاں اگر لائیں گے تو تھوڑا۔ یہ وہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ لیکن حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انکار کریں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اُس اُمت کے علماءِ سُوء بھی عملی طور تحریف قرآنی کرتے ہیں اگرچہ زبان سے اُس پر سچے دل سے عقیدت کا دم بھرتے ہیں جیسے یہودیوں کا طریقہ تھا کہ زبان سے تو سَمِعْنَا کہتے کہ ہم حکم الٰہی کے مطابق تارکِ دنیا اور اس کے زیب و زینت سے اور خواہشات نفسانی سے دور ہیں اور صرف آخرت کے طالب ہیں۔ دنیا سے ہمیں کیا غرض۔ اپنے مالک و مولیٰ کی طلب میں ہم مخلوق سے کسی کا واسطہ نہیں رکھتے اور عملی حالت یہ ہے کہ مذکورہ بالا اُمور کی ان سے بُو نہیں آتی اور ان مقامات و مراتب کا حصول تو بجائے ماند گرد سے بھی محروم ہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو ایسے اعمال سے موصوف ہیں اور ان کے غلط طریقوں سے مطعون کرتے ہیں۔ ایسے علماءِ سُوء قلبی طور پر ایمان نہیں لاتے ہاں انمیں بعض اچھے بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ خواہشات نفسانیہ سے یکسر دور رہتے ہیں اور ایمان حقیقی ہے اور وہ لوگ طلب حق اور صدق اور اخلاص عمل اور ترکِ دنیا اور اُس کے نقش و نگار کی نفرت کی تصویر ہوتے ہیں بلکہ طلب معبود میں سو جان سے

قربان ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

(۱) مشو مغرور ایں نطق مزور
بنادانی مکن تو خود را سرور

(۲) اگر علم ہمہ عالم بخوانی
چوں بے عشقی از حرفے ندانی

ترجمہ: (۱) اس کھوٹے بول پہ دھوکہ نہ کھا بیوقوفی سے خود کو سردار نہ سمجھ۔
(۲) تمام دنیا کے علوم پڑھو اگر تمہارے میں عشق نہیں تو یقین کرو کہ تم ایک حرف بھی نہیں جانتے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم پڑھتا ہے لیکن اس میں اس کی رضائے الٰہی مطلوب نہیں بلکہ اسے صرف دنیوی اغراض مدِّ نظر ہیں تو وہ قیامت میں بہشت کی خوشبو تک سے محروم ہوگا۔

علم نافع کے فوائد حضرت شیخ شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علم نافع کی برکت سے طاعتِ الٰہی پر مدد ملتی ہے اور خوف الٰہی نصیب ہوتا ہے اور حدود الٰہی کی پابندی حاصل ہو سکتی ہے۔ دراصل علم عرفانی یہی علم ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں علوم درا ہم و دنانیر کی طرح ہیں کہ اگر چاہو تو وہ تمہیں نفع دیں گے اگر چاہو تو وہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے ایسے ہی علم کی کیفیت ہے کہ اگر اس میں خشیت الٰہی ہو تو اس میں اجر و ثواب ہے اور اس سے منافع بھی حاصل ہوں گے ورنہ وہی علم وبالِ جان ہے کہ اُلٹا گناہ اور سزائے الٰہی سوا۔ اور یہی علم اُلٹا تمہارے اوپر حجت ہوگی۔

خشیت الٰہی کی علامت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی چند علامت ہیں:
(۱) ترکِ دنیا (خلقِ خدا سے کنارہ کشی) (۲) نفسِ امارہ کی اصلاح۔ (۳) شیطان کے ساتھ جنگ۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

(۱) دعویٰ کنی کہ برترم از دیگراں بعلم
چوں کبر کردی از ہمہ دوناں فروتری

(۲) شاخ درخت علم ندانم بجز عمل
تا علم با عمل نکنی شاخ بے بری

(۳) علم آدمیت و جواں مردی و ادب
ورنہ بدی بصورت انساں برابری

(۴) ترک ہوا است کشتی دریائے معرفت

عارف بذات شو نہ بدیں قلندری

(۵) ہر علم را کہ کار نہ بندی چہ فائدہ

چشم از برائے آن بود آخر کہ بنگری

ترجمہ: "تیرا دعویٰ ہے کہ علمی لحاظ سے میں دوسروں سے برتر ہوں اگر تیرے میں تکبر ہے تو کمینوں سے بھی کمینہ تر ہے۔

(۲) علم کے درخت کی شاخ عمل ہے علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ شاخ بے پھل ہے۔

(۳) علم آدمیت و جوانمردی اور ادب کا نام ہے۔ اگر تیرے میں بُرائی ہے تو پھر عام آدمیوں کے برابر ہے۔

(۴) دریائے معرفت کی کشتی خواہشات کا ترک ہے اس قلندری سے نہیں بلکہ ذات حق سے عارف ہو۔

(۵) عمل پر اگر عمل نہ کروگے تو کیا فائدہ۔ وہی امید ہونی چاہیئے جو تو اپنے عمل کو دیکھ رہا ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (اے لوگو جو کتاب (تورات) دیئے گئے ہو) اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا (اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمایا) یعنی قرآن پر۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (وہ قرآن اس حال میں ہے کہ وہ اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے) یعنی تورات کی بھی وہ قرآن تصدیق کرتا ہے۔

فائدہ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ قرآن انہی اوصاف سے اُترا ہے جیسے تورات میں لکھا گیا تھا یا یہ کہ قصص و مواعید اور توحید اور لوگوں کے مابین انصاف کی دعوت اور معاصی و فواحش سے نہی جیسے تورات میں تھی ایسے ہی اس میں ہے۔

سوال قرآن پاک کے بہت سے احکام یعنی اوامر و نواہی تورات کے منافی ہیں یہ تصدیق ہے یا تکذیب؟

جواب چند احکام کی جزئیات کی تبدیلی اعصار و اُمم کی تبدیلی کی وجہ سے ہے اسے حقیقتاً مخالفت نہیں کہا جاتا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ مخالفت بھی موافقت نظر آئے گی کہ زمانہ کی طرف اضافت کی وجہ سے ہر دونوں حق ہیں اور ہر دونوں میں ایسی حکمتیں مضمر ہیں کہ احکام تشریعی انہی حکمتوں کے گرد گھومتے ہیں۔ بالفرض والتقدیر اگر یہ دونوں متقدم و متاخر ہو کر نازل ہوتیں تو زمانہ کی ضروریات کی کفالت لے کر اترتیں۔ اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام آج بظاہر زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا (اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں)۔

حل لغات الطمس محو آثار و ازالۂ اعلام کو کہا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایمان لاؤ اُس وقت سے پہلے جب ہم تمہارے چہروں کے خطوط بگاڑ دیں اور ان کے آثار کو زائل کر دیں مثلاً آنکھ اور ابرو اور ناک

اور منہ اپنے مقامات پر نہ رہیں۔ **فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ** پھر ہم انہیں تمہاری پشتوں کی طرف پھیر دیں کہ تمہارے چہروں کو تمہاری پشتوں کی طرح ہموار کر دیں کہ چہرے بھی پشتوں کی طرح ہموار نظر آئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کا بھی مطلب یہی ہے چنانچہ فرمایا کہ ہم تمہارے چہروں کو اونٹوں کے پاؤں اور گھوڑوں کے کھروں کی طرح بنا دیں۔ اس تقریر پر **فَنَرُدَّهَا** کی فا سببیہ ہوگی یعنی بایں سبب کہ ہم اُن کے چہروں کو پشتوں کی طرف پھیر دیں یا چہرہ بگاڑنے کے بعد پھر اُن کی پشتوں کی طرف پھیر دیں اور اُن کی پشتوں کو اُن کے چہروں کے مقام پر رکھ دیں۔ اس طرح سے وہ دو عذابوں میں مبتلا کئے جائیں گے یعنی چہرے پشتوں کی جگہ اور پشتیں چہروں کی جگہ پر (۲) چہروں کا بگاڑ یہ ان کے لئے دو عذاب ہیں۔ **اَوْ نَلْعَنَهُمْ** (یا انہیں لعنتی بنا دیں) یعنی بگڑے ہوئے چہروں والوں کو رسوا کریں۔ **كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ** (جیسا کہ ہم نے ہفتہ والوں کو رُسوا کیا) کہ انہیں بندر اور خنازیر بنا دیا۔

فائدہ وعید کا وقوع ایمان سے مشروط ہے اور اس سے وجوداً و عدماً معلق ہے کہ اگر انہیں ایمان پایا گیا تو سزا سے بچ جائیں گے ورنہ اس سزا مذکور میں مبتلا کئے جائیں گے چنانچہ ان میں بعض کو دولتِ ایمان نصیب ہوئی تو وہ وعید مذکور سے محفوظ ہو گئے۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ (اور ہے اللہ تعالیٰ کا عذاب) **مَفْعُوْلًا** o (ضرور بالضرور ہونے والا)۔ یہ انہیں شدید وعید ہے یعنی اے اُمّتِ محمدیہ علی صاحبہا السلام تمہارے ساتھ اسی طرح ہو جیسے گذشتہ اُمتوں کے ساتھ ہو گذرا ہے فلہٰذا تمہیں ایسی وعید سے ڈرنا چاہیئے اور کفر کو چھوڑ کر ایمان حاصل کیجئے اور توبہ و استغفار کا شعار بنائیے۔

فائدہ اس اُمّتِ محمدیہ علی صاحبہا السلام میں بھی مسخ بارہا وقوع پذیر ہوا (چند حکایات پڑھئے)

حکایت حضرت ابو علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک قافلہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا ہم ایک شخص کو امیر قافلہ منتخب کر کے اس کی ہدایات پر سفر کرتے رہے۔ چلتے چلتے ہم ایک جگہ پر آرام کرنے کے لئے اُترے تو وہ بدبخت یعنی ہمارا امیر قافلہ سیدنا ابو بکر و سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دینے لگا۔ ہم نے اسے ہر چند سمجھایا لیکن اس نے ہماری ایک نہ مانی۔ جب ہم صبح کو اُٹھے تو سامان سفر باندھا تو حسب دستور اُس کے سفر کی تیاری کے آثار نظر نہ آئے ہم چل کر اُس کے ہاں پہنچے تاکہ معلوم کریں کیا ماجرا ہے (کہ آج سفر کے لئے تیار نہیں ہو رہا) اگر دیکھا تو وہ جانور کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اور اُس کے پاؤں ایک بڑی چادر سے ڈھلپے ہوئے تھے ہم نے اسے علیحدہ کیا تو دیکھا کہ اُس کے پاؤں خنزیر کی طرح تھے۔ ہم نے اس کا سامانِ سفر باندھا اور اُسے پکڑ کر اس کی سواری پر بٹھایا لیکن وہ سواری سے چھلانگ لگا کر نیچے اُترا اور خنزیر کی طرح تین آواز نکالے اور بھاگ کر خنزیروں سے جا ملا پھر

مکمل خنزیر کی شکل میں ہوگیا۔ اس کے بعد ہم میں سے کوئی پہچان نہ سکا کہ ان خنزیروں میں ہمارا امیر قافلہ کونسا ہے یعنی مکمل طور پر خنزیر ہی ہوا۔ (روضۃ العلماء)۔

حکایت ۲ مروی ہے کہ ایک احادیث کے راوی (محدث) کا سر گدھے کی طرح ہوگیا جبکہ اس نے ایک صحیح حدیث کے مضمون کا انکار کیا وہ یہ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رکوع و سجود میں امام سے پہلے سر رکھے گا یا اٹھائے گا تو اس کا سر گدھے کی طرح ہو جانے کا امکان ہے تو اس نے آزمائشی طور ایک روز امام کے خلاف کیا تو سر گدھے کی طرح ہوگیا۔[1]

فائدہ یہ مسخ صوری ہے دوسرا مسخ معنوی بھی ہوتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ سخت اور ہولناک ہے وہ اس لئے کہ کوئی شخص ابتداءً میں نابینا ہو تو اس کے لئے امکان ہے کہ وہ بعد کو بینا ہو جائے لیکن (معاذاللہ) باطنی طور قلب کا اندھا ہو جائے تو وہ آخرت تک اندھا رہے گا اور سیدھا راستہ اسے نصیب ہی نہیں ہوگا اور ظاہر ہے کہ آخرت کی رسوائی دنیا کی رسوائی سے کہیں زیادہ سخت اور ہولناک ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اس جدوجہد میں رہے کہ اس سے حق تعالیٰ راضی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حق سے منہ پھیر کر اسے دنیا کے گورکھ دھندے میں لگا دیا جائے اور خواہشاتِ نفسانیہ میں اسے گرفتار کیا جائے بلکہ اس سے انسانی صفات چھین کر اسے درندگی اور شیطانی صفات میں پھنسا دیا جائے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

(۱) باتو ترسم نشود شاہد روحانی دوست
کالتماس تو بجز عالم جسمانی نیست

(۲) سعی کن تاز مقام حیوانی درگذری
کاھنست آئینہ مادام کہ نورانی نیست

(۳) خفتگان را چہ خبر زمزمۂ مرغ سحر
حیوان را خبر از عالم انسانی نیست

(۱) مجھے خطرہ ہے کہ تیرا شاہد روحانی مددگار نہ ہو جبکہ تیری طلب عالم جسمانی کے سوا نہیں۔
(۲) سعی کرتا کہ تو مقام حیوانی سے گذر جائے اس لئے کہ وہ جس آئینہ میں روشنی نہ ہو وہ لوہا ہے (آئینہ نہیں)۔
(۳) مرغ سحر کے نغمہ سرائی کی سونے والوں کو کیا خبر حیوان کو تو خبر ہو اور انسان بے خبر ایسا انسان عالم انسانی سے نہیں۔

[1]: شیعہ حضرات کے لئے کتنا سبق ہے۔

[2]: وہابی، دیوبندی اور پرویزی اپنا انجام دیکھ لیں۔

تفسیر صوفیانہ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اُس کے متعلق تحقیقی قول یہ ہے کہ انسان ابتدائی تخلیق میں اس عالمِ محسوس کا مانوس ہوگیا۔ اس کے بعد فکر و عبودیت سے گویا وہ اسی طرح عالمِ محسوسات سے عالمِ معقولات کی طرف سیر کرتا جاتا ہے۔ اللہ کے آگے معقولات ہے اس کے پیچھے عالمِ محسوسات۔ رُسوائی پائے گا وہ جو آگے سے پیچھے کی طرف چلتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اُن کی مذمت فرماتا ہے نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ (وہ اپنے سروں کو اُلٹا رکھنے والے ہیں) اللہ تعالیٰ سے ہم فائدہ کے بعد نقصان اور خیر کے بعد شر سے پناہ مانگتے ہیں۔

حکایت عبداللہ بن احمد مؤذن فرماتے ہیں کہ میں کعبۃ اللہ کے گرد طواف کررہا تھا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کعبہ شریف کے پردوں سے چمٹ کر عرض کر رہا ہے۔ اے اللہ! مجھے دنیا سے مسلمان کر کے روانہ فرما" اس سے آگے کچھ نہیں کہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ صرف مسلمان ہوکر مرنے کی دعا مانگتے ہیں کچھ اور بھی مانگ لو۔ اُس نے کہا اگر آپ کو میرا ماجرا معلوم ہو جائے تو آپ مجھے واقعی معذور سمجھیں گے میں نے کہا آپ اپنے ماجرا کی تفصیل سنائیے اُس نے کہا میرے دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی نے محض رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر اذان پڑھی۔ جب موت کا وقت قریب ہوا تو کہا مجھے قرآن مجید دو۔ ہم قرآن مجید لائے کہ وہ شاید اُس سے برکت حاصل کرتا ہے لیکن قرآن مجید ہاتھ میں لے کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گواہ ہو جاؤ میں قرآن کے جمیع احکامات و اعتقادات سے برأت ظاہر کرتا ہوں اور نصرانی مذہب قبول کرتا ہوں چنانچہ وہ اس حالت میں نصرانی ہوکر مرا۔ اس کے بعد اور میرے دوسرے بھائی نے تیس سال تک مسجد میں فی سبیل اللہ اذان پڑھی لیکن جب اس کی موت واقع ہوئی تو پہلے بھائی کی طرح نصرانی ہوکر مرا۔ اب مجھے خطرہ ہے کہ میں اُن کی طرح نہ ہو جاؤں اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اِس دین اسلام پر استقامت بخشے میں نے اس سے پوچھا آپ کے اُن دونوں بھائیوں کا زندگی میں عملی کردار کیا تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ بے گانہ عورتوں کے پیچھے لگے رہتے تھے اور اور وہ بے ریش لڑکوں سے بھی عشق رکھتے تھے[1]۔

سبق یہ دونوں گندے عمل ہی مُرتد اور ملعون اور مسخ ہونے کے اسباب ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ کریم ہمیں تزکیہ نفس اور اس کی اصلاح کی توفیق عنایت فرمائے اور خاتمہ ایمان پہ ہو ؎

خدایا بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ

ترجمہ: اے اللہ حب بنی فاطمہ کے طفل قول ایمان پر میرا خاتمہ فرما۔

---

[1] اس سے زانیوں اور لوطیوں کو اپنا انجام دیکھنا چاہیئے۔

(اُویسی غفرلہٗ)

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ (بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں بخشے گا جو شرک کا ارتکاب کرے گا) ۔ جبکہ وہ توبہ کئے بغیر مرجائے اور اُسے ایمان کی دولت نصیب نہ ہو۔ اس لئے کہ حکمت تشریعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ وہ کفر کے تمام دروازے بند ہوجائیں۔ اگر کفر سے توبہ کے بغیر بخشش کا جواز مانا جائے تو اس سے کفر کا دروازہ کھلا رکھنا لازم آئے گا۔ علاوہ ازیں کفر کی تاریکیاں اور معاصی کی آندھیاں نورِ ایمان کو چھپا دیتی ہیں۔ پھر جس کے ہاں ایمان کی روشنی ہی نہیں ہوگی تو اُسے کفر و معاصی کی وجہ سے کیسے معافی نصیب ہو سکتی ہے وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ (اور شرک کے سوا تمام گناہ بخش دے گا۔ اگرچہ وہ کتنا ہی بُرے اور بڑے کیوں نہ ہوں یعنی صغیرہ کبیرہ گناہ محض اپنے فضل و کرم سے توبہ کے بغیر بھی بخش دے گا لیکن ہر ایک کو نہیں بلکہ لِمَنْ یَّشَآءُ آخ (جس کے لئے چاہے گا)۔ یعنی ان گناہوں کا جو بھی مرتکب ہوگا اسے معاف کردے گا بشرطیکہ اُن سے آگے نہ بڑھے یعنی شرک کا ارتکاب نہ کرے[1]

فائدہ ہمارے شیخ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمنام (رحمۃ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں اس سے وہ مؤمن

---

[1] ہمارے دور میں شرک کی غلط تعبیر کرکے مسلمانوں کو مشرک گردانا جارہا ہے فقیر شرک کے متعلق مختصر سا تبصرہ کرتا ہے

شرک کے کہتے ہیں حضرت علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے جو تمام دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور عقائد اہلسنت کی مستند کتاب ہے۔

الاشراك هو اثبات الشريك في الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام۔ (شرح عقائد نسفی ص۶۱)	ترجمہ: مشرک ہونے کا یہ مطلب ہے کہ الوہیت میں (اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو) شریک ثابت کیا جائے (الوہیت کا معنیٰ) واجب الوجود ہونا جیسا کہ مجوس نے کہا یا (الوہیت کا معنی ہے) عبادت کا حقدار ہونا جیسا کہ بت پرستوں نے کیا۔

فائدہ علامہ نسفی کی مذکورہ بالا تصریح سے یہ معلوم ہوا کہ الوہیت کے دو معنیٰ ہیں۔

(۱) واجب الوجود ہونا۔

(۲) عبادت کا حقدار ہونا۔

مشرک کون مشرک وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اِلٰہ یعنی واجب الوجود یا مستحق عبادت مان لیا جائے اور توحید یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو الٰہ یعنی واجب الوجود اور مستحق عبادت مانا جائے اور اس کے سوا سب الٰہ یعنی واجب الوجود اور عبادت کا مستحق ہونے کی نفی کی جائے چنانچہ اسی شرح عقائد

باقی اگلے صفحہ پر

مراد ہیں جو شرک سے بچتے رہے اللہ تعالیٰ اُن کے تمام صغائر و کبائر گناہ فرمادے گا اس لئے کہ وہ شرک جیسی لعنت سے محفوظ رہے ۔ بخلاف مشرکین کے کہ انہیں شرک کی سزا کے علاوہ گناہوں کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کے حاشیئے میں شرح مقاصد سے نقل کرتے ہیں کہ

ان حقیقة التوحید اعتقاد عدم الشریك فی الالوهیة وخواصها واراد بالالوهیة وجوب الوجود

(شرح عقائد نسفی ص۲۷)

ترجمہ: توحید کی حقیقت یہ ہے کہ الوہیت اور اس کے خاصوں میں کسی چیز کے شریک نہ ہونے کا عقیدہ رکھا جائے اور الوہیت سے مراد واجب الوجود ہونا لیا ہے ۔

فائدہ اس میں بھی اس امر کی صراحت ہے الوہیت کا معنیٰ واجب الوجود ہونا ہے اور شرک کا حقیقی معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب الوجود سمجھا جائے ۔

اسی حاشیہ میں ہے ۔

المحدث للعالم هو الله بمنزلة ان الصانع للعالم هو الذات الواجب الوجود فالمعنی عدم اشتراك مفهوم الواجب الوجود بین الاثنین ۔

ترجمہ، تمام جہان کا موجود کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔ یہ کہنا اس مرتبہ میں ہے کہ یہ کہا جائے کہ تمام جہان کا بنانے والا صرف ذات واجب الوجود ہے توحید کا معنیٰ یہ ہے کہ واجب الوجود کا مفہوم دو کے درمیان مشترک نہیں ۔

فائدہ اس عبارت کا مفہوم بھی اسی بارے میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے دوسرا کوئی واجب الوجود نہیں ۔ یہی توحید ہے ۔ شرح عقائد کی شرح نبراس میں ہے ۔

وقال بعضهم ان اصل التوحید هو عدم الاشتراك فی صفة الوجوب

(النبراس ص۱۵۵)

ترجمہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ اصل توحید یہ ہے کہ واجب الوجود ہونے کی صفت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے ۔

اس کے بعد فرمایا ۔

اما عدم الشرك فی الصنع واستحقاق

ترجمہ: رہا کائنات کے بنانے اور عبادت کا حقدار

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیسے کہ اُن کے شرک کو معاف نہیں کیا جائے گا ایسے ہی اُن کے صغائر و کبائر بھی معاف نہیں ہوں گے ہاں اہل ایمان کو جیسے اللہ تعالیٰ نے شرک کی لعنت سے بچا کر انہیں شرک کی سزا کے عذاب سے محفوظ فرمایا۔ ایسے ہی شرک

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

العبادة فمن لوازمه

ہونے میں اس کا کسی کو شریک نہ ماننا تو یہ توحید کے لوازمات میں سے ہے۔

فائدہ ان دونوں تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ واجب الوجود ہونے میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ماننا توحید کا اصل معنیٰ ہے اور عبادت میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرنا یہ توحید کا اصل مفہوم نہیں بلکہ توحید کا لازم ہے۔ کیونکہ جو واجب الوجود ہے وہی عبادت کا حقدار ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں اسی لئے اس کے سوا کوئی عبادت کا حقدار نہیں۔ نیز عقائد حنفیہ کی مشہور کتاب شرح فقہ اکبر میں ہے۔

والحاصل ان صانع العالم واحد اذ لا یمکن ان یصدق مفهوم واجب الوجود الا علی ذات واحدة متصفة بنعوت متعددة (شرح فقہ اکبر ص۱۶)

ترجمہ: حاصل یہ ہے کہ تمام جہان بنانے والا ایک ہے اس لئے کہ واجب الوجود کا مفہوم سوائے ایک ذات کے جو متعدد صفتوں والا ہے اور کسی پر صادق نہیں آتا۔

اسی میں ہے:

وهذا لانه تعالیٰ واجب الوجود لذاته وما سواه ممکن الوجود فی حد ذاته فواجب الوجود هو الصمد الغنی الذی لا یفتقر الی شیء ویحتاج کل ممکن الیه فی ایجاده و امداده

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی جیسا نہیں اس لئے کہ وہ واجب الوجود لذاتہ ہے اور اس کے ماسوا سب اپنی ذات میں ممکن الوجود ہیں۔ تو واجب الوجود وہ صمد اور غنی ہے جو کسی شی کا محتاج نہیں اور اس کی طرف ہر ممکن محتاج ہے اپنے موجود ہونے اور جاری رہنے میں۔

حضرت امام فخر الدین رازی قدس سرہٗ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ

واما الواجب لذاته فهو الله تعالیٰ فقط۔ (تفسیر کبیر ص۱۶۴ ج ۱۰)

ترجمہ: بہرحال واجب الوجود لذاتہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہے دوسرا کوئی نہیں۔

نیز اسی میں ہے۔

باقی اگلے صفحہ پر

کے ماسوا کے عذاب سے بھی محفوظ فرما کر مغفرت سے نوازے گا۔
وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًا ۝ (اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

لانہ بحسب دلالتہ علی الوجوب الذاتی یدل علی جمیع السلوب۔
(تفسیر کبیر ص۵۳۵ ج ۸)

ترجمہ: لفظ الصمد اللہ تعالیٰ کی شان میں جو آیا ہے یہ اس کے واجب الوجود لذاتہٖ ہونے پر دلالت کرنے کے اعتبار سے تمام سلبی صفات پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ ان مذکورہ بالا آئمہ کی تصریحات سے جہاں یہ واضح ہوا کہ واجب الوجود ہونا الوہیت کا معنیٰ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ میں ہے اور کسی میں نہیں پایا جاتا وہاں (واجب الوجود کا مفہوم بھی واضح ہوا کہ) واجب الوجود وہ ہے جو اپنی ذات اور اپنی صفات اور اپنے کاموں میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ دوسرے سب اس کے محتاج ہوں۔ یعنی اس کی ذات خود قائم ہے اسے کسی نے نہیں بنایا۔ اس کی صفتیں اس کی ذات سے یعنی ذاتی ہیں۔ کسی نے اسے وہ صفتیں دی نہیں۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اتقان میں فرماتے ہیں۔

فالتوحید اثبات الٰھیۃ المعبود وتقدیسہ ونفی الٰھیۃ ماسواہ۔
(اتقان ص۱۶ ج ۲)

ترجمہ: پس توحید یہ ہے کہ معبود کی الوہیت اور ہر عیب سے اس کا پاک ہونا ثابت کیا جائے اور اس کے ماسوا الوہیت کی نفی کی جائے۔

گذشتہ تحقیق سے یہ چند باتیں ثابت ہو چکی ہیں کہ

(۱) الوہیّت کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ماننا اور اس کے ماسوا الوہیّت کی نفی کرنا توحید ہے۔

(۲) الوہیّت کا معنی واجب الوجود ہونا اور عبادت کا حقدار ہونا ہے۔

(۳) واجب الوجود ہونا الوہیّت کا اصلی حقیقی معنیٰ ہے اور عبادت کا حقدار ہونا الوہیت کا التزامی معنیٰ ہے۔

(۴) واجب الوجود کا معنیٰ کہ ذات اس کی خود قائم ہے کسی نے بنائی نہیں اور اس کی صفتیں اس کی ذات سے قائم ہیں کسی نے اس کو صفتیں عطا نہیں کیں اور کام وہ خود اپنی طاقت و قدرت و علم و حکمت و تصرف سے کرتا ہے کسی کی دی ہوئی طاقت و قدرت و علم سے نہیں۔

صفات باری تعالیٰ ہمارا عقیدہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ذات میں کوئی شریک نہیں ایسے ہی اس کی صفات و افعال میں صفات و افعال اللہ تعالیٰ کی ذاتی ہیں (معاذ اللہ) اس کو کسی نے عطا نہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہے وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ پر اتنا بہت بڑے گناہ کا افترا کرتا ہے کہ جس کی انتہا کو کوئی جاتا ہی نہیں۔ بلکہ باقی تمام گناہ اس کے بالمقابل کچھ بھی نہیں بنابریں ایسے شخص کی

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

بلکہ اس کی اپنی ذات سے یعنی ذاتی ہیں اور کسی مخلوق میں خواہ انبیاءِ کرام یا اولیائے عظام میں یا کسی دوسری مخلوق میں علم و قدرت حیات سننا دیکھنا ارادہ یا حاجت روائی یا مشکلکشائی، امداد دینا وغیرہ صفات خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور عطائی ہیں۔ ایسی صفات کسی میں ملنے سے اس کا خدا ماننا لازم نہیں آتا۔

مثلاً اگر کوئی ایسی صفات یعنی کسی کی دی ہوئی خدا تعالیٰ میں مانتا ہے تو اس نے خدا تعالیٰ کو خدا اور الٰہ نہیں مانا۔ بلکہ کفر کا مرتکب ہوا ہے۔ اسی طرح ایسی صفات یعنی عطائی کسی مخلوق میں ماننے سے بھی اس کا خدا اور الٰہ ماننا نہیں صحیح ہوتا کیونکہ جو عطائی صفت ہے وہ مخلوق کا خاصہ ہے وہ خدا تعالیٰ میں نہیں اور جو ذاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے وہ مخلوق میں نہیں۔ مخلوق میں کوئی صفت ذاتی ماننا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے اور عطائی صفت کو اللہ تعالیٰ کی صفت کہنا بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ توحید کی حقیقت جاننے کے لئے یہ امر ذہن نشین رکھنا نہایت ضروری ہے۔

علم الٰہی قرآن کریم کی جن آیات میں اللہ تعالیٰ کے علم کا بیان ہے ان میں علم ذاتی کا بیان ہے جو کسی کا عطا کیا ہوا نہیں کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور الٰہ کا خاصہ ہے۔ مثلاً

(۱) اِنَّ اللّٰہَ عَالِمُ غَیۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا غیب جاننے والا ہے۔

(۲) عَالِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ ؕ

ترجمہ: وہ غیب اور شہادت کو جاننے والا ہے۔

(۳) وَعِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُہَاۤ اِلَّا ہُوَ ؕ

" : اور اس کے پاس غیب کی چابیاں ہیں کوئی اس کے سوا ان کو نہیں جانتا۔

(۴) اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ؕ

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ بارش برساتا ہے اور وہ اسے جانتا ہے جو مادہ کے رحم میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

بخشش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فائدہ اہل اسلام کے لئے قرآنی آیات میں سے اس آیت سے بڑھ کر اور کوئی آیت نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور وعدۂ کریمانہ سے خوشخبری بخشی ہے کہ شرک کے ماسوا باقی تمام گناہ بخش دے تو اس

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

فائدہ ان آیات میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا بیان ہے جو صرف ذاتی ہے عطائی نہیں۔ لہٰذا ان آیات میں عطائی اور ذاتی اوصاف کو گڈمڈ کرنا سخت ترین گمراہی ہے۔

قاعدہ اسلامیہ جن آیات و احادیث میں انبیائے کرام علیہ السلام یا اولیائے کرام علیہ الرحمۃ والرضوان اور دیگر مخلوق کے علم کا ذکر ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم یعنی عطائی کا ذکر ہے کیونکہ وہ مخلوق کی صفت کا خاصہ ہے۔ ایسی صفت والا خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ہو سکتا مثلاً

(۱) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝

ترجمہ: اور یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب پر بخل کرنے والے نہیں ہیں۔

(۲) عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ۝

ترجمہ: اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ اپنے خاص غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا۔ سوائے ان کے جن کو رسول کی حیثیت سے اس نے چن لیا۔

(۳) وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیم علیہ السلام کو زمینوں آسمانوں کی بادشاہی۔

(۴) وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

ترجمہ: اور آدم علیہ السلام کو تمام کے تمام ناموں کا علم اللہ تعالیٰ نے دیا۔

(۵) وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ

ترجمہ: اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) میں تمہیں ان چیزوں کی خبر دوں گا جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔

دیوبندیوں وہابیوں کی غلط خیالی ان آیات میں حد بندی کرنا کہ کل مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ نہیں دیتا بعض چیزوں کا علم دیتا ہے۔ محض شانِ رسالت و ولایت سے بغض و عناد ہے اور قرآن کریم کی تحریف اور گمراہی ہے کیونکہ کل مخلوقات کے علم یا بعض کے علم کی صفت خداوندی میں کوئی تقسیم نہیں اس کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

سے کون پوچھنے والا ہے جس کے لئے چاہے بالخصوص حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وہ اُمتی جو اہل توحید ہیں اور ایمان و اسلام کے معاملہ میں خالص و مخلص ہیں۔ چنانچہ اُن کے لئے دوسرے مقام پر فرمایا۔ اِنَّ اللہَ یغفو

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

صفت جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔

قاعدہ اسلامیہ جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حاجت روائی کا ذکر آیا ہے اس میں اس کی ذاتی قدرت اور قدرتِ ذاتی سے حاجت روائی کا ذکر ہے۔ مثلاً

۱۔ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر ایک شے پر قادر ہے۔

(۲) وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ تجھے نقصان اور تکلیف پہنچائے تو اس کو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ فائدہ اور نفع کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔

(۳) قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللہُ

ترجمہ: آپ فرمادیں کہ میں اپنے نفس کے لئے کسی نفع یا نقصان کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔

(۴) مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ

ترجمہ: تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایتی و مددگار نہیں۔

(۵) اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللہِ

ترجمہ: کیا کوئی ہے جو لاچار کو پکارتے وقت اس کی پکار کو قبول کرے اور اس کی تکلیف کو دور کرے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے کیا اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہے۔

فائدہ یہ اور ایسی دوسری آیات میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حاجت روائی اور مدد و حمایت کا ذکر ہے اس لئے ان میں بالواسطہ اور وسیلہ کے طور پر تکلیف دور کرنے اور عطائی طاقت سے تکلیف دور کرنے کو بھی شامل کر کے خاصۂ خداوندی بنانا تحریف اور گمراہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات صرف ذاتی ہیں۔ مخلوق اور خصوصاً انبیاء و اولیاء کرام کی طاقت اور مدد بالواسطہ اور عطاءً خداوندی ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

الذنوب جمیعًا (بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخشتا ہے)۔

شان نزول اور حکایت حضرت وحشی قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرۃ حمزہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عریضہ بھیجا کہ میرا ارادہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤں لیکن مجھے قرآن

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

قاعدہ اسلامیہ جن آیات و احادیث میں دوسری مخلوق یا انبیا کرام و اولیا کرام کی امداد اور حاجت روائی کا ذکر ہے وہ بالواسطہ اور عطائی ہے جو مخلوق کا خاصہ ہے وہ خدا تعالیٰ کی صفت نہیں مثلاً:

۱۔ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ط — ترجمہ: اے اللہ ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حمایتی بنا دے اور ہمارے لئے کوئی مددگار بنا دے۔

۲۔ اعینونی بقوۃ ط — ترجمہ: پوری قوت کے ساتھ تم میری مدد کرو۔

۳۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط — ترجمہ: اور تم صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔

۴۔ مَنْ انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ ط — ترجمہ: (ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام) میرا اللہ کی طرف کون مددگار رہے تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

۵۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم — ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔

۶۔ وابرئ الاکمہ والابرص واحیی الموتی باذن اللہ ط — ترجمہ: (ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کہ میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔

۷۔ وتعاونوا علی البر والتقوی — ترجمہ: آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں پر۔

صحابیوں کا عقیدہ نہ کہ وہابیوں کا صحابہ کا عقیدہ وطریقہ کبھی شرک نہیں ہو سکتا ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم رضوان مشکل کے وقت اپنی حاجت بارگاہِ رسالت میں پیش

کی ایک آیت کا مضمون اسلام قبول کرنے سے مانع ہے وہ آیت ہے وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ (وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرتے اور کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ ہی زنا کرتے ہیں) ان تینوں مذکورہ ارشادات کے خلاف کیا۔ بایں ہمہ پھر بھی میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

کرتے اور ان کی حاجت روا ہو جاتی۔ جیسا کہ گذشتہ قسط میں باحوالہ احادیث مبارکہ لکھ دی گئی ہیں۔

تو ان آیات و احادیث طیبہ اور ایسی دوسری آیات و احادیث میں عطائی طاقت سے مدد کرنے اور حاجت روائی اور تصرف کا ذکر ہے اس کو خداوند کریم کی صفت کہنا توحید اور صفات خداوندی سے بے خبری اور شانِ رسالت سے بغض کی وجہ سے ہے۔

وہابیوں دیوبندیوں کا غلط قاعدہ اس میں مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب کا فرق کرنا من گھڑت اور گمراہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں مافوق الاسباب وغیرہ کا کوئی فرق نہیں۔ ذاتی طاقت سے مدد کرنا مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب دونوں کو شامل ہے نیز مافوق الاسباب تصرف و اختیار مخلوق کے لئے قرآن کریم میں ثابت ہے۔

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک

ترجمہ: اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کہ میں اس (تخت بلقیس) کو آپ کے پاس آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں۔

مافوق الاسباب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملکہ سباء بلقیس کا تخت لانے کے لئے اپنے درباریوں کو حکم فرمایا۔ ایک عفریت نے کہا کہ میں آپ کے کچہری برخاست کرنے سے پہلے آج ہی تخت لے آؤں گا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اس سے جلدی چاہیئے تو آپ کے ایک صحابی نے جو انسان تھا یہ کہا کہ میں آپ کے پاس وہ تخت آنکھ کے لحظہ میں لے آتا ہوں جب آپ نے دیکھا تو وہ تخت آپ کے پاس حاضر پڑا تھا۔ اس کو آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت و عنایت شمار کیا اور شکرِ خداوندی ادا کیا۔

فائدہ ظاہر ہے کہ اتنا طویل و عریض لمبا چوڑا تخت لانے کے لئے انسانی طاقت کافی نہیں بلکہ ریڑھے یا انسانوں کی ضرورت ہے۔ نیز ایک لحظہ کافی نہیں بلکہ اتنے دور دراز منظر کے لئے کئی دن درکار ہیں یہ اسباب ہیں لیکن ان اسباب کے بغیر آپ کا صحابی جو ولی اللہ تھا خدا تعالیٰ کی عطا کردہ مافوق الاسباب قوت سے تخت لے آیا

(باقی اگلے صفحہ پر)

عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (مگر وہ جو کفر وغیرہ سے تائب ہو کر نیک عمل کریں وہی ہیں جن کی برائیاں اللہ تعالیٰ نیکیوں سے تبدیل کر دے گا)۔ حضور علیہ السلام نے وحشی کے پاس یہی آیت لکھ کر بھجوا دی۔ اُس نے لکھا کہ اس میں عمل صالح کی شرط ہے اور میں ایسے اعمال نہیں رکھتا۔ ممکن ہے مجھ سے نیک اعمال نہ ہو سکیں۔ اس کے عذر پر یہی آیت نازل ہوئی یعنی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ الخ آپ نے یہی آیت وحشی کو لکھ کر بھیج دی۔ پھر بھی وہ عذر کرنے لگا کہ اس آیت میں بھی بخشش کا حتمی وعدہ نہیں کیا گیا ممکن ہے میں اس شرط پر بھی پورا نہ اُتر سکوں۔ اس کے بعد یہ آیت اُتری قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ)

جس کو ہُدہُد نے وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ کہا کہ ملکہ سبا کا تخت بہت ہی بڑا ہے اور کوئی تقسیم نہیں۔ اور اس تقسیم کا غلط ہونا بھی گذشتہ قرآنی آیات کی روشنی میں واضح ہو گیا۔

صحابی کا عقیدہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میرے والد عبد اللہ فوت ہوئے تو ان پر بہت سا قرض تھا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امداد طلب کی کہ قرض لینے والے قرض میں سے کچھ حصہ چھوڑ دیں۔ لیکن حق لینے والے اس پر رضامند نہ ہوئے۔ تو آپ مجھے حکم فرمایا کہ چھوہارے باغ سے توڑ کر علیحدہ علیحدہ ڈھیر کر دینا۔ پھر مجھے پیغام بھیجنا پھر حسب حکم میں نے کیا۔ آپ تشریف لائے۔ پھر آپ ان کے اوپر یا درمیان میں بیٹھ گئے اور آپ نے حکم فرمایا کہ تول تول کر لوگوں کو دیئے جا۔ میں نے سب کو ان کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور میرے چھوہارے ابھی اسی طرح پورے تھے ان میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا (بخاری شریف ص۲۸۶ ج-۱)

فائدہ اس حدیث پاک سے یہ امر صراحتہً ثابت ہوا کہ صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاجت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امداد طلب کی تو آپ نے ان مافوق الاسباب طریقے سے ان کی مشکل حل کر دی اور حاجت روائی فرما دی۔ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ کا پھل قرض کی ادائیگی کا سبب تھا وہ ناکافی تھا اور آپ کی یہ مدد عطاءِ خداوندی سے تھی۔ جب ان کو امداد ملی تو قرض ادا ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ کا پھل جتنا تھا اتنا ہی ابھی موجود تھا۔ اس کے ظاہری اسباب میں سے کوئی سبب نہ تھا یہ دو شہادتیں ایک آیات قرآنی اور دوسری حدیثِ نبوی سے بطور نمونہ پیش کر دی ہیں سمجھدار کے لئے اتنا کافی ہے اور ضدی تو لاعلاج ہے اس کے لئے ہزاروں صفحات بھی ناکافی۔ تفصیل فقیر کی کتاب توحید و شرک میں ہے۔

(اُویسی غفرلہٗ)

الذنوب جمیعًا] فرمایئے اے حد سے بڑھنے والو میرے بندو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے گا۔ حضور علیہ السلام نے یہی آیت لکھ کر بھیجی جب اسے دیکھا کہ بلا شرط اسلام قبول ہے تو مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مرے اور اس وقت وہ شرک سے پاک ہو تو وہ بہشت میں داخل ہو گا۔

حکایت ابو العباس شریح نے اپنے مرض الموت میں خواب دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے علماء کہاں ہیں۔ جب وہ بارگاہِ حق میں حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا تم نے اپنے علم پر کیا عمل کیا سب جواب دیں گے اے اللہ العٰلمین ہم نے کوتاہی کی اور غلطی کے مرتکب ہوئے گویا وہ کریم اس جواب کو ناپسند فرمائے گا۔ دوبارہ وہی ارشاد ہو گا تو میں عرض کروں گا۔ اے اللہ میرے اعمال نامے میں شرک نہیں اور تیرا وعدہ تھا کہ جو نہیں کرے گا میں اسے بخش دوں گا۔ اللہ تعالیٰ سب کو فرمائے گا جاؤ میں نے تم سب کو بخش دیا۔ اس کے تین دن بعد حضرت شریح کا وصال ہو گیا۔

سبق اللہ تعالیٰ سے اچھی اُمید اور اس پر نیک گمان رکھنے سے اسی طرح نیک صلہ نصیب ہوتا ہے ؎

(۱) کنونت کہ چشمست اشکے ببار
زبان در دہانست عذرے بیار

(۲) کنوں بایدت عذر تقصیر گفت
نہ چوں نفسِ ناطق زگفتن بخفت

غنیمت شمار ایں گرامی نفس
کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس

ترجمہ: (۱) ابھی تیرے پاس آنکھیں ہیں فلہذا آنسو بہا زبان منہ میں ہے عذر پیش کر۔
(۲) ابھی تجھے عذر کہنے کی طاقت ہے نہ اس وقت جب نفس ناطق بولنے سے رہ گیا۔
(۳) آج کے مقدس نفوس کو غنیمت سمجھ کہ پنجرہ مرغ کے بغیر بے قیمت ہے۔

تفسیر صوفیانہ شرک کی طرح مغفرت کے بھی تین مراتب ہیں۔ (شرک کے مراتب)
(۱) شرک جلی
(۲) شرک خفی
(۳) اخفیٰ

(۱) شرک علی اعیان سے تعلق رکھتا ہے اور یہ عوام میں پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ غیر اللہ کی پرستش کی جائے۔ جیسے بعض لوگ اصنام و کواکب وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں اُن کی توحید کے اقرار کے بغیر ہرگز بخشش نہ ہوگی۔ وہ یہ کہ پوشیدہ اور اعلانیہ ہر طرح سے اپنی عبودیت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے۔

(۲) شرک خفی خواص سے متعلق ہے وہ اس طرح کہ عبادت میں عبودیت کو غیر ربوبیت مثلاً حصول دنیا اور التفات ماسویٰ اللہ جیسے مہلک امراض سے مخلوط کردے اور وحدانیت کے بغیر اُس کی بخشش ناممکن ہے وہ اس طرح ایک کو ایک کے لئے صرف ایک سے مانے۔

(۳) شرک اخفیٰ صرف خاص الخواص حضرات سے متعلق ہے اور وہ اخفیٰ روانانیت کو خیال خاطر لانے کو شرک کہتے ہیں اور یہ وحدت کے بغیر نہیں بخشا جائے گا اور یہ وحدت یہ کہ ناسوت کو لاہوت میں فنا کر دیا جائے تاکہ ہویت کو بقا اور انانیت کو فنا ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی مرتبۂ شرک کو اس کے مطابق مغفرت عنایت نہیں فرمائے گا۔ اس کے ماسوا جس کو چاہے جیسے چاہے بخشش عنایت فرمائے اور جو بندہ جس طرح کے شرک سے بخشش مانگے گا اسے اللہ تعالیٰ اسی قسم کی مغفرت سے نوازے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک کرے تو وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے مابین وجود اپنا اور انانیت کا حجاب کھڑا کرتا ہے اور یہی تو سب سے بڑا حجاب ہے جیسے کسی نے فرمایا ؎

وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب (تیرا اپنا وجود ایسا گناہ ہے کہ اُس کا کوئی ثانی نہیں)۔ ؎

نیستی جولانگہ اہل دلست
شاہراہِ عاشقان کاملست
چو وجودت محو کردی از میاں
نورِ وحدت چشم دِل راشد عیاں
شرک رہزن باشد اے دل در طریق
ذکر توفیق خدا را کن رفیق!

ترجمہ (۱) نیستی اہل دل جولانگاہ ہے لیکن عاشقان کامل کی شاہراہ ہے۔
(۲) جب تم اپنے وجود کو درمیان سے محو کردو گے تو تم پر نور وحدت عیاں ہوگا۔
(۳) طریقت میں شرک رہزن ہے ذکر الٰہی کو راہ حق میں اپنا رفیق بنا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ (کیا تم نے انہیں دیکھا جو اپنی نفسوں کا تزکیہ کرتے ہیں)۔
یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب کی بنا پر ہے کیا تم یہودیوں کو نہیں دیکھ رہے ہو کہ وہ اپنے نفوس

اور زبان کی صفائی دے رہے ہیں حالانکہ درحقیقت الٹا کئی خرابیوں میں ملوث ہو رہے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اُس کے محب ہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم چھوٹے بچوں کی طرح ہیں اور چھوٹے بچے اگرچہ غلطیاں بھی کرلیں تو اُن کے نام گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اُن سے تعجب اس لئے ہے کہ اتنا بہت بڑے گناہ بلکہ بہت بڑے کفر میں مبتلا ہو کر نازاں ہیں کہ ہم نیک پاک ہیں۔

مسئلہ اس عموم میں وہ شخص بھی شامل ہے جو اپنی صفائی بیان کرتا ہے اور تقویٰ اور طہارت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا مدعی ہے اگرچہ اس میں یہ اُمور پائے جائیں تب بھی اظہار نامناسب ہے۔

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان خود بینی سے بچے۔

بَلِ اللّٰهُ (وہ کسی طریق سے بھی اپنی صفائی نہیں پیش کر سکتے کیونکہ ان کا کذب اور اُن کے اعتقادات کا بطلان ظاہر ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ يُزَكِّي مَنْ يَّشَآءُ (اپنے پسندیدہ بندوں کی صفائی کا اظہار فرماتا ہے جو کہ اس تزکیہ کی اہلیت رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر آدمی کا ظاہری و باطنی حال اور اس کی نیکی اور بُرائی جانتا ہے اور ان یہودیوں کی تو اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔ پھر وہ اپنے نفوس کی اپنی صفائی کا کس طرح اظہار کر رہے ہیں وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (اور وہ تاگے برابر بھی ظلم نہیں کئے جائیں گے)۔ یعنی اُن کو اُن کی غلطیوں کی سزا ضرور دی جائے گی لیکن ایسا نہیں کہ اُن پر ظلم ہو بلکہ انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ اُن پر تاگہ کی مقدار میں بھی ظلم نہیں ہوگا۔ الفتیل سے معمولی ظلم اور سب سے چھوٹی زیادتی مُراد ہے۔ دراصل فتیل کھجور کی گٹھلی کے اُس چھلکے کو کہتے ہیں جو اُس کے منہ میں ہوتا ہے لیکن اس سے تمثیل دے کر معمولی اور حقیر شے مراد لی جاتی ہے۔ مجرم کو اس کے استحقاق سے زیادہ سزا دینے اور جزا کے مستحق کے اجر و ثواب میں کمی کر دینے کا نام ظلم ہے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ (دیکھئے کیسے) يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افترا کرتے۔ یعنی ان کا یہ گمان فاسد کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اُس کے ہاں بہت پسندیدہ ہیں۔

سوال افترا خود جھوٹ ہے تو پھر اُس کے ساتھ کذب لانے کا کیا فائدہ؟

جواب اس سے مبالغہ مطلوب ہے تاکہ اُن کے حال کی قباحت پُورے طور ہو۔

وَكَفٰى بِهٖٓ (اُن کا یہ افترا کافی ہے) یعنی اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ پر افترا ہے قطع نظر اُن کے اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھنے اور دیگر بہت بڑے گناہوں کے ارتکاب کے۔ اِثْمًا مُّبِيْنًا (کھلا گناہ ہے)۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا ہی اُن کا بہت بڑا گناہ ہے اگرچہ اُن کے اور بھی بہت بڑے ان گنت گناہ ہیں۔ اُن سے وہ گناہ بھی سرزد نہ ہوتے تو اُن کا اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے کا گناہ ایسا بڑا جرم ہے کہ دوسرے تمام گناہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں اِثْمًا مُّبِيْنًا ترکیب میں تمیز ہے۔

سوال اس سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنے آپ کو یہ بھی نہ کہے کہ میں مؤمن ہوں اس لئے کہ اس میں بھی ایک قسم کی خود ستائی

ہے؟

جواب ابو منصور رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی کا انا مؤمن (میں مؤمن ہوں) کہنا خودستائی نہیں اس لئے کہ اس لفظ سے اس اکرام و احترام کی خبر دے رہا ہے جس سے وہ نوازا گیا ہے۔ اور یہ جائز ہے۔ خودستائی تو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو متقی و صالح سمجھ کر اپنی مدح و ثنا کے طور لوگوں کو سنائے۔

نسخہ روحانی حضرت سری سقطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ایسے اوصاف یا لباس کی اہلیت نہیں وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مراتب گر جاتا ہے۔

سبق سالک مؤمن پر واجب ہے کہ وہ خودستائی سے کنارہ کشی کرے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود اونچے مراتب کے مالک ہونے کے فرماتے ہیں" اولاد آدم کا سردار ہوں لیکن میں یہ فخریہ طور نہیں کہتا۔ جیسا کہ عموماً لوگوں کی عادت ہے کہ وہ خواہ مخواہ اپنی تعریف و توصیف میں لگے رہتے ہیں (بلکہ میں تو بطور تحدث نعمت کے کہتا ہوں)۔

فائدہ حضور علیہ السلام کا فخریہ طور یہ الفاظ فرمانا بھی بوجہ اسی قرب کے ہیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اولاد آدم سے (جسمانی طور) مقدم ہیں جیسے کہا جائے کہ فلاں شخص بادشاہ کا مقرب ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ شخص بادشاہ کے ہاں بہت بڑے مراتب کا حامل ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ چلتے وقت وہ شخص رعایا سے سب سے آگے ہوتا ہے۔

(۱) اگر مردی از مردیٔ خود مگوی
نہ ہر شہسوارے بدر برد گوی

(۲) گنہگار اندیشناک از خدا
بسے بہتر از عابد خود نما

(۳) اگر مشک خالص نداری مگو
وگر ہست خود فاش گردد بوی

ترجمہ: (۱) اگر مرد کامل ہے تو اپنی مردی نہ کہہ کیونکہ ہر سوار بازی نہیں لے جاتا۔

(۲) گنہگار ہو کر خدا سے ڈرنے والا اس عابد سے بہتر ہے جو خودنما ہے۔

(۳) اگر تیرے پاس خوشبو نہیں دعویٰ نہ کر اگر ہے تو وہ خود ظاہر ہوگی۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

جوز خالی درمیانِ جوزہا
می نماید خویشتن را ازصدا

ترجمہ: خالی اخروٹ اخروٹوں کے درمیان اپنے خالی ہونے کا خود آواز دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ان دونوں میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان مولویوں کو تم نے نہیں دیکھا کہ علوم ظاہری پڑھ کر فخر و ناز سے پھولے نہیں سماتے۔ اور ہر وقت اپنے ہمجنس مولوں کے ساتھ مناظروں و مجادلہ میں لگے رہتے ہیں اور سفہا (عوام) کو اپنے اشاروں پر نچاتے ہیں۔ اس سے اُن کی روحانی طور مدح وثنا نہیں بلکہ اس طرح سے تو اُن کے گندے اوصاف میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مثلاً اس طریقہ سے اُن کا فخر بڑھ جائے گا عوام سے اختلاط کے مرض میں اضافہ ہوگا اور پھر لڑائی جھگڑا تو اُن کا شیوہ بن جائے گا اور کبر۔ عجب اور حسد وریا اور حُب جاہ اور حصول اقتدار اور کرسی کی طلب کے ساتھ دوسروں پہ استیلاء و غلبہ کی ہوا و ہوس کے خوگر ہو جائیں گے بل اللّٰہ یزکی من یشآء ہاں اللہ تعالیٰ جس کی مدح فرمائے وہ مالک ہے جس کے لئے چاہے کہ اُن کے نفوس ارباب تزکیہ کے حوالے فرما دے۔ ارباب تزکیہ سے علمأ راسخین اور مشائخ محققین مراد ہیں اور ان کے حوالے کرنے کا وہی طریقہ ہے جیسے موچی کو چمڑا دیا جاتا ہے تاکہ وہ اُسے ایسا صاف ستھرا کرے کہ رنگائی کے بعد وہ جوتے اور دیگر ضروری اشیا تیار کرنے کے لائق ہو جائے۔ ایسے جو شخص اپنا کسی اللہ والے کے سپرد کرتا ہے تاکہ اُسے صاف وستھرا کردے اور اُس کی تربیت فرمائے تو پھر اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے تربیت کنندہ کے تصرفات پر صبر کرے اس کی حالت اس کے لئے ایسے ہو جائے جیسے میّت نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جیسے وہ فرمائے اُسے بجالائے اُسی کے اشاروں پہ چلے اُس کے کسی معاملہ میں دخل اندازنہ ہو بلکہ جتنا شدائد اور تکالیف اُس سے پہنچیں بطیّب خاطر سر پہ رکھے اس لئے کہ جو اپنے نفس کی صفائی اور ستھرائی کرتا ہے وہی کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ صفائی کنندہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں جب آپ ظاہری حیات میں رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ (الآیۃ) (وہ اللہ تعالیٰ جس نے ان پڑھوں میں رسول (علیہ السلام) بھیجا جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کے آیات پڑھتے اور انہیں پاک صاف کرتے) آپ کے وصال شریف کے بعد وہ علمأ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالواسطہ تزکیہ و تربیت نصیب ہوئی جنہیں اولیأ کرام کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام سے اُن کی تربیت و تزکیہ نفس کا سلسلہ جاری ہوا۔ یہاں تک کہ انہیں یہ دولت نصیب ہوئی۔ بخدا۔ اولیأ اللہ اپنے دور میں کبریت احمر سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ حسینی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) در طریقت رہبر دانا گزیں

زانکہ راہ دوراست و رہزن درکمیں

(۲) رہبرے باید بمعنے سربلند

از شریعت و ز طریقت بہرہ مند

(۳) اصل و فرع و جزو و کُل آموختہ

شمع از نورِ علم افروختہ

(۴) ظاہرش از علم کسبی باخدا

باطنش میراث دار مصطفٰےؐ

(۵) ہر کہ از دست عنایت برگرفت

روز اوّل دامن رہبر گرفت

(۶) ہر کہ در زندان خود رائے فتاد

بند اورا سالہا نتواں کشاد

(۷) اے سلیم القلب دشوار است کار

تا نہ پنداری کہ پندار است کار

ترجمہ: (۱) طریقت میں دانا (کامل) کی تلاش کرو کیونکہ راستہ دور اور رہزن چھپے بیٹھے ہیں۔

(۲) ایسے رہبر کی تلاش کرو جو حقیقت میں سربلند اور شریعت و طریقت سے بہرہ ور ہو۔

(۳) وہ اصل و فرع اور جزو و کل کا مل کا حامل ہو اس نے نور علم سے شمع روشن کی ہو۔

(۴) اس کا علم کسبی از خدا ہو اس کا باطن دار مصطفٰےؐ کی میراث ہو۔

(۵) جس کو دست عنایت الٰہی کی مدد ہوئی اس نے روز اوّل سے رہبر حاصل کرلیا۔

(۶) وہ جو خود رائی کے گڑھے میں پھنسا اس کا تالہ سالوں تک نہ کھلے گا۔

(۷) اے سلیم القلب یہ کام بہت دشوار ہے یہ نہ سمجھنا کہ یہ کوئی خیالی بات ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ مُرشد کا دامن تھامے اُسے توحید اور بقا بعد از فنا کی واقفیت نصیب نہ ہو اس کے دامن کو چمٹا رہے اس لئے کہ صرف علم فرمان کا حصول نجات نہیں بخشتا جبتک کہ حقیقت حال کا تحقق نہ ہو اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "سب سے بدبخت وہ شخص ہو گا جس کی زندگی پر قیامت قائم ہوگی یعنی علم توحید سے واقفیت تو حاصل کرلی لیکن نفس کو فنائیت نصیب نہ ہوئی۔ ایسا شخص زندیق ہوتا ہے جو فنا نہ پاسکا اور زندگی کے گورکھ دھندوں میں لگا رہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاصی و فحشا سے بچالے (آمین)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ
الطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ
نَصِيْرًا ۝ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ
يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ
مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا
سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا
لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ اِنَّ
اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ
اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ
تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ع

ترجمہ: کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ایمان لاتے ہیں بت اور شیطان پر اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں۔ یہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جسے خدا تعالیٰ لعنت کرے تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے۔ دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور اور انہیں بڑا ملک دیا تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا اور کسی نے اس سے منہ پھیرا اور دوزخ کافی ہے بھڑکتی جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی پھر

ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے ان کے عذاب کا مزہ لیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے وہاں ستھری بیبیاں ہیں اور ہم انہیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہوگا بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کردو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ کیا تم نے اُن لوگوں (یہودیوں) کو نہیں دیکھا اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ جو کتاب کا ایک حصہ دیئے گئے یعنی تورات کا کچھ علم حصہ انہیں عطا ہوا۔ یعنی اے میرے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن کے حالات کو دیکھ کر تعجب فرمایئے۔ گویا اس پر سوال ہوا کہ اُن پر کیوں تعجب کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے جواب میں فرمایا یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ (بتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ دراصل جبت ایک بت کا نام ہے پھر ہر اُس پر بولا جاتا ہے جس کی (اللہ تعالیٰ کے ماسوا) عبادت کی جائے۔ وَالطَّاغُوْتِ (اور شیطان پر)۔

فائدہ طاغوت کا لفظ شیطان کے علاوہ ہر باطل معبود وغیرہ پر اطلاق ہوتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حی بن اخطب و کعب بن اشرف دونوں یہودی ستر سوار لے کر مکہ معظمہ میں پہنچے تاکہ اہل مکہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اُبھاریں اور انہیں ترغیب دیں تاکہ وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اُسے توڑ دیں۔ جب یہ اہل مکہ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے کہا ہمیں تمہارے اوپر پورا اعتماد نہیں اس لئے کہ تم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کے لحاظ سے قریب تر ہو ممکن ہے تم ہمارے ساتھ دھوکہ کرو۔ جبتک ہم تم سے مطمئن نہ ہوں گے ہم تمہاری کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں اگر تم ہمیں مطمئن کرنا چاہتے ہو تو تم ہمارے بتوں کو سجدہ کرو۔ چنانچہ یہودیوں نے اہل مکہ کے کہنے پر اُن کے بتوں کو سجدہ کیا تو مذکورہ جملہ ہوا۔ پھر ابوسفیان نے کعب سے کہا تم پڑھے لکھے لوگ ہو تمہارے پاس کتاب تورات بھی ہے ہم ان پڑھ جاہل لوگ ہیں بتایئے کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں یا (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔ کعب نے پوچھا کہ وہ تمہیں کیا کہتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے اور شرک سے روکتے ہیں پھر کعب نے کہا کہ تمہارا دین کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہم بیت اللہ شریف کے متولی ہیں حاجیوں کو حج کے ایام میں

سبیل اللہ پانی پلاتے ہیں اور مہمان نواز ہیں اور گردنیں آزاد کرتے ہیں۔ اُن کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ابوسفیان نے کعب کو گن سنائے۔ کعب نے کہا تم لوگ محمد (مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا (اور کافروں کے لئے یا اُن کے حق میں کہتے ہیں کہ) هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا (زیادہ ہدایت یافتہ ایمانداروں سے یعنی دین میں کفار اہل ایمان سے زیادہ پختہ اور راہ ہدایت کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہیں۔ اُولٰٓئِكَ (یہی وہ لوگ ہیں) یہ اشارہ مذکورہ قائلین کے لئے ہے اَلَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ (یہی وہ ہیں جن پر اللہ تعالٰی نے لعنت کی) یعنی اللہ تعالٰی اُنہیں اپنی رحمت سے دور اور اپنے دروازہ سے ہٹا دیا۔ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ (جنہیں اللہ تعالٰی اپنی رحمت سے دور فرما دے)۔ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا (پھر تم اس کے لئے کوئی مددگار نہیں پاؤ گے) کہ وہ ہی مددگار انہیں اللہ تعالٰی کے دنیوی یا اُخروی عذاب سے بچا سکے نہ شفاعت سے نہ کسی اور ذریعہ سے۔ اس سے صاف صاف بتایا جا رہا ہے کہ یہودیوں کو اس مطلب سے محروم کیا گیا جس کے لئے وہ قریش کے پاس گئے تھے۔ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ یہ اَمْ منقطعہ اور ہمزہ انکاری ہے (کیا اُن کے لئے ملک میں سے کچھ حصہ ہے) اس میں صاف انکار ہے کہ یہودیوں کو ملک میں سے کسی قسم کا حصہ نہیں۔ یہ صرف اُن کا اپنا گمان ہے کہ اس طرح کی جدوجہد سے انہیں تمام ملک پر قبضہ جمانے کا موقعہ مل جائے گا۔ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا (تو جب انہیں ملک میں قبضہ مل جائے تو گٹھلی کے چھلکے برابر بھی کسی کو کچھ نہیں دیں گے) نقیر وہ چھلکا جو کھجور کی گٹھلی کی لکیر کے اندر ہوتا ہے۔ اب اس سے شئے کی حقارت اور اس کے بہت تھوڑے ہونے پر مثال دی جاتی ہے۔ اس سے اُن کے حال کا انکشاف مطلوب ہے کہ جب وہ بادشاہ ہو کر بھی کسی ایک کو ایک معمولی چھلکا دینے کے بھی روادار نہیں پھر وہ بحالت عزت اور تنگدستی کیا کسی کو کچھ دیں گے۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ یہ اَم بھی منقطعہ ہے النَّاسَ (بلکہ یہ کفار رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم پر حسد کرتے ہیں) عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (اس لحاظ سے کہ انہیں اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے نوازا) یعنی نبوت و کتاب اور ہر روز عزت و نصرت بخشی۔ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ (اُن کے حسد کا کیا کہنا اور اس کی قباحت اور اُس کا بطلان نہایت ہی قبیح ہے) اس سے قبل ہم نے عنایت فرمایا اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ (ابراہیم علیہ السلام کی آل کو) اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسلاف اور آپ کے بنو عمام یعنی اسماعیل اور دیگر انبیاء علیہ السلام مراد ہیں۔ اَلْكِتٰبَ (کتابیں جو آسمان سے نازل ہوئیں۔ وَالْحِكْمَةَ (اور حکمت یعنی نبوت و علم) وَاٰتَیْنٰهُمْ اور مذکورہ امور کے علاوہ ہم نے عطا کیا مُّلْكًا عَظِیْمًا (بہت بڑا ملک) کہ جس کا اندازہ غیر معلوم ہے جب اس بات کی انہیں یقین ہے تو پھر وہ حضور نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نبوت کا انکار کیوں کرتے اور ان سے حسد

کا کیا معنیٰ۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آل ابراہیم سے یوسف و داؤد و سلیمان علیٰ نبینا علیہم السلام مراد ہیں۔

فَمِنۡهُمۡ (پس ان یہودیوں میں بعض وہ ہیں) **مَّنۡ اٰمَنَ** (جو حضور (نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاتے ہیں) **وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ** ط (اور بعض اُن میں وہ ہیں جو اُن سے رُوگردانی کرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے۔ **وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا** (اور انہیں جلا دینے والی جہنم کفایت کرے گی)۔ یہاں پر سعیر بمعنے مسعور ہے یعنی آگ وہ روشن کی جاتی ہے کہ جس سے انہیں عذاب دیا جائے گا یعنی اُن کے دنیوی عذاب کی عجلت کیا ہے جب اُن کے لئے وہی جہنم کفایت کرے گی جو اُن کے لئے اب سے ہم نے تیار کر رکھی ہے۔

خلاصۃ التفسیر پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی سخت ترین جہالت کی خبر دی ہے کہ اُن کا اعتقاد ہے کہ بتوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے افضل ہے پھر بتایا کہ اُن میں بخل اور حسد کا مرض بھی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ نعمت الٰہی سوائے ہمارے اور کسی کو نصیب نہ ہو۔

فائدہ حسد اُس باطنی مرض کا نام ہے کہ انسان کے دل میں آرزو پیدا ہو جائے کہ نعمت میرے سوا اور کسی کو نہ دی جائے اس سے ثابت ہوا کہ حسد و بخل اسی علت میں مشترک ہیں کہ کوئی شئے کسی کو نہ ملے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بخیل صرف اپنی شئے (نعمت) کسی کو نہیں دینا چاہتا اور حاسد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمت غیر کو عطا ہونے سے روکتا ہے۔

رُوحانی قواعد (۱) یاد رہنا چاہیئے کہ یہ ہر دونوں مہلک بیماریاں ہیں ان ہر دُو دونوں کا سبب جہل ہے (۲) مال کے خرچ سے نفس کی صفائی اور سعادت اُخروی نصیب ہوتی ہے (۳) مال کو جمع کرنے سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ صرف دنیوی مال ہاتھ میں ہے (۴) بخل ہمیشہ دنیا کا داعی اور آخرت سے محروم کنندہ ہے۔ (۵) سخاوت آخرت کا داعی اور دنیا کے گورکھ دھندوں سے نجات دہندہ ہے۔

سبق جب مذکورہ قواعد ذہن نشیں ہو گئے اب نتیجہ نکالنا آسان ہو گیا کہ دنیوی اُمور کو آخرت کے اُمور پر ترجیح دینا جہل ہے۔

نکتہ حسد اس لئے قبیح اور شنیع ہے کہ اُس سے الوہیت کا مقابلہ کرنا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ الوہیت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو نعمتوں اور احسانات سے مالا مال فرمائے جب کوئی ناقص العقل الوہیت کو اس فعل کا مانع سمجھتا ہے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ الوہیت کو اپنے منصب سے ہٹانا چاہتا ہے اور یہ بھی ایک نادانی ہے۔

نکتہ جس پر لوگ حسد کریں وہ سمجھے کہ مجھے نہ صرف اللہ تعالیٰ نے احسان و کرم سے نوازا ہے۔ بلکہ اپنی نعمتوں کا بطریق اکمل واتم حامل بنایا ہے۔

نکتہ جتنا فضائل و فواضل بسیار اتنا حاسدین زیادہ ہوں گے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) شور بختاں بآرزو خواہند
مقبلاں را زوال نعمت وجاہ

(۲) گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(۳) راست خواہی ہزار چشم چناں
کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

ترجمہ (۱) بدبخت کی آرزو ہوتی ہے کہ مقبولان خدا کی نعمت کا زوال ہو۔
(۲) اگر چمگادڑ دن کو نہیں دیکھ سکتا تو اس سے سورج کا کیا گناہ
(۳) اگر سچ پوچھو تو ایسی ھزار آنکھیں اندھی بھلی ہو جاتی ہیں کہ سورج کا نور نہ ہو۔

زندگی بھر حاسد و بخیل بلند مراتب سے محروم رہتے ہیں۔ یعنی دنیوی جاہ وجلال انہیں نصیب نہیں ہوتا مثلاً
اعجوبہ یہودیوں میں بخل کا مادہ ہے وہ رہتی دنیا تک سلطنت و حکومت چلانے سے محروم ہیں[1]

خلاصہ یہ کہ بخل اور سلطنت کا اجتماع محال ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ انسان غیر کی تابعداری میں رہنا مکروہ سمجھتا ہے
ہاں اس وقت اسے برداشت کرلیتا ہے جب اُس میں اپنا بہتر سے بہتر فائدہ محسوس کرے ورنہ مشکل ہے اور
ظاہر ہے کہ انسان کو حوائج اور ضروریات محیط ہیں۔ پھر جب کوئی کسی پر احسان و مروت کرتا ہے تو جس سے احسان و مروت لوٹا
گیا ہے۔ وہ اپنی ضروریات کے تحت اس مال کی رغبت میں احسان کنندہ کے سامنے سر جھکا دے اور جان و دل سے
اس کا تابع فرمان ہو جاتا ہے۔ اس لئے مثل مشہور ہے کہ انسان کو احسان و مروت سے غلام بنایا جا سکتا ہے۔ اگر یہ بات
نہ ہو تو انسان کو غیر کے سامنے سر جھکانے سے طبعی نفرت اور جبلّی کراہت ہوتی ہے بلکہ جو اُسے اپنے تابع کرنا چاہے
اس کے مقابلہ کرنے میں جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ اسی لئے اس سے تابعداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ؎

(۱) خورش دہ بکنجشک و کبک و حمام
کہ یک روزت افتندہ یابی بدام

---

[1] سوال یہ کلیہ ہمارے دور میں غلط ہوگیا اس لئے کہ اس وقت اسرائیل (یہودیوں) کی مستقل حکومت قائم ہوگئی ہے؟
جواب: اسرائیل کی موجودہ حکومت امریکہ کی طفیلی ہے اور اُسے حکومت و سلطنت کا نام دینا کسی لاشعور انسان کا کام
ہے ۱۲ فافہم و تدبر ولا تکن من الجاہلین ۱۲ (اویسی غفرلہٗ)

② زر از بہر خوردن بود اے پسر
زبہر نہادن چہ سنگ و چہ زر

ترجمہ: ① چڑیا کبوتر کو غذا دے ایک دن انہیں تو قید (جال) میں پائے گا۔
② اے بیٹے زر کھانے کے لئے رکھی جائے تو پتھر اور زر میں کوئی فرق نہ رہے گا۔

نکتہ بعض حکمائ نے دنیا کے حریص اور اپنے انجام سے بے خبر انسان کو ریشم کے کیڑے سے تشبیہ دی ہے کہ وہ ریشم کو اپنے اردگرد ایسے طریقے سے تنتا ہے کہ اُس سے نکلنا اس کے لئے محال ہوجاتا ہے وہ بھی اس حرص میں اپنی جہالت سے مبتلا ہوا۔ ورنہ اگر اُسے اپنی جان جانے کا علم ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ جس ریشم کو اُس نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے جسم کے اردگرد بچھایا ہے وہی اُس کا جان لیوا ثابت ہوتا ہے کہ ریشم کے متلاشی اس کیڑے کو مار کر اس سے اُس کا ریشم اتار لیتے ہیں اب اس بے چارے کیڑے کی جان بھی گئی اور ریشم سے بھی غیر نے فائدہ اُٹھایا۔

حکایت حاتم طائی مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شب معراج آسمانوں پر تشریف لے گئے تو آپ نے جہنم کے اندر جھانک کر دیکھا اس میں ایک ایسا مقام بھی دیکھا جہاں ایک آدمی کو آگ نہیں جلاتی حضور علیہ السلام نے اس کا سبب پوچھا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی حضور! یہ حاتم طائی ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے اس کے جود و سخا کی وجہ سے اس سے جہنم کی آگ کو دور رکھا ہے۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ سخاوت دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات دہندہ اور اللہ تعالیٰ سے ملانے والی ہے۔

فائدہ بادشاہی تین قسم ہے۔
(۱) صرف ظاہر پر۔ (یہ بادشاہوں) کو دی جاتی ہے۔
(۲) صرف باطن پر۔ (یہ علمائے کرام (اولیائے عظام) کو نصیب ہوتی ہے)۔
(۳) ظاہر و باطن دونوں پر۔ یہ حضرت انبیاء علیٰ نبینا علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے چونکہ اس شاہی میں جود و سخا لازمی امر ہے اس لئے حضرات انبیاء علیٰ نبینا علیہم السلام نہایت ہی سخی و کریم و رحیم و شفیق ہوتے ہیں تاکہ انہی اوصاف سے وہ خلق خدا کو تابع کرسکیں اور اوامر و نواہی پر چلنے کے لائق بناسکیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ یہ تمام اوصاف ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بطریق اتم و اکمل موجود تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا (بے شک وہ لوگ جو قرآن اور دیگر آیات کا انکار کرتے ہیں) سَوْفَ کلمہ تہدید و وعید کے لئے مستعمل ہوتا ہے جیسے سَوْفَ اَفْعَلُ (عنقریب کرکے دکھادوں گا) کبھی اسے وعدہ کے لئے بھی استعمال

کیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ صرف تاکید کا فائدہ دے گا۔

نُصْلِيهِمْ نَارًا (ہم عنقریب انہیں بہت بڑی ڈراؤنی آگ میں ڈالیں گے) **كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ** (جب ان کے چمڑے جل جائیں گے) **بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا** (ہم اُن کے دوسرے چمڑے بدل دیں گے) لفظ غیر بول کر اس کی ضد مراد لی جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اللیل غیر النہار (دن رات کا غیر یعنی ضد ہے) نیز اسے مثل تبدل کے لئے بھی بولتے ہیں۔ مثلاً جب گرم پانی ٹھنڈا ہو جائے تو کہتے ہیں ھٰذَا غَیْرٌ یہاں یہی معنیٰ مراد ہے اب مطلب یہ ہوا کہ ہم انہیں ملے ہوئے چمڑے کے بجائے دوسرا نیا چمڑا دیں گے جو اس پہلے چمڑے کا صورۃً غیر ہوگا لیکن مادۃً ایک۔ خلاصہ یہ کہ اُن کا وہی چمڑا دوسری صورت اختیار کرلے گا جیسے تم کہتے ہو صُغْتُ مِنْ خَاتَمِیْ خَاتَمًا غَیْرَہٗ (میں نے اپنی انگوٹھی اس کی غیر انگوٹھی بنالیا)۔ اس میں خاتم ثانی خاتم اوّل کی عین ہے صرف معمولی تغیر واقع ہوا ہے۔

سوال ہر وہ چمڑا جس سے غلطیاں سرزد ہوئیں تو جہنم کی آگ سے پہلی بار گل سڑ گیا پھر جب دوسرا چمڑا پیدا کیا گیا اب اُسے سزا دینے کا کیا معنیٰ جبکہ اس سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوا۔ اس طرح سے تو غیر عاصی کو عذاب دینا ہوا اور یہ ناجائز ہے۔

جواب دراصل یہ عذاب اُسی حسّاسہ چمڑے کو عذاب ہو رہا ہے نہ کہ مطلق چمڑے کو اگر ہو بھی تو ان دونوں کی ایک ذات ہے صرف نام کا فرق ہے اور عذاب دینے سے مقصود چمڑا بھی نہیں بلکہ ہر وہ گنہگار انسان ہے جس کا یہ چمڑا ہے اور اسے پہنچ رہا ہے خواہ جدید چمڑے سے ہو یا پرانے سے۔

لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں) یعنی ان پر دائمی عذاب ہوگا کہ اس کے انقطاع کا وہم اور گمان تک بھی نہ ہوگا۔ جیسے تم ایک باعزت انسان کو کہتے ہو۔ اعزک اللّٰہ (اللہ تجھے عزت دے) اس سے تمہارا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اسے باعزت انسان اللہ تعالیٰ تمہیں عزت پہ رکھے اور اس میں برکت دے۔

فائدہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جہنمیوں کو جہنم کی آگ روزانہ ستر بار عذاب پہنچائے گی جب وہ ایک بار جل جائیں گے تو حکم ہوگا کہ پھر ویسے ہی ہو جاؤ جیسے تم پہلے تھے۔ تو پھر پہلی حالت پر لوٹ آئیں گے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کہ ایک کافر کا چمڑا چالیس گز ہوگا۔ اور اس کی ایک داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی۔ اس کا نچلا ہونٹ لٹک کر ناف تک پہنچے گا اور اس کے گوشت اور چمڑے کے درمیان وحشی گدھوں کے برابر کیڑے ہوں گے۔ اس کے گوشت اور چمڑے کے درمیان دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے اور اس کی سزا کے لئے عجمی اونٹوں کی طرح سانپ اور خچروں کی طرح بچھو ہوں گے۔

سوال قیامت میں کافر کی اصلی تخلیق پر اضافہ کر کے معصیت کے بغیر عذاب میں مبتلا کرنا ہے؟

جواب یہ تو ظاہر ہے کہ اصلی صورت سے بڑھ کر بوجھل یعنی موٹا ہو جانا۔ انسان کی تخلیق میں شامل ہے۔ البتہ اب اُس کی ثقالت اُس کے لئے عذاب ہے تو یہ عذاب بھی منجملہ دوسری سزاؤں کی طرح یہ بھی ایک سزا ہے جیسے کہ اُس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جائیں گی اور گلے میں لوہے کا طوق پہنائیں گے اور بچھوں اور سانپوں سے اُس کو عذاب دیا جائے گا۔

سوال آیت میں کفار کے عذاب کو ذوق سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔ جبکہ ذوق کہتے ہیں ہر اُس شے کو جو معمولی طور چکھی جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کو عظیم ترین سزا کی بار بار خبر دی ہے اب ان کے عذاب کو ذوق سے تعبیر کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب ذوق سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر بار عذاب کی ہر بات کا احساس پائیں گے جیسے چکھنے والا شئے کی لذت کو محسوس کرتا ہے۔ اس سے تبلانا یہ ہے کہ اُن کے عذاب میں کمی نہ ہوگی اور نہ ہی وہ منقطع ہوگا وہ ہر وقت جلتے رہیں گے اور وہ عذاب ہر وقت انہیں چمٹا رہے گا۔

نکتہ تبدل جلود میں ایک حکمت یہ ہے کہ کفار کو جہنم کی آگ کے جلانے کا عذاب ہر آن محسوس ہو اس لئے کہ بسا اوقات چمڑے کے ایک دفعہ جل جانے سے دوبارہ تکلیف کا احساس نہیں ہوتا اب جب ایک دفعہ جل جائے گا تو فوراً دوبارہ چمڑے کے بدلنے سے عذاب محسوس ہوتا رہے گا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ اس جلے ہوئے چمڑے میں بھی عذاب کا احساس پیدا کر دے۔ لیکن چونکہ انسان فطرتی طور پر اس بات کو مانتا ہے جس کا اسے مشاہدہ ہو چکا ہو۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيزًا (بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے) اُسے مجرمین کے عذاب دینے سے کوئی منع نہیں کر سکتا۔ حَكِيمًا۔ (حکمتوں کا مالک ہے) کوئی بھی اُس کی حکمت کے اجرا سے حائل نہیں ہو سکتا۔

فائدہ عذاب اور چمڑوں کا تبدل جو کہ انسان کو آخرت میں ہوگا وہ اُسے دنیا میں بھی حاصل ہے لیکن وہ اس کے ذائقہ سے بے خبر ہے۔ جیسے نیند کرنے والا جب وہ خواب میں اپنے آپ کو زخمی کر دیتا ہے لیکن اُسے اس وقت احساس ہوتا ہے جب وہ خواب سے بیدار ہوتا ہے اسی طرح ہم لوگ دنیا میں نیند میں ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر گامزن ہو اور نفس و شیطان کے خلاف زندگی بسر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اکسیر شرع سے اس کے صفات ظلمانیہ نفسانیہ کے تانبے کو صفات نورانیہ روحانیہ کا سونا بنا دے۔

فائدہ صوفیانہ جب انسان نفس کی اصلاح کر کے شرع شریف کے احکام کی پابندی سے گناہوں کی آرائش سے پاک صاف ہوجاتا ہے تو قیامت میں جہنم کی آگ سے اُسے صفائی وستھرائی کی ضرورت نہیں رہے گی ورنہ اُس کے گناہوں کی آلائش کو جہنم کی آگ سے صاف ستھرا کیا جائے گا۔

مجرمین کی سزا کی تفصیل مروی ہے کہ تمام امتوں کے اہل ایمان کبائر کے مرتکب ہونے والے جب کبائر کے ارتکاب پر مرے لیکن توبہ نہ کر سکے۔ اور نہ ہی انہیں اُن سے ندامت کا موقعہ ملا تو وہ گناہوں کی سزا پائیں گے لیکن انہیں جہنم کے صدر دروازہ کے اندر رکھا جائے گا تاکہ انہیں سخت سزا سے بچاؤ ہو)۔ (چنانچہ) نہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور نہ اُن کے چہرے بگڑیں گے اور نہ ہی شیاطین کے ساتھ جکڑا جائے گا اور نہ انہیں بیڑیاں ڈالی جائیں گی اور نہ ہی انہیں جہنم کا گرم پانی پلایا جائے گا اور نہ ہی انہیں جہنم کے آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کے اجسام اور چہروں سے اُن کے سجود کی برکت سے آتش جہنم کو حرام فرمائے گا۔

سزا یافتگان کی چند قسمیں

① بعض کو قدموں تک آگ گھیرے گی۔

② بعض کو گھٹنوں تک۔

③ بعض کو گردنوں تک۔ یہ سب کچھ اُن کے شامت اعمال اور گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہوگا۔

① بعض اُن میں وہ ہوں گے جو جہنم میں صرف ایک ماہ ٹھہریں گے۔

② بعض صرف ایک سال۔

③ سب سے بڑی مدت جہنم میں ٹھہرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو دنیا کی عمر کی مقدار میں جہنم میں ٹھہریں گے۔ یعنی عالم دنیا جب سے پیدا ہوکر فنا ہوا۔ اُس کے بعد ہر ایک موحد اہل ایمان کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

حکایت حضرت ابن السماک رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے نفس کو جھڑکیاں دیتے ہوئے فرماتے کہ "اے کمینہ تو باتیں تو زاہدوں جیسی کرتا ہے لیکن تیرے اعمال منافقوں جیسے ہیں پھر جنت کی لالچ کیوں۔ خبردار یہ بات تیرے لئے بہت دُور ہے اس لئے کہ جنتی لوگ اور ہیں جن سے تیرے اعمال کو کوئی واسطہ نہیں۔ اے کمینہ نفس تیرا لباس تو قیصر وکسریٰ اور فرعون کے مشابہ ہے لیکن تمنا یہ کہ بہشت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو۔

سبق اے سالک تو اپنے طور و طریق کو کتاب وسنت پہ ڈھال۔ اگر تیرا طریقہ اولیا اللہ سے ملتا جلتا ہے تو تجھے مبارک ہو۔ ورنہ اپنی بدبختی پہ ماتم کناں ہو ؎

① برادر ز کارِ بداں شرم دار
کہ در روئے نیکاں شوی شرمسار

(۴) نریزد خدا آبروئے کسے

کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

ترجمہ: (۱) اے برادر بُرے کاموں سے شرم کر اس لئے کہ نیک لوگوں کے سامنے شرمساری ہوگی۔

(۲) اللہ تعالیٰ اس بندے کی عزت ریزی نہیں کرتا جو اس کے خوف سے آنسو بہاتا ہے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت یزید بن مرثد رحمہ اللہ تعالیٰ کے آنسو نہیں رُکتے تھے (ہر وقت گریاں رہتے) سبب پوچھا گیا تو فرمایا اگر اللہ تعالیٰ مجھے یُوں فرماتا کہ اگر تو نے گناہ کئے تو تجھے کھولتے ہوئے گرم حمام میں بند رکھوں گا تب بھی میرے لئے ضروری تھا کہ میں چشم گریاں رہوں۔ لیکن اب تو مجھے یُوں فرمایا کہ گناہوں کی وجہ سے دائمی طور اس جہنم میں جانا پڑے گا کہ جسے تین ہزار سال سُلگایا گیا۔ جس کی تفصیل یوں ہے کہ ایک ہزار سال تک سُلگائی تو سُرخ ہوئی۔ پھر دوسرے ہزار سال تک سفید ہوئی۔ پھر تیسرے ہزار سال سُلگائی تو سیاہ ہوگئی۔ اب جہنم کی آگ کی تاریکی سخت سے سخت سیاہ شب سے بھی زیادہ سیاہ ہے۔

سبق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کسی فاجر و فاسق کی دولت و نعمت کو دیکھ کر رشک مت کرو اس لئے کہ اس کا موت کے بعد ایک طالب اور تلاش کرنے والا ہے یعنی جب جہنم کی آگ بجھنے کو آئے گی تو ملائکۃ اللہ اُسے اور گرم جوش بنا دیں گے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

قلندراں حقیقت بہ نیم جو نخرند

قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ: اہل حقیقت اس کی قبائے اطلس ایک جو دے کر بھی نہیں خریدتے جو ہنر سے خالی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس کا مقصد اصلی صرف آخرت ہے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اسے خوشحال رکھے گا اور اُس کے دل کو غنی بنا دے گا اور دنیا ذلیل و خوار ہو کر اُس کے قدموں میں گرے گی اور جس کا مقصد دنیا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے حالات پراگندہ کر دے گا اور فقر و فاقہ اُس کی آنکھوں میں ہوگا۔ دنیا بھی صرف اتنا میسّر ہوگی جتنا اُس کے مقدر ہوگی۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) آنکس از دزد بترسد کہ متاعے دارد

عارفاں جمع نکردند و پریشانی نیست

(۲) ہر کرا خیمہ بصحرائے قناعت زدہ اند

گر جہاں لرزہ بگیرد غم ویرانی نیست

ترجمہ (۱) چور سے وہ ڈرتا ہے جس کا سامان ہو عرفائے نہ مال جمع کیا نہ انہیں کوئی پریشانی ہوتی ہے۔

(۲) جنہوں نے خیمہ قناعت کے جنگل میں لگایا اگر تمام جہاں ویران ہو تو انہیں ویرانی کا خطرہ نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن اور تمام آیات و معجزات پر ایمان رکھتے) ۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور جن اعمال صالحہ کے لئے حکم دیئے گئے ہیں انہیں بجالاتے ہیں) سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (ہم عنقریب انہیں ایسے باغات (بہشت) میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور اسمیں ہمیشہ رہیں گے کہ نہ تو وہ اُن سے نکالے جائیں گے اور نہ ہی اُن پر موت آسئے گی)۔ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (اُن کے لئے اُن باغات (بہشت) میں عورتیں ہوں گی پاکیزہ یعنی وہ اُن دنیوی عورتوں کے حالات سے پاک وصاف ہوں گی) ۔ یعنی امور بدنیہ (کہ جن سے طبیعت کو نفرت ہو جیسے حیض و نفاس وغیرہ اور عادات وخصال قبیحہ کہ جن سے جی اُکتا جائے جیسے حسد اور بغض وکینہ وغیرہ وغیرہ) سے منزہ اور پاکیزہ ہوں گی وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ (اور ہم انہیں بہترین سایوں میں رکھیں گے) یعنی ایسے خوشگوار ماحول میں ہوں گے کہ جہاں ملال کا سوال ہی نہیں ہوتا اور وہ سائے بادلوں کے نہیں بلکہ باغات کے گھنے دار درختوں کے اور انہیں سورج کی کرنیں نہیں چھو سکیں گی اور نہ ہی مٹ سکیں گے۔ غرضیکہ بہار کا خوشگوار موسم ہوگا کہ جہاں نہ گرمی نہ سردی اور ایسے بہترین کمرے کہ جہاں نہ سختی نہ نرمی۔

حل لغات ظَلِيْلٌ صیغہ صفت ظِلٌّ سے مُشتق ہے اسے ظِلّ کے اندر تاکید کے معنے پیدا کرنے کے لئے لایا گیا ہے لَيْلٌ اَلْيَلُ (کالی سیاہ شب) اور یوم ایوم اسی طرح کی اور مثالیں۔

سوال جب مرے سے بہشت میں سورج ہی نہیں ہوگا کہ جس کی گرمی کی تکلیف دے سکے۔ پھر باغات کو ظِلًّا ظَلِيْلًا کی صفت سے موصوف کرنے کا کیا فائدہ۔ علاوہ ازیں ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جہاں پر دائمی طور درختوں کے سائے رہیں اور وہاں کی سورج کی شعاعیں نہ پہنچ سکیں تو وہاں کی ہوا بدبودار۔ فاسد اور مہلک ثابت ہوتی ہے۔ پھر بہشت کی ہوا کے ایسے اوصاف کہاں؟

جواب ظِلًّا ظَلِيْلًا سے مطلق راحت مراد ہے اس لئے کہ دیار عرب نہایت ہی گرم ہے اس لئے ان علاقوں کو درختوں کے سائے نعمت عظمیٰ سمجھے اور راحت وفرحت کے بہترین اسباب مانے جاتے ہیں اسی لئے ظِلًّا ظَلِيْلًا بول کر راحت و فرحت مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی السلطان ظِلّ اللّٰہ فی الارض (بادشاہ (عادل) زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے) میں سایہ سے مُراد راحت ہے۔ اس اعتبار سے جب ظل سے مراد راحت وفرحت ہے تو آیت میں بطور مبالغہ ظِلًّا ظَلِيْلًا فرمایا ہے۔

فائدہ حضرت امام (رازی) اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ میرا دل بھی مانتا ہے کہ ظل سے راحت و فرحت مطلوب ہے۔

بہشت کی نعمتوں کا بیان

حدیث ① حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہشت میں صرف ایک درخت ایسا ہوگا کہ جس کے سائے کے تلے اگر کوئی سوار ایک سال تک چلتا رہے تو بھی اس کی انتہا تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین** (جو بہشت میں آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی ہے اسے کوئی نہیں جانتا)۔ بہشت کا ایک ڈنڈا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فمن زحزح عن** دکھا گیا اور بہشت میں داخل گیا تو وہ کامیاب ہوا)۔

حدیث ② حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشتی لوگ نوجوان اور گھنگھریالے بالوں والے۔ فالتو بالوں سے صاف ستھرے یعنی اُن کے بال صرف اور ابرو اور آنکھوں کی پلکوں پر ہوں گے۔ اور ان کے زیرناف اور بغلوں کے بال نہیں ہوں گے۔ ان کے قد حضرت آدم علیہ السلام کے قد یعنی ساٹھ گز کے ہوں گے۔ ان کے جسم کا سفید اور لباس کا رنگ سبز ہوگا۔ بہشتی کے سامنے بہشتی دسترخوان چنا جائے گا۔ ابھی کھانے کو شروع نہیں ہوگا کہ پرندہ اڑتا ہوا اس کے قریب حاضر ہوکر عرض کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ولی میں پرندہ ہوں کہ سلسبیل کے چشمہ سے پانی پیا اور جنت کے باغات (جو کہ عرشِ الٰہی کے نیچے سے ہیں) میوے کھائے ہیں اور فلاں فلاں بہترین پھل فروٹ میری غذا ہوئی ہے فلہذا میں اپیل کرتا ہوں کہ مجھے تناول فرمایئے۔ جب اُس کی اپیل قبول ہو جائے گی تو وہ پرندہ خود بخود اس کے دسترخوان میں آجائے گا جب بندہ اُسے ہاتھ لگائے گا تو پرندے کی ایک جانب کا گوشت اُبلا ہوا اور دوسری جانب کا گوشت بھنا ہوا ہوگا۔ اس میں سے جتنا جی چاہے گا کھائے گا۔ بہشتی انسان کی ستر (۷۰) پوشاکیں ہوں گی ہر پوشاک کا رنگ مختلف ہوگا۔

بہشت کے داخلے کا کورس

حضرت الفقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص بہشت کے ان مراتب کے حصول کا طالب ہے اس کو ذیل پانچ اُمور طے کرنے چاہئیں۔

① اپنے نفس کو جمیع معاصی سے روکے ؎

ونھی النفس بفرمود اللہ

بایدت ترک ہوی ترک گناہ

ترجمہ: نہی النفس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی لئے تجھے لازم ہے کہ گناہ چھوڑ دے۔

② دنیا کی معمولی شے پر راضی رہے اس لئے کہ بہشت کی قیمت ترکِ دنیا ہے ؎

ایں زن زانیہ شوی کش دنیا را

گر علی وار طلاقش ندہم نا مردم

ترجمہ: اس عورت (دنیا) زانیہ شوہر کو قتل کرنے والی کو علی المرتضٰی (رضی اللہ عنہ) کی طرح طلاق نہ دوں تو میں نامرد ہوں گا۔

③ جملہ طاعات بجا لانے پر حریص ہو جس کا نام سُنے کہ یہ طاعات سے ہے اسے عمل میں لانے کی جدوجہد کرے ممکن ہے کہ وہی طاعت مغفرت کا سبب اور دخول جنت کا موجب ہو سے

عمل باید اندر طریقت نہ دم

کہ سُودے ندارد دم بے قدم

ترجمہ: طریقت میں عمل ضروری ہے صرف دعوی نہیں چاہیئے اس لئے کہ دعوای عمل کے بغیر بے کار ہے۔

④ نیک بختوں (اولیاء اللہ) نیک عمل والے بزرگوں سے محبت رکھے اور اُن کی صحبت و رفاقت کو غنیمت سمجھے سے

نخست موعظۂ پیر مجلس ایں حرفست

کہ از مصاحب نا جنس احتراز کنید

ترجمہ: پیر و مرشد کی پہلی مجلس کی یہ نصیحت تھی کہ ہمجنسوں کی صحبت سے دور رہو۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اہل اللہ نیک بخت بزرگوں کی صحبت اختیار کرے اس لئے کہ صحبت و رفاقت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا طریقۂ کرم ہے کہ جب ایک نیک بخت کو بخشش کا مژدۂ بہار سنائیگا تو پھر اُس کے طفیل اُس کے دوستوں اور رفیقوں کو بھی معاف فرمادے گا۔

اُمید است از آناں کہ طاعات کنند

کہ بے طاعتاں را شفاعت کنند

ترجمہ: وہ لوگ جو نیکی کرتے ہیں اُمید ہے کہ ان کی شفاعت سے ہماری بخشش ہو گی۔

⑤ اللہ تعالیٰ سے بہشت کی طلب اور دعاؤ سوال کی کثرت کرے اور عرض کرے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو سے

غنیمت شمارند مرداں دُعا

کہ جوشن بود پیش تیر بلا

ترجمہ: نیک لوگ دُعا کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ دعا تیر بلا کے لئے مضبوط زرہ ہے۔

تفسیرِ عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو اُن کے اہل کے سپرد کردو)۔

شانِ نزول یہ آیت عثمان بن عبد الدار الحجی کے حق میں نازل ہوئی (یہ کعبہ معظمہ کا خادم تھا) اس کا سبب یہ ہوا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ شریف کے شہر میں داخل ہوئے تو عثمان مذکور کعبہ معظمہ کا دروازہ کا تالہ بند کرکے کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا۔ چابی مانگنے پر انکار کر گیا اور کہنے لگا کہ میں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبی نہیں مانتا۔ اگر مجھے اُن کی نبوت پر ایمان ہوتا تو میں اُن کے لئے کعبہ کا دروازہ کھول دیتا۔ حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ نے عثمان مذکور کا ہاتھ مروڑ کر اُن سے جبرًا کعبہ معظمہ کی چابی چھین لی اور کعبہ معظمہ کا دروازہ کھول کر کعبہ معظمہ کے اندر داخل ہوگئے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی کعبہ معظمہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں تشریف لے جا کر دوگانہ (نفل) پڑھا۔ جب آپ کعبہ معظمہ سے باہر تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا حضرت! یہ چابی اب مجھے عنایت فرمائیے تاکہ سقایہ اور خدمت کعبہ معظمہ ہر دونوں کی سعادت ہمیں نصیب ہو جائے۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ چابی عثمان مذکورہ کو واپس دے دیں اور اس سے معذرت کریں۔ عثمان مذکور نے چابی لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ آپ کی عجیب چال ہے کہ پہلے جبر و اکراہ سے چابی چھین لی اور درد و تکلیف بھی پہنچائی۔ اب نرمی سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ بندہ خدا تیرے لئے تو اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک نازل ہوا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ عثمان مذکور کو پڑھ کر سنائی تو عثمان مذکور نے آیت مذکورہ سنتے ہی پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے بعد پھر جبریل نازل ہوئے اور حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ کعبہ معظمہ کی خدمت ہمیشہ عثمان اور اس کی اولاد میں رہے گی۔ چنانچہ عثمان مذکور نے جب مکہ شریف سے ہجرت کی تو کعبہ شریف کی چابی اپنے بیٹے شیبہ کو دیدی۔ اور تاحال انہی کی اولاد میں چلی آتی ہے[1]۔

---

[1] حضرت مولانا توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دن حضور علیہ السلام نے اسی عثمان کو فتح مکہ سے ایک عرصہ پہلے فرمایا تھا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی چنانچہ وہ پیشگوئی آج پوری ہوئی۔ صاحب روح البیان کے زمانہ تک چابی اسی عثمان کے خاندان میں رہی لیکن ہمارے دور کی کہانی مولانا توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنیئے وہ سیرت رسول عربی صفحہ ۳۸ میں لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی کنجی حضرت عثمان بن طلحہ کے خاندان میں رہی اب ابن سعود نجدی نے جو سلوک اس خاندان سے کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی مذکور حسب ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل سے اس فتنہ نجدیہ کا جلدی خاتمہ کردے (آمین ثم آمین)۔ (اُویسی غفرلہٗ)

وَاِذَا حَكَمْتُمْ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم فرمایا کہ جب تم فیصلہ جات کرو) بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (لوگوں کے درمیان تو عدل و انصاف سے فیصلے کرو) عدل بمعنے انصاف اور برابر کا سلوک کرنا۔ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ (بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑی اچھی تمہیں نصیحت فرماتا ہے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیسی بہتر نصیحت فرماتا ہے۔ مثلاً حکم فرمایا کہ امانت اُس کے مستحق کو واپس لوٹا دو اور فرمایا کہ آپس میں عدل و انصاف سے کام لو۔

فائدہ نِعِمَّا میں ما نکرہ ہے بمعنیٰ "شیٔ" اور يَعِظُكُمْ اس کی صفت ہے اور اس کی مخصوص بالمدح محذوف ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا (بے شک اللہ تعالیٰ سمیع ہے) یعنی خزانہ داروں کی بات سنتا ہے۔ بَصِيْرًا (امانت والوں کے ہر عمل کو دیکھتا ہے)۔ یعنی اعمال اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُس کے وعظ و نصیحت کے مطابق ڈھالو۔ کیونکہ وہ تمام مسموعات و مبصرات کو جانتا ہے پھر تمہیں ہر اس عمل کی سزا دے گا جو تم سے صادر ہو گا۔

امانت کے احکام و مسائل (مسئلہ) امانت اس حق کو کہتے ہیں جو کسی پر دوسرے کے لئے واجب ہو کہ اُسے ادا کئے بغیر جان نہ چھوٹے۔

مسئلہ حق وہ شئے ہے کہ کسی کا کسی پر کوئی شے واجب الادا ہو اور وہ اس لائق ہو کہ اُسے کہا جا سکے کہ تم فلاں کا حق ادا کرو۔

نکتہ چونکہ انسان فطرۃً چاہتا ہے کہ وہ حصول منافع اور دفع ضرر کے لئے جد وجہد کرے۔ اس سے فارغ البالی ہوتی ہے تو پھر دوسروں کے معاملات کی اصلاح میں دخل دیتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے امانت کا ذکر فرمایا پھر ادائے حق کا۔

قاعدہ تفسیریہ قصہ مذکورہ پر مسئلہ امانت منحصر نہیں۔ بلکہ رہتی دنیا تک ہر معاملۂ امانت میں اُس کے احکام جاری ہوں گے۔

فائدہ انسان کے معاملات یا تو اللہ تعالیٰ سے ہوتے ہیں یا بندوں سے یا صرف اپنے تک پھر انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر امانت ادا کرے اور امانت کی ادائیگی کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مامورات کو بجا لائے اور اُس کی تمام منہیات کو ترک کرے اور یہ وہ سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

فائدہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امانت ہر شئے پر لازم ہے وضو یا جنابت۔ نماز زکوٰۃ روزہ وغیرہ وغیرہ مثلاً زبان کی امانت یہ ہے کہ اُسے جھوٹ۔ غیبت اور چغلخوری اور کفر و بدعت اور فحش گوئی وغیرہ سے بچائے۔ دو آنکھوں کی امانت یہ ہے کہ انہیں حرام کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھے اور کان کی امانت یہ

ہے کہ ملاہی و مناہی کے سننے سے اُسے دور رکھے اور نہ ہی فحش اور جھوٹی باتیں وغیرہ وغیرہ سُنے ۔ اسی طرح ہر عضو کی کیفیت کا قیاس کیجئے ۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

(۱) زباں از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگہ داندش حق شناس

(۲) گذرگاہِ قرآن و پندست گوش
نہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

(۳) دو چشم از پے صنع باری نکوست
نہ عیب برادر بود گیرد دوست

ترجمہ (۱) زبان شکر و سپاس کے لئے ہے اے حق شناس اسے غیبت میں گندہ نہ کر۔
(۲) کان قرآن و پند و نصیحت کی گذرگاہ ہے اسے سے بہتان باطل سننے کی کوشش نہ کر۔
(۳) دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صفت دیکھنے کے لئے ہیں انہیں بھائی اور دوست کے عیب دیکھنے میں صرف نہ کر۔

خلق خدا کی امانات کی رعایت یہ ہے کہ اُن کی امانتوں کو صحیح و سالم لوٹانا ۔ اس میں مندرجہ ذیل مسائل حل ہو جائیں گے ۔

(۱) کیل و وزن میں کمی نہ کرنا ۔

(۲) خلق خدا کے عیوب افشا نہ کرنا ۔

(۳) اُمرا کا عوام رعایا سے عدل و انصاف ۔
(۴) علما کا عوام سے عدل و انصاف یہ کہ انہیں دین و اسلام کی صحیح رہبری فرمائیں ۔ یعنی انہیں ان عقائد پر رہنے کی تلقین کریں جو اسلام کے عین مطابق ہیں ۔ اور انہیں ایسے اعمال صالحہ کی نصیحت فرمائیں جو انہیں دنیا و آخرت کے لئے مفید ہوں ۔
(۵) زوجہ کی اپنے زوج کی حفظ امانت یہ ہے کہ وہ اپنی فرج کو غیر سے محفوظ رکھے اور اپنے زوج کی اولاد پر غیر کے نطفہ کو جگہ نہ دے اور عدت طلاق و وفات کے ختم ہونے کی صحیح خبر دے
(۶) اپنے لئے امانت کے حفظ کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اُمور کا ارتکاب کرے جو اس کے لئے مفید اور اُس کی دارین کی اصلاح کریں اور دین و دنیا میں اسے فائدہ پہنچائیں اور ایسے اعمال کا ارتکاب نہ کرے کہ جن سے اُسے آخرت میں نقصان پہنچا سکیں ۔

حدیث شریف حضور نبی علیہ السلام نے فرمایا اس کا ایمان نامکمل ہے جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا۔ اور اُس کا دین ناقص ہے جو عہد و پیمان پر پورا نہیں اُترتا۔

سبق سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی حسبِ استطاعت امانات کی حفاظت کرے اور حق کے مواعظ کا پابند رہے اور دوسروں کو بھی نصیحت کرے۔ اس لئے کہ وعظ و پند بہت بڑی تاثیر رکھتے ہیں اور وہ ہر آن اس پر کاربند رہے ؎

امروز قدر پند عزیزاں شناختم

یارب رواں ناصح ما از تو شاد باش

ترجمہ: آج مجھے بزرگوں کی نصیحت کی قدر معلوم ہوئی اے اللہ میرے ناصح کی روح تجھ شاد ہو۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

پند حکیم محض صوابست و محض خیر

فرخندہ بخت آنکہ بسمع رضا شنید

ترجمہ: داناکی نصیحت بالکل صواب اور محض خیر ہے وہ مبارک انسان ہے جو خوشی سے نصیحت قبول کرتا ہے۔

فائدہ کسی کو اللہ تعالیٰ حکومت و سلطنت نصیب فرمائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے پکڑے اور مستحقین کی امانات کو پورے طور ادا کرے۔

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حکام سے تین معاہدے فرمائے۔

(۱) خواہشات نفسانیہ کی اتباع نہ کریں۔

(۲) اللہ تعالیٰ اور خلقِ خدا سے ڈریں

(۳) دین کو معمولی قیمت پر نہ بیچیں۔

ظلم کی سزا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے اللہ تعالیٰ کا منادی ندا دے گا ظلم کرنے والے آج کہاں ہیں۔ انہیں ایک جگہ پر جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ کسی نے کسی کا قلم یا دوات کی مقدار ظلم کیا ہوگا اسے بھی حاضر کیا جائے گا۔ ان سب ظالموں کو جمع کر کے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

(۱) جہاں نماند و آثار معدلت ماند

بخیر کوش و صلاح و بعدل کوش و کرم

(۲) کہ ملک و دولت ضحاک مردماں آزار

نماند و تا بقیامت بر و بماند رقم

ترجمہ ① زندگی ختم ہوگئی لیکن انصاف وعدل کے نشاں باقی رہ گئے اسی لئے تم بھی خیر وصلاح عدل وکرم کی کوشش کرو۔
② ظالم ضحاک کی دولت نہ رہی لیکن قیامت تک ظلم کا عذاب اس پر رہے گا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا جو کسی بادشاہ (یا حاکم) کو ظلم کا مشورہ دیتا ہے یا اسے ظلم کی رہبری کرتا ہے تو وہ ہامان کے ساتھ اٹھے گا قیامت میں سب سے زیادہ عذاب اس پر اور اس کے بادشاہ پر یا حاکم کو ہوگا۔

سبق ایمان کا تقاضا ہے کہ عدل و انصاف سے کام لیا جاوے اس لئے کہ عدل صلاح ونظام عالم کا بہترین سبب اور اجرائے شرع کا بہترین طریقہ ہے اور اس سے ہی رشوت سے محفوظ ہونا ممکن ہے۔ اس لئے کہ جو شخص رشوت لیتا ہے وہ کسی لحاظ سے بھی شرع کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

حکایت ایک دفعہ سلطان سکندر ایک شاعر پر ناراض ہو گئے تو آپ نے اس شاعر کو جیل میں ڈال دیا اور اس کا مال دوستوں پر تقسیم کر دیا۔ سکندر سے سوال ہوا کہ آپ نے اس طرح کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ شاعر کو جیل میں ڈالنا تو اُس کے جرم کی سزا ہے اور مال کو اس کے دوستوں پر اس لئے تقسیم کیا کہ تاکہ وہ لوگ شاعر کے لئے سفارش نہ کر سکیں۔

سبق اس طرح معلوم ہوا کہ دنیا و دولت کس طرح پھنساتی ہے سکندر نے اشارہ کر دیا کہ اگر وہ سفارش پر ارادہ کریں گے تو انہیں مال و دولت واپس دینے کا خیال آئے گا۔ اس لئے وہ سفارش سے رک جائیں گے انہیں دنیا کی لالچ نے سفارش سے روک دیا۔

از تو گر انصاف آید در وجود

بہ کہ عمرے در رکوع و سجود

ترجمہ: تجھ سے کبھی عدل و انصاف کام ہوگیا تو ساری زندگی کے نفل دوگانہ سے بہتر ہوا۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ

(اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو)۔

تفسیر عالمانہ اولی الامر سے اُمرائے حق اور شاہاں عدل (جیسے خلفاء راشدین اور ہدایت یافتہ بادشاہ جنہوں نے اُنکی اقتدا کی) مراد ہیں۔

فائدہ وہ بادشاہ اور حکام جنہوں نے رعایا پر ظلم کیا اور اطیعوا اللہ و الرسول پر عطف کے مستحق نہیں کیونکہ وہ تو شرعاً چور اور ڈکیت ہیں۔ کیونکہ وہ قہر و جبر اور ظلم کر کے لوگوں سے مال لیتے ہیں۔

سوال اُولی الامر کی طاعت کا عطف اطیعوا الرسول پر کیوں نہیں ہے یعنی اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر کے

بجائے واطیعوا اولی الامر کہا جاتا؟

جواب اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے ادب کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ اس کے نام کے ساتھ غیر کے نام کا اجتماع نہ ہو۔

سوال بعض مقامات پر تو اللہ تعالیٰ کے اسم پر غیر اللہ کا عطف ڈالا گیا ہے؟

جواب جہاں معاملہ مخلوق سے متعلق ہو تو ایسا عطف جائز ہے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

حل لغات التنزع بمعنے الجذب یعنی کھینچنا ہے اور چونکہ جھگڑے والے ہر ایک اپنے بالمقابل کو اس کے مقصد کے خلاف کھینچتا ہے اس بنا پر اسے نزع سے تعبیر کیا گیا ہے اب معنیٰ یوں ہوا کہ جب تم اور تمہارے حکام کسی دینی معاملہ میں جھگڑا کرو فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ (تو اسے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرو وَالرَّسُوْلِ (اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی طرف۔

اہل ظواہر اور غیر مقلدین وہابیہ کا استدلال اور اس کی تردید

اس آیت سے اہل ظواہر نے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد و قیاس ناجائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تنازع کے وقت کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ہر زمانہ میں ہر نئے پیدا شدہ مسائل کے لئے تو نصوص آیات و احادیث نہیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف قرآن و حدیث کے اندر رکھی ہوئی امانات اور انہی کے مدلولات پر نظر رکھنے اور انہی کے مدلولات و مقتضیات کے مطابق عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ اہل ظواہر (اسی طرح (غیر مقلدین) کا یہ استدلال غلط اور بالکل غلط ہے بلکہ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو الٹا یہی آیت قیاس کے جواز پر حجت ہے اس لئے کہ آیت میں نو پیدا شدہ مسائل کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منطبق کرنے کا حکم ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ نو پیدا شدہ مسئلہ کو آیت و حدیث سے مماثلت ہو اور اس کا ثبوت کتاب و سنت پر مبنی ہو۔ ہمارے نزدیک اس کا نام قیاس ہے چنانچہ ہمارے دعوٰی کی تائید آیت کے سیاق و سباق سے ہوتی ہے کہ اولاً اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے اس کے بعد رجوع الی الکتاب والسنۃ کا ارشاد ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی منشا ہے کہ اپنے نو پیدا شدہ مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرو۔

قاعدہ آیت سے ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ کے اصول تین ہیں

① کتاب اللہ۔

② سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

③ وہ حکم جو ان دونوں سے قیاس کر کے ثابت ہو (اجماع بھی اسی قیاس کا دوسرا ہی نام ہے

جو اس سے اقویٰ ہوتا ہے جیسے اہل سنت کی تحقیق ہے۔[1]

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اگر تم اللہ اور یوم آخرت کا ایمان رکھتے ہو) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ و یوم آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا یہی ہے کہ ہر بات میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

سوال اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی بات تو حق ہے کہ رجوع الی کتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا لیکن یوم الآخرۃ پر ایمان لانے کا دار و مدار اس پر موقوف کیوں ؟

جواب اس لئے کہ جو شخص رجوع الی الکتاب و سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہے تو اسے یوم آخرت میں سزا ملے گی۔ اس سزا سے ڈراتے ہوئے یوم الآخرۃ پر ایمان لانے کی تصریح فرمائی ہے۔

ذٰلِكَ یہ رجوع الی الکتاب و سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَيْرٌ اختلافات میں تمہارے لئے بہتر اور موزوں تر ہے۔ وَاَحْسَنُ اور فی نفسہٖ نہایت ہی احسن ہے۔ تَاْوِيْلًا انجام بخیر اور نتیجہ کے لحاظ سے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ بادشاہوں اور حاکموں کی تابعداری واجب ہے بشرطیکہ وہ کتاب و سنت کی پیروی کریں۔ جب کتاب و سنت کے خلاف کریں تو ہمارے لئے اُن کی اطاعت ضروری نہیں۔

حدیث شریف ① حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم نے فرمایا خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی کسی قسم کی تابعداری نہ کرو

حدیث شریف ② فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر حکومت کرے لیکن اس پر ظلم نہ کرے اور جو بات کرے تو جھوٹ نہ بولے اور اُن سے وعدہ کر کے خلاف نہ کرے تو یقین کرو کہ وہ مروّت اسلامی میں کامل و مکمل ہے اور اس کا عمل و انصاف صحیح ہو گیا اور اُس کی اخوتِ اسلامی ثابت ہو گی۔

سبق اُمرا یعنی حکام و سلاطین پر واجب ہے کہ خوف و خشیت الٰہی کو دل میں جگہ دیں کہ شریعت اسلامی و احکام شرعیہ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب طریقہ کے مطابق جاری کریں اس سے اُسے ایک فائدہ یہ ہو گا کہ ان کا رُعب اور ان کی ہیبت عوام کے قلوب پر چھا جائے گی اس طرح سے وہ نہ صرف اس سے ظاہری طور خوف زدہ ہوں گے بلکہ بطیب خاطر اور حقیقی طور ان کے غلام بے دام بن جائیں گے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رُعب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں روم کے بادشاہ نے ہدایا اور کچھ بہترین کپڑے اور اعلیٰ قسم کا جبہ ایک ایلچی کے ذریعہ

---

[1] اس کے متعلق مزید تفصیل فقیر کی "تفسیر اُویسی" میں دیکھیے ۱۲ (اُویسی رضوی غفرلہٗ)

روانہ کیا۔ جب ایلچی مدینہ طیبہ میں پہنچا تو لوگوں سے پوچھا کہ خلیفہ صاحب کا ایوان خاص کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارے خلیفہ کا نہ تو کوئی ایوان خاص ہے اور نہ بہترین بنگلہ اور کوٹھی بلکہ ایک مختصر سا جھونپڑا اور چھپردار کوٹھڑی ہے چنانچہ رومی ایلچی کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قیامگاہ کا راستہ بتایا گیا۔ جب وہ رومی ایلچی سیدنا فاروق اعظم کی آرام گاہ میں پہنچا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی دیکھا تو وہ ایک معمولی سا جھونپڑا ہے اور اس کے دروازے عرصہ کثیر گذر جانے سے گرد و غبار کی وجہ سے سیاہ ہو چکے ہیں۔ اس جھونپڑے میں تو چونکہ سیدنا فاروق اعظم سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی لہٰذا اُن کی قیام گاہ سے باہر اُن کی تلاش میں نکلا۔ لوگوں سے پوچھا تو اُسے جواب ملا کہ وہ غربا و مساکین کی ضروریات پورا کرنے کے لئے مصروف بکار ہیں۔ اور رعایا کی جانچ پڑتال کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ رومی ایلچی شہر سے باہر چلا گیا۔ کچھ آگے چل کر دیکھا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دیوار کے سایہ تلے دُرہ (چابک) سرہانے رکھ کر لیٹے ہوئے ہیں رومی ایلچی نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا اے خلیفۃ المسلمین تم نے عدل و انصاف کیا تو اب چین و آرام فرما ہیں اب آپ کو خطرہ لاحق نہیں جہاں چاہو سوتے رہو۔ ہمارے بادشاہوں نے تو ظلم کی انتہا کر دی۔ اس لئے وہ اب ڈر کے مارے گھروں سے باہر نہیں نکلتے بلکہ سپاہ کے پہرہ میں مضبوط قلعوں میں بند ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔

(۱) پادشاہے کہ طرح ظلم وانگند
پائے دیوار ملک خویش میکند

(۲) نکند جور پیشہ سلطانی
کہ نیاید ز گرگ چو پانی

ترجمہ: (۱) وہ بادشاہ جو ظلم کا طریقہ جاری کرتے ہیں وہ اپنے ملک کی دیوار کو اکھیڑتے ہیں۔
(۲) بادشاہ ظلم کا طریقہ جاری نہیں کرتا اس لئے کہ بھیڑیئے کو نگہبانی سے کیا غرض

نکتہ اردشیر نے کہا کہ ملک کی بنیاد دین ہے اور اس کا نگران عدل و انصاف ہے جس مکان کی بنیاد نہ ہو وہ جلد تر گر جائے گا اور جس کا نگران کوئی نہ ہو تو وہ زود تر ضائع ہو جائے گا۔

حکایت نوشیرواں منقول ہے کہ نوشیرواں کے وزیر زراعت و خوراک نے نوشیرواں کو مشورہ لکھ بھیجا کہ آنجناب کے ملک کے اخراجات بہت زیادہ ہیں اور آمدنی کم۔ اگر اجازت ہو تو رعایا پر معمولی ٹیکس کا اضافہ کیا جائے۔ نوشیرواں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر وزیر مذکور نے اصرار کیا۔ نوشیرواں نے اس کے اصرار پر لکھا کہ میری خاموشی پر تیرے لئے بہتر تھا کہ تو مجھ سے ٹیکس کے اضافہ کے لئے تقاضہ نہ کرتا۔ اور نہ ہی تو ایسی بات کا مطالبہ کرتا کہ جس کا تو مامور نہیں ہے لیکن تو نے بجائے سکوت کے اصرار کیا ہے یہ بات دلالت

کرنی ہے تو اپنے بادشاہ کے معاملات میں دخیل ہو کر گستاخ ہو گیا۔ اس کی سزا یہ ہے کہ تو اپنا ایک کان کاٹ ڈال اور آئندہ پورا عزم بالجزم رکھ کہ پھر تو کبھی ایسی ناشائستہ حرکت نہیں کرے گا۔ وزیر مذکور نے ایک کان کاٹ ڈالا اور پھر تا دم زیست ایسے معاملہ کے درپے نہ ہوا۔

سبق ظلم ایک ننگ و عار اور جہنم کا ایندھن بنتا ہے جو اس کا مرتکب ہوتا ہے۔ ہر ذی عقل و ذی شعور کو اس سے اجتناب کرنا واجب ہے نیز جس کا ظلم نہ کرنے کا پکا ارادہ ہو اسے چاہیئے کہ وہ کسی ظالم کے ہاں بیٹھنے تک کا روادار نہ ہو اور نہ ہی اُن کی اتباع کرے کیونکہ اتباع صرف اہل حق کی لازم ہے اور بس۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اسی طرح جو میری نافرمانی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور جو شخص حاکم عادل کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔

نکتہ یاد رہے کہ رعایا کے جیسے عمل ہوتے ہیں ویسے حاکم مسلط کئے جاتے ہیں یعنی اگر رعایا کے اعمال نیک تو حکام بھی نیک اگر رعایا کے اعمال بُرے تو اُن پر حکام بھی بُرے مسلط ہوتے ہیں۔

حکایت منقول ہے کہ حجاج بن یوسف کو کسی نے کہا کہ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا عدل کیوں نہیں کرتا حالانکہ تو نے اُن کی خلافت کا زمانہ آنکھوں سے دیکھا اور اُن کی رعایا پروری کے حالات کا مشاہدہ کیا۔ اُس نے کہا تبا ذرو العمر بکم" تم حضرت ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی) کی طرح (نیک ہو جاؤ) میں تمہارے لئے عمر (عادل) ہو جاؤں گا یعنی رعایا کو چاہیئے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور زہد و عبادت اختیار کرلیں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح عدل و انصاف سے کام لوں گا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جیسے تم ہو ویسے تمہارے اوپر تمہارے حاکم مسلط کیا جاتا ہے یعنی اگر تم نیک ہو جاؤ تو تمہارا حاکم بھی نیک ہوگا اگر تم بُرے ہو جاؤ تو تمہارا حاکم بھی برا مقرر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ موسیٰ علیہ نے کہا الٰہ العٰلمین مجھے کیسے معلوم ہو تو کس وقت مخلوق پر راضی ہے اور کس وقت ناراض۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) جب تم رعایا پر حاکم عادل دیکھو تو سمجھ لو کہ میں اس وقت مخلوق سے راضی ہو جب تم حکام کو بُرا پاؤ سمجھ لو کہ میں اس وقت ناراض ہوں۔

تفسیر صوفیانہ اولی الامر سے درحقیقت وہ مشائخ کرام مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص ترین بندے ہیں جو ہر وقت مریدین کی اصلاح میں لگے رہتے ہیں اس معنیٰ پر مرید کا اولی الامر اُس کا اپنا شیخ ہوگا کہ وہ

باقی ص ۱۲۷ پر

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا
أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا
أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۚ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ○
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ
الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ○ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ
بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا
وَتَوْفِيقًا ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ
عِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ○ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا
لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ○ فَلَا وَرَبِّكَ لَا
يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا
مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا
يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ○ وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ
لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ○ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ○ وَمَنْ يُطِعِ
اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَ
الصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ○ ذَٰلِكَ
الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ○ ع

ترجمہ کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اُترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں اور ابلیس چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکا دے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے

کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں کیسی ہو گی جب ان پر کوئی افتاد پڑے بدلہ اس کا جوان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا پھر اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اللہ کی قسم کھاتے کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا ان کے دلوں کی تو بات اللہ جانتا ہے تو تم ان سے چشم پوشی کرو اور انہیں سمجھا دو اور ان کے معاملہ میں ان سے رسا بات کہو اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے اور اگر وہ کرتے جس بات کی انہیں نصیحت دی جاتی ہے تو اس میں ان کا بھلا تھا اور ایمان پر خوب جمنا اور ایسا ہوتا تو ضرور ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے اور ضرور ان کو سیدھی راہ کی ہدایت کرتے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ (کیا ان کو نہیں دیکھا جو جھوٹ بولتے ہیں) زعم یہاں پر بمعنی کذب ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ (کہ بے شک وہ آپ کی طرف نازل کردہ قرآن پر ایمان لائے ہیں۔ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (اور آپ سے پہلی نازل شدہ تورات و دیگر تمام سماوی کتب پر بھی) گویا یہاں سوال ہوا کہ ان کا کونسا غلط کردار تھا تو اس کے جواب میں فرمایا یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ (وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جائیں)۔

شانِ نزول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کا آپس میں جھگڑا ہوا تو یہودی نے منافق سے کہا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے جائیں اس لئے کہ آپ حق فیصلہ کرتے ہیں اور رشوت بھی نہیں لیتے لیکن منافق کہتا تھا کہ کعب بن اشرف کے ہاں چلیں۔ اس لئے کہ وہ رشوت لینے کا عادی تھا چونکہ حق یہودی کا تھا اس لئے منافق کا اصرار تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضری ہو بالآخر یہودی نے منافق کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضری پر مجبور کر دیا۔ یہودی و منافق نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اپنا اپنا بیان دیا۔ حضور علیہ السلام نے یہودی کے

حق میں فیصلہ فرمایا تو منافق اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور کہا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں چلتے ہیں جب وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے تو یہودی نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے لیکن یہ نہیں مانتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منافق سے کہا کیا یہی بات ہے منافق نے کہا ہاں! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔ آپ نے اندر جا کر تلوار اٹھائی اور واپس تشریف لا کر منافق کی گردن اڑا دی اور فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کا منکر ہے اس کا میرے ہاں یہی فیصلہ ہے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام یہی آیت لے کر نازل ہوئے اور فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق و باطل کا فرق واضح کر دیا اس لئے آج کے بعد ان کا نام "فاروق" ہے۔

فائدہ طاغوت سے کعب بن اشرف مراد ہے اور اسے طاغوت اس لئے کہا گیا کہ وہ طغیان (گمراہی) اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھرپور تھا اور اس شخص کو بھی طاغوت کہا جاتا ہے جو غلط فیصلے کرے اور باطل کا ہی خوگر ہو۔

وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ (حالانکہ انہیں حکم تھا کہ وہ اس سے علیحدہ رہیں یعنی انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت سے برأت کا اظہار کریں۔ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ (اور شیطان کا ارادہ ہے) اس سے کعب

بقیہ صفحہ ۱۲۴ سے

مُرید کی اصلاح جیسے چاہے گا مرید کو اُس کے امر کی پابندی لازمی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مُرید پر واجب ہوتا ہے کہ ہر واردات پر دل کو ٹٹولے اور ہر اشارہ و الہام یا حادثہ پر اپنے اعمال و احوال کو شیخ کی نظر کسوٹی سے پرکھے۔ جو بات اس کا شیخ اس کے لئے تجویز کرے یا اس کا اشارہ اور حکم فرمائے تو سر تسلیم خم کرے۔ اس کے اوامر و نواہی کو بجا لائے کیونکہ اس کا شیخ اُس کے لئے اولوالامر میں سے ہے۔

انتباہ مریدین کے اولی الامر تو مشائخ کرام ہیں لیکن مشائخ کے اولی الامر کتاب و سنت ہیں مشائخ پر بھی لازم ہے کہ انہیں جو واردات غیبی نصیب ہوں مثلاً مکاشفات و مشاہدات و اسرار و حقائق کسی وقت حاصل ہوں تو وہ اُن سے اپنی دکان نہ چمکائیں بلکہ ان مکاشفات وغیرہ کو حق سمجھیں ورنہ انہیں دیوار پر مار دیں اس لئے کہ اہل حق کے نزدیک کتاب و سنت کی پیروی کا نام ہے[1] (کذا ذکرہ الشیخ الکامل نجم الکبریٰ فی تاویلاتہ)

---

[1] اس سے موجودہ دور کے بعض گدی نشین پیر صاحبان سبق حاصل کریں کہ وہ اپنی من مانی منواتے ہیں اور شیخ کا دم بھرتے ہیں خواہ اُن کے فعل و قول و عمل کو کتاب و سنت سے دور کا واسطہ نہ ہو!!
(اُویسی غفرلہٗ)

بن اشرف یا شیطان کی حقیقت مراد ہے اس کا عطف یُرِیْدُوْنَ پر ہے اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا اگر وہ انہیں بہت زیادہ گمراہ کر دیں یعنی ایسی گمراہی میں ڈال دیں کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو کہ پھر اُن کے لئے ہدایت کی اُمید بھی منقطع ہو جائے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ (اور جب اُن منافقین کو کہا جاتا ہے کہ تَعَالَوْا (آؤ) اِلٰی مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (اس طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے یعنی وہ احکام بجالاؤ جن کا اُس نے اپنی کتاب میں حکم فرمایا ہے وَاِلَی الرَّسُوْلِ (اور رسول علیہ السلام کی طرف) یعنی جو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم فرمائے) رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ (تو تم منافقین کو دیکھتے ہو)۔

سوال یہاں لفظ المنافقین کیوں لایا گیا ہے حالانکہ یہاں تو المنافقین کے بجائے ضمیر جمع مذکر (هُمْ) لانا مناسب تھا؟

جواب اُن کی منافقت کی پختگی کا اظہار اور ان کی گندی عادات (منافقت) کی مذمت مطلوب ہے اور بتانا ہے کہ ان پر حکم مذکور صرف ان کی اسی منافقت کی وجہ سے ہے اگر وہ اس منافقت سے باز آجائیں تو حکم مذکور اُن پر لاگو نہیں ہوگا۔

فائدہ یہاں رؤیۃ بصریہ مراد ہے۔

یَصُدُّوْنَ عَنْكَ (اور وہ تمہیں روکتے ہیں) یہ جملہ المنافقین سے حال ہے صُدُوْدًا ؕ یعنی وہ تم سے ہر طرح روگردانی کرتے ہیں۔ فَكَیْفَ (پس اُن کا کیا حال ہوگا یا وہ اُس وقت کیا کر سکیں گے جب وہ عاجز ہو جائیں گے اور بالکل کسی امر کی رکاوٹ نہ کر سکیں گے۔ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ "یعنی مصیبت کے وقت کیا کر سکیں گے جب ان کی منافقت ظاہر کر کے انہیں رُسوا کیا جائے گا۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ (اس وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے کمایا) بسبب ان کی ان غلطیوں کے جو ان سے سرزد ہوئیں منجملہ ان کے ایک یہی ہے کہ وہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جاتے ہیں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ سے راضی نہیں ہوتے۔ ثُمَّ جَآءُوْكَ (پھر وہ آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تاکہ اپنی غلط پالیسیوں کی معذرت کریں اس کا عطف اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ پر ہے۔ یَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں) یہ جاؤک کے فاعل سے حال ہے۔ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّاۤ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِیْقًا (ہمارا تو صرف احسان و مروت کا ارادہ ہے)۔ ہم طاغوت کی طرف صرف اس لئے فیصلہ کے لئے گئے تاکہ ہمارے مخالفین کو معلوم ہو کہ ہم متعصب نہیں بلکہ ہم صلح پسند ہیں۔ اس سے ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ ہم آپ کی مخالفت کریں اور نہ ہی ہمیں آپ کے فیصلہ سے کوئی ضد تھی اسی لئے اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے کئے پر مواخذہ نہ کیجئے۔

فائدہ اس میں منافقین کو وعید سنائی گئی کہ جو کچھ تم نے کہا تھا تمام غلط تھا۔ جس کا خمیازہ تم ضرور بھگتو گے اور شرمساری سوا۔ پھر وہ شرمساری تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی تمہاری عذرداری قابل قبول ہوگی۔

اُولٰٓئِكَ (وہ لوگ، منافقین) الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ (جن کے دلوں کے اسرار کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے) کہ وہ منافقت کے کتنا درجہ پر ہیں اسی لئے انہیں اپنی منافقت کو چھپانا غیر مفید ہے اور نہ ہی جھوٹی قسمیں انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکتی ہیں۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (پس اُن سے روگردانی فرمائیے) یعنی نہ ہی آپ ان کی معذرت قبول فرمائیں اور نہ ہی اُن کے لئے دُعا کر کے اُن کی مشکلکشائی فرمائیں۔ وَعِظْهُمْ (اور انہیں نصیحت فرمائیے)۔ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (اور ان کے نفوس خبیثہ اور قلوب جو شر و فساد سے پُر ہیں) (جنہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے) کے متعلق انہیں خوب نصیحت فرمائیے یا یہ مطلب ہے کہ انہیں تنہائی میں نصیحت فرمائیے کہ اُس وقت اُن کے سوا اور کوئی نہ ہو۔ اس لئے کہ تنہائی میں کسی کو نصیحت کی جائے تو وہ زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا (یعنی انہیں ایسا وعظ فرمائیے کہ اُن کے دل پر اثر ڈالے اور اُن کی مراد کی کُنہ تک پہنچ جائے تاکہ وہ مقصود کو پالیں۔

فائدہ قول بلیغ کا طریقہ یوں ہوتا ہے کہ سامعین سے کہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے راز کو خوب جانتا ہے اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے اس سے باخبر ہے۔ فلہذا تم اپنی منافقت کو چھپا کر کیا کرو گے اب تمہارے لئے نہایت ضروری ہے کہ تم اپنی اصلاح اور اپنے قلوب کو پاک اور صاف کر لو۔ تاکہ تمہارے کفر کے تمام رذائل بالکل دھل جائیں اور ابھی سے منافقت کی بیماری کا علاج کرا لو۔ ورنہ جس طرح کفار و مشرکین پر آیات واضح طور نازل ہوئی ہیں تمہارے لئے بھی نازل ہونے لگیں گی تو پھر پچھتاؤ گے بلکہ اُن سے بھی ذلیل تر ہو گے۔ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ انہیں سختی سے سمجھائیے اُن پر آپ کی نصیحت اثر انداز ہوگی جس سے وہ دولت ایمان سے نوازے جائیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (اور ہم نے ہر رسول مطاع باذن اللہ بنا کر بھیجا ہے یعنی رسولوں میں سے ہر رسول کو معاملات میں سے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن کے سبب سے مطاع بنایا گیا ہے کہ اُس کی اطاعت اور اُس کی ہر امر فرض ہے اُن لوگوں پر جنکی طرف وہ مبعوث ہوئے کہ وہ لوگ اپنے رسول علیہ السلام کی اطاعت اور ان کی تابعداری کریں۔ اس لئے کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے کہ اُس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اُس کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سمجھی جائے گی۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (اور اگر انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے کہ آپ کی طاعت چھوڑی اور آپ سے

رُوگردانی کر کے طاغوت کے ہاں فیصلے لے گئے تو اس طرح سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دی۔
جَآءُوْكَ (آپ کے ہاں منافقت سے تائب ہو کر حاضری دیں) فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ (پس وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے لئے شفاعت کریں) وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ (اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے لئے شفاعت کریں یعنی وہ توبہ و استغفار کے وقت رسول علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اُن کی مغفرت کا سوال کریں۔

سوال صحیح توبہ سے اُن کی مغفرت خود بخود ہو گی پھر اس کے ساتھ رسول علیہ السلام کی سفارش کی شرط کیوں؟
جواب چونکہ اس وقت یہ منافقین رسول پاک علیہ السلام سے رُوگرداں ہو کر طاغوت کی طرف فیصلے لے جانے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کے علاوہ ان کی دل شکنی بھی ہوئی تو اُن کی دلجوئی بھی ضروری ہوئی اور قاعدہ عام ہے کہ جہاں پر ایسا معاملہ ہو تو اُس وقت حضور علیہ السلام کی شفاعت کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

لَوَجَدُوا اللّٰهَ (وہ اللہ تعالیٰ کو پائیں گے) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں پائیں گے) تَوَّابًا (بہت بڑا توبہ قبول کنندہ ہو گا)۔ رَحِيْمًا یہ توابًا سے بدل ہے یعنی اپنی مخلوق پر بہت بڑا رحم کرنے والا۔ فَلَا پس معاملہ یوں نہیں جیسے منافقین کے گمان میں ہے کہ وہ مؤمن ہیں یہ صرف ان کا خیال ہے ورنہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کر کے کیسے مؤمن ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد قسم یاد فرمائی کہ وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ (مجھے تیرے رب کی قسم کہ وہ مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ کو فیصل بنائیں)۔ یعنی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اس وقت مؤمن کہلانے کے حقدار ہیں جب وہ اپنے تمام معاملات میں آپ کو اپنا حکم مانیں اور ہر معاملہ کا فیصلہ آپ سے کرائیں۔ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (جن امور کا اُن کا آپس میں اختلاف ہے اور انہوں نے اپنے معاملات کو اس میں ملا دیا ہے شجر بمعنے ملانا اور شجرہ (درخت) کو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اُس کی ٹہنیاں آپس میں ملی ہوتی ہیں ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا (اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں۔ مِّمَّا قَضَيْتَ (اس سے جو آپ نے فیصلہ فرمایا ہے) یعنی آپ کے فیصلہ سے بدل و جان راضی ہو جائیں یہاں تک کہ اُس کے بعد اُن کے دل پر کسی قسم کی تنگی اور بوجھ محسوس تک بھی نہیں ہوتا۔ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥ اور پورے طور مان لیں۔ یعنی ظاہرًا اور باطنًا ہر طرح سے سر تسلیم خم کریں۔

مسئلہ ان آیات سے ثابت ہوا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا ہے۔ شک کر کے یا سرکش ہو کر تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ بتاتا ہے کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ سے زکوٰۃ روک گئی تو حکم ہوا کہ مانعین زکوٰۃ کو قتل

کیا جائے اور اُن کی اولاد کو قیدی بنایا جائے۔

مسئلہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع فرائض میں سے فرض عین اور فروض میں سے فرض کفایہ اور واجبات میں سے واجب اور سنن میں سنت وغیرہ وغیرہ ہے۔

مسئلہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے دولت اسلام چھین لی جاتی ہے ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ: جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کرتا ہے وہ منزل کو ہرگز نہ پہنچیگا۔

نکتہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کے رہبر اعظم ہیں اور رہبر اعظم کی مخالفت شدید ترین گمراہی ہے حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

بکوئے عشق منہ دلیل راہ قدم
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام ونشد

ترجمہ: اپنی رائے کو عشق میں امام نہ بنا میں نے تو اس کا بڑا اہتمام کیا لیکن مقصد نہ پا سکا۔

فضائل اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ① حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی بھی مؤمن نہیں جبتک اس کے خواہش اُس کے تابع نہ ہوجائے جسے میں لایا ہوں۔

② فرمایا کہ جس نے میری سنت کو ضائع کیا یعنی میری سنت پر عمل نہ کیا گویا اُس نے میری سنت کو ضائع کردیا اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ میری شفاعت سے محروم ہوگا۔

③ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری سنت پر محافظت کرتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ چار خصلتوں سے نوازے گا۔

① نیک لوگوں کے دلوں میں اس کے دلوں میں اس کے متعلق محبّت پیدا کردے گا۔

② فجار کے دلوں میں ہیبت۔

③ رزق میں وسعت۔

④ دین میں وثوق۔

نکتہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی اُمتی وہی ہے جو آپ کی تابعداری کرتا ہے۔

نکتہ آپ کی تابعداری اُسے نصیب ہوتی ہے جو دنیا سے روگردانی کرتا ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی دعوت کا

خلاصہ یہی ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کے ہوکر ہر وقت آخرت کی فکر میں رہیں اور دنیا کو سہ طلاق دے دیں اور حظوظ نفسانیہ سے دُور رہیں پھر جتنا قدر کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور آخرت سے دل لگی ہوگی اتنا قدر اُسے راہِ حق کا سلوک نصیب ہوگا۔ اور اتنا قدر اسے اتباعِ نبوی حاصل ہوگی اور یہ قاعدہ ہے کہ جتنا قدر کسی کو اتباع نصیب ہوتی ہے اتنا ہی وہ امتِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا حقدار سمجھا جائے گا۔

سبق غور سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ صبح و شام تک ہماری زندگی کے اکثر لمحات حظوظِ نفسانیہ میں صرف ہوتے ہیں اور ہر وقت ہمیں دنیا نے فانی کے حصول کی فکر لگی رہتی ہے باینمہ پھر بھی ہم اس تصور میں ہیں کہ کل قیامت میں ہم حضور علیہ السلام کے امتی اور آپ کے متبعین میں سے ہوں گے۔

علامت قیامت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ جس میں میری سنت پرانی ہو جائے گی اور بدعات کا دور دورہ ہوگا۔ اس وقت جو شخص میری سنت پر عمل کرے گا تو وہ لوگوں کی نگاہوں میں اجنبی ہوگا بلکہ اُن کے معاشرے سے دُور رکھا جائے گا اور بدعت (سیئہ) کرنے والوں کے درجنوں ساتھی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہمارے بعد بھی کوئی ہم سے مراتب[1] میں افضل و اعلیٰ ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں! پھر انہوں نے عرض کی کیا وہ آپ کی زیارت سے بھی مشرف ہوں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں پھر انہوں نے عرض کی کہ وہ ایسے پرفتن دور میں کیسے گذاریں گے آپ نے فرمایا وہ اُن میں ایسے مِل جل کر رہیں گے جیسے پانی میں نمک۔ پھر عرض کی اُن کا اُن کے ساتھ گذارہ کیسے ہوگا۔ آپ نے فرمایا جیسے کیڑا سرکے میں ہوتا ہے۔ پھر عرض کی وہ اپنا دین کیسے محفوظ رکھ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا انگارہ کی طرح کہ اسے اگر چھوڑا جائے تو بجھ جاتا ہے اگر اسے ہاتھ پہ رکھا جائے تو جلاتا ہے (یعنی اس وقت دین بچانا مشکل ہو جائے گا۔

وعظ نبوی کا نمونہ حضرت ابو نجیح الو باض رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ ایک دن ہمیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا وعظ فرمایا کہ جس سے دل بہت گھبرائے۔ اور ہماری آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ ہم نے عرض کی حضور! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کا یہ وعظ ایسا ہے جیسا کہ آپ ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔ ہمیں کوئی وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت اور اس کے احکام قبول کرنے کی وصیت فرماتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کرنے کے لئے تمہارے اُوپر کوئی غلام بھی امیر مقرر ہو تب بھی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ میرے بعد تم میں جو کوئی زندہ رہے تو عنقریب بہت بڑے اختلاف دیکھے گا فلہٰذا انہیں لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کریں بلکہ انہیں بہت سخت مضبوط پکڑو اور بدعات (سیئہ) سے بچو اس لئے کہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

---

[1] یہ مرتبہ بحیثیت عمل کے ہے کہ ایسے دور میں اعمال صالحہ کی قدر و قیمت ہوگی ورکہاں صحابہ اور کہاں ایسے دور والے۔

سبق مؤمن پر ضروری ہے کہ سنت نبوی کی پیروی کرے اور بدعت (سیئہ) سے دور رہے اپنے ظاہر کو شریعت اور باطن کو طریقت سے سنوارے تاکہ اُسے قیامت میں دولت شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وافر حصہ نصیب اور عذاب جہنم سے نجات حاصل اور بہشت میں نیک لوگوں کی رفاقت نصیب ہو۔

فائدہ مؤمن بہشت میں اس درخت کی طرح ہوگا جس کے میوہ جات نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ہی وہ باغ سے کاٹا جائے اور منافق سخت ہلاکتوں میں ہوگا۔ اس درخت کی طرح کہ جسے بار بار کاٹ کر آگ کا ایندھن بنایا جائے۔

حضرت فردوسی فرماتے ہیں ؎

(۱) درختیکہ شیریں بود بار او
نگردد کسے گرد آزار او

(۲) اگر زانکہ شیریں نباشد برش
نپای اندر آند ناکہ سرش

(۳) بماند بباغ آں و در آتش ایں
تو خواہی چناں باش و خواہی چنیں

ترجمہ (۱) جو درخت پھل والا ہو اس کے درپۓ آزار کوئی نہیں ہوتا۔
(۲) اگر اس کا پھل میٹھا نہ ہو تو اسے جڑ سے اکھاڑتے ہیں نہ کہ صرف اس کا سر کاٹتے ہیں
(۳) پھل والا درخت تو باغ میں صحیح سالم رہتا ہے اور یہ دوسرا آگ میں جلایا جاتا ہے اب تیری مرضی ہے تو پھل والے درخت کی طرح ہو یا دوسرے کی طرح۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ (اور اگر ہم ان منافقین پر واجب یا فرض کر دیں) اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ (یہ کہ اپنی گردنیں خود اڑائیں یا اپنے گھروں سے نکل جائیں) جیسے ہم نے بنی اسرائیل سے کیا، جب انہوں نے ہم سے توبہ قبول کرنے کا عرض کیا۔ مَّا فَعَلُوْهُ (تو جو پھر ان پر فرض کیا جائے گا وہ عمل میں نہیں لائیں گے۔

سوال یہ ضمیرہ، ما فعلوہ میں کس طرف لوٹتی ہے؟

جواب مکتوب کی طرف جو کتبنا علیہم سے مفہوم ہوتا ہے۔

اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ (مگر ان میں چند ایک عمل کریں گے جو ان میں مخلصین ہیں)، وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ (اور وہ اس پر عمل کرتے جس کا وہ حکم دیئے جاتے ہیں) یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و

اطاعت اور اُن کے جھنڈے مبارک تلے جمع ہوتے اور اُن کی رائے گرامی کو ترجیح دے کر اس کے کاربند ہوتے ہیں جس طرح وہ بھی حکم فرمائیں ظاہرًا اور باطنًا ہر طرح سے اُن کی نیازمندی و غلامی اختیار کریں۔

سوال اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو مواعظ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟
اس لئے کہ اوامر و نواہی وعدو عید اور ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہوتے ہیں۔

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (تو ان کے لئے بہتر تھا) (وہ انہی مواعظ پر عمل کرتے) کیونکہ اُن کی عاقبت اور دارین میں انجام بخیر اسی میں تھا۔ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا (اور ان کے ایمان کی زیادہ ثابت قدمی اور ایمان کے اضطراب کا بچاؤ انہی مواعظ پر عمل کرنے سے نصیب ہوتا) وَإِذًا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ اگر منافقین اللہ تعالیٰ کے مواعظ پر عمل کر لیتے تو انہیں کیا فائدہ ہوتا تو اُس کے جواب میں فرمایا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّآ ہم انہیں اپنی طرف سے عنایت فرماتے أَجْرًا عَظِيمًا (بہت بڑا اجر یعنی انہیں آخرت میں اتنا کثرت سے ثواب نصیب ہوتا کہ جس کے انقطاع کا وہم و گمان تک نہ ہوتا وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا (اور ہم انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے کہ اس پر چل کر عالم قدس میں پہنچ جاتے اور ساتھ ہی اُن کے لئے عالم غیب کے دروازے کھل جاتے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اپنے پڑھے پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے وہ علم (لدنی) عطا فرماتا ہے جس کا اُسے پہلے علم نہیں تھا۔

تفسیر صوفیانہ قتل نفس سے اس کی خواہشات کو مٹانا مُراد ہے جو کہ یہی خواہشات اس نفس کی زندگی اور اُس کی صفات مذمومہ کی باقی رکھنے کا سبب ہیں اور خروج دیار سے اُن مقامات سے نکلنے کا نام ہے جن مقامات میں قلوب کا بسیرا اور انہی سے ان کا لگاؤ ہے جیسے صبر و توکل و رضا و تسلیم وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے کہ یہی امور توحید اور فنا فی الذات کے لئے حاجب ہیں۔

حکایت حضرت منصور مرحوم جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرت منصور نے پوچھا کہ آج کل آپ کا کیا حال ہے تو حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ میں ایسے جنگلوں اور ویرانوں میں رہتا ہوں نہ وہاں پانی ہے نہ درخت اور نہ زمین اور نہ بارش۔ میرا حال توکل سے گذر رہا ہے۔ حضرت منصور نے فرمایا۔ اگر تمہاری زندگی ایسے ہی باطن کی تعمیر میں ختم ہوگئی تو پھر تجھے فنا فی التوحید کے مراتب سے کچھ نصیب نہ ہوگا۔

(۱) جان عارف دوست را طالب شدہ
نورِ حق باہستیش غائب شدہ

(۲) پرتو ذات از حجاب کبریا
کردہ اورا غرقہ بحرِ فنا

ترجمہ ① عارف کی جان ہی محبوب کی طالب ہوتی ہے اس کی ہستی پر نورِ حق کا غلبہ ہوتا ہے۔
② حجاب کبریا سے ذات کا پرتو اسے بحرِ فنا کے لئے معزور کیا ہوا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں کوہِ لبنان میں گیا تو ایک نوجوان کو دیکھا جو کھڑا کہہ رہا ہے اے وہ ذات جس کی طرف میں شوقمند اور اس کا بدل و جان عاشق ہوں اور میرا نفس اس کا نوکر اور غلام ہے اور میں از سرتا پا تیرے ارادہ و مشیت میں کلی طور فنا ہوں اس عذر سے تیرے سوا مجھے کون نجات دے سکتا ہے۔ میں نے اس نوجوان سے پوچھا کہ اے عزیز بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی کوئی علامت بھی ہے اس نے

کہا ہاں وہ اس طرح کہ بندے کو اس کے دیدار کی خواہش زوروں پر ہو پھر میں نے سوال کیا کہ اس کے مشتاق کی کیا نشانی ہے اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے مشتاق کا یہ نشان ہے کہ اسے شب و روز نہ سکون ہو نہ قرار۔ وہ ہر وقت اپنے رب کے شوق میں رہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ فانی فی اللہ کسے کہتے ہیں اس نے کہا کہ فانی فی اللہ وہ ہوتا ہے جسے اپنے اور پرائے کا امتیاز تک نہ ہو اور نہ ہی اسے کڑوے اور میٹھے کا پتہ ہو۔ صرف اس لئے کہ وہ اپنے جسم و نفس اور رسم کی قید سے چھوٹ چکا ہوتا ہے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ نوکر اور غلام کی کیا علامت ہے اس نے جواب دیا کہ ثواب سے اس کا قلب اور اس کے جملہ اعضاء کو طمع ختم ہو جائیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن

کہ دوست خود روش بندہ پروری داند

ترجمہ: گداگروں کی طرح عبادت مزدوری طور نہ کرو کیونکہ مالک بندہ پروری کے طریقے خوب جانتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس گندے بندے کی طرح نہ ہو کہ وہ صرف ڈر کے مارے کام کرتا ہو ورنہ ہی بُرے مزدور کی طرح جسے کچھ نہ ملے تو کام سے ہاتھ اٹھا لے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ وظائف و اوراد پر التزام کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انوارِ ملکوت اضعافِ طاعات میں ودیعت رکھے ہیں۔ پس جس سے کوئی اطاعت رہ گئی یا نفس کی شرارتوں سے کوئی بات اپنے اندر پائی تو وہ اس نور سے محروم ہو گیا۔ بہرحال وصالِ الٰہی اور فنا و بقا کا حصول سوائے عبودیت اور ترک ما سوا اللہ کے محال ہے۔

① بشب حلاج را دیدند در خواب ؎

بریدہ سر بکف بر جام جلاب

② بدو گفتند چونی سر بریدہ

بگو تا چیست ایں جام گزیدہ

③ چنیں گفت کہ سلطان بحو نام
بدست سر بریدہ میدہد جام

④ کسے ایں معنیٰ میکند نوش
کہ کرد اوّل سر خود را فراموش

ترجمہ: ① حلاج کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ سر کٹا ہوا تھا اور ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا۔

② لوگوں نے اس سے پوچھا یہ کیا کہ سر کٹا ہوا ہے اور ہاتھ میں پیالہ ہے اس کا راز بتایئے۔

③ جواب دیا کہ بادشاہ حقیقی کا طریقہ ہے کہ سر کاٹ کر شراب کا پیالہ ہاتھ میں دیتا ہے۔

④ اس شراب کو وہی پیتا ہے جو پہلے اپنے آپ کو فراموش کردے۔

نکتہ گرم اور سرد چکھے بغیر مقاصد کا حصول پھیکا پھیکا ہوتا ہے۔

سبق اے سالکِ راہ ہدیٰ اگر وعظ و نصیحت پر تو عمل نہیں کرسکا اور نہ ہی تجھے خشیت الٰہی کی دولت نصیب ہوئی تو تمہیں یقین ہونا چاہیئے کہ تجھ سے بہت بڑا فائدہ ہاتھ سے نکل گیا بلکہ یوں سمجھئے کہ تو نے اپنے منافع خود گنوائے۔ اب تیرے لئے صرف ایک چارہ کار باقی ہے تو اپنے تمام گناہوں سے معافی مانگ۔ اور تمام برائیوں سے منہ موڑ کر اپنے مالک کی طرف رجوع کرکے اس کی طاعات و عبادات میں لگ جا یہاں تک کہ فنا عن الذات تک پہنچ جائے بشرطیکہ اس منزل کو طے کرتے وقت مُرشدِ کامل کی رہبری ہو اور وہ کامل بھی ایسا کہ تفرید و تجرید کی منزلیں طے کرچکا ہو تو پھر تمہارے لئے لازم ہے کہ تم ان کے جمیع احکام کو مانو اور اُن کی تمام نصیحتوں پر عمل کرو۔ بلکہ اپنے نفس کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ دے کر راہِ حق پر پر گامزن ہو جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ کرم فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔

فائدہ اطاعت سے جمیع اوامر و نواہی کے ساتھ مکمل فرمانبرداری اور پوری تابعداری مراد ہے۔

شانِ نزول حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلام تھے) ایک روز حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو غم سے آپ کا چہرہ متغیر تھا اور جسم کمزور پڑ چکا تھا۔ حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن سے پوچھا میاں ثوبان طبیعت ناساز کیوں ہے۔ عرض کی حضور! نہ تو مجھے کوئی جسمانی تکلیف ہے نہ کوئی اور رنج۔ صرف اس فکر میں ہوں کہ اب دنیا جب بھی آپ سے دور ہوتا ہوں اور آپ کی زیارت کا خیال گذرتا ہے تو فوراً حاضر ہو کر آپ کے دیدار سے مشرف ہو کر تمام غم و الم دور کر لیتا ہوں لیکن جب آخرت کو یاد کرتا ہوں تو جان لبوں پر آجاتی ہے اس لئے کہ نامعلوم آپ کی زیارت سے وہاں باریاب ہوں گا یا نہ۔ اس لئے کہ اگر مجھے بہشت میں جانا نصیب ہوا تو بھی آپ کہاں اور میں کہاں۔ آپ تو حضرات

علیہم السلام کے ہم مرتبہ بہشت کے بہت بلند مراتب پہ فائز ہوں گے۔ اگر خدانخواستہ میرا ٹھکانہ جہنم ہوا تو دائمی فرقت کا داغ ہوگا۔ حضرت ثوبان کی تسلی کے لئے آیت ہذا نازل ہوئی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اسے اس کی جان اس کے ماں باپ اور اس کے اہل اور آل و اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

فَاُولٰٓئِكَ (پس وہ) اطاعت گذار، مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر) اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی اپنی نعمت کی تکمیل فرمائی ہے اسمیں اہل ایمان کو طاعات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ طاعت کا صلہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی رفاقت کا وعدہ ہے اور ساتھ ہی انہیں بہت بلند و بالا مراتب سے نوازا جائے گا۔ مِنَ النَّبِيّٖنَ منعم علیہم کو بیان کیا جا رہا ہے یعنی وہ حضرات جو کمال علم و عمل سے سرشار رہیں بلکہ درجات کے آگے نکل کر مراتب تکمیل تک پہنچے ہیں پہلے اُن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ وَالصِّدِّيْقِيْنَ بہت بڑے بزرگ جن کے افعال و اقوال میں صدق و اخلاص کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا ہے جو حجج و دلائل میں بھی ہیں اور تصفیہ و تزکیہ اور ریاضات سے بھی عرفان کی انتہائی منزل تک انہیں رسائی ہے کہ اس عرفان کی بدولت اشیاء کے حقائق کا علم ہے جو انہیں ذاتِ حق سے عطا ہوا ہے۔ وَالشُّهَدَآءِ اور وہ شہید جنہیں جبلی حرص طاعات اور اظہارِ حق کے لئے ایسا اُبھارا ہے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جان دینے تک گریز نہ کیا۔ وَالصّٰلِحِيْنَ اور وہ نیک بخت حضرات جن کی زندگی اطاعت الٰہی میں صرف ہوئی اور جن کے مال اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ ہوئے۔

فائدہ معیت میں درجات میں تساوی مراد نہیں اس لئے کہاں وہ اور کہاں اطاعت گذار بندہ۔ اگر ایسا ہو تو پھر فاضل و مفضول کا فرق کہاں رہا۔ حالانکہ اُن کے مابین فرق ضروری ہے۔ اور نہ ہی یہ مراد ہے کہ بہشت کے داخلہ میں انہیں اشتراک ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسے مقامات پر ہوں گے کہ وہ جب چاہیں گے تو ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ اگرچہ ان کے مابین کتنا بہت بڑا بُعد کیوں نہ ہو۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (اور وہ لوگ اچھے رفیق ہیں)۔ یہ تعجب کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے گویا عبارت یوں ہوگی وَمَآ اَحْسَنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ اُولٰئك کا اشارہ النبیین والصدیقین الخ کی طرف ہے اور لفظ رفیقًا تمیز ہے۔

سوال رفیقا واحد ہے اور اس کا ممیز النبیین والصدیقین جمع کے صیغے۔ تمیز اور ممیز میں مطابقت ضروری ہوتی ہے یہاں مطابقت کے متعلق کیا جواب ہے؟

جواب رفیق، صدیق اور خلیط اور رسول کی طرح ہے کہ یہ الفاظ اگرچہ صیغہ واحد ہیں لیکن معنےٰ واحد و جمع ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔

فائدہ الرفیق بمعنٰی الصاحب رفق سے مشتق ہے بمعنٰی نرم جانب اور قولاً و فعلاً معاشرہ میں برتنا۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ یہ مبتدا ہے اور یہ الفضل اس کی صفت ہے اور یہ اشارہ اس بہت بڑے اجر کی طرف ہے جو مطیعین کو نصیب ہوگا اور فضل سے اُن کا وہ عطیہ مُراد ہے جو انہیں ہدایت کے ذریعے اور منعم علیہم رفاقت کے طفیل نصیب ہوگا۔ مِنَ اللّٰهِ یہ مبتدا کی خبر ہے یعنی فضل مذکور صرف اللہ تعالیٰ سے ہوگا نہ کہ اُس کے غیر سے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے) اُس کی جزا اور فضل کے اہل کے استحقاق کو خوب جانتا ہے۔

مسئلہ یہ آیت ہر عمل کے لئے ہے اس لئے کہ خصوصی سبب حکم کے عموم کو مانع نہیں جو بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت کرے گا وہ ان درجات و مراتب عُلیا سے مشرف ہوگا۔

حکایت بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے بیٹھے بیٹھے نیند آگئی۔ دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہوگئی اور لوگوں کا حساب و کتاب شروع ہوگیا۔ اُس کے بعد بعض کو بہشت میں لے جا رہے ہیں اور بعض کو دوزخ میں۔ میں نے بہشت کے دروازے پر کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ تمہیں بہشت کس عمل سے نصیب ہوئی انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی بدولت ہمیں بہشت عطا ہوئی اُس کے بعد میں نے دوزخ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر کہا کہ اے دوزخیو! تمہارا جانا کس وجہ سے ہوا۔

(۱) کجا سر برآریم زیں عار و ننگ
کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ

(۲) نظر دوست نادر کند سوئے تو
چو در روئے دشمن بود روئے تو

ترجمہ: (۱) عار و ننگ سے کیسے سر اٹھائیں کہ شیطان سے ہماری دوستی رہی اور حق تعالیٰ سے جنگ۔
(۲) دوست کی نگاہ تیری طرف کیسے جب تیرا مُنہ اس کے دشمن کی طرف ہو۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت کے تمام لوگ بہشت میں جائیں گے صرف وہ بہشت سے محروم ہوگا جس نے انکار کیا۔ عرض کی گئی وہ کون ہیں فرمایا جو میری اطاعت کرتا ہے وہ بہشت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرتا ہے وہ سمجھو انکار کرتا ہے اور وہی بہشت میں نہیں جاسکے گا۔

سبق سالک پر ضروری ہے کہ وہ انبیاً و اولیاً کی اتباع کرے۔ اس لئے انبیاً وحی ربّانی اور اولیا الہام حق سے نوازے جاتے ہیں۔ اولیا کرام کی اتباع درحقیقت انبیاً علیہم السلام کی اتباع ہے۔

ہر شخص قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔ اگر اُسے انبیا وصدیقین اور شہدا و صالحین

(قا)عدہ سے محبت ہوگی تو وہ بہشت میں انہیں کے ساتھ ہوگا۔

(تحق)یق سالک پر لازم ہے کہ وہ مرتبہ صلاح سے دُور نہ ہٹے بلکہ لحظہ لحظہ اس کی تکمیل صلاح میں کوشش کرے اس میں ترقی کرتا ہوا شہادت سے صدیقیت تک پہنچے۔ نبوت وصدیقیت کے مابین اور کسی مرتبہ کا واسطہ نہیں (اللہ) تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت سے نوازے۔

(ح)دیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بندہ ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے بلکہ اس میں کوشاں ہوتا ہے کہ صرف سچ بولے تو اللہ تعالیٰ اسے صدیقین کے زُمرہ میں لکھ دیتا ہے اسی طرح جو بندہ (جھوٹ) بولتا رہتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ صرف جھوٹ بولے تو اُسے اللہ تعالیٰ کذابوں میں لکھ دیتا ہے۔

(م)سئلہ سچ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بولنے والے کی بات ظاہرًا و باطنًا برابر ہو۔

(ص)ادق وصدیق میں فرق صادق وہ ہے جس کے صرف اقوال میں صدق ہو۔ اور صدیق وہ ہے کہ جس کے جمیع واقوال واحوال میں سچ ہی سچ ہو۔

(ف)ائدہ حضرت جعفر خواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صادق وہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے بلکہ نوافل میں بھی کم ہمت نہ ہو اور سچ بولنے کے بہت فوائد ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ سے بھی (اند)ازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(ح)کایت حضرت ابو عمر زجاجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری والدہ کا انتقال ہوا تو مجھے اُس کی وراثت سے ایک دار ملی میں اسے پچاس دینار میں بیچ کر حج کو روانہ ہوگیا۔ جب میں بابل (مقام) پر پہنچا تو مجھے وہاں ایک (ظا)لم ملا اور مجھ سے پوچھا کہ تیرے پاس کیا ہے۔ میں نے کہا میرے پاس خیر ہی ہے یعنی پچاس دینار۔ قافلہ کے (سرد)ار نے کہا کہ مجھے دیجئے۔ میں نے تھیلی اُسے پکڑا دی۔ اُس نے تھیلی کھولی تو واقعی پچاس دینار تھے۔ اُس نے مجھے (واپ)س کردیئے اور کہا کہ تیری سچائی میرے دل پر اثر کرگئی ہے۔ اس لئے اب میں تیرا غلام بے دام ہوں۔ وہ سواری (سے) اُتر پڑا اور مجھے اُس نے سوار کرنا چاہا۔ میں نے جتنا انکار کیا اس نے نہایت عجز والحاح سے مجھے اپنی سواری پر (سوار) کرکے میرے آگے پیدل چل پڑا اور تہیہ کیا کہ آئندہ زندگی میرے ہاں بطور خادم بسر کرے۔ چنانچہ حج کی فراغت کے (بعد م)یرے ہاں حاضر ہوگیا۔ لیکن افسوس کہ اسے زندگی نے وفا نہ کی کہ اسی سال فوت ہوگیا۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا ے

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفت
کہ از دوع سیہ روی گشت صبح نخست

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ○
وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ
اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ○ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ
اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ
فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ
نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ
الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ
لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ
كَانَ ضَعِيْفًا ○ ع

ترجمہ: اے ایمان والو ہوشیاری سے کام لو پھر دشمن کی طرف تھوڑے تھوڑے ہو کر نکلو یا اکٹھے چلو اور تم
میں کوئی وہ ہے کہ ضرور دیر لگائے پھر اگر تم پر کوئی افتاد پڑے تو کہے خدا کا مجھ پر احسان تھا کہ میں ان کے ساتھ
حاضر نہ تھا اور اگر تمہیں اللہ کا فضل ملے تو ضرور کہے گویا تم میں اس میں کوئی دوستی نہ تھی (یہ بات) اے کاش میں
ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا تو انہیں اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیئے جو دنیا کی زندگی بیچ کر آخرت لیتے ہیں اور جو
اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب آئے تو عنقریب ہم اسے بڑا ثواب دیں گے اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو
اللہ کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں
اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار
دے ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو شیطان کے دوستوں سے لڑو
بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے ۔

تفسیر عالمانہ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ (اے ایمان والو! بیدار رہو اور دشمنوں سے بچو اور انہیں ایسا موقعہ نہ دو کہ وہ تم پر غالب ہو جائیں)۔ خذوا حذرکم۔ اخذ حذرہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بیدار ہو اور خوف دلانے والی شئے سے بچ کر رہے گویا اُس نے اپنے خوف کو دشمن سے بچنے کے لئے اپنے نفس کا ہتھیار بنایا اور اسی سے اپنی رُوح کو محفوظ کر لیا فَانْفِرُوْا (پس دشمن سے جہاد کی طرف نکلو)۔ ثُبَاتٍ (متفرق جماعتیں بناکر) کہ ایک سریہ (چھوٹی جماعت) پہلے روانہ ہو۔ اس کے بعد دوسرا اور وہ بھی مختلف جہات کو۔

فائدہ سریہ اس مختصر جنگی جماعت کو کہا جاتا جن کے ساتھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف نہ لے جاتے۔

فائدہ ثبات ثبتہ کی جمع ہے مردوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جو دس سے کچھ اُوپر گنتی کے چند افراد ہوں اور اُس کا محل نصب الحالیۃ ہے۔

اَوِانْفِرُوْا (یا جماعتیں بناکر) دشمن سے لڑنے کے لئے جاؤ یعنی بہت بڑی جماعت تیار کر کے۔ لیکن بُزدلی کا مظاہرہ نہ کرو تاکہ دشمنوں کے مقابلہ سے پسپا ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں نہ جا پڑو۔ یہ اس وقت ہے جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ جَمِيْعًا (اکٹھے)۔ وَاِنَّ مِنْكُمْ یہ خطاب حضور علیہ السلام کے لشکر کو ہے مؤمنین بھی اور منافقین بھی۔ اور البتہ بعض تم میں لَمَنْ (اللہ تعالیٰ کی قسم وہ ہیں) لَيُبَطِّئَنَّ (جو تاخیر کریں گے) یعنی جنگ سے پیچھے ہٹیں گے۔ جنگ سے گریز کرتے ہوئے پیچھے پیچھے رہیں گے۔ یہ بطأ سے مشتق ہے بمعنٰی لازم یا یہ معنی ہے کہ جنگ سے دوسروں کو روکیں گے اور انہیں جہاد سے کنی کترانے کی تلقین کریں گے یہی عبداللہ بن ابی (منافق) کی عادت تھی کہ اس نے غزوۂ اُحد میں لوگوں کے ساتھ یہی طریقہ رکھا۔ لیکن ان دونوں معنوں سے پہلا زیادہ موزوں ہے یعنی پیچھے پیچھے رہیں گے کا معنیٰ موزوں تر ہے جیسے کہ آنے والا مضمون بتاتا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حکایۃً بیان فرمایا ہے یعنی يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ (کاش میں بھی اُن کے ساتھ ہوتا)۔ بہرحال لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ سے منافقین کا لشکر مراد ہے کیونکہ منافقت کر کے صرف وہی جہاد پہ جاتے۔ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ "پس اگر تمہیں

(بقیہ ص۱۳۹ سے)

یعنی صبح سے پہلے صبح کاذب ہوتی ہے اور صبح کاذب کی علامت یہی ہے کہ اس کے اندھیری چھا جاتی ہے اور صبح صادق کی علامت یہ ہے کہ اس پر نور ہی نور ہوتا ہے۔ اسی طرح جو سچ بولتا ہے اُس سے نور ہی نور ظاہر ہوتا ہے۔

کوئی دکھ اور تکلیف دشمنوں سے پہنچے قتل یا شکست مثلاً قَالَ تو خوشی کے مارے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا جنگ سے پیچھے پیچھے رہنے والا کہے گا۔ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ بے شک میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگیا بوجہ جنگ پر نہ جانے کے یا پیچھے پیچھے رہنے کے۔ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا جب جنگ میں حاضر نہ تھا ورنہ مجھے بھی اُن کی طرح کچھ کچھ ضرر پہنچتا یا مارا جاتا یا زخمی ہوتا۔ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا فضل نصیب ہو۔ مثلاً فتح و نصرت اور غنیمت سے نوازے گئے تو لَيَقُوْلَنَّ جنگ پہ نہ جانے اور گھر بیٹھنے پر ندامت کرتے ہوئے بوجہ دنیوی منفعت سے محرومی اور اُس سے حصہ نہ پانے پر حسرت کرکے کہے گا كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ گویا تمہارے اور اُن کے مابین کوئی تعلق اور رواسطہ محبت اور دوستی (وغیرہ) نہیں تھی۔ یہ جملہ معترضہ ہے يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ کاش میں بھی اُن کے ساتھ ہوتا فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا تو میں بہت بڑی کامیابی حاصل کر لیتا یعنی منافق کہیں گے کہ ہم بھی غنیمت کا بہت سا سامان حاصل کر لیتے۔

سوال لَيَقُوْلَنَّ اور اس کے مفعول کے مابین جملہ معترضہ کیوں لایا گیا ہے؟

جواب تاکہ مطلع کلام سے کسی کو وہم نہ ہو کہ منافقین کی تمنا مومنین کی رفاقت کے لئے اس لئے تھی کہ وہ اُن کی مدد کرتے یا اُن کی کامیابی کا سبب بنتے جیسا کہ لفظ مودت کے ظاہری معنی کا تقاضا ہے۔ جملہ معترضہ لاکر مذکورہ معنے سے ہٹ کر یہ معنی متعین کرنا مطلوب ہے کہ منافقین کی مؤمنین کی رفاقت کے لئے تمنا اس لئے تھی کہ انہیں مال کے حصول کا حرص تھا جیسا کہ آنے والا کلام دلالت کرتا ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں مُوَدَّت اپنے حقیقی معنی پر نہیں بلکہ مجازاً بطریق تہکم ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ پس چاہیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لوگ جنگ لڑیں جو دنیا کی زندگی دے کر آخرت خریدتے ہیں)۔ اس سے مؤمنین مراد ہیں فَلْيُقَاتِلْ میں فا جزائیہ ہے اس کی شرط مقدر (محذوف) ہے دراصل عبارت یوں تھی اِنْ بَطَاَ هٰؤُلَاءِ عَنِ الْقِتَالِ الخ یعنی اگر یہ لوگ جنگ سے پیچھے پیچھے رہتے تو چاہیئے لڑیں۔ وہ حضرات جو خالص مؤمن اور آخرت کی طلب میں جان دینے والے ہیں۔ یعنی وہ جو آخرت کی طلب پر دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔

فائدہ یہ فا تعقیب کی ہے یعنی ان لوگوں کو اپنے حال پر (مثلاً جنگ پہ نہ جانا یا پیچھے رہنا اور منافقت کرنا وغیرہ وغیرہ) رہنے دو۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا اور وہ

جو اللہ تعالیٰ کے راہ میں لڑتے ہیں وہ شہید ہوں یا غالب ہم انہیں بہت بڑے اجر و ثواب سے نوازیں گے نہ اس کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کا علم ہے وہ مغلوب ہو جائیں یا غالب۔

فائدہ یہ جملہ اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب کے لئے فرمایا نیز منافقین کی اس قول کی تردید بھی ہے کہ انہوں نے کہا قد اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ؕ

سوال "فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ" دو جملے کہنے کا کیا فائدہ ؟

جواب تاکہ مؤمن کو تنبیہ ہو جائے کہ مجاہد کو جنگ میں ثابت قدم رہنا ضروری ہے اور اس کا مطمح نظر صرف شہادت ہو۔ اگر زندہ بچ جائے تو بھی اُسے فتحمندی اور غلبہ کا وافر ثواب نصیب ہو۔ اس کے سوا اُس کا کوئی مقصد نہ ہو اور نہ ہی اسے دل میں لائے۔ یعنی دنیوی طمع اور لالچ کا خیال تک بھی نہ ہو۔ بلکہ اُسے یہ تصور ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور دین کا چرچہ۔

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو شخص جہاد کے لئے صرف اس نیت سے نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند اور اس کے دین کا اعزاز ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے بہشت لازمی قرار دیتا ہے اگر وہ زندہ بچ کر واپس لوٹا تو اسے مال غنیمت کے علاوہ بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

حدیث شریف ۲ حضور سرورِ دین و دنیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین سے اموال و نفوس اور زبانوں سے لڑو۔

فائدہ زبانوں سے لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے حق میں رسوائی و ذلت اور شکست کی اور اہل اسلام کے لئے فتح و نصرت اور کامیابی کی دعا کرو اور جو جنگ کرنے کی طاقت رکھتے یا جنگی ضروریات پورا کر سکتے ہیں انہیں جہاد کے فضائل اور اجر و ثواب بتا کر انہیں جنگ و جدال پر اُبھارو۔

حدیث شریف ۳ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو غازی جنگی سامان کی مدد کرتا ہے سمجھو کہ اُس نے بھی جہاد میں حصّہ لیا اور جو غازی کے گھر کی نگرانی کرتا ہے تو وہ بھی جہاد کا ثواب پائے گا۔

فائدہ گھر کی نگرانی کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی گھریلو ضروریات پورے کرتا ہے۔

فائدہ جہاد کے فضائل ان گنت ہیں جنہیں ضبط کرنا مشکل ہے۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر مداومت کرے جس طریق سے بھی ہو۔

مسئلہ پہلی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ الخ اگرچہ جہاد کے متعلق ہے لیکن حکم کے لحاظ سے عام ہے کہ ہر طرح کی نیکی میں مؤمن کو سبقت کرنی چاہیئے جس طرح بھی ممکن ہو کسی نیکی کو ہاتھ

سے نہ جلنے دے ؎

مکن عمر ضائع با فسوس وحیف

کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

ترجمہ: زندگی حیف وافسوس میں ضائع نہ کر کیونکہ اس وقت تجھے گرانقدر فرصت حاصل ہے اور وقت تلوار کی طرح تیری زندگی کے لمحات تیزی سے کاٹ رہا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اعمال میں جلدی کر لو۔ اُن فتنوں سے پہلے جو سخت تاریک راتوں سے بھی سیاہ تر ہیں وہ ایسا نازک دور ہو گا کہ صبح کو انسان مومن ہو گا لیکن شام کو کافر۔ یا شام کو مومن ہو گا تو صبح کو کافر اس وقت دین کو دنیا کے لئے بیچ دینا معمولی کارنامہ ہو گا۔

حکایت حضرت زبیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم حجاج بن یوسف کے ظلم وتشدد کی شکایت لے کر حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ہمیں صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کل یوم ابتر کا دور دورہ ہو گا۔ اور ہر آنے والا زمانہ گذشتہ زمانہ سے سخت ہو گا ہاں تقویٰ اور پرہیزگاری سے کام لوگے تو بچ جاؤ گے۔ میں نے ایسے ہی حضور نبی پاک سے سُنا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

روزے اگر غمی رسدت تنگ دل مباش

رو شکر کن مبادکہ از بد بتر شود

ترجمہ: اگر کبھی تجھے کوئی غم پہنچے تو اس سے ملال نہ کر بلکہ شکر کر کیونکہ خدا نہ کرے تیرے لئے آنے والا وقت بُرے سے زیادہ بُرا ہو۔

تفسیر صوفیانہ نفس وشیطان کے جہاد کے آلات اور ہتھیار ذکر الٰہی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان خواہشات سے نفس کی قید سے چھوٹ جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ قوم جو ذکر الٰہی میں بیٹھے تو اُن کے اردگرد ملائکہ کرام جمع ہو جاتے ہیں اور انہیں رحمت الٰہی میں ڈھانپ لیتے ہیں اور اُن پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ بھی انہیں یاد فرماتا ہے۔

حدیث شریف حضرت ابو واقد الحارث بن عوف اللیثی رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ہاں لوگوں کا ہجوم تھا اچانک تین آدمی حاضر ہوئے دو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ایک چل کر حضور علیہ السلام

کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں میں ایک مجلس کے اندر جگہ پا کر لوگوں کو پھلانگتا ہوا صف کے اندر بچی ہوئی جگہ میں بیٹھ گیا اور دوسرا وہیں مجلس کے باہر بیٹھ گیا تیسرا وہاں سے کھڑے کھڑے باہر چلا گیا جب حضور علیہ السلام مجلس کو ضروری ہدایات دینے سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہیں ان تینوں کے متعلق تفصیل سناؤں انہیں جو صف کے اندر بیٹھا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاں جگہ دی دوسرا جو صف کے آخر میں بیٹھا۔ اُس نے حیا کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُس سے حیا کیا ہے اور جو مجلس سے چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اُس سے روگردانی فرمائی ہے ؎

(۱) بذکرش ہر چہ بینی درخروشست
ولے داند دریں معنے کہ گوشست

(۲) نہ بُلبُل بر گلشن تسبیح خوانیست
کہ ہر خارے بتوحیدش زبانیست

(۱) جسے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں فریاد کنندہ ہو لیکن یہ وہ سمجھتا ہے جسے حقیقت کے کان حاصل ہیں۔

(۲) یوں نہ سمجھو کہ صرف بُلبُل باغ میں تسبیح پڑھتی ہے بلکہ باغ کا تنکا تنکا ذکر حق میں مشغول ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا لَكُمْ اے مومنو! تمہیں کونسا معاملہ حائل ہے کہ تمہارا یہ حال ہے کہ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے یعنی تم جنگ کے تارک ہو گئے۔ جبکہ تمہیں کوئی عذر بھی نہیں) یہ استفہام توبیخی ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ کسی سے کسی قسم کی کوتاہی سرزد ہو۔ اور آنے والی غلطی پہ نہیں بلکہ غلطی واقع ہو جاتی ہے تو پھر متنبہ کیا جاتا ہے وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ اور (کمزور مسلمانوں کے چھڑانے کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے) اس کا عطف سبیل اللہ پر ہے اس کا مضاف محذوف ہے دراصل فی سبیل المستضعفین تھا اس کا عطف لفظ اللہ پر نہیں اگرچہ لفظاً وہی قریب تر ہے اس لئے کہ کمزور لوگوں کی نجات اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے نہ کہ کمزوروں کا۔ اب عبارت یوں ہوگی "فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فِیْ خَلَاصِ الَّذِیْنَ الخ یعنی ان لوگوں کو چھڑانے میں جہاد کریں کہ جنہیں کفار مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت نہیں کرنے دیتے تھے۔ اس بنا پر وہ کفار کے ہاں نہایت ذلیل اور کمزور تھے اور کفار انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔

سوال اس بارہ میں صرف کمزور مسلمان کی تخصیص کیوں حالانکہ ہر کار خیر فی سبیل اللہ کا حکم رکھتا ہے۔

جواب اس لئے کہ اس وقت ان حضرات کو کفار مکہ سے چھڑانا ہی افضل عبادت تھی اس لئے انہی کو خصوصی طور ذکر کیا گیا ہے۔

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ یہ مستضعفین کا بیان ہے یعنی کمزوروں میں سے مرد اور عورتیں

اور بچے سب ہیں اور ولدان ولد کی جمع ہے۔

سوال بچوں کے ذکر میں کیا حکمت ہے؟

جواب یہ بتانا ہے کہ کفار کی درندگی اور بہیمیت حد سے متجاوز ہو چکی ہے کہ وہ نابالغ بچوں کے ظلم وستم میں بےباک ہیں اس لئے کہ اُن کا خیال تھا کہ اہل اسلام بچوں کی تکالیف کو دیکھ کر اسلام سے منحرف ہو جائیں گے حالانکہ وہ بیچارے غیر مکلف تھے لیکن کفار کے بغض وعداوت کا کیا کہنا کہ وہ ان بے چاروں کے ناحق خون سے ہاتھ رنگنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔

جواب دوسری وجہ یہ تھی کہ اہل اسلام اپنے بچوں کو اپنی دُعاؤں میں شامل کر لیتے تاکہ وہ کریم اُن معصوموں کے ننھے ننھے ہاتھوں کے اُٹھانے پر رحمت فرما کر انہیں کفار کے شدائد سے نجات عطا فرمائے۔ جیسے یونس علیہ السلام کی قوم نے رحمتِ حق طلب کرتے وقت ننھے ننھے بچوں کو ساتھ ملا لیا تھا اور ہمیں بھی حکم ہے کہ استسقاء (باران رحمت کی طلب) کے وقت چھوٹے چھوٹے بچوں کو دُعاؤں میں شامل کریں۔

مسئلہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب اہلِ اسلام کفار کی قید میں ہوں انہیں چھڑوانا واجب ہے ہم اپنی مقدور کو اُن کے چھڑانے میں صرف کریں جنگ کر کے یا مال دے کر۔

اَلَّذِيْنَ یہ مستضعفین کی صفت ہے **يَقُوْلُوْنَ** یعنی وہ مستضعفین عرض کرتے ہیں جب ان غریبوں کا سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی سہارا نہ تھا تو دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر کہتے **رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا** اے اللہ ہمیں اس گاؤں یعنی مکہ سے باہر لے جا جس کے ساکین ظالم یعنی مشرک ہیں اس لئے کہ سب سے بڑا ظلم شرک ہے اور پھر اہل اسلام کو تکالیف و شدائد میں ڈالنے سے بڑھ کر اور کونسا بڑا ظلم ہوگا۔

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی ہمارا حامی کار بنا جو ہمارے دشمنوں پر ہمیں کامیاب بنا سکے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ دُعا قبول فرمائی کہ ان کے بعض کو فتح مکہ سے پہلے مدینہ طیبہ جانے کا سبب پیدا فرمایا اور باقیماندہ لوگوں کے لئے بھی ایسے اسباب بن گئے کہ وہ فتح مکہ تک آرام وچین سے زندگی بسر کرتے رہے پھر جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے مکہ معظمہ پر فتح یابی ہوگئی پھر تو اُن حضرات کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہوگئیں کہ عتاب بن اسید کو مکہ میں اُن کا حاکم فرما دیا۔ انہوں نے ہر درد بھرے کی فریاد رسی فرمائی اور اہل حق کی عزت کی۔ یہاں تک کہ مکہ میں اُن جیسا اور کوئی معزز و مکرم نہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (وہ لوگ جو لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اُن سے

مؤمن مراد ہیں یعنی وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے دین حق (جو موصل الی اللہ ہے) اور علائے کلمۃ اللہ کے لئے لڑتے ہیں پس وہی اُن کا حامی کار اور مددگار ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ اور وہ لوگ جو کافر ہیں طاغوت کے حق میں لڑتے ہیں جو انہیں شیطان کی طرف پہنچاتے ہیں پس وہ اُن کا سوائے شیطان کے اور کوئی مددگار نہیں۔ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے دوست میرے راہ میں لڑتے ہیں اور شیطان کے دوست طاغوت کے راستہ میں لڑتے ہیں تو گویا پھر پوچھا گیا کہ اب اہل ایمان کو کیا کرنا چاہیئے تو جواب فرمایا اے اللہ کے دوستو! شیطان کے یاروں کے ساتھ لڑو۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے)

حل لغات

حیلہ کر کے حالات خراب کرنے کو کید کہتے ہیں یعنی شیطان کی وہ کارروائی جو اہل اسلام کے ساتھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر سے جو کافروں سے کرتا ہے نہایت کمزور ہے اور بالکل ناکارہ۔ فلہذا اے مسلمانو! شیطان کے دوستوں سے مت ڈرو اس لئے کہ انہیں ایک ناکارہ اور نہایت ہی کمزور شعلے پر اعتماد ہے اس لئے عرب میں یہ مقولہ مشہور ہے الحق دولۃ و الباطل جولۃ۔ یعنی

فائدہ

ایسے مقامات پر کَانَ محض تاکید کے لئے آتا ہے۔ اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جب سے یہ معاملہ شروع ہوا وہ بدستور الآن کما کان ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب سے شیطان کی کارروائی ضعیف و کمزور طریق سے شروع ہوئی تا حال ویسے ہی ضعف و کمزوری میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ اور شان اولیاء کرام

حضرت امام (رازی) رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شیطان کی کارروائی اس لئے کمزور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے دوستوں کی مدد فرماتا ہے اور شیطان اپنے یاروں کی۔ اور ظاہر ہے کہ شیطان کی مدد اللہ تعالیٰ مدد کے بالمقابل لاشئے ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں (اولیاء اللہ) کا ذکر خیر رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ اگرچہ انہوں نے دنیا میں فقر و فاقہ اور ذلت و مسکینی سے گذارا۔ بخلاف بادشاہوں اور ظالموں اور جابروں کے جب مرے کوئی نام لینے والا تک نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی دُنیا میں اُن کا کوئی نشان ہوتا ہے اور نہ ہی اُن کی کوئی یاد منائی جاتی ہے۔

فائدہ

جہنم کو شہوات کے ساتھ گھیر اگیا ہے اور ہر نفس پہ ایک شیطان مسلط کیا گیا ہے جو اسے شہوات کی طرف راہبری کرتا ہے اور اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو نفس کو بھلائی کی جانب بلاتا ہے شیطان کا کام ہے کہ نفس کے سامنے شہوات کی زیبائش و آرائش لاکر دھوکہ دے اور فرشتہ اُن سے روک کر نیکی کا راستہ دکھاتا ہے انہیں جو بھی غالب ہو جاتا ہے نفس اُس کا غلام بے دام بن جاتا ہے اس لئے فرمایا اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔

نکتہ نفس کُتے کی طرح ہے کہ اُس کا اگر مقابلہ کرو تو کپڑے پھاڑتا ہے اور چہرہ پھیر لیتا ہے اگر اس سے ہٹ کر رجوع الی اللہ کرو تو اللہ تعالیٰ اسے دفع فرماتا ہے اور شیطان کو بندوں کا دشمن اس لئے بنایا ہے تاکہ بندے اس سے ہٹ کر رجوع الی اللہ ہوں۔ اسی طرح نفس کو بھی اُن پر اس لئے سوار کیا ہے تاکہ اس سے نفرت کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر جب دونوں مل کر بندے پر حملہ کریں تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ سے زیادہ گڑگڑانا چاہیئے بلکہ ہر وقت عجز و نیاز سے اُس کے حضور میں اُن سے فریادی ہونا لازمی ہے۔

روحانی نسخے حضرت احمد بن سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کے چار دشمن ہیں۔

(۱) دنیا اس کا ہتھیار خلقِ خدا سے میل جول رکھنا ہے اس دشمن کو قید کرنا ہو تو خلقِ خدا سے روگردانی اختیار کرو۔

(۲) شیطان کا ہتھیار سیر ہو کر کھانا ہے۔ اُس دشمن کو قیدی کرنا ہو تو بھوکے رہو۔

(۳) نفس اس کا ہتھیار نیند ہے اس دشمن کو قیدی بنانا ہو تو بیداری اختیار کرو۔

(۴) خواہشات اس کا ہتھیار کلام بسیار ہے اسے قیدی کرنا ہے تو خاموشی اختیار کرو۔

نکتہ حقیقی طور پر شیطان کا حیلہ نہایت ہی کمزور ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنے دوستوں کی مدد فرماتا ہے یعنی اس کی امداد کا ظہور شواغل دنیویہ سے بچاؤ تزکیۂ نفوس و تصفیۂ قلوب سے ہوتا رہتا ہے اور نورِ توحید سے اُن کے اسرار یاباش رہتے ہیں اور شیطان ظلمانی ہے اسے لازماً جلوۂ نورانی سے بھاگنا پڑتا ہے۔

حکایت فاروق اعظم ایک روز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا آپ کے ہاں قریشی عورتیں بیٹھی ہیں اور آپ کے سامنے زور شور سے چلا کر بول رہی ہیں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ کو آتے ہی دیکھ کر بھاگ کر پردے میں چھپ گئیں۔ اُن کی کیفیت کو دیکھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسنے لگے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کیوں ہنسے۔ آپ نے فرمایا مجھے ان عورتوں سے تعجب ہوئی کہ میرے ہاں زور زور سے بول رہی تھیں لیکن جب تمہاری آمد سُنی تو بھاگ کر پردے میں چھپ گئیں۔ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہی اس شان کے لائق ہیں کہ وہ آپ سے ڈریں۔ اُس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے نفس کی دشمنو! تم خدا کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ڈرتی اور مجھ سے کیوں ڈرتی ہو۔ انہوں نے اندرون پردہ سے کہا کہ تم زیادہ سخت اور سخت گیر ہو۔ بعد ازاں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابن الخطاب رضی اللہ

تعالیٰ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس کوچہ سے تمہارا گذر ہوتا ہے شیطان اسے چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرلیتا ہے۔

حکایت حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا راہب عبادت میں مصروف تھا شیطان کا ارادہ ہوا کہ اسے گمراہ کرے لیکن اسے گمراہ کرنے کے جتنے جتن کئے بالآخر ناکام رہا۔ شہوت وغضب کی تمام باتیں پیش کیں لیکن راہب نے ایک نہ سُنی۔ شیطان نے سوچا کہ اسے خوف کے ذریعے گمراہ کیا جاسکتا ہے چنانچہ شیطان نے ایک بھاری پتھر پہاڑ سے اس کے اُوپر پھینکا۔ راہب نے ذکر الٰہی کی ضرب لگائی تو وہ پتھر اس سے ہٹ کر کہیں دُور جاکر گرا پھر شیطان نے سانپ کی شکل اختیار کی۔ راہب نماز پڑھ رہا تھا تو پاؤں کو لپیٹتا ہوا اس کے تمام جسم کو چھوتا ہوا سر پر پہنچ گیا۔ جب وہ سر بسجود ہونے کے لئے جھکتا تھا تو شیطان جو اس وقت سانپ کی شکل میں تھا اس کے گلے کو لپٹ جاتا لیکن راہب بلا خوف وخطر اُسے ہاتھ سے پکڑ کر گلا چھڑا کر سجدہ ریز ہو جاتا۔ جب راہب نماز سے فارغ ہوا تو سانپ اسے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کے بعد شیطان اپنی صورت میں راہب کے پاس حاضر ہوا۔ اور کہا کہ میں نے تیرے ساتھ ایسے ایسے وار کئے ہیں لیکن تم کسی طریق سے میرے قابو میں نہیں آسکے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ صُلح کرلوں بلکہ دوستی کا دم بھروں اور معاہدہ کروں کہ آئندہ میں تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ راہب نے کہا نہ مجھے تیری دوستی کی ضرورت ہے اور نہ ہی میں تجھ سے معاہدہ چاہتا ہوں شیطان نے کہا آپ کی مرضی۔ لیکن میں آپ کو عرض کروں کہ میں بنی آدم کو کس عمل سے زود تر اپنے جال میں پھنسا لیتا ہوں راہب نے کہا کہ ہاں یہ راز ضرور بتا دیجئے۔ شیطان نے کہا کہ بنی آدم کو زود تر پھنسانے کا عمل اُس کا اپنے کردار

① بخل
② تیزی
③ نشہ

ہیں اس لئے کہ انسان جب بخل اختیار کرتا ہے کہ ہم اُس کی نظروں میں کتنا زیادہ مال ہو تب بھی اُسے قلیل المقدار دکھاتے ہیں وہ اُسے بہت تھوڑا سمجھ کر حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہوا دوسروں کے مال پر ہاتھ صاف کرتا ہے ؎

کریما نرا بدست اندر درم نیست
خداوندانِ نعمت را کرم نیست

ترجمہ: کریموں کے ہاتھ میں درم نہیں نعمت والوں کو کرم اور سخاوت نہیں۔

بعض بزرگوں نے یوں فرمایا ہے ؎

باشد چو ابر بے مطر و بحر بے گہر

آنرا کہ با جمال نکو جود بار نیست

ترجمہ: جب بادل بارش کے بغیر اور دریا میں موتی نہ ہو ایسے ہی حسن و جمال ہو لیکن جود و سخا نہ ہو تو یہ سب بے کار ہے)

جب انسان تیز طبع ہوتا ہے تو ہم اُسے کٹھ پتلی بنا لیتے ہیں جیسے بچوں کے ہاتھ میں گیند گھومتی ہے۔

اگرچہ وہ صاحبِ کرامت ہو کر مُردوں کو زندہ کرتا پھرے لیکن وہ ہمارے لئے بے کار اور لاشئ انسان ہے ؎

① اگر آید ز دوستے گنہے

بگناہے نشاید آزردن

② ور زبا نرا بعُذر بکشاید

بایدت خشم را فرو خوُردن

③ زانکہ نزدیکِ عاقلاں بتر است

عفو نا کردن از گنہ کردن

ترجمہ ① اگر کسی دوست سے گناہ صادر ہو تو اس کے گناہ کی وجہ سے اس کا دل نہ دکھانا چاہیئے۔

② اگر وہ عذر کی زبان کھولے تو غصّہ کھا لینا چاہیئے۔

③ اس لئے کہ عُقلاء کے نزدیک وہ بہت بُرا ہے گناہ کرنے سے معاف کرنا بہتر ہے۔

جب وہ نشہ آور شئے کا استعمال کرتا ہے تو ہم جہاں چاہیں اسے کانوں سے پکڑ کر کھینچ لے جائیں ؎

① مے مُزیلِ عقل شُد اے ناخلف

تا بچندے میخوری در روزگار

② آدمی را عقل باید در بدن

ورنہ جان در کالبد دارد حمار

ترجمہ ① شراب عقل کو ضائع کرتا ہے اے نالائق زمانہ میں کب تک پیتا رہے گا۔

② انسان کو جسم میں عقل ضروری ہے ورنہ رُوح تو گدھے کے جسم میں بھی ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مُجاہدہ کرے۔ اس لئے کہ درحقیقت اس ضعیف رُوح کو جسے نفس نے کمزور کر دیا ہے۔ یہی مجاہدہ تقویت پہنچا کر اسے نفس پر غالب بنا دیتا ہے نیز اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ صدق و ثبات سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز سے گڑگڑائے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس بدن سے نکالے جس کے ساکنین

(باقی ص۱۵۲ پر)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ
وَآتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ
يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا
لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ
مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقَى قف وَلَا تُظْلَمُونَ
فَتِيلًا ○ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي
بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ
قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ
حَدِيثًا ○ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ
مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ وَأَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَ
كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ○ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ
وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ○ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ
فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ
وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ
كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ○ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ
مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ○ وَإِذَا جَاءَهُمْ
أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ
وَإِلٰى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْ
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ○
فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ
عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَ
أَشَدُّ تَنْكِيلًا ○ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا
وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا ○ وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا

اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ
لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۝

ترجمہ: کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں بعضے لوگوں سے ایسے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرے یا اس سے بھی زائد اور بولے اے رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت تک ہمیں اور جینے دیا ہوتا تم فرما دو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈر والوں کے لئے آخرت اچھی اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آئے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ حضور کی طرف سے آئی تم فرماؤ سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا اور کہتے ہیں ہم نے حکم مانا پھر جب تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں ایک گروہ جو کہہ گیا تھا اس کے خلاف رات کو منصوبے گانٹھتا ہے اور اللہ لکھ رکھتا ہے ان کے رات کے منصوبے تو اے محبوب تم ان سے چشم پوشی کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ کافی ہے کام بنانے کو تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ بعد میں کاوش کرتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے تو اے محبوب اللہ کی راہ میں لڑو تم تکلیف نہ دیئے جاؤ گے مگر اپنے دم کی اور مسلمانوں کو آمادہ کرو قریب ہے کہ اللہ کافروں کی سختی روک دے اور اللہ کی آنچ سب سے سخت تر ہے اور اس کا عذاب سب سے کڑا جو اچھی سفارش کرے اس کے لئے اس میں حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جب تمہیں کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو بے شک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے اللہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں وہ ضرور تمہیں اکٹھا کرے گا قیامت کے دن جس میں کچھ شک نہیں اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ (کیا تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا کہ جنہیں کہا گیا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک لو)۔

شانِ نزول قبل ہجرت مکہ سے چند افراد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہمیں مشرکین سخت ستاتے ہیں اور کہا کہ قبل از اسلام زمانۂ جاہلیت میں ہم بہت بڑے معزز و مکرم تھے لیکن اب اسلام کے بعد اہلِ شرک نے ہمارا ناک بند کر دیا۔ اگر اجازت ہو تو ہم ان مشرکین کو بستروں پر قتل کر دیں حضور علیہ السلام نے فرمایا ابھی اُن کے قتل کرنے سے رُک جاؤ۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) یعنی ابھی وہی حکم بجالاؤ جنکا تمہیں حکم ہے فی الحال مجھے اُن کے قتل کرنے کا حکم نہیں مکہ کی اقامت تک قتل نہ کرنے پر مامور ہے۔ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو بدر میں کفار سے جنگ کرنے کا حکم نازل ہوا۔ تو ان میں سے بعض پس و پیش کرنے لگے اور انہیں جنگ کرنا شاق گذرا اس لحاظ سے نہیں کہ دین اسلام میں انہیں کوئی شک تھا اور نہ ہی اسلام سے روگردان تھے بلکہ کہتے کہ اس خطرہ میں ہم اپنی جانیں کیوں ضائع کریں موت سے ڈر کر جنگ سے گھبراتے جیسا کہ فطرۃ انسانی کا تقاضا ہے کہ زندگی سے پیار اور جنگ سے گھبراہٹ طبعی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ پس جب اُن پر جنگ فرض ہوئی اِذَا فَرِيْقٌ تو یہ اذا مفاجاتیہ ہے اور مِّنْهُمْ فریق مبتدا کی صفت ہے يَخْشَوْنَ النَّاسَ یہ مبتدا کی خبر اور لَمَّا کا جواب ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ پس اچانک ایک گروہ کفار سے جنگ سے گھبراتا ہے۔ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ خشیہ مصدر ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف محلاً منصوب یخشون کے فاعل سے حال ہے یعنی یہ کفار سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے اہل مسلمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً اس کا عطف کخشیۃ اللہ پر ہے یعنی یا اہل خشیۃ سے بھی زیادہ خوفزدہ ہیں۔

فائدہ کلمہ او تنویع کے لئے ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ ان کے بعض اہلِ خشیۃ اللہ کی طرح ہیں اور بعض انہیں سے بھی زیادہ خوفزدہ ہیں۔

وَقَالُوْا اس کا عطف لما کے جواب پر ہے یعنی جب اُن پر جنگ فرض کی گئی تو اچانک ایک گروہ کفار سے گھبرا کر کہتے ہیں رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ (اے اللہ اس وقت ہم پر تو نے جنگ کیوں فرض فرمائی) یہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض یا انکار کے طور نہیں بلکہ طریق تمنا کے عرض کیا کہ کہیں اس حکم کی تخفیف ہو جائے۔

لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ (تو نے ہمیں میعادِ قریب کی طرف کیوں مہلت نہ دی) اور ہمیں

(بقیہ ص۱۵۰ سے)

ظالم ہیں۔ یعنی نفس امارہ بالسوٓ کی خرابیوں سے پھر اسے ولایت عظمیٰ سے مقام رُوح میں اُسے مشرف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر فتوح کا دروازہ کھولدے۔ اے ہر دُکھ اور درد کو آسان کرنے والے رب کریم ہماری یہ دُعا قبول فرما۔

اس وقت تک چھوڑے رکھتا کہ ہم اپنی موت اور اپنے گھروں میں ہی مرتے گویا وہ لوگ کچھ مہلت چاہتے اور اُن کی خواہش تھی کہ وہ اس جنگ کی موت سے بچ جائیں جیساکہ انسان کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ موت سے گھبرا کر زندگی کی بہار دیکھنا چاہتا ہے۔ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس چند روزہ زندگی کے لئے جنگ سے محروم رہ کر گھر بیٹھنے یعنی فانی زندگی سے رُوگردانی اور جنگ میں چلے جانے سے دائمی زندگی اور نعمت اُخروی کی رغبت کی تلقین فرمائیے۔ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ (دنیا کا ساز و سامان کچھ بھی نہیں) اس کا متنا نفع اُٹھاؤ آخر ختم ہوگا اور انجام فنا ہے اگرچہ تمہیں کتنی ہی مہلت مل جائے اور اگر تم جنگ میں حاضر ہوکر شہید ہو جاؤ تو تم دائمی زندگی پا جاؤ گے۔ پھر یہی فانی زندگی اس دائمی بقا میں ملے گی بلکہ وہاں ہمیشہ کی نعمتوں کے مزے ہی مزے ہیں وَالْاٰخِرَةُ اور آخرت کا مطلق ثواب منجملہ اُس کے یہ ثواب بھی جنگ کے صلہ میں نصیب ہوگا یعنی آخرت کا ثواب تمہارے لئے اس دنیا کے ساز و سامان سے کئی درجہ بہتر اور اعلیٰ ہے کیونکہ وہاں کا ثواب ان گنت اور غیر منقطع اور ہر بلائی اور خرابی سے پاک ہے۔ لیکن یہ اُسے نصیب ہوگا۔ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے) اسمیں بندوں کو گناہوں سے بچنے اور اُمور شرعیہ کی ادائیگی میں خلوص کی تلقین ہے وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ (اور تم تاگے برابر بھی کمی نہیں کئے جاؤ گے۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اصل عبارت یوں تھی۔ تجزون ولا تُظْلَمُوْنَ الخ یعنی تم جزا دیئے جاؤ گے اور تمہارے اعمال میں معمولی طور بھی کمی نہیں کی جائے گی بلکہ تمہیں پورا پورا اجر و ثواب ملے گا۔ منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے کہ تم کفار کے مقابلہ کے لئے جنگ میں جد و جہد کر رہے ہو فلہذا اُس سے رُوگردانی نہ کرو۔

دنیا و آخرت کی نعمتوں کا مقابلہ دنیا کی نعمتوں سے آخرت کی نعمتیں بہتر و اعلیٰ ہیں۔ اس کی چند وجوہ ہیں:

(۱) دنیا کی نعمتیں قلیل ہیں اور آخرت کی ان گنت

(۲) دنیا کی نعمتیں ختم ہو جائیں گی اور آخرت کی نعمتیں دائمی۔

(۳) دنیا کی نعمتوں میں غم و الم اور پریشانیاں اور دکھ اور تکالیف ہیں اور آخرت کی نعمتیں ان تمام خرابیوں سے پاک ہیں۔

(۴) دنیا کی نعمتیں مشکوک ہیں اور دنیوی نعمتوں کے عیش اُڑانے والے کو ہمیشہ خطرہ رہتا ہے کہ نامعلوم انجام کیا ہوگا۔ واللہ اعلم یہی عیش تادم زیست نصیب رہے گا کہ چھن جائے گا اور آخرت کی نعمتوں میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ وہ شے اختیار کرے جو ہر وجہ سے بہتر و اعلیٰ ہو یہ آخرت کی نعمتوں میں پایا جاتا ہے نہ کہ اُن چیزوں کو اختیار کرے جو ہر طرح سے بُری ہی بُری ہوں اور یہ دنیوی نعمتوں

میں ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے اپنے بعض قصائد میں فرمایا ہے ؎

① عمارت باسرائے دیگر انداز
کہ دُنیا را اساسے نیست محکم

② فریدوں را سر آمد پادشاہی
سُلیمان را برفت از دست خاتم

③ وفاداری مجواز دھر خونخوار
محالست انگبین در کام ارقم

④ مثال عمر سر بر کردہ شمعیت
کہ کوتاہ باز می باشد دما دم

⑤ ویا برفے گدازاں بر سر کوہ
کزو ہر لحظہ جزئے می شود کم

ترجمہ: ① دنیا کے علاوہ کسی دوسری سرا میں مکان بنا اس لئے کہ دنیا کی اساس مضبوط نہیں۔

② فریدوں کو بادشاہی دائم رہی سلیمان علیہ السلام سے انگوٹھی چلی گئی۔

③ زمانہ خونخوار ہے اس سے امید وفا تلاش نہ کر کیونکہ سانپ کے منہ سے شہد کا ہونا محال ہے۔

④ عمر کی مثال شمع کی موم کی ہے کہ وہ لحظہ بہ لحظہ کم ہو رہی ہے۔

⑤ یا اسے پہاڑی برف سمجھو کہ وہ بھی ہر لحظہ گھٹتی رہتی ہے۔

حکایت کسی نے بلڈنگ خریدی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کی کہ آپ اُس کا بیعنامہ لکھ دیں آپ نے اس پر لکھا کہ ایک فریب خوردہ دوسرے فریب خوردہ سے بلڈنگ خرید کر غافلین کے کوچہ میں داخل ہوگیا اور یہ ایک ایسی بلڈنگ ہے جس کے مالک کو آخر فنا کے گھاٹ اُترنا ہے اس لئے کہ اس بلڈنگ کا ایک کنارہ موت سے ملا ہوا ہے دوسرا قبر سے تیسرا حشر سے۔ چوتھا جنت یا جہنم سے۔ جب آپ کا لکھا ہوا بیعنامہ بلڈنگ کے خریدار کے سامنے پڑھا گیا تو اُس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بلڈنگ خریدنے سے باز آگیا بلکہ بلڈنگ کا تمام سرمایہ راہِ خدا میں لُٹا دیا اور زاہد بن کر یادِ الٰہی میں مصروف ہوگیا۔

عارفین کی حقیقتِ حال یونہی ہوتی ہے۔ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا کا قبضہ دے کر تصریح فرمائی کہ قلیل شے ہے۔ لیکن جب اُس سے اگرچہ کھجور کے معمولی سے ٹکڑے کو اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا کثیر المقدار ثواب لکھ دیتا ہے۔ اس کریم کا لُطف و کرم اس سے بڑھ کر

اور کیا ہو۔

فائدہ محبت کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اپنے لئے کثیر شے کو قلیل سمجھے اور محبوب کے لئے سب کچھ لٹا کر بھی کچھ نہ سمجھے۔ جب سب کو معلوم ہے کہ دنیا کی قیمت کچھ بھی نہیں پھر اس سے خسیس ترین اور کون ہو سکتا ہے جو نفیس کو چھوڑ کر خسیس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

اعجوبہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اولاً دنیا سے نفرت دلا کر آخرت کی ترغیب دلائی چنانچہ فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنیا قلیلٌ الخ پھر فرمایا کہ ان ہر دونوں سے ذاتِ حق ارفع و اعلیٰ ہے فلہٰذا اس کے وصال کے لئے جدوجہد کرنی چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا وَاللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (اللہ بہتر اور ہمیشہ ہے)۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ اعلیٰ منازل کی طرف ترقی کرے اور اس کی جدوجہد میں کسی قسم کی سستی و کاہلی نہ کرے حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست

ہر کجا می رسی باللہ مایست

ترجمہ: اے برادر یہ درگاہ بے نہایت ہے جہاں پہنچو تو وہاں نہ ٹھہرو بلکہ آگے بڑھتے رہو۔

فائدہ مجاہدہ کا ثمرہ تو کسی طریق سے بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ ہر نفس کو اعمال کا اجر و ثواب ملتا ہے۔

نکتہ دارِ آخرت کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کی جزا کا گھر اس لئے مقرر فرمایا کہ دورِ دنیا میں وہ وسعت نہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آخرت کی ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازے گا۔ آخرت کی نعمتوں سے دنیوی نعمتوں کو صرف لفظی مشابہت ہے اور بس۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ اپنی اعلیٰ و بالا نعمتیں اس فانی دنیا میں بندوں کو عطا فرمائے۔ چنانچہ فرمایا وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (اور وہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر اور دائمی ہے)۔

قبولِ عمل کی نشانی دارِ آخرت میں اعمال کی قبولیت پر جزا ملے گی۔ اس کی قبولیت کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ عبادت کرتے وقت لذت محسوس کرے اور مزید عبادت کرنے اور اس کا شکر کرنے کو جی چاہے جس کی عبادت میں یہ بات نہیں۔ سمجھو اس کی عبادت بے کار ہے اس لئے کہ آخرت کی جزا کا دارومدار قبولیت پر ہے اور قبولیت انہی وجوہ پر منحصر ہے۔

فائدہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر زمانہ کے بادشاہوں کو ہمارے متعلق معلوم ہو جائے کہ ہم ان کے قوانین سے کتنا انحراف کر رہے ہیں تو وہ ہمیں گولیوں سے اڑا دیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارے تمام کرتوت معلوم ہیں لیکن وہ کسی بندے کو اس کی غلطی سے گرفت نہیں فرماتا بلکہ ہم سب کے گناہوں کو چھپاتا ہے اور امید ہے کہ وہ قیامت میں اپنے لطف و کرم سے معاف فرمائے گا۔

فائدہ ہر نیکی کے بالمقابل ایک عقبہ ہوتا ہے جس کے مقابلہ کے وقت صبر لازمی ہے جو اُس کی شدت پر صبر کرتا ہے تو راحت و آسانی میسر ہوتی ہے اس عقبہ کا نام مجاہدۂ نفس ہے اُس کے بعد مخالفت خواہشات بعد ازاں ترکِ دُنیا کا دُکھ اور درد پھر لذات و نعمتوں کا ترک۔

نکتہ (۱) ہر بندہ اپنے قربِ الٰہی کی مقدار اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔
(۲) جو شخص یہ دیکھنا چاہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا کیا مرتبہ ہے اُسے اپنے قلب پر نگاہ رکھنی چاہیئے کہ اس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت ہے اور کتنا بغض و عداوت۔

حکایت کسی سے کسی بزرگ نے فرمایا کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے وہ غصہ میں آکر فرمانے لگے کہ اگر میں اُسے نہ پہچانوں تو پھر اس کی عبادت کرنے کا کیا فائدہ۔ پھر سائل نے کہا کہ اگر اس کی معرفت نصیب ہے تو پھر اُس کی نافرمانی کیسی۔ یعنی آئندہ تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم کسی ایک گناہ کا بھی ارتکاب نہ کرنا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

① عمرے کہ میرود بہمہ حال سعی کن
تا در رضائے خالق بیچوں بسر بری

② پیر بودی وراہ ندانستی
تو نہ پیری کہ طفل کتابی

ترجمہ: ① عمر گذر رہی ہے ہر حال میں سعی کر تاکہ تو خالقِ بیچوں کی رضا میں زندگی بسر کر سکے۔
② بوڑھا ہوگیا اور تاحال تجھے راہِ حق معلوم نہ ہو سکا تو بوڑھا کب ہے بلکہ تاحال طفل مکتب ہے۔

تفسیر عالمانہ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ (جہاں تم ہوگے تمہیں موت گھیر لے گی)۔

فائدہ موت سے اجل مقدر عذاب مُراد ہے۔ نیز لفظ ادراک سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے موت سے فرار کرتے ہیں اور وہ اُن کے پیچھے دوڑتی ہے یہ نیا جملہ ہے اس کے لئے اعراب کا کوئی محل نہیں۔

وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ (اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو)۔ یعنی ایسے مضبوط اور اونچے محلات میں زندگی بسر کرو جن کی اونچائی آسمان تک اور جنہیں سیمنٹ وغیرہ سے مضبوط اور پختہ کیا جائے کہ جس کی طرف اولادِ آدم کا پہنچنا عادۃً محال ہے۔

عجیب و غریب حکایت حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ دورِ سابقہ کا واقعہ ہے کہ ایک عورت بڑی مالدار تھی اُس نے کاروبار کے لئے ایک

ملازم رکھ چھوڑا تھا ایک دفعہ اس سے زنا کرایا۔ چند روز کے بعد اُسے لڑکی پیدا ہوئی۔ اپنے ملازم سے کہا کہ باہر کہیں سے آگ لے آؤ۔ جب ملازم گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ اُس کے دروازے پر ایک مرد کھڑا ہے۔ اس نے ملازم سے پوچھا کہ اس عورت کو کیا پیدا ہوا ہے۔ اُس نے کہا لڑکی۔ اس اجنبی مرد نے کہا کہ یہ لڑکی اپنی موت سے پہلے یکصد مردوں سے زنا کرلے گی اور آخر میں اپنے ملازم (یعنی زانی باپ) سے نکاح کرے گی۔ اور لڑکی کی موت مکڑی سے واقع ہوگی۔ ملازم (زانی باپ) نے دل میں سوچا کہ لڑکی میرے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے پھر نامناسب ہے کہ یہ سَو آدمیوں سے زنا کا ارتکاب کرے بہتر ہے کہ میں اسے قتل کردوں۔ چنانچہ اسی نے اُسی وقت چھرا لیا اور اُس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور فوراً ہی گھر سے نکل کھڑا ہوا اور دریا کو عبور کرکے کہیں دُور کے شہر میں مقیم ہوگیا۔ لڑکی کو چھُرا گھونپا گیا وہ جان لیوا نہ تھا بلکہ ایک شدید زخم تھا جسے ڈاکٹروں اور جراحوں کی مرہم پٹی سے دُرست کرلیا گیا چند روز کے بعد وہ لڑکی تندرست ہوگئی۔ جب جوان ہوئی تو اسے زناکاری کی عادت پڑگئی اور وہ اس بدفعلی میں مبتلا ہوئی۔ گھر سے نکل کر دریا کے کنارے سکونت اختیار کرلی اور اُس نے اپنے پیشۂ زنا میں خوب شہرت حاصل کی۔

وہ ملازم (یعنی زانی باپ) جو کہ گھر سے نکل کر دریا کے پار چلا گیا تھا اُس نے کاروبار میں منافع بسیار کمائے وہ بھی پھرتا پھراتا اس دریا کے کنارے پہنچا جہاں اسی زانیہ لڑکی نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ ملازم مذکور نے کنارہ پر رہنے والے پڑوسیوں کی ایک عورت سے کہا کہ یہاں پر حسین ترین عورت کی نشاندہی کرو تاکہ میں اس سے شادی کروں اس عورت نے کہا کہ یہاں پر ایک بہت بڑی حسین عورت رہتی ہے لیکن زناکار ہے۔ اس ملازم مذکور نے کہا کہ اُس سے ہی بات کرو چنانچہ اُس نے بات کی کہ ایک شخص یہاں تجارت کرتا ہوا آیا ہے جبکہ کثیر مال لایا ہے اور تیرے لئے نکاح کا کہا ہے اگر تم چاہو تو میں اس سے تیری بات چیت کردوں۔ اُس نے نکاح پر آمادگی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر وہ میرے ساتھ نکاح کرے تو میں زناکاری سے تائب ہوجاؤں گی۔ چنانچہ اس رابطہ سے انکا نکاح ہوگیا وقت گذرتا رہا۔ ایک دن ملازم مذکور نے اپنی سرگذشت سنائی تو اس کی منکوحہ نے کہا کہ وہی لڑکی میں ہوں چنانچہ وہ داغ تا حال میرے پیٹ پر موجود ہے۔ چنانچہ جونہی پیٹ سے کپڑا ہٹایا تو وہ داغ صاف ظاہر نظر آگیا اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ میں اس وقت پورے یکصد مردوں سے زنا کراچکی ہوں۔

یہ تمام باتیں سن سنا کر بیٹھے تو اسے بات یاد آئی اور کہا کہ بزرگ مرد نے مجھے یہ بھی فرمایا تھا کہ تیری موت مکڑی سے واقع ہوگی۔ اس عورت نے کہا کہ پھر تو میرا اتنا اونچا مکان بناؤ کہ جہاں کوئی آجا نہ سکے اور ہو بھی سنگستان جنگل میں تاکہ کسی کو میرے متعلق معلوم نہ ہو۔ چنانچہ ایسے ہی جنگل میں بڑا قلعہ اور اس کے اندر بڑا مضبوط بلند و بالا مکان بنایا گیا۔ اور وہ اس میں رہنے سہنے لگی۔ ایک دن مکان میں بیٹھی تھی کہ اُسے چھت پر مکڑی نظر آئی۔ اُسے

خیال گذرا کہ یہی مکھی میری موت ہے چنانچہ یہ کوشش شروع کر دی کہ اُسے قتل کر دے۔ جب اس نے مکھی کو نیچے سے کوئی شے ماری تو اُس نے ڈر کے مارے نیچے اترنے کی کوشش کی اور اس عورت کے پاؤں کے انگوٹھے پر آگر گری اور گرتے ہی اس عورت کے پاؤں کے انگوٹھے پر ڈس لیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ عورت کے پاؤں کا انگوٹھا سیاہ ہو گیا اور اس سے وہ عورت مر گئی۔ اس کی داستان عرب میں مشہور تھی اُس کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ تمام اُمت کا اجماع ہے کہ موت کے لئے نہ کسی کو سن معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی میعاد کا علم ہوتا ہے اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ فلاں مرض سے موت واقع ہوگی۔ تاکہ انسان اُس کی تیاری میں لگا رہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ لذتوں کو مٹانے والی یعنی موت کو بہت زیادہ یاد کرو۔

فائدہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ کلام مختصر اور وعظ و نصیحت اور تذکیر و تبلیغ کی جمیع ضروریات کا جامع ہے۔ اس لئے کہ جو شخص موت کو یاد کرے گا اس کا لازمی طور زندگی کے لمحات منغص ہو جائیں گے بلکہ آئندہ کی لذات کی تمنا بھی مٹ کے رہ جائیں گی اور جتنا آرزو دل میں ہوگی وہ موت کے ذکر سے ملیامیٹ ہو جائے گی۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ جن کے نفوس پر غفلت کے پردے پڑ گئے اور جن کے قلوب غفلت کے گڑھے میں غرق ہیں انہیں تو طویل بیان بھی بمشکل فائدہ دیتا ہے بلکہ اُس کے لئے سخت سے سخت ڈراؤنی باتیں بھی کارآمد ثابت نہیں ہو سکتیں ورنہ جسے غور و فکر سے کچھ حصہ نصیب ہے اس کے لئے اَکْثِرُوْا ھَادِمَ اللَّذَّاتِ حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کافی ہے۔ حضرت شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سپہر پر شدہ پرویز نست خوں افشاں
کہ ریزہ اش سر کسریٰ و تاج پرویز است

ترجمہ: آسمان پر ہو گیا اور خون بخوڑنے والا خون بخوڑنے کو ہے وہ کہ جس کا قطرہ کسریٰ کے سر اور پرویز کے تاج پر پڑا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) جہاں اے پسر ملک جاوید نیست
ز دُنیا وفاداری اُمید نیست

(۲) نہ بر باد رفتے سحر گاہ و شام
سریر سلیمان علیہ السلام

③ بآخر ندیدی کہ بر باد رفت
خنک آنکہ با دانش و داد رفت

ترجمہ: ① اے عزیز یہ ملک ہمیشگی کا نہیں دُنیا سے وفا کی اُمید نہیں۔
② سلیمان علیہ السلام کا تخت صبح و شام ہوا پر چمکتا تھا۔
③ لیکن بالآخر فنا ہوگیا فلہٰذا وہ خوش نصیب ہے جو سمجھداری سے دنیا سے رخصت ہوا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اے باطل پرستو! درویشوں فقیروں کے لباس پہن کر خواہشات نفسانیہ کے پجاریو! تمہارے اُوپر خواہشات کا غلبہ اور تمہیں دنیا سے بے حد پیار اور محبت ہے اس لئے تم اللہ تعالیٰ کی طلب سے محروم ہو کر رہ گئے اور محبت دنیا میں ایسے محو ہو چکے ہو کہ بس اب تمہارا ملجا و ماویٰ بھی دُنیا ہے اور اُسی کو اپنا چین اور آرام سمجھتے ہو لیکن یاد رکھو کہ جہاں بھی تم ہوگے تمہارا موت پیچھا نہیں چھوڑے گی لامحالہ تم نے موت کا پیام قبول کرنا ہوگا۔ فلہٰذا اب تمہیں لازم ہے کہ اضطراری موت سے پہلے ہی اختیاری موت اختیار کرلو۔ اگرچہ تم بہت بڑے مضبوط قلعوں میں محفوظ ہو (اس سے اُن کے اجسام قویہ مراد ہیں) اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی فنا و بقا نصیب فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ "(اور اگر انہیں کوئی نعمت (مثلاً اناج کی کثرت وغیرہ) حاصل ہو)۔ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی اس نعمت کے حصول کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب کرتے ہیں وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ (اور اگر انہیں کوئی تکلیف مثلاً قحط سالی وغیرہ پہنچے) يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ تو کہتے ہیں یہ تیری وجہ سے ہے یعنی اسے نحوست سمجھ کر وہ (معاذ اللہ تعالیٰ) حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (مثلاً یہودیوں نے کہا کہ (معاذ اللہ) جب سے (حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدینہ میں قدم رکھا ہے اُس وقت سے ہمارے علاقوں میں درختوں کے پھلوں میں کمی اور ہر شئے میں مہنگائی ہے)۔ قُلْ كُلٌّ (اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے کہ ہر دونوں یعنی بھلائی اور برائی) مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، وہی اپنے ارادہ پر رزق بڑھاتا گھٹاتا ہے فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ (انہیں کہاں سے انہیں یہ علم حاصل ہوا) یعنی یہودیوں اور منافقوں کو حالانکہ اُن کی حالت یہ ہے کہ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (اہلیت و لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بات کو سمجھ سکیں) یہ تو جانوروں کی طرح لاشعور ہیں ورنہ انہیں کچھ عقل و فہم ہوتا تو یقین رکھتے کہ ہر بھلائی اور برائی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

فائدہ الفقہ بمعنے الفہم عرف شرعی میں شریعت کے فتاویٰ کا نام ہے۔

مَآ اَصَابَكَ (اے انسان جو کچھ تمہیں پہنچے) مِنْ حَسَنَةٍ (بھلائی اور نعمت سے) فَمِنَ اللّٰهِ (تو سمجھ

کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اُس نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں نوازا ہے اس لئے کہ انسان جتنا عبادات وطاعات بجالاتا ہے وہ اُس کی ایک نعمت کے بال برابر بھی نہیں چہ جائیکہ اُس کی ایک نعمت کا مکمل شکر کرسکیں سو طرح پھر تمام نعمتوں کا شکریہ کیسے ادا کیا جاسکتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہر بندہ بہشت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی داخل ہوگا نہ کہ اپنے اعمال پر بھروسہ کرکے حضورؐ علیہ السلام سے پوچھا گیا کیا آپ کے متعلق بھی ہمارا یہی عقیدہ ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں مگر اتنا ضرور یاد رکھو کہ اُس نے مجھے اپنی رحمت سے سراپا ڈھانپ لیا ہے وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ (اور اگر کوئی مصیبت یا کوئی دیگر پریشان کُن امر پہنچے) فَمِنْ نَّفْسِكَ (وہ تیرے نفس سے ہے) اس لئے کہ اس مصیبت وغیرہ کا سبب تمہارا نفس ہے کیونکہ اگر وہ برائیوں کا مرتکب نہ ہوتا تو اُسے یہ سزا نہ ملتی۔

سوال پہلے فرمایا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اب فرماتا ہے فَمِنْ نَّفْسِكَ انمیں تو تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب۱ کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ قل كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں فرمایا کہ ایجادًا وتخلیقًا ہر شے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔

جواب۲ چونکہ نعمت ایک احسان وامتنان ہے اور بُرائی غلطیوں کی سزا اور اُن کا بدلہ اس لئے پہلے معنے کے لحاظ سے كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فرمایا۔ اور دوسرے معنے کے لحاظ سے فَمِنْ نَّفْسِكَ۔

حدیث شریف بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ حضورؐ سرور دنیا ودین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کو جو کچھ دُکھ اور تکلیف پہنچتی ہے (یہاں تک کہ کسی کو کانٹا چبھتا ہے یا جوتے کا تسمہ ٹوٹتا ہے) تو وہ اس کے گناہ کی شامت کا نتیجہ ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ اُس کی تو گنتی ہی نہیں۔

فائدہ بندوں کے اعمال کے چار مراتب ہیں۔ انمیں دو مرتبے اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں۔ انمیں بندے کو کسی قسم کا دخل نہیں۔

① تقدیر
② ایجاد وتخلیق

اور دو مرتبے ہیں جنہیں بندوں سے تعلق ہے۔

③ کسب
④ فعل

ان ہر دونوں یعنی کسب وفعل سے اللہ تعالیٰ منزہ اور پاک ہے۔ ان ہر دونوں کا تعلق بندوں سے ہے لیکن ان ہر دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ یہ ہر دونوں مخلوق ہیں اور ہر مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا) اب مسئلہ واضح ہوگیا کہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

اللّٰہِ کا یہی مطلب ہے کہ ہر شئے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہر شئے کی تقدیر اسی کے ہاتھ میں ہے ہاں ان امور کا کسب اور فعل بندوں سے سرزد ہوتا ہے۔

سبق سالک کو لازم ہے کہ اس مسئلہ کو خوب یاد کرے اس لئے کہ اصحاب شریعت اور ارباب حقیقت کا یہی مذہب ہے (التاویلات النجمیہ)۔

مسئلہ حضرت ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن مجید حفظ کر کے بھول جانا بھی شامت اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے اس پر آیت وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ سے استدلال فرمایا اور فرماتے تھے کہ قرآن مجید کا بھولنا دنیا میں بہت بڑے مصائب میں سے ہے۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط اور ہم نے تمہیں تمام لوگوں کے لئے رسول پیغمبر (نبی) بنا کر بھیجا یہ نہیں کہ آپ صرف اہل عرب کے رسول ہیں بلکہ آپ تو عرب و عجم سب کے پیغمبر ہیں جیسا کہ آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (اور ہم نے تو تمہیں تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا) مضمون مذکور کی تائید کرتی ہے۔

ترکیب رسولا کاف ضمیر خطاب سے حال ہے اس سے آپ کی رسالت کے عموم کا اظہار مطلوب ہے اور للناس رسولا سے متعلق ہے اور اسے مقدم بھی اسی لئے کیا گیا ہے تاکہ اختصاص ثابت ہو۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ (اور اللہ تعالیٰ آپ رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہے کہ اس نے معجزات ظاہر کر کے آپ کی نبوت و رسالت کی تائید فرمائی۔

تفسیر صوفیانہ ہم نے اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ان لوگوں کے پاس بھیجا جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے مشاہدہ و معاہدہ کو بھلا دیا تاکہ آپ تشریف لا کر انہیں اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچا دیں اور اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اوقات بسر کرنے کے ایام اور معاہدہ و مشاہدہ کی گھڑیاں یاد آجائیں اور آپ انہیں ہماری دعوت دے کر ہمارے ہاں پہنچنے کا راستہ بتائیں۔ آپ ان کے لئے سراج منیر بن کر چمکے تاکہ آپ کی سیرتوں کو اپنا کر اور آپ کے نقش قدم پر چل کر مراتب علیا کو حاصل کر سکیں اور اللہ تعالیٰ اپنے احباء و اولیاء کے لئے کافی اور شاہد ہے تاکہ وہ صرف راحت پہ اکتفا نہ کریں بلکہ وہ دیدار الٰہی کے لئے بڑھیں۔ حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یوسف عزیزم رفت اے برادراں زچمن

کز غمش عجب دیدم حال پیر کنعاں

ترجمہ: اے برادر میرا عزیز یوسف جب چمن سے چلا گیا تو اس کی جدائی کے غم سے بوڑھے کا میں نے عجیب حال دیکھا۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ انسان ہر رنج و راحت منجانب اللہ سمجھے۔

حکایت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات سال تک داڑھ کے درد میں مبتلا رہے لیکن کسی سے اظہار نہ فرمایا ایک روز حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے اُن کی تکلیف کا عرض کر دیا۔ آپ نے حضرت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے اتنا عرصہ کسی کو بتایا تک بھی نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ عرض کی یہ تحفہ مجھے محبوبِ حقیقی سے نصیب ہوا ہے پھر شکایت کیسی۔

سبق اس سے سبق لینا چاہیئے بلکہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح نیک خصال اپنے اندر پیدا کرنے چاہئیں اور یقین رکھنا چاہیئے کہ ہر بُرائی بھلائی منجانب اللہ ہوتی ہے اور رُسل کرام اس لئے بھیجے گئے تاکہ مخلوق ظلمت سے نکل کر نور کی طرف راہ پائے جو لوگ نبوت کے آداب اور سیرت نبوی اپناتے ہیں تو انہیں حقیقت محمدیہ کے دائرہ میں پہنچنے کا شرف عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

① دعوتش فرمود بہر خاص و عام
نعمت خود را بروکردہ تمام

② مبعث آدسر نکوئی بے تال
اُمّت او بہترین اُمّتاں

③ درمیاں دو کتف خورشید وار
داشتہ مہر نبوت آشکار

ترجمہ: ① آپ کی دعوت ہر عام و خاص کو شامل ہے اور تمام نعمتیں آپ پر مکمل فرمادیں۔

② آپ کی بعثت تمام محبوبوں کے حسن کا خلاصہ ہے آپ کی امت تمام امتوں سے بہتر ہے۔

③ دو کاندھوں کے درمیان خورشید کی طرح مہر نبوت ظاہر نظر آتی تھی۔

مُہرِ نبوّت کے متعلق نکتہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نبوت شریف دو کاندھوں کے درمیان تھی اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ آپ شیطان لعین کے وسوسہ سے ہر طرح سے معصوم تھے۔ اس لئے کہ خناس شیطان کا طریقہ ہے کہ وہ انسان کے اندر وسوسہ ڈالنے کے لئے دونوں کاندھوں کے درمیان سے گُھستا ہے پھر اپنی سونڈ دل کی جانب سے داخل کر کے وسوسہ ڈالتا ہے۔ جب کوئی انسان ذکر الٰہی سے رطب اللسان ہوتا ہے تو اُس کے دل سے سونڈ ہٹا کر بیٹھ کے پیچھے چلا جاتا ہے۔

فائدہ مہر نبوت شریف کے گرد چند سبز مائل بال مبارک تھے اور مہر نبوت پاک پر یہ عبارت لکھی ہوتی تھی "محمد نبی امین" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے علاوہ اور بھی عبارات کے متعلق صحابہ کرام سے روایات ملتی ہیں۔

عجیب تحقیق مہر نبوت شریف پر مختلف عبارات کے متعلق تطبیق کی دو بہترین تصویریں منقول ہیں۔
① حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر تجلیات وانوار الٰہی کے واردات مختلف طریق سے ہوتے تھے بنا بریں مہر نبوت شریف پر مختلف عبارات کا ظہور ہو جاتا تھا۔

② چونکہ مہر نبوت مبارک کے خطوط باریک تر تھے اس لئے دیکھنے والوں کی نگاہ مختلف تصوّر کرتی۔ اس تصوّر کو مختلف روایات سے بیان کیا گیا۔

ماہِ رمضان وماہِ میلاد اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ ماہ رمضان تمام مہینوں سے افضل ہے۔ اس کے بعد ربیع الاول شریف کو باقی تمام مہینوں پر فضیلت حاصل ہے۔ رمضان المبارک کی فضیلت قرآن پاک اور کے نزول کی وجہ سے ہے اور ماہِ میلاد کو اس لئے کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت شریف اسی ماہ میں ہے۔

شب میلاد شریف کی فضیلت بعض کے نزدیک تمام راتوں سے لیلۃ القدر افضل ہے لیکن بعض نے لیلۃ القدر سمیت تمام راتوں پر شبِ میلاد کو افضل کہا[1] اس لئے کہ اگر حضور علیہ السلام تشریف نہ لاتے تو نہ لیلۃ القدر ہوتی اور نہ کوئی اور شے۔

صاحب روح البیان کا انتباہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امت پر لازم ہے کہ وہ ماہِ میلاد شریف کے دنوں اور راتوں کی تعظیم وتکریم میں جدوجہد کرے تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو اور آپ کے قرب کریمانہ سے نوازے جائیں۔

تفسیر عالمانہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (وہ شخص جو رسول علیہ السلام کی اطاعت کرتا ہے تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی) اس لئے کہ حقیقی حاکم وآمر وہی ہے۔

وہابی نجدی دیوبندی منافقین کے نقش قدم پر مروی ہے کہ جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو میرے سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور جو میری اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے یہ حکم سن کر منافقین نے کہا کہ نبی علیہ السلام مشرک ہو گئے اس لئے کہ وہ غیر اللہ سے روکتے ہیں اور پھر وہ خود خدا بننے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہمیں نصاریٰ کی طرح شرک میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنایا ہم انہیں بنا لیں۔ ان کے رد میں یہی آیت شریف اتری۔

---

[1] محدثین اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ مولانا عبد الحی اللکھنوی عن الشاہ عبد الحق المحدث الدہلوی قدس سرہ والتفصیل فی کتب السیر ۱۲ (اویسی غفرلہٗ)

وَمَنْ تَوَلّٰى (اور جو شخص اُن کی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے) فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿﴾ (تو ہم نے آپ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا) کہ آپ اُن کے ہر عمل کی نگرانی اور محاسبہ کریں۔ آپ صرف تبلیغ احکام پر مامور ہیں باقی ہم جانیں اور وہ۔

فائدہ حَفِيْظًا ' اَرْسَلْنٰكَ کا کاف ضمیر خطاب سے حال ہے اور عَلَيْهِمْ حفیظاً کے متعلق ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ (اور آپ جب کوئی حکم سناتے ہیں، تو اُس کے جواب میں کہتے ہیں طَاعَةٌ (ہم نے آپ کا ارشاد مانا) اور آپ کا ہر حکم ہمارے سر آنکھوں پر۔ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ (پھر جب آپ سے فارغ ہو کر باہر کہیں جاتے ہیں)، بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ﴿﴾ (تو ایک گروہ اُس کی خلاف ورزی کرتا ہے جو آپ نے انہیں فرمایا) اس تقریر پر تقول خطاب کے معنیٰ میں ہوگا یا اُسے مؤنث کا صیغہ غائب مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا گروہ گروہ جو آپ سے وعدہ کرکے نکلا تھا اب وہ اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

نکتہ بَيَّتَ کا اشتقاق بیتوتۃ بمعنے رات گذارنا اور بَيْتٌ بمعنے گھر کا ماخذ بھی یہی ہے اور اُن کے غلط رویّہ کو بیتوتۃ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ عموماً انسان اپنی آئندہ پالیسی کے متعلق رات کو ہی سوچتا ہے وہ اس لئے کہ عموماً انسان کا دل رات کے وقت صاف وشفاف ہوتا ہے اور پھر مشاغل بھی اتنے نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے جو فکر صحیح اور مقصد کے عین مطابق ہو اسے عربی میں "بتیا" کہتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ لکھ لیتا ہے جو کچھ وہ رات کو گذارتے ہیں) یعنی اُن کے نامۂ اعمال میں اُن کی جزا کے احکام ثبت فرماتا ہے فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (پس ان سے درگذر فرمائیے اور اُن کی باتوں کی پرواہ مت کیجئے وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ (اور اپنے جملہ اُمور خصوصاً ان منافقین کے بارہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے)۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿﴾ (اور اللہ تعالیٰ انہیں کافی ہے اور آپ کو اُن کے شر سے بچائے گا) اور اسلام غالب ہو جائے گا اور اہل اسلام کو پورے طور غلبہ نصیب ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان منافقین سے آپ کے پورے حقوق لے گا۔ الوکیل اُس ذات کو کہا جاتا ہے جسے جملہ اُمور سپرد کئے جائیں اور وہ ہر طرح سے اُن کے متعلق تدابیر جانتا ہو۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ (کیا وہ قرآن میں تدبّر نہیں کرتے یعنی اس کے معانی میں تامل اور غور کریں کہ اس میں کیا اسرار و رموز پوشیدہ ہیں۔ دراصل تدبیر شے کے انجام کار اور اس کے نتیجہ پر نظر کرنے کو کہتے ہیں اب ہر قسم کے تامل و فکر کو تدبیر کہا جاتا ہے۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ (اور اگر وہ غیر اللہ سے ہوتا) یعنی یہ قرآن اگر کسی بشر کا کلام ہوتا جیسے کفار کا خیال ہے لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿﴾ تو اس میں بے حد اختلاف پاتے کبھی معانی میں تناقض ہوتا کبھی اُس کے الفاظ میں اختلاف ہوتا اور پھر اُس کے بعض الفاظ فصیح ترین ہوتے اور بعض نہایت ہی رکیک۔ اور بعض عبادات میں بہت زیادہ معاوضہ ہوتا اور بعض میں معمولی طور اور پھر جتنا آئندہ کے متعلق

خبریں دی ہیں انمیں بعض صحیح ہوئیں اور بعض غلط۔ اسی طرح بعض احکام عقل کے موافق ہوتے اور بعض عقل سے ماورا جیسا کہ استقرا کے طور انسانی تفکرات کے متعلق عموماً ہوتا ہے اس لئے کہ قوائے بشریہ میں کمی اور نقصان ہوتا ہے۔

مسئلہ کوئی شخص یہ کہے کہ کلام اللہ کا بعض حصہ دوسرے بعض سے زیادہ بلیغ ہے ایسا کہنا شرعاً جائز ہے یا نہ اس کے متعلق تفصیل ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتقان[1] میں لکھا ہے اگرچہ بعض حضرات نے ایسے کہنا جائز کہا ہے لیکن یہ ان کی غلطی ہے انہیں بلا غور و فکر جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

سوال بہت سے معتبر علماء سے منقول ہے جو کہتے ہیں "ھٰذَا الکلامُ اَبْلَغُ مِنْ ھٰذَا۔ یہ کلام الٰہی کا موقعہ فلاں سے زیادہ بلیغ ہے" پھر تم کون لگتے ہو اُسے غلط اور ناجائز کہنے والے؟

جواب بزرگوں کے کلام کو سمجھنے کے لئے بھی عقل و فہم ضروری ہے اُن کے اس مقولے کا مطلب وہ نہیں جو تم نے سمجھا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کلام ایک ایسے موقعہ و محل پر واقع ہوا ہے کہ وہ اس موقعہ و محل کے لحاظ سے حسین و لطیف ہے۔ اور پھر دوسرا کلام دوسرے موقعہ و محل پر واقع ہوا ہے تو وہ اس موقعہ و محل کے لحاظ سے احسن و الطف ہے یعنے موقعہ و محل کے وقوع ایک دوسرے سے بلیغ تر ہیں۔ لیکن کلام الٰہی میں موقعہ و محل سے قطع نظر ہر دونوں اپنے مقام پر ابلغ ہیں۔ اس تقریر کی بنا پر اللہ تعالےٰ کے کلام کے کسی مقام کو دوسرے مقام کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اس سے ابلغ و اکمل ہے اس لئے اہل شرع نے روکا ہے کہ کہا جائے کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ تَبَّتْ یَدَا اَبِی سب سے ابلغ ہے (دوسری آیت میں ابو لہب پر نقصان و خسران کی بددعا ہے اس نقصان و خسران کی بددعا کا کوئی ابلغ و احسن اور کوئی کلام نہیں اور نہ مخلوق سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آیت قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ الخ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرنے میں بہت زیادہ بلیغ و حسین و لطیف ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا کلام نہ ہے اور نہ کسی سے بن سکتا ہے یہ دونوں کلام اپنے مقام و محل وقوع کے لحاظ سے بلیغ ترین و حسین و لطیف ترین ہیں۔ بلاغت کا عالم ان ہر دونوں تبت یدا ابی لہب "کو بددعا اور قل ھو اللہ احد کو توحید الٰہی کے بیان کے محل وقوع کو دیکھ کر بالکل نہیں کہہ سکتا کہ اُن میں ایک کلام اُس دوسرے کلام سے بلیغ تر ہے۔

مسئلہ بعض محققین کرام (رحمہم اللہ تعالےٰ) نے فرمایا جزئی طور کلام الٰہی کے ایک حصے کو کسی دوسرے حصے سے افضل و اکمل کہنا جائز ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ قل ھو اللہ احد " تبت یدا ابی لہب" سے افضل و اعلیٰ ہے اس لئے کہ قل ھو اللہ میں فضیلت کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) ذکر کی فضیلت کہ یہ کلام خدا ہے۔

---

[1] اُصول تفسیر پر بہترین کتاب ہے ۱۲۔ (اُویسی غفرلہٗ)

(۲) مذکور کی فضیلت کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔

(۳) پھر اُس کی توحید کا بیان

(۴) اس میں اس کی صفات ایجابیہ وسلبیہ کا ذکر ہے ان وجوہ سے قل ھو اللہ احد کو تبت یدا الخ افضل واعلیٰ کہنا جائز ہے کہ تبت یدا الخ میں صرف ایک فضیلت ہے کہ وہ کلام خدا ہے۔

سوال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پہ فرمایا کہ فلاں سورہ افضل ہے وغیرہ وغیرہ؟

جواب امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواہر القرآن میں اُس کے متعلق جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ کلام الٰہی کی بعض صُورتیں اجروثواب کے لحاظ سے ایک دوسری سے افضل واعلیٰ ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ کلام الٰہی کا کوئی ایک حصہ کسی دوسرے حصہ سے افضل واعلیٰ ہے اس لئے کہ کلام الٰہی اس حیثیت سے کہ وہ کلام خدا ہے کہ وہ مرتبہ اور فضیلت کے لحاظ سے برابر ہے کسی قسم کی ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ہاں اجروثواب میں زیادتی وکمی ایک علیحدہ بات ہے اسے ہمارے موضوع سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔

فائدہ ہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایک دوسرے پر افضلیت کے اس لئے قائل نہیں کہ اس کا کلام قدیم اور ازلی و ابدی ہے اور ترکیب وترتیب سے منزہ وپاک ہے اس میں تفضیل وترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[۱]

فیصلہ از صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے کہ یہ آیت نہایت درجہ کی بلیغ ہے۔ مثلاً قاضی بیضاوی نے "قیل یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی" کے متعلق لکھا ہے کہ ان ھذہ الآیۃ فی غایۃ الفصاحۃ (بے شک یہ آیت انتہائی فصیح ہے) قاضی صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ طبقات فصاحت ومراتب بلاغت میں ایک آیت کو دوسری سے ترجیح دینا جائز ہے[۲] مثلاً کسی شاعر نے کہا ؎

(۱) دربیان ودر فصاحت کے بود یکساں سخن
گرچہ گوینده بود چوں حافظ وچوں اصمعی

(۲) درکلام ایزد بیچوں کہ وحی منزلست
کے بود تبت یدا مانند یا ارض ابلعی

---

[۱] یہ مسئلہ ایک عرصہ معتزلہ کے ساتھ اہلسنت معرکۃ الآرا رہا۔ اب اُس کی تفصیل وتشریح کی ضرورت نہیں اس لئے کہ معتزلہ رہے اور نہ مسئلہ۔ ہاں کسی کو شوق ہو تو علم کلام کا مطالعہ کرے ۱۲ (اُویسی غفرلہٗ)

[۲] یہ صرف صاحب روح البیان کا خیال ہے ورنہ حق بات وہی ہے جو امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمائی۔ جس کی تشریح اس بحث کی ابتدا میں گذری ہے ۱۲۔ (اویسی غفرلہٗ)

ترجمہ ① فصاحت و بلاغت میں سخن برابر کیسے ہو سکتے ہیں اگرچہ بولنے والے حافظ شیرازی اور اصمعی جیسے ہوں۔
② کلام الٰہی جو کہ وحی منزل ہے اسمیں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ "تبت یدا" یا "ارض ابلعی" ایک جیسی ہیں۔

فائدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت قرآن پاک سے تین وجوہ سے ثابت ہوئی۔
① قرآن پاک کے الفاظ فصاحت کی انتہائی منزل پہ ہیں کہ جن سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ یہ کلام خدا ہے۔
② اسمیں ایسی غیبی خبریں ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا۔
③ اس کلام میں تناقض و تضاد بھی نہیں۔

فائدہ کلام الٰہی کے تناقض و تضاد سے صحیح و سالم ہونے کی ایک دلیل یہ ہے جسے علمائے متکلمین نے بیان فرمایا ہے کہ یہ قرآنِ مجید ایک مبسوط کتاب ہے جو مختلف فنون اور متعدد علوم پر مشتمل ہے۔ اگر یہ کتاب منزل من اللہ نہ ہوتی تو اسمیں متعدد غلطیاں ہوتیں اس لئے کہ اتنی بڑی کتاب میں غلطیوں کا ہونا لازمی بات ہے جب اس میں کسی قسم کی غلطی نہیں تو ثابت ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے نہ کہ کسی بشر کا۔ جب یہ بات مانی گئی تو ہم نے یقین کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اسی لئے جو حضور علیہ السلام کی اطاعت کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔

فائدہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کو دینی و دنیوی منافع سے بھرپور کرتی ہے اور وہ دارین میں مشرف و مکرم ترین انسان سمجھا جائے گا جو اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سرگرم ہے۔ دیکھئے ایک کتے نے محض طاعت الٰہی سمجھ کر اصحابِ کہف کی تابعداری کی تو اسے بہشت کا ٹکڑا مل گیا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پے مردم گرفت و مردم شُد

ترجمہ: اصحابِ کہف کے کتے نے نیک لوگوں کے قدم پکڑے تو وہ بھی آدمی (کیطرح بہشتی) ہوگیا۔

سبق جب اطاعت گذار لوگوں کی غلامی کا یہ حال ہے تو پھر خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں کتنا شان بلند ہوگا۔

نکتہ زکوٰۃ کے انکار سے نماز قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے لیکن والدین کی خدمت سے دُوری اور نفرت ہو تو پھر اس شخص کا کیا حشر ہوگا تو اطاعتِ الٰہی کو مانتا ہے لیکن اطاعتِ رسول کا منکر ہے تو یہی کہا جائے گا کہ منکرِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت و اطاعت بیکار بلکہ وہی عبادت و اطاعت اُس کے منہ پر ماری جائے گی۔ (اس سے پرویزی و چکڑالوی اپنے انجام کا سوچیں)۔

تفسیر صوفیانہ چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اوصافِ کریمانہ کی وجہ سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ قائم مع اللہ اور حقیقی خلیفۃ اللہ تھے آپ جو بھی مخلوق سے معاملہ کریں وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (تو نے کنکریاں نہیں ماریں جب ماریں لیکن اللہ تعالیٰ نے ماریں) اور فرمایا إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ (وہ لوگ جو آپ کی بیعت کرتے ہیں بے شک وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں) اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری اُمت کا آپ وارث و مالک ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی آپ سے رُوگردانی کرے تو آپ اُس کے محافظ و نگران نہیں جب آپ کے وہ نگران و محافظ نہیں تو آپ ان کے لئے کیسے ذکر کرتے ہیں بلکہ انہیں یقین کرنا چاہیئے کہ وہ آپ سے روگردانی نہیں کر رہے بلکہ وہ مجھ سے دُور بھاگ رہے ہیں اب اُن کا حساب میرے سپرد ہے میں جانوں اور یہ۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ" زمین دورِ حاضرہ جیسے اہلِ ارادت لوگ مراد ہیں کہ جب وہ اہل اللہ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو بزرگوں کی ولایت کے انوار کی شعاعیں اُن کے دلوں پر پڑتی ہیں تو ان کے ایمان کی رونقیں بڑھ جاتی ہیں اور اُن کی ارادت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور نہایت ہی غور و خوض کر کے اللہ والوں کی باتیں سنتے ہیں اور سُن کر آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں جب حق و عرفان کی باتیں اُن کے کانوں میں پہنچتی ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اللہ والوں کے ارشادات قبول کئے ہیں اور انہی ارشادات پر نہ صرف عمل کرتے ہیں بلکہ اُن کی اشاعت پر جان کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن جب وہ اللہ والوں سے دُور ہوتے ہیں تو خواہشات نفسانی اور حرص و ہوا کے دلدادہ ہوجاتے ہیں اور ولایت کے مرکز سے ہٹ کر نفس و شیطان کے احکام کے تابع بن جاتے ہیں پھر ان میں ایک گروہ تو وہ ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کرام کے ارشادات کی سراسر خلاف ورزی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس قوم کے حالات بگاڑتا ہے جن کے کردار غلط ہوتے ہیں اسی لئے آپ اُن سے درگزر کیجئے اور جیسے کرتے ہیں اُن پر سختی نہ کیجئے بلکہ اُن کے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے ممکن ہے اس طرح سے اللہ تعالیٰ اُن کے حالات دُرست فرما دے اور انہیں اُن کی غلطیوں کی سزا نہ دے اور اُن کا انجام بخیر ہوجائے اور اللہ تعالیٰ متوکلین کے حالات کی کفالت فرماتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اُن کے لئے بہتری کا سامان بناتا ہے بیماریوں کی خرابیوں کو بیان کرنے کے بعد اس کا علاج بھی بتایا ہے کما قال "افلا یتدبرون القرآن (تو کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے)۔

فائدہ اگر سالکان راہِ ہُدیٰ قرآن میں تدبر اور اُس کے معجزات کے آثار میں تفکر اور انوارِ ہدایات و نظمِ آیات اور کمالِ فصاحت و جمالِ بلاغت میں غور و خوض کریں اور توجہ کر کے دیکھیں کہ اس کے کتنے عظیم الشان الفاظ اور فخیم المراتب معانی اور بہترین سیاق و سباق ہے اور معلوم کریں کہ اس میں کتنے ان گنت اسرار و حقائق اور دقیق اشارات و لطائف اور امراضِ قلوب کے بہترین قسم کے علاج ہیں کہ اُن کے استعمال سے تمام گناہ دُھل جائیں۔ بندوں کو مذکورہ بالا اُمور

بجالانے پر ہر بیماری کا علاج اور ہر مرض کی شفا اور ہر آنکھ کی ٹھنڈک اور ہر چہرہ کی رونق اور کاسۂ دل کو صاف تر پائیں اور دریا کے حقیقت کو پہنچ جائیں کہ جس کے عجائبات غیر منقطع ہیں اور ایسے جنگل میں پہنچیں کہ جس کے غرائب ختم ہونے والے نہیں اور ایسے روح سے مالا مال ہوں کہ جس کے بغض و حسد نہیں نہ ہی اسمیں خلاف ہے اور انہیں ایسی بہشت نصیب ہو کہ جس میں کوئی تناقص اور اختلاف نہیں اور انہیں معلوم ہو کہ اگر یہ غیر اللہ سے ہوتا تو اسمیں اختلاف کثیر پاتے اور نہ ہی اس میں کمی ہے اور نہ ہی نقصان[1]۔

① چوں تو در قرآن حقے بگریختی

بارواں انبیاء آمیختی

② ہست قرآن حالہائے انبیأ

ماہیان بحر پاک کبریا

③ ور بخوانی و نہ قرآن پذیر

انبیأ و اولیاء را دیدگیر

ترجمہ: ① اگر تو حق کے قرآن کی طرف رجوع کرے گا تو تمہیں انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ میں حاضری کا موقعہ نصیب ہوگا۔

② کیونکہ قرآن انبیا علیہم السلام کے حالات ہیں وہی بحر کبریا کی مچھلیاں (تبراک) ہیں

③ اگر تو اسے پڑھ کر قبول نہیں کرتا تو انبیأ و اولیأ کو کیا دیکھ سکے گا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا جَآءَهُمْ (اور جب ان کمزور مسلمانوں کو پہنچا) اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ (کوئی امر امن یا خوف) یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکروں کی خبر کہ انہیں فتح و نصرت نصیب ہوئی یا شکست یا تکلیف۔ اَذَاعُوْا بِهٖ تو وہ اُسے عام پھیلا دیتے[2] اور ہر ایک کو بتا دیتے ہیں۔ ناتجربہ کاری کی بنأ پر کہ یہ خبر کسی کو بتانی ہے یا نہ اور نہ ہی انہیں اُمور فہمی کی لیاقت و اہلیت ہے اس لئے کہ اُن کے ایسے اُمور کو عام بیان کر دینے سے فتنہ اٹھتا ہے۔

حل لغات اذاع السر و اذاع بہ کا ایک معنے ہے یہاں پر اذاعوا بہ میں با زائدہ ہے وَلَوْ رَدُّوْهُ اور اگر وہ خبر پیش کرتے۔

اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ (رسول علیہ السلام اور اپنے میں سے تجربہ کار حضرات

---

[1] التاویلات نجمیہ۔ [2] اسکے راز فاش کر دیا۔

کے سامنے۔ غرضیکہ وہ ان اُمور کے درپے نہ ہوتے اور ان باتوں کو اَن سُنا سمجھ کر رسول علیہ السلام اور صحابہ کبار جیسے خُلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے گرامی پر چھوڑ دیتے۔

فائدہ یا اولوالامر سے یہاں پر لشکروں کے امیر مراد ہیں۔ ہم نے کبار صحابہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ انہیں معاملہ فہمی اور مسلمانوں کے اُمور میں کافی و دانی سمجھ بوجھ تھی۔ وہی حقیقی اولی الامر تھے۔ اگرچہ انمیں بعض حضرات کو حکومت و سلطنت کا موقعہ بھی نہ ملا اُمرا کو اس لئے اولی الامر کہا جاتا ہے کہ ان میں لوگوں کے معاملات میں فہم و ادراک ہوتا ہے۔

لَعَلِمَهُ (تو وہ امور کو جانتے) جیسے وہ ہیں اُن کی تدبیر کو صرف وہی جانتے ہیں۔ **الَّذِينَ** (یعنی حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اولی الامر **يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ** (جو انہیں سے اپنی تجربہ کاری اور غور و فکر کرنے کی اہلیت و صلاحیت کی وجہ سے جنگوں کے معاملات اور اُن کی ہیرا پھیری کو خوب جانتے ہیں۔ پھر اُن کے لئے تدبیری اُمور سے مکمل طور واقف ہیں۔

حل لغات استنباط" بمعنے اخراج النبط" یعنی کنوئیں سے وہ پانی نکالنا جو کنواں کھودتے وقت پہلا پانی نکلتا ہے چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں "انبط الجفار" یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی تک پہنچ جائے اور اہل عراق میں اُن لوگوں کو بھی نبط کہتے ہیں جو بطائح میں ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ زمین سے پانی نکالا کرتے تھے۔

شان نزول بعض لوگ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بعض اُمور سُن لیتے۔ مثلاً یہ کہ فلاں علاقہ میں فی الحال جنگ نہیں کرنی۔ اتنا عرصہ تک اُن سے امن کے ساتھ گذاریں گے اور فلاں علاقہ میں فلاں عرصہ تک جنگ کریں گے وغیرہ وغیرہ یہ باتیں سن کر بعض کچی طبیعت کے لوگ عام پھیلا دیتے جو رفتہ رفتہ ان دشمنوں کو معلوم ہو جاتا جن سے اسلام کا مقابلہ تھا۔ اس سے اہل اسلام کو تکلیف ہوتی۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرمائی ہے کہ ایسے اُمور کو بجائے عام افشا کے اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اُن کے مخصوص یاروں کو بتا دی جائیں اور پھر اُن کی رائے پر چھوڑ دیا جائے اور تم سُننے کے بعد ایسے ہو جاؤ گویا تم نے کچھ سُنا ہی نہیں۔ تو اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے امور کو وہ سمجھتے ہیں جنہیں جنگوں کی تدبیریں معلوم ہیں۔ وہ چاہیں تو عام افشا کی اجازت دیں چاہیں انہیں مخفی رکھیں۔

فائدہ آیت میں ہر لحاظ سے مستنبطین سے حضور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اولی الامر صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم مراد ہیں۔ اور **يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ** میں من تبعیضیہ یا بیانیہ یا تجریدیہ ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ افشائے اسرار ناجائز ہے۔

لطیفہ کسی ادیب سے پوچھا گیا کہ تم مخفی راز کو کس طرح چھپاتے ہیں تو اس نے کہا میں راز مخفی کے لئے بمنزلہ قبر کے

ہو جاتا ہوں۔ (یعنی جس طرح قبر کے اندر کی بات سے باہر عوام بے خبر ہوتے ہیں۔ ایسے ہی میرے اندرونی اسرار سے بھی کوئی واقف نہیں ہو سکتا)۔

نکتہ مقولہ مشہور ہے کہ صدور الابرار قبور الاسرار (بزرگوں کے سینے مخفی اسرار کی قبریں ہیں)

مثنوی شریف میں ہے۔

(۱) در نگوئی با یکے درالوداع
کُلُّ سِرٍّ جَاوَزَ الْاِثْنَیْنِ شَاعَ

(۲) نکتہ کان جست ناگہ از زبان
ہمچوں تیرے دان کہ جست آں از کمان

(۳) وآں گردد از رہ آں تیر اے پسر
بند باید کرد سیلے راز سر

ترجمہ (۱) اگر جب تم کسی کو راز بتاؤ تو قاعدہ ہے کہ راز جب دو کے درمیان آیا تو پھر پھیل گیا
(۲) وہ نکتہ جو اچانک زبان سے نکل گیا یہ اس تیر کی طرح ہے جو کمان سے نکلا۔
(۳) وہ تیر کیسے واپس آسکتا ہے اسی لئے سیلاب کو شروع میں ہی بند کرنا ضروری ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ صاحبانِ سلوک پر جب کوئی راہ از باب اُنس وہیبت یا حضور یا غلبۂ صفات جمال وجلال کے آثار سے کھل جاتا ہے تو وہ غیروں کو بتانے شروع ہو جاتے ہیں اگر ایسے موقعہ پر انکا رجوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں اور اولی الامر کی سیرتوں کی طرف ہو یا درہے کہ اولوالامر سے وہ مشائخ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے اور واصل باللہ ہیں (جس کا شیخ کامل ہو وہ ہی حقائق اشیا کو پورے طور جانتا ہے) مشائخ ہی اوصاف بشریہ کے بحر میں غوطہ لگا کر علوم وفنون اور حقائق معرفہ کے جواہر اور موتی نکال سکتے ہیں ہم عوام ایسے اسرار سے یکسر خالی ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ (اور اگر تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی)۔ یہاں پر فضل اللہ ورحمتہ سے رسل کرام کو بھیجنا اور کتابیں نازل کرنا مراد ہے۔

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ (البتہ تم گمراہی وکفر میں شیطان کی پیروی کرتے) اِلَّا قَلِیْلًا ٥ ہاں بہت تھوڑے تم میں سے بچ جاتے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل کامل عطا فرمایا ہے کہ وہ شہوات نفسانی کی اتباع نہیں کرتے اور راہِ حق وصواب پر پہنچتے ہیں اور نہ ہی شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ہی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا زمانہ انہیں نصیب ہو سکا جیسے زید بن نوفل اور ورقہ بن نوفل اور دیگر وہ حضرات جو حضور

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے۔

فضائل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت شیخ نجم الدین قدس سرہٗ اپنی تاویلات میں لکھتے ہیں کہ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْہُ کے استثنا میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں اس لئے کہ آپ حضور نبی پاک کی بعثت مبارکہ سے پہلے دین حق کے متلاشی تھے۔ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنی ماں اور باپ کے متعلق یقین رکھتی ہوں کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل دین حق کے پابند تھے اور قبل از بعثت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر روزانہ صبح و شام تشریف لاتے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تھان کے دو گھوڑوں کی طرح تھے لیکن میں نے نبوت میں سبقت کرلی ہے اس لئے انہیں میری تابعداری کرنی پڑی اگر (خدانخواستہ) وہ سبقت کرجاتے تو مجھے اُن کی تابعداری کرنی پڑتی۔

فضائل حضور نبی پاک آیت میں فضل اللہ و رحمۃ سے حقیقی طور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل آیات ہماری اس تقریر کی تائید کرتی ہیں۔

① ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا اِلٰی اِنْ قَالَ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (وہ اللہ جس نے ان پڑھوں میں رسول بھیجا۔۔۔ یہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

② وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (ہم نے آپ کو رحمۃ اللعلمین بنا کر بھیجا)۔

دیگر دلیل اگر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لاتے اور نہ ہی اعلان نبوت فرماتے تو ہم گمراہی کے جنگل میں حیران رہ کر مرٹ جاتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے یہ لوگ سب کے سب گمراہی میں تھے اور سچے تابعدار ہو کر جہنم کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ چونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا فضل و رحمت الٰہی بن کر تشریف لائے اس لئے آپ کے صدقے انہیں جہنم سے بچاؤ نصیب ہوگیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا (اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر تھے تو اللہ نے تمہیں اس سے بچایا)۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

خویشتن را خواجۂ عرصات گفت

انما انا رحمۃ مہداۃ گفت

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے خود کو میدان حشر کا سردار اور رحمۃ مہداۃ کہا۔

اور ھدائی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) سرمایۂ سعادتِ عالم محمد است
مقصود از یں طینت آدم محمد است

(۲) در صورت آدم آید اگرچہ مقدما
در معنیٰ پیشوائے مقدم محمد است

(۳) اگرچہ ھدائی رسالت مکرم است
محبوبِ حق محمد خاتم محمد است

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ: (۱) جملہ عالم کی سعادت کا سرمایہ محمد ہیں اس آب و گل کے جہان سے مقصود صرف محمد ہیں۔

(۲) اگرچہ بظاہر آدم علیہ السلام آپ سے پہلے تشریف لائے لیکن در حقیقت محمد اُن سے پہلے تھے۔

(۳) اے ہدائی (شاعر) رسالت مکرم ترین عہدہ ہے لیکن محمد تو محبوب حق بھی ہیں اور خاتم الانبیاء بھی (صلی اللہ علیہ وسلم)

تخلیق محمدی کا اجمالی خاکہ بعض حکماء سے منقول ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق یوں فرمائی کہ سر مبارک برکت سے آنکھیں حیاء سے اور کان پاک عبرت سے زبان پاک ذکر سے لب مبارک تسبیح سے چہرہ رضا سے اور سینۂ شریف اخلاص سے قلب اطہر رحمت سے فواد مبارک شفقت سے ہتھیلیاں شریف سخاوت سے اور موہائے مبارک (بال) بہشت کی انگوریوں سے اور لعاب دہن بہشت کے شہد سے جب آپ کو اُمور بالا سے مکمل فرمایا تو پھر انہیں امت کا رسول بنا کر بھیجا اور فرمایا اے لوگو! یہ میرا تحفہ ہیں جو میں تمہیں عطا کر رہا ہوں۔ فلہذا میرے اس بہترین تحفے کو پورے طور پہچانو اور اُن کی عزت و عظمت کو جانو۔

ازالۂ توہم اور شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرح آسمان پر اس لئے نہیں اٹھایا گیا تاکہ آپ زمین پر تشریف رکھ کر عالم دنیا کے باسیوں کی رہبری فرماتے رہیں اور آپ کی بدولت نظام عالم صحیح رہے اس لئے کہ آپ مظہر ذات اور طلسم کائنات ہیں۔ بنا بریں جمیع کائنات کا نظام آپ کے وجود مسعود سے ہے (کذا فی الواقعات المحمودیہ ناقلا عن حضرت الشیخ المشہیر آفندی قدس سرہٗ)۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یہ فا جزائیہ اور جملہ شرط مقدار کی جزا ہے دراصل عبارت یوں تھی۔ اِنْ تثبط المنافقون وقصر الآخرون الخ اگر منافقین پیچھا چھڑانے کی کوشش اور دوسرے لوگ بھی کوتاہی کرتے

ے زہرۃ الریاض۔

اور آپ کو اکیلا چھوڑ کر جاتے تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اکیلے ہی اس راستہ میں لڑائی کریں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف لے جاتا ہے (جسے جہاد سے تعبیر کرتے ہیں) آپ اُن کی غلط کرداری کی پرواہ نہ کیجئے۔ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ (صرف اپنے نفس کو ہی تکلیف میں ڈالئے)۔ نَفْسَكَ لاتکلف (فعل مجہول) کا مفعول ثانی ہے اب مطلب یہ ہوا کہ اُن کی مخالفت اور اُن کا جہاد پر نہ جانا آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ فلہذا آپ جہاد کے لئے آگے بڑھئے۔ اس لئے کہ آپ کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ لشکر۔

فائدہ تکلف اُس فعل کو کہا جاتا ہے جو مشقت یا تصنع سے ہو اس میں وہ محمود ہے جو اولاً ہی مشقت سے کیا جائے پھر اُس سے اُنس ہو جائے تو محبت سے ادا کیا جائے کہ جیسے عبادات الٰہی جو اللہ والے بجالاتے ہیں اور مذموم وہ ہے جو بطور ریا اور تصنع کے ہو۔

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور اہل اسلام کو جہاد کی ترغیب دیں) اس کا ثواب بیان کریں اور تارک جہاد کو ڈرسنائیں یا انہیں فتح ونصرت کا وعدہ دیں اور مال غنیمت کے حصول کی خوشخبری سنائیں۔ لیکن آپ صرف انہیں ترغیبی باتیں بتائیں لیکن آپ مامور نہیں کہ انہیں مجبور کریں۔

شانِ نزول حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے بعد ابوسفیان سے وعدہ فرمایا کہ پھر تمہاری اور ہماری ملاقات بدر صغریٰ ذیقعد کے مہینہ میں ہوگی۔ بدر صغریٰ ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دُور ہے اور اُسے حمراء الاسد بھی کہا جاتا ہے۔ جب غزوۂ بدر مذکور کا دن آیا تو آپ نے اپنے صحابہ کو روانگی کا فرمایا اس پر بعض لوگوں کو ناگوار گذرا گویا جنگ پہ جانے سے کترانے لگے تو یہی آیت اُتری۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور ستر سوار لے کر بدر کی طرف روانہ ہو گئے اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی چنانچہ فرمایا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ (قریب ہے اللہ تعالیٰ روکے گا)۔ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (ان لوگوں کا خطرہ جنہوں نے کفر کیا)۔

حل لغات بأس لغت میں بمعنے وہ شے جو طبع کو ناگوار ہو۔ عرف عام میں مقام جنگ اور قتال کو کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ (اور وہ محاذ جنگ پہ نہیں آتے)۔

قاعدہ دربارہ عسیٰ لفظ عسیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے مستعمل ہو تو وجوب کا فائدہ دیتا ہے اس لئے کہ دراصل لغت میں یہ دوسرے کو طمع دینے کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے اگر کریم طمع کی اُمید دلائے تو وہ اپنے عہد کو پورا فرماتا ہے چنانچہ اس موقعہ پر بھی ایسے ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ فرمایا تو پورا کر کے دکھایا کہ اس جنگ میں کفار پر اہل اسلام کا رُعب چھا گیا یہاں تک کہ وہ مرالظہران کے مقام سے ہی واپس چلے گئے۔

فائدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر صغریٰ کے موقعہ پر حسبِ وعدہ تشریف لائے اور آٹھ راتیں مسلسل وہاں بسر

فرمائیں۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس تجارتی سامان تھا۔ بدر صغریٰ کے بازار میں بیچا تو بہت نفع حاصل ہوا۔ جس کی تفصیل ہم نے سورہ آل عمران میں لکھ دی ہے۔

وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا (اور اللہ تعالٰی جنگ کی تقویت دینے میں بہت بڑی طاقت رکھتا ہے) وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا (اور اسلام کے دشمنوں کو عذاب اور بڑی سخت سزا دیتا ہے۔ اور اس سزا اور عذاب کا مشاہدہ ہر اس شخص کو ہوگا جسے یہی سزا اور عذاب پہنچیں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ہر دونوں دنیا میں ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک دنیا میں ہو اور دوسرا آخرت میں پھر اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

① تمہیں جو کچھ جنگ وغیرہ سے تکالیف وشدائد پہنچتے ہیں اُن سے اللہ تعالٰی کا عذاب سخت تر ہے اس لئے کہ تم سے دکھ اور درد اور تکالیف منقطع ہو جائیں گے پھر تم بہشت میں جاؤ گے اور کفار و منافقین جہنم میں رہیں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

② جب اللہ تعالٰی کا عذاب سخت تر ہے تو پھر اُس سے ڈرنا ضروری ہے اور جیسے اُس نے جنگ کا حکم فرمایا ہے اُس کے خلاف ہرگز نہ ہو اور یہ وعید ہے۔

③ جب اللہ تعالٰی کا عذاب سخت تر ہے لیکن اللہ تعالٰی تمہیں عذاب سے بچائے گا اور اس کا امر تمہیں کفایت کرے گا۔ اسمیں اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں کو وعدۂ خیر سے نوازا ہے۔

فائدہ جنگ پہ نہ جانے والوں کو بزدلی نے گھیرا انہیں خطرہ تھا کہ ہم کفار سے مغلوب نہ ہو جائیں لیکن اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر غالب ہے۔

فوائد عجیبہ

① قوت یقین دین کے مال کا راس المال ہے۔

② مومن کامل کے لئے موت تحفہ ہے بالخصوص جس کی زندگی جہاد میں گذرے۔

③ دنیا جلد تر مٹنے والی ہے اُس کی کوئی شئے بھی باقی نہیں رہے گی۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ مندرجہ ذیل اشعار بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ ؎

① لا شیئ مِمَّا تَرَیٰ تبقی بشاشتہ
یبقی الالٰہ ویردی المال والولد

② لم تغن عن ھرمز یوماً خزائنہ
والخلد قد حاولت عاد فما خلدوا

③ ولا سلیمان اذا تجری الریاح لہ
والانس والجن فیما بینھما ترد

④ این الملوک التی کانت لعزتھا
مِنْ کُلِّ اوب الیھا وفد یفد
⑤ حوض ھنالک مَوْرُود بلا کذب
لَا بد من وردہ یومًا کما وردوا

ترجمہ: ① یہ تمام اشیاء جن کی رونقیں ہماری نگاہوں میں ہیں سب کی سب فنا ہو جائیں گی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو بقا ہے نہ ہمارے بال رہیں گے اور نہ اولاد۔
② موت سے ہُرمز کو نہ خزانے بچا سکے اور نہ ہی عاد کو اُس کی اپنی بنائی ہوئی خلد بچا سکی۔
③ اور نہ ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو موت نے چھوڑا کہ اُن کے جاہ و جلال کا یہ عالم تھا کہ آپ کو ہوا اُڑا کر لے جاتی تھی اور بے شمار انسان و جن بھی آپ کے ساتھ ہوتے۔
④ بتاؤ وہ بہت بڑے بڑے بادشاہ کہاں ہیں کہ جن کی شان و شوکت کے آگے بڑے بڑے لوگ گردنیں جھکاتے تھے۔
⑤ بہر حال قبر کے حوض میں ایک دن ہم نے ضرور داخل ہونا ہے جیسے ہم سے پہلے لوگ اسمیں داخل ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "فقاتل فی سبیلِ اللہِ لا تکلف اِلَّا نفسَکَ" معنی یہ ہے کہ طلب حق میں اپنے نفس کو مجاہدہ کے عادی بناؤ اس لئے طلب حق میں صرف اپنا نفس کام آئے گا نہ کسی اور کا۔ اس کی دوسری تقریر یہ ہے کہ جہاد میں کسی دوسرے کو اپنے لئے دکھ نہ پہنچائیے اس لئے کہ حجاب تیرا اپنا نفس ہے نہ کہ کسی اور کا۔ نفس کو چھوڑ کر آگے بڑھتے چلو۔ تیرے لئے ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں انبیا و اولیا کے مابین حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس کا امتیاز معلوم ہوگا۔ فانی النفس کی تو بات ہی کیا۔ اس لئے کہ حضرات انبیا کرام علیہم السلام باوجودیکہ وہ باقی النفس ہوں گے لیکن نفسی نفسی پکاریں گے اور ہمارے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی امتی فرمائیں گے اس نکتہ کو پورے طور سمجھ (وَلَا تَکُنْ مِنَ الوھابین) وحرّضِ المؤمنین علی المُؤْمِنِیْنَ (یعنے اہل ایمان کو جہاد اصغر و جہاد اکبر کی ترغیب دیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہری و باطنی کافروں کے غلبہ کو تم سے روکے۔ ظاہری کافروں سے مراد کفار اور باطنی کافر سے مراد نفس ہے۔

واللہُ اَشَدُّ بَاسًا وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا۔ اللہ تعالیٰ تجلی صفت جلال کے وقت استیلائے سطوات صفات قہریہ نفس پر کفار کے خوف و خطر سے زیادہ سخت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے

① اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمے آخر دمے فارغ مباش

② اے شہاں کشتیم ما خصمی بروں
ماند خصمی زو بتر در اندروں
③ کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست
شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست
④ سہل شیرے دانکہ صفہا بشکند
شیر آنست آنکہ خود را بشکند

ترجمہ ① اس راہ پر خوب چل آخر دم تک فارغ نہ بیٹھ۔
② اے بادشاہو مانا ہم نے بیرونی دشمنوں کو مار بھگایا لیکن سب سے بڑا دشمن تو اندر موجود ہے۔
③ اس کا قتل کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں اور نہ ہی یہ شیر خرگوش کے قابو میں آسکتا ہے
④ شیر صف شکن کو مارنا آسان ہے لیکن شیر وہ ہے جو خود کو کمزور کردے۔

تفسیر علمانہ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا (جو شخص شفاعت حسنہ کرتا ہے تو اُسے بھی اُس سے حصہ نصیب ہوگا۔ نصیب منہا سے سفارش کرنے کا ثواب اور وہ اجر مراد ہے جو اس خیر کا سبب بنا ہے۔ شفاعت حسنہ وہ ہے کہ جس میں مسلمان کے حق کی رعایت کے اُس سے شر کو دفع کیا جائے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کو نفع پہنچایا جائے اور اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو اور اس سے کسی قسم کی رشوت نہ لی جائے لیکن وہ امر جائز بھی ہو۔ نہ تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں کسی حد کے متعلق ہو اور نہ ہی کسی مسلمان کے حقوق میں سے کوئی حق ہو۔

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً (اور جو کسی کو بُری سفارش کرتا ہے (شفاعۃ سیئۃ شفاعت حسنہ کے برعکس ہوتی ہے۔ يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا (تو اُسے بھی اس سے حصہ ملے گا) یعنی جتنا کسی کے متعلق بری سفارش کرے گا اتنا قدر اُسے گناہ ہوگا اور جس کی سفارش کی ہے اس کے گناہ میں بھی کمی نہیں ہوگی۔

حکایت حضرت سروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے لئے سفارش کی تو اُس نے ہدیۃً کوئی چیز آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہی اس پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہوتا کہ تو میرے ساتھ ایسے کریگا تو میں تیری سفارش نہ کرتا۔ اب یاد رکھ لے کہ آئندہ میں تیری کبھی سفارش نہیں کروں گا۔

فائدہ زمخشری کے بلاغات سے مقولہ مشہور ہے کہ اسلام میں دو چیزیں نہایت بُری ہیں۔
① شفاعۃ فی الحدود
② رشوت فی الاحکام

مسئلہ حدود اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام ہیں امام (حاکم وقت) پر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق سمجھ کر بندوں پر حد

قائم کرے تاکہ آئندہ اللہ کے بندوں کو نقصان نہ پہنچے۔

مسئلہ تعزیر کو شرعاً حد نہیں کہا جاتا اس لئے کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس کی سزا زیادہ سے زیادہ انتالیس اور کم از کم تین کوڑے ہے۔

مسئلہ قصاص کو بھی حد نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ وہ خالص بندے کا حق ہے وہی قصاص کا مالک ہے وہ معاوضہ لے کر یا بلامعاوضہ معاف کر سکتا ہے۔

مسئلہ زانی غیر شادی شدہ کی حد سو کوڑا ہے اگر عبد مملوک ہو تو پچاس کوڑا۔

مسئلہ شراب کی سزا آزاد کے لئے چالیس اور مملوک کے لئے بیس کوڑے۔

مسئلہ حد زنا کی طرح شراب کی حد میں بدن کے مختلف حصوں پر کوڑے مارے جائیں۔

مسئلہ حد قذف اور حد شراب کا ایک حکم ہے۔

مسئلہ جو شخص کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اُن کے مطالبہ پر بہتان تراش کو حد لگائی جائے کہ یہ حق العبد ہے کیونکہ ہر انسان اپنے سے ننگ و عار کو دفع کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

مسئلہ سرقہ (چوری) میں بھی حد کا مطالبہ مالک مال سے شرط ہے اگر وہ مطالبہ نہ کرے گا تو چور کو کوئی حد نہیں۔

فائدہ مذکورہ بالا حدود شرعیہ ہیں انمیں کسی کو سفارش کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ جب قاضی (حاکم وقت) کو یقین ہو جائے تو لازمی طور پر حد قائم کرے۔ فتوحات مکیہ شریف کے وصایا کے ترجمہ میں ہے کہ نزدیک حاکم در حدود اللہ شفاعت مکن "یعنی حاکم کے ہاں حدود اللہ کے بارے میں سفارش نہ کرنا۔

حکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عرض کیا گیا کہ فلاں شخص نے چوری کی ہے اور اس پر حد قائم ہونے والی ہے براہ کرم آپ حاکم وقت کو سفارش کیجئے تاکہ چور کو حد جاری نہ کرے۔ آپ نے فرمایا جو ایسی سفارش کرے اُس پر لعنت اور جو سفارش کو قبول کرے اس پر بھی۔ پھر فرمایا ہاں اگر حاکم کو اس کا علم نہ ہوتا اور تم پہلے کہتے تو مالک مال کو کہہ کر معاملہ رفع دفع کیا جاسکتا تھا۔

ازالۂ توہم چونکہ قصاص اور حدود میں فرق ہے اس لئے قصاص میں سفارش جائز ہے اس لئے کہ اس کے متعلق فضائل وارد ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زبان کے صدقہ سے اور کوئی چیز افضل نہیں عرض کی گئی کہ زبان کا صدقہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی سفارش کہ جس سے کسی کا خون بچ جائے اور اُس سے دوسرے کو فائدہ پہنچے۔ اور کوئی بندہ خدا نقصان سے محفوظ ہو جائے۔ یہ حدیث شریف امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

فائدہ حدیث شریف کی فصاحت قابل ستائش ہے کہ انسان کی تھوڑی سی بات سے ایک بندہ خدا کو دنیاوی یا اُخروی منافع بے شمار حاصل ہوئے (یعنی قصاص معاف کرنے والے کو) اور دوسرے کو جان کی نصیب ہوئی اور بہت بڑے نقصان سے بچ گیا۔ (یعنی قاتل)

فائدہ فتوحات مکیہ شریف کے وصایا میں ہے کہ "جب کسی کی سفارش کرو تو اُس سے ہدیہ مت قبول کرو۔ اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے بھی سُود (ربا) میں شامل فرمایا ہے۔

حکایت حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ عرب میں کسی صاحب نے مجھے دعوت طعام پیش کی۔ میں نے قبول کی اور اُس کے گھر حاضر ہوگیا۔ جب اُس نے بہترین اور پُرتکلف دعوت تیار کرکے میرے پیش کی۔ میں کھانے کو تیار ہوا تو اُس نے عرض کی کہ مجھے فلاں بادشاہ سے کام ہے براہِ کرم آپ میری سفارش فرمائیں۔ وہ بادشاہ میری بات کو نہیں ٹالتا تھا۔ میں نے فوراً طعام سے ہاتھ اُٹھا لیا اور اس سے وعدہ کیا کہ میں تیری سفارش کروں گا چنانچہ جاتے ہی بادشاہ سے اس شخص کے لئے کہا۔ بادشاہ نے اس کا کام کردیا جتنے اس شخص کے حقوق تھے اس نے تمام پُورے کردیئے لیکن یاد ہے کہ مذکورہ بالا حدیث شریف اس وقت میری نظر سے نہیں گذری تھی۔ میں نے صرف اپنی فطرت کے پیشِ نظر داعی کا طعام نہ کھایا۔ اور سمجھا کہ جسے میرے ہاں کام ہے تو یہ مروت کے خلاف ہے کہ میں اس سے کوئی فائدہ اٹھاؤں لیکن میرا ایسا کرنا مبنی بر فضلِ ربانی تھا۔

سبق مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ غرض انسان کے لئے صاحبِ حقوق سے سفارش کرے بلکہ اور یہ بھی حقوق اسلام میں داخل ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے عزت اور مرتبہ وجاہ بخشا ہوا ور اس کی بات مانی جاتی ہو تو وہ صاحبِ غرض کے لئے سفارش کرے بلکہ حتی المقدور ضرورتمند کی ضرورت پُورا کرنے کے لئے جدوجہد کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

① گر از حق نہ توفیق خیرے رسد
کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

② امیداست ازانا نکہ طاعت کنند
کہ بے طاعتاں را شفاعت کنند

ترجمہ: ① اگر اللہ تعالیٰ سے توفیق نہ ہوتی تو بندے سے کب غیر کو خیر پہنچتی۔
② طاعت گذاروں سے اُمید ہے کہ طاعت نہ کرنے والوں کی سفارش کریں گے۔

مسئلہ یہ بھی شفاعت حسنہ میں سے ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے دُعا مانگے اس لئے کہ وہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں سفارش کر رہا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے پھر فرشتہ دعا مانگنے والے کو کہتا ہے کہ تجھے بھی وہی نصیب ہوگا جو تو اپنے مسلمان بھائی کے لئے مانگ رہا ہے۔

مسئلہ ایسے ہی اسے گناہ ہوتا ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے بددعا کرتا ہے۔

نکتہ غائبانہ دعا اس لئے مستجاب ہوتی ہے کہ وہ دعا طمع لالچ اور ریا سے پاک ہے بخلاف اس دعا کے جو اپنے بھائی مسلم کے سامنے مانگی جائے کہ اسمیں طمع لالچ اور ریا کا شائبہ ہے اور غائبانہ تو صرف رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر دعا مانگی جاتی ہے اس لئے مقبول ہوتی ہے۔

مسئلہ نماز میں یا ویسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کا تحفہ غائبانہ دعا کے مشابہ ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے امت کا درود و سلام کا حکم فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے بھی امر فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔ تاکہ اس دعا کا بہترین صلہ بندے کی طرف لوٹے۔

نکتہ احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ہدیہ (فاتحہ) کا فتویٰ دیا ہے تاکہ امتی کو دعا نبوی کا بہترین صلہ نصیب ہو۔

سوال امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پیروکار فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی روح اقدس کے لئے فاتحہ دلانا ناجائز ہے اس لئے کہ اسمیں اُن کی شانِ اقدس کی بے ادبی کا شائبہ ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کے حق میں" رحمت کی دعا کا اطلاق نہیں ہوتا یعنی انہیں رحمۃ اللہ علیہ نہیں کہا جاتا بلکہ علیہ السلام کہا جاتا ہے ؟

جواب جب ہم نے پہلے عرض کر دیا کہ دعا کرنے والے یا ہدیہ فاتحہ پیش کرنے والے کا ثواب اُس دعا گو یا ہدیہ پیش کرنے والے کو واپس لوٹتا ہے پھر اس میں کونسا حرج ہے۔

وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ۵ (اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے) اور بھلائی و برائی کی سزا دے سکتا ہے۔ مُقِیْتًا۔ اَقَاتَ عَلَی الشَّیْءِ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی کسی شے پر قدرت رکھتا ہو۔ یا مُقِیْتٌ یا شَہِیْدٌ یا حَفِیْظٌ کے معنیٰ میں ہے۔

فائدہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اسماء حسنیٰ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

(۱) مُقِیْتٌ بمعنے خالِقِ الاَقْوَاتِ ہے یعنی روزی پیدا کرنے والا پھر اسے ابدان کی طرف پہنچانے والا یعنی انہیں طعام سے نوازنے والا اور دلوں کو معرفت سے منور فرمانے والا، اس اعتبار سے مقیت بمعنے رزاق ہوگا ہاں

رزاق "مُقِیتٌ" سے اعم ہے اس لئے کہ رزق قوت وغیر قوت ہر دونوں کو شامل ہے۔

فائدہ قُوۡتٌ اُس شے کو کہتے ہیں جو قوام بدن کے لئے مکتفی ہو۔

مُقِیتٌ بمعنے کسی شے پر قدرت یا غلبہ پانے والا

فائدہ یاد رہے کہ شے پر قدرت پانے کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب اُس پر پورے طور غلبہ اور اس کا مکمل طور علم بھی ہو اس پر وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا دلالت کرتا ہے اس معنے پر مقیت بمعنے مطلع اور قادر کے ہوگا اس اعتبار سے مقیت کا رجوع علم وقدرت کی طرف ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ مقیت کو صرف قادر کے معنے میں لینے سے یہی معنے زیادہ موزوں ہے کہ اس میں قدرت کی صفت بھی پائی جاتی ہے اور علم کا وصف بھی اس سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جو کہا جاتا ہے کہ مُقِیتٌ اگر قادر کے معنے میں ہے تو اس سے اسمائے الٰہیہ میں ترادف پیدا ہوگیا اور اسمائے الٰہیہ میں ترادف نامناسب ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جس نے کسی دوسرے کے ساتھ بھلائی کی تو وہ بھلائی اُسے بھی نصیب ہوگی اس لئے کہ بھلائی کا قاعدہ ہے کہ وہ جانبین کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اسی طرح جو کسی دوسرے کو بُرائی پہنچاتا ہے تو وہی بُرائی اُسے بھی نہیں چھوڑے گی اس لئے کہ برائی کرنے والے کو برائی سے بھی حصہ نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا کہ والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لا یخرج الا نکدا (جو پاکیزہ شہر ہوتا ہے اُس کی زمین سے بہترین انگوری نہایت ہی بہترین نمودار ہوتی ہے اور جو گندگی سے پُر ہے اُس سے بمشکل چند دانے خارج ہوتے ہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ (اور اللہ تعالیٰ ازل سے ہے) عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا (ہر شے پر قادر ہے اور اسے اچھے اور بُرے کی پیدائش کا علم تھا) اسے ہر طرح کی قدرت ہے اور سب کو خوب جانتا ہے اور ہر ایک کا نگہبان ہے اور ہر ایک میں نیکی اور برائی کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کی ایسی استعداد کو کوئی بھی تبدیل نہیں کرتا (اسے پوری طور یاد کرلے) حضرت حافظ شیرازی رحمہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

نقش مستورے و مستی نہ بدست من و تُست

آنچہ استاد ازل گفت بکن آں کردم

ترجمہ: نقش مستوری و مستی کا نہ میرے ہاتھ میں ہے نہ تیرے ہاتھ میں جو کچھ مالک ازل نے فرمایا کہ یہ کر وہی میں نے کیا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست

نگاریدۂ دست تقدیر اوست

ترجمہ: تیری صورت حال بری ہے یا اچھی اسی کی تقدیر کے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ (اور جب تمہیں السلام علیکم کہا جائے)۔ التَّحِيَّةُ حيّی کا مصدر ہے جیسے تسمیۃ سمّی کا۔ دراصل تحیۃ "تحییۃ" تھا بروزن تفعِلَۃ اور اس مصدر کا اصلی لفظ تحییی (تین یاؤں کے ساتھ) تھا۔ اس میں آخری یا حذف کرکے اس کے عوض تا تانیث لائی گئی۔ پھر پہلی یاء کو دوسری یا میں ادغام کیا گیا لیکن اس کی حرکت نقل کرکے ماقبل (حا) کو دی گئی ہے۔

فائدہ تحیۃ دراصل درازیٔ عمر کی دعا کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ بعد ازاں ہر دعا میں مستعمل ہونے لگا۔ اس لئے کہ ہر نیک دعا درازیٔ عمر کی قوت و کمال کا سبب بن جاتی ہے۔ یا اس دعا سے ہی اصلی مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

شان نزول اہل عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملاقی ہوتے تو کہتے حَيَّاكَ اللهُ (یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تادیر زندہ رکھے اور تیری عمر میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے) اور بعض کہتے عِشْ أَلْفَ سَنَةٍ (خدا کرے تم ہزار سال زندہ رہو) شریعت مطہرہ نے ان تمام الفاظ کو ترک کرکے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پہ فرمایا۔ فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ (اپنے بھائیوں کو السلام علیکم کہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں سلامتی نصیب ہو گی۔

مسئلہ نصاریٰ کا سلام منہ پر ہاتھ رکھنے سے ہوتا تھا اور یہودیوں کا انگلیوں کے اشارہ سے اور مجوسیوں کا سر جھکا کر۔

سوال اسلامی سلام کو عرب کے سلام پر فوقیت اور ترجیح کیوں۔ حالانکہ وہ بھی سلامتی کی دعا مانگتے تھے اور تم بھی السلام علیکم کہہ کر سلامتی کی دعا کرتے ہو۔ اس طرح سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے؟

جواب ① اسلامی سلام میں دینی اور دنیوی ہر دونوں کی آفات و بلیّات سے حفاظت کی دعا مانگی جاتی ہے اس لئے کہ جب کوئی کسی کو کہتا ہے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" تو وہ گویا اس کے لئے دارین کی بہبودی کا طلب گار ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ میں تجھے اپنی طرف سے سلامتی کی ضمانت دیتا ہوں اور تجھ سے سلامتی کا ذمہ لیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ وعدہ کرلو کہ تم مجھے ہر طرح کی امن و سلامتی سے نوازو گے اور یہ دعا درازیٔ عمر کو بھی مستلزم ہے اور اگر صرف درازیٔ عمر کی دعا مانگی جائے جیسے اہل عرب کے سلام میں ہے تو پھر مذکورہ بالا لوازمات اسمیں نہیں ملتے۔ بنا بریں اسلامی سلام کو عرب کے سلام پر فوقیت حاصل ہوئی۔

جواب ② اسلامی سلام کے اول میں لفظ اَلسَّلَامُ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک بھی ہے اور ظاہر ہے کہ جس امر کی ابتداً اللہ تعالیٰ کے اسم مقدس سے ہو تو وہ باقی جملہ امور سے فضیلت رکھتا ہے۔ اب آیت کا معنےٰ یوں ہوا کہ جب تمہارے اوپر اہل ایمان کی طرف سے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہا جائے فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا (تو تم اس کے جواب میں احسن طریق سے سلام کا جواب دو) مثلاً کہو "وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ" یہ اس وقت ہے جب وہ صرف اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہے

اگر وہ بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہو۔ خلاصہ یہ کہ تمہارے جواب میں "السلام" کا لفظ ضرور ہو اس لئے کہ یہ لفظ جمیع فنون مطالب کا جامع ہے یعنی اس میں جمیع آفات و بلیات سے حفاظت اور سلامتی کا پہلو پایا جاتا ہے اور اسمیں منافع ہی منافع ہیں اور مقاصد کا حصول بھی۔ یہی نکتہ ہے التحیات میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہنے کا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ والسلام نے فرمایا کہ جو تم میں کسی کو اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہتا ہے تو اس کے عملنامہ میں بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو اس کے آگے وبرکاتہ کا اضافہ کرتا ہے تو اسے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

مسئلہ جو سلام میں پہل کرتا ہے تو وہ چاہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ" کہے چاہے سلام علیکم اس لئے کہ یہ لفظ تعریف و تنکیر کے ساتھ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتبع الھدیٰ اور فرمایا سلام عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ لیکن تنکیر کے ساتھ بکثرت وارد ہوا ہے لیکن جائز ہر دونوں طرح ہے۔

مسئلہ نماز سے فراغت کے وقت اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ یعنی معرف باللام کہنا ضروری ہے اور اسمیں تمام فقہا کرام کا اتفاق ہے۔

نکتہ جمع کا صیغہ اس لئے ہے کہ جیسے وہ ایک مرد کو سلام کہہ رہا ہے ایسے اُن دو فرشتوں پر بھی سلام مطلوب ہے جو اس کے کراماً کاتبین دائیں بائیں مونڈھے پر بیٹھے ہیں۔ پھر جب وہ فرشتوں کو السلام علیکم کہتا ہے تو وہ فرشتے بھی اسے سلام کا جواب دیتے ہیں اور ظاہر ہے جس پر ملائکہ السلام علیکم کہیں تو وہ عذاب الٰہی سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔

اَوْ رُدُّوْهَا (یا تم اس کی مثل جواب دو)۔

سوال تم نے مثل کا اضافہ کیوں کیا؟

جواب بعینہٖ اس سلام کا جواب تو محال ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اُس کی مثل جواب دیا جائے اور مضاف کا حذف کرنا قرآن مجید میں مثلاً وَاسْئَلِ الْقَرْیَةَ ای اھل القریة بکثرت ہے۔

فائدہ کشاف میں لکھتے ہیں کہ سلام کا جواب دینا گویا السلام علیکم کے کہنے والے کے قول کو مکرراً کہا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا وَعلیك السلام ورحمة الله دوسرا حاضر ہوا تو اُس نے عرض کی السلام علیك ورحمة الله آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا وعلیك السلام ورحمة الله وَبَرَكَاتُهٗ تیسرا حاضر ہوا اس نے عرض کی السلام علیك ورحمة الله وبركاته آپ نے اس کے اس کے جواب میں صرف فرمایا وَعَلَیْكَ اُس نے عرض کی حضور! یہ کیا ماجرا ہے کہ دوسرے جو کچھ عرض کرتے ہیں آپ اس پر اضافہ کر کے جواب دیتے اور آپ نے میرے لئے صرف وعلیك فرمایا ہے حالانکہ قرآن مجید میں احسن رد کا حکم ہے۔

آپ نے فرمایا کہ تو نے میرے لئے آگے کی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی اس کا یہی مطلب ہے حضور علیہ السلام کا وَعَلَیْكَ کہنا گویا یونہی ہوا کہ آپ نے فرمایا وَعَلَیْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ اس سے ثابت ہوا کہ السلام عَلَیْكُمْ کے کہنے پر اُس کی مثل جواب دینا چاہیئے۔

مسئلہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

سوال اگر سلام کا جواب دینا واجب ہے تو اَوْ رُدُّوْهَا میں اَوْ کیوں لایا گیا ہے جس میں تخییر کی طرف اشارہ ہے اور تخییر میں وجوب نہیں ہوتا۔

جواب اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ میں مطلقاً جواب دینا تو واجب ہے اُس کے بعد کے الفاظ میں جواب دینے والے کو اختیار ہے خواہ آگے اضافہ شدہ الفاظ کہے یا نہ۔

مسئلہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کوئی کسی کو کہے کہ فلاں کو میرا سلام پہنچا دینا تو اُسے اُس کا سلام پہنچانا واجب ہے۔

مسئلہ خطوط میں جو السلام علیکم لکھا جاتا ہے اس کا جواب بھی دینا واجب ہے یہ دونوں مسئلے اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں۔[1]

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا۔ یہاں پر الحسیب بمعنے المحاسب علی العمل ہے جیسے الجلیس بمعنے المجالس۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کا محاسب ہے۔ خصوصاً سلام کا جواب دینا وغیرہ کہ سلام کا جواب سلام کے مماثل دیتے ہو یا اس سے احسن طریق پر تمہارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ تمہارا محاسبہ کر کے تمہیں جزا عنایت فرمائے گا۔ فلہٰذا تمہیں چاہیئے کہ تم تحیات کی نگرانی کرو انہیں ویسے ہی ادا کرو جیسے تمہیں حکم ہے۔

مسائل السلام

1. جمہور کا مذہب ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہنا سنت ہے۔
2. سوار پیدل کو۔
3. گھوڑے کا سوار گدھے کے سوار کو۔
4. چھوٹا بڑے کو۔
5. تھوڑے افراد کثیر لوگوں کو۔
6. چھوٹے بچوں کو بھی اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہنا جائز ہے بلکہ یہی افضل ہے بُستان میں ہے کہ یہی

---

[1] اعلیحضرت سیدی شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ ہر خط پڑھتے وقت ابتداً سلام کے جواب میں فوراً وعلیکم السلام پڑھ لیتے۔ ۱۲ (اُویسی غفرلہٗ)

ہمارا مذہب اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

⑦ جب گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو کہے السلام علیکم۔

⑧ گھر میں داخل ہو اور وہاں پر کوئی بھی نہ ہو تو کہے السلام عَلَینا وعلی عباد الصالحین اس کے جواب میں ملائکہ کرام وعلیکم السلام کہتے ہیں۔

⑨ جب کسی مجلس اہل اسلام میں داخل ہو تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔

⑩ جب اُن سے اُٹھ کر جائے تو بھی السلام علیکم کہے۔ جو شخص ایسے کرتا ہے تو وہ بھی اُن کے اس عمل خیر میں شریک سمجھا جائے گا جو اس کے چلے جانے کے بعد کرتے رہیں گے۔

⑪ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غیر محارم نوجوان عورتوں کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ نہ کہا جائے اس لئے کہ اُن سے گفتگو سے شرِ شیطان اور خیانتِ نفس کا خطرہ ہے۔

⑫ محارم اور بوڑھوں کو السلام علیکم جائز ہے۔

⑬ مسلمانوں میں سے واقف اور غیر واقف سب کو السلام علیکم کہے۔

⑭ جو کسی کھیل مثلاً تاش شطرنج نرد وغیرہ میں مشغول ہو اُس کو السلام علیکم نہ کہے۔

⑮ سرود و گانے والے

⑯ قضائے حاجات پھرنے والے۔

⑰ نہانے والے جب جسم پر پانی ڈال رہا ہو۔

⑱ ننگا نہلانے والے (اگرچہ غسل خانہ وغیرہ میں بھی ہو) کو السلام علیکم نہ کہے۔

فائدہ ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ غسل خانے میں ننگے نہلنے والوں کو السلام علیکم کہنا روا نہیں ہاں کپڑا باندھے ہوں تو جائز ہے اس لئے کہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ گناہوں میں مشغول اشخاص کو السلام علیکم کہنا ناروا ہے لیکن حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم شریف میں لکھا ہے کہ حمام میں داخل ہوتے وقت کسی کو السلام علیکم نہ کہے اگر کوئی السلام علیکم کہے تو اُس کا وعلیکم السلام سے جواب دینا اُس کو واجب نہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ خاموش رہے۔ اگر جواب دینا مناسب سمجھتا ہے تو لفظ السلام سے نہیں بلکہ کوئی اور کلمہ کہے۔ مثلاً عافاکَ اللہُ اللہ تعالیٰ تجھے بسلامت رکھے۔

⑲ حمام میں داخل ہوتے وقت ابتداً عافاک اللہ کہہ دے تو بھی جائز ہے۔

⑳ خطبہ۔

㉑ تلاوتِ قرآن مجید کے وقت جب بالجہر تلاوت کر رہا ہو۔

㉒ حدیث شریف کی روایت کے وقت۔

(۲۳) تعلیم و تدریس کے وقت۔

(۲۴) اذان کہتے ہوئے۔

(۲۵) اقامت پڑھتے ہوئے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔

(۲۶) قاضی یعنی حاکم وقت مدعی اور مدعی علیہ کے سلام کا جواب بھی نہ دے۔

(۲۷) نہ ہی اُن کو خود السلام علیکم کہے یہ اس وقت ہے جب اُن کے فیصلے کے لئے کرسئ فیصلہ پر ہو تاکہ ہیبت اور جاہ و جلال بحال رہے۔

(۲۸) یہ رسم عام چل نکلی ہے کہ حکام (آفیسران) جب کمرہ عدالت میں داخل ہوتے ہیں تو وہ کسی کو السلام علیکم نہیں کہتے ان کا اس طرح کرنا جائز ہے۔

(۲۹) تھانیدار یا اس طرح کا کوئی اور افسر بازار میں جاتے ہوئے عوام کو السلام علیکم نہ کہے تو جائز ہے تاکہ اس کی ہیبت میں کوئی فرق نہ آئے۔ لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حکام و آفیسران کو السلام علیکم ہر حال میں کہنا چاہیئے اس لئے کہ السلام علیکم کہنا سنت ہے اور کسی مصلحت کے تحت ترک سنت مناسب نہیں۔

(۳۰) جب گداگر کوئی صدقہ لینے آئے اور صدقہ دینے والے کو السلام علیکم کہے تو صدقہ دینے والے کو اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔

(۳۱) جو شخص اوراد و وظائف قرآنی وغیرہ میں مشغول ہے اس وقت کوئی اس کو السلام علیکم کہے تو اس کا اُسے جواب دینا ضروری نہیں۔

(۳۲) جو شخص مسجد میں تسبیح پڑھ رہا ہے یا قرآن مجید پڑھ رہا ہے یا نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے تو اُسے کسی کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔

(۳۳) جب کوئی زائر مسجد میں داخل ہو اُس کے بعد کوئی اور آکر اُسے السلام علیکم کہے تو اُسے اس کا جواب دینا جائز ہے۔

(۳۴) جب مسجد میں داخل ہو اور وہاں سوائے نماز میں مشغول ہونے والے اور کوئی نہیں تو کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین السلام علیکم نہ کہے اس لئے کہ نمازی نماز میں مشغول ہے اسے اُس کا جواب دینا اگرچہ ضروری نہیں لیکن فراغت کے بعد ضروری ہے تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ اسے نماز کے بعد جواب دینا یاد نہ رہے یا اسے کوئی اور ضروری کام ہو وغیرہ وغیرہ) یہی وجہ ہے کہ ایسے نمازی کو سلام کا جواب دینا ضروری نہیں نہ نماز کے بعد نہ نماز میں۔ اور یہی صحیح مذہب ہے۔

(۳۵) ذمی (کافر وغیرہ) کو ابتداً السلام علیکم کہنا ناجائز ہے۔ ہاں شدید ضرورت کے تحت یا اس سے

کوئی کام نکلوانا ہے تو جائز ہے (لیکن تقویٰ کے خلاف ہے)۔

مسئلہ کافرو ذمی وغیرہ کے لئے دنیوی امور کی دعا مانگنا جائز ہے اسی لئے حضرت ابن الملک نے فرمایا کہ ذمی وغیرہ کے بدلے میں دنیوی دعا مانگنا میں کوئی حرج نہیں۔

معجزہ نبوی اور اختیار مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک یہودی نے اونٹنی کا دودھ پلایا تو آپ نے اس کے لئے فرمایا اَللّٰهُمَّ جَمِّلْهُ (اے اللہ تعالیٰ اسے حسین وجمیل بنا) آپ کی دعا کی برکت سے اس یہودی کے ستر سال تک بال سیاہ رہے (اور نہایت تروتازہ اور خوشنما نوجوان سا رہا)۔

مسئلہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہودی ودیگر اہل کتاب کے ساتھ سلام کی ابتدا حرام ہے اس لئے کہ السلام علیکم ایک اعزاز ہے اور کفار کا احترام اور اعزاز حرام ہے۔

(۴۶) حضرت علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مبتدع کو بھی ابتداً السلام علیکم نہ کہا جائے۔

(۴۷) اگر کسی غیر واقف کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ تو بدمذہب ہے تو کہے اِسْتَرْجَعْتُ سَلَامِيْ۔ میں اپنا سلام واپس کرتا ہوں تاکہ عوام کی نظروں میں اس کی تحقیر نہ ہو[1]

مسئلہ کافر کے ساتھ کھانا پینا صرف ایک دو دفعہ تالیف قلب کے لئے جائز ہے تاکہ وہ ہمارے ایسے خلق سے اسلام قبول کرلے لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے (نصاب الاحتساب)

مسئلہ جب کوئی مسلمان کسی ذمی کو اپنی بیع وشرا میں شریک بنالے۔ کیا اس مسلمان سے احتساب جائز ہے لیکن شرکت معاوضہ تو مسلمان اور ذمی کے مابین بالکل ناجائز ہے اس شرکت میں احتساب تصرف فاسد کو دفع کرنے کی غرض پر ہوگا اور شرکت عنان تو ویسے بھی مسلم وکافر کے مابین مکروہ ہے۔ (شرح طحاوی)

مسئلہ ذمی جب کسی مسلمان کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہے تو اس کے جواب میں مسلمان صرف عَلَيْكَ (واو کے بغیر) کہے۔ معتبر علمائے کرام کے نزدیک یہی صحیح ہے یا کہے عَلَيْكَ مثلہ ''کشف میں لکھتے ہیں کہ یہودی کے جواب میں وَعَلَيْكَ (واو کے ساتھ نہ کہنا چاہیئے اس لئے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم پر کوئی یہودی **السلام علیکم** کہتا ہے تو وہ چالاکی سے ''السام علیکم'' کہہ جاتا ہے جس کا معنیٰ ہوتا ہے خدا کرے تم مرجاؤ'' تو تم اس کے جواب میں صرف کہو ''عَلَيْكَ'' یعنی خدا کرے وہی تمہارا کیا ہوا تمہارے لئے ہو۔

---

[1] دور حاضرہ کے صلح کلی غور فرمائیں کہ ہم حق بجانب ہیں یا نہ جبکہ ہم اہلسنت بدمذہبوں کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنے اور ان کے سلام کے جواب دینے کے روادار نہیں ۱۲ فاعتبروا یا اولی الابصار (تفصیل فقیر کے رسالہ اسلامی سلام میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

حکایت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں ایک یہودی کا گروہ حاضر ہوا اور عرض کی کہ السام علیکم یا اباالقاسم آپ نے فرمایا "علیکم" بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہودیوں کو کہا۔ بل علیکم السام والذام حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عائشہ ایسا سخت کلام اور ترش جواب دینا ناموزوں ہو۔ اگرچہ کوئی دشمن بھی کیوں نہ ہو۔ بی بی نے عرض کی حضور! آپ نے نہیں سنا انہوں نے آپ کو کہا السام علیکم آپ نے فرمایا تو میں نے بھی انہیں ویسا ہی جواب دیا یعنی علیکم۔ لیکن یاد رہے کہ میری دُعا مستجاب ہوگئی اور اُن کی دُعا ان کے منہ پر ماری گئی۔

مسئلہ السلام علیکم کو بالجہر کہنا سنت ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سلام کی سنت کو پھیلاؤ۔

مسئلہ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ سلام کے جواب میں جہر نہ ہو۔ ان کا یہ مطلب ہے سلام میں خواہ مخواہ زور نہ لگایا جائے کہ سننے والے کو ناگوار گذرے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک مولوی صاحب کے ہاں ایک سیاح حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم۔ مولوی صاحب نے اُس کا جواب تو دیا لیکن دھیمی آواز سے۔ اُس کے بعد دولتمند حاضر ہوا۔ اُس نے السلام علیکم کہا تو مولوی صاحب نے اسے بلند آواز سے جواب دیا۔ سیاح کو یہ بات ناگوار گذری۔ اُس نے مولوی صاحب کو ٹوکتے ہوئے کہا کہ مولوی صاحب فرمایئے سلام کتنے طریق سے دیا جاتا ہے مولوی صاحب نے فرمایا صرف ایک طریقہ سے۔ پھر اُس نے کہا کہ میں نے تو آپ کے ہاں دو طریقے دیکھے۔ غریبوں کو اور طرح اور امیروں کو دوسرے طور۔ اس سے مولوی صاحب شرمندہ ہوئے اس کے بعد اُس نے سوال کیا کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ میں اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا کہ جس کی بنا سنت پر نہیں رکھی گئی۔ اس کے بعد تمہارے اس گھر میں داخل ہو تو کیا وہ شخص اپنی قسم میں حانث ہوگا یا نہیں۔ چونکہ سیاح کی باتوں سے مولوی صاحب مرعوب ہوچکے تھے اس پر خاموش رہے۔ اس کے بعد مولوی صاحب کے شاگردوں نے سیاح سے کہا یہاں سے چلے جایئے۔ آپ نے ہمارا وقت ضائع کر دیا۔ سیاح نے فرمایا تمہاری اور تمہارے استاذ کی مثال ان گمراہ لوگوں کی ہے کہ ایک گم کردہ راہ اپنی منزل کا پتہ دوسرے گمراہ سے پوچھے۔ تمہارا یہ استاذ خود گمراہ ہے تمہاری کیا رہبری کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ سیاح باہر نکل گیا۔ (روضۃ العلما)۔

حضرت صائب فرماتے ہیں ؎

زبے درداں علاج درخود جستن بآں ماند
کہ خار از پا بروں آرد کسے بانیش عقربہا

ترجمہ: بے دردوں سے درد کا علاج چاہنا ایسے ہے جیسے بچھو کے نیش سے کانٹا نکالا جائے۔

یہ تمام بیان حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا (یعنی احیاء العلوم سے یہ مضمون لیا گیا ہے۔

مسئلہ کسی گورستان سے گذر ہو تو کہے وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِمَ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْکُمْ وَالْمُسْتَاخِرِیْنَ مِنَّا اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَاقِبَۃَ " اے مسلمانو! مومنو ویرانے گھر میں رہنے والے تم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے تم سے بعض یہاں دنیا سے پہلے جدا ہوئے اور بعض بعد کو ہم بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں آکر ملیں گے۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے حُسنِ انجام کا عرض کرتے ہیں۔

ثبوت سماع موتیٰ از حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی قبر سے گزرتا ہے تو جس قبر والے کو السلام علیکم کہا جائے تو وہ اگر دنیا میں تمہارا واقف کار تھا تو وہ تمہیں پہچان کر تمہارے سلام کا جواب دیتا ہے۔

فائدہ ابن السید ملی شرح شرعہ میں فرماتے ہیں کہ اُس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سلام کا جواب زبانِ حال سے دیتا ہے نہ کہ زبانِ قال سے اس کی تائید اُن احادیث و آثار سے ہوتی ہے کہ جن میں وارد ہوا کہ قبر سے جب کوئی گذرتا ہے تو قبر والا اسے دیکھ کر افسوس کے ہاتھ ملتا ہے کہ ہائے ہم اعمال صالحہ کمانے سے محروم ہیں یہاں تک کہ وہ السلام علیکم کہنے اور اس کے ثواب کے حصول سے ترستے ہیں۔

علم وسماع موتیٰ کی بہترین دلیل

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ احادیث و آثار اس پر شاہد ہیں کہ قبر کے اندر مُردہ باہر سے آنے والے زائر جب اُس کی قبر کے قریب آتا ہے اکو جانتا ہے اور اُس کے کلام کو سنتا ہے اور اُس سے اُنس پاتا ہے اور یہ صرف شہداء سے مخصوص نہیں ہر مُردہ کے لئے ہے جس نے اُسے صرف شہدا سے مخصوص کیا ہے وہ غلطی پر ہے اور یہی مذہب صحیح تر ہے۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی اُمّت کو اموات کو ایسے " اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ " کا حکم فرمایا ہے جو ذی سماع و ذی عقل کو کہا جاتا ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک اور حاضر وناظر اور علم غیب کلی کی بہترین تقریر

ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ روح کے بدن کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے کہ (بعض) قبر والے قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حالانکہ رُوح علیین میں سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہے ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ ارواح اور ابدان کے حالات جُدا جُدا ہیں۔ یہاں غلطی اس لئے پیدا ہو جاتی ہے (جیسے نجدیوں وہابیوں وغیرہ کو ہوئی) کہ غائب کو حاضر پر قیاس کر لیا جاتا ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ رُوح بھی بدن کی طرح ہے جب بدن ایک مکان میں ہو

تو دوسرے میں نہیں ہو سکتا۔ بعض حضرات نے اس کی مثال سُورج سے دی ہے کہ وہ آسمان میں ہے اور اُس کی شعاعیں زمین پر ہوتی ہیں جیسے کہ رُوحِ محمدی کی طرف سے ہمیشہ اس شخص کو جواب ملتا ہے جو آپکی قبرِ انور کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے حالانکہ آپ کی روحِ انور یقیناً اعلیٰ علیین میں ہے اور آپ اپنی قبرِ انور میں تشریف فرما ہوتے ہیں جیسے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری رُوح کو رد فرما دیا ہوتا ہے اس لئے میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اعتراض اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ آپ کو بار بار زندگی دی جائے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم برزخ میں زندہ ہیں کیونکہ یہ عادتاً محال ہے کہ کائنات میں دن رات میں کسی وقت کوئی بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ سلام بھیجنے والا نہ ہو لہٰذا ردّ اللہ علی روحی کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برزخ میں حسی حیاۃ کا شعوُر بولنے اور سُننے کی قوت باقی رکھتا ہے۔ لہٰذا حسی اور شعور کلی رُوحِ محمدی سے جدا نہیں ہوتا آپ حِسّ اور کائنات سے غائب نہیں ہوتے کیونکہ آپ کائنات کی روح اور سرّ ہیں۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے حضور نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں لکھا ہے۔

(۱) خواجہ کز ہر چہ گویم پیش بوُد
در ہمہ چیزے ہمہ در پیش بوُد

(۲) وصفِ او در گفت چوں آید مرا
چوں عرق از شرم خوں آید مرا

(۳) او فصیحِ عالم و من لال او
کے توانم داد شرحِ حالِ او

(۴) وصفِ او لائق ایں ناکسی است
واصفِ او خالقِ عالم بس است

(۵) انبیاً از وصفِ تو حیران شُدہ
سر شناساں نیز سرگرداں شُدہ

(۱) ہمارا خواجہ ایسا ہے کہ جو کچھ کہتا ہوں ان کے سامنے ہے کیونکہ وہ تو ہر چیز کے سامنے (حاضر و ناظر) ہیں۔
(۲) ان کی وصف مجھ سے کس طرح بیان ہو سکتی ہے شرم کے مارے مجھ سے پسینہ کی بجائے خون بہتا ہے۔
(۳) وہ جملہ عالم سے فصیح تر ہیں اور میں گونگا ہوں اسلئے ان کے حالات کو کس طرح بیان کر سکتا ہوں۔
(۴) میرے جیسے نا اہل سے ان کی تعریف کب لائق ہے ان کا واصف تو خالق کائنات کافی ہے۔

⑤ جملہ انبیاء آپ کی وصف سے حیران ہیں راز شناس (اولیاء وغیرہم) بھی سرگرداں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب تم کو خیر و شر سے تحیہ ملے تو تم اس کی یوں جزا دو کہ خیر کا بدلہ اس سے بڑھ چڑھ کر ہو اور برائی کے بدلہ حوصلہ اور عفو ہے بلکہ ہو سکے تو الٹا اسے بھلائی سے نوازو (اَوْ رُدُّوْهَا) کا مطلب یہ ہے کہ محسن کے ساتھ احسان کرو اور برے کو برائی پہنچاؤ۔ لیکن اتنا کہ جتنا اس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا اور برائی کی جزا اس کی مثل ہو۔ اور فرمایا وان تعفوا اقرب للتقوی (اور معاف تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

حدیث قدسی شریف حضور علیہ السلام حضرت جبریل علیہ السلام سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" معافی دینے کا طریقہ اپناؤ اور دوسروں پر احسان کرنے اور اور جاہلین سے درگذر کرنے کی عادت بناؤ۔

حدیث حضور علیہ السلام نے فرمایا" اس سے درگذر کرو جو تمہارے ساتھ ظلم کرتا ہے اور صلہ رحمی کرو جو تم سے قطع تعلق کرتا ہے اور جس نے تمہیں کبھی محروم کیا اس کو عطا کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے احسان و مروت اور عفو و دیگر اعمال سے مطلع ہے جو شخص ذرہ برابر نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے۔ (التاویلات نجمیہ)

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اللہ" یہ مبتدا ہے اس کی خبر" لا الہ الا ھو" ہے یعنی زمین و آسمان میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ قسم محذوف کا جواب ہے دراصل عبارت یوں تھی واللہ لیحشرنکم الخ قسم بخدا اللہ تعالیٰ تمہیں قبروں سے اٹھا کر جمع فرمائے گا۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن" قیامت بمعنے قیام ہے اس میں تا مبالغہ کی ہے اس لئے کہ اس روز سخت سے سخت ہولناک حال ہوگا۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ یوم کے لفظ سے حال ہے ای حال کون ذلک الخ یعنی حال یہ ہے کہ اس یوم کے وقوع میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ضرور لا محالہ وہ دن آئے گا۔ یہ لَا رَيْبَ فِيْهِ مصدر محذوف کی صفت ہے کہ اصل عبارت جمعا لا ریب فیہ تھی۔ یعنی مفعول مطلق۔ ہے لَيَجْمَعَنَّكُمْ کا اور اور لَا رَيْبَ فِيْهِ اس جمعا مصدر کی صفت ہے اس تقریر پر لا ریب فیہ کی ضمیر اس جمعا محذوف کی طرف راجع ہوگی۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (اور اللہ تعالیٰ سے کون زیادہ سچا ہے)

مسئلہ امکان کذب کی تردید یہ جملہ انکاریہ ہے یعنی اسمیں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی سچا نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کذب نقص اور عیب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔

حدیث قدسی شریف مع شرح

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بنی آدم نے میری تکذیب کی یعنی وہ میری طرف کذب کی نسبت کرتا ہے اور تکذیب اس کو لائق نہیں بلکہ یہ اُس کی کھُلی عطا ہے اور اس نے مجھے گالی دی۔ عربی میں شتم اس وصف کو کہتے ہیں جس میں نقص اور عیب ہو اور اسے یہ بھی لائق نہیں۔ بندہ کی تکذیب یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبر سے اٹھا کر میدان حشر میں نہیں لائے گا۔ یعنی وہ اللہ کی قدرتِ احیاء و اماتت پر یقین نہیں رکھتا۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ میں نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ پھر میرے لئے دوبارہ لوٹانا کب مشکل ہے بلکہ دوبارہ لوٹانا تو اصل بنیاد سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ یہ بطریق تمثیل کے فرمایا ہے کہ جیسے تمہارے لئے نئی تعمیر سے تعمیر شدہ محل و مکان کو مرمت کرنا آسان ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو سہولت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اُس کے لئے تو ہر شے آسان ہی آسان ہے اور بندے کا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ اولاد کی نسبت کرنا اس لئے گالی ہے کہ اولاد میں کل سے اجزا کو علیحدہ کرنے کا مفہوم ہوتا ہے اور پھر اس میں بڑھنے گھٹنے کی باتیں ہوتی ہے اور یہ باتیں اس میں ہوتی ہیں جو مرکب ہو اور ہر مرکب دوسرے کا محتاج ہوتا ہے بنا بریں یہ لفظ گالی بن گیا کہ اللہ تعالےٰ کو بندے نے محتاج مانا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ واحد ہے یعنی اپنے صفاتِ کمال میں منفرد ہے اسے ہر طرح سے بقا ہے اور وہ منزہ ذات ہے۔ الصمد ہے الصمد بمعنے بے نیاز ہے یعنی وہ ذات کہ تمام حوائج کا مرجع و مقصود وہی ہے اور اللہ وہ ذات ہے کہ اس نے کسی کو نہیں جنا۔ یعنی وہ تشبیہ و تجنیس سے پاک ہے وَلَمْ یُولَد اور وہ کسی سے پیدا نہیں کیا گیا۔ یعنے یہ قدیم اور اولیت پر دلالت کرتا ہے وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ اور اس کا کوئی کفو نہیں۔ یہ جملہ پچھلے تمام مضمون کی تقریر ہے (مشارق الانوار لابن الملک)

فائدہ قیامت تین قسم ہے۔ ① صغریٰ یعنی بندے کی موت اُس کی قیامت ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ (جو مرتا ہے اُس کے لئے قیامت قائم ہوجاتی ہے۔

② وُسطیٰ۔ پہلے صور پھونکنے پر تمام مخلوق کا مرنا۔

③ کُبریٰ۔ میدان محشر میں تمام مخلوق کو اُٹھا کر اسمیں جمع کرنا۔

حضرت مولانا رُوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

① سازد اسرافیل روزے نالہ را
جان دہد پوسیدۂ صد سالہ را

② ہین کہ اسرافیل دقتند اولیاء
مردہ را زیشاں حیاتست و نما

ترجمہ ① ایک دن اسرافیل آواز دیں گے وہ سوسالہ مردہ کو روح بخشیں گے۔

② اولیائے کرام اپنے وقت کے اسرافیل ہیں انہی سے مردگان کو زندگی اور نشوونما ملتی ہے۔

یاد رہے کہ نفس کے صفات مٹانے کے بعد لقا باللہ نصیب ہوتی ہے اور نفس کے صفات مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر خلوص سے کیا جائے۔ پھر جب ذاتِ حق کے اسم کا مشاہدہ ہوگا کہ تمام عالم فانی نظر آئے گا بلکہ اس کا اپنا وجود بھی مٹا ہوا محسوس ہوگا اور اُسے بحرِ توحید میں استغراق حاصل ہوگا جب توحید میں محو ہو جائے گا تو ماسوی اللہ کو گم پائے گا۔ جیسے کوئی شخص پانی میں غوطہ لگاتا ہے تو اسمیں غیر نہیں دیکھتا۔

سبق حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے لیکن اُس کا دل غافل ہو تو اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ جھگڑا کرتا ہے۔

حکایت ایک بزرگ ایک رات بروسہ کے شہر قبولیچہ میں داخل ہوئے تو ایک جگہ دیکھا کہ حوض پر چارپائی ڈالی گئی ہے۔ اس چارپائی پر جنوں کے بادشاہ کی لڑکی بیٹھی ہے اس کے ارد گرد جنات کی کثیر جماعت ہے اُن سے پوچھا کہ اس شہر کے پانی کا کیا حال ہے۔ شہزادی نے اپنی جماعت سے کسی ایک کو بھیجا تو جواب ملا کہ پانی ٹھنڈا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس جگہ کا پانی کیسے ٹھنڈا ہو سکتا ہے حالانکہ اس کا پانی گرم ہونا چاہیئے انہوں نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ ہم ہر ہفتہ یہاں پر اللہ کا نام لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی میں گرمی ہے اور وہ اُلٹا گرمی اور سختی پیدا کرتا ہے کہ لیکن برکات میں کسی قسم کا شک نہیں اور نہ کوئی اس کا انکار کرسکتا ہے بالخصوص ان کی زبانِ اقدس سے جو تزکیہ و تصفیہ کے مالک ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ذکر حق کن بانگ غولا نرا البوز

چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے اُلّو کو جلا دے اس گدھ سے نرگس کی آنکھ سی دے۔

تفسیر صوفیانہ آیت اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازلی ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس کے ساتھ کوئی حامی مددگار نہ تھا کہ اُس نے مخلوق کو عدم سے وجود میں لانے کی مدد کی ہو۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ انہیں قیامت میں دوبارہ عدم کی طرف جمع فرما کر اُن کے گروہ بنائے گا۔

① بہشتی
② دوزخی
③ اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص مقرب ہوں گے۔

لاریب فیہ اس میں کسی طرح بھی شک کی گنجائش نہیں کہ تمہیں انہی منازل و مقامات کی طرف لوٹنا ہے وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچا ہے کہ وہ تمہیں تمہارے دین و دنیا کے مفاد کی باتیں بیان فرمائے۔ اور تمہیں دنیا و آخرت میں نقصان سے مطلع کرے اور سیدھا راہ بتلائے اور ہلاکت سے بچائے (التاویلات نجمیہ)۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ○
وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ
اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ
يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ
فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ○ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا
قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ
السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ
وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○

ترجمہ: تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کے کوتکوں کے سبب کیا یہ چاہتے ہو کہ اُسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو یہ ہرگز اس کے لئے راہ نہ پائیگا وہ تو چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک ہو جاؤ تو ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں پھر اگر وہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو دوست ٹھہراؤ نہ مددگار مگر وہ جو ایسی قوم سے علاقہ رکھتے ہیں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے یا تمہارے پاس یوں آئے کہ ان کے دلوں میں سکت نہ رہی کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں اور اللہ چاہتا تو ضرور انہیں تم پر قابو دیتا تو وہ بے شک تم سے لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور صلح کا پیام ڈالیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہ رکھی اب کچھ اور تم ایسے پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امان میں رہیں جب کبھی ان کی قوم انہیں فساد کی طرف پھیرے تو اس پر اوندھے گرتے ہیں پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح کی گردن نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور یہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں صریح اختیار دیا۔

تفسیر عالمانہ فَمَا لَكُمْ (پس اے مومنو! تمہیں کیا ہوگیا ہے) یہاں بعض مومنین مراد ہیں اور مَا مُبتدا اور لَكُمْ اس کی خبر ہے اور استفہام انکار و نفی کے لئے ہے۔ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ (منافقین کے بارے میں) اس کا متعلق وہی ہے جو لکم کا ہے یعنی کونسا امر واقع ہوگیا ہے۔ تمہارے لئے منافقین کے بارہ میں فِئَتَيْنِ (دو گروہ ہوگئے ہو) یہ لکُمْ کی مجرور ضمیر سے حال ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارا منافقین کے متعلق مختلف ہونا نامونروں ہے اور نہ ہی اس کے جواز پر کوئی دلیل ہے بلکہ ان سے بالکل گفتگو ختم کر دو اس لئے کہ منافقین بھی کافر ہیں اور انہیں کفار کی طرح ہیں جو کھل کر کفر کرتے اور تمہارے ساتھ لڑتے رہتے ہیں۔ منافقین اور کھلے کافر جمیع احکام میں برابر ہیں۔

شان نزول منافقین میں سے ایک گروہ کو مدینہ طیبہ کی ہوا راس نہ آئی اس لئے اجازت چاہی کہ وہ کہیں مدینہ سے دور جنگل میں بسر اوقات کریں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی تو وہ مکہ کے مشرکین کے ساتھ جا ملے۔ اُن کے متعلق مسلمانوں کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک گروہ کہتا کہ وہ اگرچہ مشرکین کے ہاں چلے گئے ہیں لیکن پکے مسلمان دوسرے کہتے کہ وہ چونکہ کفار سے جا ملے ہیں اس لئے وہ پکے کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پچھلے لوگوں کی تائید میں آیت نازل ہوئی۔

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ (اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کوٹا دیا) یہ جملہ المنافقین سے حال ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کفار کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اُن کے اور اُن کے احکام برابر ہوں گے۔ ذلت اور رُسوائی اور قیدی ہونا اور قتل کیا جانا وغیرہ وغیرہ۔

حل لغات الارکاس بمعنے الرد اور الرجوع ہے۔ "رَكَسْتُ الشَّيْءَ وَاَرْكَسْتُهٗ" دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شئ کو کسی طرف لوٹا دے یا کسی شئے کے آخر کو اول کی طرف لوٹایا جائے۔

بِمَا كَسَبُوْا (اُن کے غلط کردار کی وجہ سے) یعنی اُن کا مشرکین کے ہاں مُرتد ہو کر چلے جانے اور حضور سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دھوکہ بازی کرنے کی وجہ سے۔ اَتُرِيْدُوْنَ (کیا تم ارادہ رکھتے ہو) یہ خطاب ان ایمانداروں کو ہے جو ایمان و اسلام میں خالص و مخلص تھے۔ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (یہ کہ انہیں ہدایت دو جنہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا) یعنی تم ان" کو ہدایت یافتہ بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ انہیں زجر و توبیخ ہے جبکہ اُن کا بھی یہی گمان تھا کہ وہ ان منافقوں کو راہِ راست پر لائیں گے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ تم ایسے فعل کی کوشش کر رہے ہو جو بالکل محال ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دروازہ سے ہٹا دیا ہے پھر کیسے امکان ہے کہ وہ ایسے گمراہ کو راہ ہدایت دکھا سکے اس لئے کہ ایسے لوگوں کو مؤمن سمجھنا یا ہدایت یافتہ بنانا وہم و خیال ہے اس لئے کہ وہ ایمان و ہدایت سے کوسوں دُور ہیں۔ اُن کے لئے سعی و ارادۂ ہدایت خام خیالی ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ (اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے) یعنی جس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ گمراہی پیدا کرتا ہے

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (پھر اس کے لئے کوئی راہ نہیں پاؤ گے)۔ یعنی وہ بے راہ رو ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ اسے ہدایت دے سکو۔ یہ خطاب ہر مخاطب کو ہے اس لئے کہ اُن پر ہر طرح سے راستہ نہ پانے کا حکم جاری ہو چکا ہے اور یہ جملہ تُرِيْدُوْنَ یا اَنْ تَهْدُوْا کے فاعل سے حال ہے اور حال وذو الحال کے مابین رابطہ واو حالیہ ہے۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ (وہ آرزو رکھتے ہیں کہ وہ کہیں تمہیں کافر بنا ڈالیں)۔ یہ اُن کے غلو کا اُن کے کفر تک پہنچ جانے کا بیان ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ وہ اُلٹا دوسروں کو کافر بنانے کے درپے ہیں۔ پہلے بتایا گیا کہ وہ منافقین کافر ہیں اور سراپا گمراہی میں غرق ہیں۔ اب بتایا جاتا ہے کہ نہ صرف خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے جیسا بنانے کے سعی لاحاصل میں ہیں۔ یہ لَوْ مصدریہ ہے اسے جواب کی ضرورت نہیں۔ اب مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے کافر ہونے کی آرزو رکھتے ہیں۔ كَمَا كَفَرُوْا (جیسے وہ خود کافر ہوئے) یہ جملہ منصوب ہے اور مصدر محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی كفرًا مِثْلَ كُفْرِهِمْ اور لفظ کما کا ما مصدریہ ہے۔ فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (پھر تم اور وہ کفر میں برابر ہو جاؤ) اس کا عطف تَكْفُرُوْنَ پر ہے اب معنیٰ یہ ہے کہ اُن کی آرزو ہے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ پھر تم اور وہ گمراہی میں برابر ہو جاؤ۔

مسئلہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کسی دوسرے کے لئے کافر ہونے کی آرزو کرتا ہے وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ اندرونی طور کافر ہے اگرچہ وہ لاکھ بار کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اس لئے کہ اس کے اور کفار کے اعتقاد میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں اور یہ انسان کا خاصہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ ہر انسان اُس کا ہم مذہب ہو اور اُس کے دین کو قبول کر لے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے"۔

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ (اُن سے کسی قسم کی دوستی نہ کرو)۔ یعنی جب اُن کا یہ حال ہے کہ وہ تمہیں بھی کافر دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو پھر اُن سے ہر طرح کی یاری اور دوستی ختم کر دو۔ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کریں) یعنی جب تک کہ وہ ہجرت کر کے پکے اور سچے مسلمان نہ ہو جائیں اور اُن کی ہجرت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا کی خاطر ہو۔ اس میں دنیوی غرض کا معمولی سا شائبہ بھی نہ ہو۔

فائدہ سبیل اللہ سے مراد وہ نیک امور ہیں جن کے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بجالانے اور اُن سے رُک جانے کا حکم فرمایا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا (پس اگر وہ اس سے روگردانی کریں) یعنی وہ ایمان جو کہ ہجرت کے ساتھ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سچی محبت وصحبت سے متعلق ہو اسے قبول نہ کریں۔ فَخُذُوْهُمْ (تو پھر انہیں گرفتار کرو)۔

اگر تم ان کی گرفتاری کی طاقت رکھتے ہو۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (اور انہیں قتل کر ڈالو جہاں انہیں پاؤ حل میں ہوں یا حرم شریف میں اس لئے کہ قید اور قتل کرنے کے حکم میں یہ دوسرے مشرکوں اور کافروں کے حکم میں ہیں۔ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (اور نہ ہی انہیں تم کسی معاملہ میں اپنا متولی بناؤ اور نہ ہی حمایتی اور مددگار۔ یعنی اُن سے کُلی طور کنارہ کش ہو جاؤ۔ گویا اُن سے کسی قسم کی یاری اور دوستی اور حمایت قبول نہ کرو۔ اور ہمیشہ یہی دستور قائم کرو۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ جو حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ دنیا اور اہل دنیا سے پورے طور کنارہ کش ہو جائیں بلکہ اُن کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ہر طرح سے بائیکاٹ رکھیں۔ یہاں تک کہ حرص و ہویٰ و شہوت نفسانی اور حُبِّ دنیا کو پورے طور ترک کر کے اُن کے ساتھ طلب حق میں گامزن ہو جائیں۔ اس آیت میں حکم ہے کہ گم گشتگاں کو مؤثر وعظ و نصیحت کرو اور انہیں قتل کرنے کا صوفیہ کرام کے نزدیک یہ معنیٰ ہے کہ شہواتِ نفسانیہ کو یکسر مٹا دو اور ان میں جو بھی صفات نفس پاؤ سب کو ختم کرانے کی جدوجہد کرو۔

تفسیر عالمانہ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (ہاں ان لوگوں کو کچھ نہ کہو جن کا تمہارے اور ان کے مابین معاہدہ ہو چکا ہے)۔ یہ فخذوهم وَاقْتُلُوْهُمْ سے مستثنیٰ ہے جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہوا ہے کہ وہ نہ تمہارے ساتھ لڑیں گے اور نہ تم اُن سے جنگ کرو گے تو انہیں کچھ نہ کہو اس سے قبیلہ اسلمیہ کے لوگ مراد ہیں۔ اس لئے کہ حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت کرتے وقت میں مکہ میں ہلال بن عویمر الاسلمی سے معاہدہ فرمایا کہ نہ ہم تمہاری مدد کریں گے اور نہ ہی تم ہمارے خلاف کفار کے ساتھ مل کر کام کرنا اور جو بھی ہم سے بھاگ کر تمہاری پناہ لے گا ہم اُسے کچھ نہیں کہیں گے اُس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہو گا جو ہلال بن عویمر سے ہو گا۔ اَوْ جَآءُوْكُمْ (یا وہ تمہارے پاس آئیں) اس کا عطف يصلون الخ پر ہے۔ یعنی وہ لوگ جو تمہارے پاس اس معاہدہ کے ماتحت حاضر ہوئے ہیں کہ وہ نہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ ہی اپنی قوم سے لڑیں گے اس کا بھی کفار کو گرفتار اور قتل کرنے سے استثنا کیا گیا ہے اس استثنا میں دو گروہوں کا بیان ہوا ہے۔

① جنگجو کفار کو چھوڑ کر اہل اسلام سے معاہدہ کرنے والوں سے تعلق جوڑنے والے۔
② اہل اسلام کے پاس اس غرض سے آئیں کہ اب وہ ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ (حالانکہ ان کے سینے تنگ ہو چکے ہیں) یہاں لفظ قد محذوف ہے۔ اور یہ جملہ حالیہ ہے۔ دراصل وَقَدْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ تھا۔ اور حصرت الحصر التحتین سے مشتق ہے بمعنے الضیق والانقباض۔ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ (کہ تمہارے ساتھ لڑیں) یعنی اب بہت بڑے تنگ کہ وہ اپنی قوم کی

مدد کے لئے تمہارے ساتھ جنگ کریں اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ یا وہ تمہاری مدد میں اپنی قوم سے لڑیں۔ اس سے بنو مدلج"کا قبیلہ مراد ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ تادم زندگی تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے ادھر انہوں نے قریش سے بھی معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ بھی نہیں لڑیں گے۔

فائدہ اُن کا سینہ اہل اسلام سے اس لئے تنگ تھا کہ اُن سے معاہدہ تھا یا اس لئے کہ لڑنے سے گھبراتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں اہل اسلام کا رُعب ڈال دیا تھا اور اپنی قوم سے اس لئے کہ وہ اُن کی برادری تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے کفار سے جنگ کرنے سے بھی روکا ہے کہ جب وہ معاہدہ کرنے والوں کی پناہ میں آگئے تو وہ گویا انہی کے حکم میں ہیں اسی لئے خون کی حفاظت میں وہ معاہدین کے حکم میں ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ (اور اگر اللہ چاہے تو بنو مدلج کو مسلّط کر دے)۔ عَلَيْكُمْ (تمہارے اُوپر) یا یا بیں طور کہ ان کے دلوں کو مضبوط بنا دے اور اُن کے سینے کھول دے اور تمہارا رعب ان کے دلوں سے نکال دے۔

سوال یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر مسلّط کر دے اور یہاں مسلّط کرنے کا فرما رہا ہے حالانکہ یہ تو اُس کی شان کے خلاف ہے؟

جواب یہ اپنے مقام حق ہے کہ وہ اہل اسلام کو کفار پر غالب رکھنے کے لئے اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب ڈال دیتا ہے۔ لیکن اگر کسی مصلحت کے تحت اگر چاہے تو مسلمانوں پر بطور آزمائش کفّار کو مسلط کر دے تو کوئی حرج نہیں کہ کبھی کفار پر مسلمانوں کا رعب نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کفار اہل اسلام پر غلبہ پا جاتے ہیں اور اُن کے مقابلہ پر ہر وقت تُلے رہتے ہیں تسلط کا مطلب بھی یہی ہے۔

فَلَقٰتَلُوْكُمْ پس وہ اس صورت میں تمہارے مقابلہ میں تُل جائیں اور تمہارے مقابلہ سے انہیں کسی قسم کی گھبراہٹ نہ ہو۔ یہ لام لَوْ کا جواب ہے اور دوبارہ آنے میں میں حرج نہیں کہ بطور عطف کے واقع ہوئی ہے۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ (اگر وہ تم سے علیحدگی اختیار کر کے تمہارے ساتھ لڑائی کا ارادہ نہ رکھیں یعنی اُن کا اگر تمہارے ساتھ لڑائی کا ارادہ نہ ہو باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے اوپر غلبہ رکھتے ہیں وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ (اور تمہارے ساتھ صلح وصفائی بلکہ سر تسلیم خم کریں۔

فَمَا جَعَلَ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ٥ (پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے اُن پر کوئی ایسا ارادہ نہیں) فرمایا کہ انہیں قیدی بناؤ یا قتل کرو۔ اگرچہ وہ اپنی قوم سے نہ لڑیں۔ تب بھی اُن سے جنگ نہ کرو اُن کا تمہارے لئے سر تسلیم خم کر دینا لازم کرتا ہے کہ تم اُن سے نہ لڑو۔ اگرچہ وہ تمہارے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی نہ کریں۔

فائدہ بعض کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے اس کا ناسخ آیت القتال والسیف یعنی اقتلوا المشرکین الخ ہے بعض کے نزدیک آیت منسوخ نہیں اس لئے کہ ہم ایسے لوگوں کو معاہدہ کرنے والے میں شمار کرتے ہیں اس لحاظ سے یہ آیت غیر منسوخہ ہوگی۔

فائدہ حدادی فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے جنگ تو نہ کرنی چاہیئے البتہ اُن سے جزیہ لینا ضروری ہے یہ اس وقت ہے جب اہل اسلام کو اُن پر غلبہ حاصل ہو جب ایسی قوت اہل اسلام کو حاصل نہ ہو تو ضروری ہے کہ اُن کے سر تسلیم خم کا اعتبار نہ کریں اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی مجبوری سے سر تسلیم خم کر رہے ہوں پھر جب وہ مجبوری ختم ہو تو اہل اسلام پر ہلہ بول دیں اور اُن کے اہل و عیال اور آل و اولاد کو نقصان پہنچائیں فلہٰذا ضروری ہے کہ اُن کی اس ٹیڑھی چال کا خاص خیال رکھیں۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ (عنقریب تم ایسی قوم کو پاؤ گے) يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ (اُن کا ارادہ ہوگا کہ کلمہ توحید ظاہر کر کے تمہیں بھی خوش رکھیں۔ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ (اور خوش رکھنا چاہیں گے اپنی قوم کو) اس سے قبیلہ اسد و غطفان کے لوگ مراد ہیں کہ جب وہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو وہ مسلمان ہو کر معاہدہ کیا کہ ہم اسلام سے پورے طور وفاداری کا ثبوت دیں گے لیکن جب واپس مکہ معظمہ پہنچے تو عہد شکنی کر کے کفر کو اختیار کیا تاکہ برادری کے لوگ ناراض نہ ہوں۔

كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ (جب انہیں فتنہ یعنی اہل اسلام سے جنگ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے اُرْكِسُوْا فِيْهَا (تو وہ اُس کی طرف لوٹ آتے ہیں) بلکہ بہت غلط طریقے سے اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہ اس معاملہ میں سخت ترین شرارتی نظر آتے ہیں۔ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ۔ پس اگر وہ تم سے علیحدہ ہو جائیں) یعنی تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کسی وجہ سے رُک جائیں۔ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ (اور تمہارے سامنے سر تسلیم خم بھی نہیں ہوتے) بلکہ صاف لفظوں میں صُلح و صفائی اور معاہدہ سے روگرداں ہیں وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ (اور تمہاری جنگ سے ہاتھ نہیں روکتے۔ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (پھر انہیں پکڑو اور جہاں تمہیں ملیں اور تم کو اُن پر غلبہ بھی حاصل ہے تو انہیں قتل کر دو۔ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (ہم نے اُن پر تمہاری کھلی اور واضح دلیل مقرر فرمائی ہے) یعنی ان پر تمہاری حجت قائم کی ہے تاکہ تم انہیں قتل اور قید کرنے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرو۔ اس لئے کہ اُن کی تمہارے لئے دشمنی کھل کر آگئی ہے اور اُن کے کفر اور دھوکہ بازی اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ پہلی آیت میں اشارہ ہے کہ اُمت ہوا کہ کیا منافقین کی ذلت اور خواری اُن کی اپنی شامت ہے یا اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اے مسلمانو! کیا ہو گیا ہے

کہ تمہارے منافقین کے حق میں دو گروہ ہو گئے ایک گروہ کہتا ہے کہ منافقین کی ذلت و خواری اُن کی منافقت کی وجہ سے ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاؤ قدر کا کرشمہ ہے لیکن تمہیں یقین ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل فرمایا ہے تو اُن کے اپنے اعمال سے گویا دونوں گروہوں کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین کی یہ ذلت و خواری کے اسباب تو اُن کے اپنے اعمال ہیں لیکن ہوا سب کچھ قضاؤ قدر سے ہے اور اُن کے اعمال کا سرچشمہ اُن کی وہ منافقت ہے جو ان دلوں سے پیدا ہوتی ہے پھر جو بھی تباہ ہوا وہ اس منافقت کی نحوست سے ہوا۔

قضاؤ قدر میں فرق قضاؤ قدر کے مابین فرق کے متعلق بطور مثال یوں سمجھا جاتا ہے کہ نقاش کسی صورت کو جب منقش کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے وہ اس صورت کو اپنے ذہن میں لائے گا پھر اس کے بعد منقش کرے گا اس ذہنی صورت کو قدر سمجھئے اور اُس منقش صورت کو قضا اُس کے بعد جب کسی استاذ کا شاگرد اس منقش صورت کے مطابق کوئی دوسری صورت تیار کرے گا تو استاد کی تیار کردہ صورت سے سرمو تفاوت نہیں کرے گا۔ اس شاگرد کی استاذ کی نقالی شاگرد کے اپنے اختیار اور کسب سے ہے لیکن باوجود اختیار و کسب استاذ کی صفت سے سرمو تفاوت نہیں کرتا اسی طرح بندہ اگرچہ اپنے اختیار سے عمل کرتا ہے لیکن اُسے قضاو قدر سے ہٹنے کی قدرت نہیں ہوتی لیکن قضاو قدر کے مابین متردد ضرور ہوتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ۔ اس مثال کی آیت سے مؤکد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ۔ اور فرمایا وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ" اسے دوسرے طور سمجھیئے۔ وہ اس طرح کہ فعل کبھی سبب قریب کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی سبب بعید ہوتا ہے۔ قریب کی مثال ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے قطع السیف ید فلاں (فلاں شخص کے ہاتھ کو تلوار نے کاٹا)۔ اور بعید کی مثال ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے قطع الامیر ید فلاں (امیر نے فلاں کا ہاتھ کاٹا) اس کی مثال قرآن یوں ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ دوسرے مقام پر فرمایا" اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ پہلی آیت میں موت کی نسبت ملک الموت کی طرف فرمائی دوسری میں اپنی طرف۔ ابن بناتہ کہتا ہے۔

اذا ما الاٰ قضی امرہ
فانت کما قد قضا السبب

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو تم اس کی تقدیر کا سبب ہے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ جو یہ عقیدہ رکھتا ہے عمل میں بندے کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اس کا گمان غلط بلکہ وہ حقانیت کا منکر ہے۔

مسئلہ جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ بندہ اپنے فعل میں کلی طور پر خود مختار ہے تو وہ مشرک ہے۔

مسئلہ بندہ کا اختیار بین الجبر و القدر ہے اس لئے ہر فعل کا آغاز و انجام اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ بندہ ہر دونوں جانبوں سے تعلق رکھتا ہے یعنی وہ مختار بھی ہے اور مجبور بھی۔ اس مسئلہ پر غور اور سوچنے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ (التاویلات نجمیہ)

مسئلہ جبریہ فرقہ کہتا ہے کہ بندہ ہر طرح مجبور محض ہے اسے اپنے فعل کا کسی قسم کا اختیار نہیں اُس کی ہر حرکت محتاج ہے۔ یہ ڈھیلے کی طرح ہے کہ ڈھیلے کو کوئی دوسرا حرکت دیتا ہے تو حرکت کرتا ہے ورنہ ساکن رہتا ہے۔

مسئلہ قدریہ کا مذہب ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے۔ وہ قائل ہیں کہ نہ کفر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور نہ ہی گناہوں کا تقدیر ربانی کہا جا سکتا ہے۔

مسئلہ اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے انسان جبر متوسط میں ہے یعنی کسب میں بندہ مختار ہے لیکن تخلیق اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے لیکن اہلِ حق صوفیاء کچھ اور فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کے آثار کا مشاہدہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے پھر بھی جبر ثابت نہیں ہوتا۔

مثنوی شریف میں ہے۔

(۱) گر بپرانیم تیراں بے زماست

ما کمان و تیر اندازش خداست

(۲) ایں نہ جبر ایں معنٰے جباریست

ذکر جباری برائے زاریست

(۳) زاری ما شد دلیل اضطرار

خجلت ما شد دلیل اختیار

ترجمہ (۱) اگرچہ ہم تیر پھینکیں تب بھی ظاہر ہے ہم سے ہے لیکن وہ حقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے۔

(۲) جبر مذہب نہیں بلکہ جباری کو ماننا ہے اور جباری ہونا اظہار زاری کا نام ہے۔

(۳) ہماری زاری اضطرار کی دلیل ہے ہماری خجالت ہمارے اختیار کی علامت ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا
خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ
اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ
مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَمَنْ
يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا
اِذَا ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ
لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ
كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى
الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى
وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ
مَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○

ترجمہ: اور مسلمان کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس

پر ایک مملوک مسلمان کو آزاد کرنا ہے اور خوں بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر وہ اگر اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک مسلمان کو آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خون بہا سپرد کی جائے اور ایک مسلمان مملوک آزاد کرنا تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے تیار کر رکھا ہے بڑا عذاب اے ایمان والو جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہتیری غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم تحقیق کرنا لازم ہے بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے برابر نہیں وہ مسلمان کو بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور وہ کہ راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے جہاد والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے اس کی طرف سے درجے اور بخشش اور رحمت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ (اور مومن کے لائق نہیں) یعنی اس لئے نامناسب ہے اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا (کہ وہ کسی اہلِ ایمان کو ناحق قتل کرے) اس لئے کہ اسے ایمان ایسے برے عمل سے روکتا ہے اِلَّا خَطَـًٔا (ہاں بطور خطا کے ہو تو معذوری ہے) یعنی مؤمن کے شان سے کسی حالت میں بھی یہ ممکن نہیں ہاں کبھی خطا کے طور کبھی غلطی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ طاقت بشریہ سے جو بات خارج ہو تو اس سے احتراز ناممکن ہوتا ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ اس سے خطا کثیر کا صدور ہو۔ اور خطاً ہر وہ فعل ہوتا ہے جس میں قصد کو دخل نہ ہو یا خطاً وہ فعل ہے کہ جس سے کسی کو جان سے ختم کرنے کا ارادہ نہ ہو مثلاً کوئی شخص کفار کی طرف تیر پھینکے اور وہ کسی مسلمان کو جان سے مار دے اس کا اسے علم بھی نہ ہو کہ میں نے کسی مسلمان کو مارا ہے بلکہ اسے یہ خیال ہو کہ میں نے کسی کافر کو قتل کیا۔

حکایت عیاش بن ابی ربیع (ابوجہل کا مادری بھائی) مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ ہجرت کر کے حضور نبی کریم علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا۔ صرف اس خطرہ سے کہ میرے گھر والے مجھے تنگ نہ کریں۔ اور ہجرت سے قبل اُن کی والدہ نے قسم کھائی کہ مجھ پر کھانا پینا اور سایہ میں بیٹھنا حرام ہے جب تک عیاش بن ربیع واپس نہ لوٹے۔ ابوجہل حارث بن زید بن ابی انیسہ کو لے کر عیاش کو لینے کے لئے اس کے پاس آئے اور وہ پہاڑ پر رہتے تھے ابوجہل نے

پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کہنے لگا کہ کیا تجھے محمد (مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم) صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں کہا ہاں۔ ابو جہل نے کہا تو تیری والدہ تیرے لئے پریشان ہے تم واپس چلو۔ ہم تمہیں دینِ اسلام سے پھرنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ وہ ابو جہل کے کہنے پر پہاڑ سے اُتر کر اُس کے ساتھ ہو گئے۔ جب مدینہ طیبہ سے دور نکل گئے تو ابو جہل اور حارث نے عیاش کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔ اور ہر ایک نے اُسے سو سو کوڑا مارا۔ عیاش نے حارث سے کہا کہ ابو جہل تو میرا بھائی ہے اسے تو کچھ نہیں کہوں گا البتہ اگر وقت ملا تو پھر تیری خیر نہیں۔ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ اسے والدہ کے پاس لے آئے۔ والدہ نے کہا میں نے قسم کھائی ہے اس وقت اپنے ہاتھ سے بیڑیاں نہیں کھولوں گی جب تک تو دینِ اسلام کو ترک نہ کر دے عیاش نے ظاہری طور پر اسلام سے انحراف کا اقرار کر لیا لیکن اس کا دل مطمئن تھا چنانچہ بعد کو وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ بعد ازاں حارث کو بھی دولتِ اسلام نصیب ہوئی اور وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ ایک دن عیاش نے موقع پا کر اُس کی گردن اُڑا دی لیکن انہیں حارث کے اسلام لانے کا علم اس وقت ہوا جب وہ اُس کی گردن اُڑا چکے تھے اُس کا انہیں بہت افسوس ہوا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام ماجرا سنایا۔ تو اُن کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا (اور جو کسی مؤمن کو بطورِ خطا کے قتل کر دے) فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ تو اُس پر لازم ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کر دے۔

نکتہ غلام کو رقبہ (گردن) سے تعبیر کرنا مجازاً ہے جیسے اسے کبھی رأس (سر) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مُؤْمِنَةٍ یعنی غلام بھی وہ جو مسلمان ہو۔ اس سے اسلام کے مسائل اور اس کے ثمرات متحقق ہوئے ہیں یا نہ یعنی اس سے نماز و روزہ وغیرہ کی ادائیگی ثابت ہو یا نہ۔

مسئلہ ہماری اس تقریر سے ثابت ہوا کہ کفارۂ قتل خطأ میں ہر طرح کا غلام جوان ہو یا چھوٹا لڑکا۔ اسی طرح لونڈی بھی دی جا سکتی ہے۔

مسئلہ غلام آزاد کرنا یہ حقوق اللہ سے ہے یہ اس شخص پر واجب ہے جس نے مؤمن کو قتل خطأ کیا۔

نکتہ غلام کو مؤمن کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ بحالتِ غلامی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مواظبت نہیں کر سکتا۔ عبادت پر مواظبت اُس وقت ہو سکتی ہے جب وہ آزاد ہو جائے اور وہ اس مؤمن کا بدلہ بنا جو مؤمن مقتول ہو چکا ہے۔

وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اور ساتھ ہی مقتول کے ورثہ کو دیت بھی سپرد کرے (مقتول کے وارث اس دیت کو آپس میں تقسیم کریں گے)۔

مسئلہ اس دیت کو ورثہ اسی طرح تقسیم کریں جیسے مسئلہ میراث میں تقسیم ہوتی ہے کہ پہلے میت کا قرضہ ادا کریں

اگر اُس نے قبل از مرگ وصیت کی تھی تو اسے پورا کریں۔

مسئلہ اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ دیت بیت المال میں داخل کی جائے اس لئے کہ بیت المال مسلمانوں میں تقسیم ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جس کے کوئی وارث حقیقی نہ ہو تو اُس کے تمام کلمہ گو بھائی وارث ہیں

حدیث شریف "اَنَا وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَہٗ" میں اُس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

اِلَّا اَنْ یَّصَّدَّقُوْا ہاں اگر مقتول کے وُرثہ قاتل کو دیت صدقہ کے طور دیدیں۔ یعنی اس سے دیت معاف کردیں۔

نکتہ دیت کو صدقہ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ورثہ کو معلوم ہو کہ معاف کرنے میں ایسے ہی ثواب نصیب ہوگا جیسے ہمیں صدقہ دینے سے ثواب ملتا ہے! اس سے دیت معاف کرنے کی فضیلت بتانا بھی مقصود ہے۔

حدیث شریف ہر نیکی صدقہ ہے۔

فائدہ دِیَۃٌ مصدر ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ "ودی القاتل المقتول" یعنی قاتل نے مقتول کے وارثین کو وہ مال عطا کیا جو مقتول کے عوض قاتل ادا کر رہا ہے۔ اس مال کو دیۃ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے عموماً اُمور کو مصادر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فائدہ دیۃ کی تا واؤ محذوفہ کا عوض ہے جن مصادر (مثال وادی) سے محذوف کرکے آخر میں تا عوض کی لگائی جاتی ہے جیسے عدۃٌ کہ یہ دراصل وِعْدٌ تھا۔ اسی طرح دیۃ بھی دراصل وِدْیٌ تھا۔

مسئلہ دیت اگر سونے سے دی جائے تو ہزار دینار اور اگر چاندی سے دینی ہو تو دس ہزار (۱۰۰۰۰) درہم لازمی ہیں۔

مسئلہ قاتل کے قریبی رشتہ داروں سے وصول کی جائے اور وہ یہ ہیں۔

① بھائی
② بھائی کے لڑکے
③ چچے
④ چچوں کے لڑکے

مسئلہ ان سے لے کر مقتول کے وارثوں کو دی جائے۔

مسئلہ اگر قاتل سے وصول کی جائے تو پھر وہ مذکورہ بالا میں سے ایک یہ بھی شمار ہو اسے مستثنیٰ نہ دکھا جائے گا اس لئے قتل کا حقیقی فاعل تو یہی ہے۔

نکتہ دیت کو عقل اس لئے کہتے ہیں کہ عقل بمعنی روکنا۔ چونکہ اس کی ادائیگی آئندہ قاتل کسی کو قتل کرنے سے روک دیگی۔

اس لئے قاتل خیال کرے گا کہ پہلے بھی مجھ سے غلطی ہوئی تو بسیار خرابی کے بعد جان رہائی ہوئی فلہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

مسئلہ اگر قاتل کے عاقلہ یعنی قریبی رشتہ دار نہ ہوں تو اس کی دیت بیت المال تین سال تک ادا کرے۔ اگر بیت المال نہ ہو تو قاتل کے مال سے ہی وصول کی جائے۔

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ (پس اگر وہ مقتول تمہارے اس دشمن کی قوم سے ہے جن سے تمہاری جنگ چھڑی ہوئی ہے وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور مقتول مؤمن ہو جس کا قاتل کو علم نہ تھا کہ وہ واقعی مؤمن ہے اس لئے کہ قاتل نے جب دیکھا کہ وہ دشمن کی صف میں ہے اور وہ اسلام قبول کر کے ہجرت نہ کر سکا قاتل کو یقین ہو گیا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو وہ ضرور ہمارے ہاں ہجرت کر کے آجاتا حالانکہ وہ مسلمان ہو کر کفار کے ساتھ رہا یا وہ مسلمان تو ہو چکا تھا لیکن اسلامی امور سے بے خبر رہا لیکن قاتل نے بے خبری سے قتل کر دیا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ" تو بھی اسے ایک مؤمن غلام آزاد کرنا ضروری ہے یعنی ایسے مسلمان کو قتل کرنے پر کفارہ ہے دیت واجب نہیں اس لئے کہ اس کے دار الحرب میں رہنے کی وجہ سے اس پر وراثت کے قوانین کا اجرا نہیں۔

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ" اور اگر وہ مقتول ایسی قوم کفار سے ہے کہ تمہارے اور ان کے مابین ہمیشہ کے لئے یا ایک مدت تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے فَدِيَةٌ" تو قاتل پر دیت لازم ہے مُّسَلَّمَةٌ" اِلٰٓى اَهْلِهٖ (وہ دیت مقتول کے مسلمان وارثین کو دی جائے اگر اس کے وارثین اہل اسلام سے ہوں وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ" اور ایک مومن آزاد کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ یہ بھی دوسرے کفاروں کی طرح ایک کفارہ ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ۔ پس جس قاتل کے پاس غلام نہیں کہ جسے وہ آزاد کرے نہ ہی اس کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ جس سے غلام خرید کر کے آزاد کر سکے۔

مسئلہ غلام کی قیمت کا سوال اس وقت ہوگا جب اس کے ہاں اپنے اور اہل وعیال کے نان ونفقہ اور حوائج ضروریہ اور گھریلو ضروریات مسکن وغیرہ سے زائد مال ہو۔

فَصِيَامُ تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ (دو ماہ مسلسل)

مسئلہ تسلسل کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے دو ماہ کے درمیان کوئی ایک روزہ چھوڑ کر کسی اور روزے کی نیت باندھی تو اس پر کفارہ کے لئے از سرِ نو دو ماہ دیگر روزے رکھنے ضروری ہیں۔

مسئلہ حیض ونفاس اور اس طرح کی وہ ضرورت کہ جس کے سوا چارہ نہیں تو ایسی مجبوری تسلسل کو قطع نہیں کرتی۔

مسئلہ کفارۂ قتل خطأ میں طعام کھلانے کو کوئی دخل نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا ارشاد باری تعالیٰ میں لفظ فا سے معلوم

ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ نے اس کفارہ میں گردن آزاد کرنے اور روزے رکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے لعض کو چھوڑ کر ہم اپنے قیاس سے طعام کو واجب نہیں کر سکتے۔

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ سے توبہ قبول کرتا ہے) توبۃ کا منصوب ہونا مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ کفارہ اس لئے واجب فرمایا ہے کہ قاتل کو غلطی کے بعد امید ہو کہ میرا رب تعالیٰ میری توبہ قبول کرے گا اس لئے خوشخبری سنائی کہ اگر قاتل توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

سوال جب یہ مسلم ہے کہ قتل خطا گناہ نہیں تو پھر توبہ کا حکم کیوں ؟

جواب اس میں اشارہ ہے قاتل سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے کہ اگر وہ لاپرواہی نہ کرتا تو اس سے اتنی بڑی غلطی سرزد نہ ہوتی۔

نکتہ **تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ** میں اس طرف اشارہ ہے کہ قاتل نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا اور اللہ تعالیٰ قاتل کے حال سے باخبر ہے کہ اس میں نہ اس کا ارادہ تھا اور نہ اس نے یہ غلطی قصداً کی۔ **حَكِيْمًا** جتنے احکام صادر فرماتا ہے اس میں اس کی ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ** میں اشارہ ہے کہ نفس کی تربیت اور اس کا تزکیہ مال خرچ کرنے سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نفس کی تربیت کے لئے ترکِ دنیا سب سے اولین شرط ہے۔ اگرچہ نفس کی تربیت کے بہترین علاج بھوک پیاس اور باقی مجاہدات ہیں لیکن ترکِ دُنیا اُن سب سے پہلے ہے۔ اس لئے دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ اور یہ وہ خار دار وادی ہے کہ جس سے وہی دامن بچا کر نکل سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عقل کامل عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **فلا اقتحم العقبة وما ادراك ما العقبة فك رقبة** (الآیۃ) سالک کا سلوک میں پہلا قدم یہی ہونا چاہیئے کہ وہ دنیا کو یک لخت طلاق دیدے اور اس کے تمام تعلقات سے یکسر دُور ہو جائے اس کا دوسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ وہ نفس اور اُس کے صفات سے بالکل فارغ ہو جائے۔

حدیث شریف نفس کو طلاق دے کر بارگاہ حق میں حاضر ہو جا۔ نفس کو دنیا و آخرت کی دائمی لذات کی راہوں سے بچنا صرف عنایت ربانی اور اس کی توفیق پر مبنی ہے کہ اس کی عطا سے اس کی قابلیت بھی ہو ورنہ مشکل ہے کسی شاعر نے فرمایا ہے ؎

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد حق

ترجمہ: عطائے الٰہی کو قابلیت شرط نہیں بلکہ شرط قابلیت یہی ہے کہ عطائے حق ہو جائے۔

حکایت ہارون الرشید کی اولاد زاہدانہ طبیعت رکھتی تھی۔ اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس نومولود کو ایک بڑے شیشہ میں بند کر دیا جائے وہاں پر ہی اُسے خوراک و پوشاک پہنچائی جائے اور تنعم و تعیش سے پالا جائے اور ہر وقت اُس کے سامنے سرود وغیرہ کی مجلس گرم رہے یہاں تک سلطنت چلانے کے لائق ہو جائے چنانچہ ایسے ہی ہوا جب وہ نومولود کچھ بڑا ہوا تو ایک دن گوشت کھا رہا تھا۔ گوشت سے ہڈی نکال کر باہر پھینکی تو شیشہ ٹوٹ گیا۔ اس کی زمین و آسمان پر نظر پڑی لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب ملا کہ یہ آسمان و زمین ہے شہزادے نے کہا کہ مجھے ذرا ان ہر دونوں کو اچھی طرح دیکھنے دو چنانچہ اسے اس بڑے شیشہ سے باہر لایا گیا۔ جب باہر نکلا تو اتفاقاً ایک مُردار پر اس کی نگاہ پڑ گئی۔ اس کے قریب ہو کر اس سے کلام کیا لیکن وہ نہ بولا۔ لوگوں سے پوچھا یہ کیوں نہیں بولتا جواب ملا کہ اس پر موت آ گئی۔ شہزادے نے کہا میرے اوپر بھی یہی کیفیت طاری ہوگی یا نہ انہوں نے کہا ہاں یہ بات سُن کر شہزادہ اُن سے بھاگ کر جنگل کو چلا گیا۔ نوکر بھی اُس کے پیچھے چل پڑے شہزادہ جونہی آگے گیا تو اسے پانچ گھوڑوں کے سوار ملے لیکن اُن کا ایک گھوڑا سوار سے خالی تھا اس پر اس شہزادے کو سوار کر کے نوکروں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے[1]

مسئلہ ہر قلب معرفت الٰہی کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسے ہر بدن کو خدمت کی اہلیت نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جانتا ہے جو اس کے جذبہ اور اس کی خدمت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جناب صائب فرماتے ہیں۔ ؎

در سرِ ہر خام طینت نشۂ منصور نیست

ہر سفالے را صدائے کاسۂ فغفور نیست

ترجمہ: ہر خام طینت کے سر میں منصور کا نشہ نہیں اور نہ ہی ہر ٹھیکری والے برتن میں کاسۂ فغفور کی آواز ہے۔

نکتہ یہ صرف دعویٰ سے نہیں ہوتا بلکہ اُس کے لئے ایک کسوٹی مقرر ہے جس سے کھرے اور کھوٹے کا امتیاز ہو جاتا ہے نیز عالم حقیقت قیل و قال کا نہیں بلکہ اُسے ہر حال کی ضرورت ہے نیز یہ واضح امر ہے کہ اس فن کا سلطان اعظم ہمیشہ محویت میں رہتا ہے چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ بلقیس کے تخت کو اٹھانے کے لئے حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے آصف بن برخیا کو مامور فرمایا۔ ورنہ خود بھی تو نبوت کے بلند مقام پر فائز تھے وہ اس لئے کہ وہ عالم استغراق میں مستغرق تھے اس لئے اس سے نیچے مرتبے کی طرف تنزل کو پسند نہ فرمایا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے لئے ایک ایسا وقت ہوتا ہے

---

[1] پھر یہ شہزادہ بہت بڑا باکرامت ثابت ہوا۔

کہ وہاں نہ تو کسی نبی مرسل کو دخل ہوتا ہے اور نہ ہی کسی ملک مقرب کو اسمیں بھی اس مقام کی طرف اشارہ ہے" اے اللہ ہمیں اپنی جناب اقدس کے واصلین اور ان لوگوں سے بنا جو تیرے قول اور ان سے بہرہ ور ہوتے ہیں (آمین)

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا (اور جو کسی مومن کو قتل کرتا ہے) مُتَعَمِّدًا (جان بوجھ کر) یعنی اسے قتل کرتے وقت اس کا قتل کرنا قصداً ہے نہ کہ خطاءً۔

شان نزول مروی ہے کہ مقیس بن صبابۃ الکنانی اور اُس کا بھائی ہشام مسلمان ہو چکے تھے چند روز بعد مقیس نے اپنے بھائی کو بنی نجار کے محلہ میں مقتول پایا۔ اُس نے حضور سرور عالم کی خدمت میں اپنے بھائی کے قتل ہو جانے کا واقعہ عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے اُس کے ساتھ حضرت زبیر بن عیاض الفہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا یہ حضرت زبیر اصحاب بدر میں سے تھے انہیں فرمایا کہ بنی نجار کو جا کر کہو کہ مقیس کے بھائی کے قاتل کو مقیس کے سپرد کریں تاکہ وہ اُن سے قصاص لے سکے۔ اگر اُس کا قاتل معلوم نہیں تو اُس کی دیت ادا کریں۔ انہوں نے کہا کہ حضور کا ارشاد گرامی بسر وچشم۔ لیکن ہمیں اُس کے قاتل کا علم نہیں البتہ اُس کی دیت ہم پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سب نے مل کر مقیس کے بھائی کی دیت ایک سو اونٹ پیش کر دیئے۔ حضرت زبیر اور مقیس ہر دونوں دیت کے اونٹ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں شیطان نے مقیس کو وسوسہ ڈالا کہ تو اپنے بھائی کی دیت قبول کر کے اپنے لئے عرب کی گالی لیکر جا رہا ہے تجھے لوگ عار دیں گے کہ مقیس اتنا کمزور تھا کہ بھائی قتل ہو گیا تو اس کے لئے صرف ایک سو اونٹ قبول کر کے بزدلی کا ثبوت دیا۔ یہ بات مقیس پر اثر کر گئی۔ شیطان نے پھر وسوسہ ڈالا کہ اس (حضرت) زبیر فہری کو قتل کر دے۔ اس طرح تیرے بھائی کا بدلہ بھی ہو گا۔ اور ایک سو اونٹ دیت والے تجھے بچ جائیں گے۔ اسی طرح سے تیری بہادری کی داستان عرب میں مشہور عام ہو جائے گی وہ بدبخت (مقیس) اس وسوسہ سے مغلوب ہو گیا اور ایک پتھر اُٹھا کر اچانک ہی حضرت زبیر فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر مارا جس سے حضرت زبیر فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تاب نہ لا سکے اور فوراً ہی جاں بحق ہو گئے وہ بدبخت (مقیس) ایک اونٹ پر سوار ہو کر بقایا کو ہانکتا ہوا مکہ معظمہ کو روانہ ہوا۔ اسلام سے منحرف ہو کر کفر کی لعنت میں گرفتار ہو گیا۔ وہ اس حالت میں یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔ ؎

قَتَلْتَ بہ فہرا وحملت عقلہ

سراۃ بنی النجار اصحاب فارع

دادرکت ثاری واصطجت موسلا

وکنت الی الاوثان اول راجع

ترجمہ: میں نے اپنے بھائی کے بدلہ میں فہری کو قتل کر ڈالا ہے اور بھائی کی دیت کا مال بھی میں نے شاہراہ نشین بنی نجار کے سرداروں سے وصول کر لیا ہے۔ اس لحاظ سے میں بہت سا مال پاکر اب آرام کی زندگی گذاروں گا۔ اور پھر

پہلے کی طرح بتوں کی پرستش میں مصروف رہوں گا۔

اس بدبخت (مقیس) کے اس فعل شنیع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ یہ وہی بدبخت (مقیس) ہے جس کے لئے حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا کہ آج ہر ایک کے لئے امان ہے لیکن مقیس (بدبخت) اگرچہ غلاف کو چمٹا ہوا ہو تب بھی اُسے قتل کر دو چنانچہ اسے اسی حالت میں قتل کر دیا گیا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہر کہ کند بخود کند

گر ہمہ نیک و بد کند

ترجمہ: جو کسی کے ساتھ کچھ کرتا ہے تو وہ اپنے لئے کرتا نیک کرے یا بُرا۔

فَجَزَآؤُهٗ پس اس کی جزا یعنی ایسا فعل کرے تو اس کی سزا جَهَنَّمُ جہنم ہے اور پھر خَالِدًا فِیهَا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ فعل مقدر سے حال مقدرہ ہے جیسا کہ کلام کا تقاضا ہے گویا یوں کہا گیا کہ ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے۔ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ جملہ کا شرطیہ ہونا دلالت کرتا ہے گویا کہ تقریرًا و تاکیدًا یوں کہا گیا ہے کہ ایسے شخص کا حکم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھی ہوگا۔ وَلَعَنَهٗ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھی یعنی ایسے شخص کو بطور سزا یوں ہوا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دھتکار دیا وَاَعَدَّ لَهٗ اور اس کے لئے جہنم میں تیار کیا ہے عَذَابًا عَظِیْمًا بہت بڑا عذاب ایسا کہ اس کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

قاعدہ ہمیشہ کلمہ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ اس کے خصوص سبب کا اور یاد رہنا چاہیئے کہ جو قتل کو حلال جان کر کسی کو قتل کرے تو اس معنے میں کلام حقیقی ہوتا ہے (یعنے ایسا قاتل دائمی طور جہنم میں رہے گا)۔

مسئلہ کوئی مومن کسی مؤمن کے قتل کو حلال جان کر قتل نہیں کرتا تو ایسا شخص کافر نہیں ہوتا نہ ہی وہ دائرہ ایمان سے خارج ہوتا ہے۔

مسئلہ اگر قاتل کو اس مقتول کے عوض قتل کر دیا جائے تو یہی قتل قاتل کے لئے کفارہ بن جائے گا۔

مسئلہ اگر قاتل کو مقتول کے بالعوض قتل نہیں کیا گیا لیکن وہ آئندہ ہمیشہ کے لئے سچے دل سے ایسے فعل کے ارتکاب سے تائب ہو جائے تب بھی یہ توبہ اُس کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ اس لئے کہ کفر سب سے بڑا گناہ ہے جب وہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو پھر یہ کیوں نہ معاف ہو۔

مسئلہ اگر ایسے قاتل سے نہ بدلہ لیا گیا اور نہ ہی وہ توبہ کر کے مرا ہے تو اللہ تعالیٰ چاہے بخش دے چاہے اُسے اُس غلطی کی سزا دے کر اسے جہنم سے نکال کر بہشت عطا فرما دے۔ جیسا کہ اُس کا اہل ایمان کے لئے

وعدہ کریمہ ہے۔ لیکن اُس کے امکان میں ہے کہ مقتول کو ہر طرح راضی کر کے پھر قاتل کو معاف فرما دے۔

نکتہ قاتل عمد کے لئے بہشت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بہشت عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے وہ کریم اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔

سوال آیت میں خلود کا لفظ ہے اور لفظ خلود دوام غیر منقطع کا متقاضی ہے؟

جواب مجازاً خلود بمعنے مکث طویل یعنی مدت دراز لی گئی ہے

نکتہ اللہ تعالیٰ کا کسی فعل پہ جزا و سزا کی خبر دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اس فعل کے بالمقابل جزا سزا دے رہا ہے اگر یہی مفہوم ہے تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا اور اگر یہ مراد ہو کہ ہر برائی کی سزا اُس کے بُرے فعل کی وجہ سے مل رہی ہے تو یہ مفہوم صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویعفو عن کثیر (اللہ بہتوں کو معاف کرتا ہے)۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی کسی سے نہ کہے کہ اگر تو نے یہ فعل کیا تو تیری سزا قتل ہے یا اتنے کوڑے مارے جائیں گے۔ اگر اس شخص سے وہ غلطی ہو جائے تو سزا سنانے والا اتنی ہی سزا دے جتنی اُس نے کہی تھی تو اُسے اس قول میں سچا کہا جائے گا۔ اس تقریر سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قاتل کی سزا جو مقرر فرمائی ہے یہ نہ قاتل تائب پہ لاگو ہوگی اور نہ ہی اس قاتل عمد پر جو کسی حق کے تحت کسی کو قتل کر رہا ہے (مثلاً قصاص کے طور قتل کرنا) بلکہ یہ حکم صرف اس شخص کے لئے ہے جو قتل کے بعد بلا توبہ مر جائے یا کسی کو ناحق عمداً قتل کرے۔

مذمت قتل ناحق (احادیث مبارکہ)

① دنیا کو مٹا دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت معمولی امر ہے بہ نسبت اس بد عمل کے کہ کوئی مسلمان کو ناحق قتل کرے۔

② ایک شخص مشرق میں ناحق قتل کر دیا جائے۔ دوسرا اس کے ناحق قتل میں مغرب میں راضی ہے تو سمجھو کہ یہ بھی قاتل کے قتل کے گناہ میں شریک ہے۔

③ جو شخص کسی مسلمان کے قتل کرنے پر کسی کی امداد کرے زبانی طور پر یا معمولی بات کہہ کر تو قیامت کے دن ایسے شخص کے ماتھے پر لکھا ہوگا آئیس من رحمۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونے والا)۔

④ انسان اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ عمارت ہے پس ملعون ہے ہر وہ جو اللہ تعالیٰ کی تعمیر کو گراتا ہے۔

حکایت حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کا ارادہ فرمایا چنانچہ اس کی متعدد بار تعمیر کرائی لیکن جونہی تعمیر سے فارغ ہوتے تو تمام عمارت گر جاتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرا اپنا گھر ہے اور اس کی تعمیر ایسے شخص سے نامناسب ہے جو میری مخلوق کے خون بہاتا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ اُن کا قتل کرنا ناحق تو نہیں تھا وہ بھی تیرے دین کی خاطر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بھی ہو

پھر بھی وہ میرے بندے تو تھے۔ اس کے بعد داؤد علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! اس کی تعمیر کرنی ہے بالآخر تو خود ہی فرما دے کہ اس کی تعمیر کون کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی تعمیر سلیمان علیہ السلام کریں گے۔

سبق اس حکایت میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسانی تعمیر اس کے مٹانے سے بہتر اور ضروری ہے۔

نکتہ یہی وجہ ہے کہ اعلائے اسلام پر قتل کرنے کے بجائے پہلے ان پر جزیہ لازم ہے اور یہیں حکم ہے کہ پہلے ان سے صلح کی بات ہو اگر وہ ان دونوں کو نہ مانیں تو پھر جہاد ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کون ہے عرض کی گئی جس کے ہاں درہم و دینار کی کمی ہو اور نہ ہی اس کے پاس اور کوئی دنیوی سامان ہو۔ آپ نے فرمایا قیامت میں میرا وہ امتی مفلس ہوگا جس کے پاس نماز، زکوٰۃ اور روزہ نہ ہو اور اس کے عمل نامہ کی کیفیت یہ ہوگی کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر بہتان تراشی اور کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا ناحق قتل اور کسی کو خواہ مخواہ مارا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں اس کے خصموں کو دے دے گا اور ان کی برائیاں اس کے سر پر رکھ کر اسے جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

حدیث شریف ہر انسان سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ اور اس سے زکوٰۃ کا حق پورا کیا جائے گا اسی طرح دیگر حقوق کا قیاس کیجئے۔

مسئلہ جب کسی قاتل سے مقتول کا ولی قصاص لیتا ہے تو وہ اس کی دنیوی سزا ہے باقی قاتل و مقتول کا اپنا معاملہ وہ قیامت تک باقی ہے۔

سوال مقتول نے جان کا بدلہ جان تو لے لی پھر اسے آخرت تک باقی رکھنا عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

جواب مقتول کا بدلہ لینا یہ اس کا اپنا ایک حق ہے وہ یہ کہ مقتول سے اسے اپنی قرابت کا ایک درد تھا جو اس سے بدلہ لینے سے شفایاب ہوا اور دشمن سے دل کی بھڑاس نکالی کہ اسے قتل کرنے سے حاصل ہوئی اسے فی نفسہٖ مقتول کو تو کوئی فائدہ نہ ہوا دبنا بریں اس کے لئے علیحدہ احکامات مرتب ہوئے اور یہ عین عدل ہے (تفسیر احمدی)

مسئلہ قتل عمد میں کسی قسم کا کفارہ نہیں۔

حدیث شریف پانچ ایسے امور ہیں جن میں کسی قسم کا کفارہ نہیں۔
(۱) شرک۔

ؒ حضرت شرف الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

روزِ محشر کہ جانگداز بود   اولیں پرسش نماز بود

② والدین کی نافرمانی
③ جنگ سے بھاگنا
④ قتل عمد
⑤ جھوٹی قسم

مسئلہ قتل عمد میں مقتول کے متولی کو تین طرح کا اختیار ہے۔

① قتل۔
② دیت۔
③ معاف کرنا۔

نکتہ متولی کو تینوں امور کا اختیار اس لئے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے قصاص کا حکم تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں دیت اور معافی۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہر تینوں حکم مشروع فرمائے تاکہ قصاص سے متولی کا دل ٹھنڈا ہو اور دیت لے کر مال و دولت کی ضرورت ہو تو دیت سے پوری کرے اور دنیا میں مکرم و معزز ہونا چاہے تو معاف کر دے اور یہی تیسرا طریقہ افضل ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

بدی را بدی باشد سہل جزا
اگر مردی احسن الیٰ من اسا

ترجمہ: بُرائی کی برائی سزا آسان ہے لیکن اگر تو جوانمرد ہے تو بُرے پر احسان کر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ قلب اصل فطرت میں مؤمن ہے اور اصل خلقت میں نفس کافر ہے اُن کو آپس میں انتہائی دشمنی ہے اور ہر وقت لڑائی جھگڑے پر تلے رہتے ہیں اور ہر گھڑی ایک دوسرے کے خلاف رہتے ہیں۔ قلب کی زندگی نفس کی موت میں اور نفس کی زندگی قلب کی موت میں ہے چنانچہ کفار کے نفس زندہ تھے تو اُن کے دل مردہ تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں مُردہ کہا اور صدیق کا دل زندہ اور نفس مردہ تھا اس لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاہے کہ ہر اس شخص کو دیکھے جو مردہ ہو کر زمین پر چلتا ہو تو وہ صدیق کو دیکھ لے۔ وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا اس میں بھی قلب و نفس کی طرف اشارہ ہے یعنی جو بھی کافر نفس صفات بہیمانہ اور درندگانہ اور شیطانیہ امور کے غلبہ سے مومن قلب کو قتل کر دے۔ یعنی امور بالا قلب روحانی کے اوصاف پر غالب آ جائیں یہاں تک کہ قلب مرجائے تو ایسے نفس کی جزا جہنم ہے۔ جہنم سے عالم طبیعہ کا سفل مراد ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا وہ اس لئے کہ نفس اپنی سفلی طبیعت سے خروج پذیر ہوگا شریعت کی رسی سے اور شریعت کی رسی پکڑنا تو مومن قلب کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

وعملوا الصّٰلحٰتِ۔ ایمان اور عمل صالح قلب کے متعلق اور اس کے شان سے ہے پھر جب قلب مرجاتا ہے اور اس کے اعمال اس سے منقطع ہوجاتے ہیں تو نفس کو عالم طبیعت کے سفل میں ہمیشہ تک رہنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب اور لعنت فرمائے گا یعنی ہمیشہ کے لئے اپنی بارگاہ اور اپنے قرب سے محروم فرمادے گا۔ اسے ارجعی الی ربك کے خطاب کی لذات سے ہمیشہ ہمیشہ تک کوئی خیر و برکت نصیب نہ ہوگی اور وہ دائمی طور اللہ تعالیٰ کے عذاب میں رہے گا۔ یعنی اُسے ملی کبیر رب کے حضور سے دور رکھا جائے گا اور وہ جنّاتِ نعیم کی نعمتوں سے محروم ہوگا۔ (التاویلات نجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا

شانِ نزول یہ آیت مرداس بن نہیک جو اہل فدک میں سے تھے کے حق میں نازل ہوئی۔ اپنی قوم میں صرف یہی مسلمان ہوئے اور ان کی باقی برادری ابھی تک اسلام سے مشرفیاب نہ ہوئی تھی۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر حضرت غالب بن فضالہ اللیثی تھے تاکہ اُن لوگوں سے جہاد کریں۔ جب یہ لشکر وہاں پہنچا تو یہ لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے لیکن حضرت مرداس بن نہیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ارادہ پر کہ میں مسلمان ہوں مجھے یہ لوگ کچھ نہیں کہیں گے جب لشکر فدک کے قریب پہنچا تو جاتے ہی نعرۂ تکبیر کہا۔ حضرت مہیک بن مرداس نے بھی جوابی نعرہ کہا اور وہ اس وقت پہاڑ کی چوٹی میں تھے اور آپ کے ہاں بکریوں کا ریوڑ تھا۔ وہ اہل اسلام کو دیکھتے ہی خوشی سے بکریاں لے کر نیچے اتر آئے اور کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور انہیں السلام علیکم بھی کہا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں شہید کر کے اُن کی بکریاں لے کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں پہنچے اور آپ کو تمام ماجرا سنایا گیا آپ واقعہ سُن کر نہایت غمگین ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اسے ارادۃً اور قصداً شہید کیا ہے صرف اس نیت پر کہ اُس کی بکریاں ہاتھ لگ جائیں حالانکہ تم سُن رہے تھے کہ وہ پڑھتا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت اسامہ نے عرض کی کہ وہ خوف کے مارے کلمہ پڑھ رہا تھا اس کے دل کی نیت نہیں تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ھلا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ فنظرت قَلْبِهٖ اصادق ھوام کاذب کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا۔ (یہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کا واضح ثبوت[1] ہے)

اس کے بعد حضرت اُسامہ کو یہی آیت پڑھ کر سُنائی۔ حضرت اُسامہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ میرے لئے استغفار کیجئے۔ آپ نے جواب دیا اس کے کلمہ کا کیا جواب ہوگا جو اس نے کہا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

---

[1] تفصیل فقیر کی کتاب "فیض الغفور فی علم ما فی الصدور" میں ہے۔

(صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہی بات آپؐ دہراتے رہے۔ حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ اس جلال و غضب اور بار بار اس کلمہ کے دہرانے سے میں آرزو کرتا تھا کہ کاش اس سے قبل میں مسلمان نہ ہوتا یہ دولت مجھے نصیب ہوتی تاکہ نہ اتنی بڑی غلطی ہوتی اور نہ ہی حضور علیہ السلام ناراض ہوتے۔ پھر میرے لئے استغفار فرمائی اور حکم صادر فرمایا کہ اُس کی بکریاں واپس کردو اور مجھے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کردے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مومنو!

اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (جب تم اللہ کی راہ میں چلو۔ یعنی جب تم سفر پر جاؤ اور جنگ کے لئے چلو) اہل عرب کا مقولہ ہے "ضَرَبْتُ فِی الْاَرْضِ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی تجارت یا جنگ وغیرہ کے لئے روانہ ہو۔ فَتَبَیَّنُوْا یہاں تفعل بمعنے استفعال ہے جس میں طلب کا معنے ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایسے سفر میں جو کام کرو اس میں ہر طرح کی تحقیق و تفتیش کرو۔ عجلت سے کام نہ لو کہ بلا تدبر اور دیکھے بغیر کام شروع کردو۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ (اور جو تمہیں السلام علیکم کہے تو تم اُسے یہ نہ کہو) لَسْتَ مُؤْمِنًا (کہ تم مسلمان نہیں ہو اور اسلام اس لئے ظاہر کررہے ہو تاکہ تجھے ہماری گرفت نہ ہو بلکہ اس سے ظاہری کلمہ قبول کرکے اُس کے ساتھ اسلامی طریقہ برتو۔

تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (تم حیات دنیا کے اسباب طلب کرتے ہو) یہ جملہ لَا تَقُوْلُوْا کے صیغہ خطاب سے حال ہے۔ اس میں اُن کے اس موجب کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے وہ ایسی عجلت کے مرتکب ہوئے اور تحمل اور حوصلہ سے ہاتھ کھو بیٹھے۔ اس سے یہ بھی نہ سمجھنا کہ یہ نہی صرف اسی قید کی طرف راجع ہے جیسے کہا جاتا ہے لا تطلب العلم تبتغی بہ الجاہ (علم صرف جاہ وجلال کے حصول کے لئے طلب نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بلکہ وہ نہی ہر دونوں امور کی طرف راجع ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم اسے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں اس سے تمہاری غرض مال کی طلب ہو جو کہ وہ عارضی اور جلد ترمٹنے والا سامان ہے۔

فائدہ عرض الدنیا سے ہر وہ مال مراد ہے کہ جس سے نفع اُٹھایا جائے وہ نقد ہو یا کچھ اور قلیل ہو یا کثیر مثلاً اہل عرب کہتے ہیں عرض ضر الخ دنیا اس موجود سامان کو کہا جاتا ہے کہ جسے ہر نیک اور بد کھاتا ہے۔

نکتہ دنیا کے تمام اسباب کو عرض سے تعبیر کرتے ہیں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ مٹنے والے ہیں۔

فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ (پس اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی غنیمتیں ہیں)۔ وہ تمہیں غلط کام سے بچالیں گی فلہٰذا مال کے لالچ میں پھنس کر تم اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو۔

نکتہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ثواب دائمی اور غیر منقطع ہے۔

کَذٰلِکَ یعنی جیسے وہ غریب تمہارے سامنے کلمہ توحید پڑھ کر تمہارے اوپر سلام کہہ رہا تھا۔ کُنْتُمْ تم بھی مِنْ قَبْلُ چند سال ایسے ہی تھے۔ یعنی تمہارا ابتدائے اسلام میں یہی حال تھا کہ تم لوگوں کے سامنے اسلام کے

شعار کے سوا دُور کے بارے کچھ اور ظاہر نہ کرتے تھے جیسے اُس نے تمہارے سامنے اظہار اسلام کر کے شعار اسلام (یعنی السلام علیکم) ادا کیا۔ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ (پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر احسان فرمایا کہ تمہیں دین اسلام قبول کرنے کے لائق بنا کر ایسے بلند مرتبہ پر پہنچایا اور پھر تمہیں اور تمہارے اموال کو دشمنوں کے حملوں سے بچایا۔ اور یہ کبھی حکم نہیں نازل فرمایا کہ تمہارے حالات کی بھی تحقیق و تفتیش کی جائے اس فا کا عطف کُنْتُمْ پر ہے۔ فَتَبَیَّنُوْا یہ فا فیجیبہ ہے یعنی جب امر الٰہی یوں ہی ہے تو پھر ایسے واضح امر کی پوری چھان بین کیا کرو اور اپنی سابقہ کیفیت کو مد نظر رکھ کر آنے والے لوگوں سے معاملہ کیا کرو وہی کرو جیسے انہوں نے تمہارے ساتھ ابتدائے اسلام میں کیا کہ وہ بھی تمہاری ظاہری باتوں کا اعتبار کر لیتے تھے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ تمہارا باطن سے موافقت رکھتا ہے یا نہ۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ بے شک۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری باطنی اعمال اور اُن کے کوائف کو خَبِیْرًا جانتا ہے۔ انہیں کے مطابق تمہیں جزا و سزا ملے گی۔ اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا پاؤ گے اور اگر بُری کرو گے برائی کی سزا پاؤ گے۔ لہٰذا کسی کے ناحق قتل کرنے کی جرأت مت کرو۔ اور جتنا احتیاط ہو سکے محتاط رہو۔

فائدہ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ خبیر اس ذات کو کہتے ہیں کہ جس کے سامنے تمام باطنی امور منکشف ہوں۔ اور ملک و ملکوت میں صرف اُسی کے حکم کا اجرا ہو۔ جہاں بھی کسی شے کو حرکت ہو یا وہ ساکن ہو یا کسی کو کسی پریشانی ہو یا اُسے اطمینان ہو تو تمام باتوں سے وہ مطلع ہو۔ اس معنی پر خبیر بمعنے علیم ہے۔

فائدہ جب علم پوشیدہ امور کی طرف منسوب ہو تو اس علم کو خبرۃ اور اس کے جاننے والے کو خبیر کہا جاتا ہے اور بندہ اس معنے پر خبیر ہے کہ جو اس کے عالم میں جاری ہوتا ہے اور وہ اسے معلوم ہے اس کا عالم قلب اور بدن ہے اور پوشیدہ امور وہ ہیں جس سے قلب کو موصوف کیا جا سکتا ہے مثلاً کھوٹ کرنا، خیانت عجلت والی اشیأ کے حصول کے لئے طبیعت کا میلان اور شر کو چھپانا اور خیر کو ظاہر کرنا بخل کو چھپا کر اخلاص و اخلاص کا اظہار انہیں ہر وہ شخص جانتا ہے جسے نہایت درجہ کا تجربہ ہو۔ وہ اپنے نفس کی ایسی خرابیوں کو خوب جانتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی مکاری و غداری کہاں تک ہے اور اُسے خوب معلوم ہے کہ نفس کا مکر و فریب کتنے حد تک ہے اور وہ کیسے دجل و مکر سے کام لیتا ہے اور کیسے ہی وہ اپنی خواہشات کو پورے کرانے کے لئے لڑائی کرتا ہے اس لئے سمجھدار آدمی اس سے ہر طرح سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے بندوں کے لائق ہے کہ اسے خبیر کہا جائے۔ یہ امام غزالی قدس سرہٗ کا کلام تھا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) نمی تازد دریں نفس سرکش چناں

کہ عقلش تواں گرفتن عناں

(۲) کہ با نفس و شیطاں بر آید بزور
مصاف پلنگاں نیاید ز مور

ترجمہ (۱) نفس سرکش گھوڑا ایسا نہیں کہ اس کی باگ عقل میں آسکے۔
(۲) نفس و شیطان کے ساتھ زور آزمائی کر سکتا ہے کیونکہ شیروں کے میدان میں چیونٹی کی کیا مجال۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ مجتہد سے بھی کبھی خطا ہو جاتی ہے جیسے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطاء اجتہادی ہوئی اور اُن کی یہ خطأ اجتہادی معاف ہوگئی اس لئے اُن سے قصاص نہ لیا گیا۔

مسئلہ ذکر لسانی بھی شرعًا معتبر ہے جیسے مقلد کا ایمان شرعًا قابل قبول ہے لیکن مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذکرِ لسانی سے ترقی کر کے ذکرِ قلبی کو حاصل کرے پھر اُس کے بعد ذکرِ رُوحی کے درپے ہوتا کہ اُسے تعین اور معرفت نصیب ہو پھر نورِ معرفت کی برکت سے ظلمت جہل سے نجات پا جائے گا اس لئے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ انسان کا خاتمہ اُس عمل پر ہوتا ہے جس پر زندگی بسر کرتا ہے۔

حدیث قدسی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ آپ مغموم کیوں نظر آتے ہیں۔ میں نے کہا مجھے قیامت کے دن میں اپنی اُمت کا بہت بڑا فکر ہے جبریل علیہ السلام نے عرض کی آپ کو یہ فکر کافروں کے لئے ہے یا اہل اسلام کے لئے۔ میں نے کہا کہ مجھے صرف اُن لوگوں کی فکر ہے جو میرا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے ہیں۔ جبریل علیہ یہ سن کر مجھے ابو سلمہ کے گورستان لے گئے اور اپنا دایاں پر مار کر ایک مُردے کو زندہ کیا۔ وہ مردہ نکلا تو اس کا چہرہ سفید تھا اور کہتا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اپنی قبر میں واپس لوٹ جا وہ لوٹ گیا پھر جبریل علیہ السلام نے اپنا بایاں پر دوسری قبر پر مارا اس سے مردہ نکلا تو اس کا چہرہ سیاہ اور آنکھیں نیلی تھیں اور ہائے ہائے پکارتا تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے فرمایا۔ اپنی قبر میں واپس چلا جا۔ جب وہ مُردہ اپنی قبر میں چلا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ یہ لوگ قیامت میں ایسے ہی اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے اپنی اُمّت سے فرمایا کہ جس طرح زندگی بسر کرو گے ویسے ہی مرو گے۔ اسی طرح قیامت میں اُٹھو گے۔ ~

ہر کسے آن درود عاقبت کار کہ کشت

ترجمہ: جس نے جو بویا وہی کھیتی اٹھائے گا

تفسیر صوفیانہ یا ایھا الذین آمنوا میں ان حضرات کی طرف اشارہ ہے جو سیر الی اللہ میں پہنچے ہیں انہیں فرمایا ایمان بالغیب دیئے جانے والو اذا ضربتم فی سبیل اللہ رحب تم طلب ~

سلوک کے قدموں سے چل پڑو۔ یہاں تک کہ تمہارا ایمان ایقان اور ایقان احسان اور احسان عیان اور عیان غیب اور غیب شہادت اور شہادت شہود اور شہود شاہد اور شاہد مشہود بن جائے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مقامات کو قسم سے یاد فرمایا ہے کما قال وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ اسے پوری طرح سمجھنا چاہیے اس لئے کہ یہی شیخوخیت کا مقام ہے کہ مشائخ عظام بھی اپنے مریدین کی پوری جانچ پڑتال اور چھان بین کر کے اسے گلے لگا لیتے ہیں یا پھر اسے رد کر دیتے ہیں وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا میں اشارہ ہے مبتدی سالکوں کی طرف جب وہ ابتدائی طور طلب وارادہ کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں یعنی جب تم میں سے کوئی ارادتمند ہو کر تمہارا دامنگیر ہو اور تمہارے سامنے سر تسلیم خم کرے تو اسے یہ کہو کہ تو تسلیم و رضا میں اور احکام صحبت اور تصرف فی المال والنفس علے شرط الطریقہ میں سچا نہیں اس طرح نہ اسے ہٹاؤ اور نہ ہی نفرت دلاؤ۔ ان تشدیدات کے پیش نظر وہی کہو جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم فرمایا فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا اسے نرمی بات کرو۔ تم انبیا علیہم السلام سے نہ معزز ترین ہو اور نہ ہی تمہارے مریدین فرعون سے ذلیل ترین ہیں اور نہ ہی تم اس کے کھانے سے گھبراؤ۔ اپنے سے اس کا بوجھ ہلکا کرتے ہوئے اس سے اجتناب نہ کرو اس معنیٰ کی طرف اشارہ ہے تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ رزق کے معاملہ میں تو ذرہ بھر ملال نہ کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق کی کمی نہیں اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نیک سبب بناتا ہے کہ اسے معلوم تک نہیں ہوتا۔ ایسے ہی تم پہلے تھے یعنی طلب وصدق میں نہایت کمزور رہنے اور دوامئے ارادہ سے صحبت اور تربیت کے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر احسان فرمایا کہ تمہیں مشائخ کرام کی صحبت نصیب فرمائی اور انہوں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گلے لگا کر اپنی تربیت کے لئے قبول فرما لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں رزق سے نہ بھلایا اور ان مشائخ نے بھی تمہاری شفقت اور کرم نوازی میں کمی نہ فرمائی پھر اے مشائخ کرام تم بھی پوری چھان بین کر لیا کرو کہ مریدین کو کھانے کے خلوص سے کہیں صدق دل کو نہ لوٹا دو اور پھر مریدین کی بہتات کے حرص میں جھوٹے کو اپنے ہاں نہ رکھ لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ازل میں ہی تمہارے آج کے عمل (کہ سچے کو لوٹاتے ہو اور برے کو ساتھ رکھتے ہو) کو جانتا ہے اور یہ بھی اسے معلوم ہے کہ تم رزق کے محتاج ہو جس کی وجہ سے تمہیں ملال رہتی ہے اور وہ تمہارے تمام امور سے باخبر ہے جو کہ اس نے تمہارے لئے ازل سے مقدر فرمائے ہیں اور مقدر کر کے پھر ان سے فارغ ہو گیا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تخلیق و ترزیق اور اجل سے فارغ ہو گیا۔

حدیث شریف فرمایا کہ جب مہمان کہیں سے آتا ہے تو وہ اپنا رزق ساتھ لاتا ہے اور جب وہاں سے کوچ کرتا ہے تو میزبان کے گناہ دھو کر جاتا ہے۔ (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ (جہاد پر سے بیٹھنے والے یعنی جہاد پر نہ جانے والے برابر نہیں ـ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ـ مؤمن مجاہدین سے ـ یہ القاعدین سے حال ہے ـ اب عبارت یوں ہوگی کہ کائنین من المؤمنین ـ اس اضافہ سے یہ فائدہ مطلوب ہے کہ مؤمن کے جہاد پر نہ جانے سے اس کے ایمان پر حرف نہیں آتا اور ساتھ ہی یہ بھی بتانا ہے کہ آئندہ جو ثواب کی جزا مرتب ہوگی ان سے یہ لوگ محروم نہیں ہوں گے ـ

غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ شرطیہ ہے کہ ان کا جہاد پر نہ جانا کسی شرعی عذر کی وجہ سے ہو ـ یہ مرفوع ہے اور القاعدون کی صفت ہے ـ

سوال غیر اپنے مابعد سے مل کر نکرہ رہتا ہے تو پھر القاعدون کی صفت کیسے ؟

جواب ـ القاعدون کا الف ولام عہد ذہنی ہے اور یہ نکرہ کے قائم مقام ہوتا ہے ـ اس لئے کہ اس سے کوئی متعین قوم مراد نہیں ہوتی لیکن یہاں زیادہ موزوں ہے کہ یہ غیر اولی الضرر القاعدون سے بدل ہو ـ

فائدہ ضرر ـ مرض ـ پیدائش ـ اندھاپن ـ لنگڑاپن ـ چلنے پھرنے سے عاجز ہو جانا وغیرہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے اور جو شخص جنگی ساز و سامان سے عاجز ہو ـ

شان نزول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب بیٹھا تھا کہ آپ پر سکینہ (وحی) کا نزول ہونے لگا ـ آپ کی ران میری ران کو لگی ـ اس کا اتنا بوجھ تھا کہ مجھے خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں میری ران ٹوٹ نہ جائے ـ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فراغت پائی ـ اور آثار وحی آپ سے دور ہوئے ـ میں چونکہ آپ کا کاتب وحی تھا ـ تو میں نے آپ کے حکم سے لکھا ـ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ جملہ اترا تو حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ (جو کہ نابینا تھے) نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بندہ خدا کے لئے کیا حکم ہے جو جہاد کی طاقت نہیں رکھتا ان کا یہ عرض سنتے ہی آپ پر پھر نزول سکینہ (وحی) ہوگیا ـ آپ نے بعد فراغت فرمایا ـ اے زید لکھ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ حضرت زید فرماتے ہیں کہ غیر اولی الضرر کے الفاظ ہی نازل ہوئے ـ تو میں نے پچھلے الفاظ سے ملا کر لکھے گویا یوں ہی حکم نبوی تھا ـ

فائدہ القاعدین سے وہ تندرست لوگ مراد ہیں جو جنگ پر نہ جا سکیں اس ارادہ پر کہ ہمارے دوسرے جو گئے ہیں ـ ہم اپنے گھروں کی حفاظت کریں اس لئے کہ جنگ کرنا فرض کفایہ ہے ـ

فائدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں پر بدر کے میدان میں جانے والے اور نہ جانے والے مراد ہیں ـ یہی قول تاریخ نزول آیت کے موافق ہے ـ

وَالْمُجٰهِدُوْنَ اس کا القاعدون پر عطف ہے فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ یعنی وہ مجاہد جو اللہ تعالیٰ کے راہ پر مال لٹاتے اور اپنی جانیں قربان کرتے ہیں ان کا اور جنگ پر نہ جانے والوں کا اجر و ثواب ہیں

منافی نہیں ہوسکتا کہ وہ بلا عذر جنگ پہ جائیں۔

سوال جب سب کو معلوم ہے کہ جنگ پہ بلا عذر نہ جانا۔ جنگ پہ جانے والوں میں اجر و ثواب میں کسی قسم کی برابری نہیں تو پھر برابری کی نفی کی تصریح کا کیا فائدہ۔

جواب اُن کے مراتب میں فرق کی تصریح میں نصیحت مطلوب ہے تاکہ جنگ پہ نہ جانے والا عبرت پکڑے کہ جنگ پہ نہ جانے سے اتنے بڑے درجات اور مراتب سے محروم ہوگیا اور اپنے نفس پہ ملامت کرے گا کہ اتنا بُلند مراتب سے کیوں گرگیا۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (اللہ تعالیٰ نے اموال اور نفوس کے قربان کرنے والوں پر فضیلت بخشی ہے) یہ جملہ برابری کی نفی کی وضاحت کے لیئے لایا گیا ہے اس لیئے کہ برابری کی نفی سے پھر بھی احتمال ہے کہ ممکن ہے کسی دوسری وجہ سے جنگ پہ نہ جانے والوں کی جنگ پر جانے والوں پر کوئی درجہ بلند ہو اور یہ سوال مقدر کا جواب بھی ہے۔ سوال کی تقریر یہ ہے کہ جنگیوں کو غیر جنگیوں پر فضیلت کس بناء پر ہے تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ فضیلت محض فضل الٰہی کی وجہ سے ہے۔ پھر سوال ہوا کہ یہ دونوں مراتب میں برابر کیوں نہیں تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ علے القاعدین۔ چونکہ یہ لوگ جنگ پہ نہیں جاسکے اس لئے مراتب میں کمی واقع ہوگئی۔ باوجودیکہ انہیں کوئی عذر بھی نہیں تھا۔

سوال تم نے عذر کی قید کیوں بڑھائی ہے؟

جواب پہلے جملہ میں عذر کی تصریح ہو چکی ہے اور یہ جملہ اس سے مرتب ہے عذر کی قید بڑھا: سابقہ جملہ کی بنا پر ہے۔

دَرَجَةً اس کی تنوین تفخیم شان کے لیئے ہے۔ اس کی مزید تقریر آئے گی (انشاء اللہ) اس کا منصوب ہونا نزع الخافض کی وجہ سے ہے۔ دراصل بِدَرَجَةٍ تھا۔ یا بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے اس لئے کہ درجۃً فضیلت کے معنیٰ کو متضمن ہے اور درجۃً مَرَّةً وَاحِدَةً کے موقع پر واقع ہوا ہے۔ گویا معنٰے یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جنگ پہ نہ جانے والوں پر ایک مرتبہ کی فضیلت بخشی۔ اس کی نظیر یہ جملہ ہے ضربہ سوطًا بمعنے ضَرَبَهٗ ضَرْبَةً یعنی اسے ایک بار مارا ہے۔

وَكُلًّا اور ہر ایک کو یعنی جنگ پہ جانے والوں اور نہ جانے والوں کو وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (اللہ تعالیٰ نے نیکی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اَلْحُسْنٰى سے بہشت مراد ہے اور یہ وعدہ اُن کے حُسنِ عقیدہ اور خلوص نیت کی وجہ سے ہے ہاں فرق بوجہ عمل کے ہے کہ جتنا عمل زیادہ اتنا ثواب میں اضافہ۔

فائدہ كُلًّا وَعَدَ کا مفعول اوّل اور الحسنیٰ مفعول ثانی ہے۔

سوال کُلًّا کی تقدیم میں کیا فائدہ ہے؟

جواب افادہ قصر مطلوب ہے تاکہ وعدہ میں تاکید ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر دونوں کو بہشت کے وعدہ سے نوازا ہے نہ کہ انہیں صرف ایک سے۔

فائدہ یہ جملہ معترضہ ہے تاکہ ایک وہم پیدا شدہ کا تدارک ہو جائے۔ وہم کی تقریر یہ ہے کہ جب جنگ پہ جانے والوں کو فضیلت بخشی گئی تو نہ جانے والوں کو بہشت کا وعدہ ہے یا نہ۔ اس جملہ سے یہ وہم دفع ہو گیا۔

مسئلہ اس آیت سے فقہا نے مسئلہ شرعیہ کا استنباط کیا ہے وہ یہ کہ جہاد فرض کفایہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دونوں کو بہشت کے وعدہ سے نوازا ہے اگر ہر فرد پر جہاد فرض ہوتا تو نہ جانے والوں کو اس آیت میں بہشت کے وعدہ سے نہ نوازا جاتا۔

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اس کا سابقہ جملہ فضل اللہ پر عطف ہے۔
اَجْرًا عَظِيْمًا۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ پہ جانے والوں کو نہ جانے والوں پر بہت بڑے اجر سے فضیلت بخشی ہے۔ اَجْرًا عَظِيْمًا مفعول مطلق ہے۔ اس لئے کہ فضل اللہ بمعنے اجر اللہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت اجر سے انہیں نوازا ہے۔

سوال فضل اللہ الخ کو بمعنے اجر اللہ میں لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب تاکہ معلوم ہو کہ ان کو یہ اجر عظیم ان کے عمل جہاد کی وجہ سے ہے۔ یا اَجْرًا عَظِيْمًا مفعول بہ ہے اس لئے کہ فضل اللہ الخ اعطی اللہ کے معنے کو متضمن ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے بہت بڑے اجر سے نوازا ہے۔ بعض کے نزدیک اجراً عظیماً میں نزع الخافض ہے کہ دراصل فضلھم باجر عظیم ہے۔

دَرَجٰتٍ یہ اجر سے بدل الکل ہے فضیلت کی کمیت کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ **مِّنْهُ** درجات کی صفت ہے جو درجات کی تفخیم اور جلالت قدر پر دلالت کرتا ہے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑے بلند درجات نصیب ہوں گے۔

فائدہ مروی ہے کہ ہر ایک کے مابین ستر درجات کا فرق ہوگا اور ایک درجہ کی بلندی اتنی ہوگی کہ تیز رفتار گھوڑا اگر ستر سال دوڑے تو کہیں دوسرے درجہ کو پہنچے یا ان کے سات سو درجات ہوں گے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں یکصد درجات ایسے ہیں جو صرف مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے مختص ہیں۔ انمیں دو درجوں کے مابین کی مسافت زمین و آسمان کی مسافت کے برابر ہے۔

فائدہ ممکن ہے درجات کا منصوب ہونا مفعول مطلق کی وجہ سے ہو جیسے عربی میں مقولہ ہے "ضربہ اسواطاً ای ضرباتٍ" اب معنے یہ ہوگیا کہ "فضل تفضیلات" یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت بڑی فضیلتیں بخشی ہیں۔

وَمَغْفِرَةً ۔ یہ اجرًا سے بدل البعض ہے اس لئے کہ بعض اجر ایسے ہیں جو مغفرۃ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی اُن سے جو کوتاہیاں ہوئیں اُن سے درگذر فرمایا کہ جنگ پہ نہ جانے والوں کی باقی نیکیاں اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اگرچہ وہ بُرائیوں کے بھی مرتکب نہ ہوئے ہوں۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو صرف مجاہدین کو نصیب ہوگی وَّ رَحْمَةً ؕ یہ درجات کی طرح اجرًا سے بدل الکل ہے اور ممکن ہے کہ یہ منصوب ہو اور اُس کا فعل یہاں محذوف ہو ای غَفَرَ لَهُمْ و رحمهم رَحْمَةً (انہیں بخشا اور ان پر رحم فرمایا)۔

فائدہ فضل اللہ کا تکرار بطریق عطف کے اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ پہلی اور دوسری فضیلت کو آپس میں مغایرت ہے چنانچہ ایک کو درجہ سے مقید کیا اور دوسری کو درجات سے باوجودیکہ آیت میں مفضل اور مفضل علیہم ایک جماعت ہے چنانچہ کلام کا مقتضیٰ اور اُس کا حسنِ انتظام بھی اسی طرف مشیر ہے نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک مضمون کو دونوں عنوانوں سے دو طرز یعنی ایک کو درجے اور دوسرے کو درجات سے نازل کرنا ظاہر کرتا ہے کہ گویا اُن دونوں کو ذاتی مغایرت ہے تاکہ اوّلاً ابہام پیدا ہو پھر اُسے تفسیر سے دور کیا جائے پھر اس سے مزید تحقیق و تقریر پیدا ہوجائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا۔ فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۔ جب ہمارا حکم ہوا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور اہل ایمان کو اپنی رحمت سے نجات دی اور انہیں ہم نے سخت عذاب سے نجات بخشی۔ اس تقریر سے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے والوں کو نہ کرنے والوں پر ایک ایسے درجہ سے فضیلت بخشی ہے کہ اندازہ بیان سے باہر ہے اور نہ ہی اس کی کنہ کو کوئی پہنچ سکتا ہے۔ جب ان دونوں کے مراتب میں فرق واضح ہوگیا تو کسی کو گمان ہوا کہ پھر اُن کا آخرت میں کیا حال ہوگا۔ جنگ پہ نہ جانے والوں کو بہشت سے محروم رکھا جائیگا اس وہم کو دُور کرنے کے لئے فرمایا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۔ پھر لفظ درجہ کی تنکیر و حدۃ سے وہم پیدا ہوا کہ شاید جنگیوں کو معمولی درجہ نصیب ہوگا۔ اس وہم کے ازالہ کے لئے دوسرے جملہ میں درجات فرمادیا۔ تاکہ پوری طرح اس وہم کا قلع قمع ہوجائے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ فصاحت و بلاغت کا کیا کہنا کہ ایک جملہ میں کئی مضامین شامل فرمائے۔

تقریر دیگر بطرز دیگر اگر ان دونوں اختلافوں کو ذاتی اختلافی پر محمول کیا جائے تو اس کی تقریر یوں ہوگی کہ تفضیل اوّل تفضیل ثانی سے اور درجہ درجات سے ذاتی طور مختلف یوں ہے کہ فضیلت اوّل سے مراد وہ انعامات ہیں جو مجاہدین کو دنیا میں حاصل ہوئے مثلاً مالِ غنیمت۔ فتحمندی اور اچھی شہرت یہ گویا صرف ایک درجہ ہے اور فضیلت ثانی سے آخرت کے درجات بلند جو کہ مجاہد کو نصیب ہوں گے جن کی گنتی کسی کو معلوم نہیں چنانچہ اُن دونوں فضیلتوں کی تقدیم و تاخیر سے معلوم ہوتا ہے اور پھر درمیان میں بہشت کے ذکر سے اشارہ ہے کہ دنیا کے درجات سے آخرت کے درجات کہیں زیادہ ہیں جن کا شمار ناممکن ہے اور ان دونوں کے درمیان ایسی شئی کا ذکر

کیا گیا ہے جس کا درمیان میں ذکر کرنا ہی موزوں تھا۔ یعنی بہشت۔ اس لئے کہ اس میں سے دونوں مجاہدین و غیر مجاہدین کے حال کی توضیح مطلوب ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ مفضول یعنی غیر مجاہدین کو بھی جلدی سے تسلی ہو جائے کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ جب میں جہاد میں نہیں جا سکا تو نامعلوم مجھے بھی بہشت نصیب ہو گی یا نہ (واللہ وسبحنہٗ اعلم)

فائدہ بعض نے کہا کہ مجاہدین اوّل سے مجاہدین بالکفار اور دوسرے سے مجاہدین بالنفس مراد ہیں۔ اسی مطابق حضور علیہ السلام نے فرمایا "رَجِعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (ہم جہاد اصغر سے لوٹ کر جہاد اکبر کی طرف جا رہے ہیں)۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو وہ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ رَّحِيْمًا رحیم ہے کہ اپنے بندے کو اپنی رحمت سے بہشت میں داخل کرے گا۔ یہ تتمہ ہے سابق مضمون کا جس میں مجاہدین کو مغفرت کا وعدہ فرمایا۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولیا کرام کو نفس کرامت میں سب کو برابر بنایا۔ لیکن درجات میں فرق رکھا۔ بعض اُن میں غنی ہیں تو دوسرے ان میں غنی تر ہیں بعض ان میں کبیر ہیں تو دوسرے ان میں سے کبیر ترین ہیں۔ مثلاً ستارے بھی نورانی ہیں لیکن چاند کے سامنے کچھ نہیں۔ اسی طرح بہشت بھی سب کو نصیب ہو گی خواہ وہ منتہی اولیا ہوں یا مبتدی۔ خواہ نیکیوں سے انہیں بہشت حاصل ہو گی یا ویسے ہی بہر حال سب ہوں گے تو بہشت میں لیکن اعلیٰ درجات کے مالک کہیں بلند مراتب پر فائز ہوں گے اور نچلے درجے کے لوگ نچلی سطح میں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرّہٗ نے فرمایا ؎

(۱) اے کمند بدن چوں طفل صغیر
مانده در دست خواب غفلت اسیر

(۲) پیش زاں کت اجل کند بے دار
گر نمردی ز خواب سر بردار

(۳) انما السائرون کل رواح
یحمدون السری لدی الاصباح

(۱) اے بدن کا ڈھانچہ تو تو چھوٹے بچوں کی طرح تو تو خواب غفلت کے ہاتھ میں قیدی ہے
(۲) اس سے پہلے کہ تجھے اجل بیدار کرے تو موت سے پہلے ہی سر اٹھا۔
(۳) ہر وقت سیر کرنے والے صبح کے وقت حمد الٰہی کہتے رہتے ہیں۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد پہ شرعی عذر مثلاً بیماری کی وجہ سے نہ جانا جہاد پہ جانے والوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سرور عالم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو فرمایا مدینہ طیبہ میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ جہاں تم رہے وہ تمہارے ساتھ تھے صحابہ مجاہدین نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ مدینہ طیبہ میں رہ کر بھی ہمارے ساتھ تھے آپ نے فرمایا ہاں وہ اس لئے کہ وہ صرف عذر شرعی کی وجہ سے تمہارے ساتھ نہ جا سکے ورنہ اُن کی نیات اور ارادے تو تھے اور ان کا دل جہاد کی طرف لٹکا رہا۔ صرف بیماری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے ؎

ہر کسے از ہمت والائے خویش

سُود بُرد در خور کالائے خویش

ترجمہ: ہر ایک اپنی ہمت کے مطابق اور ہر ایک اپنے سامان کے موافق نفع پاتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بندہ بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کرام سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کے وہ اعمال بدستور لکھتے رہو جو بحالت تندرستی کرتا تھا یہاں تک مرض سے نجات پائے۔

مسئلہ مفسرین نے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ السّٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کے وہ اعمال بدستور لکھے جاتے ہیں جو وہ بڑھاپے سے پہلے کرتا تھا (کسی قسم کی کمی نہیں کی جاتی)۔

حدیث شریف نية المؤمن خيرٌ من عمله (مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اس کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں کہ مؤمن چونکہ اپنے دل میں ایمان و اعمال صالحہ کی نیت رکھتا ہے اس لئے اگرچہ بہت عرصہ زندہ رہے تو بھی اس کا اُسے ثواب ملتا رہے گا۔

سوال تم نے لکھا ہے کہ بلا عذر شرعی جنگ پہ نہ جانے سے ثواب میں کمی واقع نہیں ہوتی یہ آپ نے کہاں سے سمجھا؟

جواب حکم ربانی سے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا لیس علی الضعفاء ولا علی المرضٰی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرجٌ اذا نصحوا للہ ورسولہٗ یعنی کمزور اور بیمار مریضوں پر کوئی حرج نہیں اور نہ ہی ان لوگوں پر جو جہاد کے لئے خرچہ کی فرصت نہیں رکھتے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہی رکھتے ہوں۔

فائدہ نصیحت کا لفظ جب اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو تو اس سے اُن کی طاعت و فرمانبرداری مراد ہوتی ہے اور اُن کی فرمانبرداری بھی ظاہر و باطن میں برابر ہو۔ اسی طرح دکھ اور سکھ میں

باقی صـ ۲۲۶ پر

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَٰئِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ
قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً
فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا
الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا
يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ
اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا
كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ
يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

ترجمہ: وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے اُن سے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی مگر وہ جو دبائے گئے مرد اور عورتیں اور بچے جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے نہ راستہ جانیں تو قریب ہے ایسوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آیا تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَٰئِكَةُ (بے شک وہ لوگ جنہیں ملائکہ کرام مارتے ہیں) تَوَفَّاهُمْ میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ صیغۂ ماضی ہے اور اس سے ایک مخصوص قوم مراد ہے جو آیت کے نزول سے پہلے گذری یا یہ مضارع کا صیغہ ہے اس میں ایک تا حذف کی گئی ہے دراصل تتوفّٰھم تھا اس معنی پر آیت عام ہے یہ اس شخص کے لئے ہوتا ہے جو ان اوصاف سے موصوف ہوتا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں مضارع حکایت حال ماضی کے لئے واقع ہوا ہے اور اُس سے اس صورت کو سامنے لانے کا مقصد مطلوب ہے چنانچہ اُن کی خبر فعل ماضی واقع ہوئی ہے یعنی قَالُوا اور قاعدہ ہے کہ جہاں إِنَّ کی خبر فعل ماضی واقع ہو تو وہاں مضارع حکایت حال ماضی کے لئے ہوتا ہے۔ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَٰئِكَةُ سے موت کے وقت ملائکہ کا مردہ کی روح قبض کرنا مراد ہے اور ملک سے وہ فرشتہ مُراد ہے جس کو ارواح قبض کرنے پر مقرر کیا گیا ہے یعنی عزرائیل علیہ السلام۔ اس

کام کے لئے اُن کے حامی اور مددگار ملائکہ بھی ہیں۔

سوال اللہ تعالیٰ نے ارواح قبض کرنے یعنی موت دینے کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کما قال اللہ یتوفی الانفس حین موتھا یعنی نفسوں کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ انہیں خود مارتا ہے اور اس آیت میں ملائکہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

(بقیہ صـ ۲۲۵)

ہر طرح فرمانبردار رہے اسی طرح کسی سے محبت کرے تو اُن کی رضا مطلوب ہو اور اگر کسی سے بغض کرے تو اُس کی خوشنودی مدنظر ہو۔ جیسے خیر خواہ نوکر اپنے آقا سے خیر خواہی کرتا ہے (تفسیر الارشاد)۔

فضیلت جہاد جہاد بہترین عمل اور افضل اعمال میں سے ہے۔ عاقل کے لئے لازم ہے کہ وہ جہاد کسی حالت میں بھی ترک نہ کرے۔ یا کم از کم دل میں ہی آرزو رکھے بغیر جہاد مر جائے گا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔

فائدہ التحدث یعنے جنگ کی طلب میں رہنا اور اس کی آرزو دل میں رکھنا۔

نسخہ تصوف بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ فضیلت عزم بالجزم میں ہے نہ کہ عمل پر کمربستہ ہونے میں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جس پر اکثر لوگوں کو رشک رہے گا۔

① تندرستی

② فراغت

شرح حدیث شریف محدثین اس کا مطلب یوں لکھتے ہیں کہ جس پر اللہ تعالیٰ ان دونوں کا انعام کرتا ہے یعنی اس کا جسم صحت و عافیت میں رہتا ہے اس لئے کہ صحت و عافیت تمام نعمتوں کی سرتاج ہے لیکن یہ تاج صرف بیماروں کو محسوس ہوتا ہے اور فراغت بھی دنیا کے بہترین مشاغل سے ہے۔

سبق جسے یہ دونوں نعمتیں حاصل ہوں اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں صرف کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ جن لوگوں کو اُن پر رشک ہوگا وہ بھی صرف اس لئے کہ ان لوگوں نے ان نعمتوں کو ضائع کرکے اُن کے مراتب اور درجات سے محروم ہوگئے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو اپنی زندگی سے نفع پاتے ہیں۔ اور بیماری و تندرستی میں تیری یاد میں رہتے ہیں۔ ہمیں اپنی ذات کی دوری سے بچا۔ تیری یاد سے ہم ایک لمحہ بھی دور نہ ہوں اور نہ ہی تیری راہوں سے ہمیں انقطاع ہو تو غفور رحیم ہے ہماری اس دعا کو مستجاب فرما۔

جواب چونکہ حقیقی طور پر موت و حیات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے کما قال ھُوَ الَّذِیْ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ۔ اس لئے کہ موت کا خالق وہی ہے۔ لہٰذا اس معنے پر اللہ تعالیٰ نے موت دینے کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور ملائکہ کی طرف موت دینے کی نسبت مجازاً ہے[1]۔

ظَالِمِیْ اَنْفُسِھِمْ درانحالیکہ وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی طرف ہجرت نہ کی اور مکہ مکرمہ میں ہی کفار کے ساتھ ہی رہنے کو پسند کیا اور ان کا ایسا کرنا اُن کے امور دین میں کمی اور نقص کا موجب بنا۔

شان نزول یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہیں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن مکہ سے ہجرت نہ کر سکے جبکہ اس وقت ہجرت فرض تھی۔

قاعدہ ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی کہ حضور علیہ السلام مکہ مکرمہ کو چھوڑ گئے تو انہیں بھی مکہ مکرمہ کا چھوڑنا فرض تھا لیکن یہ حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے لَا ھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ جو لوگ ایمان لانے کے بعد ہجرت نہ کر سکے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا (جو لوگ ایمان لاکر ہجرت نہیں کرتے اُن سے تمہارا تعلق نہ ہو جب تک ہجرت نہ کریں)۔ ظَالِمِیْ اَنْفُسِھِمْ، تَوَفّٰھُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

سوال حال نکرہ ہوتا ہے اور یہاں معرفہ ہے اس لئے کہ ضمیر کی طرف مضاف ہے؟

جواب چونکہ یہ اضافت لفظیہ ہے اور اضافت لفظیہ نکرہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

قَالُوْا یعنی ملائکہ کرام نے فوت ہونے والوں کو کہا تاکہ انہیں اپنی غلطی پر یقین ہو کہ وہ باوجودیکہ اسلام کا اظہار و احکام اسلام کی پابندی کی مثلاً نمازیں پڑھتے اور دیگر اُمور بجالاتے لیکن انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فِیْمَ کُنْتُمْ تم کس عمل میں تھے یعنی دینی اُمور میں کونسے امور کے پابند تھے اس کے بعد سوال ہوا کہ جب فرشتوں نے انہیں جھڑکا تو انہوں نے کیا جواب دیا تو فرمایا قَالُوْا (اپنی غلطی سے صریح روگردانی کرتے ہوئے باتیں بنانی شروع کردیں گے اور اپنے گمان فاسد پر کہ وہ مجبور محض تھے) کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ہم کمزور تھے یعنی مکہ مکرمہ میں ہم ایسے لوگوں میں تھے کہ جن کے سامنے ہم دینی اُمور کے موجبات ادا کرنے سے عاجز تھے قَالُوْا ملائکہ نے انہیں ان کی عذرداری کو رد کرتے ہوئے انہیں جھڑکی دے کر فرمایا کہ اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا

---

[1] اسی طرح حقیقی مدد اللہ تعالیٰ کی ہے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی طرف بطور مجاز استعمال کی جاتی ہے (اُویسی غفرلہٗ)

فِيْهَا ' کیا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی زمین میں وسعت نہیں تھی کہ تم مکہ مکرمہ سے نکل کر کسی دوسرے علاقہ میں ہجرت کر جاتے تاکہ تم دینی امور سرانجام دیتے جیسے ان مہاجرین نے کیا جو مدینہ طیبہ یا حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔

شانِ نزول بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کا ذکر آیت میں ہوا ہے وہ ایسے تھے کہ انہوں نے مشرکین کے ساتھ مل کر بدر میں اہل اسلام سے لڑے پھر وہیں مارے گئے تو ملائکہ کرام نے ان کے چہروں اور پیٹھوں کو پر مار کر وہی فرمایا جو آیت میں مذکور ہوا تاکہ وہ اپنے کئے کا مزہ چکھیں کہ کفار کے ساتھ موافقت کر کے اہل اسلام پر حملہ کیا جب انہوں نے یہ عذر کیا کہ ہم اہلِ مکہ کے زیر اثر تھے اُن سے جان چھڑانا مشکل تھی اس لئے ہم اُن کے ساتھ ہو گئے تو ملائکہ کرام نے اُن کا یہ عذر بھی رد کر دیا کہ تمہیں مکہ میں رہنا کچھ ضروری نہیں تھا۔ تمہیں وہاں سے نکلنے کی طاقت بھی بھی تھی لیکن اُس کے باوجود مکہ میں رہے۔

فَاُولٰٓئِكَ وہ لوگ جن کا ابھی ذکر ہوا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ آخرت میں اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے جیسے دنیا میں اُن کا ٹھکانہ دارالکفر تھا اور ترکِ واجب کر کے کافروں کے ساتھ رہے اور جہنم اُن اس لئے ٹھکانہ بنا کہ انہیں اپنے عمل کا نتیجہ معلوم ہو۔ اس سے ثابت کرنا مطلوب ہے کہ ان کا ہجرت نہ کرنے کا عذر بالکل بے اصل ہے۔ اس کے بعد اور جملہ لایا گیا ہے جس کا سابقہ جملہ پر عطف ہے۔ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۙ اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے جہاں وہ رہیں گے اس کا نام جہنم ہے اور بہت بری رہائش گاہ ہے۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ ہاں ان میں کمزور ہیں مرد ہیں یا عورتیں یا بچے تو ان کے لئے معافی ہے یہ استثناء منقطع ہے۔ اس لئے کہ وہ مرنے والے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تو وہ مرتد تھے یا کم از کم گنہگار ضرور تھے کہ استطاعت کے باوجود ہجرت نہ کر سکے اور یہ کمزور لوگ جو نہایت ہی عاجز تھے اور کفار کے زیر اثر کہ انہیں ہجرت کرنے کی طاقت نہ تھی اور وہ واقعی مجبور تھے اس لئے وہ ان فوت ہونے والوں میں شامل نہیں ہوں گے اس بنا پر یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور من الرجال الخ جار مجرور مل کر مستضعفین سے حال ہے یعنی وہ کمزور جو ان میں سے مرد ہیں یا عورتیں وغیرہ۔

سوال اگرچہ مستثنیٰ منقطع مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا لیکن اس کے حکم میں تو ہوتا ہے اور مرد و عورت کے لئے جہنم کی وعید ہو تو ہو لیکن بچے تو اس وعید میں داخل نہیں اور یہ مسئلہ تو سب کو معلوم ہے جب بچے داخل نہیں تو پھر انہیں مستثنیٰ کی گنتی میں کیسے داخل کیا جا سکتا ہے۔

جواب ترک ہجرت کے لئے تحذیر پر مبالغہ مطلوب ہے اور اشارہ ہے کہ غیر مکلف اس کی استطاعت پائیں تب بھی اُن کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہجرت کر جائیں چہ جائیکہ مکلف ہو کر طاقت کے باوجود ہجرت نہ کریں۔

مسئلہ اس سے صراحت ہو گئی کہ غیر مکلف کو بھی ہجرت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ بچوں پر بھی واجب ہے کہ قبل بلوغ ہجرت کی سعی کریں۔ جبکہ انہیں ہجرت کا موقعہ میسر آجائے۔

مسئلہ بچوں کے سرپرستوں پر لازم ہے کہ جب بھی ہجرت کی استطاعت ہو بچوں کو ساتھ لے جائیں۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۙ نہ وہ حیلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں راہ ملتا ہے یہ المستضعفین کی صفت ہے اس لئے کہ یہ کسی معین معنیٰ کے لئے مستعمل نہیں لہٰذا یہ نکرہ کے حکم میں ہے اور استطاعۃ جیلسے ہجرت کے اسباب یا وہ امور جن پر ہجرت کا حصول موقوف پالینا مراد ہے اور اھتدائے سبیل سے ہجرت گاہ کا راستہ کا خود کو یا کسی دلیل سے معلوم ہونا مراد ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جن کے عجز کے صفات مذکور ہیں۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ لفظ عسٰی (جو کہ طمع کے معنیٰ ہیں آتا ہے) اور لفظ عفو کو ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ امر بہت اہم ہے یہاں تک مجبور محض پر لازم ہے کہ وہ اس امر سے بے خوف نہ رہے اور فرصت کو ملحوظ رکھ کر دل کو اس سے لگادے۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے عفو کا معنیٰ ہے سزا سے اعراض اور درگزر کرنا۔ اور غفور کا معنے قبائح اور ذنوب کو دُنیا و آخرت میں پوشیدہ رکھنے والا ہے وہ ذات کامل العفو اور اکمل الغفران ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

پس پردہ بیند عملہائے بد

ہم او پردہ پوشد بالائے خود

ترجمہ: پھر وہ ہمارے بداعمال کھلم کھلا دیکھ کر اپنی مہربانی سے ان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ جہاں امور دینیہ رائج کرنے میں سخت دقت ہو تو دوسری جگہ ہجرت کرنا ضروری ہے تاکہ دینی امور آسانی سے نشر و اشاعت کئے جاسکیں۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صرف دین کی خاطر ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرے گا۔ اگرچہ بالشت بھر بھی تو اس کے لئے بہشت واجب ہوگی اور آخرت میں اسے سیدنا ابراہیم اور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوگی۔

مسئلہ علامہ حدادی نے اپنی تفسیر میں تحت آیت الم تکن ارض اللہ واسعۃ الخ لکھا ہے کہ جسے کسی جگہ پر دین حق ظاہر کرنے سے روکا جاتا ہے تو اسے دوسری جگہ ہجرت کرنا ضروری ہے۔ کل قیامت میں آل و اولاد اور مال و اسباب و دیگر اعذار نہیں سنے جائیں گے۔

حدیث شریف حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ جہاں پر گناہ بلا خوف و خطر سرزد ہوتے ہوں وہاں سے نکل جانا لازمی امر ہے۔ ؎

سعدیا حُب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زدم

ترجمہ: اسعدی اگر حب الوطن حدیث صحیح ہے لیکن اپنے پیدائشی علاقہ میں سختی اٹھا کر مرنا اچھا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مؤمن کی قسم ہیں۔

① عام
② خاص
③ خاص الخاص۔

① چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ تو بعض ان کے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اس سے عام مؤمن مراد ہیں۔

② اور فرمایا وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ (اور بعض ان کے درمیانہ رو ہیں) اس سے خاص حضرات مراد ہیں۔

③ اور فرمایا وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرِ (اور بعض ان کے سابق بالخیر ہیں۔ اس سے خاص الخاص حضرات مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی اَلَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الخ وہ عوام مراد ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ ان کا تزکیہ کرکے اخلاق مذمومہ کا خوگر بنایا اور اخلاق محمودہ سے محروم رکھا۔ اگر وہ نفوس کا تزکیہ کرتے تو وہ کامیاب ہوتے لیکن ترک تزکیہ سے انہیں خسارہ ملا اور وہ گھاٹے میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا بے شک کامیاب ہوا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور گھاٹے میں رہا جس نے اس کا ترک کیا۔

"قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ" یعنی فرشتے کہیں گے جب اُن کی ارواح قبض کریں گے کہ تم کس غفلت میں رہے کہ تم نے اپنی زندگیاں ضائع کردیں اور جو جوہر تمہارے اندر رکھا گیا اُسے تم نے برباد کردیا پھر کونسی خواہش نفسانی کی وادی میں حیران و سرگردان رہے اور دنیا کے کونسے باغ میں گھومتے رہے۔ تم نے فانی امور کو باقی رہنے والی اشیاء پر ترجیح دی۔ تم نے شراب طہور اور اس کے ساقی کو بالکل بھلا دیا۔ اپنے بزرگوں پر نظر کرو کہ انہوں نے اپنے مال اور نفس اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کردیئے۔ اپنے وطنوں اور بھائیوں، دوستوں سے جدائی اختیار کی۔ فرشتوں کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ (ہم اللہ کی راہ پر نفس پر قابو پانے سے عاجز تھے) اور ہمارے اوپر نفس کی خواہشات غالب ہوگئیں اور ہم شیطان کے پھندے میں پھنس گئے اور اُس نے ہمیں نفسانی خواہشات میں پھنسائے رکھا۔ قَالُوْا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فرشتے انہیں کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین یعنی قلبی وسعت فراخ نہ تھی فَتُهَاجِرُوْا تم اس کی طرف ہجرت کرجاتے یعنی بشریت کے تقاضوں سے نکل کر تم روحانیت کے طویل و عریض مُلک میں پھیل جاتے بلکہ ھُویت کی ہوا میں اُڑتے۔ فَاُولٰٓئِكَ پس جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم

کیا۔ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ (اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے یعنی مقامات قرب کی جہنم بعد اُن کا ٹھکانہ ہے وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ یعنی قرب حق سے محروم لوگوں کو جو جدائی حاصل ہوگی وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے اور انہیں بھی سخت مصیبت کا سامنا کرنا ہوگا جو دنیا میں نفس کے جہاد سے محروم رہے اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ ہاں وہ کمزور مرد عورتیں اور بچے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ کثرت عیال اور ضعف حال کی وجہ سے اپنے اخراجات اور ضروریات زندگی سے فراغت پاکر نہ وہ دنیا سے نکل سکتے اور نہ ہی انہیں نفس پر قابو پانے کی تدبیر حاصل کرنے کا موقعہ پاتے اور نہ ہی وہ خواہشات نفسانی پر غلبہ پانے کی فرصت رکھتے اور نہ ہی طلب ہدایت کے لئے شیطان کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں سیدھے راستہ پر چلنے کا وقت ملتا ہے تاکہ وہ کسی صاحب ولایت کا دامن پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی تھام سکیں اور طلب مولیٰ کے لئے ارادہ طلب حق پر گامزن ہو سکیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندہ یعنی ولی اللہ سے ارض بشریت کی اندھیریوں سے نکال کر اقدام عبودیت سے آسمان کے نوتک پہنچ جائے۔ یہی حضرات درمیانہ رَو کہلائیں گے اور انہیں اصطلاح تصوف میں مشتاق کہا جاتا ہے لیکن وہ بے چارے انانیت کے پردے میں محجوب ہو کر دیدار جمال حق سے محروم ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے معذور قرار دے کر اپنی رحمت کا مستحق بنا دیا اور وعدہ کریمہ سے نوازا۔ چنانچہ فرمایا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ (انہیں معاف فرما کر سکون الی اللہ اور غیر اللہ سے روگردانی کی دولت سے نوازے گا۔) اس لئے وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا (وہ ازل سے معاف کرنے اور بخشنے والا ہے) اپنے عفو کے پیش نظر اُن کی کوتاہیوں سے درگذر فرماتا ہے اور اپنی بخشش سے انہیں حق عبودیت سے نوازتا ہے (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے) اس آیت میں ہجرت کی ترغیب مطلوب ہے اور آنے والے مضمون کی تمہید ہے اور سبیل اللہ سے وہ راستہ مراد ہے جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہو مُرٰغَمًا كَثِيْرًا (تو زمین پر بہت سی ہجرت کی راہیں اور فوائد پائے گا۔ یہ سابق کی تاکید ہے تاکہ معلوم ہو کہ ایسا مہاجر بمجرد ہجرت کے ابتدا سے ہی اس کی موعودہ تمام خیرات و برکات سے نوازا جائے گا جو ہجرت کو مکمل طور پر عمل میں لاتا ہے اور ان لوگوں کو بھی جن سے یہ ہجرت کر کے جا رہا ہے اور انہیں سُن کر سخت عبرت ہوگی کہ اس عمل میں کتنے بے شمار انعامات ہیں۔

فائدہ الرغم ذلت اور خواری کو کہتے ہیں اور لغت میں بمعنے ناک گھسیٹنے کو کہا جاتا ہے اہل عرب کہتے ہیں ارغم اللہ انفہ (اللہ تعالیٰ اس کا ناک زمین پر گھسیٹے)۔

نکتہ چونکہ ناک انسان کے لئے حد درجہ کی عزت کا مقام ہے اور متی عرف میں انتہائی ذلت بھری ہے اس لئے اگر کسی کو ذلیل و خوار کرنا مطلوب ہوتا ہے تو کہتے ہیں رغم انفہ (خدا کرے اس کا ناک مٹی سے رگڑا جائے)۔

وَّسَعَةً (اور رزق اور اظہار دین میں فراخی) وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا (اور جو اپنے گھر اور اپنی برادری اور بال بچوں کو چھوڑ کر) اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی طرف نکلتا ہے) ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ پھر اسے موت گھیر لیتی ہے قبل اس کے کہ وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچے اگرچہ اپنے گھر کے صرف دروازہ پر ہی نکلا تھا کہ موت آگئی چنانچہ یُهَاجِرْ کے بجائے یَخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ سے پتہ چلتا ہے فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ تو اس کا ثواب اللہ کے ہاں مقرر ہوگیا۔ وقوع وجوب کے معنٰی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا اجر و ثواب واجب ہوگیا۔ یعنی اُسے اجر ضرور نصیب ہوگا۔ اس لئے کہ ثبوت بھی بمعنے واجب کے آتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے یعنی بندے سے جتنی بھی غلطیاں ہوتی ہیں اُس کے تمام خطا اور گناہ بخش دیتا ہے۔ منجملہ اس کے گناہوں کے ایک یہ تھا کہ وہ ہجرت میں اتنی دیر سستی میں رہا۔ رَّحِیْمًا بہت بڑا مہربان ہے۔ بندے کو کمال مہربانی سے پُورا پُورا ثواب عطا فرماتا ہے۔

شانِ نزول حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی تمام آیات لکھ کر مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کی طرف بھیجیں حضرت جندب بن حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بنو لیث کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے)۔ اس وقت سخت بوڑھے ہوچکے تھے یہاں تک کہ سواری پر بھی نہ بیٹھ سکتے تھے آپ نے آیاتِ مبارکہ سنتے ہی اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ مجھے اٹھا کر مدینہ طیبہ لے چلو۔ اس لئے کہ میں کمزور لوگوں میں سے نہیں ہوں اور نہ ہی میں مدینہ کے راستہ سے بے خبر ہوں اور مال بھی رکھتا ہوں کہ جس سے میں مدینہ طیبہ آسانی سے جاسکتا ہوں بخدا اب تو مکہ معظمہ میں ایک لمحہ بھی ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادوں نے انہیں چارپائی پر بٹھا کر اٹھایا اور مدینہ طیبہ کو لے چلے جب مقام تنعیم تک پہنچے (یہ مکہ معظمہ کے قریب ہے) تو آپ پر نزع طاری ہوگئی تو فوراً دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر کہا یا اللہ یہ ایک ہاتھ تیرے لئے اور دوسرا تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے اور میں وہی بیعت کر رہا ہوں جو تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے ساتھ کی۔ یہ کہہ کر فوت ہوگئے اور بحمدہٖ تعالیٰ نیک نصیب لے کر فوت ہوئے کفار نے سُن کر کہا کہ بے چارے کو کیا ملا جبکہ منزل مقصود تک بھی نہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی نیک کار کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس کی تکمیل سے معذور رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے مکمل ثواب عنایت فرمائے گا۔

مسئلہ کشاف میں ہے کہ اہلِ اسلام کا قاعدہ ہے کہ جو کسی دینی اسلامی غرض سے اپنے وطن سے نکلے مثلاً علم حاصل کرنے یا جہاد کے لئے یا اپنے شہر سے دوسرے شہر میں اس نیت پر جائے کہ وہاں طاعتِ الٰہی سکون کے ساتھ نصیب ہوگی یا اپنے شہر سے دوسری طرف اس لئے جائے کہ یہاں کی فضول خرچی سے بچ جائے گا اور

وہاں قناعت حاصل ہوگی۔ یا اس نیت سے جائے کہ وہاں رزق حلال حاصل ہوگا تو یہ بھی مہاجر الی اللہ ورسولہٗ ہے۔ اگرچہ اُسے راستہ میں موت آجائے تو بھی اسے ثواب نصیب ہوگا۔

مسئلہ حضرت شیخ الشہیر باقتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو شخص جائز مراد دل میں رکھتا ہے لیکن تکمیل سے پہلے فوت ہو جائے تو اُسے وہ مراد ضرور ملے گی مثلاً کوئی حج کعبہ کو جا رہا ہو کہ راستہ میں موت واقع ہو تو اُس کے دو حج لکھے جائیں گے۔

فائدہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ (عارف باللہ قدس سرہٗ) سے سُنا کہ اس آیت کی تفسیر میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص ارضِ بشریت سے چل کر مقام قلب تک پہنچا ہے کہ ابھی منزل طے نہیں ہوئی کہ موت آگئی تو اُسے ان حضرات جیسا اجر نصیب ہوگا جو اس منزل کو طے کر چکے اس لئے کہ وہ طلب میں سچا اور اس نے تا وقوعِ موت راستہ کو نہ چھوڑا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عالم برزخ میں کسی کامل شیخ کی روح کی وساطت سے اس کی تکمیل فرمائے گا اسے براہِ راست اپنے فضل وکرم سے فیضیاب فرمائے گا اسی طرح کئی سالکین کے لئے عالم برزخ میں ہوا۔ اسی کی نظیر شریعت مطہرہ سے بھی ملتی ہے۔

تکمیل حافظ قرآن حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے روایت سے معلوم ہوا ہے کہ جب مؤمن مرتا ہے اور اس کا حفظ قرآن کا ارادہ تھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے حفاظ مقرر کرے گا جو اُسے قبر میں کلام الٰہی یاد کرائیں گے۔

نتیجہ جب قرآن پاک کے الفاظ کے حافظ کو یہ مرتبہ نصیب ہوگا کہ عالم برزخ میں اُس کے منشأ کے مطابق اسے قرآن پاک حفظ کرا کر اٹھایا جائے گا تو پھر اُس کے لئے کونسا امر مانع ہے جس نے قرآن پاک کی حقیقت کے حصول میں زندگی بسر کرتا ہوا جان جانِ آفرین کو سپرد کی۔

سوال حضرت الشیخ الکبیر سیدنا صدر الدین قنوی قدس سرہٗ نے الفلوک کے آخری فلک میں فرمایا کہ یہ مسئلہ شرعاً و عقلاً وکشفاً متفق علیہ ہے کہ جو شخص کسی کمال کو اس میں حاصل نہ کر سکا وہ آخرت میں بھی اُس کمال سے محروم ہوگا۔

جواب یہ اُن لوگوں کے حق میں ہے کہ جنہوں نے ان مراتب کے حصول کی طرف توجہ ہی نہ کی نہ کہ ان حضرات کے متعلق جو اُس کے حصول میں جان کی بازی لگا کر یا اُس کی طلب میں مرے اگرچہ مکاشفۂ افعال و مشاہدۂ صفات و ذات سے بھی مشرف نہ ہو سکے لیکن اُن کی طلب کی قدر کر کے کل قیامت میں انہیں تمام مراتب و کمالات سے نوازا جائے گا چنانچہ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ اپنی شرح فصوص میں کلمہ شعیبیہ میں لکھتے ہیں کہ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا) سے بظاہر معلوم ہوتا

ہے کہ جس سے اس عالم دنیا میں کچھ مراتب مکمل نہ ہو سکے تو وہ انہیں پر رہ جائے گا اسے موت کے بعد آگے کے مراتب نصیب نہ ہوں گے یعنی یہ اس شخص کے لئے ہے جسے معرفت الٰہی سے کسی قسم کا تعلق نہیں ورنہ آخرت میں جس کے لئے بھی حجابات مرتفع ہوں گے اس کے لئے اندھے پن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ ہر طرح آخرت کی نعمتوں اور جہنم کی تکالیف اور ان کے جمیع احوال سے واقف ہو جائے گا۔

سوال حدیث شریف میں ہے کہ جب ابن آدم مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ اس کے مراتب میں ترقی ہوتی ہے اور یہ ترقی منجملہ اعمال کے ہے اور حدیث شریف میں بتایا ہے کہ اعمال سے انقطاع ہو جاتا ہے ؟

جواب یہ انقطاع بندے کے اپنے عمل و کسب کے لئے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے لئے اور اس کے لئے حدیث شریف میں نفی نہیں۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے)۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ راہِ حق سے پل بھر بھی نہ ہٹے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی توفیق کا منتظر رہے ایک وقت ضرور منزل تحقیق پر پہنچنا نصیب ہو جائے گا۔ حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

(۱) کارواں رفت تو در رہ کمین گاہ بخواب
وہ کہ بس بے خبر از غلغل چندیں جرسی

(۲) بال بکشای صفیر از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغی کہ اسیر قفسی

(۳) تا چو مجمر نفسی دامن جاناں گیرم
جاں نہادیم بر آتش زپے خوش نفسی

(۴) چند پوید بہوائے تو بہر سو حافظ
یسّر اللہ طریقاً بک یا ملتمسی

ترجمہ (۱) قافلہ چلا گیا تو ابھی گھر پر نیند میں ہے افسوس اتنا زور دار گھڑیال بج رہے ہیں لیکن تو بے خبر ہے
(۲) بال کھول کر طوبیٰ شجر سے آواز دے افسوس ہے تو تو پنجرے میں پھنسا ہوا پرندہ بنے۔
(۳) بے کار رہوں محبوب کا دامن تھامے ہوئے ہوں عشق کی آگ پر جان رکھدی تاکہ خوش نصیبی حاصل ہو۔
(۴) اپنی خواہش پر کب تک ہر طرف دوڑتے رہوگے اے حافظ۔ اے تلاش کرنے والے اللہ تعالیٰ تیرا راستہ آسان کرے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان نہایت درجہ کا ضعیف و ناتواں ہے اُس کی حیات حیوانی ہے۔ اُس پر ہر وقت شیطان کے غلبہ کا خطرہ رہتا ہے بالخصوص طالب صادق کو سلوک کی ابتدا میں عموماً بہت زیادہ خطرہ ہوتا ہے اس کی مثال اس مسافر کی ہے جو اپنے گھروں اور دوستوں سے جدا ہو کر اپنے چند فوائد کے حصول کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ سالک بھی اپنے سے باہر ہو کر اس لئے سر کی بازی لگاتا ہے کہ اسے ابدی صحت و عافیت نصیب ہو۔ اور قلبی امراض سے شفایاب ہو اور دین کی سعادت حاصل ہو اور شیخ کامل مکمل اور طبیب حاذق اور معالج شفیق کی صحبت کی برکت سے اپنے امراض کا علاج کرا کر کعبۂ مقصود کو پہنچے۔ لیکن اس پر شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ تیری رہائش کا کیا ہوگا۔ اگر کھانا نہ ملے گا تو پھر تجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ علاوہ ازیں تیرے کاروبار رک جائیں گے تو فقر و فاقہ کا شکار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط خیال کو قرآن پاک میں بیان فرمایا۔ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا (اور اللہ تعالیٰ تمہیں مغفرت اور اپنے فضل و کرم کا وعدہ کرتا ہے)۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہجرت کرتا ہے) یہاں سبیل اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طلب مراد ہے۔ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا (تو وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں رہنے کی بہترین منازل پائے گا) یعنی قلب روح سر۔ وَسَعَةً اس سے وہ اللہ تعالیٰ کے وہ عالم مراد ہیں جو اس جہان سے بدرجہا وسیع ہیں جس کی خبر حدیث شریف میں دی گئی ہے لا يسعني ارضي ولا سمائي وانما يسعني قلب عبدي میں نہ زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں ہاں اپنے بندے کے دل میں سما ہوں۔

سبق سالک کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اس لئے کہ لوگ عموماً قلیل الفہم اور کند مزاج ہوتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیطانی وسوسہ اور نفسانی شرارت کو موت کی یاد دہانی سے دفع فرمایا کہ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ یہاں بیت سے بشریت سے نکلنا مراد ہے کہ ترک دنیا اور خواہشات کو توڑ کر اور نفس کی سرکوبی کر کے بشریت سے نکل آئے تاکہ اس سے اُس کی بشریت کے تمام غلط صفات اور گندے اخلاق دور ہو جائیں۔ مہاجرا الی اللہ یعنی نبی علیہ السلام سے بیعت کر کے اللہ تعالیٰ کی طلب میں رہے۔ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ یعنی ابھی وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچا تھا کہ موت کا شکار ہو گیا۔ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم لگا دیا کہ اُسے اپنے فضل و کرم سے اسے مقاصد کی انتہائی منزل تک پہنچا بہت بلند مراتب سے نوازے گا بشرطیکہ اس کی نیت نیک اور ارادہ سچا ہو۔ ورنہ محرومی ہی محرومی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نية المؤمن خيرٌ من عمله۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ انانیت اور غلط خیالی کے گناہوں کو بخشنے والا ہے رَّحِيْمًا اور اپنے بندے پر جود و سخا کرنے کے لئے بڑا رحیم ہے کہ وہ اپنے بندے کو اپنے فضل و کرم اور وسیع رحمت و شفقت سے اس کے کمال مقصد تک پہنچا دیتا ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا
مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ
كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ
فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۟ فَاِذَا سَجَدُوْا
فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا
فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ
مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ
اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا
اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ
اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ
الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

ترجمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہیئے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو ہٹ کر پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت تک نماز میں شریک نہ تھی اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہیئے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں اور کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینہ کے سبب تکلیف ہو یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار

کھول رکھو اور اپنی پناہ لئے رہو بے شک اللہ نے کافروں کے لئے خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز قائم کرو بے شک نماز مسلمانوں پر وقت بندھا ہوا فرض ہے اور کافروں کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ

ربط مجبوری کے وقت نماز کی ادائیگی کے احکام بیان فرمانا مطلوب ہیں۔ مثلاً سفر اور دشمن کے مقابلہ کے وقت بارش اور مرض کے لاحق ہونے پر نماز کس طرح ادا کی جائے یعنی جب تم سفر کو چلو وہ سفر جیسا ہو نیک کام کے لئے ہو یا برائی کے لئے یا ہجرت کرنے کے لئے یا جہاد کے لئے وغیرہ وغیرہ۔

فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ تو تمہارے لئے کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ **اَنۡ تَقۡصُرُوۡا** کہ تم قصر کرو **مِنَ الصَّلٰوۃِ** نمازوں میں۔ "مِنَ الصَّلٰوۃِ" کا موصوف محذوف ہے۔ "القصر" مدّ کی ضد کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے قَصَرۡتَ الشَّیۡءَ" یعنی تو نے اس شے کو قصیر بنا دیا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کے بعض اجزاء یا اس کے بعض صفات حذف کر دیئے جائیں تو حقیقی طور قصر کا تعلق اس شے سے ہوگا نہ کہ جو شے کے اجزاء محذوف ہو چکے ہیں اگر محذوف کے متعلق مانا جائے تو گفتگو محذوف سے ماننی پڑے گی حالانکہ گفتگو قصر سے ہو رہی ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ "مِنَ الصلوۃ تقصروا" کا مفعول ہے اور اس پر من زائدہ ہے۔ جیسا کہ اخفش (نحوی) کا خیال ہے اور اگر کہا جائے کہ یہ من تبعیضیہ ہے تو پھر تقصروا کا مفعول محذوف ہوگا جیسا کہ سیبویہ کہتا ہے کہ یہ دراصل اَنۡ تَقۡصُرُوۡا شَیۡئًا مِنَ الصَّلٰوۃِ تھا۔

فائدہ لامحالہ یہ بات لازماً ماننی پڑے گی کہ اس میں کل بول کر جزء مراد لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ نماز سے صرف چار رکعت والی نماز مراد ہے کہ جسے نصف کیا جا سکے اور وہ تین نمازیں ہیں۔

1. ظہر۔
2. عصر۔
3. عشاء۔

مغرب اور فجر کی نمازیں اس حکم سے خارج ہیں۔

مسئلہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قصر کی ادنیٰ مسافت تین دن اور تین راتوں کا سفر ہے اور سفر بھی اونٹ یا پیدل کی درمیانی رفتار کا مراد ہے اور اسمیں مسلسل سفر نہ ہو بلکہ درمیانہ سفر معمول کے مطابق ہو

مسئلہ: انسان کی موت ہر اس عمل پر ہوتی ہے جس پر زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اُسی پر اس کا حشر ہوگا۔

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اللہ تعالیٰ سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ مغموم کیوں رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے جبرئیل علیہ السلام مجھے صرف اُمت کا ہی فکر ہے کہ قیامت میں اُن پر کیسے گزرے گی۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی آپ کی مراد اہل کفر سے ہے یا اہل اسلام سے۔ آپ نے فرمایا اے جبرئیل علیہ السلام میری مُراد اہل اسلام ہی ہیں جو پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بنی سلمہ کے گورستان میں گئے اور وہاں کھڑے ہو کر ایک قبر پر اپنے دائیں جانب کا پر مارا۔ اور اسے کہا قم باذن اللہ اس قبر سے ایک مرد سفید رُو نمودار ہوا وہ پڑھ رہا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے جبرئیل نے فرمایا اپنی جگہ کو واپس لوٹ جاؤ۔ وہ اپنی قبر میں واپس چلا گیا اور قبر ویسے ہی ہو گئی جیسے تھی اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے بائیں جانب کے پَر کو حرکت دی اور فرمایا قم باذن اللہ اس پر ایک سیاہ رُو مرد نکلا جس کی آنکھیں نیلی تھیں اور وہ کہتا تھا واحسرتاہ وندامتاہ۔ یعنی ہائے ہائے پکارتا تھا۔ اسے بھی جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا تم اپنی جگہ لوٹ جاؤ۔ وہ اپنی قبر میں لوٹ گیا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ اسی طور قیامت میں اٹھیں گے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جن اعمال پر زندگی گزارو گے انہیں پر تمہارا حشر ہوگا۔

ف: اس سے ان اللہ سریع الحساب کا سمجھنا آسان ہو گیا کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنے اعمال کی جزا دے گا۔ حضرات اولیاء کرام تو جنت معنویہ کی دنیا میں بھی مزے لوٹ رہے ہیں اور عوام غافل وہ نارِ بعد فراق میں دنیا میں مرا ہے لیکن دنیا میں اس کے درد کا انہیں احساس نہیں ہوتا۔ جب مریں گے تو پھر انہیں محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نار بعد سے اور عذاب سعیر سے بچائے۔ اور اپنے وصال اور اپنے نورانی دیدار سے مشرف فرمائے۔ آمین ؎

باید اے خفتہ بیدار بود	چو مرگ اندر آرد ز خوابت چہ سود
تو پاک آمدی و بر حذر باش و پاک	کہ ننگست ناپاک رفتن بخاک
کنوں باید ایں مرغ را پائے بست	نہ آنگہ کہ سر رشتہ بردت ز دست

ترجمہ: (۱) اے سونے والو تمہیں بیدار ہونا چاہیئے جب موت خواب میں لائے گی تو پھر اس وقت کیا فائدہ

(۲) تُو پاک ہو کر دنیا میں آیا ہے تجھے ہر وقت ڈرنا چاہیئے کہ قبر میں ناپاک ہو کر جانا بے شرمی ہے۔

(۳) ابھی تیرے قابو میں ہے اس پرندے کے ہاتھ پاؤں باندھ سکتا ہے لیکن تیرے ہاتھ سے نکل گیا تو تیرا کوئی بس نہ چلے گا۔

حاشیہ صفحہ برآئندہ

حکایت: ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ ایک حمام میں داخل ہوئے لیکن حمام والے نے انہیں روک دیا۔ اور کہا کہ جب تک اُجرت نہیں دوگے حمام میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آپ اس کی بات سُن کر رو پڑے اور کہا کہ مجھے شیاطین کے گھر میں مفت بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں تو پھر نبیوں اور صدیقوں کے گھر میں کیسے داخل ہو سکتا ہوں۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ جو دُنیا میں غافلوں کے ساتھ گزارتا ہے تو وہ آخرت میں بھی غافلوں کے ساتھ ہوگا اور اس کا حساب بھی اعمال کے مطابق ہوگا۔ جو شخص نیک عمل نہیں کرتا اُسے آخرت میں کیا نصیب ہوگا ؎

برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت،
نماند بجز نام نیکو و زشت

ترجمہ: دنیا چھوڑ گئے لیکن یہ صحیح ہے کہ جس نے جو بویا وہی اٹھایا بس کچھ نہ رہا نیک نامی رہی یا بدنامی۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ایک حُور ہے جس کا نام لُعبۃ ہے۔ اگر وہ اپنی تھوک کا ایک قطرہ دریا میں ڈالے تو تمام میٹھا ہو جائے۔ اس کے سینے پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اسے مجھ جیسی حور ملے تو اسے میرے رب تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ کس نے کیا خوب فرمایا ؎

بقدر الکد تکسب المعالی ۔۔۔ ومن طلب العلی سھر اللیالی
تروم العز ثم تنام لیلاً ۔۔۔ یغوص البحر من طلب اللآلی

ترجمہ: مشقت کے مطابق ہی مراتب بلند نصیب ہوتے ہیں۔ جو شخص بلند قدری چاہتا ہے اسے شب بیدار رہنا چاہیئے اے سالک عزت کا طالب ہو کر تو سوجاتا ہے (تعجب ہے) جو موتی چاہتا ہے تو وہ دریا میں غوطہ لگاتا ہے۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ آخرت کے بلند مراتب کے حصول کے لیے جدوجہد ضروری ہے۔

حکایت: فرزدق[۱] کی عورت جب فوت ہوئی تو شہر کے بڑے بڑے معززین اُس کی عورت کے جنازہ میں شریک

صفحہ گذشتہ سے۔ نام فراق کہے جگ جس دا ایہہ مشکل بھاری۔ (مولانا عالم پوری)

[۱] یہ شخص عرب کا مشہور و معروف شاعر تھا۔ اور فصاحت و بلاغت میں مانا ہوا کامل اور فی البدیہہ تھا۔ جب کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفیوں کے بار بار بلانے پر کوفے کا سفر فرما رہے تھے تو میدانِ کربلا سے ایک منزل پہلے یہی فرزدق امام صاحب کو راستے میں ملا تھا اور اُن کو حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے حضرت امام صاحب کو واپس لوٹ جانے کی التجا کی تھی۔ (گلشن عفی عنہ)

ہوئے انہیں میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے آپ نے فرزوق سے فرمایا اے ابو فراس تو نے بھی اس موت کے دن کے لیے کچھ تیاری کی ہے یا نہ۔ اُس نے کہا صرف کلمۂ شہادت اشهد ان لآ الٰه الا اللّٰه الخ ہی میری تیاری کا سامان ہے۔ جسے اسّی سال سے پڑھ رہا ہوں۔ جب اُس کی عورت کو دفنایا گیا تو اس کی قبر پر کھڑے ہو کر ذیل کے اشعار پڑھے۔

اخاف وراء القبر ان لم يعافنى	اشد من القبر التهابا و اضيقا
اذا جاءنى يوم القيمة قائد	عنيف و سواق ليسوق الفرزدقا
لقد خاب من اولاد آدم من مشى	الى النار مغلول القلادة ازرقا

ترجمہ: میں قبر سے باہر ہی اس خوف میں ہوں کہ اگر مجھے معاف نہ کیا گیا تو میرے لیے اس کی شدت اور تنگی کا خطرہ بہت سخت تکلیف پہنچا رہا ہے۔ جب کہ میرے پاس سخت گیر فرشتہ آئے گا اور فرزدق کو کھینچ کر کھینچنے والا لے جائے گا۔ اولادِ آدم میں سے وہ بندہ سخت گھاٹے میں ہے جسے ذلیل وخوار کر کے اور گلے میں پھندا ڈال کر جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

حدیث شریف: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بہشت کا تین بار سوال کرتا ہے تو بہشت کہتی ہے یا اللہ اسے بہشت میں داخل فرما۔ اور جو شخص جہنم سے تین بار پناہ مانگتا ہے تو جہنم کہتی ہے یا اللہ اُسے جہنم سے نجات دے ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں جہنم سے نجات دے کر نیک لوگوں کے ساتھ بہشت میں داخل فرمائے اور ہمیں ان نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے جو نجات دلانے والے ہوں اور ہمیں ناجی فرقہ سے بنائے۔

ثبوت وسیلہ بطفیل اس پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بھی بلند مراتب حاصل کرتا ہے انہی کی بدولت سرشار ہوتا ہے خواہ وہ مشرق ہو یا مغرب میں اور جتنے ہی اسے مقاصد و مطالب نصیب ہوتے ہیں انہیں کے طفیل نصیب ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا اے ایمان والو صبر کرو یعنی طاعات کی تکالیف پر اور دیگر وہ شدائد جو عام طور انسان پر وارد ہوتے ہیں جیسے مرض و فقر و فاقہ و قحط و خوف و دیگر مشقتیں وغیرہ پر صبر کرو وَصَابِرُوْا اور صبر کا مظاہرہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلہ میں جنگ کی شدت کے وقت صبر کرنے میں اُن سے بڑھ جاؤ۔ اور اپنے سب سے بڑے دشمن نفس پر خواہش نفسانی کی مخالفت میں صبر کرنے پر غلبہ پاؤ۔

ف: مصابرہ صبر کی ایک قسم ہے۔

نکتہ : اسے صبر کے بعد ذکر کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ ایسے امور مذکورہ میں صبر کرنا واجب ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں بہت زیادہ صعوبت و شدت ہوتی ہے اور پھر صبر کی تمام قسموں سے افضل و اکمل ہے۔

حل لغات : صبر نفس کو ان باتوں سے باز رکھنا ہے جن باتوں سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔

صبر کے اقسام : ① تصبّر یعنی صبر کرنے کے لیے اپنے اُوپر زور دینا۔

② مصابرہ یعنی جن امور سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں اُن کے لیے معارضہ و مقابلہ کرنا۔

③ اصطبار۔

④ اعتبار۔

⑤ التزام۔

⑥ صبر یعنی جس کی تکمیل و تحصیل بلا کلفت ہو وَرَابِطُوْا اور مضبوط کر دو اپنے ابدان اور اپنے گھوڑوں کو اسلام کی سرحدوں پر درانحالیکہ تم اس میں خوب نگرانی کرنے والے ہو اور اپنے نفوس کو طاعت الٰہی پر۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایسا عمل بتاؤں کہ جس سے تمام گناہ معاف ہو جائیں اور مراتب بھی بہت بلند ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کی کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا مکمل طور وضو کیا کرو جب کہ تکالیف ہوں۔ سردیوں میں مثلاً اور مسجدوں میں دُور چل کر جاؤ۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرو۔ دراصل یہی ہے سرحدوں کی حفاظت و نگرانی۔ اور اسے دوبار فرمایا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی تقویٰ پیدا کرو بایں طور اس کے ماسوا سے بالکل بری ہو جاؤ۔ تاکہ تم پورے طور کامیاب ہو جاؤ۔

قبائح سے بچو تاکہ تم تینوں مراتب کے مقامات کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ

① یعنی طاعات کی تکالیف پر صبر کرنے میں۔

② عادات کو چھوڑنے پر نفس کو صبر دلانے میں۔

③ راز کی نگرانی کرکے بارگاہِ حق تک پہنچنے میں تاکہ ان واردات کا حصول ہو۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ صبر کا درجہ مصابرہ سے کم ہے۔ اسی طرح مصابرہ کا مرابطہ سے کسی نے فرمایا ؎

تو کز سرائے طبیعت نمی روی بیروں
کجا بکوئے طریقت گذر تواں کرد

ترجمہ : جب تم طبیعت کی سرا سے باہر نہیں جا سکتے تو پھر تمہیں طریقت کی گلی کوچے میں گزرنے دیں گے۔

مسئلہ: سلوک ضروری امر ہے کہ اس کے ذریعے بندہ احوال و مقامات سے گزر کر انتہائی مراتب تک پہنچ سکتا ہے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے پیدل جا رہے تھے آپ کی رفاقت میں ایک اعرابی اونٹنی پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ اعرابی نے آپ سے پوچھا اے شیخ کہاں کا ارادہ ہے آپ نے فرمایا بیت اللہ کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔ اُس نے کہا پیدل اور اتنا بڑا لمبا سفر اس طرح سے کیسے پہنچو گے حالانکہ آپ کے لیے سواری ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا میرے ہاں بہت سی سواریاں ہیں۔ اُس نے کہا وہ کہاں آپ نے فرمایا۔ مجھ پر مصائب کا حملہ ہوتا ہے تو صبر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی نعمت نصیب ہوتی ہے تو شکر کی سواری لے لیتا ہوں اور جب مجھ پر قضاؤ قدر وارد ہوتی ہے تو رضائے الٰہی کی سواری میرے پاس ہوتی ہے جب مجھ سے نفس کسی خواہش کا مطالبہ کرتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ بہت گزر گئی ہے باقی تھوڑی رہتی ہے اعرابی نے سن کر کہا درحقیقت آپ سوار ہیں اور میں پیدل ہوں۔ اب جاؤ جہاں چاہو۔

مسئلہ زندگی بھر مجاہدۂ نفس ضروری ہے یہاں تک کہ نفس سے اخلاق ذمیمہ کی جڑ اکھڑ جائے اور اوصافِ جمیلہ سے نفس مزین ہو جائے اور یہ صبر وغیرہ سے نصیب ہوتا ہے۔ ایسے ہی مجاہدہ کو مرابطہ کہا جا سکتا ہے۔

حکایت: مروی ہے کہ ایک نیک بخت ایک ہی رات میں سارا قرآن مجید ختم کرتا اور ساری رات عبادت کے لیے بیدار رہتا اس سے کہا گیا کہ اتنی بہت بڑی مشقت میں کیوں پڑتے ہو۔ اُس نے کہا دنیا کی کل عمر کتنی ہے کہا گیا کہ سات ہزار سال اس نے فرمایا کہ قیامت کا دن کتنے سال کا ہے کہا گیا کہ پچاس ہزار سال کا۔ اس نے فرمایا کہ اگر کسی کو دنیا کی عمر کے برابر زندگی نصیب ہو جائے تب بھی بڑے دن کے لیے عبادت کرے پھر بھی اُسے سودا سستا حاصل ہوا کہ اتنی طویل مدت کے لیے اتنی قلیل مدت کام آگئی۔

حکایت: بی بی معاذہ عدویہ ایک صالحہ بی بی گزری ہیں۔ اُن کی عادت تھی کہ جب دِن ہوتا تو فرماتیں یہی میری موت کا دِن ہے۔ صبح سے شام تک عبادت میں مصروف رہتیں۔ جب شام ہوتی تو فرماتیں یہی رات میری میری موت کی رات ہے پھر ساری رات عبادت میں گزار دیتیں۔ اسی طریق سے زندگی گزاری یہاں تک کہ اُن کا وصال ہو گیا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صرف ایک دِن و رات سرحد اسلام کی حفاظت کرتا ہے تو اس کا اجر و ثواب ایک ماہ کے روزے کے برابر کہ جس میں کسی نے لگاتار روزے رکھے ہوں۔ اسی طرح ایک ماہ کی شب بیداری کا ثواب ملے گا کہ جس میں ساری رات نوافل پڑھتے گزاری اور سوائے قضائے

حوائج کے اور کوئی کام نہ کیا ہو۔

ف : یہ ثواب تو جہادِ اصغر کا ہے نامعلوم جہادِ اکبر کا کیا مرتبہ ہوگا۔ یعنی نفس کی حفاظت اور اُس کی نگرانی اور اسے عبادات وطاعات میں لگا دینے میں اَجر و ثواب اور دیگر درجات بے انداز نصیب ہوتے ہیں ؎

نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست دمے پیش دانا بہ از عالمیست

سر از جیب غفلت بر آور کنوں کہ فردا نمانی بخجلت نگوں،

ترجمہ: (۱) اسی وقت کو غنیمت سمجھ اس لیے کہ یہ دُنیائے عالم صرف ایک لمحہ ہے۔

(۲) ابھی غفلت کے گریبان سے سر باہر کر ورنہ کل شرمساری سے تیرا سر نیچا رہے گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دانا کہ زد تفرج این چرخ حقہ باز،

ہنگامہ باز چید و در گفتگو نمیست

ترجمہ: وہ عاقل کہ اس چالاک فلک سے ہنسی مذاق کرتا ہے وہ تو ابھی گفتگو میں ہوگا کہ سامان لپیٹ لے گا۔

ف : حضرت بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عارف باللہ وہ ہے کہ جس کا ایک ہی مقصد ہو۔ جسے آنکھ دیکھے اور کان اس کی طرف دھیان نہ دھرے۔

حکایت : مروی ہے کہ ایک زاہد عبادت میں بہت بڑی جدوجہد فرماتے۔ یہاں تک کہ کپڑے صاف کرنے کی فرصت بھی نہ ملتی اس کے کپڑے سخت میلے ہو گئے۔ کسی نے انہیں کہا کہ اے بندہ خدا۔ کپڑے کیوں نہیں دھوتے ہو۔ اُس نے کہا کہ اگر کپڑے دھوؤں تو پھر میلے ہو جائیں گے۔ اس نے کہا کہ پھر دھو لینا۔ عابد نے کہا کہ پھر میلے ہو جائیں گے اُس نے کہا پھر دھو لینا۔ عابد نے فرمایا تو اس طرح سے ہم اپنی زندگی کپڑے دھونے میں ضائع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیے نہیں پیدا فرمایا کہ ہم کپڑے دھوتے رہیں۔ بلکہ ہمیں طاعت وعبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

اول استعداد جنت بایدت

تاز جنت زندگانی زایدت

ترجمہ: پہلے جنت کے داخلہ کی استعداد چاہیئے تاکہ جنت کی دائمی زندگانی سے وافر حصہ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اطاعت کی توفیق بخشے (آمین)

حدیث و حکایت اور رُوحانی علاج نبوی علیٰ صاحبہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک اعرابی نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں پنجگانہ نماز ادا کرتا ہوں اور ماہ رمضان کے روزے پابندی سے رکھتا ہوں۔ لیکن اس سے باقی ارکان مجھ سے ادا نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ میں فقیر و محتاج ہوں بنابریں نہ زکوٰۃ دے سکتا ہوں اور نہ ہی حج پڑھ سکتا ہوں۔ جب قیامت قائم ہو گی تو فرمائیے میں بہشت کی کونسی دار میں داخل ہوں گا۔ آپ اس اعرابی کی بات سن کر ہنس پڑے۔ آپ نے فرمایا تو اپنی آنکھوں کو محرمات سے اور خلق خدا کو حقارت کی نگاہ سے اور قلب کو کینہ اور حسد سے اور زبان کو کذب و غیبت سے محفوظ کرے پھر بہشت میں تو میرے ساتھ ہو گا۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

ترجمہ : یہ سُورہ نسآء مدنی ہے اور اُس کی ایک سو چھہتر یا پچھتر یا ایک سو ستتر آیات ہیں۔ (اور ۲۴ رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝١ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪
وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا
تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ
خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ
وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ
هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ
فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا
النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ
اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا
فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ
نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝
وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا
لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا
خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۪ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ
اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝١٠

ترجمہ : اے لوگو! اپنے اُس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اس

کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں کی نسل سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیں اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتداری (کے تعلقات منقطع کرنے) سے ڈرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگران ہے اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور (ان کی) اچھی چیزیں (اپنی) نکمی چیزوں سے نہ بدل لو اور نہ ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھا جاؤ۔ ایسا کرنا یقیناً بڑا ہی بھاری گناہ ہے اور اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم یتیم عورتوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو (ان کو چھوڑ کر) اور جو تمہیں اچھی لگیں۔ ان میں سے دو دو تین تین اور چار چار نکاح میں لے آؤ۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو البتہ ایک ہی بیوی پر اکتفا کر دیا لونڈی ہو۔ جو تمہارے قبضے میں ہو۔ یہ (طریق کار) تمہیں ناانصافی سے بچانے کے لیے قریب تر ہے اور عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے ادا کرو۔ پھر اگر وہ اپنی رضامندی سے تمہیں اس میں سے کچھ چھوڑ دیں۔ تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھاؤ اور مال و دولت جسے خدا نے تمہاری معیشت کا سہارا بنا دیا ہے بے سمجھ آدمیوں کے سپرد نہ کرو۔ تم اس میں سے انہیں کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے معقولیت سے گفتگو کرو اور یتیموں کو آزماتے رہو۔ حتیٰ کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچیں۔ پھر اگر تم ان میں صلاحیت دیکھو۔ تو ان کا مال (واسباب) ان کے سپرد کر دو۔ اور ان کے بڑے ہونے کے خوف سے مال کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ کھا جاؤ اور جو دولتمند ہو اسے چاہیئے کہ وہ پرہیز کرے اور جو غریب ہو اسے چاہیئے کہ وہ بقدر ضرورت کھائے۔ پھر جب تم ان کا مال واسباب واپس دو تو (چاہیئے کہ) اس پر (لوگوں کو) گواہ کر لو اور خدا ہی حساب لینے کے لیے کافی ہے۔ جو کچھ والدین اور قرابت والے (بطور ترکہ) چھوڑ جائیں۔ اس میں مردوں کا حصہ ہے اور (اسی طرح) عورتوں کے لیے بھی اس ترکہ میں حصہ ہے جو ان کے والدین اور اقربا چھوڑ جائیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ (یہ) ٹھہرایا

ہوا حصہ ہے اور جب تقسیم (ترکہ) کے وقت (دور) کے رشتہ دار یتیم بچے اور مسکین حاضر ہوں تو انہیں بھی کچھ دے دو اور ان سے نرمی کے ساتھ بات کرو اور ان لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ بھی اپنے پیچھے (ایسی ہی) کمزور اور ناتوان اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں ان کے متعلق (کیسا) فکر ہوتا۔ پس چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور معقول بات کریں یقیناً وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور جلد دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو۔ یہ خطاب عام ہے۔ زمانۂ خطاب کے موجودین اور ان کے بعد کو آنے والے سب کو شامل ہے۔ صرف سابقہ اُمم کے لوگ مراد نہیں اس لیے کہ وہ ہماری شریعت پر عمل کرنے کے مکلف نہیں تھے۔ اگر یہ خطاب جمیع بنی آدم کو ہوتا تو وہ بھی ہماری شریعت پر عمل کرنے پر مکلف ہوتے حالانکہ یہ محال ہے اِتَّقُوْا رَبَّكُمُ اپنے رب سے ڈرو آپس کے حقوق کی ادائیگی میں اور اُن امور کو جن کا پورا کرنا اور ان کی نگہداشت ضروری ہے انہیں ضائع نہ کرو اور جن اُمور کا تمہیں حکم دیا گیا ہے انہیں بجالاؤ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ اُس سے کہ جس نے تمہیں پیدا کیا۔ یعنی تمہاری پیدائش کو مقدر فرمایا یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف مقدر کیا کہ تم مختلف صورتوں اور مختلف رنگوں میں پیدا کیے گئے ہو مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ایک ہی نفس سے یعنی ایک اصل سے۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام جو تمام عالم انسانی کے باپ ہیں مُراد ہیں۔

نکتہ:

اِتّقاء کے حکم کے بعد تخلیق کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ انسان کو صرف اپنے خالق سے ڈرنا چاہیے۔

نکتہ:

تمام عالم انسانی کے ایک باپ بتلانے میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ قطع رحمی کوئی اچھا عمل نہیں جب کہ تمہارا سب کا باپ ایک ہے وَخَلَقَ مِنْهَا اور اس سے پیدا فرمایا یعنی اس نفس سے۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ بعض کو بعض سے پیدا فرمایا زَوْجَهَا اُس کی عورت یعنی تمہاری ماں۔ اس سے مُراد بی بی حوّا (بالمد) ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔

بی بی حوّا کی پیدائش کا واقعہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب بہشت میں ٹھہرایا گیا تو اُن پر نیند کا غلبہ ہوا۔ آپ کو ابھی اُونگھ آئی تھی تو اُن سے بی بی حواء کو اُن کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا جب آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے ہاں بی بی حواء موجود تھیں۔ تو اُن کی طرف ہاتھ بڑھایا اور مانوس ہونے لگے۔ اس لیے کہ بی بی حواء اُن کا ایک جز تھیں۔

سوال: بی بی حواء کی تخلیق کا ذکر اُن کی اولاد کے ذکر سے مؤخر کیوں کیا گیا۔ حالانکہ اولاد تخلیق سے بی بی کی تخلیق مقدم تھی۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ واو ترتیب کے لیے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لیے ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے وَبَثَّ مِنْهُمَا اور پھیلایا یعنی متفرق اور منتشر کیا۔ منہما ان دونوں سے یعنی نفس اور اُس کی زوجہ سے کہ جنہیں بطور توالد و تناسل کے پھیلایا۔ رِجَالًا كَثِیْرًا بہت سے مرد۔

سوال: کثیر کا صیغہ مذکر اور واحد کیوں۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ کثیر میں جمع اور عدد کا معنیٰ ہے اور اس سے کثرت مطلوب ہے وَنِسَآءً اور عورتیں یعنی بہت لڑکے اور لڑکیاں۔

سوال: کثیر کا لفظ رجال کی صفت تو بنائی گئی ہے اور نساء کی کیوں نہیں۔

جواب: اس طرف اشارہ ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد زائد زیادہ ہے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے

سوال: تقویٰ کے امر کی ترتیب اس قصۂ تخلیق پر کیوں۔

جواب: یہی تخلیق تقویٰ کی تمہید اور اس کا اصلی سبب ہے کہ اہل منزل سے معاملات میں عموماً غلطی واقع ہوتی ہے۔ جن میں تقوی ضروری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد اس جنس کے بیانات لائے گئے۔ گویا یوں حکم ہوا ہے کہ اے لوگو ڈرو اپنے رب سے کہ جس نے تمہیں آپس میں ملایا۔ یعنی تمہیں ایک جیسے اور پھر مختلف اجناس بنایا کہ تم کو آپس میں احکام کی پابندی ضروری ہے۔ جب کہ تمہارے آپس میں ایک دوسرے پر حقوق لازم ہوتے ہیں۔ تو ان کی محافظت ضروری ہے۔ اس لیے غفلت نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو یعنی دین اور نسب میں گروہ بندی نہ کرو۔ اس لیے تمہیں معلوم ہے کہ تم ایک ہی اصل سے ہو۔ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وہ ذات ہے کہ اس سے ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو آپس میں۔ مثلاً ایک دوسرے کو کہتے ہو "اسالك بالله" میں تجھ سے اللہ کے لیے سوال کرتا ہوں وَالْاَرْحَامَ اور ڈرو رشتہ داریوں سے۔ مثلاً آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہو کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کے رشتہ داری کے حقوق کا واسطہ دے کر یہ چاہتا ہوں۔ وہ چاہتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یا یوں کہتے ہو کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں یا رشتہ داری کی قسم دیتا ہوں کہ یہ کر دے وہ کر دے وغیرہ۔ یہ محض محبت و شفقت کی بنا پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اہل عرب کی عادت بن چکی تھی کہ جب کوئی کسی سے شفقت کا طلب گار ہوتا تو وہ اسے رشتہ داری اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا واسطہ پیش کرتا تھا یہ بات بحیثیت سوال کے ہوتی۔

ترکیب:

الارحام منصوب ہے اس کا عطف جار و مجرور کے محل پر ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ مررت بزید وعمروًا یا اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے۔ اصل عبارت یوں ہو کہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوا الْاَرْحَامَ اس سے مقصد یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو ان میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔

مسئلہ:

آیت میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرمائی ہے کہ صلہ رحمی کا بہت بڑا مرتبہ ہے اس لیے اپنے اسم گرامی کے ساتھ ملایا ہے۔

حدیث شریف نمبر (١): حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رحم عرش الٰہی کے ساتھ ملق ہے اور کہتی

ہے جو مجھ سے اچھا سلوک کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے اپنے ساتھ ملائے گا اور جو میرے سے قطع تعلق کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ توڑے گا۔

حدیث شریف نمبر ۲: صلہ رحمی سے کوئی زیادہ بہتر عمل نہیں کہ جس کا ثواب جلد از جلد عنایت ہو اور جلد از جلد سزا کا تعلق قطع رحمی کے سوا اور کوئی بُرا عمل نہیں۔

مسئلہ

ہر ایک بندے پر واجب ہے کہ حقوق کی پابندی کرے اور سوچے کہ ہم ایک ماں باپ سے اور بھائی بھائی ہیں۔ اور ہمارے ماں باپ آدم و حوا (علی نبینا و علیہما السلام) ہیں بالخصوص اہل ایمان کو تو زیادہ اخوت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے کہ ہم سب ایک اسلام کا رشتہ رکھتے ہیں یہی کیفیت تخلیقی رشتہ داری کی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر مخفی سے مخفی شئے کو جانتا ہے۔ جب اس کا سب کو یقین ہے تو انسان کو ہر وقت پُر حذر ہونا چاہیئے کہ جس عمل میں اُسے فائدہ ہو اُسے کرے ورنہ چھوڑ دے۔

ف: تقویٰ تمام اعمال سے عمدہ ہے اور یہی تقویٰ کرامات کا سبب ہے اور دنیا و عقبیٰ کے بہت بڑے مراتب کا موجب ہے۔

حکایت:

ایک شخص بصرہ میں مسکی کے نام سے بہت مشہور تھا۔ اس لیے کہ اس کے جسم سے ہر وقت خوشبو مہکتی تھی۔ اس کا سبب پوچھا گیا تو اُس نے کہا میں بہت بڑا حسین و جمیل تھا لیکن حیا بھی بیحد تھا لوگوں نے میرے والد کو مشورہ دیا کہ اسے بازار میں بٹھاؤ تاکہ لوگوں کے میل جول سے اُس کا معاملہ درست ہو جائے گا۔ مجھے میرے والد نے ایک کپڑے والے کی دکان پر بٹھا دیا۔ ایک دن ہماری دکان پر ایک بڑھیا آدھمکی۔ اُس نے کہا کہ میری مالکہ گھر بیٹھی ہے اچھے اچھے کپڑے لے چلو اور جا کر اُسے دکھا دو۔ ممکن ہے وہ زیادہ سے زیادہ کپڑے کی خریدار بن جائے۔ مجھے وہ اس بنگلے میں لے گئی جہاں اس کی مالکہ بیٹھی تھی۔ میں اندر گیا تو باہر سے تالے بند کر دیئے گئے۔ اور وہ بلا کی حسین تھی اور مجھ سے زنا کا مطالبہ کیا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا۔ لیکن اُس نے ایک نہ مانی۔ میں نے سوچا کہ یہ ہرگز نہیں چھوڑے گی اس لیے میں نے بہانہ بنا کر کہا کہ میں نے بیت الخلاء میں جانا ہے فراغت پاؤں پھر دیکھی جائے گی۔ جب بیت الخلاء پہنچا تو اندر جا کر پاخانہ سے تمام جسم کو مل دیا اور چہرے پر بھی پاخانے کی گندگی لیپ دی۔ اس پر اہل خانہ نے مجھے پاگل سمجھ کر گھر سے باہر نکال دیا۔ اس طرح سے مجھے غلط کاری سے حفاظت نصیب ہوئی اور میں گھر چلا آیا۔ رات کو خواب میں ایک مجھے مبارک دی اور فرمایا کہ تُو نے حضرت یوسف ابن یعقوب علیہما السلام کا کردار ادا کیا اور یاد رکھ لے کہ میں جبریل (علیہ السلام) ہوں اس کے بعد انہوں نے

میرے بدن اور چہرے پر ہاتھ مبارک پھیرا جس کی وجہ سے مجھ سے خوشبو مہکتی ہے۔ یہ انہیں جبریل علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے اور تقویٰ کی برکت سے ہے۔

تقویٰ اور اس کے اقسام عند الشرع تقویٰ نفس کو ان مضرتوں سے بچانا۔ جو آخرت میں نقصان پہنچائیں وہ تین قسم ہے۔

① شرک چھوڑ کر دائمی عذاب سے بچ جانا اسی طرف اشارہ ہے آیت و الزمھم کلمۃ التقویٰ میں۔

② ہر گناہ سے کنارہ کشی کرنا۔ عرف میں یہی مراد ہے آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا الکفر نا میں

③ جو فعل اللہ تعالیٰ سے مشغول رکھے یہی حقیقی تقویٰ ہے۔ یہی مطلوب ہے آیت یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ میں۔

حکایت: حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک وزیر حاضر ہوا اور عرض کی مجھے بادشاہ سے بہت بڑا خطرہ ہے براہ کرم میرے لیے دعا فرمائیے۔ اور کہا کہ مجھے بادشاہ سے بہت بڑا ڈر ہے۔ آپ نے فرمایا جس طرح تو بادشاہ سے ڈر رہا ہے کاش میں بھی رب کریم سے ڈرتا تو میرا صدیقوں جیسا مرتبہ ہوتا ۔

گر نہ بودے امید راحت و رنج — پائے درویش بر فلک بودے،
در وزیر از خدا بترسیدے — ہمچناں کز ملک ملک بودے

ترجمہ:[1] اگر راحت و رنج کی امید نہ ہوتی تو درویش آسمان پر چلے جاتے۔

② اگر وزیر خدا سے اس طرح ڈرتا جیسے بادشاہ سے ڈرتا ہے تو وہ فرشتہ ہوتا۔

سبق: سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ہر لحظہ اس تصور میں رہے کہ میرا مالک مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔

تفسیر صوفیانہ ہر وقت بندے کے تصور میں ہو کہ میرا رب تعالیٰ میرے ہر عمل کو جانتا ہے اور اس پر مداومت رکھے اسے اہل تصوف مراقبہ سے تعبیر کرتے ہیں یہی ہر بھلائی کی جڑ ہے اور اس مرتبہ تک محاسبہ سے فراغت پانے کے بعد پہنچنا ہوتا ہے۔ جب بندہ اپنے گذشتہ اعمال کا محاسبہ کرتا ہے پھر اس وقت سے ان کی اصلاح میں لگ جاتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ سے ہر وقت طریق حق پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے مابین اپنی اصلاح میں لگ جاتا ہے کہ قلب کی رعایت و حفاظت کے لیے ہر سانس کو ذکر الٰہی کے سوا ضائع نہیں ہونے دیتا۔ یہاں تک کہ اپنا ہر حال اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھتا ہے اس طرح سے رقیب کا مفہوم اسے پورے طور سمجھ آجاتا ہے اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ میرا رب میرے بالکل قریب ہے۔ اور وہ میرے ہر حال سے باخبر ہے اور وہ میرے تمام افعال کو دیکھتا ہے اور میرے تمام اقوال کو سنتا ہے۔ جو شخص

اس طریقہ سے غافل ہے اس سے وصال کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اور جب راستے مسدود ہو گئے تو پھر قرب کے حقائق کب نصیب ہو سکتے ہیں۔

حکایت: حضرت سلیمان بن علی نے حضرت حمید سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ تنہائی میں گناہ کرتے وقت یہ تصور کرنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے تو پھر تم نے گناہ کرنے میں بہت بڑی جرأت کی ہے اور اگر تو نے گناہ کرتے وقت یہ تصور کیا کہ وہ اس وقت مجھے نہیں دیکھ رہا تو تو اس تصور سے کافر ہو گیا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔

حکایت: ایک بزرگ سے اُن کے شاگردوں نے شکایت کی کہ آپ ہم سب میں سے صرف ایک سے خصوصی توجہ فرماتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے حالانکہ ہم سب آپ کی توجہ کریمانہ سے برابر کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اس بزرگ نے انہیں فرمایا اس کی وجہ بتاؤں گا۔ چند روز ٹھہر کر ایک دن تمام شاگردوں کو علیحدہ علیحدہ پرندہ دے کر انہیں ذبح کرنے کا حکم فرمایا اور شرط لگائی کہ ایسی جگہ جا کر ذبح کرو کہ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ اور اس شاگرد کو بھی پرندہ دے کر اسے بھی یہی فرمایا۔ سب کے سب تنہائی میں جا کر ان پرندوں کو ذبح کر کے واپس لوٹے۔ لیکن وہ شاگرد اس پرندے کو ذبح کئے بغیر واپس لایا۔ اُسے سے ذبح نہ کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ استاد محترم کا حکم تھا کہ وہاں ذبح کرنا جہاں کوئی بھی نہ دیکھ رہا ہو۔ میں جہاں بھی اسے ذبح کرنے کے لیے گوشۂ تنہائی میں جاتا۔ مجھے اللہ کی ذات کا خیال دل پر غالب ہوتا کہ کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ تو یہاں پر موجود ہے اگر ذبح کروں تو پھر استاد مکرم کے ارشاد گرامی کے خلاف ہوگا اس لیے واپس لایا ہوں۔ استاد محترم نے اپنے شاگردوں سے فرمایا۔ اس کی اس نیک سیرتی کی بنا پر مجھے اس سے پیار ہے ؎

جہاں مرآت حسن شاہد ماست
فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: یہ جہان محبوب حسن کا آئینہ ہے تو ہر ذرہ میں اسی کا مشاہدہ کر۔

تفسیر عالمانہ

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ۔
اور دو یتیموں کو اُن کے اموال۔

حل لغات: الیتٰمٰی۔ یتیم کی جمع ہے۔ انسانوں میں ہر اس کو یتیم کہا جاتا ہے جس کا قبل از بلوغ باپ فوت ہو جائے اور حیوانوں میں جس کی ماں مر جائے۔

نکتہ: اس لفظ کا حق تو یہ ہے کہ یتیم ہر صغیر و کبیر کو کہا جائے۔ اس لیے کہ باپ کی فوتیدگی پر وہ اپنے سرپرست کی سرپرستی سے محروم ہو گیا۔ شرعاً صرف غیر بالغ کو یتیم کہا جاتا ہے اس لیے کہ بلوغت کے بعد وہ کفیل کا محتاج نہیں رہتا۔

اس بنا پر وہ یتیمی کے استحقاق سے خارج ہو جاتا ہے۔ یعنی انفراد کی حیثیت بالغ میں نہیں رہتی۔

ف: یتیموں کو اموال دینے کا مطلب یہ ہے کہ مخاطبین کے لالچ کے تمام اسباب اُن کے اموال سے منقطع کر لیے جائیں اور اُن کے اموال سے ہر قسم کے ہاتھ لگانے والے کے ہاتھ روک لیے جائیں اور اُن کے اموال کو جُوں کا تُوں رہنے دیا جائے اور انہیں ہر قسم کی بالادستی سے محفوظ کر لیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ اس لائق ہو جائیں کہ وہ اپنے مال کو خرچ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ اور انہیں اُن کا مال صحیح واپس لوٹے۔ یتیموں کو بالفعل مال دینا مراد نہیں۔ کیونکہ اس کے لیے بلوغت و رُشد کا پایا جانا شرط ہے۔

سوال: اگر یتیموں کو بالفعل مال دینا شرط نہیں تو اُسے (ایتاء) یعنی مال دے دینے سے تعبیر کرنے کا کیا فائدہ

جواب: تاکہ سرپرستوں کو معلوم ہے کہ یہ مال یتیموں کو لامحالہ دینا ہے۔ اور بالضرور یہ مال انہیں پہنچانا ہے۔ نہ صرف اس خیال میں رہیں کہ ہم تو اُن کے اموال کا تعرض نہیں کرتے پھر اُن کے لیے بچ سکے یا نہ۔

خلاصہ تفسیر اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے سرپرستو اور اے یتیموں کے کفیلو یتامیٰ کے اموال کی پُوری حفاظت کرو اور اُن کے نقصان کے درپے نہ رہو اور جب اُن کو اُن کے اموال واپس لوٹانے کا وقت پہنچے تو انہیں صحیح وسالم واپس لوٹا دو وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ۔ اور ردی مال کو اچھے مال سے تبدیل نہ کرو۔

حل لغات: تبدل الشیٔ بالشیٔ و استبدال الشیٔ بالشیٔ اخذ الشیٔ الاول بالشیٔ الثانی کو کہتے ہیں۔ بعد اس کے کہ وہ شئے پہلے بھی حاصل ہو یا حاصل ہونے کو ہو۔ یعنی اپنی حلال کی کمائی کو حرام کے غصبی مال سے تبدیل نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ یتامیٰ کے مال (جو کہ تمہارے لیے حرام ہے) کو اپنے حلال مال (جو تمہارا مباح مال ہے) سے تبدیل نہ کرو کہ حرام کو حلال کے بجائے کھاؤ۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ اور اُن کے مال کو اپنے مال سے ملا کر نہ کھاؤ۔

ف: یہاں پر اکل مال سے تصرف مُراد ہے۔ اس لیے کہ جیسے یتیم کا مال کھانا حرام ہے۔ اسی طرح اس کے مال میں ہر طرح کا تصرف (جو اُسے تباہ کر دے) حرام ہے۔ اُس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ایسی صُورت بھی تو ہے کہ اس سے بقدر ضرورت استعمال جائز ہے۔

سوال: جب یتیم کے مال کا تصرف حرام ہے جو اسے نقصان دہ ہے تو پھر اسے اکل سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: چونکہ تصرفات کے معظم اُمور سے اکل ہے اس لیے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

ف: یہاں پر الیٰ بمعنیٰ مع ہے جیسے ارشاد ہے مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ میں إِلَىٰ بمعنیٰ مع ہے۔ آیت کا معنیٰ

یہ ہے کہ اُن کے اموال کو اپنے اموال میں ملا کر نہ کھاؤ اور نہ ہی انہیں اپنے مال کے برابر کر کے کھا جاؤ یہی معنیٰ صحیح تر ہے اس لیے کہ تمہارا اپنا مال تمہارے لیے حلال ہے اور اُن کا مال تمہارے لیے حرام ہے۔

مسئلہ: آیت کے عموم سے وہ صورت خارج ہے کہ جب کہ یتیم کا متولی فقیر اور محتاج ہو تو اُسے اتنا قدر کہ جتنا وہ یتیم کی خدمت کرتا ہے یتیم کے مال سے خرچ کرنا جائز ہے (اس معنیٰ پر یہ آیت خص علہ البعض ہے

مسئلہ: یتیم کے متولی کا جب کہ مال اپنا بھی ہو تب بھی اُس سے خرچ کرتا ہے تو قبیح ہے اسلیے وَلَا تَتَبَدَّلُوا الخ کے باوجود پھر بھی بطور تاکید" وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ" فرمایا ہے اِنَّهٗ بیشک وہ یتیم کا مال کھانا جو کہ وَلَا تَاْكُلُوْٓا الخ کی نہی سے مفہوم كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ہے وہ بڑا گناہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت بڑا گناہ ہے فلہٰذا اس سے بچ کے رہو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ قبیلہ بنی غطفان کے ایک مرد کے ہاں یتیم بھتیجے کا بہت سا مال تھا جب وہ یتیم جوان ہوا تو اپنے چچا سے مال کا مطالبہ کیا تو وہ منکر ہو گیا یہ معاملہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں پیش ہوا تو یہی آیت نازل ہوئی۔ جب اس کے چچا نے یہی ارشادِ باری تعالیٰ سنا تو کہا ہم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری قبول کرتے ہوئے بہت بڑے گناہ سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ کہہ کر اپنے بھتیجے کو تمام مال واپس لوٹا دیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نفس کے بخل سے محفوظ ہو کر اپنے رب تعالیٰ کی اس شخص کی طرح اطاعت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی بہشت میں داخل ہوگا۔ اُس کے بعد جب اس نوجوان نے اپنا مال قبضے میں لے لیا تو اُس نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اجر ثابت ہوا اور گناہ باقی رہا۔ آپ سے پوچھا گیا یہ کیسے۔ آپ نے فرمایا لڑکے کو تو ثواب ملے گا ہی لیکن اُس کے باپ پر اس لیے گناہ رہا کہ اُس نے مال کا حق ادا نہ کیا تھا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

از زر و سیم راحتی برساں — خویشتن ہم تمتع برگیر
چونکہ ایں خانہ از تو خواہد ماند — خشتی از سیم و خشتے از زر گیر

ترجمہ: (۱) زر و سیم سے حق تعالیٰ کا حق ادا کر اور خود بھی اس سے نفع اٹھا۔

(۲) یہ گھر یہاں رہ جائے گا فلہٰذا اس سے ایک سونے کی ایک چاندی کی اینٹ اٹھالے۔

تفسیر صوفیانہ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ یعنی یتامیٰ کو حرص و حسد اور کمینگی اور خسیس ہونے کی عادت اور طمع وغیرہ خرابیوں سے پاک و صاف کرو۔ اور امانت و دیانت اور سینہ کی صفائی سے آراستہ کرو۔ اس لیے کہ مذکورہ بالا رذائل بہت بڑا گناہ ہیں یعنی بہت بڑے حجابات ہیں۔ دانا پر لازم کہ وہ اپنے نفس کو ردی اخلاق سے

حیا کرنا اور ڈرنا ضروری ہے وَهُوَ مَعَهُمْ اور وہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے یعنی اُن کے حالات کو وہ پورے طور جانتا ہے اور ان کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے فلہٰذا اس سے چھپنے کا سوال ہی پیدا نہیں صرف اتنا ہے کہ وہ اب ان کی اس غلطی سے انہیں سزا نہیں دیتا اور نہ ہی کسی قسم کی اُن سے گرفت ہوتی ہے اِذْ یہ ظرف منصوب اور اس کا عامل محذوف ہے جو اپنے متعلق سے ملکر خبر ہے مبتدا کی جو کہ هُوَ مَعَهُمْ پہلے گذرا ہے۔
يُبَيِّتُوْنَ رات کو کئی طرح کی تدبیریں بناتے رہے اور سوچتے رہے کہ طعمہ کو کس طرح چوری کی سزا سے بچایا جائے مَالَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ایسی باتیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں فرماتا۔ مثلاً ایک بری الذمہ پر بہتان تراشنا اور جھوٹی قسم کھانا اور جھوٹی گواہی دینا جیسے طعمہ نے چوری تو خود کی لیکن یہودی پر تہمت باندھی کہ زرہ اُس نے چُرائی ہے بلکہ اپنے لئے جھوٹی قسم کھائی کہ میں نے زرہ نہیں چُرائی اور حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ میری قسم پر اعتبار فرمائیں جبکہ میں آپ کے دین پر ہوں۔ یہودی کی قسم کا اعتبار ہی کیا جبکہ وہ آپ کے دین کا مخالف ہے۔ پھر ساتھ اُس کی برادری نے آپس میں مشورہ کیا کہ طعمہ انصار میں سے ہے ہم اس کی طرف سے جھوٹی گواہی دیدیں تاکہ اس کا عیب ظاہر نہ ہو اور وہ سرقت کی سزا سے بھی بچ جائے گا۔ اس طرح سے ہماری ساری برادری کی شان رہ جائے گی (ورنہ ہم لوگ بہت بڑے بدنام ہوں گے۔ اگر طعمہ کے ذمہ چوری ثابت ہوگی)۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ اُن کے ان اعمال پر جو کہ ظاہرا کرتے ہیں یا چھپکر۔ مُحِيْطًا ایسا احاطہ کرنے والا ہے کہ ان کا کوئی بھی عمل اس سے رہ نہیں جاتا۔
هٰٓاَنْتُمْ یہ مبتدا هٰٓؤُلَآءِ خبر ہے اور دونوں میں ہا تنبیہ کے لئے ہے اور اس کے بعد کا جملہ مبنی ہے اس لئے کہ وہ اولاء سابق کی خبر ہے۔ مثلاً کسی کو سخی کہا جائے انت تجود بمالك وتوثر على نفسك۔ یعنی تم وہ حاتم ہو کہ اپنا مال لٹاتے ہو اور اپنے بجائے غریبوں پر خرچ کرتے ہو۔

فائدہ یہ خطاب طعمہ اور ان اہلِ ایمان کو ہے جو طعمہ کی طرفداری کرتے تھے اور طعمہ کی اپنی برادری جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے یعنی تمہی تو وہی ہو کہ

جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حیاۃ دنیا میں ان کے لئے جھگڑتے ہو۔

فائدہ مُجادلہ سخت طریقہ سے جھگڑنا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ تم طعمہ اور اُس کی برادری کی وجہ سے صرف دنیا میں جھگڑا کر سکتے ہو۔

فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ ان کی گرفت فرمائے گا تو پھر تم میں کون ہے جو اُس کی طرف جھگڑا کرے۔ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا یا اُن پر نگرانی کرے یعنی جب اللہ تعالیٰ اُن سے بدلہ لے گا۔ تو تم میں کون ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وکیل کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی غلطیوں کے ازالہ کے لئے کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے بات کر سکے۔ اس لئے کہ اُس دن کوئی کسی کے نفس کا مالک نہ ہوگا اس لئے کہ اُس دن تمام امور اُسی کے ہاتھ میں ہوں گے۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؂

(۱) دراں روز کز فعل پرسند و قول
اولوالعزم را تن بلرزد ز ہول

(۲) بجائے کہ دہشت خورد انبیاؑ
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: (۱) اس دن کے قول و فعل کا سوال ہوگا خوف سے پیغمبروں کو لرزہ ہوگا۔
(۲) جہاں انبیا علیہم السلام بھی دہشت کھائیں تو اپنے گناہوں کا عذر کیا پیش کرے گا۔

سبق سالک کے لئے ضروری ہے کہ موت سے پہلے اپنے تمام گناہوں سے خالص توبہ کرے۔ اس سے اگر اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی ہے تو اُن کی قضا دے۔ کسی کا حق مارا تو اُسے پورا کرے۔ تھوڑے یا زیادہ جتنے حقوق کسی کو دینے ہوں تو ادا کرے کسی کو ستایا ہے تو اس سے معافی لے۔ گالی یا بہتان تراشا یا استہزا کیا یا غیبت کی سب بخشوائے یا کسی نہ زدوکوب کیا یا بدظنی کی تو مرنے سے پہلے سب کو راضی کرے۔ یہاں تک کہ اس کے ذمہ کوئی حق الٰہی یا بندے کا کوئی حق باقی نہ ہو۔ آج تو لوگوں کو ستانے سے اتراتا ہے اور ہپ ہپ کر کے اُن کے اموال ہڑپ کر جاتا ہے۔ لیکن قیامت میں سخت ندامت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا اور وہ عدل کی کرسی پر ہوگا اور بندے کی تمام بُرائیوں کو سامنے فرمائے گا کہ اب تمام حقوق تیرے لئے لازم ہیں اُس وقت بندہ مفلس و فقیر ہوگا بلکہ عاجز و ذلیل بن کر کھڑا ہوگا نہ اس وقت کسی کا حق ادا کرنے کی ہمت ہوگی اور نہ ہی کوئی عذر مسموع ہوگا۔ پھر بُرا حال ہوگا اس بندے کا کہ جس کا عملنامہ نیک اعمال سے خالی ہوگا۔ اور اتنی بڑی مدت حساب کے لئے کھڑا رہنا پڑے گا۔ اس وقت بندہ عرض کرے گا۔ میری فلاں فلاں نیکی تو تھی جواب ملے گا تیری تمام نیکیاں تیرے حقدار لے گئے۔ یہ سُن کر بندہ سخت پچھتائے گا۔

اے سالک غور کر جب عملنامے اڑتے ہوں گے اور عدل کا ترازو سامنے ہوگا اور بھرے مجمع میں ہر ایک کو نام لے لے کر پکارا جائے گا اور کہا جائے گا آؤ اللہ تعالیٰ کو حساب دو۔ اُس وقت ملائکہ ہر ایک کو گرفتار کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کریں گے۔ اس وقت ہر ایک کو پکار کے وقت کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوگا جب بھی کسی کو پکارا جائے گا وہی حاضر کیا جائے گا اور وہ پکار دل کو گھبراہٹ میں ڈالے گی اور ہر بندہ خود بخود کھنچ کر حساب کے لئے حاضر ہو جائے گا۔ اُس وقت ہر ایک کی حالت زار ہوگی لرزتا کانپتا ہوا بارگاہِ حق میں حاضری دے گا۔ ڈر کے مارے رنگ بدل جائیگا۔

دل گھبرایا ہوگا۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر اللہ تعالیٰ کے حضور جاکر کھڑا ہو جائے گا سب لوگ دیکھ رہے ہوں گے کہ یہ اب یہ جارہا ہے۔ سراسیمگی پھیلی ہوگی اور دل کی دھڑکن بڑھ جائے گی۔ اور بارگاہِ حق کا رُعب چھا جائے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایک گروہ کے لئے بہشت میں بھیجنے کا حکم فرمائے گا۔ جب وہ بہشت کے قریب پہنچیں گے اور اُس کی خوشبو سونگھیں گے۔ لیکن حکم ہوگا کہ ان کو بہشت میں نہ جانے دو بلکہ میرے ہاں واپس لوٹاؤ۔ اُس وقت اُن کی حسرت و ندامت کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ کو عرض کریں گے یا اللہ اس سے بہتر تھا کہ ہمیں پہلے ہی دوزخ میں بھیج دیتا تاکہ ہمیں اتنا سخت ندامت نہ اُٹھانا پڑتی اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم وہی ہو کہ جب اکیلے ہوتے تھے کہ تو نیکی کا ارادہ ظاہر کرتے لیکن تمہیں لوگوں سے زیادہ ڈر ہوتا تھا۔ میرا خوف تمہارے دلوں سے اُتر جاتا تھا۔ تم لوگوں کو ہی مجھ سے زیادہ بڑا سمجھتے تھے۔ تم بُرائیوں کو لوگوں کے ڈر سے چھوڑ دیتے تھے۔ میرا خوف تمہیں ذرّہ برابر بھی نہیں تھا۔ اس لئے آج تمہیں عذاب چکھاتا ہوں۔ اور بہت بڑے انعامات سے تمہیں محروم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وہ اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کرتے اللہ تعالیٰ انہیں دھوکہ کی سزا دے گا۔

سبق سالک کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ وہ ان لوگوں سے نہ ہو جو مخلوق سے تو ڈرتے ہیں لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کا ذرّہ بھر بھی ڈر نہیں اسے چاہیئے کہ وہ اپنے ہر معاملہ کو دیانتداری سے سُلجھائے اور بُرائیوں کو ترک کرکے نیکیوں میں جدوجہد کرے اور ہر ایک سے عدل و انصاف سے پیش آئے اور صدق و صفائی کو شعار بنائے اور استغفار میں لگا رہے اس لئے کہ استغفار گناہوں کی ہر بیماری کا علاج ہے بلکہ اُسی سے ہی اللہ تعالیٰ کے ملکوت کا دروازہ کھلتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اور وہ جو بُرائی کرتا ہے) ایسی بُرائی جو دوسرے کو تکلیف پہنچاتی اور پریشان کرتی ہے۔ جیسے طعمہ نے قتادہ یہودی سے کیا۔ اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ یا اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے یعنی وہ گناہ اس کو ہی لازم ہوتا ہے۔ جیسے جھوٹی قسم وغیرہ۔

فائدہ بعض کہتے ہیں کہ سوٓ کا شرک کے سوا تمام گناہوں پر اطلاق ہوتا ہے اور ظلم شرک کو کہتے ہیں اس لئے کہ شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں پر ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ مُراد ہے۔

ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ پھر اللہ سے بخشش مانگے توبہ کے ساتھ استغفار سے مغفرت و رحمت کے آثار نمایاں نظر آتے ہیں گویا استغفار کرنے والے کے لئے توبہ ایک مزید نعمت ہے۔

حدیث شریف سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدیق اکبر سے روایت کی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا کہ "جو شخص غلطی سے گناہ کرتا ہے پھر توبہ کے ارادہ پر وضو کرکے دو رکعت نفل پڑھ کر استغفار

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بخش دیتا ہے پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْءً الخ

اے کہ بے حد گناہ کردستی

می نترسی ازاں فعال شفیع

توبہ کن تا رضائے حق یابی

کہ بہ از از توبہ نیست ہیچ شفیع

ترجمہ: اے فلاں تونے بے حد گناہ کئے ایسے بُرے گناہوں سے تمہیں خوف وخطر بھی نہیں۔
توبہ کرتا کہ تجھے رضائے الٰہی نصیب ہو کیونکہ توبہ سے بہتر کوئی سفارشی نہیں۔
یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

مسئلہ توبہ استغفار کو لازم ہے کیونکہ توبہ معافی کے لئے شرط ہے کیونکہ صرف استغفار کا نام توبہ نہیں اسی پر سب کا اجماع ہے یعنی استغفار کے ساتھ یہ بھی کہنا لازم ہے کہ زبان یا دل سے کہے کہ میں نے توبہ کی اور آئندہ یہ گناہ ہرگز نہیں کروں گا فلہٰذا اے اللہ مجھے بخش دے (تفسیر حدادی)۔

فائدہ اس میں طمع اور اس کی برادری کو استغفار و توبہ کی ترغیب ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا اور جو بھی کسی ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ تو بے شک وہ اپنے نفس پر وبال ڈالتا ہے اس لئے کہ گناہ کا ضرر وبال گناہ کرنے والے کے اپنے نفس پر پڑے گا۔ بلکہ اسے خوف کرنا چاہیئے کہ وہ اس کی گناہ کی شامت سے کسی سزا میں مبتلا نہ ہو جائے یا کم از کم اُسے آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونے کا خطرہ تو مدِ نظر ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ کا یہ مطلب ہے کہ گناہ کے بعد فوراً گناہ کی زنگ اُس کے دل کے شیشہ پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کے دیدار سے اندھا بنا دیتی ہے اور اس کے کانوں کو لگ کر سماعِ حق سے محروم کر دیتی ہے کما قال تعالیٰ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ (بلکہ ان کے کردار سے ان کی قلوب پر زنگ چڑھ جاتی ہے)۔

تفسیر عالمانہ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے کہ بندے کے تمام اعمال کو جانتا ہے اور ان کی سزا میں بھی اُس کی بے شمار حکمتیں ہیں وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓــٴَةً (اور جو شخص کسی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے) اس سے صغیرہ گناہ مُراد ہے یا وہ کبیرہ گناہ کہ جس کے کرنے کا اُسے ارادہ نہیں تھا۔ اَوْ اِثْمًا یا کوئی بڑا گناہ۔ اس سے کبیرہ گناہ مُراد ہے یا وہ صغیرہ جو عمداً کرتا ہے۔ ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ پھر ان دونوں میں سے

کسی ایک سے برأت کا اظہار کرتا ہے **بَرِیٓـًٔا**۔ وہ اپنے آپ کو بری الذمہ ظاہر کرتا ہے تاکہ دنیوی سے بچ کر دوسرے کے ذمہ سر تھوپ دے جیسے طعمہ نے چوری کرکے یہودی کے سر تھوپ دیا **فَقَدِ احْتَمَلَ** پس بے شک اُس نے اُٹھایا یعنی اس کا قصور کا بوجھ کسی ایسے کے ذمہ لگا دیا جو اس غلطی سے بری تھا **بُهْتَانًا** ایسے بڑے بہتان کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ **وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا** اور گناہ ظاہر یعنی وہ فاحش گناہ جو سب کو معلوم ہو۔

سوال گناہ کو صفت بین سے تعبیر کرنے میں کیا نکتہ ہے؟

جواب چونکہ جو شخص غلطی کا مرتکب ہو کر دوسرے کے سر تھوپے۔ وہ جب ظاہر ہوتا ہے تو اتنا واضح ہو جاتا ہے کہ ہر چھوٹے بڑے کو معلوم ہو جاتا ہے۔

سوال بے قصور کو قصوروار ٹھہرانے کو بہتان سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب وہ اس لئے کہ جب بے قصور اپنے لئے قصور کا نام سنتا ہے تو حیران و پریشان ہو جاتا ہے کہ اس پر ایک بہت بڑا جھوٹ تراشا گیا ہے۔ "بہتان" بہت الرجل بجسر الہاء سے ماخوذ ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی معاملہ میں متحیر ہو۔ اسی طرح بہتہ بہتا نا یہ اس شخص کے بولتے ہیں جو بات اس نے نہ کہی اور نہ کی ہو لیکن کہا جائے کہ اُس نے کہا ہے یا کیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ غیبت یہ ہے کہ کسی کے متعلق ایسی بات کہی جائے جس کو وہ سُن کر کراہت کرے۔ آپ سے عرض کی یا حضرت! اگر کسی میں کوئی عیب ہو اور اسے بیان کیا جائے کیا یہ بھی غیبت ہو گی۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ کسی میں کوئی عیب ہو اور اسے پس پشت بیان کیا جائے تو وہ غیبت ہے اور اگر اسمیں وہ عیب نہ ہو اور اپنی طرف سے گھڑ کر اُس کو منسوب کیا جائے تو یہ بہتان ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **فقد احتمل** الخ یعنی صاحب نفس بہت بڑا بوجھ اپنے سر رکھ رہا ہے اس لئے کہ گناہ کے ارتکاب نے اس کے دل کو طاعات و عبادت سے دور کر دیا **وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا** سے مراد یہ ہے کہ اُس نے اپنے نفس کو معاصی کے دریا میں ڈبو دیا اور جو اپنے دل کو گناہوں میں مبتلا کرتا ہے اُس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنی عقل کو کھو دے گویا اس کا دل نفس کا کھلونا بن گیا پھر اس جیسا بدبخت اور کون ہو گا کہ جس نے اپنا دل نفس کے تابع کر دیا اور ایسا شخص ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ جبکہ اس کا جوہر عقلی و روحانی چھینا گیا اب وہ صرف گوشت و پوست بن گیا ہے۔ اب یہ ان لوگوں میں ہو گیا جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَسَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا**

غَبَّرَهَا۔ یعنی ان لوگوں نے عقلوں کو تباہ کر دیا یا سراپا گوشت و پوست بن گئے۔

نکتہ استغفار سے بندہ مخلوق سے بھاگ کر خالق کی طرف جاتا ہے بلکہ یوں کہو کہ وہ انانیت سے نکل کر ھویت ذاتیہ کی طرف پہنچتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب طلب صادق ہو اس طلب صادق کی برکت سے وہ ذاتِ حق کو پاتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو مجھے طلب کرتا ہے وہ ضرور مجھے پا لے گا۔

حدیثِ کلیم اللہ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یا اللہ! میں تمہیں کہاں تلاش کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تم مجھے صدقِ دل سے تلاش کرو گے تو مجھے فوراً اپنے ہاں پاؤ گے۔

سبق بندے کو ہر حال میں استغفار کا وِرد رکھنا ضروری ہے اس کی مثال اس بادشاہ کی ہے جو عدل و انصاف سے محروم ہے یا جیسے نہر ہو لیکن اس میں پانی نہ ہو یا جیسے عالم بے عمل ہو یا گھر ہو لیکن اس کی چھت نہ ہو یا جیسے دولتمند ہو لیکن سخی نہ ہو یا جیسے بادل ہو اس میں بارش نہ ہو جیسے جوانی ہو اس میں توبہ نہ ہو جیسے درخت ہو اس پر پھل نہ ہو جیسے فقیر ہو لیکن اسے صبر نہ ہو جیسے چراغ ہو اس میں روشنی نہ ہو جیسے عورت ہو اس میں حیا نہ ہو جیسے طعام ہو اس میں نمک نہ ہو۔

نسخہ روحانی موت سے پہلے اخلاق سنوارنا اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کا شیوہ ہے اور نیک عمل اچھا ساتھی ہے ایسے ہی بُرے اعمال بُرے ساتھی ہیں۔ ؎

① ناگہاں بانگ در سرائے افتاد
که فلاں را محل وعده رسید

② دوستاں آمدند قالب گور
قدمی چند و باز پس گردید

③ دین کزو دسترس منداری
مال و ملک و قبالہ بردہ کلید

④ دین کہ پیوستہ باتو خواہد بود
عمل تست و نفس پاک و پلید

(باقی صـ۲۶۲ـ پر)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ
اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ
اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ
نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ع

ترجمہ: اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا تو ان میں کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکا دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اُتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق کا راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی) کہ آپ کو ہر غلطی اور خطا سے معصوم نہ بنایا ہوتا۔ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ تو اُن کے ایک گروہ نے ارادہ کر لیا تھا یعنی بنی ظفر جو طعمہ کو سرقت سے بری الذمہ بنانے کی کوشش میں تھے اَنْ يُّضِلُّوْكَ کہ آپ کو صحیح فیصلہ کرنے سے باز رکھے جبکہ آپ کے سامنے غلط سلط بیان دے رہے تھے۔ حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ اُن کے ساتھی طعمہ سے غلطی کا ارتکاب ہو چکا ہے۔

فائدہ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ سے ہدایت کی نفی کی جا رہی ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ پر ان کی غلط پالیسی کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا خواہ وہ کتنا ہی جد و جہد کریں۔

وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ اور صرف اپنے آپ کو گمراہ کر سکتے ہیں اس لئے کہ اس کا وبال انہیں پر ہوگا وَمَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ اور آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مِنْ شَیْءٍ جار و مجرور کا محل نصب علی المصدریت ہے دراصل عبارت یوں تھی وَمَا یَضُرُّوْنَكَ شَیْئًا مِنَ الضَّرَرِ۔

فائدہ یہ لوگ آپ کو اس لئے ضرر نہیں پہنچا سکتے کہ خود خدا آپ کا خود محافظ ہے اور وہ جو فیصلہ میں طعمہ کی تائید کا آپ کا خیال گذرا وہ بھی صرف ظاہری اسباب کی وجہ سے تھا نہ کہ طبعی طور آپ کا میلان اس طرف تھا۔ یعنی آپ کا طعمہ کے حق میں فیصلہ کرنے پر طبعی میلان نہیں تھا۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل فرمایا وَالْحِكْمَةَ

(بقیہ ص ۲۶۰)

⑤ نیک دریاب و بد مکن زنہار
کہ بدو نیک خواہی دید

ترجمہ: ① اچانک گھر سے آواز آئی کہ فلاں کا وعدہ اجل پہنچ گیا۔
② دوست صرف قبر تک آئے دو چار قدم چل کر آئے اور پھر چلے گئے۔
③ وہ شئے کہ جس کے سوا تجھے چارہ نہیں لیکن وہ بھی رہ گئے یعنی مال و اسباب وغیرہ کہ ان کی چابی تیرے سے مرنے کے بعد چھن گئی۔
④ ہاں وہ کہ جس نے ہمیشہ تیرے ساتھ جانا ہے وہ ہے عمل اور نفس وہ پاک ہے یا پلید۔
⑤ اسی لئے نیک کام کر برائی کے قریب نہ جا ورنہ قبر میں نیکی اور برائی دیکھنی ہوگی۔

حکایت شیخ وفا رحمہ اللہ تعالیٰ (جن کا قسطنطنیہ میں اپنی درس گاہ کے احاطہ میں مزار ہے) کو بادشاہ بایزید ثانی نے اسی ہزار (۸۰۰۰۰) دینار نذرانہ پیش کیا تاکہ وہ اس کی لڑکی کا نکاح قبول کرلیں اور یہ دولت آمیں صرف کریں آپ نے فرمایا اگر تم مجھے عالم دنیا کا تمام مال لٹا دو تب بھی میں نہیں لوں گا اس لئے کہ میں اتنا مشغول ہوں کہ مجھے لمحہ کی فرصت بھی نہیں کیونکہ صبح سے چاشت تک اپنے وظائف میں لگا رہتا ہوں۔ پھر دوپہر سے تا ظہر قیلولہ کرتا ہوں۔ پھر ظہر کے بعد تم کو اپنے معاملات سے فرصت نہیں علاوہ ازیں ظہر کے بعد دن گھٹنے لگتا ہے اور تم یہ کام دن کے اوّل اوقات میں کرتے ہو۔

سبق سالک کے اوقات یونہی منقسم ہوتے ہیں اور ہونا بھی ایسے ہی چاہیئے اس لئے کہ دنیا فانی ہے اور بقا صرف حی و قیوم کو ہے اور پھر اسی حی و قیوم کی طلب میں زندہ رہنا اور اسی کی طلب میں مرنا چاہیئے۔

اور اس کے اندر جو احکام اور حلال و حرام کی تفصیل ہے وَعَلَّمَكَ اور وحی بھیج کر غیب کی باتیں اور پوشیدہ امور بتائے مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ جو تا وقتِ تعلیم انہیں آپ کو معلوم نہ تھے وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے)۔ اس لئے کہ نبوت عامہ اور حکومت تامہ سے بڑھ کر اور کونسا بڑا فضل ہوگا۔ اس فضلِ عظیم سے آپ کو معصوم رکھنا اور بڑے علوم کی تعلیم مراد ہے۔

مسئلہ حضرت حدادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو حقیقتِ حال معلوم نہ ہو تو اُسے لائق ہے کہ وہ خواہ مخواہ حق کے اثبات یا نفی کا طرفدار نہ بنے۔

مسئلہ حاکم وقت کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مدعی و مدعا علیہ میں کسی طرف جھکاؤ نہ رکھے۔ اگرچہ اُن میں ایک کافر ہو اور دوسرا مسلمان۔

مسئلہ چوری کا مال کسی کے ہاں پائے جانے سے اُس پر چوری کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔

فائدہ آیت جامعہ الفضائل ہے۔ منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ بالآخر بُرائی کا وبال بندے کے سر پر آتا ہے جیسے نیکی کا ثمر بہتر ہوتا ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا

اول بظالماں اثر ظلم می رسد

پیش از ہدف ہمیشہ کمان نالہ می کند

ترجمہ: ظلم کا سب سے پہلے ظالم پر اثر پڑتا ہے دیکھئے نشان پر تیر پھینکنے سے پہلے کمان سے فریاد سنائی دیتی ہے۔

حکایت ایک شخص نے گائے کے بچھڑے کو گائے کے سامنے ذبح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کا ہاتھ لُنجہ بنا دیا یعنی اُس کا ہاتھ سوکھ گیا۔ پھر اس شخص نے ایک دفعہ چڑیا کا بچہ نیچے گرا پڑا اُٹھا کر گھونسلے میں رکھا تو اللہ تعالیٰ نے وہی سوکھا ہوا ہاتھ پھر درست فرما دیا۔

سبق بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ تین کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔

(۱) بائع البشر (بردہ فروش)

(۲) قاطع الشجر (بلاوجہ درخت کاٹنے والا)۔

(۳) ذابح البقر (بلاوجہ جانور ذبح کرنے والا)

حکایت کسی عورت نے کسی سائل کے منہ میں لقمہ ڈالا۔ پھر وہ کسی کام کے لئے کھیتوں میں گئی تو بچہ کو کھیت کے کنارے سُلا دیا۔ بھیڑیا بچے کو اُٹھا لے گیا۔ اُس عورت نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے الٰہ العالمین میرے بچے کی حفاظت فرما کر مجھے واپس لوٹا دے۔ یہی بھیڑیا بھاگتا جا رہا تھا کہ کسی شکاری نے اسے تیر مارا تو

وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اُس نے بھیڑیئے کے مُنہ سے بچے کو نکالا تو وہ بچہ صحیح وسالم تھا (معمولی نیش تک بھی اُسے نہ پہنچے)۔ اُدھر عورت یہ حال دیکھ رہی تھی فوراً جا کر اس شخص سے بچہ مانگا اس نے بچہ واپس لوٹا کر کہا کہ یہ لقمہ کا عوض ہے جو تو نے ایک سائل کے مُنہ میں ڈالا تھا۔

فائدہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو انسانی بھیس میں بھیج کر بھیڑیئے سے بچہ چھڑا کر اس بی بی کو دلایا تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ نیکی کا پھل کیسا میٹھا ہوتا ہے) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی نیکی کا ثمر دنیا میں بھی ظاھر ہو جاتا ہے۔

مسئلہ آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علم وحکمت مجموعہ فضائل کا سرتاج ہیں۔

مسئلہ یاد رہے کہ علم سے مُراد نافع علم مُراد ہے اور اُس کا ثمرہ آخرت تک ملتا رہتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں صرف تین ایسے عمل ہیں کہ جن کا موت کے بعد بھی ثمر نصیب ہوتا رہتا ہے۔

(۱) صدقہ جاریہ
(۲) علم نافع
(۳) اولاد صالح (جو اس کے لئے نیک دعا کرتی رہتی ہے)

مسئلہ آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ انسان سے جو نیک عمل ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ میری ذاتی کارروائی ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ اس کریم کی مہربانی ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے مجھ سے یہ کام کرایا ہے۔

مسئلہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرے کہ نفس نیکی کے لئے بھروسہ کے لائق نہیں اس لئے کہ جو شخص اپنے نفس پر معمولی سا بھی بھروسہ کرتا ہے تو اُس کے باطن سے یقین کے انوار چھین لئے جاتے ہیں۔

فائدہ انسان کامل وہ ہے جسے نفس پر ذرّہ برابر بھی اعتماد نہ ہو۔ پھر وہ اپنے عمل پر کیسے بھروسہ کرسکتا ہے جب اسے معلوم ہو کہ میری تمام زندگی کی نیکیاں اللہ تعالیٰ کی ایک چھوٹی سی نعمت کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ جب ان سب نیکیوں کا یہ حال ہے تو اُن پر اعتماد کیوں۔

حکایت شاہ شجاع کرمانی کے متعلق مشہور ہے کہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے تو کسی سائل نے لوگوں سے کچھ مانگا لیکن اس غریب کو کسی نے بھی کچھ نہ دیا۔ وہیں پر شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوئی ہے تم میں جو مجھ سے پچاس حج کا ثواب لے کر اس فقیر کو صرف ایک وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔ اس مجلس میں ایک

فقیہہ (عالم فقہ) بھی موجود تھا اُس نے فرمایا اے کرمانی تم شریعت سے مذاق اُڑا رہے ہو کہاں پچاس حج اور کہاں روٹی کا ٹکڑا۔ کرمانی مرحوم نے جواب دیا۔ حضرت جب مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں تو پھر میں اپنی نیکیوں کو کیا جانوں۔

سوال اس سے معلوم ہوا کہ جب نیکی کی کوئی قدر و قیمت نہیں تو پھر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے بلکہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہر نیکی کو عمل میں لاؤ لیکن ان پر سہارا نہ ہو (جیسے مشہور ہے نیکی کر دریا میں ڈال) بلکہ ہر نیکی کرنے کے بعد یہ تصور رہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہی توفیق بخشی ہے اور اس کا فضل ہوا ہے ورنہ میں اس لائق کب تھا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) گر ز حق توفیق خیرے رسد
که از بنده خیرے بغیرے رسد

(۲) چو روئے به خدمت نہی بر زمین
خدا را ثنا گوئی و خود رامبین

ترجمہ: (۱) اگر حق سے توفیق نصیب ہو تو غیر کو بھلائی پہنچا سکتے (ورنہ مشکل ہے)

(۲) جب تو عبادت کے لئے سر سجدے میں رکھتا ہے تو تیرا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اپنا تصور نہ کر کہ یہ میں نے کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ فضل الٰہی بھی اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ایک عطیہ ہے وہ جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ اس میں کسی کے کسب کو دخل ہے نہ کسی کو چارہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جسے ایمان کو دولت سے نواز کر عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وہ مالک ہے۔ آیت میں فضل عظیم جو واقع ہوا ہے اُس سے بھی خود ذاتِ حق مراد ہے اب وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا سے مراد یہ ہوگی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی عظیم ہے اور اس کا فضل اور رحمت آپ پر وافر در وافر ہے۔ جیسے آپ تمام عالمین کے لئے فضل و رحمت ہیں اس لئے آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ)۔

فائدہ منجملہ آپ کے فضل کے ایک یہ ہے کہ آپ کو روحانیات و جسمانیات سے کوئی شے بھی وصول حق سے نہیں روک سکی۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں اُن اشیاء سے دُور رکھ جو تیرے تک پہنچنے سے ہمیں روکتی ہیں۔ وہ اشیا آفاقی ہیں نفسانی اور پھر اپنے فضل سے ہمیں نفوس قُدسیہ میں پہنچا دے (آمین)

تفسیرِ عالمانہ لَاخَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اُن کی آپس کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں۔

حل لغات نجویٰ دراصل اس رازداری کو کہتے ہیں جو صرف دو شخصوں تک محدود ہو لیکن زجاج صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا اطلاق ایک جماعت کے لئے بھی ہوتا ہے یعنی وہ رازداری جو ایک جماعت میں واقع ہو خواہ پوشیدہ طور ہو یا کھلم کھلا لیکن دو شخصوں یا ایک جماعت تک محدود ہو۔

فائدہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام اور ہر زمانہ کے لئے ہے اگرچہ اس کا نزول طعمہ اور اُس کی قوم کے لئے ہو جب انہوں نے طعمہ کو چوری کے الزام سے بچانے کے لئے آپس میں سرگوشیاں کیں۔

اِلَّا مَنْ اَمَرَ (ہاں کوئی نیکی کا معاملہ ہو) یعنی نیکی کے بارے میں اگر سرگوشیاں کرو تو کوئی حرج نہیں یہ مجرور اور فی کثیر سے بدل ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے لَاخَيْرَ فِي قِيَامِهِمْ اِلَّا فِي قِيَامِ زَيْدٍ۔

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ وہ نیکی صدقہ ہو یا کوئی اور نیک کام۔

حل لغات اَلْمَعْرُوْف اس فعل کو کہتے ہیں جیسے شرع مستحسن سمجھے اور عقل بھی اس کے استحسان سے انکار نہ کرے اس تعریف سے تمام اچھے امور اور نیکی کے تمام کام (المعروف) میں داخل ہوں گے لیکن یہاں پر قرض اور مظلوم کی فریادرسی اور صدقات و خیرات مراد ہیں یہ اس وقت ہے جب آیت میں صدقہ سے صدقہ واجبہ مراد ہوں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر معروف صدقہ ہے اور بہشت میں سب سے پہلے اہل معروف داخل ہوں گے۔

نکتہ جسے نیکیوں کی توفیق نصیب ہوتی ہے اس سے بُرائیاں دُور بھاگتی ہیں۔ ؎

تو نیکی کن باب اندازی شاہ

اگر ماہی نداند داند اللہ

ترجمہ: اے بادشاہ (نیک آدمی) نیکی کر اور دریا میں ڈال اگر اسے مچھلی نہ جانے تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔

حدیث شریف بندے کا ہر کام قیامت میں عذاب کا موجب بنے گا اسے اپنے کسی کام سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا ذکر الٰہی قیامت میں فائدہ پہنچائیں گے۔

اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (اور لوگوں کے مابین اصلاح) یعنی لوگوں کے آپس میں جھگڑے اور عداوتیں پیدا ہو جائیں تو صلح و صفائی کے لئے سرگوشیاں کی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں تمہیں ایسا نیک عمل نہ بتاؤں

جو نماز اور صدقہ سے کئی درجے افضل ہے سب نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا آپس میں جھگڑے کرنے والوں اور عداوتوں میں رہنے والوں کے مابین صُلح و صفائی کرانا اور آپس میں بغض و عداوت سر مونڈنے والی شے ہے میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ یہ سر مونڈتی ہے بلکہ دین کی جڑ اُکھاڑتی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابُو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے صدقہ کی طرف رہبری کروں جو سُرخ اونٹ کی خیرات سے بھی افضل ہو۔ انہوں نے فرمایا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ جب لوگوں کا آپس میں جھگڑا ہو تو اُن کی صُلح و صفائی کراؤ۔ اور جب وہ آپس میں ایک دوسرے سے دُور ہو جائیں تو اُن کو آپس میں قریب کرو۔

سوال ان تینوں کو خصوصی طور ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب چونکہ یہ تینوں ایسے اُمور ہیں جن کے منافع عامل سے متجاوز ہو کر دوسروں تک پہنچتے ہیں کہ اس میں دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور نقصان کو دفع کیا جاتا ہے۔ نفع جسمانی ہو جیسے کسی دوسرے کو مال عطا کرنا اس کا ذکر **اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ** یا روحانی جیسے امر بالمعروف یا اس سے نقصان دفع کرنا مطلوب ہوتا ہے **اِصۡلَاحٍ بَیۡنَ النَّاسِ** میں اس طرف اشارہ ہے۔

وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ اور جملہ امور عمل میں لاتا ہے۔ **ذٰلِکَ** کا جملہ اُمور مذکور کی طرف اشارہ ہے (یعنی صدقہ و معروف و اصلاح کی طرف) اس لئے کہ اس کا اشارہ متعدد اُمور کی طرف ہوتا ہے۔

سوال اس کلام کو امر سے کیوں متعلق کیا گیا ہے یعنی الا من **اَمَرَ** سے؟

جواب اس لئے کہ یہ وہ امور ہیں جو کسی کرنے والے سے تعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر حکم جب کسی کو سُنایا جاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے یہ کس کا حکم ہے جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ آمر کی شخصیت بلند تر ہے تو پھر وہ اس امر کے بجا لانے میں پس و پیش نہیں کرتا۔

فائدہ حکم کا اصل مقصد فعل ہوتا ہے اور اس فعل کے صدُور کا صرف سبب ہوتا ہے۔

فائدہ آمر ان اُمور کو عمل میں لانے کی ترغیب دلاتا ہے۔

اِبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کر کے) یعنی ان جملہ اُمور کی اصل علت رضائے الٰہی ہے کہ بندوں کو چاہیئے کہ اپنے جملہ امور میں رضائے الٰہی کو مدِ نظر رکھیں۔

مسئلہ جو کوئی عمل ریا یا شہرت کی نیت پر کرتا ہے تو اُسے ثواب سے محرومی ہو گی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
از یں در کسے چوں تو محروم نیست

(۲) ز عمرو اے پسر چشم اُجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار!

ترجمہ: (۱) تیری زمین میں اگر اخلاص کی جڑ نہیں تو تیرے جیسا اور کوئی محروم نہ ہوگا۔

(۲) عمرو سے مزدوری کی اُمید نہ رکھ جبکہ تو زید کے گھر کام کرتا ہے۔

فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (پس ہم اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے) کہ اس سے نہ صرف طلبِ دنیا کی عادت دفع ہو جائے گی بلکہ دنیا کے جمیع اسباب کو لاشیٔ سمجھنے لگ جائے گا۔ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ اور جو اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کی مخالفت کرتا ہے) یشاق الشق سے ماخوذ ہے۔ چونکہ ہر دونوں مخالف آپس میں اپنی اپنی شق پہ ہوتے ہیں اور ہر ایک کی شق دوسرے کی شق کے مخالف ہوتی ہے اسی لئے اسے شق سے چھیڑتے ہیں۔ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ (بعد اس کے کہ اس کے سامنے ہدایت واضح ہوگئی) یعنی آپ کی نبوت کے متعلق روشن معجزات دیکھ کر اس کے سامنے حق ظاہر ہو چکا۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ اور جو مومنین کے راہ کے غیر پر چلتا ہے) یعنی اس راہ پر چلتا ہے جس پر مؤمن دائمی طور چلتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کے اعتقاد اور عمل سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اُن کے اعتقاد و عمل کے مجموعہ کا نام دین قیم ہے نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ ہم بھی اسے اُس کی دوستی کے اس مقام پہ پہنچائیں گے جنہیں وہ دوست رکھتا ہے) یعنی جب سے اس نے گمراہی کو اختیار کیا ہے تو ہم بھی اُس کے وہی دوست بنائیں گے جن سے اُن کا پیار ہے اور اسے اس کی دوستی کے مابین راستہ ہموار کریں گے وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے۔ وَسَاءَتْ مَصِيرًا اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

طعمہ کا بُرا انجام

مروی ہے کہ طعمہ نے جب سے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کہ جب چوری اُس کے ذمہ ثابت ہوگئی تو وہ قطع ید (چوری کی سزا) کے خوف سے مدینہ طیبہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ چلا گیا اور اپنے آبا کا پُرانا دین کفر اختیار کر کے کافر ہو کر مرا (جیسا کہ پہلے گذرا)۔

سبق

مؤمن پر لازم ہے کہ وہ جماعت (اہلسنت) کے خلاف نہ چلے اس سے اہل ایمان کی جماعت اہلسنت مراد ہے اس لئے کہ جو بکری ریوڑ سے علیحدہ ہوتی ہے اُسے بھیڑیا کھا جاتا ہے۔

تقلید کے برکات

ایمان والوں کا راستہ یہی حق راہ ہے یہی بہشت اور قربِ الٰہی اور وصالِ حق اور دیدار خداوندی عطا کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ جو نفس و شیطان اور خواہشاتِ نفسانیہ کی باتیں کرتے ہیں (اس لئے کہ وہ شریر ترین مخلوق ہیں) اور نہ ان کی باتیں اچھی ہیں۔ جو آپس میں کرتے ہیں اس لئے کہ وہ برائی اور بھلائی اور غلطی کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو مستثنیٰ فرمایا اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍ بَيۡنَ النَّاسِ یعنی سوائے ان لوگوں کے جو ان اُمور کا حکم دیتے ہیں اس لئے کہ ان امور میں بھلائی ہی بھلائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ ان امور کا حکم فرماتا ہے خاطر رحمانی سے یا الہام رحمانی سے۔

فائدہ خاطر کا اطلاق اعلام من اللہ پر ہوتا ہے وہ فرشتے کے واسطہ سے ہو یا واسطہ کے بغیر چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک اطلاع رحمانی ہوتی ہے ایک شیطانی جو رحمانی ہوتی ہے اُس میں بھلائی کا وعدہ ہوتا ہے اور جو شیطانی ہوتی ہے اس میں شر ہی شر ہوتا ہے۔ الہام بھی منجانب اللہ ہوتا ہے۔ لیکن اس میں کسی کا واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا یہ دو قسم ہے۔

① بندے کو علم تک نہ ہو کہ واقعی یہ اشارہ ایزدی ہے۔

② اسمیں تصریح ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے اسے نورِ الٰہی کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقی الہام ہے اسے کسی دوسری معرفت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

فائدہ الہام ولی اور غیر ولی ہر دونوں کو ہوتا ہے چنانچہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ حدثنی قلبی عن ربی یعنی میرے دل نے یہ بات اللہ تعالیٰ سے بیان کی ہے اور حضور علیہ السلام نے اِنَّ الحقَّ يَنطق علىٰ لسان عمر (بے شک حق حضرت عمر کی زبان پر بولتا ہے) اور یہ بھی اُن کے لئے فرمایا کبھی اُن کی فراست وحی ربانی سے سبقت کر جاتی ہے۔ پھر فرمایا وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ اور جو شخص جو اس پر اتفاقاً ہوا ہے صرف رضائے الٰہی کے پیش نظر عمل کرتا ہے۔ فَسَوۡفَ نُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ہم عنقریب انہیں بہت بڑے اجر و ثواب سے نوازیں گے۔ فسوف کی فا تعقیب کے بعد فعل يُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا الخ میں جذب عنایت الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ یہی جذب عنایت الٰہی بندے کو انانیت سے نکال کر واصل بحق کرتا اور اُسے بہت بڑے بلند مراتب پر پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ جو شخص الہام ربانی کی مخالفت کرتا ہے جو درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى بعد اس کے کہ اس کے سامنے ہدایت واضح ہو گئی ہے یعنی اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ واقعی یہ الہام ربانی اور اُس کا نور ہے وَ يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (اور جو مومنین (جو درحقیقت وہی اہل ایمان ہے) کے راستہ سے ہٹ جاتا ہے مثلاً خواہش نفسانی اور نفس کی شرارت اور شیطان کی راہ پر چلتا ہے نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ہم اُسے رسوائی کی طرف سپرد کر دیں گے جبکہ وہ خود اس کا خواہاں ہے وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ اور ہم اُسے اُس کے اپنے معاملات سے جکڑ کر جہنم

(باقی صفحہ ۲۷۱ پر)

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ○ إِنْ يَّدْعُوْنَ

مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَّدْعُوْنَ إِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ○ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ

وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○ وَّلَأُضِلَّنَّهُمْ

وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا

مُّبِيْنًا ○ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ○ أُولٰٓئِكَ

مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

فِيْهَآ أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ○ لَيْسَ

بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ

لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ

ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

نَقِيْرًا ○ وَمَنْ أَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ○ وَلِلّٰهِ مَا

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ○

ترجمہ: اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا یہ شرک والے اللہ کے سوا نہیں پوجتے مگر عورتوں کو اور نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان کو جس پر اللہ نے لعنت کی اور بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا ہوا حصہ لوں گا قسم ہے میں ضرور بہکا دوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ چوپایوں

کے کان چیریں گے اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ صریح ٹوٹے میں پڑا۔ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کچھ دیر جاتی ہے کہ ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کا سچا وعدہ اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی کام نہ کچھ تمہارے خیالوں پر ہے اور نہ کتاب والوں کی ہوس پر جو بُرائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا نہ مددگار اور جو کچھ بھلے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور انہیں تل بھر نقصان نہ دیا جائے گا اور اس سے بہتر کس کا دین جس نے اپنا منہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ نیکی والا ہے اور ابراہیم کے دین پر چلا جو ہر باطل سے جدا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ

بے شک اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے گا۔ اس کے ماسوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھا حاضر ہوا اور عرض کی میں ایک بوڑھا آدمی ہوں زندگی گناہوں میں گذری ہے لیکن شکر ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اور دولتِ اسلام سے نوازا گیا شرک نہیں کیا اور نہ ہی اس کے سوا کسی کو سازگار بنایا ہے اور نہ ہی گناہوں پر اب کبھی جرأت کرتا ہوں اور نہ کبھی خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ سکوں گا لیکن سابقہ گناہوں پر نادم ہوں۔ فرمایئے میرے ساتھ کیا ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ شرک توبہ کئے بغیر ہرگز نہیں بخشا جائے گا۔ اس کے ماسوا توبہ کی ہو یا نہ بالآخر بخشش ہوگی لیکن یہ بھی ہر ایک کے لئے نہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک

(بقیہ ص ۲۶۹)

کی طرف دھکیل دیں گے یعنی اسے صفاتِ سفلیہ مثلاً صفاتِ بہیمیہ وسبعیہ وشیطانیہ سے موصوف کر دیں گے وَسَآءَتْ مَصِیْرًا اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے یعنی اس نے خواہشِ نفسانی اور اتباعِ نفس اور شیطان کے پیچھے لگ کر اور ان اشیاء کی تابعداری سے ایک قسم کا شرک کرکے جہنم میں پہنچا۔ (التاویلات النجمیہ)

ٹھہراتا ہے تو وہ حق سے بہت دور جا پڑا اس لئے کہ شرک تمام گمراہیوں کا سر ہے اور صواب و استقامت سے کوسوں دور۔

حضرت صدادی فرماتے ہیں کہ ضَلٰلاً بَعِیۡدًا کا مطلب یہ ہے کہ وہ صواب سے بہت دور جا پڑا اور تمام

فائدہ بھلائیوں سے محروم ہوگیا۔ بعیدا کہنے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ بہشت سے دور ہونے والوں کے بھی درجات ہیں جیسے حرام خوری۔ شراب نوشی۔ غیبت وغیرہ ان سے بدترین شرک ہے اس لئے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی

مسئلہ شرک دو قسم ہے۔

① جلی

② خفی

(اللہ تعالیٰ ہمیں برائیوں کے تمام اقسام سے بچائے (آمین)

مسئلہ نیکیاں بھی کئی قسم ہیں۔ ان سب کا جامع لفظ عمل صالح ہے یہ وہ ہے کہ جو صرف رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر کیا جائے۔ ان سب کی تاج توحید ہے اس لئے یہ سب کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور برائیوں کی جڑ کاٹتی ہے اس لئے توحید کا میزان عدل میں کوئی وزن نہیں ہوگا۔

حدیث شریف بنی آدم جو نیکی بھی کرتے ہیں ان کا قیامت میں وزن ہوگا۔ سوائے کلمہ اَشۡهَدُ اِلٰهَ اَللّٰه الخ اس کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

اعجوبہ کلمۂ شہادت کو اگر ایک پلڑا میں رکھا جائے اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور اس کے اندر والی تمام اشیائ دوسرے پلڑے میں تو کلمہ شہادت کا وزن بھاری ہوگا۔

ربط اب بتایا جا رہا ہے کہ گمراہی بعید میں کون ہیں" فرمایا اِنۡ نافیہ ہے یَدۡعُوۡنَ بمعنیٰ یعبدون اس لئے کہ جو بھی غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے وہ اُسے اپنی مشکل کے وقت پکارتا۔ یعنی وہ نہیں عبادت کرتے ہیں مِنۡ دُوۡنِهٖ اللہ تعالیٰ کے ماسوا" یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اِلَّاۤ اِنٰثًا گمرادیوں کی۔ یہ انثیٰ کی جمع ہے اس سے مراد بت ہیں۔

سوال اُن بتوں کو مؤنث کیوں کہا گیا؟

جواب ① وہ اپنے بتوں کے مجسمے عورتوں کی صورت میں بنا کر انہیں وہ زیور پہناتے جو عورتیں پہنتی ہیں اور ان کے اسماء بھی مؤنث کے صیغوں پر رکھتے مثلاً اللات۔ العزیٰ۔ المناۃ۔

جواب ② کبھی نر کو اس کے صیغہ مونث پر مسمی ہونے کی وجہ سے مؤنث کہا جاتا ہے۔

جواب ③ جنکی وہ پرستش کرتے تھے وہ جماد محض تھے۔ اُنمیں روح نہیں تھی اور جسمیں روح نہ ہو اُسے مؤنث

کہا جاتا ہے اور اسے مؤنث سے اس لئے تشبیہ دی جاتی ہے کہ مؤنث میں فاعل مادہ نہیں۔ بلکہ منفعل ہے اللہ تعالیٰ نے اس لئے اُن کے بتوں کو مؤنث کہا ہے کہ وہ منفعل ہیں نہ کہ فاعل حالانکہ حق معبود فاعل ہے نہ کہ منفعل تاکہ ان کی انتہائی جہالت وحماقت کا اظہار ہو۔

فائدہ بعض کہتے ہیں کہ اُن سے ملائکہ مراد ہیں۔ اس لئے کہ بعض مشرکین فرشتوں کے پجاری تھے چنانچہ وہ کہتے الملائکۃ بنات اللہ (ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں) اللہ تعالیٰ نے اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ یُسَمُّوْنَ الملائکۃ تسمیۃ الانثیٰ بے شک وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ بتوں کو عورتوں جیسا نام رکھتے ہیں۔ باوجودیکہ ان تمام مشرکین کو اعتراف تھا کہ ہر شے کی مادیاں اُن کے نزدیک خسیس و رذیل ہیں۔

وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اور وہ بتوں کی پرستش نہیں کرتے اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا مگر شیطان سرکش کی۔ اس لئے کہ اس نے ہی انہیں اُن کی پرستش کا حکم دیا اور اُس نے اس پر انہیں برانگیختہ کیا اسی بنا پر درحقیقت وہ شیطان کے ہی پجاری تھے۔

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن کے ہر بت میں شیطان ہوتا تھا جو ان کے خدام اور کاہنوں کو ملتا اور اُن سے باتیں کرتا تھا۔

فائدہ زجاج نے فرمایا کہ یہاں شیطان سے ابلیس مُراد ہے جیسا کہ لَاَتَّخِذَنَّ دلالت کرتا ہے اس لئے کہ یہ جملہ شیطان نے کہا تھا اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ بتوں کے خدام کو شیطان نظر آتے ہوں۔

حل لغات مرید (بالفتح) وہ ہے جس میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو بعض کہتے ہیں کہ مرید سے مرد مشتق ہے بمعنے تجرد للشر و تعری من الخیر (فلاں سراپا شر ہے اور خیر سے بالکل عاری ہے) اس لئے اس درخت کو مرواء کہتے ہیں۔ جس پر پتے نہ ہوں اور بے ریش کو بھی امرد اس لئے کہتے ہیں کہ اُس کے چہرہ پر داڑھی نہیں ہوتی۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ یہ شیطان کی دوسری صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی رحمت سے دور فرما کر عذاب کی طرف دھکیل دیا اور حکم دیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے۔

ازالہ وہم ہماری اس تقریر سے وہ خدشہ دور ہو گیا جو کہا جاتا ہے کہ اُدھر شیطان پر لعنت کی ہے اِدھر وہ دنیا میں مزے لوٹ رہا ہے اور لحظہ بلحظہ اسے نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ مثلاً زندگی بخشی گئی اور اس کے لوازمات بھی اور یہ بھی ایک نعمت ہے۔

وَقَالَ اس کا عطف ما قبل پر ہے یعنی وہ شیطان لعنت کے استحقاق کے علاوہ آنے والے بُرے قول کا بھی جامع ہے جب اس پر لعنت کی گئی تو بجائے ندامت کے یہ بکواس کی جو ابھی مذکور ہو گی جس سے واضح ہوتا ہے

کہ اُسے آدم زادوں سے کتنی دشمنی ہے۔

سوال تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ واؤ جمعیت کی ہے؟

جواب جو واؤ صفات کے درمیان واقع ہو وہ صرف جمعیت کا فائدہ دیتی ہے۔

لَاَتَّخِذَنَّ یہ لام قسمیہ ہے اسی طرح آنے والے جملوں کی لام مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا
یعنی شیطان نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ تیرے بندوں سے میں اپنے لئے حصّہ مقرر کروں گا یعنی میں انہیں گمراہ کروں گا
اس سے ظاہر ہے کہ ابلیس کو گمراہی کرنے پر آدم زادوں سے حصّہ مقرر کیا گیا ہے چنانچہ جن کو وہ اپنے مکر و فریب
میں پھنسالیتا ہے تو وہ اُس کے حصّہ میں آگیا۔

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فی ہزار نو سو ننانوے ابلیس کا حصّہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف مشارق الانوار میں ہے کہ میدان محشر میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنی
اولاد میں جہنم کے مقرر کردہ لوگوں کو علیحدہ کیجئے۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے یا اللہ
ما بعث النار جہنم کے لئے مقرر کردہ کتنے ہیں۔ یہ مَا بمعنے کم عددیہ ہے اس کے جواب میں بھی عدد واقع ہے آدم
علیہ السلام کہیں گے یا اللہ تعالیٰ وہ کتنے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہزار میں سے نو سو ننانوے۔

فائدہ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ گفتگو قیامت میں ہوگی کہ جہاں بچے ڈر کے مارے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر
حاملہ اپنے حمل گرادے گی۔ یعنی قیامت کا اتنا سخت ہولناک منظر ہوگا کہ لوگوں کو مست دیکھو گے حالانکہ
وہ نشہ کی مستی نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت نظر آئے گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام یہ حدیث سنتے
ہوئے سخت گھبرائے اور عرض کی حضور! اس ایک ہزار میں سے صرف ایک کون خوش قسمت انسان ہوگا۔ آپ نے فرمایا
گھبراؤ مت۔ وہ نو سو ننانوے یاجوج و ماجوج ہوں گے جو بہ نسبت تمہارے زیادہ ہیں کہ تم ان کے ہزار میں صرف
ایک ہو۔

فائدہ یاد رہے کہ یہ خطاب صحابہ کرام کے علاوہ باقی تمام اہل اسلام کو بھی ہے۔

بقیۃ الحدیث اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا اے میرے صحابہ اور امتیو! تمہیں مبارک ہو کہ بہشت
میں سالم چوتھا حصّہ میری اُمت کے لئے ہوگا صحابہ کرام نے الحمد پڑھی اور نعرۂ تکبیر گونجی پھر
آپ نے فرمایا تمہیں مبارک ہو کہ بہشت میں تہائی حصّہ تمہارا ہوگا۔ پھر حسب دستور صحابہ کرام نے الحمد پڑھی اور نعرۂ تکبیر

کہی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا بہشت میں دو تہائیاں میری اُمت ہوگی۔ اور فرمایا کہ بہشت ایک سو بیس
قسم پر منقسم ہوگی انہیں اسی قسم میری امت کی ہوگی اور فرمایا تم باقی کفار امتوں میں ایسے ہو جیسے سیاہ بالوں والے
بیل میں ایک سفید بال۔

فائدہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اہل ایمان بہشت میں جائیں گے۔

سوال ابلیس کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ آدم زادوں سے اپنا حصّہ حاصل کرے گا؟

اس کے کئی جوابات ہیں۔

جواب ① جب اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ لَاَملئن جَہَنَّمَ مِنَ الجنة والناس اجمعین میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے پُر کروں گا اس سے معلوم ہوا کہ وہ آدم زادوں کو گمراہ کرکے اپنی آرزو پوری کرے گا۔

جواب ② جب وہ آدم علیہ السلام پر وسوسہ ڈالنے میں کامیاب ہوگیا تو اُس کے امید بندھ گئی کہ وہ اُن کی اولاد کو بھی گمراہ کرڈالے گا۔

جواب ③ جب اُس نے جنت و دوزخ ہر دونوں کا معائنہ کیا تو اسے یقین ہوگیا کہ ان ہر دونوں میں انسان ہی ٹھہریں گے پھر جو دوزخی ہوں گے اُن کو وہ گمراہ کرسکے گا۔

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ اور میں انہیں حق سے پھیر لوں گا۔

فائدہ ابلیس کے اضلال کا معنےٰ یہ ہے کہ وہ وسوسہ ڈال کر انسان کو گمراہی کی دعوت دیتا ہے اس لئے کہ اس کے سوا اس کے پاس گمراہ کرنے کی طاقت ہوتی تو وہ تمام مخلوق کو گمراہ کردیتا۔

حدیث شریف حضورؐ علیہ السلام نے فرمایا کہ ابلیس بڑا دھوکہ باز ہے لیکن اس کے پاس گمراہی کے لئے وسوسہ ڈالنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ یعنی وہ لوگوں کو گمراہ کن باتیں عجیب رنگ میں پیش کرتا ہے اور شہوات کی طرف لے جانے کے لئے مکر و فریب دکھاتا ہے انسان میں ابلیس گمراہی پیدا نہیں کرتا۔

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ اور انہیں غلط خیالوں میں مبتلا کردوں گا الاَ با نی الباطلہ' یہ ہیں کہ انسان کے دل میں ابلیس خیال ڈالتا ہے کہ جو کچھ تو چاہتا ہے (مال اور طولِ عمر وغیرہ) وہ تجھے حاصل ہوگی فلہذا تم یہ کرلو وہ کرلو۔

فائدہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُسے خیال دلاتا ہے کہ نہ بہشت ہے نہ دوزخ اور مرنے کے بعد اُٹھنا نہیں اور نہ حساب ہے نہ کتاب۔

فائدہ اسے یہ بھی بتاتا ہے کہ گناہ کرلو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کے فضل و کرم کی انتہا ہی کیا ہے آخرت میں بخشش ہوجائے گی وغیرہ وغیرہ۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ اور میں انہیں غلط رسموں کے مطابق کان وغیرہ کاٹنے اور چیرنے کا حکم دوں گا فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ (وہ جانوروں کے کان چیریں گے) یعنی انہیں چیریں گے میرے حکم سے اور وہ اس میں تاخیر نہیں کریں گے اور نہ ہی اس پر کچھ سوچیں گے یہ بتک' ای قطعہ سے ہے (اس نے اسے کاٹا) پھر اسے باب تفعیل پر محض مبالغہ اور تکثیر کے لئے لایا گیا ہے۔

فائدہ اہل تفاسیر کا اجماع ہے کہ یہاں وہ جانور مراد ہیں جو اہل جاہلیت اپنے بتوں کے لئے اُن کے کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے پھر نہ اُن کا دودھ پیتے اور نہ ان سے کوئی نفع اٹھاتے وہ اونٹ اور گائیں اور بکریاں ہوتیں جن کے کان وغیرہ چیر کر چھوڑ دیتے تھے یعنی شیطان نے کہا کہ میں انہیں حکم دوں گا کہ وہ ان جانوروں کے کان چیر کر اپنے اوپر اُن سے نفع اُٹھانا حرام کر دیں اور انہیں صرف بتوں کے لئے چھوڑ دیں وہ اُن کے نام مختلف نام رکھتے مثلاً:

① بحیرہ
② سائبہ
③ وصیلہ
④ حامی

اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ جس اونٹنی کو دیکھتے کہ وہ مسلسل پانچ بار بچے جنتی ہے آخر اس کا نر ہوتا تو اس اونٹنی کا کان چیر کر بت کے لئے چھوڑ دیتے پھر نہ اس پر سوار ہوتے نہ اُس کا دودھ دوہتے اور نہ ہی اس کا گوشت کھاتے۔ وہ جہاں پھرتی رہے اُسے کوئی رکاوٹ نہ ہوتی۔ وہ کسی کا پانی پی جاتی یا کسی کی چراگاہ میں چلی جاتی کسی کا کھیت کھا جاتی تو اس کے لئے باعثِ خوشی ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی حد سے زیادہ تھکا ہوا بھی ہوتا تو تھکان کے باوجود اُس پر سوار ہونا جرم سمجھتا۔

فائدہ بعض تفاسیر میں پانچ بچوں کے بجائے سات بچے جننے کا ذکر ہے اسی طرح سائبہ بھی ہر جگہ چھوڑ دی جاتی۔ اُس سے نفع اُٹھانا جرم سمجھا جاتا اس لئے اُن کا طریقہ تھا کہ اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو منت مانتا کہ اگر مجھے اس بیماری سے شفا ہوگی تو میری اونٹنی سائبہ ہوگی یا کہتا کہ فلاں مسافر اگر صحیح سالم لوٹا یا میں سفر سے باعافیت آ گیا یا میری عورت حاملہ ہے اگر اُس نے بچہ جنا وغیرہ وغیرہ تو میری اونٹنی بحیرہ ہوگی یعنی اُس کے کان وغیرہ کاٹ کر بتوں کے لئے چھوڑی جائے گی اسی طرح جو زیادہ مالدار ہو جاتا تو بتوں کے احترام میں ایک جانور اُن کے لئے چھوڑ دیتا جس سے کسی قسم کا نفع نہ اُٹھایا جاتا نہ کسی پانی سے اُسے روکا جاتا اور نہ ہی کسی کھیت اور چراگاہ سے یہاں تک کہ وہ خود مر جاتی۔ اس کے ذبح کے بعد گوشت کھاتے۔ مرد اور عورت تمام شریک ہوتے۔

الوصیلہ: وہ بکری جو سات بچے جنے اس کا ساتواں بچہ اگر نر ہوتا تو اسے ذبح کر کے بتوں کے لئے چھوڑ دیتے لیکن اُس کا گوشت صرف مرد کھاتے۔ عورتوں کا اس میں حصہ نہیں ہوتا تھا اگر ساتواں بچہ مادہ ہوتی تو پھر اُسے عام بکریوں میں چھوڑ دیتے۔ اس میں بتوں کا تعلق نہ ہوتا۔ اگر ساتویں دفعہ نر مادہ اکٹھے پیدا ہوتے تو کہتے بہن اپنے بھائی سے مل گئی تو اس کے بھائی (نر) کو ذبح نہ کرتے لیکن اسے سائبہ کی طرح کان چیر کر بتوں کے لئے چھوڑ دیتے یہاں فعیلہ (وصیلہ) بمعنے فاعلہ (واصلہ) کے ہوگا۔

الحامی، وہ اونٹ جس کے پوتے پوتیاں ہوں بعض کہتے ہیں کہ حامی وہ ہے جس کے پوتے سواری کے لائق ہو جائیں پھر وہ کہتے قد حمی ظہرہ بے شک اس کی پیٹھ گرم ہوگی) ایسے اونٹ کو بتوں کے لئے چھوڑ دیتے نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ ہی اسے پانی اور کھیت اور چراگاہ سے روکتے جب وہ مرجاتا تو اسے مرد اور عورتیں سب کھاتے۔

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ اور میں انہیں تبدیل کرنے کا حکم دوں گا فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ پس وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ صورت اور صفت کو اصلی نہج سے بدل ڈالیں گے۔

زمانہ جاہلیت کی چند رسوم

انہیں اور بھی چند رسمیں تھیں۔

① حامی کی آنکھ نکال لینا۔ وہ اس طرح ہوتا کہ جس کے ایک ہزار اونٹ ہو جاتے تو اُن میں سے حامی کی ایک آنکھ نکال دیتے۔ حامی اُن کے نزدیک وہ اونٹ ہے جو سن میں سب سے بڑا ہوتا۔

② غلاموں کو خصی کر دینا

مسئلہ اس کے عموم سے تو پتہ چلتا ہے کہ کسی کو بھی خصی نہ کیا جائے انسان ہو یا حیوان۔ لیکن فقہاکرام نے بوجہ ضرورت حیوانات کا خصی کرنا جائز رکھا ہے لیکن بنو آدم میں مردوں کا خصی کرنا بہرحال ناجائز ہے۔

مسئلہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خصی غلاموں کو خریدنا اور اُن سے خدمت لینا مکروہ ہے اس لئے کہ اُن کی خرید و فروخت کی ترویج میں انسان کے خصی کرنے کا رواج بڑھ جائے گا۔

حکایت نصاب الاحتساب میں ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عورتوں کے ہاں تشریف لے گئے۔ ایک ذکر کٹا ہوا خصی جوان بھی آپ کے ساتھ تھا تو ایک عورت اس سے نفرت اور کراہت کرنے لگی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بھی اب بمنزلہ عورتوں کے ہے پھر اس سے نفرت و کراہت کا کیا معنٰی۔ اب عورت نے جواباً کہا کہ اُس کا مثلہ یعنی مجبوب وغیرہ ہونا اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ فعل کو حلال نہیں کرتا اگرچہ عورت کے بمنزلہ سہی لیکن اُسے دیکھنا بھی تو حرام ہے۔ حضرت امیر معاویہ اس عورت کے فہم و ذکاء اور اس کی فقاہت سے متعجب و متاثر ہوئے۔

③ الوشم: جسم کو پہلے سوئی سے چھیدا جائے۔ پھر اُس میں سُرمہ وغیرہ ڈالا جائے۔ پھر ان زخموں کو چربی کے دھوئیں سے دُرست کیا جائے یہاں تک کہ وہ زخم اچھا ہو جائے۔

فائدہ چربی کے دھوئیں سے زخم دُرست ہونے کے بعد وہ جگہ سبز ہو جاتی ہے۔

مسئلہ بعض شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان داغوں کو علاج سے دُرست کرایا جائے ورنہ اُن کو زخم کیا جائے

بشرطیکہ اس عضو کو کاٹنے سے شدید خطرہ نہ ہو۔

④ التنمص: چہرے کے بال اکھیڑنا۔ کہا جاتا ہے "تنمصت المرأۃ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب عورت اپنے چہرے اور ابرو کے بال اکھیڑ کر اپنی زینت کا اظہار کرے اور نامصہ اس عورت کو کہتے ہیں جو دوسری عورتوں کے نقوش بنا کر سنگارے المنص اور المنماص اور المنقاش ایک شے ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نامصہ) نقش لگا کر سنگارنے والی اور (المتنمصہ) نقش لگوا کر آراستہ ہونے والی اور الواصلہ اور المستوصلہ اور الواشمہ اور المستوشمہ اور الواشرہ اور المستوشرہ پر لعنت فرمائی ہے۔

⑤ الوشر: عورتیں اپنے دانتوں کو کسی لوہے کی شے سے گھس کر باریک بنا دیتیں تاکہ انہیں نوجوان عورتوں سے مشابہت ہو۔

فائدہ الواصلہ: وہ عورت جو اپنے بالوں سے دوسری عورت کے بال ملا دے تاکہ لمبے بال نظر آئیں۔

فائدہ ابن الملک نے فرمایا کہ ایسی عورتیں دوسرے بالوں کو بطور دھوکہ مصنوعی بال اپنے بالوں کے ساتھ باندھتی ہیں اور مستوصلہ وہی ہے جو اس عمل کی طلب کرے۔

مسئلہ اس حکم میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

مسئلہ یہ حرمت انسان کے بالوں کے لئے ہے صرف اس کی کراہت کی وجہ سے۔ اس لئے کہ انسان کے ہر جز سے فائدہ اُٹھانا ممنوع ہے اگر انسان کے علاوہ کسی دوسری شے سے بال بڑھائے جائیں تو جائز ہے۔

مسئلہ عورتوں کو بکری وغیرہ کے بالوں کا موباف سر کے بالوں میں لٹکانا جائز ہے۔

مسئلہ یہ اس وقت ہے جب عورت شوہر دار ہو ورنہ حرام ہے۔

مسئلہ شوہر دار عورت یا لونڈی کو بھی اس وقت جائز ہے جب زوج اور مالک کی اجازت ہو ورنہ ناجائز ہے۔

مسئلہ چھوٹی بچیوں کو مصنوعی بال لگانے کا گناہ بڑی عورتوں کو ہوگا جو انہیں موباف باندھتی ہیں اس لئے کہ بڑی عورتیں احکام شرعیہ کی مکلف ہیں نہ کہ بچیاں۔

مسئلہ زیر ناف کے بال بھی اکھیڑنا حرام ہیں اس لئے کہ بغلوں کے بالوں کو اکھیڑنے اور زیر ناف کے بالوں کو مونڈنے کا حکم ہے۔

⑥ السحق یعنی عورتوں کا مردوں کے مشابہ ہونا کیونکہ یہ بھی چہرے کی تبدیلی ہے اور یہ تغیر خلق اللہ کے حکم میں ہے مرفوع حدیث میں ہے کہ عورتوں کا مردوں کے مشابہ ہونا ایک قسم کا زنا ہے۔

⑦ التخنث: مردوں کا عورتوں کے مشابہ ہونا مثلاً اعضا کو عورتوں کی طرح بنانا یا گفتگو کو عورتوں کے مطابق کرنا۔

لواطت حرام ہے اس لئے کہ جس مقام کو اللہ تعالیٰ نے فضلات کو دفع کرنے کے لئے مقرر کیا ہے اسے کھیتی (یعنی نسل) کے لئے نہیں بنایا ہے۔

مسئلہ لڑکے حسین بے ریش کو (غلط نظر سے) دیکھنا حرام ہے اسی طرح اس کے ساتھ تنہا بیٹھنا بھی حرام ہے اس لئے کہ وہ چہرے سے لے کر قدموں تک عورتوں کے حکم میں ہے۔

حدیث شریف عورت کے ساتھ صرف ایک شیطان ہوتا ہے لیکن بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ۔

سورج چاند ستارہ۔ پتھروں کی پرستش حرام ہے اس لئے کہ ان کی پرستش میں تغیر خلق کی صورت نہیں لیکن صفت ضرور ہے اس لئے کہ کسی ان اشیاء کو بھی عبادت کے لئے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ یہ اشیاء تو اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ بندے اسے طریقہ سے فائدہ اٹھائیں جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہیں۔

کفر اور نافرمانی: انہیں اگرچہ تغیر خلق نہیں لیکن تغیر صفت ضرور ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ وہ ایمان وطاعات کے زیور سے آراستہ وپیراستہ ہوں۔ جب بندوں نے کفر یا بے فرمانی کی تو تو گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ استعداد کو باطل کر دیا اور فطرہ الٰہی کی صفت کو بدلا۔ اس تقریر کی تائید حدیث ذیل سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا "ہر بچہ اپنی فطرت پہ پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ یہودی بنا دیں یا نصرانی یا مجوسی۔

جن اعضاء کو جس کام کے لئے بنایا گیا ہے انہیں دوسرے کام پہ لگانا بھی صفت کی تغیر ہے۔

فائدہ یہ چاروں جملے لَاَتَّخِذَنَّ اور لَاُضِلَّنَّهُمْ اور لَاُمَنِّیَنَّهُمْ اور لَاٰمُرَنَّهُمْ سب کے سب شیطان کے مقولے ہیں یہ اس نے زبان سے کہے ہوں گے یا زبان فعل سے یا حال سے۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اور جو اللہ کے سوا شیطان کو دوست بناتا ہے) کہ شیطان اللہ تعالیٰ کے خلاف جس بات کی طرف اسے بلاتا ہے تو وہ اس کی بات مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طاعات سے روگردانی کر کے شیطان کی طاعات قبول کرتا ہے فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا بیشک وہ سخت گھاٹے میں پڑا کہ اس نے اپنے راس المال کو بالکل ضائع کر دیا اور بہشت میں جگہ لینے کی بجائے جہنم میں جگہ بنائی يَعِدُهُمْ (شیطان انہیں ایسی باتوں کے وعدے دیتا ہے جو اس کے پورے ہونے کے نہیں)۔ مثلاً درازیٔ عمر اور عافیت اور لذائذ دنیا۔ جاہ و مال اور شہوات نفسانیہ کے غلط وعدے دیتا ہے۔ وَيُمَنِّيْهِمْ اور انہیں ایسی آرزوئیں سناتا ہے کہ جنہیں وہ حاصل نہیں کر سکتے مثلاً کہتا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں اور نہ ہی کوئی حساب ہے اور نہ کوئی جزا و سزا۔ یا یہ سمجھاتا ہے کہ آخرت کا ثواب عمل کے بغیر حاصل ہوگا۔ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

اور انہیں شیطان دھوکہ دیتا ہے ۔

حل لغات غرور بمعنے ضرر والی شے کو فائدہ مند بتانا ۔

فائدہ شیطان کے وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے یا اپنے دوستوں کے ذریعے انہیں بہکاتا ہے غرورًا کا منصوب ہونا اس لئے ہے کہ یَعِدُهُمْ کا مفعول ثانی یا مفعول لہٗ ہے یعنے اس کا وعدہ صرف دھوکہ ہے ۔

شیطان کے دھوکہ دہی کے اسباب شیطان کے گمراہ کرنے کا سب سے بڑا دھوکہ دینا اور اس کے نقش ونگار کے اظہار سے ہوتا ہے اور انسان کے دل میں طرح طرح کی آرزوئیں ڈالتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ تمہیں بہت بڑی عمر نصیب ہوگی ۔ اور جتنے تیرے مقاصد ہیں وہ سب پورے ہوں گے اور تمہیں دشمنوں پر غلبہ ملے گا اور تمہیں فلاں فلاں مراتب حاصل ہوں گے جیسے فلاں فلاں کو نصیب ہوئے یہ سب اس کا دھوکہ اور فریب ہے اسلئے کہ بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انہیں اتنی عمر نہیں ملتی اگر ملے بھی تو اپنے مقاصد سے محروم رہتے ہیں ۔ اگر لمبی عمر پاکر اپنے مقاصد پر کامیاب بھی ہو تب بھی ایک دن ان سب کو چھوڑیگا پھر سوائے غم اور حسرت کے اور کیا حاصل ہوگا ۔ اس لئے کہ جتنا کسی سے محبت و رغبت زیادہ اتنا ہی اس کا چھوڑنا زیادہ غم و حسرت کا باعث ہوتا ہے ؎

الفت مگیر ہمچوں الف ہیچ با کسے
تا بشنوی الم نشوی وقت انقطاع

ترجمہ : الف کی طرح کسی سے الفت نہ کرتا تاکہ اس کی جدائی کے وقت غم میں مبتلا نہ ہو ۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو متنبہ فرمایا کہ شیطان کے وعدے صرف دھوکہ اور فریب و مکاری پر مبنی ہیں تاکہ انسانی اصلی مطالب اور اعلیٰ مراتب سے محروم ہو جائے ۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ شیطان کے وسوسوں کی طرف دھیان نہ دے کتاب وسنت پر عمل کرکے رضائے الٰہی میں مصروف رہے تاکہ کتاب وسنت کی اتباع سے بہت بڑی کامیابی حاصل ہو۔ (دانا را اشارہ کافی) ۔

اُولٰٓئِكَ یہ اشارہ شیطان کے یاروں کی طرف ہے مَاْوٰىهُمْ اُولٰٓئِكَ مبتدا اور ما واھم مبتدا ثانی ہے جَهَنَّمُ ز یہ دوسرے مبتدا کی خبر ہے اور یہ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر پہلے مبتدا کی خبر ہے یعنی ان کا ٹھکانہ جہنم ہے وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا اور جہنم سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے ۔

محیصا بمعنے مُعْدلا مہرب ہے ۔ حاص یحیص سے مشتق ہے ۔ بمعنے عدل اور عنہا فعل محذوف کے متعلق

ہے جو محیصًا سے حال ہے (ای کائنا عنہا) یجِدُوْنَ کے متعلق نہیں اس لئے کہ یجدُوْن عن سے متعدی نہیں ہوتا اور نہ ہی محیصا کے متعلق ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ یا اسم مکان ہے اور اسم مکان عمل نہیں کرتا۔ یا مصدر ہے اور مصدر کا معمول مقدم نہیں ہوا کرتا۔

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت پیدا فرمائی اس کے لئے اہل پیدا فرمائے وہ سعادتمند لوگ ہیں اسی طرح دوزخ پیدا فرمائی اس کے لئے بھی اہل پیدا فرمائے وہ اہل شقاوت ہیں اور شیطان کو بہکانے اور گمراہی کی طرف بلانے والا بنایا لیکن جو شخص اضلال یعنی گمراہی پیدا کرنے والا شیطان کو مانتا ہے وہ بھی شیطان ہے (جیسے معتزلہ کا عقیدہ تھا) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ یعنی گمراہی اور ہدایت کی تخلیق صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے نیز شیطان کا حصہ بھی آدم زادوں میں مقرر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ہم نے بہت انسان اور جن جہنم کے لئے پیدا فرمائے اور جہنم کا ایندھن یہی لوگ ہونگے جو شیطان کی تابعداری کرتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنی درگاہ سے دُور رکھا اس لئے کہ وہ انسان کی گمراہی کا سبب بنا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا" دنیا اور اُس کے اندر رہنے والے سب لعنتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور وہ اعمال جو اُس کے موافق ہیں اور دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں ملعون و مبغوض ہے اس لئے کہ وہ بھی انسان کی گمراہی کا سبب ہے۔ اسی طرح شیطان بھی۔ اور شیطان کے دام تزویر میں وہی پھنستا ہے جو گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کن اور ازل سے بدبخت اور منحوس ہوتا ہے اسی دنیا کی محبت سے ہی شرک پیدا ہوتا ہے اور وہ بھی مشیت الٰہی پر موقوف ہے لیکن یہ بھی لازماً نصیب ہوا جسے نصیب ہوا اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہشت کے لئے پیدا فرمایا تو انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے پیدا کرنے سے بھی پہلے بخش دیا اور جسے بخشش الٰہی نصیب ہوئی ہے وہ شرک کے قریب نہیں بھٹکتا۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آیت ورحمتی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ نازل ہوئی تو ابلیس نے انگڑائی لی اور عرض کیا اے الٰہ العٰلمین میں بھی اشیا میں سے ایک شے ہوں لہٰذا مجھے بھی رحمت نصیب ہو پھر جب فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ" نازل ہوئی تو شیطان نا امید ہو گیا۔ لیکن یہود و نصاریٰ پُر امید تھے۔ اس لئے کہ وہ بھی اتقا اور ایتاء زکوٰۃ کے مدعی تھے پھر جب اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ نازل ہوئی تو یہود و نصاریٰ بھی نا اُمید ہو گئے پھر اس کے لئے صرف اہل ایمان مستحق رہے اور یہ پیدا بھی صرف رحمت الٰہی کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہشت میں داخل ہوں گے اور وہ ہی ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں رہیں گے اور شیطان اور اس کے ساتھی انسان

ہوں یا جن سب کے سب اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں سزا پائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا یَجِدُوْنَ مِنْهَا مَحِیْصًا ۝ اس لئے کہ وہ اسی لئے پیدا ہوئے اور اسی میں داخل رہیں گے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت

آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد

ترجمہ: ہمارے مرشد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کام میں خطا نہیں نظر پاک کو آفرین خدا کرے اسے ستاری نصیب ہو۔

سبق اس مسئلہ کو پورے طور سمجھو کامیاب ہو گے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ جو مؤمن اور نیک عمل کرتے ہیں۔ عمل صالح سے خلوص فی العمل مراد ہے اور خلوص کا معنٰے یہی ہے کہ اس سے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ اور اس سے جمیع انواع مراد ہیں نماز ہو یا زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ہم انہیں عنقریب باغات میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور وہ چار ہیں۔

① پانی
② دودھ
③ خمر
④ شہد

خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وہ بہشت میں ہمیشہ مقیم ہوں گے ابدًا کا منصوب ہونا بہ بنائے ظرفیت ہے اور مستقبل کے استغراق کے لئے آتا ہے۔

نکتہ ایمان کے ساتھ عمل کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ہونا بھی ضروری ہے اس سے ان لوگوں کا رد ہوا جو کہتے ہیں ایمان کے بعد عمل صالح کچھ ضروری نہیں اور نہ ہی معصیت سے ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے جیسے کفر میں طاعت کا کوئی فائدہ نہیں یہ غلط خیال ہے بلکہ جزا و ثواب ان دونوں پر مرتب ہوتے ہیں۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اللہ تعالیٰ نے حق کا وعدہ فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو ان سے وعدہ کیا ہے وہ حق ہے وعد اللہ میں مفعول مطلق اور حقًّا سے قبل فعل حق (ماضی) محذوف ہے پہلا محذوف یعنی وعدًا موکد لنفسہٖ ہے۔ اس لئے کہ وہ ماقبل کے نفس کی تاکید کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ اس فعل کو کہتے ہیں جس کے وقوع سے پہلے منفعت کی خبر دی جائے اور حقًّا موکد لغیرہٖ ہے اس لئے کہ اس کا ماقبل جملہ خبریہ ہے اور وہ صدق

وکذب دونوں کا احتمال رکھتا ہے پھر حقًا نے اُس کی صدق کی تصدیق کی تاکید کردی اس بنا پر یہ مؤکد لغیرہ ہوا۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ؕ اور اللہ تعالیٰ سے اور کون زیادہ سچا ہو سکتا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی وعدہ اور قول کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے زائد اور کوئی زیادہ سچا نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں سچائی اور ہر وعدہ میں صدق و یقین ہے اور شیطان کے ہر وعدہ میں جھوٹ اور ہر بات میں دھوکہ و فریب اور صرف خیالی باتیں ہیں کہ جن کا حصول ممتنع ہے اور قیلا کا منصوب ہونا بوجہ تمیز کے ہے۔ "القیل والقال" قول کی طرح مصدر ہیں۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ یہ امنیہ کی جمع ہے فارسی میں بمعنے آرزو کردن (آرزو کرنا) ہے۔ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ یعنی ان باتوں کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ نہ تمہاری آرزو کرنے سے حاصل ہوں گی اور نہ ہی اہل کتاب کی آرزو سے بلکہ وہ تو صرف ایمان و عمل صالح سے نصیب ہوتی ہے اہل اسلام کی آرزو یہ ہے کہ ان کے جملہ صغائر و کبائر بخش دیئے جائیں گے اور اہل کتاب کی آرزو یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں جہنم میں داخل کرے گا۔ ہاں چند گنتی کے دن چنانچہ ان کا قول قرآن مجید میں کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محب ہیں تو پھر ہمارے لئے عذاب کیسا۔

فائدہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایمان صرف خیالی باتوں کا نام نہیں بلکہ ایمان اس کا نام ہے کہ اس کے اثرات دل پر ہوں۔ اس کی علامت ہے عمل صالح۔ ورنہ بہت سے لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں کہ ہم مرنے کے بعد بخشے جائیں گے عمل صالح کی ضرورت نہیں۔ اس لئے وہ جب مرتے ہیں تو عمل صالح سے خالی ہوتے ہیں صرف اسی بھروسہ پر کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں یہ ان کا جھوٹا خیال ہے اس لئے کہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید تھی تو عمل صالح کے لئے جدوجہد کرتے۔

فائدہ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ رحمت حق پر امید کی سچی علامت یہ ہے کہ اس اُمید کے ساتھ عمل صالح بھی ہوں ورنہ خیالی باتیں ہیں اور خیالی باتوں کا علاج موت ہے۔ اس لئے کہ موت زندگی کے تمام فوائد کا منقطع کردیتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) قیامت کہ بازار مینو نہند
منازل باعمال نیکو نہند

(۲) بضاعت بچندانکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری

(۳) کسے را حسن عمل بیشتر
بدرگاہ حق منزلت پیشتر

ترجمہ: (۱) قیامت میں بہترین بازار ہوگا مراتب کا حصول نیکیوں سے ہوگا
(۲) جتنا سامان لائے گا اتنا مرتبہ پائے گا اگر تو نیکیوں سے مفلس ہے تو تو شرمسار ہوگا
(۳) جسکی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہی اللہ کے ہاں بلند مرتبہ حاصل کرے گا۔
چنانچہ اس مضمون کو ذیل کے مضمون سے مؤکد فرمایا کہ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا جو برا عمل کرتا ہے یُّجۡزَ بِهٖ اُس کی اسے سزا ملے گی زود تر یا بدیر۔

حدیث شریف جب آیت نازل ہوئی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ اس حکم پر کسے نجات نصیب ہو سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کیا تم غم میں مبتلا نہیں ہو جاتے کیا تمہیں بیماری لاحق نہیں ہوتی کیا تم مصائب کا شکار نہیں ہوتے۔ عرض کی کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہی ہے یعنی یہ تکالیف انہی برائیوں کی سزا ہوتی ہے (یا بلندی مراتب کے لئے)۔

حدیث شریف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی یعنی مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ تو ہم سب غمگین ہو گئے بلکہ ہم آہ و فغاں کرتے ہوئے حضور علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اس آیت نے تو ہمیں کہیں کام کا نہ رکھا۔ آپ نے فرمایا حکم تو ایسے ہی ہے لیکن تم بھی صحیح رہو اور نیکی میں لگے رہو اور سیدھے راہ چلتے رہو اور حد سے نہ بڑھو۔ جتنا ہو سکے اپنے نفسوں سے نیکی کراؤ۔ یہ تمہیں کہیں ملال میں نہ لے جائے کہ جس سے تم نیکی چھوڑ دو۔ (المقاصد الحسنہ)۔

وَلَا یَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا۝ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو نہ مددگار پائے گا نہ حمایتی۔ یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی اور مدد سے نکل گیا پھر کون ہے جو اس کی مدد اور حمایت کرے کہ کسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکے۔ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ اور وہ جو عمل صالح کرتا ہے۔ اس میں تبعیضیہ ہے یعنی نیکیوں میں سے کوئی نیکی۔ اس لئے کہ تمام نیکیوں کو کون پورا کر سکتا ہے اور نہ ہی ہم تمام نیکیوں پر عمل کرنے کے مکلف ہیں علاوہ ازیں وہ مکلف ہونے کے باوجود بعض نیکیوں کو عمل میں لا سکتا ہے مثلاً بہت سے عاقل بالغ مکلف ہیں یعنی ان پر حج فرض نہیں۔ بہتوں پر جہاد فرض نہیں اسی طرح اکثر پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بہت سے ایسے مواقع ہوتے ہیں کہ نماز فرض نہیں ہوتی مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وہ مرد ہو یا عورت۔ یہ یعمل کی ضمیر سے محلاً حال ہے اور من بیانیہ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ اور وہ مؤمن ہو یعنی ثواب مذکور کے حصول کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل کرنے والا مؤمن بھی ہو اس لئے کہ ایمان کے بغیر عمل صالح بے کار ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ پس وہی مؤمن نیک عمل کرنے والے یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا۝ بہشت میں داخل ہوں گے ان پر گٹھلی کے چھلکے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا یعنی جس ثواب کے وہ مستحق ہیں اس کی جزا سے چھلکے برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

حل لغات النقیر بمعنے النقرہ وہ چھلکا جو کھجور کی گٹھلی کے اُوپر ہوتا ہے کہ اس سے ہی کھجور کا تنا اُگنا شروع ہوتا ہے یہاں پر مطلق حقیر اور لا شئ مراد ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ وہ مالک کریم ہے کہ جب وہ عمل کرنے والے کی جزائیں کمی نہیں کرے گا تو بے فرمان کی سزایں کیسے اضافہ کرے گا۔ اس لئے کہ جزا و سزا دینے والا ارحم الرحمین ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نیکی پر دس گنا زائد ثواب دینے کا وعدہ ہے اور بُرائی میں صرف ایک پر ایک سزا اگر کسی کو کسی بُرائی کی سزا ملے گی بھی تو اُس کی دس نیکیوں میں سے صرف ایک نیکی کم ہوگی۔ باقی نو حصے تو اُسے نصیب ہوں گے لیکن افسوس ہے اس پر کہ اس کی ایک بُرائی دس نیکیوں پر غلبہ پاگئی یعنی وہ زندگی بھر سراسر برائیوں میں مبتلا رہا۔

نکتہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ بندے کی نیکیوں میں اضافہ اس لئے ہوگا کہ قیامت میں اُس کے حقدار اس سے تمام نیکیاں نہ لے گئے اگر اس سے کوئی کچھ حق چاہے گا تو انہی زائد نیکیوں میں سے ادا کیا جائے گا۔ اگر اس کے مستحقین زائد نیکیاں لے بھی گئے تو اصل نیکی تو اُس کے پاس رہے گی اس لئے اضافہ صالحہ میں اضافہ کرنا فضل محض اور بُرائی کی ایک سزا اس کا عدل ہے۔

نکتہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب البعث میں فرمایا کہ یہ اضافہ اُس کا اپنا فضل ہے اس سے بندے کے حقداروں کو حصہ نہ ملے گا کیونکہ اس سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ پھر جب بندہ بہشت میں داخل ہوگا تو اسے یہی اضافہ عطا فرمائے گا۔ شیخ سعدی نے فرمایا ؎

① نکوکاری از مردم نیک رائے
یکے را بد می نویسد خدائے

② جوانا رہ طاعت امروز گیر
کہ فردا جوانی نیاید ز پیر

③ رہ خیر باز ست وطاعت ولیک
نہ ہر کس توانا بر فعل نیک

④ ہمہ برگ بُودن ہمی ساختی
بتدبیر رفتن نپرداختی

ترجمہ: ① نیک رائے لوگوں سے نیکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بجائے دس لکھتا ہے۔
② اے جوان طاعت کے راستہ پر چل چند روز بڑھاپے میں جوانی واپس نہیں آئے گی۔

(۳) نیکی کا راستہ کھلا ہے لیکن ہر کس اس کی طاقت نہیں رکھتا۔
(۴) دنیا کے جملہ سامان اکٹھے کئے ہیں لیکن قبر و آخرت کو جانے کی تو نے کوئی تدبیر نہیں کی۔

سبق چونکہ جمیع اعمال صالحہ نور ایمان کے اضافہ کا سبب ہیں اسی لئے سالک پر لازم ہے کہ طاعات و حسنات پر مداومت کرے۔ اس سے معارف الٰہیہ کا دروازہ کھلتا ہے اور معرفت الٰہی تمام اعمال سے افضل ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا العلم باللہ یعنی معرفت الٰہی۔ عرض کی گئی کہ ہم آپ سے اعمال کے متعلق پوچھتے ہیں آپ علم کا جواب دیتے ہیں آپ نے فرمایا عمل اگرچہ تھوڑا ہو اور علم کے ذریعے ہو تو فائدہ پہنچاتا ہے اور عمل کتنا ہی زیادہ ہو لیکن لاعلمی میں سے ہو تو وہ اتنا چنداں مفید نہیں۔

نکتہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تصفیہ باطن وانواع الاذکار سے مع میثل توحید سے حاصل ہوتا ہے اور اسے صرف علماً یعنی عارف باللہ ہی جانتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ یہ خطاب ان عوام کو ہے جو گناہ کرکے توبہ نہیں کرتے پھر انہیں طمع ہوتا ہے کہ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے چنانچہ اس کا وعدہ ہے وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحا (ولا امانی اھل الکتاب (بے شک تائب و مومن اور عمل صالح والوں کے لئے میں غفار ہوں)۔ یہاں پر اہل کتاب سے وہ علماً سو مراد ہیں جو عوام کو غلط امیدیں دلا کر دھوکہ دیتے ہیں اور ان کی سچی طلب اور جدوجہد میں ڈاکہ ڈالتے ہیں وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ اور جو برائی کرتا ہے تو وہ اس کی سزا پائے گا۔ یعنی اس کے گناہ کرنے کے بعد اس کے دل کے شیشہ کو زنگ آلود کیا جائے گا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ رکھ دیا جاتا ہے اگر توبہ کرے اور اس غلطی کا پورے طور ازالہ کرے تو دل کی سیاہی اترتی ہے وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلِيًّا پھر وہ اپنے لئے ایسا حامی و مددگار نہیں پائے گا جو انہیں گناہوں کی ظلمات سے نکال کر توبہ کی ترغیب اور نورِ طاعات سے آراستہ و پیراستہ کرے۔ وَلَا نَصِيرًا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی کوئی مدد کرے گا۔ کہ نفس امارہ پر اسے فتحیاب کرکے اس کے صفات مذمومہ دور پھینک دے۔ اسی طرح شیطان پر غلبہ دے کر اس کے شر اور مکرو فریب سے بچائے وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ اور خالص نیکیوں کا عمل کرتا ہے مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ذکر سے قلب اور انثی سے نفس مراد ہے اور وہ اعمال میں مخلص ہو فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ پس وہی لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ انسان کا قلب پر جو واجب ہے جب وہ عمل کرتا ہے یعنی توجہ الی العالم العلوی اور اعراض عن العالم السفلی اور سوائے حق کے باقی سب سے آنکھ بند رکھتا ہے تو اسے اس عمل میں بہشت میں داخل ہونے کا حق ہوگا

یہاں جنت سے قربت و وصال حق مُراد ہے اسی طرح نفس جب وہ عمل کرتا ہے تو اُس پر واجب ہے یعنی خواہشات سے رُک جانا اور حظوظ نفس کو چھوڑ دینا۔ عبودیت کے حقوقِ الٰہی بجالانا اگران اعمال پر نفس کو اطمینان نصیب ہو تو وہ رجوع الی اللہ کا حقدار ہو جائے گا اور عالم ارواح کی جنت میں داخلے کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارجعی اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيلًا اور جس قدر اعمال صالحہ کی ان کے لئے مقدر ہے اُن سے اُن کے لئے کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اُن کے درجات وقربات میں نقص ہوگا۔

فائدہ ایک وہ ہوتا ہے جو خدمت کا نام نہیں لیتا لیکن مالک کی تمام نعمتوں کا حقدار جتلاتا ہے ایک وہ ہے جو مالک کی خدمت کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے لیکن حصول نعمت کا نام تک نہیں لیتا۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس لئے کہ پہلا حد سے نچلے درجہ کا گھٹیا آدمی ہے اور دوسرا بہت بڑے اعلیٰ مراتب کا مالک ہے۔ (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ یہ استفہام انکاری ہے اَحْسَنُ دِيْنًا۔ دین و ملت بالذات متحد اور بالاعتبار مختلف ہیں اس لئے کہ شریعت اس حیثیت سے کہ اُس کے لئے اطاعت کی جاتی ہے تو وہ دین ہے اور اس حیثیت سے کہ اسے لکھا جاتا ہے تو وہ ملت ہے" املال بمعنے املاً یعنی لکھنا۔ یعنی ملت کے لحاظ سے اس سے (اور کون زیادہ اچھا ہے) مِمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے سرِ تسلیم خم کیا یعنی اپنی ذات اور نفس کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جھکایا اور خالص اسی کی طرف سپرد کر دیا یعنی اس میں کسی غیر کا حق نہ سمجھا نہ خالقیت و مالکیت میں اور نہ ہی عبودیت و تعظیم میں دِيْنًا مبتدا سے منقول ہو کر احسن سے تمیز ہے اصل عبارت یوں تھی ومن دینہ احسن من دین من اسلم الخ اس سے ثابت ہوا کہ اظہار فضیلت دینوں کے لئے ہے نہ کہ صاحب دین کے لئے وَهُوَ مُحْسِنٌ یہ جملہ اسلم کے فاعل سے حال ہے یعنی اس کا حال یہ ہے کہ وہ نیکی کرتا اور برائیوں سے بچتا ہے۔

فائدہ احسان کی تفسیر حضور علیہ السلام نے یوں فرمائی ہے کہ تعبد اللہ کانک تراہ (اس کی یوں عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو)۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

فائدہ احسان ایمان کی حقیقت کا نام ہے

عقیدہ اسلام دو چیزوں کا نام ہے۔

① اعتقاد

② عمل صالح

پہلے کو اَسْلَمَ وجہہ للہ میں بیان کیا گیا دوسرے کو وَهُوَ مُحْسِنٌ میں یعنے وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام (جو

اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوئے نہایت عزت و احترام اور خشوع و خضوع سے بجالائے۔
وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی تابعداری کرتا ہے جو اُن کے دین کی موافقت کرتا ہے چونکہ ان کی ملت اور دین پر تمام دین کی موافقت کرتا ہے چونکہ ان کی ملت۔ اور دین پر تمام دینوں کے لوگ متفق ہیں بخلاف ملت موسیٰ و ملت عیسیٰ وغیرھما کہ ان کے دینوں میں اختلاف کیا گیا ہے اس لئے ابراہیم علیہ السلام کے دین کو خصوصیت سے بیان کیا گیا۔ حَنِيْفًا ؕ اتبع کے فاعل سے حال ہے یعنی تابعداری کرے درانحالیکہ وہ کھوٹے دینوں سے منہ پھیرلے۔ اللہ تعالیٰ نے ملۃ ابراہیمی کی اتباع کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست بنایا یعنی انہیں چن لیا اور انہیں اپنے لئے مخصوص فرمالیا۔ یہاں پر ان دو دوستوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ انہیں صرف آپس میں ہی پیار ہو۔ کسی غیر کو دخل نہ ہو۔

حل لغات الخلۃ الخلال سے ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسی دوستی ہوتی ہے کہ نفس اُس کے ساتھ گھل مل جاتا ہے۔
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ گویا یہاں ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ابراہیم علیہ السلام کو اپنی دوستی کے لئے کیوں مخصوص فرمایا حالانکہ اس کے عالم ملک و ملکوت میں بہت معزز و محترم بندے اور بھی ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں تمام موجودات تخلیقًا و تملیکًا اسی کے ہیں اُن میں سے جسے چاہے چن لے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝ علم و قدرت آسمان و زمین کی تمام اشیاء کو محیط ہے۔ خواہ وہ اشیاء ان میں داخل ہیں یا اُن سے خارج یا اُن کے مغائر اس لئے کہ بعض ایسے امور بھی ہیں جو چودہ طبقات سے خارج ہیں۔ جن کا انتہا خدا جانتا ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت محیط ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک دوست مصر میں رہتا تھا۔ آپ نے اس کے ہاں پیغام بھیجا کہ ہمیں آٹے کی بوریاں بھیجئے۔ جب آپ کے دوست کو پیغام پہنچا تو کہا ابراہیم علیہ السلام اپنے لئے مانگتے تو میں ضرور بھیجتا لیکن چونکہ انہوں نے مہمانوں کے لئے مانگا ہے اس لئے مجبوری ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے پیغام رساں نے خفت سمجھی کہ خالی ہاتھ واپس لوٹے اس لئے اُس نے بوریاں ریت سے بھر لیں واپس ہو کر تمام ماجرا سنایا۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سخت مغموم ہو کر سوگئے ادھر بی بی سارہ نے بوریوں کو دیکھا کہ آٹا سے بھری پڑی ہیں۔ اُٹھا کر روٹی پکانا شروع کردی۔ ابراہیم علیہ السلام اُٹھے تو روٹی کی خوشبو سونگھی۔ حیران ہو کر گھر گئے۔ پوچھا تو بی بی سارہ نے عرض کی یہ آپ کے مصری دوست کا بھیجا ہوا آٹا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میرے دوست اللہ مالک کا بھیجا ہوا ہے۔ اس دن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام خلیل اللہ رکھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کثرت مال اور کثرت خدام کو دیکھ کر ملائکہ نے تعجب کیا اس لئے کہ صرف آپکے بکریوں کے پانچ ہزار ریوڑ تھے اور ان کی نگرانی کے لئے جو کتے مقرر تھے ان کے گلے میں سونے کے طوق ڈال رکھے تھے۔ ایک دن ایک فرشتہ نے بشری لباس پہن کر جنگل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بکریاں دیکھ کر سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ میرے آقا کا نام دوبارہ پڑھو تو آدھا مال تمہارا۔ اس فرشتے نے دوبارہ وہی تسبیح پڑھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرے آقا کا نام ایک بار پھر پڑھو تو یہ تمام مال میں تمہیں دے دوں گا۔ اس پر ملائکہ اور متعجب ہوئے اور کہا یہی بندۂ خدا خلیل الٰہی ہو تو بہت موزوں ہے اسی لئے اس پر اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کی زبان پر آپ کا نام خلیل اللہ جاری کرایا اور اس روز کے بعد آپ کا نام خلیل اللہ ہوا۔

فائدہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ شفاءً شریف میں فرماتے ہیں کہ نبی کی خلۃ کا درجہ نبوت سے اونچا ہوتا ہے اس لئے کہ نبوت میں پھر بھی عداوت کا تصور مذکور ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ۔ بے شک تمہاری بعض ازواج و اولاد دشمن ہے۔ لیکن خلۃ میں عداوت کا تصور پیدا نہیں ہو سکتا۔

فائدہ نیز خلۃ کے شرائط میں سے ہے کہ بندہ اپنے تمام احوال اللہ تعالیٰ کو سپرد کر دے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر شئے اللہ کے نام پر قربان کر دے یہاں تک کہ مال جسم و جان بلکہ آل و اولاد (سب اسی کے لئے) یہ تمام امور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں بطریق اتم و اکمل موجود تھے۔ سے

① جانکہ نہ قربانی جاناں بود
جیفۂ تن بہتر ازاں جاں بود

② ہر کہ نہ شد کشتہ بشمشیر دوست
لاشۂ مردار بہ از جان اوست

ترجمہ: ① جس جان میں محبوب پر قربانی کا مادہ نہ ہو اس سے مردار بہتر ہے۔
② جو بھی محبوب کی شمشیر کا کشتہ نہیں اس جان سے مردار بہتر ہے۔

حکایت عشق مجنون عشق میں شرط ہے کہ عاشق عشق میں فانی ہو کر معشوق میں محو ہو جائے یہاں تک کہ محبوب کے ساتھ باقی کچھ نہ رہے۔ یہ مقام صرف ہمارے نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب ہوا۔

حکایت حضرت مجنوں مرحوم سے پوچھا گیا آپ کا نام کیا ہے فرمایا میرا نام لیلیٰ ہے۔

حبیب و خلیل میں صوفیانہ فرق صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے شیخ (جو میرے لئے بمنزلہ جان کے ہیں) قدس سرہٗ نے کتاب "اللائحات البرقیات" میں فرمایا خلت و محبت

الہیہ احدیہ نے تجلی ڈالی۔ اس کی حقیقت تو تجلی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی اور اُس کی صورت حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور دوسروں پر ان کی استعداد کے مطابق خصوصی جزئیات کی تجلی پڑی۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ مقام خلت و محبت میں بمرتبہ احدیہ ذاتیہ کے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام بمنزلہ الواحدیہ الصفاتیہ کے ہیں اُن کے ماسوا باقی حضرات بمنزلہ الواحدیہ الافعالیہ کے ہیں۔ انہی مقامات و مراتب کی طرف بسم اللہ شریف میں اس ترتیب کے ساتھ اشارہ ہے۔ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالفعل خلیل اللہ و حبیب اللہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بالفعل خلیل الرحمٰن و حبیب الرحمٰن ہیں اور دوسرے حضرات انبیا کرام علیہ السلام بالفعل خلیل الرحیم اور حبیب الرحیم ہیں۔ شیخ کا کلام یہاں ختم ہوا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا میرے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح مجھے اپنا خلیل بنایا۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا بھیدی بناتا۔ لیکن میرے ان اسرار کو میرے رب تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

نکتہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصیت اس لئے تھی کہ وہی حضور علیہ السلام کے خصوصی رازدان تھے۔

فضیلت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمہارے اوپر فضیلت روزے اور نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ اس راز الٰہی کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے قلبِ اطہر پر وارد فرمائے۔

نکتہ آپ کے اس ارشاد سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف اللہ تعالیٰ سے واصل ہیں۔ باقی کسی سے آپ کا تعلق نہیں لیکن کل کائنات آپ سے وابستہ ہے اور آپ کل کائنات سے علیحدہ اور صرف اپنے خالق سے وابستہ ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کی شفاعت سے سرفرازی بخش۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ آپ کی نعت شریف میں لکھتے ہیں ؎

(۱) شبے بر نشست از افلاک درگذشت
بتمکیں جاہ از ملک درگذشت

(۲) چناں گرم در تیہہ قربت براند
کہ در سدرہ جبریل از وباز ماند

ترجمہ: (۱) ایک رات میں آسمان سے گذر گئے جاہ تمکیں سے ملک سے گذرے۔
(۲) قربت کے جنگل ایسے سرگرم تھے کہ جبریل علیہ السلام سدرہ پر رہ گئے۔

اسمیں اشارہ ہے کہ آپ علویات و سفلیات کی قیود سے گذر کر واصل بحضرت الذات تھے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ
فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ
خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ○ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا
أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ
وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا ○ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ۖ فَلَا تَمِيلُوا
كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
غَفُورًا رَحِيمًا ○ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ
وَاسِعًا حَكِيمًا ○ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا
فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ○
وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ○ إِنْ يَشَأْ يُذْ
هِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ○
مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ
وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ع

ترجمہ: اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر
قرآن پڑھا جاتا ہے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں کہ تم انہیں نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور انہیں نکاح میں بھی لانے
سے منہ پھیرتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی کرو
تو اللہ کو اس کی خبر ہے اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس میں
صلح کر لیں اور صلح خوب ہے اور دل لالچ کے پھندے میں ہیں اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے

کاموں کی خبر ہے اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو اور چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو آدھر میں لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ عورتوں جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی کشایش سے تم میں ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردے گا اور اللہ کشایش والا حکمت والا ہے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک تاکید فرمادی ہے ہم نے ان سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم کو اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ زمین میں اور اللہ بے نیاز سب خوبیوں سراہا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز ہے اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے اور اللہ کو اس کی قدرت ہے جو دنیا کا انعام چاہے تو اللہ ہی کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا انعام ہے اللہ سنتا دیکھتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَيَسْتَفْتُونَكَ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں ۔

حل لغات فتویٰ ۔ فتیٰ سے مشتق ہے فتی معنیٰ طاقتور نوجوان ۔ چونکہ وہ ایک حادثہ یعنی جدید حکم کے جواب میں یا کسی جواب کے لئے جدید حکم پیدا کرنے کی وجہ سے یا اس مشکل سوال کے بیان کی تقویت کے لئے واقع ہوتا ہے اسی لئے اسے فتویٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

فِي النِّسَآءِ عورتوں کی وراثت کے بارے میں ۔

شان نزول عینیہ بن حصین نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ ہر میت کی لڑکی اور اُس کی بہن کو وراثت کا حصہ دلواتے ہیں ۔ حالانکہ ہم وراثت کا حقدار صرف اسے سمجھتے ہیں جو جنگ میں شریک ہو اور مالِ غنیمت حاصل کرے آپ نے فرمایا ہم نے بھی یہی حکم دیا اور وراثت کا حقدار عورتوں کو بھی سمجھتے ہیں ۔

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ اللہ تعالیٰ تمہیں عورتوں کے متعلق حکم دیتا ہے ۔

اَلْاِفْتَاءُ بمعنے مبہم اور مشکل لفظ کی وضاحت کرنا ۔ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ اور وہ جو تمہارے لئے تلاوت کیا جاتا ہے اس کا اسم اللہ پر عطف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کا کلام تمہیں حکم دیتا ہے اس معنے پر افتاء کا اسناد اللہ تعالیٰ اور اُس کے کلام کی طرف ہوگا اور قرآن کے حکم دینے کا اشارہ اس آیت يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ کی طرف ہے جو اسی سورۃ کے اوّل میں ہے

سوال یہاں فعل کے دو فاعل دکھائے گئے ہیں یہ تو عقلاً بھی غلط ہے کہ ایک فعل کے دو فاعل ہوں ؟

جواب جب دو فاعلوں کے دو اعتبار ہوں تو ایک فعل کا اسناد ان دونوں کی طرف جائز ہے ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے

اَغْنَا فِی زَیْد وعطاءٗ یہاں اغنا کا اسناد زید اور اُس کی عطا کی طرف دو اعتباروں سے ہوا ہے اگرچہ ان کے لحاظ سے لیکن حقیقۃً دونوں ایک ہیں۔ یعنی حقیقی طور آمر تو اللہ تعالیٰ ہے پھر اس کی کسی صفت کا عطف ڈالا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ فعل اس فاعل سے اس بنا پر قائم ہے کہ وہ فاعل اس حال سے بھی موصوف ہے۔

فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ یہ فی کتاب اللہ کی طرح یُتْلٰی عَلَیْکُمْ کے متعلق ہے اور اس کی اضافت بیانیہ ہے اس لئے کہ مضاف و مضاف الیہ ہمجنس ہیں الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ یعنی وہ یتیم عورتیں کہ جنہیں تم حقوق فرض کردہ مثلاً میراث وغیرہ نہیں ادا کرتے کے بارے میں وَتَرْغَبُوْنَ۔ اس کا عطف لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ پر ہے جملہ مثبتہ کا عطف جملہ مثبتہ پر ہے اور یہ جائز ہے اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ اور تم اُن کے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔ اُن کے حسن وجمال اور کثرتِ مال کی وجہ سے اور اُن کے نکاح سے بے رغبتی بھی کرتے ہو۔ اُن کے قبح اور قلت مال کی وجہ سے۔ اس لئے کہ اگر وہ یتیم لڑکی حسینہ اور ذی جائیداد ہوتی تو وہ اُس کے نکاح کے لئے لڑمرتے اگر وہ قبیحہ اور مفلس ہوتی تو بے رغبتی کرتے اور قرآن میں اُن کے لئے حکم یوں بیان کیا گیا ہے کہ وَآتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَھُمْ اور فرمایا وَلَا تَاْکُلُوْھَا اور دیگر وہ نصوص جن میں یتامیٰ کے اموال سے بچنے کا حکم ہے۔

وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ لا اور کمزور بچوں کے بارے میں حکم دیتا ہے اس کا عطف یتامی النسآء پر ہے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ چھوٹے بچوں کو وراثت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ وراثت کے حقدار صرف وہ مرد ہیں جو کاروبار کرتے اور عورتوں اور بچوں کی ضروریات کے کفیل ہوتے ہیں۔

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی اور حکم دیتا ہے یتامیٰ کے اموال اور اُن کے بارے میں بِالْقِسْطِ عدل و انصاف اس کا عطف بھی یتامی النسآء پر ہے اور اُن کا حکم قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ اور لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ وغیرہ وغیرہ وَمَا یہ ما شرطیہ ہے تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ اور جو بھی تم نیک کام کرتے ہو خواہ مذکورہ امور ہوں یا اُن کے علاوہ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیْمًا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان سب کو خوب جانتا ہے اسی لئے تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا عنایت فرمائے گا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے غیر کا مال نہ کھائے بلکہ حتی المقدور دوسروں پر اپنا مال خرچ کرے یتیموں مسکینوں کی خبرگیری کرے۔

روحانی نسخے حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو تین چیزوں کا تین چیزوں کے بغیر دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔

① بہشت کی محبت کا دعویٰ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ نہ کرے۔
② جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مدعی ہو کر اللہ تعالیٰ کے منع کردہ امور سے نہیں بچتا۔

③ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دم بھرتا ہے لیکن فقراً اور مساکین سے اسے کوئی پیار نہیں ۔

فائدہ وَمَا تَفْعَلُوْا میں نیکی کی ترغیب دلائی گئی ہے ۔

حکایت ایک عورت سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دوکان پر کپڑا خریدنے کے لئے آئی آپ اسے ایک بہترین کپڑا دکھایا جس کی قیمت چار سو درہم تھی ۔ اس عورت نے کہا کہ میں ایک کمزور عورت ہوں اور میں اپنی لڑکی کا بیاہ کرنا چاہتی ہوں میرے پاس اتنا فرصت نہیں کہ اتنی قیمت ادا کر سکوں ۔ براہِ کرم آپ مجھے یہ کپڑا اصلی قیمت پہ عنایت فرما دیجئے آپ نے فرمایا اس کے لئے چار درہم دیدیں ۔ عورت نے کہا میرے ساتھ آپ ہنسی مذاق کرتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہنسی مذاق سے بچائے میں نے تجھے سچ کہا ہے وہ اس لئے کہ میں نے دو کپڑے خریدے تھے ایک کو میں نے ایسی قیمت میں بیچا ہے کہ جس کی دونوں کپڑوں کی اصل قیمت مجھے مل گئی ہے صرف چار درم کم ہوتے ہیں وہ اسی پر لگا کر تجھے بتایا ہے فلہٰذا وہی چار درم دیدے وہ عورت کپڑا لے کر آپ کو دعائیں دیتی چلی گئی ۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے کہا ۔

(۱) بگیر اے جوان دست درویش پیر
نہ خود را بیفگن کہ دستم بگیر

(۲) کسے نیک بودے بہر دو سرا
کہ نیکی رساند بخلقِ خدا

ترجمہ : (۱) اے جوان بوڑھے درویش کی مدد کر نہ یہ کہ خود کو گرا کر دوسروں کو کہو کہ میری مدد کرو ۔
(۲) دونوں جہانوں میں وہ شخص نیک بخت ہے جو خلقِ خدا کو نفع پہنچاتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ نفس بمنزلہ زوجہ کے ہے اور رُوح بمنزلہ شوہر کے پھر جیسے مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں ایسے ہی روح پر نفس کے حقوق ہیں ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے فرمایا کہ رات کے قیام اور دن کے روزوں سے مجاہدہ کرو لیکن یاد رکھو کہ نفس کا بھی حق ہے فلہٰذا کچھ دن روزے رکھو اور کئی روز افطار کرو ۔ رات کے کچھ حصے میں جاگو اور کچھ حصے میں نیند کرو ۔ یاد رہے کہ ریاضت شدیدہ بھی انسان کو منزل مقصود تک نہیں پہنچنے دیتی اس لئے کہ تھک جانے سے راستہ طے نہیں ہو سکے گا ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا دین واضح اور روشن ہے فلہٰذا اسے نرمی سے حاصل کرو ۔ اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ نفس پر اتنا سخت بوجھ نہ ڈالو اور ایسی ریاضت میں مبتلا نہ کرو کہ وہ روگردانی کر کے ایمان و عمل کو چھوڑ دے ۔ ؎

اسپ تازی دوتگ ہمی ماند
شتر آہستہ میرود شب و روزے

ترجمہ:

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفس اور دین کے حقوق میں ادائیگی میں میانہ روی اختیار فرمائی روزے رکھتے اور کبھی نہ رکھتے اور رات کو جاگتے تو پھر سو بھی جاتے۔ عورتوں سے نکاح بھی کیا۔ اعلیٰ کھانا مل جاتا تو کھا لیتے مثلاً حلوہ۔ شہد۔ مرغی۔ پھر کبھی بھوکے رہتے یہاں تک کہ پیٹ مبارک پر پتھر باندھے۔

سبق اے غافل ذرا سنبھل۔ تیرے کوچ کا وقت قریب ہے تو نے لمبا سفر طے کرنا ہے اگر تجھے کسی وقت تیرا نفس برائی کا خیال ڈالے تو اصلاح کی باتیں اس کے سامنے رکھ۔ اس سے قبل کہ تیرے کوچ کا وقت آجائے۔ اس پروگرام پر چلنے کی جدوجہد کر اپنے ہر فعل و قول پر کڑی نگرانی رکھ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کچھ جانتا ہے اور اس کا علم و قدرت ہر شے کو محیط ہے۔ افراط و تفریط سے بچتے رہو۔

تفسیر عالمانہ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا اور اگر عورت اپنے شوہر سے خوف کرے۔ امراۃ فعل محذوف کا فاعل ہے جس کی تفسیر مذکورہ فعل ظاہر کرتا ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی اِنْ خافت امرأۃ وخافت الخ یعنی اگر وہ اپنے شوہر سے توقع کرے نُشُوْزًا (اپنی جدائی کی) اور خوف ہو کہ مجھے اپنے سے جدا کردے گا اور وہ اسے مکروہ سمجھتی ہے اور چاہتی ہے کہ میرے حقوق ضائع نہ ہوں۔ یہ نشز سے ماخوذ ہے وہ چیز جو زمین سے اونچی ہو اسے نشوز کہتے ہیں۔ زوجین میں نشوز کا یہی مطلب ہے کہ وہ ایک دوسرے سے کراہت کریں اور اس پر اپنی بلندی سمجھیں حالانکہ اس سے قبل اس وقت ایک دوسرے سے راضی تھے۔ اَوْ اِعْرَاضًا یا روگردانی یعنی اس سے گفتگو کم کردے اور اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دے۔ اور یہ چند وجوہ سے ہوتا ہے۔

① سن کی کمی بیشی۔
② قبیح صورت کا ہونا۔
③ شکل وصورت میں عیب پایا جانا۔
④ بدخلق ہونا۔
⑤ بلا وجہ ملال میں رہنا۔
⑥ خواہ مخواہ کی طعن وتشنیع وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ حضرت امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کہ نشوز سے قول یا فعل یا ہر دونوں میں سختی اور اعراض سے خیر و شر ہر دونوں پر اسی طرح مراعات و ایذا میں خاموشی مراد ہے۔

شان نزول یہ آیت خویلہ بنت محمد بن مسلمہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اُن کا شوہر سعد بن ربیع تھا اُن کا خویلہ سے جوانی میں نکاح ہوا پھر جب ان پر بڑھاپے کے آثار نمودار ہوئے تو اس نے دوسری نوجوان عورت

سے نکاح کر لیا تو اُس نے پہلا طور طریق بدل دیا اور اُس نئی دلہن سے زیادہ محبت و پیار کا اظہار کرتا اور پہلی عورت سے بے رُخی اور ظلم و ستم کرتا۔ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کا شکوہ کیا تو یہی آیت اُتری۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا پس اُس وقت ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا یہ کہ وہ آپس ہی صلح کرلیں۔ مثلاً عورت اپنا کل مہر معاف کردے یا بعض یا اپنی باری اپنی سوکن کو بخش دے جیسے بی بی سودہ رضی اللہ عنہا نے کیا جب کبیرۃ السن اور بوڑھی ہوگئیں۔

اُمّ المؤمنین بی بی سودہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حضرت اُمّ المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سے جدا کرنے کا ارادہ فرمایا (جب وہ کبیرۃ السن اور بوڑھی ہوگئیں) تو عرض کی یا رسول اللہ مجھے اپنے دامن سے دور نہ فرمایئے میں اپنی باری بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیش کرتی ہوں اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سرور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب ہیں اس حیلہ سے حضور علیہ السلام انہیں منظور فرمالیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ آپ نے بی بی سودہ کو اپنے نکاح ہی بدستور رکھا۔ اس لئے اس صلح کے بعد حضور علیہ السلام بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں دو دن رہائش پذیر ہوتے ایک دن اُن کا اپنا دوسرا بی بی سودہ کا۔

مسئلہ حضرت حاوی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ صلح واجب نہیں اگر عورت ایسی صلح کے بعد اپنی باری کا مطالبہ کرے تو کوئی ہرج نہیں۔ اس کے بعد شوہر پر پھر برابری کی تقسیم ضروری ہوگی۔

وَالصُّلْحُ اور وہ صلح جو زن و شوہر کے مابین واقع ہو خَيْرٌ طلاق دینے اور بُرے معاشرے یا جھگڑے سے بہتر ہے اس معنے پر لام عہد کی ہوگی اور یہ بھی جائز ہے کہ خَيْرٌ جیسے جھگڑے دوسرے شروں میں سے ایک شر ہے اس معنے پر لام جنس کی ہوگی۔

ابدال بننے کے نسخے حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ حسن المحاضرہ فی احوال مصر والقاہرہ میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ ابدال میں سے ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ اپنے میں چھوٹے بچوں کی عادات کی عادات پیدا کرے۔ چھوٹے بچوں میں پانچ ایسی عادتیں ہوتی ہیں اگر وہ بڑوں میں ہوں تو ابدال بن جائیں۔

① اپنے رزق کا اہتمام نہیں کرتے۔
② جب بیمار ہوتے ہیں تو اپنے خالق کا شکوہ نہیں کرتے۔
③ اکٹھے ہو کر کھانا کھاتے ہیں
④ جب لڑتے ہیں تو حد سے نہیں بڑھتے۔

⑤ جلد تر صلح کر لیتے ہیں۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

① ابلہست آنکہ فعل اوست لجاج
ابلہے را کجا علاج بود

② تا توانی لجاج پیشہ مگیر
کافت دوستی لجاج بود

ترجمہ: ① وہ بے وقوف ہے جس کی عادت لالچ کی ہے اور بے وقوف کا علاج کہاں
② جبتک ہو سکے لالچ نہ کر اس لئے کہ لالچ دوستی کے لئے ایک آفت ہے۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ اور نفسوں کو بخل ہر وقت حاضر اور ان کے اندر گھسا ہوا ہے نہ عورت اپنے حقوق مرد کو معاف کرتی ہے اور نہ مرد اپنی عورت کی شکل وصورت کی قباحت اور بڑھاپے پر حسن معاشرہ کی سوچتا ہے نہ اس کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے میں اچھا سلوک کرتا ہے اور نہ میٹھی گفتگو۔ یہ عبارت دراصل یوں ہونی چاہیئے تھی احضر اللہ الانفس الشح۔ جب صیغہ احضر کو مبنی للمفعول کرکے لایا گیا تو اس کا مفعول اور فاعل کے قائمقام کھڑا کیا گیا ہے۔

فائدہ اَلشُّحَّ وہ بخل جس میں حرص شامل ہو یہ بخل سے اخص ہے۔

ابلیس کی کہانی اُس کی اپنی زبانی حضرت عبداللہ بن وہب حضرت لیث سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس حضرت نوح علیہ السلام کو ملا عرض کی حضرت حسد اور بخل سے بچنا اس لئے کہ میں نے آدم علیہ السلام پر حسد کیا تو مجھے بہشت سے نکالا گیا اور آدم علیہ السلام کو درخت سے روکا گیا تو انہوں نے اس کے کھانے پر حرص کیا تو بھی بہشت سے خارج ہوئے۔

○ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو ابلیس اپنی اصلی صورت میں ملا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرا محبوب ترین آدمی کون ہے اور مبغوض ترین کون۔ اُس نے کہا میرے ہاں مؤمن بخیل ترین ہے اور مبغوض ترین فاسق سخی ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ کیسے۔ اُس نے کہا بخیل کو تو بخل کی شامت کافی ہے اور فاسق سخی سے اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی سخاوت سے اسے معاف فرما کر مقبول بنا دے۔ یہ کہہ کر چلا گیا کہ آپ اگر پیغمبر نہ ہوتے تو آپ کو یہ راز نہ بتاتا (آکام المرجان)

وَاِنْ تُحْسِنُوْا اور اے شوہروان کی عدم موافقت کے باوجود اور پھر تمہاری طبائع کی بھی پسند نہیں (اگر انہیں اپنے پاس رکھو اور اُن سے نیک سلوک سے گذارو) وَتَتَّقُوْا اور روگردانی کرکے اُن پر ظلم کرنے سے بچو اور نہ ہی انہیں

حقوق معاف کرنے پر مجبور کرو۔

فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ پس بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل مثلاً تقویٰ واحسان کو خَبِیْرًا خوب جانتا ہے اور تمہاری نیتوں سے بھی باخبر ہے اس کا تمہیں اجر اور ثواب عطا فرمائے گا۔ اس لئے کہ وہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

حکایت مروی ہے کہ ایک قبیح شخص کی حسین بیوی تھی۔ ایک دن وہ اپنے شوہر کو دیکھ کر کہنے لگی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اس کے بعد شوہر نے کہا یہ کیوں۔ عورت نے کہا اس لئے کہ تو جنتی ہے کیونکہ تجھے میری جیسی عورت نصیب ہوئی۔ تو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے اور مجھے تیرے جیسا شوہر ملا ہے تو میں نے صبر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے صابرین و شاکرین کو بہشت کا وعدہ فرمایا شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) چو مستورہ شد زن خوب رُو

بدار او در بہشت است شو

(۲) اگر پارسا باشد وخوش سخن

نگہ در نکوئی وزشتی مکن

ترجمہ (۱) جب عورت باحیاء اور حسین و جمیل ہو تو اس کا شوہر دنیا میں بہشت میں ہے۔

(۲) اگر عورت نیک اور خوش خلق ہو تو اس کے حسن اور قبیح کو نہ دیکھ۔

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ تمہیں یہ طاقت کہاں کہ تم عورتوں کے مابین عدل و انصاف قائم رکھ سکو کہ کسی بات پہ اُن کی کسی ایک سے جھکاؤ نہ ہو اس لئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجودیکہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی تقسیم میں عدل و انصاف کی کسر نہ چھوڑتے لیکن پھر بھی فرماتے "اے اللہ تعالیٰ یہ میری وہ تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے اور اس میں مواخذہ نہ فرمانا۔ جو صرف تیرے اختیار میں ہے اور میرے بس میں نہیں۔ اس سے محبت کی برابری مراد ہے اس لئے کہ آپ کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی۔ وَلَوْ حَرَصْتُمْ اگر تم عدل و انصاف قائم رکھتے ہو تو کوشش کرو اور مبالغہ سے کام لو فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ پس تم پورے نہ جھک جاؤ یعنی جن عورتوں سے تمہیں محبت نہیں اُن پر ظلم نہ کرو اور جن سے تمہیں محبت ہے اُن کے معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرو جہاں تک ہو سکے عدل و انصاف کرو۔ تم حقیقی عدل سے عاجز ہو تو وہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ اس سے تمہارا احتساب نہیں ہوگا تمہاری طاقت جہاں تک کام کرتی ہے اسے ہاتھ سے نہ جانے دو اس لئے کہ جو کام پورے طور نہیں ہو سکتا تو پھر جتنا ہو سکے اسے کام میں لاؤ۔

حدیث شریف حق کو قائم رکھو لیکن اس کے احصاء کے درپے نہ ہو اس لئے کہ یہ تمہارے بس سے باہر ہے کہ ہر شے کو من کل الوجوہ ادا کر سکو پھر ایسا نہ ہو کہ اسے بالکل چھوڑ بیٹھو۔

فَتَذَرُوْهَا اس کا مجزوم ہونا ماقبل کی وجہ سے ہے یعنی جن عورتوں سے تمہیں محبت نہیں تو انہیں نہ چھوڑو۔ کَالْمُعَلَّقَةِ معلقہ کی طرح ۔ معلقہ وہ عورت ہے کہ نہ تو بیوہ ہے کہ اس کا کسی سے نکاح کیا جا سکے نہ ہی شوہر دار کہ اپنے شوہر سے زندگی بسر کر سکے ۔ اُس لٹکی ہوئی شے کی طرح کہ نہ وہ زمین پر ہے نہ آسمان پر۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی دو منکوحہ تھیں ۔ اُن کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ ایک کی باری میں دوسری کے گھر وضو بھی نہ کرتے اُن کی دونوں بیویاں طاعون کی وبا میں فوت ہوئیں تو انہوں نے دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا ۔

وَاِنْ تُصْلِحُوْا اور جن باتوں میں اُن کے متعلق کمی کر چکے ہو اگر اپنی اصلاح کرو وَتَتَّقُوْا آئندہ غلطی کے ارتکاب سے بچو فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے تمہاری سابقہ غلطیاں معاف کر دے گا۔ رَّحِيْمًا اور اپنے فضل و کرم سے تمہارے اوپر رحم فرمائے گا۔ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا اور اگر آپس میں جدائی چاہتے ہوں تو اُن کی ایک دوسرے کے ساتھ اصلاح کی کوئی صورت نہیں بن سکتی ۔ يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک دوسرے سے مستغنی بنا دے گا اور ہر ایک کو اپنے معاملات میں بے پرواہ فرمائے گا۔ مِّنْ سَعَتِهٖ اپنی قدرت کاملہ سے اسمیں ہر دونوں کو جدائی چاہنے پر زجر و توبیخ فرمائی ہے وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا اور اپنے امور میں بہت بڑی حکمتوں والا ہے کہ اُس کے ہر حکم اور ہر فعل میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں مثلاً اس جدائی میں بھی اُس کی ایک حکمت یہ ہے کہ زن و شوہر آپس میں جدا ہو جائیں تو انہیں دوسرا ایسا موقع عطا فرمائے کہ دوسرے گھر میں سکون و تسلی نصیب ہو ۔ اور پہلے رشتہ کی باتیں بالکل بھلا دے ۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر امر و نہی پر سر تسلیم خم کرے ۔ نفس کی شرارت اور اُس کی شہوات کو اپنے میں نہ گھسنے دے ۔ بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں فامساک بمعروف او تسریح باحسان پر عمل کرے عدل و انصاف میں رغبت رکھے اور اُن پر ظلم و ستم سے بچے جب نہ کسی کی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی اور معاملہ۔

قیامت کا ایک منظر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی بندے یا کسی عورت کو پکڑ کر اولین و آخرین کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا پھر اعلان ہوگا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اس پر کسی کا حق ہو تو آئے اور لے جائے تو عورت خوش ہوگی اور کہے گی اس پر میرا حق ہے یہ نہ سمجھے گی کہ یہ میرا بیٹا ہے یا بھائی یا باپ یا شوہر۔ اُسے تو حق چاہیئے خواہ جس طرح ہو اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائے گا کہ اس کا حق ادا کیجئے ۔ بندہ عرض کرے گا ۔ یا اللہ کیا ادا کروں میں دنیا میں نہیں ہوں ۔ اس وقت نہ میرے پاس کچھ ہے نہ کچھ دے سکتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائے گا اس کی جتنی نیکیاں ہیں حق مانگنے والوں کو دے دو ۔ چنانچہ اُس کی تمام نیکیاں حقداروں پر تقسیم ہو جائیں گی ۔ پھر وہ اگر اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اور

اُس کی نیکیاں بہت ہوں گی اس میں سے اگر کچھ بچ گیا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس میں برکت دے گا جس کے ذریعے وہ بہشت میں جائے گا۔ اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ وَاِنۡ تَکُ حَسَنَۃً یُضٰعِفۡہَا وَیُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡہُ اَجۡرًا عَظِیۡمًا۝ اگر وہ بندہ بدبخت بے عمل ہوگا تو ملائکہ کرام عرض کریں گے یا الٰہ العلمین اُس کی تمام نیکیاں حق داروں کو دی گئی ہیں اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں لیکن حقدار ابھی باقی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا حقداروں کی بُرائیاں لادے کر اُس کے ذمہ لگا کر اسے جہنم میں کھینچ کر لے جاؤ۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار پر مداومت کرے اور ہر وقت اپنے مالک غفار کی طرف توجہ رکھے اور معاملات میں نیک وبد سے نیک سلوک کرے کسی کو ایذا نہ دے کوئی اچھا ہے یا بُرا۔

حکایت حضرت ابو بکر بن ذکر اللہ ایک زاہد اور نیک آدمی تھے) نزع الموت کے وقت بہت روئے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کیوں روتے ہو فرمایا میں ایسے راہ پر چلتا رہا جس پر مجھے چلنا نہیں چاہیئے تھا۔ بعد وفات چوتھی شب اُن کے صاحبزادے نے خواب میں دیکھ کر عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا آپ نے فرمایا بیٹے معاملہ تو بڑا سخت تھا تم جانتے ہو کہ وہ اعدل العادلین رب ہے اور میرے حقدار بھی سخت جھگڑالو تھے میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تجھے ستر سال عمر عطا فرمائی اب بتا تیرے پاس بخشش کا سامان کیا ہے میں نے عرض کیا یا اللہ میں نے چالیس ہزار دینار اپنے ہاتھ سے خیرات کئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ بھی قبول نہیں کیا۔ پھر میں نے عرض کیا یا اللہ میں نے ساٹھ سال روزہ رکھا اور اتنے سال رات کو عبادت کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے میں نے بالکل قبول ہی نہیں کی پھر میں نے کہا یا اللہ میں نے چالیس سال جہاد کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے ایک بھی قبول نہیں کیا پھر میں نے عرض عرض کیا یا اللہ میں برباد ہوگیا اب تو جس طرح چاہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے لائق نہیں کہ تیرے جیسے کو عذاب میں مبتلا کروں لیکن سُن اے ابو منصور تجھے یاد ہے کہ فلاں دن تو نے راستہ سے ایک کانٹا اس نیت پر ہٹایا کہ کسی کو ایذا نہ دے بس میں نے تجھے اُسی نیکی سے بخش دیا اور میں کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ ایذا دینے والی چیز کو راستے سے ہٹانا اللہ تعالیٰ رحمت ومغفرت کا سرمایہ ہے پھر اس شخص کی کیا شان ہوگی جو لوگوں کے ہزاروں دکھ اور درد دُور کرتا ہے۔ اسے میدان حشر میں یہ عمل دے گا بالخصوص اہل ایمان اور پھر اپنے اہل وعیال کی ایذا پر کتنا اجر وثواب نصیب ہوگا۔ حقیقی مسلمان بھی وہی ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے اہل اسلام کو سلامتی حاصل ہو۔

اے اللہ! ہمیں نفع رساں لوگوں سے بنا۔ ضرر رسانوں سے بچا (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ تمام اللہ تعالیٰ کا ہے یعنی موجودات میں جتنی مخلوق ہے اسی کی ملک ہے اور سب کا رزق اس کے ہاتھ میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت الشیخ نجم الدین قدس سرہٗ نے فرمایا للّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے بلند درجات اور جنت الماویٰ اور جنت الفردوس الاعلیٰ اور ومافی الارض سے دنیا کی نعمتیں اور اس کی زینت اور نقش نگار مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت نہیں انہیں صرف اپنے نیک بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ چنانچہ فرمایا وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ اور بندوں کو صرف اپنے لئے چنانچہ و اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِی (تجھے میں نے اپنے لئے چنا)۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور بے شک ہم نے تمہارے سے پہلے اہل کتاب کو وصیت فرمائی۔ یعنی ہم نے ان کی کتاب میں حکم صادر فرمایا اس سے یہود و نصاریٰ اور اُن سے پہلے لوگ مراد ہیں اور الکتٰب میں الف لام جنس کا ہے جو جمیع کتب سماویہ کو شامل ہے۔ اور من وَصَّیْنَا کے متعلق ہے یا اوتوا کے وَاِیَّاكُمْ اس کا عطف الذین پر ہے یعنی ہم نے بالخصوص تمہیں اے اُمّتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہاری کتاب میں بیان فرمایا اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ دراصل بان اتقوا اللہ تھا یعنی یہاں حرف جر محذوف ہے اور یہ ان مصدریہ ہے یعنی ہمارا حکم ان کے اور تمہارے لئے تقویٰ کا تھا (وَ) اور ہم نے تمہیں اور انہیں فرمایا کہ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے نہ تو اُسے تمہارا کفر نقصان دے سکتا ہے نہ گناہ۔ اسے نہ تمہارے شکر سے فائدہ ہے نہ تقویٰ سے اور ان باتوں کا حکم صرف تمہارے لئے دیا ہے یہ بھی اس کی رحمت سمجھو۔ یہ نہیں کہ ان باتوں کی اسے ضرورت ہے اس کے متعلق مزید یوں فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق اور اور اُن کی عبادات سے مستغنی ہے اُسے اپنے غیر سے کیا غرض۔ ذاتاً و صفاتاً ہر لحاظ سے کسی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ اغیار کے تعلقات سے منزہ ہے۔ حَمِیْدًا ۱ وہ ذاتی طور محمود ہے اس کی کوئی حمد کرے یا نہ۔

فائدہ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ شرح الاسماء الحسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حمید ہے اس لئے کہ اس نے اپنی ذات کی اوّلاً تعریف فرمائی ہے اور مخلوق ابداً اس کی حمد کرتی ہے اور یہ صفات جلال و علو و کمال کی طرف راجع ہے اور اس کی نسبت ذاکرین کے ذکر کی طرف لوٹے گی۔ اس لئے حمد اوصاف کمال من حیث ھو الکمال کے ذکر کو کہا جاتا ہے اور بندہ کو بھی حمید کہا جا سکتا ہے جب اس کے عقائد و اخلاق اور اعمال اچھے ہوں اور ان میں غرض کی ملاوٹ ہر گز نہ ہو صرف للّٰہیت ہی للّٰہیت ہو اس لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جو آپ کے قریب تر ہیں جیسے انبیاء و اولیاء یہ سب کے سب حمید ہیں اُن کے درجات و فضیلت کا معیار اُن کے اپنے عقائد و اقوال و اعمال پر ہونگے کہ جس قدر عقائد و اقوال میں ترقی اتنا ہی فضیلت اور درجات میں بلندی۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اُسی اللہ ہے۔

سوال یہی جملہ اب تیسری بار لایا جا رہا ہے اسمیں کیا حکمت ہے؟

جواب تاکہ مخلوق کو پورے طور یقین ہو کہ اسے کسی کی ضرورت نہیں لیکن مخلوق کو اس کی ضرورت ہے اور اس نے ان سب کو دولت وجود سے نوازا پھر انہیں قسم قسم کے انعامات و کمالات عطا فرمائے۔ یہ تمام باتیں دلالت کرتی ہیں کہ جس کے اتنے بڑے کمالات وانعامات ہیں وہ حمید ہے اس سے واضح ہوا کہ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الخ کو مکرر لانے سے کلام میں کوئی نقص لازم نہیں آتا بلکہ جتنی بار لایا گیا ہے اتنے ہی اس کے اندر فوائد مضمر ہیں اور ہر بار نئے نئے اور نرالے فائدے مستتر ہیں۔

وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا اور اللہ تعالیٰ کافی ہے اور تمہارے تمام امور کی تدبیروں تمہارا وکیل ہے تمہیں بھی چاہیئے کہ تم اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرو اور صرف اسی پر سہارا کرو۔ غیروں کے سہارے بالکل ترک کردو۔

اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡہِبۡکُمۡ اَیُّہَا النَّاسُ اے لوگو اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے یعنی فنا کر کے بالکل مٹادے وَیَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ اور تمہاری بجائے دوسروں کو لائے یعنی یکبارگی تمہارے بجائے دوسروں کو پیدا فرمادے یا تمہارے بجائے انسانوں کے بغیر اور دوسری مخلوق پیدا کردے۔ یہاں پر یشاء کا مفعول محذوف ہے اس لئے کہ وہ جزا کا مضمون ہے۔ یعنی اگر تمہارا فنا کرنا اور دوسروں کو پیدا کرنا چاہے تو تمہیں یکسر فنا کردے۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ تمہاری بے شمار غلطیوں کے باوجود تمہیں فنا نہیں کرتا۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ وہ وہ تمہاری عبادات واطاعت کا محتاج نہیں اور نہ ہی وہ تمہارے مٹانے اور فنا کرنے سے عاجز ہے۔

فائدہ اس آیت میں نافرمانوں کو زجر و توبیخ اور غلط کاریوں پر متنبہ کیا گیا ہے۔

وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ (اور اللہ اس پر ہے) یکبارگی فنا کرنے اور یکبارگی دوسروں کو پیدا کرنے پر قَدِیۡرًا (قادر) یعنی بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اسے اپنی مراد سے کوئی روک نہیں سکتا اس لئے صرف اسی کی اطاعت کرو۔ اور اس کی نافرمانی سے بچو اور اس کے عذاب سے ڈرو۔

مسئلہ آیت اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے صابر ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ مجرموں کے جرائم و معاصی پر جلدی سے گرفت نہیں فرماتا۔

حدیث شریف قدسی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے سے کوئی اور زائد صبر کرنے والا نہیں کہ وہ ایذا کی بات سن کر بھی صبر کرتا ہے مثلاً اس کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے اور اس کی اولاد ثابت کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود انہیں معاف فرماتا اور رزق دیتا ہے یعنی بعض بندے اس کے لئے شریک ٹھہراتے اور اسے اولاد کی نسبت کرتے ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قسم وقسم کی نعمتوں سے نوازتا اور ان کے رزق میں کمی نہیں کرتا۔ یہ اس کا فضل وکرم ہے کہ ایذا دینے والے کو بھی نظر عنایت سے نوازتا ہے پھر اسی

بندے کے متعلق خود سوچئے کہ جو اس کی وجہ سے دکھ اور درد کا نشانہ بن کر اس کی حمد و ثنائیں لگا رہتا ہے اسے کتنے بڑے انعامات عنایت فرمائے گا۔

ازالہ وہم مجرم و عاصی کو سزا بھی جلدی اس لئے نہیں کرتا کہ کہیں اُسے توبہ کا موقعہ مل جائے اور پھر قیامت میں حجت بازی نہ کرے کہ مجھے غلطی سے سوچنے کا موقعہ نہ مل سکا۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ رات کو اپنا دست کرم پھیلا کر فرماتا ہے کہ جس نے دن کو غلطیاں کی ہیں آئے اور مجھ سے بخشوا لے اسی طرح پھر دن کو ہاتھ پھیلا کر فرماتا ہے کہ جس سے رات کو غلطیاں ہوئی ہیں وہ میرے پاس آئے اور معاف کرالے یہاں تک کہ رات کو صبح تک مسلسل اعلان ہوتا رہتا ہے۔

فائدہ حضرت الشیخ الکلاباذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاتھ پھیلانے سے اُس کا جود و عطا مراد ہے یعنی رات اور دن کے جرائم پیشہ لوگوں کو مہلت دے کر توبہ کا پیغام دیتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کراماً کاتبین میں سے دائیں جانب والا بائیں جانب والے کا امیر اور حاکم ہے جو کوئی بندہ نیکی کرتا ہے تو اس کی ایک نیکی پر دس حسنات لکھی جاتی ہیں اور جب برائی کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے سے فرماتا ہے مت لکھنا وہ گھڑی بھر انتظار کرتا ہے اگر بندہ اپنی اس غلطی سے توبہ و استغفار کرتا ہے تو اس کی برائی اُس کے عمل نامہ میں نہیں لکھی جاتی اگر وہ توبہ و استغفار نہیں کرتا تو اُس کی صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؂

بہ غفلت سیاہ دلاں خندہ می زند

غافل مشو زخندۂ دنداں نمائے صبح

ترجمہ: سیاہ دلوں کی غفلت سے ہنسی آتی ہے تو غافل نہ ہو بلکہ اپنے دانتوں کی ہنسی سے صبح ظاہر۔

نکتہ جسے قرآن پاک کی وعیدیں اثر نہیں کرتیں اور وہ قرآنی احکام سن کر عبادات و اطاعات کی طرف رغبت نہیں کرتا تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر سنگدل اور کوئی نہیں یہ جمادات سے بھی گیا گذرا ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اور کتب بھیج کر اس لئے بار بار تنبیہ فرماتا ہے تاکہ بندہ کمینی دنیا کی رنگینیوں میں پھنس نہ جائے اور حظوظ نفسانیہ سے بچ کر درجات مجید کی طرف ترقی کرے۔

سبق سالک پر ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان مہربانیوں کو دیکھے کہ اُس نے بار بار وصیت فرمائی ہے اس کی کرم نوازی ہے پھر ہمیں چاہیئے کہ اُس کے فرمان پر تقویٰ و طہارت کو عمل میں لائیں اس لئے کہ تقویٰ ایک بہترین خزانہ ہے جسے نصیب ہوا اسے بیش بہا قیمتی جواہر نصیب ہوئے بلکہ یوں کہئے کہ اُسے ہر بھلائی کی کنجی مل گئی۔ اس لئے کہ یہی تقویٰ جمیع بھلائیوں کا جامع ہے۔

فائدہ حضرت ابنِ عطا فرماتے ہیں کہ تقویٰ دو قسم ہے ۔

① ظاہر

② باطن

ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود شرعیہ کی پاسداری کی جائے باطن یہ ہے کہ نیت میں اخلاص ہو لیکن حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ سے اعراض اور حضرت عُلیا کی طرف توجہ ہو جسے یہ دولت نصیب ہوئی وہ دونوں جہانوں کے گورکھ دھندوں سے آزاد ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہو گیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زیر بارند درختاں کہ تعلق دارند

اے خوشا مرد کہ از بارِ غم آزاد آمد

ترجمہ: وہ درخت زیر بار ہیں جو تعلق دار ہیں وہ مرد بہت خوش ہے جو غم کے بوجھ سے آزاد ہے ۔

تفسیر عالمانہ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہے جیسے وہ مجاہد جو صرف مالِ غنیمت کا طالب ہوتا ہے اُسے آخرت سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ فَعِنْدَ اللّٰہِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ؕ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا و آخرت ہر دونوں کا ثواب موجود ہے جو ان دونوں سے خسیس ترین کی طلب کرتا ہے تو اسے وہ خسیس ترین بھی ملے گی۔ مثلاً کوئی دُعا میں دونوں کے لئے کہتا ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ یا وہ اُن میں برگزیدہ تر کی طلب کرے مثلاً جو شخص جہاد صرف رضائے الٰہی کے لئے کرتا ہے تو اُسے ثواب بھی ملے گا اور مالِ غنیمت بھی لیکن مالِ غنیمت آخرت کے ثواب کے بالمقابل لاشئے ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے ہاں دارین کا ثواب ہے جس کو جو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْهَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ ۔ جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اسے اسمیں اضافہ کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اسے بھی دیں گے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصّہ نہیں ۔

وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا اور اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے وہ تمام مسموعات و مبصرات کو جانتا ہے اور ان کی اغراض بھی اسے معلوم ہیں یعنے اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے واضح کر دیتا ہے کہ ان کی غرض صرف مالِ غنیمت ہے اور ان کے کردار سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ جہاد کے لئے اس وقت تیار ہو کر جاتے ہیں جب انہیں یقین ہوتا ہے کہ اس جنگ میں انہیں مالِ غنیمت حاصل ہوگا ۔

مسئلہ حضرت حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت میں منافقین ریاکار کو زجر و توبیخ ہے ۔

حدیث شریف جہنم میں ایک وادی ہے کہ جس سے دوسری جہنم ہر روز چار سو بار پناہ مانگتی ہے وہ صرف ریاکار احفاظ علماء قاریوں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نکو سیرتے بے تکلف بروں

بہ از نیک نام خراب اندروں

ہر آنکہ افگند تخم بر روئے سنگ

جوئے وقت دخلش نیاید بچنگ

ترجمہ: اچھی سیرت اور بے تکلف اس نیک نام اندر (دل سے) خراب آدمی بہتر ہے۔
جو پتھر پر دانے ڈالتا ہے دانے اٹھاتے وقت اسے پاؤں میں کانٹے ہوں گے اور

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا فرمائی تو اس میں ایسی بہترین چیزیں پیدا فرمائیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے تصور میں آسکتی ہیں پھر اسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کچھ کہئے اس نے کہا "قد افلح المؤمنون" ایسے ہی تین بار کہا پھر کہا میں بخیل اور ریاکار پر حرام ہوں۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ وہ ریاسے بچے اور اخلاص فی العمل میں جدوجہد کرے اور اپنے اعمال میں سوائے اللہ تعالیٰ کی رضا کے اور کوئی مراد نہ رکھے۔

حضرت سہل نے آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی کئی میل طے کرادیئے

کسی بزرگ سے منقول ہے کہ میں سہل بن عبداللہ کے ہاں جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ ان کے حجرے میں ایک بہت بڑا سانپ بیٹھا ہے۔ میں ڈر کے ایک قدم آگے کو ایک پیچھے کو کرتا ہوا متفکر ہوا کہ کیا کروں۔ مجھے سہل نے دیکھ کر فرمایا کہ آجائیے۔ ڈرتے کیوں ہو جو بھی خلوص سے نیکی کرتا ہے وہ دنیا کی کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی اسے ڈرانا چاہیئے مجھے فرمایا کہ کچھ جمعہ کے متعلق چاہیئے۔ میں نے کہا۔ ہاں جمعہ پڑھنے کا ارادہ تو ہے لیکن یہاں پورے ایک دن رات کا سفر ہے۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا آنکھ کھولی۔ میں جامع مسجد میں تھا وہاں نماز جمعہ پڑھ کر باہر نکلا تو حضرت سہل کے ہاں حاضر تھا۔ اور فرمارہے تھے کہ "لا الٰہ الا اللہ" پڑھنے تو بہت ہیں۔ لیکن ان میں مخلصین کی کمی ہے۔

فائدہ مخلص وہ ہے جو اپنی عبادت کا بدلہ نہ چاہے۔ اگرچہ اسے اس کا عوض دنیا و مافیہا پیش کی جائے۔

حکایت کسی نے اپنے غلام سے فرمایا کہ سخاوت اس کا نام نہیں کہ خیرات دے کر ارادہ کیا جائے کہ اس سے مشہوری ہو بلکہ اس کا ایک طریقہ میرا ہے وہ اس طرح ہوا کہ غلام کو سو دینار دے کر کہا کہ اسے بازار میں لے جاؤ اور جسے درویش دیکھو اسے دیدو وہ غلام صد دینار لے کر بازار گیا۔ ایک درویش کو دیکھا کہ وہ سر منڈوا رہا ہے اس درویش کو

(باقی ص ۳۰۷)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ
عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ
اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ مِنْ
قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ
كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ○
بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ
لِلّٰهِ جَمِيْعًا ○ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ
حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ
الْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ○ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ
لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ
قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ○ ع

ترجمہ: اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے تمہارا اس میں اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر ہو بہرحال تو اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے اور اس کتاب پر جو اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھے اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ دکھائے خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں تو عزت تو ساری اللہ کے لئے ہے اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا وہ جو تمہاری حالت تکا کرتے ہیں تو اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے کہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کا حصہ ہو تو ان سے کہیں کیا ہمیں تم پر قابو نہ تھا اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا تو اللہ تم سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔

تفسیر عالمانہ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ اے ایمان والو ہو جاؤ انصاف پر قائم رہنے والے یعنی جمیع امور میں عدل و انصاف قائم کرنے میں بہت بڑی کوشش کرو۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ کے لئے گواہ ہو کر۔ یہ "کونوا" کی دوسری خبر ہے یعنے جس طرح تمہیں شہادت کا حکم ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدِنظر رکھ کر گواہی دو۔ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ۔ اگرچہ تمہیں اپنی ذات پر گواہی دینی پڑے یعنی اپنے لئے اقرار کرنا پڑے تو بھی۔

(بقیہ ص۳۰۵)

وہی سو دینار دیدیا۔ درویش نے حجام کو دیا اور کہا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کا سر فی سبیل اللہ مونڈوں گا۔ یہ رقم لے کر میں اپنے ثواب کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ درویش نے غلام سے کہا واپس لے جاؤ میں نہیں لینا چاہتا۔ غلام وہی سو دینار واپس لے آیا اور آقا سے کہا اسے کوئی قبول نہیں کرتا (انیس الوحدۃ وجلیس الخلوۃ)۔

فائدہ اپنے اوپر شہادت دینے کو اقرار کہا جاتا ہے اس لئے کہ غیر کے حق کی خبر دینے کا نام شہادت (گواہی) ہے مطلب یہ کہ اپنے اوپر گواہی ہو یا کسی غیر پر اپنے اوپر شہادت کی تاکید اس لئے ہے کہ ایسی خبر دینے سے اسے خود کو ضرر اور نقصان پہنچتا ہے کہ اس خبر کے بعد ظالم بادشاہ یا حاکم کی طرف سے تکلیف پہنچے گی۔ باوجود اس کے اپنے اوپر گواہی دینی چاہیئے۔

اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ یا والدین اور قریبی رشتہ داروں پر گواہی دینی پڑے۔ مثلاً کہنا پڑے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص کو میرے والدین نے یا میرے رشتہ دار نے اتنا رقم یا قرض وغیرہ دینا ہے اگرچہ شہادت دینے سے اس کے والدین یا اس کے قریبی رشتہ داروں کو نقصان پہنچتا ہے تب بھی گواہی دینے سے گریز نہ کرے۔

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ بیٹے کا والدین پر حق کی گواہی دینے سے نافرمانی میں شامل نہیں اور نہ ہی شرعاً بیٹے کو والدین پر گریز کرنا چاہیئے اس لئے کہ ان پر گواہی دے کر انہیں آئندہ ظلم سے بچانا ہے۔

مسئلہ والدین کے لئے اور والدین کی اپنی اولاد کے لئے گواہی غیر قابل قبول ہے اس لئے کہ آباء و اولاد کے فوائد و منافع میں یکجہتی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا آپس میں زکوٰۃ دینا لینا جائز نہیں بنابریں یہ گواہی اپنی ذات کے لئے ہوگی یا اس لئے کہ ایسی گواہی سے تہمت کا امکان بھی ہے کہ مخالف کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے آپس میں اتفاق کر کے من گھڑت دعویٰ بنایا ہے۔

اِنْ یَّكُنْ جس پر گواہی دی جائے وہ غَنِیًّا غنی ہو اَوْ فَقِیْرًا یا فقیر اس لئے کہ غنی کی گواہی پر عموماً اس کی خوشامد مطلوب ہوتی ہے یا اس کی دنیاداری سے خطرہ ہوتا ہے اسی طرح فقیر پر بھی رحمدلی مدِنظر رکھی جاتی ہے یہاں پر شرط کی جزا محذوف ہے جس پر آنے والا جملہ دلالت کرتا ہے فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا تو غنی و فقیر سے اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اسی کا خوف ہو اور اسی کی رضا مطلوب فلہٰذا غنی کی خوشامد کے تحت اور فقیر کی رحمدلی کو مدِنظر رکھ کر گواہی نہ دینے کی کوشش نہ کرو۔ رضا جوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کی۔ اگر کسی کی رحمدلی کرنی ہے تو بھی ذاتِ حق کی رضا مدِنظر ہو۔ اگر ان کے اوپر گواہی دینے میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرے سے اللہ تعالیٰ ایسی شہادت مشروع بھی نہ فرماتا۔

حدیث شریف اپنے بھائی کی مدد کرو۔ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظالم کی مدد کا کیا معنے۔ فرمایا اس کی مدد کا یہ مطلب ہے کہ اسے آئندہ ظلم کرنے سے بچایا جائے اس لئے کہ اس طرح معنوی اس کی مدد کرنا ہے۔ ویسے ظالم کو ظلم سے روکنا بھی اس کی دینی مصلحت کے لحاظ سے اس کی مدد ہے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے اس کے ساتھ اس معاملہ کا نام "نصر" رکھا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔ (۱) بگمراہ گفتن نکو میروی

گناہ بزرگست و جور توی

④ بگوی آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچکس را نیاید پسند

ترجمہ: ① گمراہ کو کہنا کہ ٹھیک کر رہا ہے یہ بڑا گناہ بلکہ سخت ظلم ہے۔

② فائدہ بخش بات کہہ دے اگرچہ کسی کو ناپسند ہو۔

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ ان تعدلوا عدل سے ہے یا عُدُول سے یہاں ہر دونوں مراد ہو سکتے ہیں اگر عدل سے ہو تو معنے ہوگا کہ خواہشات کی تابعداری نہ کرو کہ کہیں حق سے روگردانی کر بیٹھو۔ وَاِنْ تَلْوٗٓا اور اگر تم اپنی زبانوں کو حق کی گواہی سے پھیرو گے یا حق کے فیصلہ سے روگردانی کرو گے بایں طور کہ حق کے طریق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جاؤ۔

حل لغات تَلْوٗٓا اَلّیٌ سے ہے معنی تاگر لپیٹنا اور بدل دینا اور گواہی میں لَیّ کا یہی مطلب ہے کہ اُسے تبدیل کر کے بیان کیا جائے۔ یا جس طرح واقعہ ہے اس کے خلاف بیان کیا جائے کہ خصمین سے کسی کی طرفداری کر کے واقعہ کے خلاف گواہی دے۔

اَوْ تُعْرِضُوْا یا روگردانی کرو گے شہادت کی گواہی نہ دینے سے۔ یہاں اعراض بمعنے گواہی چھپانے کے معنی میں ہے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری گواہی کی غلطی یا اسے بالکل چھپا دینے کو خَبِیْرًا خوب جانتا ہے پھر اُس پر تمہیں سزا دے گا۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ قاضی (حاکم وقت) کے ہاں مدعی اور مدعا علیہ حاضر ہوں تو انہیں کسی کی طرفداری کرے یا صحیح فیصلہ نہ کرے یا اُن کے حقوق میں عدل و انصاف کو مدِّنظر نہ رکھے۔ مثلاً ایک کے ساتھ نرمی دوسرے سے سختی یا کسی کو اشارہ کنایہ سے فیصلہ کی طرفداری کرے۔

مسئلہ اسی طرح گواہ اور عامۃ الناس کا حکم ہے اس لئے کہ آیت کا عموم سب پر دلالت کرتا ہے۔

حدیث شریف اس آیت کے نزول کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہے اسے چاہیئے کہ جس پر گواہی دینی ہے اُس پر ضروری گواہی دے اسی طرح جسے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہے اسے چاہیئے کہ جس کا حق دینا ہے اُس سے انکار نہ کرے اور اُس کی ادائیگی میں جلدی کرے حقدار کو دعویٰ کرنے کا موقعہ بھی نہ دے اس نیت پر کہ غلط سلط باتیں کر کے اس کے حقوق کی ادائیگی سے بچ جاؤں گا۔ تم میں جو بھی میرے ہاں فیصلہ لائے تو میں اس کے دلائل سُن کر اُس کے حق میں فیصلہ کر دوں حالانکہ اس کا وہ نہ ہو تو نہ لے اس لئے کہ رفیصلہ تو ظاہر پر ہوتا ہے اجس طرح میں نے فیصلہ کیا ہے اس نے اپنے فیصلہ کے مطابق غیر کا مال لیا تو میں اسے جہنم کا ٹکڑا دے رہا ہوں (تفسیر الحدادی)۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ بعض ایسی صورتیں ہیں جہاں گواہی نہ دینا جائز ہے مثلاً سمجھے کہ اس کی گواہی سے کسی کا حق مارا جائے گا۔ یا اسے یقین ہو کہ قاضی (حاکم وقت) فاسق ہے اُس کی گواہی چنداں مفید نہیں یا اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

مسئلہ حدود میں گواہی نہ دینا افضل ہے اگرچہ گواہی دینا جائز بھی ہے۔

حدیث شریف ① حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کسی نے آپ کے ہاں کسی کے حد میں گواہی دی، اگر تو اسے چھپا لیتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا۔

حدیث شریف ② حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے تو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اُس کے عیب چھپائے گا۔

حدیث شریف ③ ہر وہ شخص جو اپنے مسلمان بھائی کی اس حالت میں مدد کرتا ہے کہ اس میں اس کی عزت برباد ہوتی ہے اور اُس کے اعزاز و احترام میں فرق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی اُس وقت مدد فرمائے گا جہاں مدد کی اسے ضرورت ہوگی (یعنی قیامت میں) اور وہ شخص جو اپنے مسلم بھائی کو ایسے وقت میں رسوا کرتا ہے جہاں اُس کی بے عزتی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس وقت رسوا کرے گا جہاں اسے مدد کی سخت ضرورت ہوگی (یعنی قیامت میں)۔

حدیث شریف ④ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جہاں تک ہو سکے اپنے مسلم بھائی کو حدود سے بچاؤ۔

حکایت امام ابو یوسف و زبیدہ خاتون منقول ہے کہ کسی مسلمان نے ایک ذمی کافر کو عمداً قتل کر دیا حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ مسلمان کو اُس کے بدلہ میں قتل کر دو۔ بی بی زبیدہ (ہارون رشید کی اہلیہ) کو معلوم ہوا تو بی بی نے امام ابو یوسف کو کہلوا بھیجا کہ مسلم کو قتل کرانے کے فیصلہ پر نظر ثانی فرمائیں اور بی بی زبیدہ کو اہل اسلام سے بہت محبت تھی۔ پھر یہ معاملہ طول پکڑ گیا یہاں تک کہ اس کی نوبت ہارون الرشید تک پہنچی۔ اُس نے دنیا کے تمام فقہاء کرام کو جمع فرمایا انہیں میں امام ابو یوسف بھی شامل تھے۔ دعویٰ کے دلائل سن کر ہارون رشید نے کہا کہ مسلمان کو ذمی کافر کے بدلہ میں قتل کرنا واجب ہے امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مسلمان کو اس وقت تک قتل کرنا واجب نہیں جبتک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ مسلمان نے اس کافر کو قتل کیا تھا تو اس سے قبل ہی کافر اپنا جزیہ ادا کر چکا تھا۔ بہت بڑی تحقیق و تفتیش کے باوجود بھی ادائیگی جزیہ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا اس طرح وہ مسلمان قتل ہونے سے بچ گیا۔

تو روا داریکہ مق بے جتی
بر نہم اندر شہر باطل سنتی

ترجمہ: کیا تو اسے جائز رکھتا ہے کہ میں بلا دلیل شہر میں باطل طریقہ جاری کروں۔

تفسیرِ صوفیانہ شہداء اللہ میں عوام مومنین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ توحید اور وحدانیت کی عدل و انصاف کی گواہی دیں یہاں تک کہ دمِ واپسین کے وقت بھی اُن کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق گواہی دے دیں اور خواص کے لئے حکم ہے کہ وہ فردانیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری دیں اور خواص الخواص کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے وجود سے غائب اور اللہ تعالیٰ کے لئے فنا فی اللہ ہو کر وحدۃ کے ساتھ اس کے شہود کی گواہی دیں۔

فائدہ خواص میں ملائکہ کو بھی شرکت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ اس آیت سے اُولُوا العلم سے انبیاء کرام اور مخصوص اولیاء کبار (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) مراد ہیں۔ اس لئے کہ اخص الخواص سے یہی مراد ہوتے ہیں۔ اور تمام عالم میں صرف یہی اولوا العلم ہیں اور اُن کی شہادت کو (شَهِدَ اللّٰهُ) اللہ کی گواہی یعنی شہود کے ساتھ شرکت ہے۔ اس شہود میں ملائکہ کرام کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ وہ بھی قائم بالقسط ہیں۔ (التاویلات النجمیہ)۔

تفسیرِ عالمانہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا یہ خطاب تمام اہل اسلام کو ہے۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور اس کی اس کتاب پر جو اپنے رسول علیہ السلام پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو آپ سے پہلے نازل کی ہے ایمان لاؤ۔

فائدہ یہاں پر ایمان لانے سے مداومت اور اطمینانِ ایقان میں اضافہ یا ایمان کی تفصیل مراد ہے اس لئے کہ ان پر بعض کو اجمالی ایمان لانا بھی کافی ہے۔

سوال علیٰ رسولہ کے ساتھ نزل (باب تفعیل) وانزل مِن قبل کو باب افعال کیوں؟

جواب قرآن پاک چونکہ تدریجاً اُترا ہے اس کے لئے باب تفعیل مناسب ہے اور تمام کتابیں یکبارگی اتریں اس لئے اُن کے لئے باب افعال مناسب ہوا اور یہاں پر پہلی الکتاب سے قرآن مجید اور دوسری الکتاب سے تمام آسمانی کتابیں مراد ہیں چنانچہ انہیں دوسرے مقام پر" وَكُتُبِهٖ " سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مسئلہ ایک کتاب پر ایمان لانا گویا تمام کتابوں پر ایمان لانا ہے اس لئے کہ یہ کتاب بھی منجملہ اُن کتب سے ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی مخصوص نبی علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ صرف اس لئے کہ وہ اپنی امت کو اوامر و نواہی بتائیں اور اپنے دین کی باتوں سے اُن کی رہبری کریں۔ یہ معنے نہیں کہ وہ تمام کتب اُسی رسول کی ہیں۔ بلکہ صرف وہی کتاب اس مخصوص رسول

علیہ السلام پر نازل ہونے کی حیثیت سے ایمان لانا ضروری ہے اور یوں نہ ماننا چاہیئے کہ ان تمام کتب کے احکام و شرائع تا حال باقی ہیں اور نہ ہی یوں ایمان لایا جائے کہ اُن کے جتنے احکام و شرائع باقی ہیں۔ وہ انہی کتب کی حیثیت سے ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ہماری اس کتاب میں مندرج ہیں اور اس کے تمام احکام و شرائع حق اور ثابت ہیں جب تک کہ وہ منسوخ نہیں ہوئے بلکہ منسوخ ہونے کے بعد تقایا جملہ احکام و شرائع کو اس کتاب سے منسوب ہونے کی حیثیت سے حق مانا جائے گا اور ایمان رکھنا ہوگا کہ اس کتاب کے احکام نسخ و تبدیل ہونے سے محفوظ و مامون ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین کے نزدیک یہ خطاب منافقین کو ہے اب معنٰے یہ ہوا کہ اے منافقو ایمان میں خلوص پیدا کرو۔ منافقت یہی ہے کہ صرف زبان سے اقرار ہو لیکن دل اس کی تصدیق نہ کرے۔ اور ایمان با اخلاص یوں ہے کہ جیسے زبان سے اقرار ہو ویسے ہی دل بھی تصدیق کرے۔

شان نزول یہ خطاب اہل کتاب کے اہل ایمان کو ہے کہ حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ اور آپکے ساتھی رضی اللہ عنہم حضور علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم آپ پر اور آپ کی کتاب اور موسٰی علیہ السلام اور تورات اور عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے باقی سب سے ہم کفر کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ ایمان لاؤ۔ ایسا کہ عام ہو اور تمام کتب اور رسول علیہم السلام کو شامل ہو۔ اس لئے کہ بعض کو نہ ماننا تمام کو نہ ماننے کے برابر ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور کتابوں اور رسولوں اور یوم آخرت سے کفر کرتا ہے یعنی انمیں سے کسی ایک کو نہیں مانتا اس لئے کہ بعض کو نہ ماننا سب کو نہ ماننے کے مترادف ہے اس لئے ان پر ایمان لانے کا امر پہلے لایا گیا اس بناء پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ ملائکہ اور یوم آخرت سے کفر کرنے سے بھی ایمان ثابت نہیں ہوتا رُسل و کتب کو جمع لانے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اُن میں سے کسی ایک پر ایمان نہ لانا سب پر ایمان نہ لانے والی بات ہے اور رسول کی تقدیم اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ کتاب کو اس حیثیت سے ماننا ہے کہ اُس رسول علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے اور ملائکہ کی تقدیم بھی اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ سے رُسل علیہ السلام پر کتابیں لانے والے ہیں۔ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ؁ پس تحقیق سیدھے سے بہت دُور جا پڑا اور منزل مقصود سے اتنا بعید ہو گیا کہ اُس کا واپس پہنچنا مشکل ہو گیا ہے۔

عقیدہ سب سے پہلے انسان پر واجب ہے کہ وہ یقین کرے کہ اس کا ایک معبود ہے کہ جس کی وہ عبادت کرے گا اور اُسے دلائل و براہین سے مانے۔ اس لئے کہ اگرچہ مقلد کا ایمان بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک معتبر ہے لیکن دلائل و براہین کے ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار رہو گا اس لئے کہ سب سے پہلے حجّت و برہان ضروری ہے اس کے بعد مشاہدہ و عیان پھر فنا فی اللہ کا مقام نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ عوام کا ایمان وہ ہے جیسے حدیث شریف میں بیان کیا گیا کہ مؤمن پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور اُس کی تمام کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے اور یقین کرے کہ جنت و نار اور اُس کی بھلی اور بُری تقدیر حق ہے اسے ایمان غیبی کہتے ہیں مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) بندگی در غیب آید خوب و کش
حفظ غیب آید استعباد خوش

(۲) طاعت و ایمان کنون محمود شد
بعد مرگ اندر عیاں مردود شُد

ترجمہ (۱) بندگی غیبی بہتر ہے بہتر ہے اس غیبی عبادت کی حفاظت بہت خوب ہے۔
(۲) وہی ایمان و طاعت محمود ہے جو بوقت عیان حقیقت کی طرف لوٹ کر آئے۔

اور خواص کے ایمان کا مرتبہ یہ ہے کہ اس کا ایمان عیانی ہو وہ اسی طرح کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ متجلی ہو تو بندہ اپنے وجود کے تمام اجزا جھکا دے اور عیانی طور ایمان لائے۔ جبکہ اس سے قبل غائبانہ صرف قلب سے مانتا تھا اگرچہ اُس کے قلب کو ہر طرح سے ٹھکراتا رہا اس لئے کہ نفس روائح الغیب کی تسنیم سے محروم تھا جب اللہ تعالیٰ نے جبل پر اپنا جلوہ ڈالا تو موسیٰ علیہ السلام کا نفس بے ہوش ہو کر گر پڑا تو نفس اس مقام پر بمنزلہ موسیٰ علیہ السلام کے ہوتا ہے جب وہ ہوش میں آئے تو کہا۔ میں نے توبہ کی اور اب میں پہلا ایمان والا ہوں اور ایمان میں اخص کا مرتبہ یہ ہے کہ اُس کا ایمان عیانی ہوتا ہے لیکن انانیت کے حجابات اُٹھا دینے کے بعد اور یہ حجابات اس وقت اُٹھتے ہیں جب صفت جلال کے انوار چمکتے ہیں۔ اس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی صفت جلال سے فانی بنا کر صفت جمال میں بقا بخشتا ہے۔ اب وَین سے نکل کر مقام عین میں پہنچتا ہے۔ اس لئے اس کا ایمان عیانی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو دیکھئے جب وہ شبِ معراج تشریف لے گئے تو جب مقام قاب قوسین تک پہنچے تو مرتبہ این میں تھے لیکن انہیں عنایات ربانیہ نے اپنی طرف اَوْ اَدنیٰ کے جلووں سے کھینچا تو اُن کی طرف خصوصی پیغامات پہنچنے لگے جسے اَوْحىٰ اِلىٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحىٰ میں بیان کیا گیا آپ نے اس پر ایمان لایا اور وہ ایمان عینی تھا یعنی آپ نے ذاتِ حق کی صفات کو صفات حق سے اور ذاتِ حق کو ذات سے مانا اس طرح آپ کا تمام وجود مومن باللہ ہو گیا۔ اور آپ کا ایمان بھی عینی اور آپ کی ذات وصفات بھی۔ اس پر آپ نے دوسروں کے ایمان کو یوں بیان فرمایا کہ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ یعنی اپنے وجود کی ہویت کو مدِ نظر رکھ کر انہوں نے ایمان قبول کیا (التاویلات النجمیہ) اور حقیقی ایمان بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہی حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔

حکایت مثنوی شریف میں ہے کہ حضرت بایزید رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک کافر تھا اسے لوگوں نے کہا کہ ایمان قبول کرے تجھے دائمی سرور اور نجات نصیب ہوگی۔ اُس نے کہا اگر بایزید والے ایمان کی دعوت دیتے ہو تو وہ مجھ جیسے سے مشکل ہے۔ اگرچہ مجھے اُن سے دلی طور ایمان اور پورا یقین ہے۔ کیا ہوا کہ میں اس کا زبان سے اقرار نہیں کرتا لیکن دل تو مانتا ہے۔ ایمان بھی اس قلبی تصدیق کو کہا جاتا ہے۔ اگر تم کہو کہ میں تمہارے جیسے ایمان پر ایمان لاؤں تو پھر یقین مانو کہ نہ مجھے ایسے ایمان کی ضرورت ہے اور نہ ایمان لاتا ہوں۔ اس لئے کہ اُلٹا تمہارے ایمان کو دیکھ کر دل کھٹا ہوتا ہے کیونکہ تم گفتار کے غازی ہو کردار تمہارا اس کے خلاف ہے۔

سبق تفرید و تجرید کی طرف مؤمن ذکر و فکر اور توحید سے پہنچ سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی توحید کا دامن مضبوط پکڑ اور نیک اعمال بھی نہ چھوڑ اس لئے کہ واقم الصلوٰۃ میرا خصوصی مشغلہ ہے۔ اور اس میں ہی میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھ اس لئے کہ وہ میری دل کی ڈھارس ہے اور علم کو حاصل کیجئے اس لئے کہ وہ میرا موروثی ترکہ ہے (اے اللہ تعالیٰ ہمیں اس میراث سے محروم نہ رکھ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے یعنی یہودی ثُمَّ کَفَرُوْا پھر وہ کافر ہوئے بچھڑے کی پرستش کر کے ثُمَّ اٰمَنُوْا پھر وہ ایمان لائے بچھڑے کی پرستش سے توبہ کر کے۔ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا پھر وہ کفر میں بڑھے) یعنی حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے ازداد لازم اور متعدی ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "ازداد مالا" وہ مال میں بڑھا۔ اور نسوتہ لنفسی میں نے اسے اپنے لئے بڑھایا۔ اور اسی قانون پر ہے وزداد و تسعًا انہوں نے نو اور بڑھائے۔ لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہے لِیَغْفِرَ لَھُمْ تاکہ اُن کی مغفرت کرے جبتک وہ کفر میں ہیں وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا ہ اور اُس کا ارادہ نہیں کہ انہیں سیدھا راہ دکھلائے یا اس کا ارادہ نہیں کہ انہیں سیدھے راہ پر چلنے کی توفیق بخشے بلکہ انہیں کفر کی سزا دیتے ہوئے دائمی طور رسوا کرے گا۔

سوال جب اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ کافر کو نہیں بخشتا پھر ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا بار بار کیوں فرمایا؟

جواب یہ بھی اُس کا قاعدہ ہے کہ کافر جب ایمان لاتا ہے تو اُس کا کفر بھی بخش دیا جاتا ہے گو وہ از سرِ نو ہی مؤمن ہو جب مرتد ہوتا ہے تو اس کا پہلا کفر بھی نہیں بخشا جاتا۔ یہی مفہوم ہے جملہ عبارت (ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا کا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بوجہ اُن سے تہکم کے انذر وا خبر کے بجائے بشر فرمایا گیا۔ یعنی منافقین کو بتا دیجئے بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا لا کہ اُن کے لئے ایسا دردناک عذاب ہے جو اُن کے دلوں پر اثر انداز ہوگا۔

شان نزول اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ ایک دفعہ بظاہر ایمان لائے لیکن دل انکار کرتا رہا اور اسی پر اصرار کرتے ہوئے بار بار اہل اسلام کو نقصان پہنچایا۔

الَّذِيْنَ یہ وہ لوگ ہیں يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ جو کافروں (یہودیوں) کو بناتے ہیں۔ اَوْلِيَآءَ اپنے معین و مددگار اور دوست مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ یتخذون کے فاعل سے حال ہے یعنی مؤمنین مخلصین کی دوستی سے متجاوز ہو کر کافروں یہودیوں سے دوستی جوڑتے ہیں اس لئے کہ منافقین کی عادت تھی کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی کا دم مت بھرو تاکہ ان کا کام نہ بن جائے بلکہ یہودیوں سے دوستی جوڑو۔ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ کیا کفار سے دوستی اور محبت کرکے قوت و غلبہ چاہتے ہیں کفار کی دوستی و محبت سے انہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ترین مخلوق ہیں۔ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا اس لئے کہ تمام عزت و غلبہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ استفہام انکاری سے جو ثابت ہوتا ہے کہ اُس کی علت بتائی جا رہی ہے کہ وہ منافقین سراسر غلط اور اُن کی تمام امیدیں خاک میں ملی ہوئی ہیں اس لئے کہ عزت جملہ افراد کا انحصار اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اُسے سوائے اللہ تعالیٰ کے پیاروں اور دوستوں کے اور کوئی نہیں حاصل کر سکتا۔ انہیں غلبہ ہے اور انہیں کے لئے فتح و نصرت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا غیروں سے عزت و غلبہ اور فتح و نصرت کی اُمید رکھنا بے کار ہے[1]۔ جَمِيْعًا۔ لِلّٰهِ کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے اس لئے کہ اس حال کو مبتدا پر اعتماد ہے وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر نازل فرمایا ہے۔ یہ خطاب بطریق التفات منافقین کو ہے اور جملہ یتخذون کے فاعل سے حال ہے۔

شان نزول مفسرین فرماتے ہیں کہ اہل مکہ یعنے مشرکین کی عادت تھی کہ قرآن کریم کی آیات کا ذکر چھیڑ کر ہنسی و مذاق کرتے تھے اپنی اپنی مجالس کو اس مشغلہ سے گرم رکھتے۔ سورہ انعام میں اُن کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی کہ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ جب دیکھو ان لوگوں کو جو ہماری آیات میں غور و خوض کرتے ہیں تو ان سے روگردانی فرمائیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں غور و خوض میں لگ جائیں۔ اور یہ سورہ انعام بھی مکیہ ہے۔ اسی طرح پھر مدینہ طیبہ یہودیوں نے مشغلہ بنا رکھا تھا جیسے مشرکین مکہ

---

[1] معلوم ہوا کہ غیروں سے مراد دشمنانِ خدا ہیں اور انبیاء و اولیاء غیر نہیں بلکہ وہ مظاہر حق ہیں ان کا معاملہ ذات حق کا معاملہ ہے ۱۲۔ اُویسی۔

کرتے تھے اُن کے ساتھ منافقین بیٹھ کر قرآنی آیات کا مذاق اُڑاتے اللہ تعالیٰ نے ان منافقین سے فرمایا وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ یعنی تمہارے سے پہلے مکہ میں اسی طرح کا حکم نازل فرمایا۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم اگرچہ خصوصیت سے حضور علیہ السلام پر نازل ہوا ہے لیکن اُس کے احکام کے موارد عوام ہیں۔

فِی الْکِتٰبِ کتاب یعنی قرآنِ کریم میں۔ اَنْ مخففہ ہے یعنی شان یہ ہے کہ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیات سنتے ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ قرآنی آیات سے یہودی ہنسی مذاق کرتے ہیں اور یہ اُن کے ساتھ ہو جاتے یا برضا و رغبت سُنا کرتے اس لئے اُن کے لئے کبھی رؤیت سے کبھی سماع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یُکْفَرُ بِہَا وَ یُسْتَھْزَاُ بِہَا ان آیات سے کفر اور استہزا کیا جاتا ہے یعنی وہ آیات مکفور و مستہزیٔ بہا ہیں بہا فاعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے دراصل یکفر احد بِہَا ویستھزأ الخ تھا۔ فَلَا تَقْعُدُوْا یہ شرط کی جزا ہے مَعَھُمْ پس ان کافروں کے ساتھ مت بیٹھا کرو۔ ہم نے اس کا مخاطب کافروں کو اس لئے بنایا ہے کہ یکفرٗ او یستھزأ سے وہی مدلول ہے۔

حَتّٰی یَخُوْضُوْا یہاں تک کہ وہ گفتگو میں لگ جائیں الخوض بمعنے "در حدیث شدن" ہے فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ غیر قرآن کی گفتگو میں۔ حتّٰی نہی کی غایت کے لئے ہے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جب وہ قرآن کی آیات سے کفر و استہزا نہ کریں تو ان کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے۔

مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُن سے روگردانی ان کی مجالسِ مخالفت کی وجہ سے ہے نہ کہ اُن سے قلبی یا صرف ظاہری طور اعراض مراد ہے۔

اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ اس وقت تم بھی اُن کی مثل ہو گے یہ جملہ مستانفہ ہے تنزیل کے حکم میں داخل نہیں اسے صرف نہی کی علت بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے یہ اذن ملغہ عن العمل ہے۔ اس کے بعد کے ماقبل پر اعتماد کی وجہ سے عمل نہیں دیا گیا یعنی اذن کو مبتدا و خبر کے درمیان ہونے کی وجہ سے عمل دیا گیا۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ کفار کے آیات سے کفر و استہزا کے وقت مت بیٹھو اس لئے اگر تم اُن کے ساتھ بیٹھو گے تو تم بھی عذاب کے استحقاق اور کفر میں ان جیسے ہو جاؤ گے۔ اس لئے کہ کسی کے کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَھَنَّمَ جَمِیْعًا۔ بے شک اللہ تعالیٰ منافقین و کافرین کو جہنم میں جمع کرے گا۔ یعنی بیٹھنے والوں اور جن کے ساتھ بیٹھا گیا یعنی یہود اور کافروں کو یکجا جہنم میں بھیجے گا۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بیٹھنے والوں کو بھی کفر کی مجلس میں بیٹھنے سے کفر لازم ہو گیا فللہذا اس استلزام پر وہ بھی عذاب میں اُن کے شریک ٹھہرے۔

فائدہ یہاں دنیا میں جسے جس سے محبت و پیار ہے آخرت میں وہ اُسی کے ساتھ ہو گا یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ازل میں

انہی ارواح کو آپسمیں ایک دوسرے سے تعارف تھا چنانچہ حدیث شریف میں ہے ارواح ایک جمع شدہ لشکر ہیں پس کفار و منافقین کو یہاں آپس میں پیار و محبت ہے تو سمجھو کہ انہیں اس ازل سے ہی آپسمیں محبت و پیار تھا اسی طرح انہیں آپس میں اختلاف ہے یا اہل ایمان سے نفرت ہے تو یقیناً ازل میں ہی اسی طرح تھے۔

حکایت ایک عورت کی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ میں ایک عورت تھی کہ وہ قریش عورتوں کے ہاں حاضر ہو کر ہنساتی تھی۔ جب قریشی عورتیں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلی آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب سب پر ہجرت آسان کر دی تو وہ عورت بھی مدینہ طیبہ حاضر ہوگئی۔ ایک دن وہ میرے ہاں حاضر ہوئی میں نے کہا فلاں تو کیسے آگئی۔ کہا تمہارے ہاں ملنے کے لئے آئی ہوں میں نے پوچھا کس کے ہاں ٹھہری کہا فلاں ہنسانے والی عورت کے پاس یہ وہ عورت تھی کہ مدینہ والی عورتوں کو ہنساتی تھی۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اے عائشہ سنا ہے کہ مکہ میں ہنسانے والی عورت مدینہ طیبہ میں آئی ہے میں نے عرض کی ہاں آئی ہے آپ نے پوچھا وہ کہاں ٹھہری ہے میں نے عرض کی فلاں ہنسانے والی عورت کے پاس اس کا قیام ہے آپ نے فرمایا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَنِ الْاَرْوَاحَ جنود الخ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہمہ مرغاں کنند با جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

ترجمہ: تمام پرندے اپنے ہمجنسوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں کبوتر کبوتر کے ساتھ باز باز کے ساتھ۔

ابد ازل کا آئینہ ہے اس میں وہی ظاہر ہوتا ہے جو ازل میں تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ فِیْ جَہَنَّمَ جَمِیْعًا اس لئے کہ یہ عالم ارواح میں بھی ایک ہی صف میں تھے اور دنیا میں چونکہ انکا ایک ہی فن تھا اس لئے یہاں بھی یکجا ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جیسے زندگی بسر کرو گے ویسے ہی مرو گے جس عمل پر موت آئے گی اُسی پر اٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ارباب قلوب کو چاہیئے کہ ارباب نفوس کے ساتھ نہ بیٹھیں اور نہ ہی ان سے کسی معاملہ میں موافقت کریں اس لئے کہ ارباب نفوس کے کسی معاملہ میں موافقت کرو گے تو انہیں کی طرح ہو جاؤ گے۔ صاحبِ دل صاحب نفس کی طرح ہو جاتا ہے جب اُس کے ساتھ صحبت اور اُٹھنا بیٹھنا یا اُس کی تابعداری اختیار کرے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

نخست موعظۂ پیر مجلس ایں حرفست
کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

ترجمہ: پیر مجلس کی ایک ہی نصیحت کافی ہے کہ ناجنس کی صحبت سے کنارہ کرو۔

مسئلہ حضرت صدادی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ بری مجلس میں خواہ مخواہ بیٹھنا ناجائز ہے۔

مسئلہ اگر ضرورت ہو اور ان کے کردار سے دلی نفرت ہو اور اُسے روکنے کی جرأت بھی نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

حکایت حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میں آپ کی قوم سے چالیس ہزار نیک اور ساٹھ ہزار بدبخت تباہ کرنے والا ہوں۔ حضرت یوشع نے عرض کی یا اللہ بدبخت تو ہلاکت و تباہی کے لائق ہیں ان نیک بختوں کو کیوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان نیک بختوں سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے میری وجہ سے ان بدبختوں سے علیحدگی کیوں اختیار نہ کی اور اُن سے ناراضگی کا اظہار کیوں نہ کیا بلکہ اُن کے ساتھ راضی خوشی کھاتے پیتے رہے۔

مسئلہ کسی کو حج یا جنگ میں کسی فاسق اور بُرے کے ساتھ سفر کرنے کا موقعہ ملے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس فاسق کی وجہ سے عبادات و اطاعت میں کمی نہ کرے بلکہ اُس کی بُرائی کو دل سے بُرا مانے اور نہ ہی اس کی بُرائی سے راضی ہو ممکن ہے کہ اس فاسق کو اس کی صحبت سے توبہ نصیب ہو۔

مسئلہ جسے کسی دعوت پہ بلایا جائے لیکن وہاں لہو ولعب اور غنا وغیرہ ہو تو دعوت پہ جا کر واپس نہ لوٹے۔ اگر عام آدمی ہو اور اُسے روکنے کی قدرت ہو تو روکے ورنہ خاموش رہے اور اگر وہ صاحبِ مرتبہ ہو جیسے قاضی ومفتی اور (حاکم وغیرہ) تو اُسے چاہیئے کہ ان لوگوں کو بُرائی سے روکے۔ اگر وہ روکنے سے عاجز ہو تو دعوت چھوڑ کر چلا جائے اگرچہ دسترخوان پر بیٹھ چکا تھا اگر شراب پینے میں شروع ہو گئے تو بھی نکل جائے یہ عام آدمی کے لئے ہے خواص کے احکام اور ہیں۔

مسئلہ اگر اُسے دعوت کے مکان میں پہنچنے سے پہلے ہی معلوم ہو جائے تو مذکورہ بالا تمام وجوہ میں اُسے حکم ہے کہ نہ جائے (تحفۃ الملوک) اوپر جو لکھا گیا ہے کہ فسق کی وجہ سے عبادت و اطاعت میں کمی نہ کرے اس کی تائید میں مندرجہ ذیل حکایت ملاحظہ ہو۔

حکایت حضرت حسن اور محمد ابن سیرین رضی اللہ عنہما کسی جنازہ پہ تشریف لے گئے تو وہاں عورتیں نوحہ کر رہی تھیں۔ حضرت ابن سیرین تو واپس چلے گئے لیکن حضرت حسن جنازہ کے لئے منتظر رہے اور نماز جنازہ پڑھ کر لوٹے آپ نے فرمایا یہ اُن کا کام تھا ورنہ بات در اصل یہ ہے کہ ہمارے اوپر جنازہ پڑھنا دین کا حق تھا۔ ہم دین کے حق کو بُرائی کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ اس لئے میں نے دین کا حق ادا کیا۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ منافقین تمہاری بھلائی برائی کے وقوع کے منتظر رہتے ہیں فَاِنْ كَانَ لَكُمْ اگر تمہارے لئے اے مومنو! فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت اور کامیابی اور غنیمت ہو۔ قَالُوْٓا تو تمہیں کہتے ہیں۔ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ یعنی ہم بھی تمہارے دین میں ہیں فلہٰذا ہمارا بھی مال غنیمت سے حصّہ نکالو وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ